احادیث کا عظیم ذخیرہ

اثمار الہدایۃ

علی الہدایۃ

مکمل ہدایہ اولین

جلد اول

کتاب الطہارات تا کتاب الصلاۃ

(باب ما یفسد الصلوۃ وما یکرہ فیہا)

ترجمہ و تشریح

مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

زمزم پبلشرز

فہرست مضامین مقدمہ اثمارالھدایۃ جلد اول

فہرست مضامین اثمار الھدایۃ جلد اول

فہرست مضامین اثمارالھدایۃ جلداول

اثمار الهداية

على الهداية

ھدایہ اول

۵۱۱ھ - ۵۹۳ھ

احادیث کا عظیم ذخیرہ

حضرت مولانا ثمیر الدین قاسمی صاحب دامت برکاتہم

جلد اول

جامعہ روضۃ العلوم

نیا نگر، ضلع گڈا، جھارکھنڈ، انڈیا

نام کتاب .... اثمار الہدایہ

نام شارح .... مولانا ثمیر الدین قاسمی

ناشر .... جامعہ روضۃ العلوم نیانگر ، جھارکھنڈ

باہتمام .... مولانا ابوالحسن قاسمی ، نیانگر

نگران ....مولانا مسلم قاسمی سیپوری

طباعت بار اول .... دسمبر ۲۰۰۸ء

کمپیوٹر کمپوزنگ .... مولانا ثمیر الدین قاسمی

سیٹنگ .... حافظ زکی ، باٹلی

قیمت پانچ جلدیں ....۳۰ پونڈ

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL
Tel 00 44 (0161)2279577

C:\Documents
and
s\Administrator
Documents\3)
JPEG
CLIPART\PALM.jpg
not found.

انڈیا کا پتہ

مولانا ابوالحسن، ناظم جامعہ روضۃ العلوم، نیانگر

At Post. Nayanagar
Via Mahagama Dist Godda
Jharkhand-INDIA
Pin 814154
Tel 0091 9304 768719
Tel 0091 9308 014992

ملنے کے پتے

شارح کا پتہ

Maulana Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street
Old Trafford - Manchester
England M16 9LL

Tel 00 44 (0161)2279577

انڈیا کا پتہ

مولانا ابوالحسن، ناظم جامعہ روضۃ العلوم، نیا نگر

At Post. Nayanagar,Via Mahagama, Dist Godda

Jharkhand-INDIA ,Pin 814154

Tel 0091 9304 768719

Tel 0091 9308 014992

جناب مولانا مسلم قاسمی صاحب، خطیب مسجد بادل بیگ، نمبر 5005

بازار سرکی والان, حوض قاضی۔ دہلی نمبر 6

انڈیا, پین کوڈ نمبر 110006

فون نمبر 09891 213348

جناب مولانا نثار احمد صاحب

ثاقب بک ڈپو، دیوبند, ضلع سہارنپور، یوپی

انڈیا، پین کوڈ نمبر 247554

فون نمبر 09412496688

﴿خصوصیات اثمار الهدایة﴾

(۱) هدایہ کے ہر مسئلے کے لئے تین حدیث تین حوالے لانے کی کوشش کی گئی ہے، اور اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے

(۲) پھر صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں وہ کس کتاب میں ہے اس کا پورا حوالہ دیا گیا ہے تا کہ صاحب ھدایہ کی حدیث پر اشکال باقی نہ رہے۔ اور یہ بھی لکھ دیا گیا ہے کہ یہ حدیث ہے، یا قول صحابی، یا قول تابعی۔

(۳) طلباء کے ذہن کو سامنے رکھتے ہوئے ہر مسئلے کا محاوری اور آسان ترجمہ پیش کیا ہے۔

(۴) کمال یہ ہے کہ عموما ہر ہر مسئلے کو چار مرتبہ سمجھایا ہے، تا کہ طلباء مسئلہ اور اسکی دلیل بھی آسانی سے سمجھ جائیں

(۵) مسائل کی تشریح آسان اور سلیس اردو میں کی ہے۔

(۶) وجہ کے تحت ہر مسئلے کی دلیل نقلی قرآن اور احادیث سے مع حوالہ پیش کی گئی ہے۔

(۷) حسب موقع دلیل عقلی بھی ذکر کر دی گئی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی، کتاب الام، کے حوالے سے لکھا گیا اور حدیث کی دلیل بھی وہیں سے ذکر کی گئی ہے

(۹) کونسا مسئلہ کس اصول پر فٹ ہوتا ہے وہ اصول بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۱۰) لغت کے تحت مشکل الفاظ کی تحقیق پیش کی گئی ہے۔

(۱۱) لفظی ابحاث اور اعتراض و جوابات سے دانستہ احتراز کیا گیا ہے تا کہ طلباء کا ذہن پریشان نہ ہو۔

(۱۲) جو حدیث ہے اس کے لئے 'حدیث' اور جو قول صحابی یا قول تابعی ہے اس کے لئے' اثر ' کا لفظ لکھا ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ کون حدیث ہے اور کون قول صحابی، یا قول تابعی ہے۔

(۱۳) حدیث کے حوالے کے لئے پورا باب لکھا۔ پھر بیروتی، یا پاکستانی کتب خانہ والی کتابوں کا صفحہ نمبر لکھا اور بیروتی یا سعودی کتابوں کا احادیث نمبر لکھ دیا گیا تا کہ حدیث نکالنے میں آسانی ہو۔

(۱۴) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان بھی لکھ دئے گئے ہیں تا کہ دونوں اوزان میں بآسانی موازنہ کیا جاسکے۔

ہم اثمار الهدایہ ہی کو کیوں پڑھیں ؟

(۱) اس شرح میں ہر مسئلے کے تحت تین حدیثیں، تین حوالے ہیں جس سے دل کو سکون ہو جاتا ہے کہ کس مسئلے کے لئے کون سی حدیث ہے۔

(۲) کوشش کی گئی ہے کہ احادیث صحاح ستہ ہی سے لائی جائے، تاکہ حدیث مضبوط ہوں۔

(۳) صاحب ھدایہ جو حدیث لائے ہیں اس کی مکمل دو تخریج پیش کی گئی ہے۔

(۴) ایک ایک مسئلے کو چار چار بار مختلف انداز سے سمجھایا ہے، جس سے مسئلہ آسانی سے سمجھ میں آ جاتا ہے۔

(۵) بلا وجہ اعتراض و جوابات نہیں لکھا گیا ہے۔

(۶) سمجھانے کا انداز بہت آسان ہے۔

(۷) پرانے اوزان کے ساتھ نئے اوزان مثلا گرام وغیرہ کو لکھ دیا گیا ہے، جس سے پرانا اور نیا دونوں وزنوں سے واقفیت ہوتی ہے۔

(۸) امام شافعیؒ کا مسلک انکی کتاب الام سے نقل کیا گیا ہے، اور انکی دلیل بھی صحاح ستہ سے دی گئی ہے۔

Documents\3) JPEG CLIPART\Big blank book.jpg not found.

اثمار الهداية

فہرست مضامین مقدمہ اثمار الھدایۃ جلد اول

فہرست مضامین اثمار الہدایۃ جلد اول

فہرست مضامین اثمار الهدایۃ جلد اول

دوقطعات درشان اثمار ہدایہ

از: نادرؔ لاجپوری

اثمار ہدایہ ہے مسائل کا ذخیرہ
تحصیل فقہ میں ہے وسائل کا ذخیرہ
مفتی کو ضروری ہے جو ہر وقت اے نادرؔ
ان سارے اصول اور دلائل کا ذخیرہ

☆-----☆-----☆

جب ہاتھ میں آتی ہے یہ اثمار ہدایہ
ہر سمت نظر آتے ہیں انوار ہدایہ
پھر پڑھ کے دل و جان جو ہوتے ہیں منور
کھلتے ہی چلے جاتے ہیں اسرار ہدایہ

بسم الرحمٰن الرحیم

تقریظ

حضرت مولانا نصیر احمد خان صاحب دامت برکاتھم

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم: اما بعد!

عزیز گرامی مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی، دارالعلوم دیوبند کے ایک باتوفیق فاضل ہیں، مادرِ علمی سے فراغت کے بعد مختلف دینی وعلمی خدمات میں مصروف ہیں، خاص طور پر علم ہیئت سے ان کو خصوصی مناسبت ہے، جس کی بنیاد پر انھوں نے رویت ہلال کے اہم ترین مسئلہ پر تحقیقی کام انجام دیا ہے۔

اب کچھ عرصہ سے انھوں نے درسی کتابوں کی طرف توجہ دی ہے، ''**الشرح الثمیری**'' کے نام سے قدوری کی شرح ان کے قلم سے منظر عام پر آکر قبول عام حاصل کر چکی ہے، اب انہوں نے فقہ حنفی کی عظیم کتاب ''ہدایہ'' کی شرح کا بیڑا اٹھایا ہے، جو اس وقت ''**اثمار الهدایہ**'' کے نام سے زیر نظر ہے، جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ انشاء اللہ یہ شرح اپنی خصوصیات کے سبب مقبول ہوگی۔

اس شرح میں شارح موصوف نے احناف کے مذہب کو ہر مسئلہ میں حدیث شریف سے مدلل کیا ہے، اور ایک ایک مسئلہ کے لیے کئی کئی احادیث باحوالہ ذکر کی ہیں، اس کے علاوہ ائمہ کے اقوال، خود ان کے مذہب کی مستند کتب سے نقل کئے ہیں، عبارت کا ترجمہ، واضح تشریح اور مشکل الفاظ کی تحقیق اور دیگر ضروری تفصیلات سے کتاب مزین ہے۔

میری دعا ہے کہ باری تعالیٰ اس شرح کو شرفِ قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور شارح موصوف کو مزید علمی و دینی خدمات کی توفیق بخشے۔ آمین!

والسلام

نصیر احمد عفا اللہ عنہ

شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۶ محرم ۱۴۲۸ھ

۱۵ فروری ۲۰۰۷ء

اعترافِ حقیقت

الحاج حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہ العالی

نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

نحمدهٗ ونصلی علی رسوله الكريم، اما بعد:

ہدایہ علامہ مرغینانی علیہ الرحمہ کی وہ مشہور و معروف کتاب ہے جو مسلسل آٹھ صدیوں سے فقہ حنفی کی مظبوط و مستحکم دلیل سمجھی جاتی ہے اور قبولیت کے رتبۂ عظمیٰ پر فائز ہے۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب لکھنویؒ نے ہدایہ کے تعلق سے ارشاد فرمایا ہے کہ ''هو مقبول بين الأنام من الخواص والعوام ''، بعض اہل علم کا قول ان الفاظ میں منقول ہے: ''كتاب الهداية يهدى الهدى ا ـ ٠ى حافظيه ويجلوا العمیٰ فلازمه واحفظه ياذا الحجى فمن ناله نال أقصى المنى ''

ایک بزرگ کا ارشاد اس طرح ہے: ''ان الهداية كا لقرآن قد نسخت ماصنفوا قبلا فى الشرح من كتب ''

حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ، اور مولانا مناظر احسن گیلانیؒ نے علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا ارشاد گرامی اس طرح نقل فرمایا ہے کہ: ''الحمد اللہ میں ہر کتاب کو اس کے مخصوص طرز پر کچھ نہ کچھ لکھ سکتا ہوں مگر چار کتابیں مستثنیٰ ہیں، قرآن عزیز، بخاری شریف، مثنوی شریف اور ہدایہ'' علامہ کشمیری کی قوت حافظہ اور جلالتِ شان سے جو لوگ واقف ہیں وہ اس کا وزن محسوس کر سکتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ صاحبِ ہدایہ کی وفات کو آٹھ صدیاں گزر گئی ہیں مگر اس طرز پر کوئی تصنیف ایسی وجود میں نہیں آئی جو اس کی قائم مقامی کر سکے۔

ہدایہ میں صاحبِ ہدایہ نے محدثین و متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی ذکر کردہ احادیث وروایات ثبت فرمادی ہیں، جس طرح امام بغویؒ نے مصابیح السنہ اور شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے حجۃ اللہ البالغہ میں متقدمین کی کتابوں پر اعتماد کرتے ہوئے بلاحوالہ سندیں ذکر فرمائی ہیں۔

اس کے بعد فتنۂ تاتار کے زمانہ میں متقدمین کا علمی سرمایہ ضائع ہو گیا اور تقریباً معدوم ہو گیا، اب اصحاب تخریج نے ان احادیث وروایات کو اپنے عہد کے کتب میں تلاش کیا اور نہ ملنے پر لم اُجدہ وغیرہ کے الفاظ نقل کر دیئے ہیں جس سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ علامہ مرغینانی کا یہ فقہی سرمایہ صرف اور صرف رائے اور قیاس پر مبنی ہے، جب کہ یہ مبنی برحقیقت نہیں ہے، علامہ زین الدین قاسم بن قطلو بغا نے منیۃ الالمعی اور علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایہ تصنیف فرما کر یہ واضح کر دیا ہے کہ ہدایہ میں ذکر کردہ ہر حدیث مستند ہے۔

مزید ضرورت تھی اس بات کی کہ ہدایہ میں ذکر کردہ ہر مسئلہ کا ماخذ حدیث معتبر کتابوں سے بیان کیا جائے تا کہ فقہ حنفی کا یہ عظیم سرمایہ مبرہن ہو جائے اگر چہ یہ کام طویل ہونے کے ساتھ ساتھ انتہائی محنت طلب تھا، اور علماء احناف پر قرض چلا آ رہا تھا، اللہ

تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی کو کہ موصوف نے اس ہمت شکن کام کو اپنے سر لیا اور عرق ریزی، جفاکشی، شب بیداری کے ساتھ کمر ہمت باندھی اور **اثمار الھدایہ** کے نام سے ۱۶/جلدوں میں لانے کا پیغام عام کر دیا جس کی پانچ جلدیں طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔ فالحمد للہ علی ذلک۔

مولانا موصوف نے اس کتاب میں ہر مسئلہ کے لیے تین تین احادیث لانے کا اہتمام کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ ہدایہ کا کوئی مسئلہ بھی صرف رائے اور قیاس پر مبنی نہیں ہے بلکہ قرآن وحدیث سے مستنبط ہے، مولانا موصوف کا علمی سفر اس وقت مختلف سمتوں میں جاری ہے، فلکیات پر، فلکیات جدیدہ کے عنوان سے اہم تصنیف آپ ہی کے گوہر بار قلم سے منصۂ شہود پر آ کر قبول عام حاصل کر چکی ہے۔ نیز درس میں داخل کئی کتابوں کی کامیاب شروحات، اسلامی کتب میں خوشنما اضافہ کے باعث ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کی محنت کو قبول فرمائے، استفادے کو عام و تام فرمائے۔ مزید دینی خدمات کی توفیق مرحمت فرمائے۔ (آمین)

والسلام

عبدالحق غفرلہ

نائب شیخ الحدیث دارالعلوم دیوبند

۲۷ محرم ۱۴۲۸ھ

۱۶ فروری ۲۰۰۷ء

Documents\3) JPEG CLIPART\ANCHASA.JPEG.jpg not found.

دعائیہ کلمات

الحاج حضرت مولانا محمد یونس صاحب دامت فیوضکم

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

آپ کی تالیف جدید ''**اثمار الهدایه**'' کی خصوصیات پڑھیں اس سے آپ کے مقاصد اور طلبہ ومدرسین کے حق میں مسائل کی توضیح اور کتاب کی تشریح ووضاحت کے متعلق معلومات ہوئی اللہ پاک اس سعی جمیل کو قبول فرمائے۔

علماء اور طلبہ کو پوری طرح مستفید ہونے کی توفیق دے، آپ کی تصنیف سابق ''**الشرح الثمیری**'' کی طرح بلکہ اس سے زیادہ اس کو قبولیت عطا فرمائے۔ لوگ پوری طرح توجہ کے ساتھ پڑھیں اور استفادہ کریں۔

کتبہ محمد یونس

شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور

۲۹ محرم ۱۴۲۸ھ

۱۸ فروری ۲۰۰۷ء

اثمار الھدایہ قابل ذکر شرح

حضرت مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحب زیدمجدکم

مفتی دارالعلوم دیوبند

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم:

مولانا ثمیر الدین صاحب دارالعلوم دیوبند کے فرزندار جمند ہیں اور عرصہ سے مولانا کا قیام انگلینڈ میں ہے، وہاں کی آب وہوا اور وہاں کا موسم لکھنے پڑھنے والوں کے لیے بڑا ہی ''سازگار'' ہوتا ہے؛ چناں چہ مولانا نے جب سے وہاں قیام اختیار کیا ہے، ان کی ''تصنیف وتالیف'' کا سلسلہ دراز ہوتا جارہا ہے، ابھی کچھ سال پہلے مولانا نے فقہ کی مشہور کتاب ''قدوری' کی شرح لکھی ہے جو چار جلدوں میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے اور اہل علم میں مقبول ومعروف ہے۔

اب مولانا موصوف نے ''ہدایہ'' کی شرح لکھنا شروع کر دی ہے۔ ماشاءاللہ اس میں بھی پوری محنت کر رہے ہیں، امید ہے کہ جلد ہی ''شرح ہدایہ'' کی جلدیں بھی آنی شروع ہو جائیں گی اور ان شاءاللہ یہ شرح ہدایہ، کتاب کے شایان شان ہوں گی، یہ درسیات کی مشہور کتاب ہے اور اس کی دوسری شرحیں بھی آرہی ہیں، اس لیے توقع ہے کہ اس پر مولانا کو کافی محنت کرنا ہوگی اور امید ہے کہ وہ محنت کریں گے۔

ابھی خاک سار کے سامنے ابتدائی کتاب کی شرح آئی ہے، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہدایہ کی یہ شرح قابل ذکر شرح قرار پائے گی۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مولانا کو صحت وسلامتی کی دولت سے مالا مال کرے اور ہدایہ کی شرح جو محنت چاہتی ہے، اس کے کرنے میں کوئی کمی واقع ہونے نہ پائے۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ مولانا کو اس شرح کے لکھنے میں مدد فرمائے اور وہ کامیابی سے ہمکنار ہوں۔

طالب دعا

محمد ظفیر الدین غفرلہ

مفتی دارالعلوم دیوبند

۱۴۲۸/۱/۲۶ھ

Documents\3) JPEG CLIPART\image4.jpg not found.

اظہارِ واقعیت

حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب لاجپوری عمت فیوضکم

خلیفہ ومجاز حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب

مقیم حال: باٹلی، انگلینڈ

فقہ حنفی میں ہدایہ بڑی معتبر مشہور مستند اور جامع کتاب ہے، وقت تصنیف سے آج تک تمام مدارس عربیہ میں داخل درس ہے۔ عجیب وغریب مجتہدانہ شان سے لکھی گئی ہے اور روایت ودرایت دونوں کی حامل ہے۔ ہدایہ کو اگر درس نظامی کا حاصل اور علوم دینیہ کی بنیاد کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ جامعیت کثرت مسائل، حسن ترتیب اور ایجاز واعجاز کے اعتبار سے ایک متن متین ہے۔ درس نظامی کے فن فقہ میں اسے ریڑھ کی ہڈی کی اہمیت وحیثیت حاصل ہے۔ یہی فقہ حنفی کی وہ لافانی لازوال اور شاہکار کتاب ہے کہ جس کی ہمہ گیری قوت استدلال آب وتاب کے سامنے بڑے بڑے مکاتیب فقہ ماند پڑ گئے۔ ہدایہ کے بعد اس حجم کی حاوی نافع او رمستند کتاب خود فقہ حنفی بھی پیش نہیں کر سکا۔ اس کتاب میں علامہ مرغینانیؒ نے عیون روایت اور متون درایت کے عبارات جمع کر دیئے ہیں، یہ کتاب آپ نے ایسی اچھوتی اور ایسی انوکھی طرز میں تحریر فرمائی کہ اس کے ہر ہر مسئلہ کو قرآن وحدیث سے مبرہن کیا اور ہر ہر جزئیہ کو عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا، اس بے نظیر کتاب کی عبارت نہایت مرتع سلیس فصیح اور بلیغ ہے۔ یہ ایک ناقابل انکار حقیقت اور ناقابل تردید صداقت ہے کہ ہدایہ پڑھے بغیر انسان درجۂ فقاہت کو نہیں پہنچ سکتا، بلکہ انسان کی فقہی معلومات تشنۂ تکمیل رہ جاتی ہے۔

صاحبِ ہدایہؒ نے بدھ کے دن بعد از نماز ظہر بماہ ذوالقعدہ ۵۷۳ھ میں ہدایہ لکھنا شروع کی اور تیرہ برس میں اسے اختتام تک پہنچایا۔ ان تیرہ برس میں سوائے ایام ممنوعہ کے مسلسل روزے رکھتے تھے۔ اور آپ کے خلوص اور بے ریائی کا یہ عالم تھا کہ اس تیرہ برس کے طویل عرصہ میں کسی فرد وبشر کو بھی آپ کے روزہ دار ہونے کی خبر تک نہ ہوسکی، حتی کہ آپ کے اہل خانہ بھی اس حقیقت سے بے خبر تھے کہ آپ کا روزہ ہوتا ہے۔ وہ دورانِ تصنیف جب خادم کھانا لا کر رکھ دیتا تو آپ اسے چلے جانے کا حکم دیتے اور کھانا کسی طالب علم یا مہمان کو کھلا دیتے، خادم برتنوں کو خالی دیکھ کر یہ سمجھتا کہ کھانا آپ نے تناول فرمایا ہے۔

ہدایہ کی اہمیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ''ہدایہ'' کے شارح علامہ ابن الہمامؒ نے قاری الہدایہ علامہ سراج الدین عمر بن علی کتانیؒ (م ۸۲۹ھ) سے انیس (۱۹) سال میں ہدایہ تحقیق واتقان کے ساتھ پڑھی ہے۔ پھر استاذ کے بعد خود پڑھانی شروع کی اور ساتھ ہی شرح بھی لکھنی شروع کی۔ (آپ فتویٰ کیسے دیں: ص: ۱۴۵)

اس عظیم الشان کتاب کی بے شمار شرحیں لکھی گئیں، اور ہر شرح اپنے اپنے دائرہ میں بڑی مفید اور قابل قدر ہے ہمارے دوست حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی مدظلہ نے ''اثمار الہدایہ'' کے نام سے ایک تفصیلی شرح لکھنا شروع کی ہے اور ہدایہ جلد

اوّل کی شرح میں ''اثمار الہدایہ'' کی تین جلدیں مکمل کرلی ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عظیم کام کو بآسانی تکمیل تک پہنچائے اور طلبہ واساتذہ کے لیے مفد اور مصنف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

اس شرح کی چند خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱- ہدایہ کی عربی عبارت کے ساتھ بامحاورہ ترجمہ اور اس کی آسان وقابل فہم تشریح۔

۲- ہر مسئلہ کے تحت اصول جس سے مسئلہ کا مخرج بخوبی سمجھ میں آسکے۔

۳- ہر مسئلہ کی دلیل احادیث سے اور مذاہب کے مسلک کی دلیل بھی احادیث لکھ دی گئی ہیں۔ احناف کی تائید میں اکثر جگہ تین احادیث نقل کی گئی ہیں۔

۴- احادیث کا حوالہ اتنا جامع ہے کہ کسی بھی تحقیق کرنے والے کو اس کا نکالنا اور تلاش کرنا انتہائی آسان مثلاً: بخاری، ص:...... باب... کتاب...... رقم الحدیث......... اس طرح کا حوالہ کسی شرح میں آج تک راقم کی کوتاہ نظر سے نہیں گزرا۔

۵- قدیم اصطلاح کی مکمل جدید تحقیق جیسے: مد، قطر، قلتین کی مقدار کی تحقیق۔ فرسخ، بردوغیرہ کا میل اور کلومیٹر سے حساب، اونٹ، گائے، بھینس، بکری کی زکوٰۃ کا حساب آسان نقشہ کی صورت میں درہم، دینار، صاع، رطل، رتی، قیراط، مثقال، ماشہ، وسق، دانق وغیرہ کی مکمل تفصیل اور جدید اوزان کا ایسا دل نشیں اور عمدہ نقشہ لکھ دیا گیا ہے جس سے ہر ایک کا یکساں فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ میقاتِ خمسہ: ذوالحلیفہ، ذات عرق، قرن یلملم کی پیائش میں بھی مولانا نے اسی اصول کو اپنایا ہے۔

۶- مشکل مقامات پر کچھ لغوی تحقیق بھی کردی گئی ہے۔

۷- زبان آسان استعمال کی گئی ہے۔ قیل قال سے اجتناب کیا گیا ہے۔

احقر عبدالرؤف لاجپوری

26 - 6 - 2007

Documents\3) JPEG CLIPART\26556.JPEG.jpg not found.

مختصر حالاتِ شارح حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی مدظلہ

(از: حضرت مولانا منیر الدین احمد عثمانی رخادم تدریس دار العلوم دیوبند

الحمدللہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم.

امابعد! چمنستان عالم میں نہ جانے کتنے پھول کھلتے ہیں اور کچھ بن کھلے مرجھا جاتے ہیں، اور کچھ اپنے اطراف وجوانب کو معطر ومشک بار کرتے رہتے ہیں جن سے ایک دنیا فیض یاب ہوتی ہے۔ ان ہی پھولوں میں سے ایک گل سرسبد حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ہیں۔

ولادت ومقام

حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب ۶ رنومبر ۱۹۵۰ء م ۲۵ رمحرم ۱۳۷۰ھ میں صوبہ جھارکھنڈ کے ایک قریہ گاؤں گھٹی میں عالم ناپید سے وجود میں آئے یہ مقام شہر بھاگلپور سے جانب مشرق ۴۰ رکلومیٹر دور دیہات میں واقع ہے، جہاں آج بھی بجلی، پانی، جیسی بنیادی ضرورتیں میسر نہیں ہیں جس وقت موصوف کا اس عالم رنگ وبو میں تولد ہوا، اس وقت کسے پتہ تھا کہ یہی بچہ کل کو ایسے ایسے کارنامہ انجام دے گا جس سے نہ صرف جھارکھنڈ بلکہ ایک عالم مستفیض ہوگا۔ اور علماء حق کا بول بالا ہو جائے گا، لیکن قدرت کے نظام تکوینی کو سامنے رکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب کے حسین مکھڑے، نورانی چہرہ اور صاف وشفاف رنگت کو دیکھ کر بے زبان مخلوق کو ضرور یہ اندازہ ہوگا کہ اس معصوم سے بچے سے مستقبل کی کتنی تابناکیاں متعلق ہیں اس سے قوم وملت بالخصوص مسلمانانِ جھارکھنڈ کو کس قدر فائدہ پہنچے گا۔ لہٰذا اس پہلو کو پیش نظر رکھ کر یہ کہنا حق بجانب ہے کہ آپ کے تولد پر بادِ نسیم جھوم جھوم کر خوشی وفرحت کے ترانے گا رہی تھیں، مہکی مہکی فضائیں خوش آمدید کہہ رہی تھیں کہ لیجئے چمنستان صدیقی میں ایسا پھول آ گیا ہے جس کی خوشبو زمانۂ دراز تک مہکتی رہے گی۔ اور جس کی ضیاء پاشیوں سے ایک عالم منور ہو جائے گا۔

شجرۂ نسب

ثمیر الدین والد کا نام جمال الدین، دادا کا نام محمد بخش عرف لدنی، پردادا کا نام چولہائی قوم شیخ صدیقی سلسلۂ نسب اخیر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا ملتا ہے، اس لیے اس خاندان کو شیخ صدیقی کہتے ہیں۔ اور اس علاقہ میں یہ خاندان مشہور ہے حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب اسی معروف خاندان کے چشم وچراغ ہیں۔

تعلیم وتربیت

سچ یہ ہے کہ قدرت جسے نوازنا چاہتی ہے اس کے اوپر ابتداء ہی سے نوازشوں کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور الطاف وعنایات کا اس طرح ظہور ہوتا ہے کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ چناں چہ ابھی عمر کی پہلی منزل ہے کہ اپنے مسکن ومولد میں معروف ومشہور عربی مولانا عبدالرؤف صاحب عرف گونی بھاگلپوری سے استفادہ کا آغاز کرتے ہیں اور مولانا عبدالرؤف صاحب مرغیا چکوی کے درخاص سے اردو، ہندی، حساب اور فارسی زبان کی بنیادی تعلیم حاصل کرتے ہیں۔

۱۹۶۲ء میں جب کہ عمر کی بارہویں بہار کی ابتداء ہے آپ علمی پیاس بجھانے کے لیے مدرسہ امدادالعلوم اٹکی رانچی پہنچتے ہیں، ۱۹۶۴ء میں مدرسہ اعزازیہ پتھنہ بھاگلپور سے علمی تشنگی دور کرنے کے لیے ملحق ہوجاتے ہیں مزید علمی گیرائی وگہرائی کے لیے ۱۹۶۶ء میں دارالعلوم چھاپی گجرات کا رخ کرتے ہیں اور ادارہ ہذا میں عربی تعلیم کے حصول کے لیے داخلہ لیتے ہیں، جوں جوں تعلیمی تعمق کے لیے مختلف مقامات کی خاک چھانتے ہیں اسی قدر علمی تشنگی میں اضافہ ہوتا ہے یہاں تک کہ مرکز علم وعرفان دارالعلوم دیوبند کا ارادہ کرنے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ اور اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے ازہر ہند مادرِ علمی دارالعلوم دیوبند میں ۱۹۶۸ء میں داخلہ کی سعادت سے مشرف ہوتے ہیں اور شعبان ۱۳۹۰ھ -م اکتوبر ۱۹۷۰ء میں دورۂ حدیث شریف کی تکمیل کرتے ہیں مسند حدیث کی نابغۂ روزگار ہستی حضرت مولانا سید فخرالدینؒ سے بخاری شریف پڑھنے کا موقع میسر آتا ہے حضرت مولانا فخرالحسن صاحب سے ترمذی شریف، حضرت مولانا عبدالاحد صاحب سے ابوداؤد شریف، حضرت مولانا شریف احمد صاحب سے مسلم شریف اور مولانا حسین صاحب بہاری سے طحاوی شریف کے دروس واسباق اخذ کرتے ہیں اور خوب محظوظ ہوتے ہیں یہ حضرات اپنے زمانہ کے مستند محدث اور صفِ اوّل کے علماء میں شمار کئے جاتے تھے جو مولانا ثمیر الدین صاحب کے مرکز استفادہ بنے۔ **فالحمد للہ علی ذلک۔**

عربی ادب میں خصوصی مناسبت کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں تکمیل ادب میں داخلہ لیتے ہیں اور عربی ادب میں مہارت حاصل کرتے ہیں ۱۹۷۲ء میں تکمیل فنون میں شریک ہوتے ہیں اور فلکیات کو مرکز توجہ بناتے ہیں اس فن میں بھی دسترس حاصل کر لیتے ہیں الغرض مولانا مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں حیات مستعار کے پانچ بہاریں گزارتے ہیں اور اس دوران جدوجہد محنت وجستجو کی مثال قائم کرتے ہیں، ہمیشہ تنہائیوں میں بیٹھ کر کتب بینی ومطالعہ میں مشغول رہتے ہیں، ایک مرتبہ حضرت مولانا عبدالخالق صاحب مدراسی نائب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے روبرو مولانا موصوف کا تذکرہ آیا تو مولانا مدراسی نے فرمایا کہ مولانا ثمیر الدین صاحب فارغ اوقات میں قبرستان میں بیٹھ کر کتابیں یاد کرتے تھے وقت کو کبھی بھی ضائع ہونے نہ دیتے تھے شروع ہی سے مولانا محنتی اور مستعد واقع ہوئے ہیں جس کام کو ہاتھ میں لیتے ہیں ہزار مصائب وآلام کے باوجود تکمیل تک پہنچا کر دم لیتے ہیں، اسی کا نتیجہ ہے کہ اثمار الہدایہ

اورالشرح الثمیر ی جیسی عظیم کتابیں آپ کے ہاتھوں میں ہیں۔

تدریسی خدمات

دارالعلوم دیوبند سے فراغت کے بعد جنوری ۱۹۷۳ء میں م شوال ۱۳۹۳ھ سے باضابطہ تدریس کا آغاز فرماتے ہیں سب سے پہلے تدریس کے لیے مدرسہ کنز مرغوب پٹن گجرات کا انتخاب عمل میں آیا۔ پھر مدرسہ تعلیم الاسلام آنند گجرات اس کے بعد جامعہ رحمانی مونگیر بہار میں دورۂ حدیث شریف کی اہم کتب ابوداؤد شریف اور ترمذی شریف آپ کے زیر درس رہیں۔ اور تقریباً تیس سال تک مدارس اسلامیہ میں خوشہ چینیوں کو اپنے علمی فیضان سے فیضیاب فرماتے رہے اس دوران حدیث، تفسیر، فقہ، منطق اور فلسفہ کی اہم کتابیں آں جناب سے متعلق رہیں، اور آپ نے متعلقہ کتابوں میں اتنی محنت کی کہ ساری درسیات ذہنی گرفت میں آگئیں، کسی بھی کتاب کا کوئی مسئلہ ہو دریافت کرنے پر ایسے بیان فرماتے ہیں جیسے ابھی ابھی مطالعہ کر کے بیان فرمارہے ہوں۔

رحلت ہجرت

۲۴ر جون ۱۹۸۷ء میں علم کا یہ سورج انگلینڈ پہنچ گیا اور سرزمین برطانیہ کو اپنی روشنی سے منور کرنے لگا جامعہ اسلامیہ مانچسٹر میں تدریسی خدمت کے لیے آپ کو منتخب کیا گیا اور کئی سال تک طلبۂ علوم نبوت کو ترمذی شریف، ہدایہ آخرین اور کئی اہم اونچی کتابوں کے درس سے شرف بخشا۔

تدریسی انداز!

جن لوگوں سے اللہ تعالیٰ دین کی بڑی خدمت لینا چاہتے ہیں ان لوگوں کی زندگیاں ہمہ تن سادہ ہونے کے باوجود ہزار ہزار رعنائیاں و جمال کا مظہر ہوا کرتی ہیں یہ ایک ایسی واضح حقیقت ہے جسے ہر اہل نظر محسوس کرتا ہے۔ مولانا بھی ان ہی باکمال لوگوں میں سے ایک ہیں جن کا ظاہر و باطن دونوں سادہ ہیں حتی کہ درس میں بھی سادہ انداز اختیار فرماتے ہیں۔

ایک ماہر فن استاذ کی طرح پہلے پورے سبق کا اجمالی خاکہ بیان فرماتے پھر پورے سبق کی تفصیل بیان فرماتے اور کئی بار بیان فرماتے جس سے طلبہ کو سبق از بر وحفظ ہو جاتا۔ اور جب آپ مطمئن ہو جاتے تو عبارت کا ترجمہ کرواتے۔ اس طرز تدریس کی وجہ سے آپ کا درس بیحد مقبول تھا جب طلبہ کی کوئی کتاب آپ سے ایک مرتبہ متعلق ہو جاتی تو پھر ہمیشہ آنجناب ہی سے استفادہ کرنا چاہتے مارچ ۲۰۰۴ء میں بہار کے مرکز علم وفقہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں آنجناب کی حاضری ہوئی۔ امارت شرعیہ میں۔

طلبہ کو حضرت سے استفادہ کا شوق ہوا تو وہ لوگ ہدایہ اخرین لیکر آگئے اور مشکل مقام سے عبارت پڑھی مولنا نے اسی وقت

پورے سبق کو نہایت دلنشین پیرایہ میں سمجھایا اور جب طلبہ نے سمجھ لیا تو آپ نے عبارت سے ترجمہ کروایا۔ جس سے طلبہ کو حیرت ہوئی۔ یہ ملکہ دراصل کتابوں کے ازبر و محفوظ ہونے سے حاصل ہوتا ہے۔

تصنیفی خدمات

حضرت مولانا ہندوستان پاکستان اور برطانیہ کے کئی اہم رسالوں کے کالم نگار وانشاپرداز ہیں جن میں وقیع مضامین شائع ہوتے رہتے ہیں، جامعہ اسلامیہ مانچیسٹر سے اشاعت پذیر ''الجامعہ'' کے ایڈیٹر رہ چکے ہیں۔

۲۷ راگست ۲۰۰۰ء میں قدوری کی معرکۃ الآراء الشرح الثمیری کی تصنیف کا آغاز کیا اور صرف ڈھائی سال کی قلیل مدت میں چار ضخیم جلدوں میں مکمل فرمائی جس میں ہر مسئلہ کو احادیث سے مدلل فرمایا ہے جو مولانا موصوف کا عظیم کارنامہ شمار کیا جارہا ہے اور آج علماء کے درمیان مقبول عام ہے۔

۷ ادسمبر ۲۰۰۴ء میں فقہ حنفی کی عظیم کتاب ہدایہ کی شرح اثمار الہدایہ کے نام سے تالیف کی ابتداء کی ہے جو اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اللہ تعالیٰ قبولیت سے سرفراز فرمائے۔

اس کے علاوہ اب تک تقریباً ۱۸ کتابیں آپ کے نوک قلم سے نکل کر علمی دنیا سے داد تحسین وصول کر رہی ہیں۔ جو حسب ذیل ہیں۔

(۱) انوار فارسی (۲) خلاصۃ التعلیل

(۳)	صدائے دردمند	(۴)	علاقہ میں کمیٹی کی ضرورت
(۵)	تفریق وطلاق	(۶)	طلاق مغلظہ آٹھویں مرحلہ پر
(۷)	عیسائیت کیا ہے	(۸)	لائف آف عیسیٰ علیہ السلام (انگریزی)
(۹)	اصلاح معاشرہ	(۱۰)	شرح ثمیری برفصول اکبری
(۱۱)	حاشیہ سفینۃ البلغاء (عربی)	(۱۲)	تحفۃ الطلبہ شرح سفینۃ البلغاء (اردو)
(۱۳)	تاریخ علاقہ گڈاو بھاگل پور	(۱۴)	یادوطن
(۱۵)	سائنس وقرآن	(۱۶)	فلکیات جدیدہ
(۱۷)	ثمیری کلینڈر	(۱۸)	رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں
(۱۹)	الشرح الثمیری علی المختصر القدوری	(۲۰)	اثمار الہدایہ شرح اردو ہدایہ

کارہائے نمایاں

عرب کے کئی ملکوں میں ڈیڑھ دن مقدم وقت پر کیلنڈر تیار کیا گیا تھا اور اس سے پہلے بھی کبھی کبھی اعلان کر دیا جاتا تھا جس کی وجہ سے ڈھائی دن تاریخ مقدم ہو جاتی تھی جو یورپ میں شدید انتشار کا باعث تھا اسلئے مولانا نے فلکیات جدیدہ، رویت ہلال علم فلکیات کی روشنی میں اور اسلامی کیلنڈر جیسی اہم کتابیں تصنیف فرمائیں اور نمایاں کام انجام دیا۔ عرب ملکوں کا بار بار سفر کیا اور وہاں کے اہل علم کو متوجہ کیا اور غلطی پر متنبہ کیا۔ آخر کار ان لوگوں نے اپنا کیلنڈر تبدیل کیا اگر چہ وہ کیلنڈر ابھی بھی رویت بصری سے ایک دن مقدم ہے، اس کے لئے حضرت نے آٹھ سال تک عرب ملکوں کے علماء سے خط و کتابت کی ہے جس کی وجہ سے ان لوگوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا ہے۔

آج یورپ میں اکثر و بیشتر ایک ہی تاریخ میں رمضان اور عید ہوتی ہے ورنہ پہلے دو دو تین تین دن عیدین ہوتی تھیں یہ حضرت ہی کی کوشش کا ثمرہ ہے۔

الشرح الثمیری ایک عظیم کارنامہ

قدوری کی بیشمار شرحوں میں یہ ایک نادر اور انوکھی شرح ہے جس میں ہر مسئلہ کو الگ کر کے نمبر ڈالا گیا ہے تشریح ایسی سہل ہے کہ کند سے کند طالب علم سمجھ جائے۔ ہر مسئلہ کے لئے بالالتزام پورے حوالہ کے ساتھ احادیث درج ہیں جس سے مسئلہ مدلل ہو جاتا ہے حوالہ اصل کتابوں سے تلاش کر کے صفحہ مع باب نقل کیا گیا ہے تا کہ حدیث کی تلاش بھی آسان ہو جائے اور طالب علم کو حدیث بھی مستحضر ہو جائے اور طالب علم کا ذہن پڑھنے کے بعد پرسکون ہو جائے اور دل میں یقین پیدا ہو جائے کہ یہ مسئلہ کس حدیث سے ثابت ہے اور کس درجہ کا ہے۔

احادیث کے استخراج کے لئے تقریبا ۳۰ کتابوں کو چھانا ہے اور نہایت تتبع و تلاش کے بعد اور مسلسل چار سال کی محنت شاقہ کے بعد گوہر نایاب کو امت کے سامنے پیش کیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمایا ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک۔

جس مسئلہ کے تحت حدیث، قول صحابی، یا قول تابعی درج نہیں ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ مذکورہ تیس ۳۰ کتابوں میں حوالہ دستیاب نہیں ہوا۔ لہذا اگر کسی صاحب کو حوالہ مل جائے تو مطلع فرمائیں تا کہ اس کو نقل کر دیا جائے اور مسئلہ مدلل ہو جائے۔ اس شرح میں امام شافعی اور حضرت امام مالکؒ کا مسلک مضبوط صحاح ستہ کے دلیلوں کے ساتھ بیان کیا ہے تا کہ طلبہ اگر ان کی دلیلوں کو دیکھنا چاہیں تو دیکھ لیں یا احناف و شوافع کے دلائل میں موازنہ کرنا چاہیں تو کر سکیں۔

اثمارالہدایہ دوسرا عظیم کارنامہ

ہدایہ کو عالم اسلام میں اسلامی آئین کا درجہ حاصل ہے، ہر زمانہ میں اس کتاب نے امتِ مسلمہ کی بھرپور رہنمائی کی ہے۔ مگر کچھ عرصے سے اس کتاب عظیم پر ایک طبقہ نے بیجا اعتراض کا طوفان کھڑا کر رکھا ہے کہ سارا ذخیرہ صرف عقلیات سے مستنبط ہے۔ اس کا ماخذ قرآن وحدیث نہیں ہے اس لیے ضرورت تھی کہ اس عظیم ذخیرے کو قرآن وحدیث سے جوڑ دیا جائے۔ اور یہ واضح کر دیا جائے کہ اس کتاب کا ہر مسئلہ مضبوط قرآن وحدیث کی دلیل سے مستنبط ہے، چناں چہ حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب قاسمی نے ذخیرۂ احادیث کی غواصی کی اور تیس سے زائد کتب احادیث سے دلائل کشید کر کے مسائل ہدایہ کو مبرہن کر دیا اور ہر ہر مسئلہ کے لیے تین تین دلائل اکٹھے کر دیئے۔ اور مزید ہدایہ میں مذکورہ دلائل کے حوالے بھی نقل کئے، جو مولانا کی طرف سے امت کے لیے فرض کفایہ کا درجہ رکھتا ہے۔

مزید کتاب کو نفع بخش بنانے کے لیے ہر ہر مسئلہ کو الگ کر کے نمبر ڈال دیا گیا ہے تا کہ ہر قسم کے طالب علم کے لیے استفادہ آسان ہو جائے۔ احادیث مع ابواب صفحات کے درج ہونے کی وجہ سے کتاب کی قدر وقیمت میں بے حد اضافہ ہو گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے حضرت مولانا ثمیر الدین صاحب کو کہ انہوں نے برطانیہ جیسے یورپی ملکوں میں جہاں دینی ماحول مفقود پڑھنے لکھنے کے اسباب معدوم ہونے کے باوجود نہایت محنت جفاکشی اور تندہی سے ایسی عظیم ونایاب شرح لکھ ڈالی۔

اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائے اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین یارب العلمین

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین باد

منیر الدین احمد عثمانی

استاذ دارالعلوم دیوبند

۳ صفر ۱۴۲۸ھ

۲۱ فروری ۲۰۰۷ء

Documents\3) JPEG CLIPART\DAISY.JPEG.jpg not found.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿نقل احادیث میں ترتیب کی رعایت﴾

نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

ھدایہ پڑھانے کے زمانے میں ذہین طلباء کبھی کبھی اشکال کرتے تھے کہ ہر مسئلے کے ثبوت کے لئے حدیث بیان کریں، صرف دلیل عقلی سے لوگ مطمئن نہیں ہوتے، وہ کہتے کہ ہماری مسجدوں میں شافعی، مالکی اور حنبلی لوگ ہوتے ہیں، ان کے سامنے مسئلہ بیان کرتا ہوں تو وہ نہیں مانتے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسئلہ آیات قرآنی سے بنتا ہے یا حدیث سے۔ زیادہ سے زیادہ قول صحابہ اور اس سے بھی نیچے اتریں تو قول تابعی یا فتوی تابعی پیش کر سکتے ہیں۔ اس لئے ہر مسئلے کے لئے آیت قرآنی یا احادیث پیش کیا کریں!

طلباء کی پریشانی اپنی جگہ بجا تھی۔ واقعی شافعی، حنبلی اور مالکی حضرات مسئلے کے لئے احادیث ہی مانگتے ہیں۔ اور وہ بھی صحاح ستہ سے، وہ دلیل عقلی سے مطمئن نہیں ہوتے۔ اس لئے یہ ناچیز بھی پریشان تھا اور دل میں سوچتا رہتا کہ اگر موقع ہو تو ھدایہ کے ہر مسئلے کے ساتھ باب، صفحہ اور حدیث کے نمبرات کے ساتھ پوری حدیث نقل کر دی جائے تا کہ طلباء کو سہولت ہو جائے اور دوسرے مسلک والوں کو مطمئن کر سکے۔ کسی کو اصلی کتاب دیکھنا ہو تو وہاں سے رجوع کرے۔ حدیث، باب اور احادیث کے نمبرات لکھنے سے طلباء کو بھی پتہ چل جائے کہ یہ مسئلہ کس درجے کا ہے۔ اگر آیت سے ثابت ہے تو مضبوط ہے۔ صحاح ستہ کی احادیث سے ثابت ہے تو اس سے کم درجے کا ہے۔ اور دار قطنی اور سنن بیہقی میں وہ احادیث ہیں تو اس سے کم درجے کا مسئلہ ہے۔ اور مصنف ابن ابی شیبہ اور مصنف عبد الرزاق کے قول صحابی یا قول تابعی سے ثابت ہے تو وہ مسئلہ اس سے کم درجے کا ہے۔ اس لئے ایسے مسئلے میں دوسرے مسلک والوں سے زیادہ نہ الجھیں تا کہ اتحاد کی فضا قائم رہے۔ برطانیہ میں ایک پریشانی یہ ہے کہ ایک ہی مسجد میں شافعی، حنبلی، مالکی اور حنفی سبھی موجود ہوتے ہیں۔ اور ہر مسلک والے اپنے اپنے مسلک کے اعتبار سے نماز ادا کرتے ہیں اس لئے مسئلے کی حیثیت معلوم نہ ہو تو یہاں الجھاؤ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اس لئے ناچیز کے ذہن میں بار بار تقاضا آتا رہا۔ حسن اتفاق سے کچھ سالوں سے فرصت مل گئی جس کی وجہ سے اس تمنا کو پوری کرنے کا موقع ہاتھ آ گیا۔ چنانچہ طلباء کی خواہش کے مطابق ہر مسئلے کو نمبر ڈال کر علیحدہ کیا۔ اور پوری کوشش کی ہے کہ اس کے ثبوت کے لئے آیت قرآنی اور احادیث پیش کی جائیں

﴿احادیث لانے میں ترتیب﴾

نمبر ڈال کر جس ترتیب سے کتاب لکھی جا رہی ہے اسی ترتیب سے احادیث نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے، یعنی ہر مسئلے کے تحت آیت لکھنے کی کوشش کی، اگر آیت نہیں ملی، تو بخاری شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی، اگر بخاری شریف میں حدیث نہیں ملی تب مسلم شریف سے حدیث لانے کی کوشش کی اور اس میں بھی نہیں ملی تب ابو داود شریف سے، اسی طرح نمبر وار ترتیب رکھی ہے، مسئلے کے

لئے حدیث نہیں ملی تب آثار لایا ہوں، اور وہ بھی نہیں ملا تب اصول پیش کیا ہوں۔ اور اصول کے لئے حدیث لایا ہوں اور اس پر مسئلے کو متفرع کیا ہوں۔

ایسا نہیں کیا کہ حدیث تلاش کئے بغیر قول صحابی لے آیا۔ چنانچہ اگر کسی مسئلے کے تحت صرف قول تابعی مذکور ہے اور حدیث کا حوالہ نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ میں نے حدیث تلاش کرنے کی ہر ممکن کوشش کی لیکن نہ ملنے پر قول تابعی ذکر کیا۔ یا کسی مسئلے کے ثبوت کے لئے قول تابعی بھی ذکر نہ کر سکا تو اس کا معنی یہ ہوا کہ بہت تلاش کے باوجود قول تابعی بھی نہ ملا جس سے مجبور ہو کر بیاض چھوڑ دیا۔ اور اہل علم سے درخواست کرتا ہوں کہ اگر ان کو حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی مل جائے تو ضرور اس کی اطلاع دیں۔

کوشش کی ہے کہ حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا مسلک بھی ذکر کر دیا جائے۔ اور ان کی دلیل بھی اسی ترتیب سے، پہلے آیت یا صحاح ستہ کی کتابوں سے حدیث لائی جائے اور وہاں نہ ملے تو قول صحابی یا قول تابعی ذکر کیا جائے۔ تاکہ طلباء ان کے مسلک اور ان کے متدلات سے واقف ہو جائیں۔ وہ بھی ہمارے امام ہیں، بلکہ سر کے تاج ہیں۔ صاحب ہدایہ نے ہر جگہ ان حضرات کا نام بڑے احترام سے لیا ہے اور ان کے دلائل دریا دلی سے پیش کئے ہیں۔ ناچیز نے بھی انہیں کی اتباع کی ہے۔ اور ہر جگہ ان کا مسلک اور ان کے دلائل شرح وبسط سے بیان کئے ہیں۔

﴿گذارش﴾

تحقیق مسائل اور ان کے دلائل بحر بیکراں ہے اس کی تہ تک پہنچنا آسان کام نہیں ہے۔ اس لئے اہل علم کی خدمت میں مؤدبانہ اور عاجزانہ گذارش ہے کہ جن مسائل کے دلائل چھوٹ گئے ہیں اگر ان کو دلائل مل جائیں تو ضرور مطلع فرمائیں تاکہ اگلے ایڈیشن میں ان کا اضافہ کر دیا جائے۔ اسی طرح جہاں غلطی اور سہو نظر آئے اس کی نشاندہی کریں، اس کی بھی اصلاح کروں گا اور تہ دل سے شکر گذار ہوں گا۔

﴿شکریہ﴾

میں اپنی اہلیہ محترمہ کا تہ دل سے شکر گزار ہوں جنہوں نے ہر قسم کی سہولت پہنچا کر فراغت دی اور اشاعت کتاب کے لئے ہمہ وقت متمنی اور دعا گو رہی اور مزید ھدایہ کی ڈھائی جلدوں کے اختتام کے لئے دعا گو ہے۔ خداوند کریم ان کو دونوں جہانوں میں بہترین بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے، عزیز فرزند محمد عمران سلمہ کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں، انہوں نے کمپیوٹر کی خامیوں کو ہمیشہ دور کیا اور شرح لکھنے کی تاخیر سے بچایا۔ جناب حافظ زکی میمنیات صاحب باٹلی اور اس کی اہلیہ محترمہ کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں نے ایسے موقع پر سیٹنگ کا مرحلہ اپنے سر لیا کہ میں ہر جگہ سے مایوس ہو گیا تھا اور پریشانی کے عالم میں تھا کہ انہوں نے کتاب سیٹنگ کا پورا کام اپنے ذمہ لیا اور اس کو مکمل کر کے چھپنے کے قابل بنایا۔

حضرت مولانا منیر الدین سینپوری صاحب، استاد فقہ دار العلوم، دیوبند، کا بھی شکر گزار ہوں کہ انہوں ھدایہ کی کتابت کا کام انجام دیا

،اورمیری زندگی پر پرمغز مقالہ لکھا۔نیزحضرت مولانا مسلم قاسمی صاحب سینپوری سلمہ نے کتاب کی چھپائی کے وقت نگرانی کی ہے میں ان کا بھی شکرگزار ہوں۔خداوند قدوس ان حضرات کو پورا پورا بدلہ عطا فرمائے اور جنت الفردوس سے نوازے۔حضرت مولانا عبدالرؤف صاحب باٹلی،اورحضرت مولانا مرغوب صاحب ڈیوزبری صاحب کا بھی شکرگزار ہوں کہ وہ کتاب لکھنے کے دوران گھر پر آتے رہے اور تسلی دیتے رہے اوراہم مشورے سے نوازتے رہے۔جناب حاجی ایوب داود مانچیسٹر،اور جناب حاجی اسماعیل ٹیمول مانچیسٹر کا بھی شکرگزار ہوں کہ یہ حضرات بھی کتاب لکھنے کے دوران تسلی دیتے رہے،اور کتاب پوری ہونے کے لئے دعائیں کرتے رہے۔

اللہ تعالی اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور ذریعۂ آخرت بنائے۔اس کے طفیل سے ناچیز کو جنت الفردوس عطا فرمائے اور کمی کوتاہی کو معاف فرمائے۔آمین یارب العالمین۔

ثمیر الدین قاسمی
سابق استاد حدیث جامعہ اسلامیہ مانچیسٹر
وچیرمین مون ریسرچ سینٹر، یوکے
۲۰۰۸/۶/۱۸ء

Samiruddin Qasmi
70 Stamford Street, Oldtrafford,
Manchester ,England, M16 9LL
Tel (0044) 0161 2279577

Documents\3) JPEG CLIPART\flower9.jpg not found.

﴿ترتیب احادیث﴾

جس طرح نمبر ڈالا گیا ہے اسی ترتیب سے شرح میں حدیث لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف
(۱)	پہلے آیت آجائے	۶۲۳۶	–	–	–
(۲)	پھر بخاری شریف کی حدیث	۷۵۶۳	۱۹۴ھ	بخارا	۲۵۶ھ
(۳)	مسلم شریف کی حدیث	۳۰۳۳	۲۰۴ھ	نیشاپور	۲۶۱ھ
(۴)	ابوداؤد شریف کی حدیث	۵۲۷۴	۲۰۲ھ	سجستان	۲۷۵ھ
(۵)	ترمذی شریف کی حدیث	۳۹۵۶	۲۲۰ھ	ترمذ	۲۷۹ھ
(۶)	نسائی شریف کی حدیث	۵۷۶۱	۲۱۵ھ	نساء	۳۰۳ھ
(۷)	ابن ماجہ شریف کی حدیث	۴۳۴۱	۲۰۹ھ	قزوین	۲۷۳ھ

اوپر کی یہ چھ کتابیں صحاح ستہ ہیں۔ اگر ان کتابوں سے احادیث نہ ملے تو پھر

نمبر شمار	ترتیب	کل آیت یا کل احادیث	سن ولادت مصنف	مقام ولادت مصنف	سن وفات مصنف
(۸)	دار قطنی کی حدیث	۴۷۹۰	۳۰۶ھ	بغداد	۳۸۵ھ
(۹)	سنن بیہقی کی حدیث	۲۱۸۱۲	۳۸۴ھ	بیہق	۴۵۸ھ
(۱۰)	مصنف عبد الرزاق سے اثر	۲۱۱۹۹	۱۲۶ھ	صنعان	۲۱۱ھ
(۱۱)	مصنف ابن ابی شیبۃ سے اثر	۳۷۹۳۰	۱۵۹ھ	کوفہ	۲۳۵ھ

حاشیہ : بخارا، نیشاپور، ترمذ، نساء، بیہق یہ چاروں مقامات اس وقت روس میں ازبکستان میں ہیں۔ سجستان اور قزوین ایران میں ہیں، کوفہ اور بغداد عراق میں ہیں۔

Documents\3) JPEG CLIPART\SEAL.jpg not found.

کس مقام پر کون سے ائمہ احادیث پیدا ہوئے
اس کے لئے یہ نقشہ دیکھیں

Documents\Hidaya map original.bmp not found.

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿مختصر حالات صاحب ھدایہ﴾

از حضرت مولانا مرغوب احمد صاحب لاجپوری دامت برکاتہم

عرض مرتب

استاذ محترم مولانا ثمیر الدین صاحب مدظلہ کی ''اثمار الہدایہ'' کے لئے صاحب ہدایہ کے حالات کی ترتیب کی سعادت راقم کے حصہ میں آئی تو چند کتابوں کو سامنے رکھ کر قدرے تفصیلی جمع کئے گئے۔ کوشش کی گئی جہاں سے جو حالات مل جائیں اسے شامل کر لیا جائے تا کہ طلبہ اور اساتذہ کو شرح کے ساتھ ایک جگہ ہی سے تفصیلی حالات معلوم ہو جائیں اور دوسری جگہوں پر تلاش کی مشقت برداشت نہ کرنی پڑے۔

اللہ تعالی اس رسالہ کو اپنے فضل و کرم سے قبول فرمائے اور طلبہ و اساتذہ کے لئے مفید ثابت ہو، اور مرتب کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔

مرغوب احمد لاجپوری۔ ڈیوزبری

۴؍جمادی الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱؍مئی ۲۰۰۷ء بروز پیر

نوٹ: مولانا مرغوب احمد کے ستر صفحے کے رسالے سے چھانٹ کر یہ مختصر حالات صاحب ھدایہ پیش خدمت ہے۔

نام و نسب

صاحب ھدایہ کا نام علی ہے۔ انکی کنیت ابوالحسن ہے۔ انکا لقب برہان الدین ہے۔ انکے والد کا نام ابوبکر ہے۔ حضرت کا شجرہ نسب یہ ہے ابوالحسن علی بن ابی بکر بن عبدالجلیل بن الخلیل بن ابی بکر حبیب۔ انکا شجرہ نسب سیدنا ابوبکر صدیقؓ سے ملتا ہے۔

پیدائش

صاحب ھدایہ کی پیدائش ۸؍رجب المرجب ۵۱۱ھ میں پیر کے روز عصر کے بعد ہوئی اور ۵۴۴ھ میں آپ زیارت حرمین شریفین سے مشرف ہوئے۔

مقام پیدائش

عام طور پر یہ بتاتے ہیں کہ آپ مرغینان میں پیدا ہوئے، لیکن بادشاہ بابر نے تزک میں لکھا ہے کہ مرغینان کے تعلق میں ایک قصبہ تھا جس کا نام رشد تھا اسی گاؤں میں آپ پیدا ہوئے اسلئے آپ کو مرغینانی کے بعد رشدانی لکھتے ہیں۔ مرغینان فرغانہ کے ضلع میں کوئی

بڑا تعلقہ تھا جو ابھی، ازبکستان، روس میں ہے، اور اب یہ گاؤں مشہور نہیں رہا۔ نقشہ میں دریائے جیہون کے پاس فرغانہ موجود ہے اسکو دیکھ لیں۔

تحصیل علم

صاحب ھدایہ نے اپنے وقت کے بڑے بڑے نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا اور فقہ اور حدیث میں تبحر حاصل کی۔ کچھ اساتذہ یہ ہیں جو اپنے زمانہ کے جبال العلم تھے مثلا مفتی الثقلین نجم الدین ابوحفص عمر بن محمد بن احمد بن اسماعیل بن لقمان النسفی، متوفی ۵۳۷ھ۔ اسی طرح ابواللیث احمد بن ابی حفص عمر النسفی، متوفی ۵۴۷ھ، جیسے بڑے اساتذہ سے علم حاصل کیا ہے۔

فضل کمال

صاحب ھدایہ اپنے زمانے میں بہت بڑے عالم تھے، آپ اسی سے اندازہ لگائیں کہ انہوں نے ھدایہ جیسی کتاب تصنیف کی کہ فقہی دنیا میں جسکی نظیر نہیں ملتی، اور حنفیوں کے لئے تو یہ سرمایہ افتخار ہے۔ صاحب جواہر مضیہ نے انکے فضل و کمال کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔ **كان اماما ، فقيها ، حافظا ، محدثا ، مفسرا ، جامعا للعلوم ، ضابطا للفنون ، متقنا ، محققا ، نظارا ، مدققا ، زاهدا ، ورعا ، بارعا ، فاضلا ، ماهرا ، اصوليا ، اديبا ، شاعرا ، لم ترأ العيون مثله فى العلم و الادب**

.

ترجمہ:۔ صاحب ھدایہ امام وقت تھے، فقیہ بے بدل تھے، حافظ دوراں تھے، محدث زماں، مفسر قرآن، علوم کے جامع، بہت سے فنون کو ضبط کرنے والے، علم کے پختہ، محقق وقت، وسیع النظر، باریک بیں، عابد و زاہد، پرہیزگار، اپنے ہم نشینوں سے فائق، فاضل الاعیان، فنون کے ماہر، اصولی، بے مثل ادیب، اور بے نظیر شاعر تھے، علم اور ادب میں آپکا ثانی نہیں دیکھا گیا۔

صاحب ھدایہ کا عالی مقام

آپکی تصانیف

حضرت نے بہت سی کتابیں لکھی ان میں مشہور یہ ہیں ہدایہ، کفایہ، منتقی، تجنیس، مزید، مناسک حج، نشر المذھب، مختارات النوازل، فرائض عثمانی، مختار الفتاوی۔

ھدایہ کی زمانہ تالیف

موصوف نے ماہ ذی قعدہ ۵۷۳ھ بروز بدھ ظہر کی نماز کے بعد ہدایہ کی تصنیف شروع کی اور پوری عرق ریزی اور جانکاہی کے ساتھ مسلسل تیرہ سال تک اس طرح مصروف رہے کہ ہمیشہ روزہ رکھتے اور اس کی بھی کوشش کرتے کہ کسی کو روزہ کی اطلاع نہ ہو چنانچہ خادم کھانا رکھ کر چلا جاتا اور آپ کسی طالب علم کو بلا کر کھلا دیتے، خادم واپس آتا اور برتن خالی دیکھ کر خیال کرتا کہ کھانے سے فارغ ہو چکے ہیں۔

الباقیات الصالحات

صاحب ھدایہ کے تین صاحبزادے تھے، عمادالدین، نظام الدین عمر، ابوالفتح جلال الدین محمد اور تینوں صاحب فضل وکمال اور والد ماجد سے تربیت یافتہ تھے۔

وفات

۱۴/ذی الحجہ ۵۹۳ھ یا ۵۹۶ھ میں منگل کی رات میں آپ کی وفات ہوئی اور سمرقند میں آپ مدفون ہوئے۔

ہدایہ میں صاحب ہدایہ کی کچھ عادتیں

۱.....صاحب ہدایہ جب ,,قال رضی اللہ عنہ،، کہتے ہیں تو اس سے خود انکی ذات مراد ہوتی ہے، شیخ محدث دہلویؒ نے یہی فرمایا ہے، لیکن ابوالسعودؒ نے فرمایا کہ صاحب ہدایہ جب اپنی ذات مراد لیتے ہیں تو ,,قال العبد الضعیف عفی عنہ،، کہتے ہیں، لیکن وفات کے بعد کسی شاگرد نے ,,قال رضی اللہ عنہ،، لکھ دیا، کیونکہ اپنی ذات کے لئے ,,قال رضی اللہ عنہ، کہنا اچھا نہیں ہے۔ بزرگوں کا یہی طریقہ ہے۔

۲.....صاحب ہدایہ کی یہ بھی عادت ہے کہ اقوال نقل کرتے وقت قوی قول پہلے ذکر کرتے ہیں لیکن دلیل نقل کرتے وقت جو مذہب انکے نزدیک مختار ہوتا ہے اس کی دلیل مؤخر بیان کرتے ہیں تا کہ یہ دلیل سابقہ دلیلوں کا جواب بھی ہو جائے۔

۳.....صاحب ہدایہ جب ,,قال مشائخنا،، کہتے ہیں تو بخارا اور سمرقند، اور فرغانہ کے علماء مراد ہوتے ہیں، بخارا، سمرقند، ترمذ، فرغانہ ، اور ماوراء النہر کے علماء اس زمانے میں اپنی حیثیت رکھتے تھے اور فتوی میں انکا ایک مقام تھا، اس لئے صاحب ہدایہ اپنے مشائخ کی رائے کو اہمیت دیتے تھے۔ اب ان شہروں کی حیثیت باقی نہیں رہی، یہ شہر ازبکستان صوبے میں دریائے سیحون اور دریائے جیحون کے درمیان ہیں۔

۴.....صاحب ہدایہ جب ,,دیارنا،، کہتے ہیں تو اس سے انکا شہر مراد ہوتا ہے انکا شہر ماوراء النہر کے پاس فرغانہ میں تھا۔

۵.....جو آیت پہلے گزر چکی ہے اسکی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کے لئے ,,بما تلونا،، کہتے ہیں۔

۶.....جو حدیث پہلے گزر چکی ہے اسکی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کے لئے ,,بما روینا،، کہتے ہیں۔

۷.....جو دلیل عقلی پہلے گزر چکی ہے اسکی طرف دوبارہ اشارہ کرنے کے لئے ,,بما ذکرنا،، یا ,,مابینا،، کہتے ہیں۔

۸.....کبھی ایسا ہوتا ہے کہ آیت، حدیث، اور دلیل عقلی، سبھی کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ,,لما بینا،، کہتے ہیں۔

۹.....کبھی دلیل عقلی کو لفظ فقہ سے تعبیر کرتے ہیں مثلا کہتے ہیں ,,الفقہ فیہ کذا،،

۱۰.....جب ایک دلیل عقلی کے بعد دوسری دلیل عقلی لاتے ہیں تو اس دوسری دلیل سے پہلی دلیل کی لم اور علت بیان کرنا مقصود ہوتا ہے۔

۱۱......صاحب ہدایہ جب لفظ ,,الاصل،، ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد امام محمدؒ کی ,,کتاب الاصل،، ہوتی ہے، جسکو مبسوط لامام محمد کہتے ہیں۔

۱۲......صاحب ہدایہ جب لفظ ,,المختصر،، ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد ,,المختصر قدوری،، ہوتی ہے ۔

۱۳......صاحب ہدایہ جب لفظ ,,الکتاب،، ذکر کرتے ہیں تو اس سے مراد امام محمدؒ کی ,جامع صغیر، ہوتی ہے۔

۱۴......صاحب ہدایہ قدوری کے مسائل کو پہلے ذکر کرتے ہیں، بعد میں جامع صغیر کے مسئلے کو لکھتے ہیں، اور کہیں کہیں صراحت کر دیتے ہیں کہ یہ مسئلہ جامع صغیر سے لیا گیا ہے، تاہم عام طور پر یہ صراحت نہیں ہے۔

۱۵......صاحب ہدایہ لفظ ,,قالوا،، استعمال کریں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے، البتہ اکثر مشائخ کا قول یہ ہے۔

۱۶.....صاحب ہدایہ اگر ,,ھذا الحدیث محمول علی کذا،، فرمائیں تو اس کی مراد یہ ہوتی ہے کہ محدثین نے اس حدیث کو اس معنی پر محمول کیا ہے، اور اگر ,,نحملہ ،، فرمائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ میں اس حدیث کو اس معنی پر محمول کرتا ہوں۔

۱۷...کسی کا مذہب بیان کرنا ہو تو فرماتے ہیں ,,عند فلان کذا،، اور ان کا وہ مذہب نہ ہو، صرف ان سے روایت ہو تو اس کو بیان کرنے کے لئے فرماتے ہیں ,,عن فلان کذا،،

۱۸.....صاحب ہدایہ نحویوں کے بعض اقوال کی اتباع کرتے ہوئے ,,اما،، کے جواب میں ,,فا،، ذکر نہیں کرتے ہیں۔

۱۹....ان وصلیہ سے واو ساقط کر دیتے ہیں، حالانکہ ان وصلیہ پر واو داخل ہوتا ہے تاہم اس نسخہ میں ان دونوں عادتوں کی رعایت کم کی گئی ہے

۲۰.....صاحب ہدایہ جب کسی مسئلہ کی نظیر ذکر کرتے ہیں پھر اس نظیر اور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے تو نظیر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسم اشارہ بعید ,,ذالک،، استعمال کرتے ہیں، اور مسئلہ کی طرف اشارہ کرنے کے لئے اسم اشارہ قریب ,,ھذا،، استعمال کرتے ہیں۔

۲۱.....صاحب ہدایہ جب کسی سوال مقدر کا جواب دیتے ہیں تو سوال کی تصریح نہیں کرتے ، یوں نہیں کہتے ,,فان قیل کذا،، صرف جواب ذکر کرتے ہیں ایسے موقع پر سوال کو نکالنا پڑتا ہے، صرف تین مقام پر سوال ذکر فرمایا ہے۔ دو سوال ,,کتاب ادب القاضی، اور ایک کتاب الغصب،، میں ذکر کیا ہے۔

مرغوب احمد لاجپوری

ڈیوزبری، انگلینڈ

۴/ جمادی الاول ۱۴۲۸ھ مطابق ۲۱/ مئی ۲۰۰۷ء بروز پیر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

﴿علم فقہ﴾

فقہ کے لغوی معنی

فقہ کے لغوی معنی کسی چیز کو کھولنا اور واضح کرنا، فقیہ اس عالم کو کہتے ہیں جو احکام شرعیہ کو واضح کرے اور ان کی حقائق کا سراغ لگائے اور مغلق اور پیچیدہ مسائل کو واضح کرے۔

اصطلاحی معنی

اہل شرع کی اصطلاح میں فقہ کی مشہور تعریف یہ ہے ' **هو العلم بالاحكام الشرعية الفرعية من ادلتها التفصيلية**'

ترجمہ :- فقہ احکام شرعیہ فرعیہ کے اس علم کو کہتے ہیں جو احکام کے ادلہ مفصلہ سے حاصل ہو۔

ہر ایک جز وکی تشریح

الاحکام الشرعیۃ الفرعیۃ : احکام دو قسم کے ہوتے ہیں۔ایک اصلی اور ایک فرعی۔

احکام اصلی : احکام اعتقادی کو اصلی احکام کہتے ہیں۔جیسے خداوند قدوس کی وحدانیت، رسالت، رسول کا آنا، آخرت کا علم، یہ سب احکام اعتقادیہ ہیں اور اصلی احکام کہلاتے ہیں۔علم فقہ اس سے تعارض نہیں کرتا کیونکہ وہ احکام فرعیہ بیان کرتا ہے۔

احکام فرعیہ : وہ احکام جن کا تعلق عمل سے ہوتا ہو، جیسے نماز، روزہ، حج اور خرید و فروخت وغیرہ کے احکام۔علم فقہ میں یہی احکام بیان کئے جاتے ہیں۔

ادلتہا التفصیلیۃ : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ احکام کے تفصیلی دلائل بھی معلوم ہوں۔مثلا کہیں کہ حج فرض ہے تو آیت بھی معلوم ہو کہ اس کی دلیل، **واتموا الحج والعمرة لله** (آیت ۱۹۶، سورۃ البقرۃ ۲) موجود ہے۔یا مسئلہ بیان کریں کہ نماز اور زکوۃ فرض ہیں تو یہ دلیل بھی معلوم ہو کہ آیت **اقيموا الصلوة وآتوا الزكوة واركعوا مع الراكعين** (آیت ۴۳، سورۃ البقرۃ ۲) اس کی دلیل ہے۔حاصل یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال کے ہر ہر جزئیہ پر حلت، حرمت، کراہت اور وجوب وغیرہ کا حکم لگانا اور ان میں سے ہر ایک کی دلیل بیان کرنا علم فقہ ہے۔

علم فقہ کا موضوع

مکلّف آدمی کا فعل اور عمل جس سے یہ بحث کی جائے کہ یہ فرض ہے (۲) یا واجب ہے (۳) یا سنت مؤکدہ ہے (۴) یا سنت غیر مؤکدہ ہے (۵) یا نفل ہے (۶) یا مستحب ہے (۷) یا حرام ہے (۸) یا مکروہ تحریمی ہے (۹) یا مکروہ تنزیہی ہے (۱۰) یا مباح ہے۔

مکلّف آدمی کے اعمال کے بارے میں اوپر کی بحثیں کرنا اور حکم لگانا علم فقہ کا موضوع ہے۔

مکلّف کی قید اس لئے لگائی کہ نابالغ بچہ اور مجنون کے اعمال پر شریعت نہ حکم لگاتی ہے اور نہ اس سے بحث کی جاتی ہے۔ صرف مکلّف کے اعمال سے بحث کرتی ہے۔

غرض وغایت

سعادت دارین کی ظفر یابی ہے کہ فقیہ دنیا میں مخلوق خدا کو فائدہ پہنچا کر مراتب عالیہ حاصل کرتا ہے اور آخرت میں جس کی چاہے گا شفاعت کرے گا اور اپنے پروردگار کے دیدار سے مشرف ہوگا۔
یا علم فقہ سیکھ کر احکام شرعیہ کے موافق عمل کرنے کی قوت اور ملکہ پیدا کرنا اس کی غرض ہے۔

علم فقہ کی عظمت

اس سے بڑھ کر کیا عظمت ہوگی کہ حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت بلند الفاظ میں فقیہ کی تعریف کی ہے۔ ارشاد ہے۔ **عن ابن عباس ان رسول الله ﷺ قال من یرد الله به خیرا یفقهه فی الدین** ‘(ترمذی شریف، باب اذا اراد اللہ بعبد خیرا فقہہ فی الدین، ص ۶۰۱، نمبر ۲۶۴۵ ر مسند احمد، مسند ابی ہریرۃ، ج ثانی، ص ۴۶۵، نمبر ۷۱۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خداوند قدوس جس بندے کے بارے میں خیر کا فیصلہ فرماتے ہیں اس کو فقہ فی الدین کا علم دے دیتے ہیں۔
دوسری حدیث میں ہے ’**عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ فقیه اشد علی الشیطان من الف عابد**‘(ترمذی شریف، باب ما جاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ص ۶۰۸، نمبر ۲۶۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فقیہ ہزار عابد پر بھاری ہے۔
اس لئے فقہ سیکھنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی فضیلت کی چیز ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حنفیت تینوں اماموں کے مجموعے کا نام ہے

میرے استاد محترم فرمایا کرتے تھے کہ حنفیت صرف حضرت امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کا نام نہیں ہے بلکہ امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے مسلکوں کے مجموعے کا نام حنفیت ہے۔ اگر ان میں سے کسی ایک کے مسلک پر عمل کرے گا تو وہ حنفیہ کے مسلک پر عمل کرنا ہی سمجھا جائے گا۔ اور اگر امام محمدؒ یا امام ابو یوسفؒ کے مسلک پر فتوی دیا تو وہ حنفیت کے مسلک سے خارج نہیں شمار کیا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ قدوری اور ہدایہ جیسی حنفیہ کی اہم کتابوں میں ان دونوں اماموں کا مسلک درج ہے۔ اور وقت ضرورت ان کے مطابق فتوی بھی دیا جاتا ہے۔

حضرت امام ابوحنیفہؒ کا مسلک احتیاط پر ہے

حضرت امام ابوحنیفہؒ بہت متقی اور پرہیز گار آدمی تھے۔ اس لئے انہوں نے ہمیشہ احتیاط پر فتوی دیا اور وہی مسلک اختیار کیا۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس وقت تک فقہ مدون نہیں ہوا تھا۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ پہلے امام ہیں جنہوں نے فقہ اور اصول فقہ مدون کیا۔ اس لئے اگر احتیاط کے علاوہ کا پہلو اختیار کرتے تو ہر آدمی کی انگلی اٹھتی۔ اس لئے حضرت نے احتیاطی مسلک اختیار کیا۔ چاہے اس کے لئے فتوی تابعی ہی کیوں نہ ہو۔ لیکن انہیں کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ نے حدیث کی روشنی میں کہیں کہیں دوسرا مسلک اختیار کیا۔ اور کھلے دل کے ساتھ مسلک مع دلائل درج کیا۔ اب ناظرین کو اختیار ہے کہ امام اعظم کا مسلک اختیار کرے یا ان کے شاگرد رشید کا مسلک اختیار کرے۔ دونوں صورتوں میں فضیلت امام اعظم کو ہی جاتی ہے۔

آخری صدی میں مسلک امام اعظم کو اجاگر کرنے اور اس کی اشاعت کرنے کا سہرا دیوبندی مکتب فکر کے سر پر رہا۔ انہوں نے بھی احتیاطی پہلو اختیار کیا اور عموما امام اعظم کی طرح احتیاط پر ہی فتوی دیا۔ اس لئے بعض ناظرین کو اشکال پیدا ہوا اور کہنے لگے کہ حنفیوں کا مسلک احادیث سے مختلف ہے۔ لیکن شاید غور نہیں فرمایا کہ جن مسائل میں ان کو احادیث نہیں مل رہی ہیں وہیں حنفیوں کے دو اہم ستونوں کا مسلک امام اعظم سے مختلف ہے۔ اور ان کے اختیار کردہ مسلک کے لئے سو فیصد احادیث صحیحہ موجود ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ ایسے موقع پر صاحبین کا مسلک حضرت امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے موافق ہوجاتا ہے۔

زیر نظر کتاب 'اثمار الھدایۃ' میں جا بجا دیکھیں گے کہ جہاں جہاں صاحبین نے امام اعظم سے اختلاف کیا ہے وہاں امام اعظم کے پاس قول صحابی یا فتوی تابعی ہے اور صاحبین کے پاس احادیث ہیں۔ لیکن امام اعظم کا مسلک احتیاط پر ہے۔

(۱) میرا ناقص خیال ہے کہ اشکال کرنے والوں نے صرف امام اعظم کے مسلک پر غور کیا اور بعض جگہ احادیث نہ پانے کی وجہ سے پورے حنفیت پر اشکال کو مضبوط کرلیا۔ انہوں نے ان کے شاگرد رشید امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے اختلاف کو اور ان کے مضبوط

احادیث کی طرف توجہ نہیں دی۔اور اس کا خیال نہیں کیا کہ وہ بھی تو حنفیت ہی کے دو اہم ستون ہیں۔اور تمام مسائل کی اشاعت انہیں کے نوک قلم کی مرہون منت ہے۔

(۲) انہوں نے اس کا بھی خیال نہیں کیا کہ امام اعظم کا مسلک احتیاط پر مبنی ہے۔اور یہ پہلے مدون فقہ ہیں جس کی وجہ سے ان کو احتیاطی پہلو اختیار کرنا پڑا۔

(۳) یہ گمان صحیح نہیں ہے کہ حنفیوں کا مسلک دلیل عقلی پر ہے۔ یہ تو بعد کے علماء نے حکمت بیان کرنے کے لئے دلیل عقلی، پیش کی ہے۔ ورنہ پوری قدوری اور ھدایہ کو ناچیز نے چھانا ہر ہر مسئلہ یا آیت یا حدیث یا قول صحابی یا قول تابعی سے مستنبط ہے۔ یا ان چاروں میں سے کسی ایک سے اصول متعین کیا اور اصول سے مسئلے کا استخراج کیا ہے۔صرف دلیل عقلی پر مسئلے کا مدار نہیں ہے۔اور جہاں جہاں صرف دلیل عقلی بیان کی ہے وہاں ناچیز نے اصول لکھ دیا ہے۔اور اصول احادیث سے مستنبط ہیں اس لئے گویا کہ وہ مسئلے بھی احادیث ہی سے مستنبط ہوئے۔

صرف کتاب الایمان اور کتاب القضاء میں کچھ مسئلوں کا مدار اس زمانے کے محاورات پر ہے۔اس لئے وہاں محاورات کے تحت مسئلہ لکھ دیا گیا ہے۔ان مسئلوں میں حدیث اور قرآن نہیں ہے۔ظاہر ہے کہ ان مسئلوں کا مدار ہے ہی محاورات پر۔اس لئے ان مسئلوں کے لئے احادیث یا آیات کہاں سے ملیں گے؟

حنفیوں بلکہ تمام ہی ائمہ کرام کے مسالک (۱) قرآن (۲) حدیث (۳) قول صحابی (۴) فتوی تابعی (۵) اجماع (۶) اور قیاس سے مستنبط ہیں۔اس لئے ائمہ کرام پر انگلی اٹھانا صحیح نہیں ہے۔

احقر العباد : ثمیر الدین قاسمی غفرلہ

۱۳/۱۰/۲۰۰۸ء

Documents\3) JPEG CLIPART\191_Tree_of_life.jpg not found.

ائمہ کرام ایک نظر میں

اسمائے گرامی	جائے ولادت	سن ولادت	جائے وفات	سن وفات	شیوخ	تلامذہ	تالیفات	خدمات
امام ابوحنیفہؒ نعمان بن ثابت	کوفہ	٨٠ھ	بغداد	١٥٠ھ	ابراہیم نخعیؒ حماد بن سلیمان	امام ابویوسفؒ امام محمدؒ ابن مبارکؒ	-	تدوین فقہ تدوین اصول فقہ
امام مالکؒ مالک بن انس	حمیری مدینہ	٩٥ھ	مدینہ	١٧٩ھ	نوسوزائد شیوخ تھے، نافع	ابن مبارکؒ قطانؒ	موطاامام مالکؒ	بانی مذہب امام مالک
امام شافعیؒ محمد بن ادریس شافعی	غزہ گاؤں عسقلان	١٥٠ھ	مصر	٢٠٤ھ	امام مالکؒ امام محمدؒ سفیان بن عیینہؒ	احمد بن حنبلؒ علی بن مدینی اسحاق بن راہویہ	موسوعۃ امام شافعی کتاب الام	بانی مذہب شافعی
امام احمدؒ احمد بن محمد بن حنبل	مروزی بغداد	١٦٤ھ	بغداد	٢٤١ھ	امام ابویوسفؒ امام شافعیؒ یحیی بن قطان	بخاری، مسلم، ابوداود، عبداللہ بن احمد	مسند امام احمد ٢٧١٠٠ احادیث	ردخلق قرآن بانی مذہب حنبلی
امام ابویوسفؒ یعقوب بن ابراہیم	کوفہ	١١٣ھ	بغداد	١٨٢ھ	امام ابوحنیفہؒ	احمد بن حنبلؒ امام محمدؒ یحیی بن معینؒ	کتاب الآثار کتاب الخراج	فقہ کی ترتیب دی
امام محمدؒ محمد بن حسن	الشیبان کوفہ	١٣٢ھ	ری	١٨٩ھ	امام ابوحنیفہؒ امام ابویوسفؒ سفیان ثوریؒ	امام شافعیؒ ابوحفصؒ یحیی بن معینؒ	موطاامام محمد، جامع صغیر، جامع کبیر	حنفی کی اکثر کتابیں انہوں نے لکھی

﴿هدایہ پر ایک نظر﴾

ھدایہ کی شرح لکھتے وقت یہ اندازہ ہوا کہ صاحب ھدایہ نے اصل متن قدوری کو بنایا ہے اور زیادہ تر اسی کے مسئلے کو لیکر اس کی تشریح کی ہے، باب کے درمیان میں کہیں کہیں جامع صغیر سے بھی لیکر متن بنایا ہے، اور کہیں کہیں کتاب الاصل امام محمدؒ جسکو مبسوط کہتے ہیں اس سے بھی عبارت لی ہے اور اس کو متن بنا کر تشریح کی ہے، تو گویا کہ ھدایہ کا متن ان تین کتابون کا مجموعہ ہے۔

﴿صاحب ھدایہ کی احادیث﴾

صاحب ھدایہ جو احادیث لائے ہیں وہ عموما روایت بالمعنی ہیں، کتاب کو سامنے رکھ کر نہیں لکھی ہے، اس لئے وہ پوری حدیث نہیں لکھتے، بلکہ حدیث کا صرف وہ ٹکڑا لکھتے ہیں جس سے انکو استدلال کرنا ہوتا ہے، اس لئے یہ چند اشکالات پیش آتے ہیں۔ الحمد للہ میں نے ہر جگہ اصلی حدیث نقل کردی ہے، اور جہاں دو حدیثوں کا مجموعہ تھا وہاں دونوں حدیثوں کو مع حوالہ نقل کردیا ہے، اب تک صرف چار حدیثوں کا حاولہ نہیں ملا، لیکن اس کے بدلے میں دوسری حدیثیں نقل کردی جس سے مسئلہ مؤئد ہو جائے۔

[١] کبھی کبھی وہ ٹکڑا دو حدیثوں میں ملتا ہے، لوگ ان پر اعتراض کرتے ہیں کہ یہ جملہ کسی حدیث میں نہیں ہے یا یہ حدیث ہی نہیں ہے، لیکن یہ نہیں دیکھتے کہ یہ جملہ دو حدیثوں میں پھیلا ہوا ہے، ناچیز نے ایسی جگہوں پر دونوں حدیثیں نقل کردی ہیں اور نشان دہی کر دی ہے کہ یہ جملے ان دو حدیثوں میں ہیں۔

[٢] کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ حدیث سے پہلے قولہ علیہ السلام تحریر فرمایا، جس سے اندزاہ ہوتا ہے کہ یہ حدیث کا ٹکڑا ہے، اور حدیث کی کتابوں میں نہ ملنے سے یہ کہہ دیا کہ یہ حدیث غریب جدا، ہے یعنی یہ حدیث ہے ہی نہیں، صاحب نصب الرائیۃ [زیلعیؒ]، اور صاحب درایہ فی تخریج احادیث الھدایہؒ نے اس طرح زیادہ کیا ہے، اس سے کچھ حضرات کا تأثر ہو جاتا ہے کہ صاحب ھدایہ مو ضوع حدیث نقل کرتے ہیں، لیکن جب تحقیق کی تو پتہ چلا کہ یہ قول صحابی، یا قول تابعی ہے اور مصنف ابن ابی شیبۃ، یا مصنف عبد الرزاق میں ہے، اس لئے میں نے پورے حوالے کے ساتھ ایسے اثر کو بیان کردیا ہے، اور یہ بھی عرض کردیا ہے کہ یہ حدیث تو نہیں ہے لیکن قول صحابی، یا قول تابعی ضرور ہے، جسکو حدیث مرسل کہہ سکتے ہیں البتہ بالکل بے بنیاد نہیں ہے۔

[٣] کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ صاحب ھدایہ نے ایسا لفظ لکھا جو حدیث میں نہیں ہے، لیکن اس کا ہم معنی لفظ موجود ہے جس سے مسئلے پر استدلال کیا جا سکتا ہے، اس وقت بھی لوگوں کو اشکال ہوتا ہے کہ یہ حدیث نہیں ہے، لیکن میں نے ہم معنی لفظ والی حدیث کو نقل کردیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ صاحب ھدایہ نے اس کے قریب قریب لفظ کو استعمال کیا ہے اور بالکل بے بنیاد نہیں ہے

[٤] ایسا بھی ہوا کہ مثلا حدیث یا قول حضرت عبد اللہ بن عمر کا ہے اور صاحب ھدایہ نے عبد اللہ ابن عباس کا نام ذکر کردیا، جس کی وجہ سے بعض حضرات نے لکھ دیا کہ یہ حدیث نہیں ہے، لیکن تلاش کرنے کے بعد پتہ چلا کہ یہ قول دوسرے صحابی کا ہے، اس لئے ایسے اثار بھی بے بنیاد نہیں ہیں۔

[۵] اثمار الھدایہ میں کتاب الحج پوری ہو رہی ہے اور بالالتزام صاحب ھدایہ کی حدیث کی تخریج جاری ہے، اس کے باوجود صرف چار یا پانچ حدیث یا قول صحابی کا حوالہ مجھے نہیں مل سکا باقی سب کا مل گیا ہے، میں نے وہاں لکھ دیا ہے کہ یہ حدیث مجھے نہیں ملی، کسی صاحب کو مل جائے تو براہ کرم اطلاع کریں، لیکن یہ بھی ذکر کر دیا ہے کہ اس مسئلے کا مدار صاحب ھدایہ کے ذکر کی ہوئی حدیث پر نہیں ہے، بلکہ اس مسئلے کے لئے الگ سے تین تین احادیث صحاح ستہ سے نقل کر دی گئی ہیں تا کہ یقین ہو جائے کہ اس مسئلے کے لئے مضبوط احادیث موجود ہیں۔

﴿صاحب ھدایہ کی مجبوری﴾

صاحب ھدایہ نے جو حدیث پیش کی ہے ان میں کا بہت سا حصہ سنن بیہقی، مصنف ابن ابی شیبۃ، مصنف عبد الرزاق، اور طبرانی کبیر میں ملتا ہے، اور یہ کتابیں بارہ بارہ جلدوں میں ہیں، طبرانی چوبیس جلدوں میں ہے، ان میں سے کوئی کتاب اردن میں تھی، کوئی مصر کے کتب خانہ میں، کوئی سعودی عرب میں اور کوئی عراق میں، اور وہ بھی ہاتھ سے لکھی ہوئی تھی جسکو پڑھنا ایک مستقل کام تھا، اس وقت پریس کا سلسلہ نہیں تھا لوگ ہاتھ سے لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے اس لئے اتنی موٹی کتاب کو ہاتھ سے لکھنا آسان نہیں تھا اس لئے سب کتابیں ایک مصنف کے پاس جمع ہونا آسان نہیں تھا اس لئے ان سے حدیث تلاش کرنا مشکل کام تھا اس لئے صاحب ھدایہ کے لئے یہ مشکل رہی کہ وہ حوالے کے ساتھ حدیث نہیں پیش کر سکے، جسکی وجہ سے بعد کے لوگوں نے انکی اس عظیم کتاب پر اعتراض کیا۔
لیکن اس زمانے میں کمپیوٹر کا سلسلہ ہے بیروت سے تمام کتابیں چھپ کر سامنے آچکی ہیں، ہر حدیث پر نمبر لگا ہوا ہے، آپ کمپیوٹر پر صرف نمبر لکھئے اور حدیث سامنے آجاتی ہے، یا حدیث کا پہلا جملہ لکھئے اور حدیث سامنے آجاتی ہے اس لئے اس دور میں حدیث تلاش کرنا بہت آسان ہو گیا ہے، اس لئے بہت آسانی سے ہر مسئلے کے ساتھ حدیث سیٹ کی جاسکتی ہے۔ اور اسی سہولت کی وجہ سے نا چیز اس قابل ہوا کہ ہر مسئلے کے ساتھ حدیث مع حوالہ کے سیٹ کر سکا، اور صاحب ھدایہ پر دیرینہ اعتراض کو دفع کر سکا، فللہ الحمد،

نوٹ: ۔صاحب ھدایہ نے مسئلے کے لئے جو حدیث پیش کی ہے، چاہے قوی ہو یا ضعیف، قول صحابی، یا قول تابعی، مسئلے کا مدار اس پر نہیں ہے، مسئلے تو پہلے سے لکھے ہوئے ہیں اور انکو احادیث سے استنباط کیا ہے، صرف ضرورت یہ تھی کہ اصلی حدیث کو مسئلے کے تحت جمع کر دی جائے، تا کہ ناظرین کو پتہ چل جائے کہ اس مسئلے کے لئے یہ احادیث ہیں۔ الحمد للہ نا چیز نے کمپیوٹر کی مدد سے تمام مسئلوں کے تحت تین تین احادیث ذکر کر دیا ہے اور انکا حوالہ بھی لکھ دیا ہے تا کہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ حنفی مسئلوں کے لئے احادیث نہیں ہیں، البتہ جہاں پوری تلاش کے بعد بھی حدیث نہیں ملی وہاں بیاض چھوڑ دیا ہے اور اہل کرم سے درخواست کی ہے کہ اگر انکو یہ احادیث مل جائیں تو اس کتاب میں شامل کرنے کی زحمت کریں، اللہ تعالی اجر عظیم سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین۔

احقر ثمیر الدین قاسمی غفرلہ ۶ جون ۲۰۰۸ء

بسم الله الرحمن الرحیم

نحمدہ ونصلی علی رسوله الکریم: اما بعد!

ترجمه: ! شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔
وجه تقدیم: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم: سب سے پہلے لکھنے کی پانچ وجوہ ہیں۔
(۱) حضور ﷺ کو سب سے پہلے وحی آئی تو اس میں اللہ کے نام سے پڑھنے کے لئے کہا گیا۔ آیت یہ ہے۔ اقرء باسم ربک الذی خلق، آیت نمبر ۱، سورۃ العلق ۹۶
(۲) حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیسؓ کو خط لکھا تو بسم اللہ سے شروع کیا۔ آیت یہ ہے انه من سلیمان و انه بسم الله الرحمن الرحیم۔ آیت نمبر ۳۰ سورۃ النمل ۲۷۔
(۳) قرآن کریم بسم اللہ سے شروع ہے۔ بلکہ ہر سورۃ بسم اللہ سے شروع ہے۔
(۴) حضور کے تمام خطوط اور تمام خطبات بسم اللہ سے شروع ہیں۔
(۵) اس حدیث کے اشارے سے بھی استدلال کر سکتے ہیں کیونکہ اس حدیث میں ذکر کا لفظ ہے اور بسم اللہ بھی ذکر ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرہ ، قال: قال رسول الله ﷺ : کل امر ذی بال لا یبدأ بذکر الله اقطع۔ (دار قطنی، کتاب الصلوۃ، جلد اول، ص ۲۳۵، نمبر ۸۷۳) اس ذکر سے مراد بسم اللہ لے سکتے ہیں۔
لغت : بسم اللہ: میں، ب، حرف جار ہے۔ جسکے بہت سے معانی ہیں۔ یہاں اسکا معنی الصاق کا ہے۔ یعنی کسی فعل کے ساتھ چپکانا۔ یا اسکا معنی استعانت ہے یعنی اللہ کے نام کی مدد سے شروع کرتا ہوں۔ ب، حرف جر ہے اسلئے اس کے متعلق کے لئے کوئی فعل محذوف ماننا ہوگا تاکہ حرف جر اسکا متعلق ہو جائے۔ بہتر ہے کہ، ابتدأ محذوف مانیں تاکہ مطلب یہ ہو کہ میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ ب متعلق ہو گیا اور اسم تو اللہ کے تابع ہے تو گویا کہ لفظ، اللہ، ہی سب سے مقدم ہو گیا۔ اور اقرأ باسم ربک، میں یہی حکم دیا گیا تھا کہ اللہ کے نام سے پڑھو تو گویا کہ اللہ کا نام ہی سب سے مقدم ہو گیا۔
الله :اللہ کے ننانوے نام صفاتی ہیں۔ اور لفظ اللہ ذاتی نام ہے۔ اللہ۔ الا لہ سے مشتق ہے۔ الہ کا معنی ہے معبود اور الف لام لگا دینے سے ترجمہ ہو گیا خاص معبود، یعنی اللہ۔ دوسرے معبود تو ہیں ہی نہیں لیکن مشرک لوگوں نے اپنے اعتقاد میں بہت سے معبود بنا رکھے ہیں اسلئے اس سے جدا کر کے خاص معبود اللہ کا نام ہوا۔
الرحمن :فعلان کے وزن پر ہے۔ رحمت سے مشتق ہے۔ رحمت کا معنی ہے رقت قلب۔ اللہ میں رقت قلب محال ہے کیونکہ وہ ذات قلب اور دل سے پاک ہے۔ اسلئے اللہ کی طرف رحمت کی نسبت ہو تو اسکا معانی ہے، فضل و کرم کرنا، احسان کرنا۔ رحمٰن مبالغہ

۲؎ الحمدللّٰہ الذی اعلیٰ معالم العلم و اعلامہ، و اظھر شعائر الشرع، و احکامہ

کا صیغہ ہے۔ اسکا ترجمہ ہے وہ ذات جس کی رحمت ہر چیز کو گھیری ہوئی ہے۔ انتہائی مہربان۔ **الرحیم**: فعیل کے وزن پر ہے۔ یہ لفظ بھی رحمت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے۔ البتہ اس میں رحمٰن کے مقابلہ میں کم مبالغہ ہے۔ کیوں کہ رحمٰن میں حروف زیادہ ہیں۔ اس میں پانچ حروف ہیں اور رحیم میں چار حروف ہیں۔ اس لئے رحمٰن میں مبالغہ زیادہ ہوا۔ شاید اسی لئے اللہ نے اسکو پہلے لایا۔ حضور ﷺ کی دعا میں آیا ہے، **یارحمن الدنیا و رحیم الآخرۃ**۔ جس سے معلوم ہوا کہ دنیا والوں پر اللہ کی مہربانی زیادہ ہے بنسبت آخرت والوں کے۔ کیونکہ دنیا میں مومن اور کافر دونوں پر مہربانی ہورہی ہے اور آخرت میں صرف مومن پر مہربانی ہوگی۔

نکتہ:۔ شاید رحمٰن کو مقدم کرنے کی وجہ یہ ہو کہ اس کا تعلق دنیا والوں کے ساتھ ہے اور دنیا مقدم ہے اس لئے رحمٰن کو مقدم کیا۔ یا سجع کے لئے رحمٰن کو مقدم کیا۔

ترجمہ: ۲؎ تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے علم کے نشانات اور جھنڈوں کو بلند کیا۔ اور شریعت کے شعائر اور احکام کو ظاہر کیا۔

تشریح: مصنفؒ اللہ کی تعریف کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن تعریف میں ایسا جملہ لا رہے ہیں جس سے علم فقہ کی اہمیت، اصول فقہ کی اہمیت اور اسکی تعریف بھی ہوجائے۔ اور ساتھ ہی اللہ کی تعریف بھی ہوجائے۔ خطبہ میں ایسا جملہ لانا جس سے کتاب کے مضمون کی طرف اشارہ ہو اسکو براعت استہلال کہتے ہیں۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ تمام تعریفیں اللہ کی ہیں جس نے علم کے نشانات کو بلند کیا اور علم کے جھنڈون کو بلند کیا اور شریعت کے شعائر اور اسکے احکام کو واضح کیا۔

وجہ: حمد مقدم کرنے کی وجہ؛ (۱) قرآن کریم میں الحمد بالکل شروع میں ہے۔۔۔۔(۲) حدیث میں ہے **عن ابی ھریرۃؓ قال : قال رسول اللہ ﷺ کل کلام لا یبدأ فیہ بحمد اللہ فھو اجذم** (ابوداودشریف، باب الہدی فی الکلام، ج ۲، ص ۳۱۷، نمبر ۴۸۴۰ رابن ماجہ شریف، باب خطبۃ النکاح ص ۲۷۲، نمبر ۱۸۹۴) اس حدیث میں ہے کہ جو کلام حمد کے ذریعہ سے شروع نہ کرے وہ ناقص ہے اسلئے مصنفؒ نے اپنی کتاب کو حمد سے شروع کی۔

لغت: الحمد: مصدر (س) تعریف کرنا اور اصطلاحی تعریف: ممدوح کی اختیاری خوبیوں کو زبان سے بیان کرنے کو حمد کہتے ہیں۔ چاہے نعمت کے مقابلے پر ہو یا نعمت کے مقابلے پر نہ ہو۔ اللہ کی جانب سے ہر وقت نعمت کی بارش ہوتی رہتی ہے اسلئے ہم جو بھی حمد کریں گے وہ نعمت کے مقابلہ پر ہی ہوگی۔

ال:۔ الحمد میں الف لام استغراق کے لئے ہے۔ استغراق کا معنی گھیرنا یہاں اسکا مطلب یہ ہے کہ تمام تعریفیں جو دنیا اور آخرت میں ہوسکتی ہوں وہ سب اللہ کے لئے ہیں۔ جمہور کی یہی رائے ہے۔ (۲) اور اگر الف لام جنس کا لیا جائے تو جنس کا مطلب ہوگا کہ حمد کا ہر ہر فرد اور اسکی حقیقت اللہ کے لئے ہیں۔ کبھی الف لام عہد اور متعین چیز کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہوتا ہے۔ اس وقت اسکا

۳ و بعث رسلا و انبیاء صلوات اللّٰہ علیہم اجمعین الی سبیل الحق ھادین

مطلب یہ ہوگا وہ متعین تعریفیں جو قرآن اور حدیث میں ہیں وہ اللہ کے لئے ہیں۔

معالم: معلم کی جمع ہے۔ علم سے مشتق ہے اور اسم ظرف ہے۔ علم کی جگہ یا علامت کی جگہ۔ یہاں معالم سے مراد شریعت کے اصول ہیں، یعنی قرآن کریم، سنت، اجماع، اور قیاس۔ یعنی اللہ نے اصول شریعت کو بلند کیا اس طرح کہ ہمکو اسکی اتباع کا حکم فرمایا۔

اعلام : علم کی جمع ہے۔ اسکا ترجمہ ہے پہاڑ، یا علامت، یا جھنڈا۔ پہاڑ سے مراد علماء ہونگے۔ علامت سے مراد شریعت کی دلیل ہوگی۔ اور جھنڈا اسے مراد ذات علم ہوگی۔ اکثر حضرات نے اعلام سے علماء مراد لئے ہیں۔ یعنی علماء کو اللہ نے بلند فرمایا۔

شعائر: شعیرۃ کی جمع ہے۔ جیسے صحائف: صحیفۃ کی جمع ہے۔ وہ چیز جو اللہ کی عبادت پر علامت ہو سکے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا وہ عبادتیں مراد ہیں جو شہرت کے طور پر ادا کی جائیں۔ جیسے اذان، جمعہ، عید کی نماز، قربانی۔ یعنی وہ عبادات جن سے ظاہر ہوتا ہو کہ انکے کرنے والے مسلمان ہیں۔ ایسی عبادتوں کو شعائر کہتے ہیں۔ مصنفؒ فرماتے ہیں کہ ایسی عبادتوں کو اللہ نے ظاہر فرمایا۔ اسلئے میں اسکی حمد کرتا ہوں۔

احکام : حکم کی جمع ہے۔ کسی چیز پر جو اثر مرتب ہوتا ہے اسکو حکم کہتے ہیں۔ اللہ کے جو احکام بندوں کے ساتھ متعلق ہیں یہاں وہ مراد ہیں۔ جیسے کسی چیز کا جائز ہونا، کسی معاملے کا فاسد ہونا، کسی چیز کا حلال ہونا۔ یا کسی چیز کا حرام ہونا۔

مصنفؒ نے خطبہ میں، احکام، کا لفظ لا کر اشارہ کیا کہ یہ کتاب احکام کے بارے میں ہے۔ خطبہ میں ایسا لفظ لائے جو کتاب کے مضمون کی طرف اشارہ کرے اسکو، براعت استہلال، کہتے ہیں مصنف نے یہاں براعت استہلال استعمال کیا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور جس نے انبیاء اور رسولوں کو راہ حق کی طرف ھدایت کرنے والا بنا کر مبعوث فرمایا ۔

تشریح : اللہ کا جو حق راستہ ہو اسکی طرف ھدایت کرنے والا بنا کر انبیاء اور رسولوں کو بھیجا اس خدا کی میں حمد کرتا ہوں۔ اور ان تمام پر صلوۃ وسلام ہو۔

لغت : رسول: جس نبی پر نئی شریعت آئی ہو اور کتاب آئی ہو اسکو رسول کہتے ہیں۔ اور جس پر نئی شریعت نہیں آئی ہو اسکو نبی کہتے ہیں۔ اسلئے رسول نبی سے افضل ہوتے ہیں اس لئے مصنف نے لفظ رسول کو پہلے لایا۔

صلوات : یہ صلوۃ کی جمع ہے۔ اسکا معنی ہے دعا۔ لیکن اگر اسکی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اسکا معنی ہے رحمت کرنا۔ اور فرشتے کی طرف نسبت ہو تو اسکا معنی ہے استغفار کرنا۔ اور انسان کی طرف نسبت ہو تو اسکا معنی ہے دعا کرنا۔ یہاں صلوۃ کی نسبت اللہ کی طرف ہے اسلئے اسکا معنی ہوگا اللہ کی رحمت ہو تمام رسولوں اور انبیاء پر۔

ھادین :ھدایت سے مشتق ہے اور اسم فاعل ہے۔ ھدایت دینے والا، راستہ دکھلانے والا۔

۴؎ و اخلفهم علماء الی سنن سننهم داعين ۵؎ يسلكون فيما لم يؤثر عنهم مسلك الاجتهادمسترشدين منه في ذالك. وهوولي الارشاد

ترجمه: ۴؎ اورعلماءکوانکاخلیفہ بنایاجوانکی عادتوں کےطریقوں کی دعوت دیتے ہیں۔

تشریح: انبیاءعلیہم السلام کی جوسنتیں ہیں اور جوانکی عادتیں ہیں علماءانکےطریقوں اورراستوں کی دعوت دیتے ہیں۔اللہ نے ایسےعلماءکوانبیاءکا خلیفہ بنایا۔اصل عبارت اس طرح بنے گی: واخلفهم علماء الذين يدعون الى سنن سننهم۔اورایسےعلماءکونبیوں کا خلیفہ بنایاجوانکےطریقوں کی

دعوت دیتے ہیں۔...علماءانبیاءکےخلیفہ ہیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن كثير بن قيس قال : كنت جالسا مع ابى الدرداء فى مسجد دمشق....قال : انى سمعت رسول الله ﷺ يقول ....و ان العلماء ورثة الانبياء ،و ان الانبياء لم يورثو ا دينارا و لا درهما ،ورثو ا العلم ،فمن اخذ ه اخذ بحظ وافر ۔(ابوداودشریف،باب فی فضل العلم،ص۵۲۳،نمبر۳۶۴۱)

نوٹ: صاحب ھدایہ یہاں سےمشکل الفاظ میں کتاب تصنیف کرنے کی وجہ بیان فرمارہے ہیں۔

لغت: اخلف: خلیفة سےمشتق ہے۔یہاں باب افعال سے ہے۔خلیفہ بنانا۔سنن: سنة کی جمع ہے۔اسکےکئی معانی ہیں (۱)راستہ

(زمانے کےائمہ نے بڑے بڑےاورچھوٹے چھوٹے مسئلوں کااستنباط فرمایا۔)

ترجمه: ۵؎ اور جو باتیں انبیاءسےمنقول نہیں ہیں ان میں اجتہاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔اس بارے میں اللہ سے رشدو ھدایت طلب کرتے ہیں۔اللہ ہی ارشاد کے مالک ہیں۔

تشریح: اللہ نےعلماءکوانبیاءکا خلیفہ بنایالیکن اسکا طریقہ کار یہ ہے کہ جن باتوں ،یاجن سنتوں کے بارے میں انبیاءسےکوئی بات منقول نہیں ہےان میں اجتہاد کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔اوراجتہاد کے لئے اللہ سے رشدھدایت مانگتے ہیں اورانبیاءکی منقول سنتوں سےاستنباط کرتے ہیں۔کیوں کہ اللہ ہی رہنمائی فرمانے والے ہیں۔

وجہ:۔اجتہاد جائز ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے .عن عمر و بن العاص انه سمع رسول الله ﷺ يقول : اذا حكم الحاكم فاجتهد ثم اصاب فله اجر ان ،و اذا حكم فاجتهد ثم اخطأفله اجر . (بخاری شریف،باب اجرالحاکم اذا اجتھد فاصاب اواخطأ۔ص۱۲۶۴،نمبر۷۳۵۲،مسلم شریف،باب اجر الحاکم اذا اجتھد،فاصاب اواخطأ ،ص ۷۶۱نمبر۴۴۸۷/۱۷۱۶)

اس حدیث میں ہے کہ اجتہاد کرے گا تو اجر ملے گا۔

٦ وخص اوائل المستنبطين بالتوفيق حتىٰ وضعوامسائل من كل جلی، و دقيق **٧** غيران الحوادث متعاقبة الوقوع،والنوازل يضيق عنهانطاق الموضوع. **٨** واقتناص الشوارد بالاقتباس من الموارد

لغت : سلک: چلنا۔اسی سے اسم ظرف ہے مسلک: چلنے کا راستہ، مذہب۔مسلک الاجتہاد: اجتہاد کا راستہ۔ یوثر: اثر سے مشتق ہے منقول ہونا۔لم یوثر: جو منقول نہ ہو۔اجتہاد: جہد سے مشتق ہے۔کوشش کرنا۔اجتہاد کا مطلب ہے جس مسئلے کے بارے میں انبیاء سے کوئی حکم منقول نہ ہو تو ان جیسے دیگر سنتوں کو سامنے رکھ کر اس سے اس مسئلے کو استنباط کرنے کو اجتہاد کہتے ہیں۔مسترشد: رشد سے مشتق ہے۔رہنمائی طلب کرنا۔ولی الارشاد: رہنمائی کا ولی، رہنمائی کا مالک۔

ترجمه: **٦** شروع کے استنباط کرنے والوں کو اللہ نے خاص توفیق دی کہ انہوں نے ہر بڑے چھوٹے مسئلوں کو وضع کیا۔

تشریح :۔مصنف یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پہلی صدی کے اماموں نے بہت سے مسائل کا استنباط کیا ہے لیکن بعد میں نئے نئے مسائل پیدا ہو رہے ہیں انکا شمار ناممکن ہے اسلئے اسکے لئے اصول کا متعین کرنا ضروری ہے اور اسکے لئے کتاب لکھنا ضروری ہے۔

لغت : اوائل : اول کی جمع ہے یہاں مراد ہے شروع کے لوگ۔ائمہ کی وہ جماعت جنہوں نے مسائل مستنبط کئے .مستنبطین : نبط سے مشتق ہے باب ستفعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔کنوئیں سے پانی نکالنے والے،مسئلے کے استنباط کرنے والے۔

وضعوامسائل : مسئلوں کو بنایا،مسئلوں کو رکھا۔جلی :جلی کا ترجمہ ہے،واضح، بڑے بڑے مسئلے .دقیق: باریک اور جزئیاتی مسئلے۔یعنی اس زمانے کے ائمہ نے بڑے بڑے اور چھوٹے چھوٹے مسئلوں کا استنباط فرمایا۔

ترجمه: **٧** علاوہ یہ کہ پیش آمدہ واقعات پیدر پے واقع ہو رہے ہیں۔اور پیش آمدہ مسائل کو ایک موضوع کی ڈوری میں باندھنا مشکل ہے۔

تشریح : مصنف پر اشکال ہوا کہ ائمہ نے بڑے چھوٹے مسئلے وضع کر دئے تو آپ کیوں کتاب لکھ رہے ہیں؟ اسکا جواب دے رہے ہیں کہ نئے نئے مسئلے پیدا ہو رہے ہیں اسلئے انکو پرانے مسئلوں تک محدود رکھنا مشکل ہے اسلئے کتاب لکھ کر نئے مسئلوں کا راستہ ہموار کر رہا ہوں۔

لغت :. حوادث : حادثة کی جمع ہے نئے پیدا ہونے والے مسائل۔متعاقبة : عقب سے مشتق ہے یکے بعد دیگرے آنے والے مسائل. نوازل : نازلة کی جمع ہے اترنے والی چیز۔یہاں مراد ہے نئے آنے والے مسائل۔نطاق: کمر بند۔نطاق الموضوع : موضوع کی ڈوری۔یہاں مراد ہے کہ چند موضوعات کی ڈوری میں آنے والے تمام مسائل کو باندھنا مشکل تھا۔

ترجمه:(۸) وحشی جانورں کی طرح نامانوس مسائل کو اقتباس کر کے گھاٹیوں سے شکار کرنا مشکل کام ہے۔

۹ والاعتبار بالامثال من صنعة الرجال ۱۰ وبـالوقوف على الماخذ يعض عليها بالنواجذ ۱۱ وقدجرى علـيّ الـموعـدفي مبدأ بداية المبتدى ان اشرحها، بتوفيق الله تعالى، شرحا ارسمها بكفاية المنتهى

تشریح :نامانوس مسائل کو قیاس کر کے استنباط کرنا، وحشی جانوروں کو گھاٹیوں سے شکار کرنے کی طرح مشکل ہے۔ یہاں نامانوس مسائل کو وحشی جانور سے تشبیہ دی ہے اور اسکو استنباط کرنے کو گھاٹیوں سے شکار کرنے سے تشبیہ دی ہے۔

لغت: اقتناص :قنص سے مشتق ہے شکار کرنا۔ شوارد: شاردۃ کی جمع ہے، وحشی جانور۔ یہاں مراد ہے نامانوس مسائل۔ اقتباس: قبس سے مشتق ہے آگ کا شعلہ لینا۔ باب افتعال میں جانے کے بعد اسکا ترجمہ ہے علم سے استفادہ کرنا، کسی اصول پر قیاس کرنا ،اوراس سے نئے مسائل کا استنباط کرنا۔ موارد: ورد سے اسم ظرف ہے آنے کی جگہ، پانی پینے کا گھاٹ۔ یہاں مراد ہے مسائل کے اصول۔

ترجمہ: ۹ اورمثالوں سے اسکا اعتبار کرنا بڑے بڑے مردوں کا کام ہے۔

تشریح :نیا مسئلہ سامنے آیا ہو اسکو پچھلے مسئلے کے مثل پر قیاس کر کے حکم نافذ کرنا بڑے بڑے مردوں یعنی بڑے بڑے ائمہ کرام کا کام ہے۔ یہ کام اتنا آسان نہیں ہے۔

لغت:. اعتبار : عبرۃ سے مشتق ہے۔ قیاس کرنا، اوراعتبار کرنا۔ امثال: مثل کی جمع ہے۔ مثالیں . صنعة: کاریگری، کام۔ رجال: یہاں مراد ہے بڑے قسم کے آدمی۔

ترجمہ: ۱۰ اوردانتوں سے پکڑے جانے والے ماخذ پر واقفیت حاصل کرنا مردوں کا کام ہے۔

تشریح :شریعت کے ایسے اصول اور ایسے مآخذ جو اتنے مشکل ہوں جیسے دانتوں سے پکڑنے کے بعد قابو میں رہتے ہوں ان اصولوں پر قابو پانا بڑے بڑے مردوں کا کام ہے۔ عام آدمی کا کام نہیں۔

لغت :. ماخذ : اخذ سے مشتق ہے پکڑنے کی چیز۔ یہاں شریعت کے اصول مراد ہے۔ یعض: دانت سے کاٹنا۔ نواجذ: ناجذ کی جمع ہے، داڑھ کا دانت۔ عض بالنواجذ: داڑھ کے دانتوں سے پکڑنا۔ یہ محاورہ ہے۔ کسی چیز کو سختی سے پکڑنا ہو تو اس کو دانت سے پکڑتے ہیں اسی طرح کسی مشکل کام کو کرنے کو دانت سے پکڑنا کہا ہے۔.... یہاں ان عبارتوں کا مطلب یہ ہے کہ ایسے مشکل اصولوں پر واقفیت حاصل کرنا بڑے بڑے ائمہ کا کام ہے اسلئے عام لوگوں کے لئے مجھے اچھی کتاب لکھنی پڑی۔

ترجمہ : ۱۱ کتاب، بدایۃ المبتدی، کے شروع میں وعدہ کیا گیا تھا کہ میں اللہ کی توفیق سے اسکی شرح کرونگا جسکا نام، كفاية المنتهى ،رکھونگا۔ چنانچہ میں نے اسکو شروع کر دیا۔ اور وعدے میں کچھ گنجائش تو ہوتی ہی ہے۔ پھر جب اس سے فارغ ہونے کے قریب ہوا تو مجھے پتہ چلا کہ اس شرح میں کچھ طوالت ہوگئی ہے۔ اور مجھے کھٹکا لگا کہ لمبی شرح کی وجہ سے کتاب (بداية المبتدى) ہی نہ چھوڑ دیں۔ پھر دوسری شرح لکھنے کی طرف توجہ کی جسکا نام، ھدایہ، ہے۔

فشرعته فيه، و الوعد يسّوغ بعض المساغ، و حين اكاد اتكأ اتكاء الفراغ تبينت فيه نبذاً من الاطناب، و خشيت ان يهجر لاجله الكتاب فصرفت عنان العناية الى شرح آخر موسوم، بالهداية.

۱۲ اجمع فيه بتوفيق الله تعالى بين عيون الرواية، ومتون الدراية تاركا للزوائد فى كل باب معرضاًعن هذا النوع من الاسهاب مع مااته يشتمل على اصول ينسحب عليها فصول

تشریح : مصنف ھدایہ نے فقہ میں متن کی کتاب لکھی جس میں اہمیت کے ساتھ قدوری کے مسئلے کولیااور جہاں مسئلے نہ مل سکے وہاں امام محمد کی کتاب جامع صغیر سے مسئلے لئے اور دونوں کوملا کر کتاب بدایۃ المبتدی تصنیف کی ۔اسکے دیباچہ میں وعدہ کیا کہ میں اسکی شرح بھی لکھونگا۔چنانچہ اسی 80 جلدوں میں اسکی شرح لکھی اوراسکا نام ،کفایۃ المنتھی ،رکھا ۔شرح سے فراغت کے قریب پہنچے تومحسوس ہوا کہ کتاب اتنی لمبی ہوگئی ہے کہ اسکو کوئی نہیں پڑھے گا۔اور کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اصل کتاب ،بدایۃ المبتدی ،ہی کو نہ چھوڑ دیں اسلئے بدایۃ المبتدی کی دوسری شرح مختصر لکھی جسکا نام ،ھدایہ،رکھا جوآپکے ہاتھ میں ہے ۔اوپر کی عبارت میں یہی بات کہہ رہے ہیں۔

لغت :. الموعد :وعد سے مشتق ہے۔مبدأ:شروع میں۔ارسم : رسم سے مشتق ہے،لکھنا۔یہاں ترجمہ ہے میں اسکا نام رکھونگا.فشرعت فيه :اسکا ترجمہ ہے،میں نے کفایۃ المنتھی ،کولکھنا شروع کردیا۔یسوغ:باب تفعیل سے، جائز ہونا۔اسی سے ہے مساغ:گنجائش۔عبارت کا مطلب ہے کہ وعدہ میں تاخیر کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ وعدہ کر لینے کے بعد اس کام کو کرنا جائز ہوجاتا ہے۔اس لئے وعدے کے مطابق میں نے اسکی شرح لکھنا شروع کردی۔الوعد یسوغ بعض المساغ . جملہ معترضہ ہے اکاد:قریب تھا۔اتکأ : وکأ سے مشتق ہے۔تکیہ لگانا۔اوراتکأ عنه کا ترجمہ ہے اس سے تکیہ اٹھالینا ۔اکاد اتکأ عنه اتكأ الفراغ : کا مطلب ہے کہ میں اس شرح سے فارغ ہونے کے قریب تھا۔تبینت:بین سے مشتق ہے ۔میرے سامنے واضح ہوگیا۔ نبذأ:اسکا ترجمہ ہے تھوڑا سا۔اطناب:کسی نکتے کی وجہ سے بات لمبی ہوجائے اسکو اطناب کہتے ہیں ۔خشیت : خشى سے مشتق ہے۔مجھے ڈر ہوا۔یھجر: ھجر سے مشتق ہے چھوڑ دینا۔الکتاب:سے مراد بدایۃ المبتدی،ہے .عنان :لگام کی رسی۔عنان العنایۃ کا ترجمہ ہے توجہ کی رسی۔یعنی میں نے اسکی طرف توجہ کی۔موسوم : سمى: سے مشتق ہے،جسکا نام ھدایہ رکھا گیا ہے۔

ترجمہ : ۱۲ اللہ کی توفیق سے میں اس میں عمدہ روایت اور مضبوط دلائل عقلیہ جمع کررہا ہوں۔اس کے ہر باب میں زوائد چھوڑنے کا ارادہ ہے اوراس قسم کی طول بیانی سے اعراض کرنے کی نیت ہے۔تاہم ایسے اصول پر شامل ہوگی جن پر فروع متفرع ہو نگے۔

۱۳؎ واسأل الله تعالى ان يوفقنى لاتمامها،ويختم لى بالسعادة بعداختتامها ۱۴؎ حتى ان من سمت همته الى مزيدالوقوف يرغب فى الاطول والاكبرومن اعجله الوقت عنه يقتصرعلى الاصغروالاقصر.وللناس فيمايعشقون مذاهب.والفن خير كله. ۱۵؎ ثم سألنى بعض اخوانى ان املى عليهم المجموع الثانى، فافتتحته مستعينا بالله تعالى فى تحرير ما اقاوله متضرعا

تشریح : فرماتے ہیں کہ یہ کتاب اتنی لمبی نہیں کرونگا تاہم اس میں احادیث اورقرآن کے مضبوط دلائل ہونگے،اور دلیل عقلی بھی ہوگی،اورایسے اصول ہونگے جن پر بہت سے جزئیاتی مسائل متفرع ہوسکین گے۔البتہ لمبی باتیں اورزائد باتیں نہیں ہونگی۔

لغت :. عیون : عین کی جمع ہے۔آنکھ،یہاں عمدہ اورمضبوط روایت مراد ہے۔الروایۃ : روایت سے مرادحدیث اورقرآن ہیں۔متون :متن کی مع ہے،پیٹھ،یہاں،مضبوط،مراد ہے ۔الدرایۃ : دری،یدری سے مشتق ہے۔جاننا۔یہاں مراد ہے عقلی دلائل .متون الدرایۃ کا ترجمہ ہے مضبوط عقلی دلائل.معرضا : اعراض کرتے ہوئے۔اسھاب : سھب سے مشتق ہے۔لمبی گفتگو،لمبی بات۔ینسحب:سحب سے مشتق ہے . گھسیٹھنا،متفرع کرنا۔یعنی ان اصولوں پر جزئیات متفرع ہوسکتے ہوں۔فصول:فصل کی جمع ہے۔یہ باب سے چھوٹا ہوتا ہے اوراس میں ایک قسم کے مضامین ہوتے ہیں۔

ترجمہ: ۱۳؎ اللہ تعالیٰ سے اسکو پورا کرنے کی توفیق مانگتا ہوں۔اوراسکے ختم ہونے کے بعد میرا بھی خاتمہ بالخیر ہو۔

لغت :.السعادۃ : نیک بختی۔یہاں مراد ہے کہ خاتمہ بالخیر ہو۔

ترجمہ : ۱۴؎ یہاں تک کہ جسکی ہمت زیادہ واقفیت کی طرف بلند ہوانکو لمبی اور بڑی شرح کی طرف رغبت کرنی چاہئے ۔اور جنکو وقت کی تنگی ہووہ چھوٹے اورمختصر کی طرف توجہ دیں۔اورلوگوں کی پسند مختلف ہیں۔اوردونوں فن ہی خیر ہیں۔

تشریح :جنکو گہری واقفیت کی ہمت ہووہ میری لمبی شرح، کفایۃ المنتھی دیکھیں۔اور جنکے پاس وقت کم ہووہ میری مختصر شرح ،ھدایہ، دیکھیں۔دونوں طریقے ہی خیر کی چیز ہیں البتہ ہرایک کی پسندا لگ الگ ہیں۔جنکو جوشرح پسند ہواسکو دیکھ لیں۔

لغت :..سمت : سمو سے مشتق ہے ۔بلند ہونا۔اعجلہ الوقت :جسکو وقت جلدی کرے۔یعنی جسکے پاس وقت کم ہو .یقتصر : قصر سے مشتق ہے۔اکتفاء کرے۔و للناس فیما یعشقون مذاھب :لوگ جن چیزوں سے عشق رکھتے ہیں انکے مختلف مذھب ہیں۔یہ شعر کا ایک ٹکڑا ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ہرایک کی پسندا لگ الگ ہے۔

ترجمہ : ۱۵؎ پھر کیا تھا میرے بعض دوست بھی مجھسے مجموع ثانی یعنی ھدایہ لکھوانیکی درخواست کرنے لگے۔پس انکی درخواست کے مطابق اللہ کی مدد سے اسکا لکھنا شروع کررہا ہوں۔

تشریح : جب میں نے ھدایہ لکھنے کا ارادہ کیا تو میرے کچھ دوست بھی اسکو لکھوانے کی درخواست کرنے لگے ۔چنانچہ اللہ کی

اليـه فى التيسير ما احاوله. ۱۶ِانـه الـميسّـر لكل عسير، و هو على ما يشاء قدير، و بالاجابة جدير، و حسبنا الله، و نعم الوكيل.

مدد سے انکے کہنے کے مطابق لکھنا شروع کر دیا ہوں۔

لغت: املی : املاء سے مشتق ہے۔لکھوانا.افتتح : فتح سے مشتق ہے۔کھولنا،شروع کرنا۔اقاول:قول سے مشتق ہے۔جو کچھ ان لوگوں نے کہا۔یا جو کچھ ان لوگوں نے فرمائش کی۔

ترجمه : ۱۶ِ جسکا میں ارادہ کرر ہا ہوں اسکی آسانی کے لئے اللہ سے عاجزی کے ساتھ درخواست کرتے ہوئے۔وہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔اور وہ جو چاہتا ہے اس پر قدرت رکھتا ہے۔اور درخواستوں کی قبولیت اسکی شایان شان ہے۔ہمکو اللہ کافی ہے اور وہ بہترین کارساز ہے۔

تشریح :مصنف یہاں سے اپنی کتاب کی قبولیت کے لئے اللہ سے عاجزانہ درخواست کرر ہے ہیں۔کیونکہ وہ ہر مشکل کو آسان کرنے والا ہے۔اور دعا کو قبول کرنا اسکی شایان شان ہے۔فرماتے ہیں اللہ ہمیں کافی ہے اور بہترین کارساز ہے۔

لغت :. متضرعا : تضرع سے مشتق ہے عاجزانہ درخواست کرنا۔احاول:حول سے مشتق ہے۔ارادہ کرنا.میسّر : یسر کا اسم فاعل ہے۔آسان کرنے والا .عسیر:مشکل کام۔اجابۃ:قبول کرنا۔جدیر : جدر سے مشتق ہے۔لائق ہونا۔حسب:کافی ہونا۔نعم:بہترین۔الوکیل:کارساز۔

Documents\JPEG CLIPART\BOUQUET.jpg not found.

﴿كتاب الطهارات﴾

﴿كتاب الطهارات﴾

ضروری نوٹ : الطہارات: طہارۃ کی جمع ہے۔اور کتاب الطہاتات مرکب اضافی ناقص ہے۔اس لئے اس سے پہلے مبتدایااس کے آخر میں خبر محذوف ماننی پڑے گی۔مثلاھذا کتاب الطھارۃ، یا کتاب الطھارۃ ھذا، یا کتاب الطہارۃ کواقرء کا مفعول مانیں اور یوں عبارت رکھیں اقرءُ کتابَ الطھارۃ۔

طہارۃ کا ثبوت : آیت میں طہارت کا ثبوت ہے۔یا ایھا الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوۃ فاغسلوا وجوھکم وایدیکم الی المرافق وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین، وان کنتم جنبا فاطھروا ۔آیت۶،سورۃ المائدۃ۵۔حدیث میں ہےالطھور شطر الایمان ،یہ بھی ہے مفتاح الصلوۃ الطھور ۔(ترمذی،باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص۶،نمبر۳)

طہارۃ کومقدم کرنے کی۔

وجوہ: (۱)عبادات میں سب سے زیادہ اہم نماز ہے۔ایمان کے بعدسب سے زیادہ اہمیت نماز کودی گئی ہے۔ارشاد ربانی ہے الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوۃ(آیت۳،سورۃ البقرۃ۲)حدیث میں ہے الصلوۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین. اسی لئے تمام مصنفین نے ابواب نماز کومقدم کیا ہے۔اورنماز کی شرط طہارت ہے،بغیر طہارت کے نماز ادانہیں ہوگی اس لئے کتاب الطہارۃ کومقدم کیا۔(۲)حج عمر میں ایک مرتبہ فرض ہے۔زکوۃ سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔روزہ سال میں ایک ماہ فرض ہے۔لیکن نماز دن میں پانچ مرتبہ فرض ہے۔اس لئے اس کی ضرورت بار بار پڑتی ہے۔اورنماز کے لئے طہارت کی ضرورت پڑے گی تو طہارت کی ضرورت بھی دن میں پانچ بار پڑی۔اس لئے کثرت ضرورت کی بنا پر بھی طہارت کو پہلے ذکر کیا۔

لغوی تحقیق کتاب فِعال کے وزن پر مفعول کے معنی میں ہیں۔جیسےلباس ملبوس کے معنی میں ہوتا ہے۔اسی طرح کتاب بھی مکتوب کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔اس کا معنی ہے لکھے ہوئے اوراق کا مجموعہ۔کتب کا معنی ہیں لکھنا۔کتاب میں بہت سے مسائل لکھے ہوئے ہوتے ہیں اس لئے اس کو کتاب کہتے ہیں۔

نوٹ: فقہ کی کتابوں میں تین الفاظ ذکر کرتے ہیں۔(۱)کتاب (۲)باب (۳)فصل۔کتاب میں مختلف انواع اوراقسام کے مسائل مذکور ہوتے ہیں اوراس میں بعض مرتبہ کئی ابواب بھی شامل ہوتے ہیں۔گویا کہ وہ عام لفظ ہے۔باب میں ایک قسم کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔اورفصل میں ایک نوع کے مسائل ذکر کرتے ہیں۔

طھارات: طھارۃ، کی جمع ہے۔اور طھر ا سکا مصدر ہےاس کا معنی ہےطھارۃ اور پا کیز گی،اس کا الٹا ہے دنس۔شریعت میں

(ا) قال الله تعالیٰ : يأيها الذين اٰمنوا اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم و ايديكم الى المرافق وأمسحوا برؤسكم وأرجلكم الى الكعبين. ﴾ آیت۶،سورۃ مائدۃ۵

مخصوص اعضاء کے دھونے کوطہارت کہتے ہیں۔اس کا الٹاہے حدث۔بعض علماءفرماتے ہیں کہ رفع حدث یاازالۂ نجس کا نام طہارت ہے۔

نوٹ: پاک کرنے کوطَھارۃ بفتح ط،پاک کرنے کے بعد جو پانی باقی رہ جائے اس کو طُھارۃ ط کے ضمہ کے ساتھ۔اور پاک کرنے کا جوآلہ ہوتاہے جیسے پانی اورمٹی اس کو طِھارۃ ط کے کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں۔پاک پانی نہ ہوتومٹی پاک کرنے لئے چند شرائط کے ساتھ پانی کے قائم مقام ہوتی ہے۔

نوٹ: اقسام طہارت : (۱)اعتقادات کی طہارت جیسےاللہ رسول اور قیامت کے ساتھ وہ اعتقادرکھنا جوقرآن اورحدیث کے مطابق ہو(۲)مال کی طہارۃ جیسے مال کی زکوۃ دینا(۳)بدن کی طہارۃ جیسے وضوکرنا،غسل کرنا۔کپڑے کی طھارۃ جیسے کپڑے کوپاک کرنا۔چونکہ بہت سےطہارتوں کو بیان کرناہے اسلئے مصنفؒ نے طہارات جمع کا صیغہ لایا۔

ترجمہ : (ا) اللہ تعالی کاارشاد ہے۔اے ایمان والوجب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتواپنے منہ دھولواور ہاتھ کوکہنیوں سمیت اوراپنے سر پرمسح کرلو۔اوراپنے پاؤں کوٹخنوں سمیت دھولو

وجہ:آیت کوشروع میں لکھنے کی وجہ یہ ہیں(الف)برکت لئے (ب)وضوءمیں کتنے اعضاءدھوئے جائیں گےاس کا تذکرہ ہے۔تو گویا کہ آیت اعضاءوضوءدھونے کی دلیل ہوگئی۔آیت میں تین اعضاءدھونے اورایک عضوکےمسح کرنے کا ذکر ہے(ا)چہرہ دھویا جائیگا(۲)دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوئے جائیں گے(۳)پاؤں ٹخنوں سمیت دھوئے جائیں گےاورسر پرمسح کیا جائے گا۔ ہرایک عضوکی مقداراوران کی دلیلیں آگے آئیں گی۔یہ حدیث اعضائے وضوکیلئے جامع ہے۔ان حمران مولی عثمان اخبره انه رأى عثمان بن عفان دعا باناء ،فافرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ،ثم ادخل يمينه فى الاناء فمضمض و استنثر ثم غسل وجهه ثلاثا و يديه الى المرفقين ثلاث مرار ،ثم مسح برأسه ،ثم غسل رجليه ثلاث مرار الى الكعبين ،ثم قال : قال رسول الله ﷺ : من توضأ نحو وضوئى هذا ثم صلى ركعتين لايحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف،باب الوضوءثلاثا ثلاثا،ص۳۲نمبر۱۵۹/ابوداودشریف،باب صفۃ وضوءالنبی ﷺ،ص۲۶نمبر۱۰۸)اس حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ چہرہ دھویا ،پھرتین مرتبہ کہنیوں سمیت ہاتھ دھویا،پھرایک مرتبہ سرکامسح کیا،پھردونوں پاؤں کوٹخنوں سمیت دھویا۔اورفرمایا کہ یہ حضور ﷺ کاوضوءہے۔

لغت: اذا قمتم الى الصلوة جب تم نماز کے لئے کھڑے ہوتواعضاءدھوؤ۔نماز میں کھڑے ہونے کےوقت وضوءنہیں

کرتے بلکہ اس سے کچھ پہلے وضوء کرتے ہیں۔اس لئے آیت سے پہلے ایک قید بڑھانی ہوگی یعنی **اذا اردتم القیام الی الصلوۃ**۔تم نماز میں کھڑے ہونے کا ارادہ کروتو وضوء کرلو۔دوسری بات یہ ہے کہ اگر نماز پڑھتے وقت پہلے سے وضوء ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے ایک قید اور بھی بڑھانا ہوگی **اذا قمتم الی الصلوۃ و انتم محدثون** یعنی تم نماز کے لئے کھڑے ہو اس حال میں کہ تم محدث ہوتو وضوء کرلو اور محدث نہ ہوتو وضوء کرنے کی ضرورت نہیں۔البتہ طہارت کے باوجود وضوء کرنا مستحب ہے۔

فاغسلوا : غسل غ کے فتحہ کے ساتھ کسی چیز پر پانی بہا کر میل کچیل دور کرنا، کسی چیز کو دھونا اور غسل غ کے ضمہ کے ساتھ اسم ہے غسل سے۔ اسی کو مصنفؒ نے **الغسل ھو الاسالۃ**: کہا کہ پانی بہانے کا نام دھونا ہے۔اور ہاتھ پر پانی لگا ہوا ہو اس سے عضو کو پونچھ لے تو اسکو مسح کرنا کہتے ہیں۔جسکو مصنف نے المسح ھو الاصابۃ، کہا ہے۔

وجوہ : وجہ کی جمع ہے، چہرہ۔سر کے بال اگنے کی جگہ سے لیکر تھوڑی کے نیچے تک اور چوڑائی میں دونوں کانوں کے نرم حصہ تک کو چہرہ کہتے ہیں۔

وجہ : مواجہت سے مشتق ہے۔اور آدمی کسی کے سامنے آئے تو چہرے کا اتنا حصہ آنکھوں کے سامنے آتا ہے اس لئے اتنے حصے کو وجہ کہتے ہیں۔مرافق : مرفق کی جمع ہے، کہنی۔امسحوا : مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔بھیگے ہوئے ہاتھ کو کسی عضو پر پھیرنا۔وارجلکم : رجل کی جمع ہے۔ارجلکم پر فتحہ ہوگا اور عطف وجوھکم پر ہوگا۔اور مطلب یہ ہوگا کہ چہرے کو دھوؤ اور پاؤں کو بھی دھوؤ۔حضرت نافع، ابن عامر، کسائی، یعقوب اور امام حفص کی قرأت میں یہی ہے۔اور قرآن کریم کے عام نسخوں میں لام پر فتحہ والی قرأت ہے۔جمہور کا مسلک بھی یہی ہے کہ پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھونا ضروری ہے ورنہ وضوء نہیں ہوگا۔ان کے دلائل یہ ہیں (١) قرآن نے **وارجلکم الی الکعبین** کہا ہے۔اگر مسح کرنا فرض ہوتا تو الی الکعبین کہنے کی ضرورت نہیں تھی کہ ٹخنوں تک کرو۔بلکہ رءوسکم کی طرح مطلق بیان کرتے۔کعبین کی قید لگانا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ٹخنوں تک دھونا فرض ہے (٢) حضرت ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ **انی سمعت رسول اللہ ﷺ انہ یقول ویل للاعقاب من النار** (الف) (مسلم شریف، باب وجوب غسل الرجلین بکمالھا ص ١٢٤ نمبر ٢٤٠ اور بخاری شریف، باب غسل الاعقاب ص ٢٨ نمبر ١٦٥) ایڑی پانی سے تر نہ ہوتو اس کو آگ چھوئے گی۔تو اگر پاؤں پر مسح کریں تو ایڑی پر پانی نہیں آئے گا جس کی وجہ سے وہ جہنم کی آگ کے قابل ہوگی۔اس لئے پاؤں پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا۔(٣) خود حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے وضوء فرمایا اور پاؤں کو دھویا۔**قال اتانا علی وقد صلی ثم غسل رجلہ الیمنی ثلاثا و رجلہ الیسری ثلاثا**۔(ابوداؤد، باب صفۃ وضوء النبی ص ١٥ نمبر ١١١/١١٤)

ارجلکم : کی دوسری قرأت لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔یہ قرأت مشہور نہیں ہے۔اس صورت میں ارجلکم کا عطف برءوسکم پر ہوگا۔اور مطلب یہ ہوگا کہ پاؤں پر بھی سر کی طرح مسح کرو۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ارجلکم کا عطف برءوسکم پر کر کے یہ مطلب لیا

(۲) ففرض الطهارة: غسل الاعضاء الثلاثة، و مسح الرأس. بهذاالنص ﴾ ۱ والغسل: هو الاسالة، والمسح: هو الاصابة.

جائے کہ پاؤں پر بھی مسح کروتو یہ اس وقت ہوگا جب کہ پاؤں میں موزہ ہوتو پاؤں پر مسح کرو۔ اور اس قرأت سے موزہ پر مسح کرنے کا ثبوت ہوگا یا صرف جوار اور قریب ہونے کی وجہ سے جر پڑھا جائے گا۔ حکم کے اعتبار سے دھونا ہی ہے۔

رافضیوں کا مذہب ہے کہ وہ پاؤں پر مسح کرنا کافی سمجھتے ہیں اور میں نے دیکھا کہ وہ اس پر شدت سے عمل کرتے ہیں کہ وضوء سے پہلے پاؤں دھوتے ہیں اور وضوء کرتے وقت صرف مسح کرتے ہیں۔ ان کا استدلال یہی ہے کہ ارجلکم جر کے ساتھ اس کا عطف رءوسکم پر ہے اور سر کے مسح کی طرح پاؤں پر مسح کرنا کافی ہے۔ لیکن ان کا جواب وہی ہے جو اوپر گزر چکا ہے۔ اور معلوم نہیں کہ حضرت علیؓ کی حدیث کو وہ کیوں نہیں مانتے ہیں۔

کعبین : کعب کا تثنیہ ہے۔ ابھری ہوئی ہڈی یعنی ٹخنہ۔ پاؤں میں دو جگہ ابھری ہوئی ہڈی ہے۔ ایک قدم کے اوپر ہے جو صرف ایک ہی ہے۔ اور دوسری جوڑ کے پاس ہے جو ہر پاؤں میں دو دو ہیں۔ یہاں یہی مراد ہے۔ کیوں کہ کعبین تثنیہ کا صیغہ استعمال کیا ہے جس کا مطلب ہے کہ ہر پاؤں میں دو دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہوں۔

ترجمہ: (۲) پس طہارت وضوء کے فرض تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر کا مسح کرنا ہے۔

وجہ: آیت میں گزر چکی ہے کہ تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا ہے۔ اور بہت سی احادیث سے بھی ثابت ہے کہ ان تین اعضاء کو دھونا ہے اور سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ (۲) یہ حدیث گزر چکی ہے ان حمران مولی عثمان اخبره انه رأى عثمان بن عفان دعا بأناء فافرغ على كفيه ثلاث مرار فغسلهما ،ثم ادخل يمينه فى الاناء فمضمض و استنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ويديه الى المرفقين ثلاث مرار ،ثم مسح برأسه ،ثم غسل رجليه ثلاث مرار الى الكعبين ،ثم قال : قال رسول الله ﷺ : من توضأ نحو وضوئى هذا ثم صلى ركعتين لا يحدث فيهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه ۔ (بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا، ص ۳۲ نمبر ۱۵۹/ ابوداود شریف، باب صفة وضوء النبی ﷺ ص ۲۶ نمبر ۱۰۸) اس حدیث میں تینوں اعضاء کے دھونے کا ذکر ہے اور سر پر بھی مسح کرنے کا ذکر ہے۔

ترجمہ: ۱ غسل: دھونا پانی بہانے کو کہتے ہیں۔ اور مسح: پونچھ دینے کو کہتے ہیں۔

تشریح : عضو پر اس طرح پانی بہائے کہ وہ ٹپکنے لگے اور پانی کے قطرات گرنے لگیں اسکو دھونا اور غسل کرنا کہتے ہیں۔ اور اگر ہاتھ میں تھوڑا سا پانی ہو اس سے عضو کو پونچھ دیا اور پانی کا کوئی قطرہ بہہ کر نیچے نہیں گرا تو اسکو مسح کرنا کہتے ہیں۔

لغت : اسالة : سال ،يسيل سے مشتق ہے پانی کا بہنا۔ اصابة: صاب، يصيب سے مشتق ہے لگنا، پانی کا پہنچنا۔

۲ وحد الوجه من قصاص الشعر الی اسفل الذقن، و الی شحمتی الاذنین، لان المواجهة تقع بهذه الجملة، و هو مشتق منها. (۳) و المرفقان، و الکعبان یدخلان فی الغسل عندنا، خلافا لزفر ؒ

ترجمہ : ۲ اور چہرے کی حد بال کے اگنے کی جگہ سے ٹھوڑی کے نیچے تک، اور دونوں کانوں کی دونوں لوتک، اسلئے کہ مواجہت (آمنے سامنے ہونا) اس مجموعہ سے واقع ہوتی ہے، اور لفظ وجہ، اسی مواجہت سے مشتق ہے۔

تشریح : چہرہ کہاں سے کہاں تک کو کہتے ہیں جسکو دھونا فرض ہے اسکی حد بتا رہے ہیں۔ سر کا بال جہاں سے اگنا بند ہوتا ہے وہاں سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک، یہ لمبائی ہوئی اور ایک کان کی لو سے لیکر دوسرے کان کی لوتک۔ یہ چوڑائی ہوئی۔ اس درمیان کی پوری جگہ کو دھونا فرض ہے۔

وجہ : (۱) کیونکہ آیت میں وجہ ہے جو مواجہت سے مشتق ہے، یعنی آمنے سامنے ہونا اور آمنے سامنے ہوتے وقت بال اگنے کی جگہ سے لیکر ٹھوڑی کے نیچے تک۔ اور ایک کان کی لو سے دوسرے کان کی لوتک سامنے آتا ہے۔ اسلئے آیت کی وجہ سے اتنی جگہ تک دھونا فرض ہے۔ (۲) اتنی جگہ کی فرضیت کے لئے اس حدیث کے اشارے سے بھی استدلال کر سکتے ہیں. **عن ابن عباس ؓ : انه توضأ فغسل وجهه ،اخذ غرفة من ماءٍ فمضمض بها و استنشق ، ثم اخذ غرفة من ماءٍ فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرىٰ ،فغسل بها وجهه** ۔ (بخاری شریف، باب غسل الوجہ بالیدین من غرفۃ واحدۃ، ص ۳۰ نمبر ۱۴۰) اس حدیث میں ہے کہ دونوں ہاتھوں سے چہرہ دھویا جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اوپر کی پوری جگہ کو دھویا ہو۔

لغت : قُصاص : قص سے مشتق ہے۔ سر پر جہاں سے بال اگنا ختم ہوتا ہے پیشانی کی اس جگہ کو قصاص کہتے ہیں. الذقن : ٹھوڑی. شحمة : چربی۔ شحمۃ الاذن : کان کی لو۔

ترجمہ : (۳) دونوں کہنیاں اور دونوں ٹخنے دھونا فرض میں شامل ہیں ہمارے تینوں علماء کے نزدیک برخلاف امام زفرؒ کے (ان کے نزدیک کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہے)

تشریح :۔ ہاتھ دھوتے وقت کہنیاں بھی ساتھ ہی دھونی ہوگی، اور پاؤں دھوتے وقت دونوں ٹخنے بھی ساتھ دھونے ہونگے۔ یہ چاروں عضو دھونے میں شامل ہیں۔ البتہ امام زفرؒ کے نزدیک یہ اعضاء دھونے میں شامل نہیں، وہاں کے قریب قریب تک دھولے تو کافی ہے۔

وجہ : ائمہ ثلاثہ امام ابوحنیفہؒ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے دلائل یہ ہیں (۱) **عن نعيم بن عبد الله المجمر قال رأيت ابا هريرة يتوضأ فغسل وجهه فأسبغ الوضوء ثم غسل يده اليمنى حتى اشرع فى العضد ثم يده اليسرى حتى اشرع فى العضد ثم مسح برأسه ثم غسل رجله اليمنى حتى اشرع فى الساق ثم غسل رجله اليسرى حتى**

لے و هو يقول ان الغاية لا تدخل تحت المغيا، كالليل فى باب الصوم.

اشرع فى الساق ثم قال هكذا رأيت رسول الله ﷺ يتوضأ وقال قال رسول الله ﷺ انتم الغر المحجلون يوم القيامة من اسباغ الوضوء ممن استطاع منكم فليطل غرته وتحجيله (الف) (مسلم شریف، باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء، ص ۱۲۶ نمبر ۲۴۶) اس حدیث میں حضرت ابو ہریرہؓ نے باز واور پنڈلی کو وضوء میں دھویا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیت میں مرافق اور کعبین دھونے میں داخل ہیں۔ یہ حدیث آیت کی تفسیر ہے...(۲) عن جابر بن عبد الله قال كان رسول الله ﷺ اذا توضأ ادار الماء على مرفقيه (دار قطنی، باب وضوء رسول اللہؐ، ج اول ص ۸۶، نمبر ۲۶۸/ سنن للبیہقی، باب ادخال المرفقین فی الوضوء، ج اول، ص ۹۳، نمبر ۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کہنیاں دھونے میں داخل ہیں ....(۳) اثر میں اسکی مکمل صراحت ہے کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل ہیں۔ اثر یہ ہے۔قلت لعطاء : . فاغسلوا وجوهكم وايديكمالى المرافق .فيما يغسل ؟قال : نعم ، لا شك فى ذالك ۔(مصنف عبدالرزاق، جلداول، باب غسل الذراعین، ص ۵ نمبر ا) اس اثر میں ہے کہ بلا شبہ مرفقین دھونے میں داخل ہیں ۔(۴) انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں اس لئے اگر کہنیوں کی قید نہ لگاتے تو مونڈھے تک دھونا فرض ہوتا اس لئے کہنیوں تک دھونے کے لئے کہا تو کہنیوں سے آگے ساقط ہو گیا۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو عضو آگے کو ساقط کرنے کے لئے آئے وہ اس حکم میں داخل ہوتا ہے۔ اس لئے کہنی دھونے کے حکم میں داخل رہے گی۔ اس طرح رجل (پاؤں) ران تک کو کہتے ہیں۔ ٹخنہ تک کی قید لگا کر ٹخنہ سے اوپر کو ساقط کیا۔ لیکن خود ٹخنہ دھونے کے حکم میں داخل رہے گا۔

اصول: جنس ایک ہو تو غایت مغیا میں داخل ہوتا ہے ۔۲۔جنس دو ہوں تو غایت مغیاء میں داخل نہیں ہوتا۔ جیسے روزے میں رات داخل نہیں۔

ترجمه: لے امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ غایت مغیاء میں داخل نہیں ہوتی، جیسے روزے کے باب میں رات داخل نہیں ہوتی۔

تشریح: امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کہنیاں اور ٹخنے دھونے میں داخل نہیں ہیں۔ یعنی اگر کہنیوں اور ٹخنوں تک دھویا اور خود کہنیوں اور ٹخنوں کو نہیں دھویا تو وضوء ہو جائیگا۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ثم اتموا الصيام الى الليل ، آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲: روزے کو رات تک پورا کرو لیکن خود رات روزے میں داخل نہیں ہے۔ اسی طرح الی المرافق اور الی الکعبین میں۔ الی کے مابعد مرافق اور کعبین دھونے میں داخل نہیں ہونگے۔

لغت : غاية: جہاں تک کرنے کے لئے کہا اسکی انتہاء کو غایت کہتے ہیں، جیسے روزہ رات تک رکھنے کے لئے کہا تو رات غایت ہوئی، اور اس سے پہلے جو دن ہے اسکو مغیا، کہتے ہیں۔ انگلی سے لیکر کہنی تک مغیا ہوگا اور خود مرفق (کہنی) غایت ہے۔ اسی طرح

۲و لنا: ان هذه الغاية لاسقاط ماورائها، اذ لولاها لأستوعبت الوظيفة الكل،و فی باب الصوم لمد الحكم اليها، اذ الا سم يطلق علی الامساک ساعة. ۳ و الكعب هو العظم الناتی، هو الصحيح، و منه الكاعب.

پاؤں کی انگلی سے لیکر کعب (ٹخنے) تک مغیا ہے اور خود ٹخنہ غایت ہے ۔اب مسئلے کا حاصل یہ ہوگا کہ کہنی اور ٹخنہ جو غایت ہیں وہ دھونے میں داخل نہیں ہیں ۔

(**نوٹ**) حضرت امام زفرؒ نے دلیل عقلی پیش کی ہے تاہم تلاش کے باوجود اسکے لئے مجھے کوئی حدیث یا اثر نہیں ملا، واللہ اعلم ۔

ترجمہ: ۲ ہمارا جواب یہ ہے کہ یہ غایت مابعد کو ساقط کرنے کے لئے ہے اسلئے کہ یہ اسقاط نہ ہوتا تو دھونا کل ہاتھ اور پاؤں کو گھیر لیتا۔اور روزے کے باب میں حکم کو رات تک کھینچنے کے لئے ہے اسلئے کہ روزے کا نام ایک گھنٹہ رکنے پر بھی بولا جاتا ہے۔

تشریح: یہاں سے امام زفرؒ کی دلیل کا جواب ہے۔فرماتے ہیں کہ انگلی سے لیکر مونڈھے تک کو ہاتھ کہتے ہیں۔اسلئے اگر آیت میں الی المرافق کی قید نہ ہوتی تو انگلی سے مونڈھے تک دھونا پڑتا۔اسلئے الی المرافق کہہ کر کہنی سے اوپر کا حصہ دھونے سے ساقط کر دیا ،البتہ خود کہنی دھونے میں شامل رہے گی ۔(اسکو غایت اسقاط ،کہتے ہیں)اور روزے کا حال یہ ہے کہ ایک گھنٹے کے روزے کو بھی روزہ کہتے ہیں اسلئے اگر الی اللیل نہ کہتے تو دن بھر کا روزہ نہ ہوتا۔صبح ہی روزہ ختم ہو جاتا۔اسلئے الی اللیل کہا تو روزے کو صبح سے لیکر شام تک کھینچ دیا۔اور شام ہوتے ہی روزہ ختم ہوگیا۔رات روزے میں داخل ہی نہیں ہے۔اسلئے یہاں الی اللیل روزے کو رات تک کھینچنے کے لئے ہے۔اسلئے الی کے مابعد جو اللیل ہے وہ روزے میں داخل نہیں ہوگا۔(اسکو غایت اثبات کہتے ہیں)

لغت :.ما وراء: جو اسکے بعد ہو جیسے کہنی سے لیکر مونڈھے تک کی جگہ۔استوعب : وعب سے مشتق ہے۔سب کو گھیر لے ۔الوظیفة: روزانہ کا مقرر کام۔یہاں مراد ہے وضو میں دھونا۔الاسم: نام۔یہاں مراد ہے روزہ۔جو ایک گھنٹے پر بھی بولا جاتا ہے ۔امساک: رکنا۔ساعة: ایک گھنٹہ،ایک گھڑی۔

ترجمہ :۳ اور کعب :پیر میں ابھری ہوئی ہڈی کو کہتے ہیں۔یہی صحیح ہے۔اور اسی لفظ سے کاعب:(ابھری ہوئی پستان والی) آتا ہے۔

تشریح: کعب کا ترجمہ ہے ابھرا ہوا ہونا، یا پستان کا ابھرنا۔آیت میں کعبین کا مطلب ہوگا ہر پیر میں دو ابھری ہوئی ہڈیاں جو ایڑی سے اوپر ہوتی ہیں۔جسکو ٹخنہ، کہتے ہیں یہی صحیح ہے۔اسی سے آتا ہے کاعب: ابھری ہوئی پستان والی عورت۔۔امام محمدؒ سے ایک روایت منقول ہے کہ پاؤں کے بیچے پر جو ایک ہڈی ابھری ہوئی ہے وہ کعب سے مراد ہے۔لیکن یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ وہ ہڈی ایک ہی ہے اور آیت میں کعبین تثنیہ کا صیغہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ ہر پاؤں میں دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہونی چاہئے۔اسلئے وہ مراد نہیں

(۴) قال [القدوری]و المفروض فی مسح الرأس مقدار الناصية :و هو ربع الرأس، لماروی المغيرة بن شعبةؓ ان النبی ﷺ اتـی سبـاطة قوم فبال، و توضأ، و مسح علی ناصيته، و خفيه. ﴾ ا و الكتاب مجمل فالتحق بيانا به

ہوسکتی۔

لغت :. کعوبا :پستان کا ابھرنا. ناتی :ابھراہوا ۔

ترجمه :(۴)اور فرض سر کے مسح میں پیشانی کی مقدار ہےاور وہ چوتھائی سر ہے۔کیونکہ مغیرہ بن شعبہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ قوم کے کوڑے پر تشریف لائے اور پیشاب کیا اور وضوء فرمایا اور پیشانی پر مسح فرمایا اور دونوں موزوں پر مسح فرمایا۔

ترجمه :ا آیت میں سر پر مسح کرنے کا ذکر ہے لیکن یہ تفصیل مذکور نہیں ہے کہ سر کے کتنے حصے پر مسح کرنا فرض ہے۔چوتھائی سر ،یا پورا سر،یا سر کا کچھ حصہ؟ تو متن میں فرمایا کہ حدیث سے کم سے کم مقدار کا جو پتہ چلتا ہے وہ پیشانی کی مقدار ہے جو سر کی چوتھائی حصے کے قریب قریب ہے۔

وجه: مغیرہ بن شعبہؓ کی حدیث متن میں مذکور ہے جسکی عبارت مسلم شریف میں یہ ہے عـن عـروة بن المغيرة بن شعبة ،عن ابيه قال : تخلف رسول الله ﷺ و تخلفت معه،فلما قضى حاجته .....ومسح بناصيته ،و على العمامة ،و عـلـى خفيه ، (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ ،والعمامۃ ،ص۱۳۴نمبر۴ ۶۳۳/۲۷ ،ابوداؤد شریف باب المسح علی الخفین ،ص ۲۲ نمبر ۱۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی کے قریب جو بال ہے آپؐ نے اس پر مسح فرمایا اور وہ چوتھائی سر کی مقدار ہے اسلئے چوتھائی سر پر مسح کرنا فرض ہوگا...(۲) اس کی تفسیر دوسری حدیث میں ہے کہ آپؐ نے سر کے اگلے حصے پر مسح فرمایا جو چوتھائی سر ہوتا ہے۔حدیث یہ ہے عن ابـن الـمـغيـرة عـن ابيه : ان نبی الله ﷺ مسح على الخفين ،و مقدم رأسه ، و على عـمـامتـه. (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ ص۱۳۴نمبر ۶۳۴/۲۷ /ابوداؤد شریف، باب المسح علی العمامۃ ،ص ۲۲،نمبر ۱۴۷) جب سر کے صرف اگلے حصے پر مسح کیا تو پتہ یہ چلا کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض نہیں ہے، بلکہ مستحب ہے۔کیونکہ پورے سر کا مسح فرض ہوتا تو صرف پیشانی کی مقدار یا اگلے حصے پر مسح کرنا کافی نہیں ہوتا۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک چوتھائی سر اور پیشانی کی مقدار پر مسح کرنا فرض ہے۔اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہے۔

(۲) آیت میں سر کا مسح کرنا فرض ہے لیکن کتنی مقدار فرض ہے آیت سے اس کا پتہ نہیں چلتا ہے ۔آیت اس بارے میں مجمل ہے۔اب حدیث نے اس کی تفسیر کی ہے کہ کم سے کم مقدار پیشانی کے برابر ہے۔اس سے کم مقدار کا کسی حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے۔اس لئے کم سے کم یہ مقدار فرض ہوگی (۳) ستر عورت چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی ۔حج کے موقع پر احرام کی حالت

۲؎وهو حجة على الشافعیؒ فی التقدیر بثلث شعرات. ۳؎ و علی مالکؒ فی اشتراط الاستیعاب.

میں چوتھائی سرمنڈ وادے تو دم لازم ہوتا ہے۔جس طرح پورے سرمنڈ وانے سے دم لازم ہوتا ہے۔توان مقامات پر چوتھائی کل کے قائم مقام ہے اسی طرح سر کے مسح میں بھی چوتھائی پورے سر کے قائم مقام ہوگا (۴) قاعدہ یہ ہے کہ ب حرف جر آلہ پر داخل ہوتو اس کا بعض مراد ہوگا اور محل کا کل، اور محل پر داخل ہوتو محل کا بعض مراد ہوگا۔یہاں ب سر محل پر داخل ہے اس لئے سر کا بعض حصہ مراد ہوگا کہ بعض سر کا مسح کرنا کافی ہوگا۔کتاب یعنی آیت مجمل ہے اور حدیث اسکا بیان ۔اسلئے حدیث کی بناء پر چوتھائی سر سے کم پر مسح جائز نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمه: ۲؎ اور یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے تین بالوں کے متعین کرنے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک چند بال پر مسح کرنے سے فرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔ امام شافعیؒ کی ''کتاب الام'' میں عبارت اس طرح ہے: قال الشافعیؒ اذا مسح الرجل بأی رأسه شائان کان لا شعر علیها ،و بأشعر رأسه شاء ،باصبع واحدة ،او بعض اصبع ،(کتاب الام، باب مسح الرأس، ج اول، ص ۱۱۱ نمبر ۳۹۰) کہ کوئی بال بھی چھولے تو مسح ہو جائے گا۔

وجه :وہ فرماتے ہیں کہ ''مسلم شریف'' کی حدیث تھی کہ پیشانی کے بال پر اور عمامے پر مسح فرمایا تو ظاہر ہے کہ کچھ بال ہی تھے جن پر مسح فرمایا چوتھائی سر تو نہیں ہوسکتا ہے اسلئے سر کے کچھ حصے پر مسح کر لینے سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اور پورے سر پر مسح کرنا سنت ہوگا۔حدیث کی عبارت یہ تھی و مسح بناصیته و علی العمامة . (مسلم نمبر ۶۳۳ / ابوداود نمبر ۱۵۰) ہمارے جواب کا حاصل یہ ہے کہ پیشانی پر مسح اور سر کے اگلے حصے پر مسح والی دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ ایک دو بال کو مسح نہیں کہا جائے گا بلکہ مسح یعنی پونچھنے کا مطلب یہی ہوگا کہ سر کا کچھ اہم حصہ ہونا چاہئے جو چوتھائی کے قریب ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور امام مالکؒ پر حجت ہے پورے سر کو گھیرنے کی شرط لگانے میں۔

تشریح: امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔وہ ان احادیث سے استدلال کرتے ہیں جن میں پورے سر پر مسح کرنا ثابت ہے۔وہ یہ ہیں۔عن عبد الله بن زیدؓ...ثم مسح رأسه بیدیه فاقبل بهما و ادبر بدأ بمقدم رأسه حتی ذهب بهما الی قفاه ثم ردهما الی المکان الذی بدا منه ۔ (بخاری شریف، باب مسح الرأس کلہ، ص ۳۱ نمبر ۱۸۵ / ابوداود شریف، باب صفة وضوء النبی ﷺ، ص ۱۶ نمبر ۱۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پورے سر پر مسح کرنا ضروری ہے تب ہی تو آپؐ نے پورے سر پر مسح فرمایا۔

ہم اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ احادیث سنیت پر محمول ہیں۔اور ہم بھی ایک مرتبہ پورے سر پر مسح کرنا سنت قرار دیتے ہیں۔اگر

(۴) وفی بعض الروایات قدرہ بعض اصحابنا بثلث اصابع الید لانها اکثر ما هو الاصل فی آلة المسح

پورے سر پر مسح کرنا فرض ہوتا تو آپؐ صرف پیشانی کی مقدار پر کبھی اکتفاء نہ کرتے۔صرف پیشانی کی مقدار پر اکتفاء کرنا دلیل ہے کہ اتنے ہی سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۴) اور بعض روایت میں ہے کہ ہمارے بعض اصحاب نے ہاتھ کے تین انگلی کی مقدار اسکی تعیین کی،اسلئے کہ مسح کے آلے میں وہ اصل ہے اور تین انگلیوں کا اکثر ہے۔

تشریح:۔ہمارے بعض اصحاب نے فرمایا کہ ہاتھ کی تین انگلیوں سے مسح کر لیا تو مسح ہو جائے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ہاتھ مسح کرنے کا آلہ ہے،جس سے مسح کرتے ہیں۔اور ہاتھ میں پانچ انگلیاں ہیں ،اور تین انگلیاں ان میں سے اکثر ہیں اسلئے تین انگلیوں سے مسح کر لیا تو اکثر آلے سے مسح کر لیا،تو للاکثر حکم الکل کے تحت گویا کہ کل ہاتھ سے مسح کر لیا اسلئے اس سے مسح کافی ہو جائے گا ۔(۲) تین انگلیوں سے مسح کرنے میں پیشانی کی مقدار مسح ہو جائے گا اسلئے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی اسلئے کافی ہوگا۔

لغت: الناصیة : پیشانی یہاں پیشانی کی مقدار مراد ہے کیوں کہ صرف پیشانی پر مسح کرنے سے کسی کے یہاں مسح ادا نہیں ہوگا۔کیونکہ آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔مغیرہ بن شعبہ مشہور صحابی ہیں غزوۂ خندق کے سال اسلام لائے ہیں اور ۵۰ھ یا ۵۱ھ میں وفات پائی ہے۔ان سے ایک سو چھتیس 136 حدیثیں مروی ہیں۔ سباطة : کوڑا، کچرا پھینکنے کی جگہ. بال : پیشاب کیا۔ التقدیر:قدر سے مشتق ہے اندازہ کرنا۔الاستیعاب:گھیرنا۔آلۃ المسح :مسح کرنے کا آلہ،اس سے مراد ہاتھ ہے۔

Documents\JPEG CLIPART\flower9.jpg not found.

﴿سنن الطهارة﴾

(۵)قال:(القدوری) وسنن الطهارة (۲) غسل اليدين قبل ادخالهما الاناء اذااستيقظ المتوضی من نومه﴾

لقوله عليه السلام: اذا استيقظ احدكم من منامه فلا يغمسن يده فی الاناء حتی يغسلها ثلاثا فانه لايدری اين باتت يده،

﴿سنن الطهارة﴾

ترجمه :(۵) سنن الطهارة : طہارت کی سنتیں۔طریقہ یاراستہ کوسنت کہتے ہیں۔شریعت میں جس کام پرعبادت کے طور پرحضورﷺ نے ہمیشگی کی ہواور کبھی کبھی چھوڑا ہواس کوسنت کہتے ہیں۔اگرعبادت کے طور پرنہیں بلکہ عادت کے طور پرکسی کام پرآپ نے ہمیشگی کی ہوتو وہ کام مستحب ہوگا۔جیسے دائیں جانب سے کسی اچھے کام کوشروع کرنا مستحب ہے۔

ترجمه :(۲)وضوء کی سنتیں: دونوں ہاتھوں کوتین مرتبہ دھونا ان دونوں کو برتن میں داخل کرنے سے پہلے جبکہ وضوکرنے والا نیند سے بیدار ہوا ہو۔

تشریح: کوئی آدمی نیند سے بیدار ہوا ہواور وضو یاغسل کرنا چاہتا ہوتو پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کوتین مرتبہ دھو لینا چاہئے، یہ سنت ہے۔کیونکہ ہوسکتا ہے کہ نیند کی حالت میں اس کا ہاتھ نجاست کی جگہ پرگیا ہواور ہاتھ پرناپاکی موجود ہواور وضو کرنے والے کواسکا پتہ نہ ہو۔اب اس ہاتھ کو پانی میں ڈالے گا تو پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ہاتھ کوتین مرتبہ دھولے۔اگر ہاتھ پرناپاکی ہونے کاظن غالب ہوتو دھونا ضروری ہے۔اورصرف شک ہوتو دھونا سنت ہے۔

ترجمه :ل آپؐ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی نیند سے بیدار ہوتو وہ اپنے ہاتھ کو برتن میں نہ ڈالے جب تک کہ اسکوتین مرتبہ نہ دھوڈالے اسلئے کہ اسکومعلوم نہیں ہے کہ ہاتھ کہاں کہاں گیا ہے۔

وجه: اس کےسنت ہونے کی دلیل اوپر کی حدیث ہے جسکی عبارت اس طرح ہے۔عن ابی هريرة رضی الله عنه ان النبی ﷺ قال اذا استيقظ احدكم من نومه فلا يغمس يده فی الاناء حتی يغسلها ثلاثا فانه لايدری اين باتت يده (الف)(مسلم شریف، باب کراہیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۶۴۳/۲۷۸۔ترمذی شریف، باب ماجاء اذا استیقظ احدکم من منامہ فلا تغمسن یدہ فی الاناء حتی تغسلھا ثلاثا ص ۱۳ نمبر ۲۴) پانی دست یاب نہ ہونے کی وجہ سے اہل عرب پیشاب اور پیخانہ صاف کرنے کیلئے ڈھیلا استعمال کرتے تھے اسلئے اگر نیند میں پسینہ والا ہاتھ وہاں چلا جائے تو ہاتھ کے ناپاک ہونے کا خطرہ ہے اسلئے فرمایا کہ نیند سے بیدار ہونے کے بعد وضوء سے پہلے ہاتھ ضرور دھولیا کرے۔مصنف نے نیند سے بیدار ہونے کے بعد ہاتھ دھونا سنت لکھا ہے۔علماء نے لکھا ہے کہ نیند سے بیدار نہ ہوتب بھی وضوکرنے

۲ ولان اليد آلة التطهير فتسن البداية بتنظيفها ۳ هذا الغسل الى الرسغ لوقوع الكفاية به فى التنظيف. (۷) قال (القدورى) و تسمية الله تعالى فى ابتداء الوضوء ۱ لقوله عليه السلام: لاوضوء لمن لم يسم، ۲ والمراد به نفى الفضيلة،

والے کے لئے ہاتھ دھونا سنت ہے ۔

ترجمه: ۲ اور اسلئے بھی کہ ہاتھ پاک کرنے کا آلہ ہے اسلئے اسکو ہی پہلے صاف کرنا سنت ہوگی۔

تشريح: ہاتھ سے پانی لیکر دوسرے عضو کو دھوتے ہیں اسلئے پہلے ہاتھ ہی کو پاک کرنا چاہئے ورنہ تو ناپاک ہاتھ پانی کو ناپاک کردے گا تو دوسرے اعضاء پر وہ پانی کیسے ڈالیں گے اسلئے پہلے ہاتھ کو پاک کرنا سنت ہے۔۔ یہ صاحب ھدایہ دلیل عقلی پیش کر رہے ہیں۔

ترجمه: ۳ اور یہ دھونا پہنچے تک ہے کیونکہ اتنا ہی پاک کرنے کے لئے کافی ہے۔

تشريح: حدیث میں ہاتھ کا لفظ ہے جس سے شبہ ہوتا ہے کہ شروع میں پورا ہاتھ دھونا ضروری ہو اسلئے مصنف نے شبہ دور کیا کہ یہاں ہاتھ سے پورا ہاتھ مراد نہیں ہے بلکہ گٹے تک ہی ضروری ہے کیونکہ برتن میں ہاتھ ڈال کر پانی نکالنا ہو تو گٹے تک ہی ہاتھ پانی میں جاتا ہے اسلئے گٹے تک ہی دھونا ضروری ہے ۔

لغت: الاناء : برتن، استيقظ : بیدار ہوا، نوم : نیند. يغمس : برتن میں ہاتھ ڈالنا۔ باتت: رات گزارنا، یہاں مراد ہے سوئے ہوئے میں ہاتھ کا نجاست کی جگہ پر چلا جانا۔ البداية: شروع کرنا۔ تنظيف : نظف سے مشتق ہے پاک صاف کرنا .الرسغ :ہاتھ کا گٹا۔ ہاتھ کا پہنچا۔

ترجمه:(۷)[دوسری سنت] وضوء کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا۔

ترجمه :۱ متن کی حدیث میں ہے کہ جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی اس کا وضو ہی نہیں ہے۔ اسکی اصل عبارت اسطرح ہے۔ ابی سفيان بن حويطب عن جدتة عن ابيها قال سمعت رسول الله ﷺ يقول لا وضوء لمن لم يذكر اسم الله عليه (ترمذی شریف، باب فی التسمیۃ عند الوضوء ص ۱۳ نمبر ۲۵/ابوداؤد شریف، باب فی التسمیۃ علی الوضوء، ص ۱۵، نمبر ۱۰۱) حدیث میں یہ ذکر ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہی نہیں ہوگا۔ لیکن اس سے مراد ہے کہ وضوء تو ہو جائے گا لیکن ثواب نہیں ملے گا۔

ترجمه: ۲ اس سے مراد فضیلت کی نفی ہے

تشريح: حدیث کی تاکید سے معلوم ہوتا ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہوگا ہی نہیں۔ لیکن مصنف اسکی تاویل کرتے ہیں کہ وضوء تو ہو جائے گا لیکن فضیلت نہیں ملے گی۔ جسکو حدیث میں فرمایا کہ گویا کہ اسکا وضوء ہی نہیں ہوا۔ جس طرح دوسری حدیث میں ہے لا

۳؎ والاصح انها مستحبة، وان سماها فی الکتاب سنة، ۴؎ ویسمی قبل الاستنجاء، وبعده، هو الصحیح

صلوة لجار المسجد الا فی المسجد : کہ مسجد کے پڑوسی کی نماز مسجد کے بغیر ہوتی ہی نہیں۔ حالانکہ سب ائمہ فرماتے ہیں کہ نماز ہوجاتی ہے البتہ پوری فضیلت والی نہیں ہوتی، اسی طرح یہاں بھی بغیر بسم اللہ کے وضوء فضیلت والا نہیں ہوگا۔

وجہ : اثر میں ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء کرلیا تو وضوء ہوجائے گا البتہ ثواب نہیں ملے گا۔ اثر یہ ہے **عن الحسن قال : یسمی اذا توضأ ،فان لم یفعل اجزأه** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ، ج اول ، باب فی التسمیۃ فی الوضوء ، ص۱۲ نمبر ۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۳؎ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔ اصح یہ ہے کہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے اگر چہ قدوریؒ نے اسکو سنت فرمایا ہے۔

تشریح: صاحب قدوری نے اوپر کی حدیث۔ **لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ** ۔ کی وجہ سے بسم اللہ پڑھنا سنت فرمایا۔ لیکن صاحب ھدایۃ دوسری حدیث کی بناء پر مستحب فرماتے ہیں۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی ھریرۃ قال : قال رسول اللہ ﷺ : من توضأوذکر اسم اللہ یطھر جسدہ کلہ ،و من توضأ ولم یذکر اسم اللہ لم یطھر الا موضع الوضوء** ۔ (دار قطنی ج اول ، باب التسمیۃ علی الوضوء ، ص ٦٧ نمبر ۲۲۹ رسنن بیھقی ج اول ، باب التسمیۃ علی الوضوء ، ص ۶۷ نمبر ۲۰۰ ر، مصنف ابن ابی شیبۃ ، ج اول نمبر ۱۷) اس حدیث میں ہے کہ بسم اللہ پڑھے گا تو پورا جسم پاک ہوجائیگا اور بسم اللہ نہیں پڑھے گا تو صرف اعضاء وضوء پاک ہونگے پورا جسم پاک نہیں ہوگا اس سے اشارہ ملتا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔

فائدہ: اسحاق بن راھویہ فرماتے ہیں کہ جان کر بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو لوٹائے گا اور بھول کر یا حدیث کی تاویل کرتے ہوئے بسم اللہ چھوڑ دے تو وضو ہوجائیگا ان کی دلیل اوپر والی حدیث ہے۔ جس میں ہے کہ بغیر بسم اللہ کے وضوء ہوگا ہی نہیں۔

ترجمہ: ۴؎ بسم اللہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھ سکتا ہے اور بعد میں بھی پڑھ سکتا ہے۔ یہی صحیح ہے۔

تشریح: وضوء سے پہلے پیشاب اور پاخانہ کی صفائی کے لئے استنجاء کرتے ہیں۔ اسکے بعد وضوء کرتے ہیں۔ حدیث کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹھیک وضوء سے پہلے بسم اللہ پڑھے۔ لیکن مصنف فرماتے ہیں کہ استنجاء سے پہلے بھی پڑھ لیگا تب بھی کافی ہو جائے گا، اور ثواب مل جائے گا۔ یہی صحیح ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ استنجاء کرنا بھی وضو ہی کے لئے ہی ہے اس لئے استنجاء سے پہلے بسم اللہ پڑھے گا تب بھی کافی ہوجائے گا۔

لغت : تسمیۃ : سمی کا مصدر ہے، بسم اللہ پڑھنا۔ الاستنجاء : نجا، ینجو، نجاۃ سے باب استفعال کا مصدر ہے پاخانہ پیشاب کرنے کے بعد دھونا یا ڈھیلے سے پوچھنا۔

(۸) و السواک ﴾ ۱؎ لانہ السلام کان یواظب علیه ۲؎ وعند فقده یعالج بالاصبع، لانه علیہ السلام فعل کذالک (۹) والمضمضة، والاستنشاق﴾ ۱؎ لان النبی علیه السلام فعلهما علی المواظبة.

ترجمه: (۸) [تیسری سنت] مسواک کرنا ہے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضور ﷺ ہمیشہ مسواک کیا کرتے تھے۔ متن کا اشارہ ان احادیث کی طرف ہے۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے عن ابی هریرة رضی الله عنه عن النبی ﷺ قال لولا ان اشق علی المؤمنین و فی حدیث زهیر علی امتی لامرتهم بالسواک عند کل صلوة (مسلم شریف، باب السواک ص۱۲۸ نمبر ۲۵۲/ ۵۸۹/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی السواک ص۱۲ نمبر۲۲/ بخاری شریف، باب السواک ص۳۸ نمبر ۲۴۴) اس حدیث سے اگر چہ یہ ثابت ہوتا ہے کہ نماز کے وقت مسواک سنت ہے۔ لیکن یہاں ایک عبارت محذوف ہوگی عند وضوء کل صلوة یعنی ہر نماز کے وضو کے وقت مسواک کرنا سنت ہے۔

(۲) عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ لولا ان اشق علی امتی لامرتهم بالسواک مع کل وضوء (سنن للبیہقی، باب الدلیل علی ان السواک سنة لیس بواجب، جلد اول ص ۵۷، نمبر ۱۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسواک وضو کے وقت سنت ہے (۳) مسواک کا مقصد منہ کی گندگی صاف کرنا ہے اس لئے وہ وضو کے زیادہ مناسب ہے۔

فائده: امام شافعیؒ کے نزدیک مسواک سنت نماز ہے۔ ان کی دلیل اوپر کی حدیث عند کل صلوۃ ہے (موسوعة امام شافعی باب السواک ص۱۰۲ نمبر ۳۶۵ ج اول)

ترجمه: ۲؎ اور مسواک نہ ہوتے وقت انگلی سے رگڑے۔ اسلئے کہ حضور ﷺ نے ایسا کیا ہے۔

وجه: حدث میں ہے کہ مسواک نہ ہوتے وقت انگلی کافی ہے۔ حدیث یہ ہے عن انس، عن النبی ﷺ قال : تجزی من السواک الاصابع ۔ (سنن للبیہقی باب الاستیاک بالاصابع، ج اول، ص ۶۶ نمبر ۱۷۶)

لغت: یواظب : مواظبت سے مشتق ہے: کسی کام کو ہمیشہ کرنا۔ فقد : گم ہونا، نہ پانا۔ یعالج : باب مفاعلت سے، علاج کرنا، کوئی کام کرنا۔

ترجمه: (۹) [چوتھی سنت] کلی کرنا [پانچویں سنت] ناک میں پانی ڈالنا۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضور ﷺ نے ہمیشہ ایسا کیا ہے۔ اور کلی کرنے اور ناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے۔ پھر ایسے ہی تین مرتبہ ناک میں پانی ڈالے۔ اسلئے کہ حضور ﷺ کے وضوء سے یہی منقول ہے۔

۲ و كيفيتهما ان يمضمض ثلاثايأخذلكل مرة ماء جديدا، ثم يستنشق كذالك. هو المحكى من

تشریح : کلی کرنااورناک میں پانی ڈالناسنت ہیں۔اوراسکی صورت یہ ہے کہ پہلے تین مرتبہ پانی لےاوراس سے کلی کرے اور ہر مرتبہ نیا پانی لے۔پھر تین مرتبہ پانی لےاوراس سے ناک میں پانی ڈالے۔کلی اور ناک کے لئے ایک ہی چلو نہ لے۔دلیل کے لئے یہ احادیث ہیں جنکا اشارہ متن میں کیا۔

وجه: (ا)حدیث میں ہے رأيت عثمان بن عفان سئل عن الوضوء فدعا بماء فاتی بمیضأة فاصغاها علی یده الیمنی ثم ادخلها فی الماء فتمضمض ثلثا و استنثر ثلثا (ابوداؤدشریف،باب صفة وضوءالنبی ﷺص۱۶نمبر۱۰۸/۱۱۲/مسلم شریف باب صفة الوضوءوکمالہ۔ص۱۲۳نمبر۲۲۶/۵۳۸)اس باب کی یہ تیسری حدیث ہے۔اس باب میں تین مرتبہ کلی الگ پانی سے کی ہے۔اورتین مرتبہ ناک میں پانی الگ پانی لیکرڈالا ہے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک تین مرتبہ پانی لیکر کلی کرنا سنت ہے۔

(۲)عن طلحة عن ابيه عن جده قال دخلت يعنى على النبى ﷺ وهو يتوضأ والماء يسيل من وجهه ولحيته وعلى صدره فرأيته يفصل بين المضمضة والاستنشاق (ابوداؤدشریف،باب فی الفرق بین المضمضة والاستنشاق ص۲۰ نمبر۱۳۹)ابوداؤدؒ نے باضابطہ باب باندھا ہے کہ کلی اورناک میں پانی ڈالنا آپؐ نے الگ الگ فرمایا ہے۔

فائده : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک چلو پانی لےاوراس کے آدھے سے کلی کرےاورآدھے کوناک میں ڈالے پھر دوسری مرتبہ چلو میں پانی لےاورآدھے سے کلی کرےاورآدھے کوناک میں ڈالے،پھر تیسری مرتبہ چلو میں پانی لےاورآدھے سے کلی کرے اورآدھے کوناک میں ڈالے۔اس طرح تین ہی چلو سے دونوں کام کرے۔کتاب الام میں ہےو احب الى ان يبدأ المتوضى بعد غسل يديه ان يتمضمض ،و يستنشق ثلاثا : يأخذ بكفه غرفة لفيه ،و انفه۔(موسوعة الامام الشافعی،باب المضمضة والاستنشاق،ج اول،ص۱۰۵نمبر۳۷۹)

وجه : ان کااستدلال ان احادیث سے ہےجس میں۔فمضمض واستنشق من كف واحد ففعل ذلک ثلاثا ہے۔حدیث یہ ہےعن عبد الله بن زيد ابن عاصم الانصارى .و كانت له صحبة . قال : قيل له توضأ لناوضوء رسول الله ﷺ.....ثم ادخل يده فاستخرجها ،فمضمض و استنشق من كف واحدة(مسلم شریف، باب آخر فی صفة الوضوء ص۱۲۳نمبر۲۳۵/۵۵۵/بخاری شریف،باب من مضمض واستنشق من غرفة واحدة،ص۳۱،نمبر۱۹۱/ص ۲۶ نمبر۱۴۰/ترمذی شریف،باب المضمضة ولاستنشاق من کف واحد،ص۱۴،نمبر۲۸)اس حدیث میں ایک ہی چلو سے کلی اورناک میں پانی ڈالنے کاذکر ہے۔ہم کہتے ہیں کہ حدیث اوپر کی بھی ہے۔اورالگ الگ پانی ڈالنے میں زیادہ نظافت ہے۔

ترجمه : ۲ اورکلی کرنے اورناک میں پانی ڈالنے کی کیفیت یہ ہے کہ تین مرتبہ کلی کرےاور ہر مرتبہ نیا پانی لے،پھر ناک میں بھی ایسے ہی تین مرتبہ پانی ڈالے،یہی حضور ﷺ سے منقول ہے۔اسکی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

وضوئه ﷺ (۱۰) و مسح الاذنين ﴾ ۱؎ وهو سنه بماء الرأس. خلافا للشافعیؒ لقوله عليه السلام: الاذنان من الرأس ۲؎ و المراد بيان الحكم دون الخلقة.

لغت: المضمضة : مضمضہ کرنا، کلی کرنا . الاستنشاق : باب استفعال سے ناک میں پانی چڑھانا، دوسرا لفظ آتا ہے استنثر : ناک سے پانی جھاڑنا ۔

فائدہ : امام مالکؒ کے نزدیک یہ دونوں وضو میں بھی فرض ہیں ۔

ترجمہ: (۱۰) [چھٹی سنت] دونوں کانوں کا مسح کرنا ہے۔

ترجمہ : ۱؎ وہ سر کے پانی سے سنت ہے۔ برخلاف امام شافعیؒ کے۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا الاذنان من الرأس۔ یعنی کان سر کا حصہ ہے۔

تشریح : سر کے مسح کے علاوہ دونوں کانوں کا مسح بھی سنت ہے۔ لیکن سر کے مسح کے بعد جو بچا ہوا پانی ہے اسی سے کان کا مسح کرے الگ سے پانی لینے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: حدیث میں اسکی تصریح ہے کہ سر کے پانی ہی سے آپ نے کان کا مسح فرمایا۔ حدیث یہ ہے ۔ عن ابن عباس: ان النبی ﷺ مسح برأسه و اذنيه ظاهرهما و باطنهما (ترمذی شریف، باب مسح الاذنین ظاھرھما و باطنھما ص ۱۶ نمبر ۳۶ / ابوداؤد، باب صفة وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۲۱) (۲) عن ابی امامة قال : توضأ النبی ﷺ فغسل وجهه ثلاثا و يديه ثلاثا ، و مسح برأسه ،و قال : الاذنان من الرأس . (ترمذی، باب ما جاء ان الاذنین من الرأس ۔ ص ۱۶، نمبر ۳۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ کان کے اوپر اور نیچے کے حصہ کا سر کے ساتھ مسح کرنا سنت ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اور مراد حکم کا بیان کرنا ہے نہ کہ تخلیق کا۔ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ۔ حدیث میں الاذنان من الرأس: کان سر میں سے ہے، فرمایا تو اس سے کان کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ کان کو سر کے ساتھ مسح کیا جائے گا۔ اس حدیث سے کان کی خلقت بیان کرنا مقصود نہیں ہے کہ کان سر کے ساتھ پیدا ہوا ہے۔ کیونکہ آپؐ حکم بیان کرنے کے لئے دنیا میں تشریف لائے تھے، خلقت بیان کرنے کے لئے نہیں۔

فائدہ : (خلافا للشافعی) امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کان کے لئے الگ پانی لینا مسنون ہے۔ امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے سمع عبد الله بن زيد يذكر انه راى رسول الله ﷺ يتوضأ فاخذ لاذنيه ماء خلاف الماء الذى اخذ لرأسه (سنن للبیہقی، باب مسح الاذنین بماء جدید ج اول ص ۱۰۷، نمبر ۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ کان کے لئے الگ پانی لیا۔

امام شعبیؒ فرماتے ہیں کہ کان کا اگلا حصہ چہرے کے ساتھ دھویا جائے گا اور پچھلا حصہ کا سر کے ساتھ مسح کیا جائیگا۔ انکا قول یہ

(۱۱) قال (القدوری) و تخلیل اللحیة ﴾ ۱لان النبی علیه السلام امره جبرئیل علیه السلام بذالک ۲و قیل هو سنة عند ابی یوسف. ۳جائز عند ابی حنیفة، و محمد ۴لان السنة اکمال الفرض فی محله و الداخل لیس بمحل الفرض

ہے۔عن الشعبی قال : ما اقبل من الاذنین فمن الوجه ،و ما ادبر فمن الرأس ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۱۴، باب من قال: الاذنان من الرأس، ج اول ص ۲۴ نمبر ۱۶۵)۔

ترجمہ: (۱۱) [ساتویں سنت] ڈاڑھی کا خلال کرنا ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضور ﷺ کو حضرت جبرئیل نے اسکا حکم دیا تھا۔(یعنی اللہ نے حکم دیا تھا)

تشریح : ڈاڑھی کا خلال کرنا سنت ہے اللہ نے حضور کو اسکا حکم دیا تھا جیسا کہ نیچے والی حدیث میں اسکا ذکر ہے۔

وجہ : حدیث میں ہے عن عثمان بن عفان ؓ ان النبی ﷺ کان یخلل لحیته (ترمذی شریف، باب تخلیل اللحیة ص ۱۴ نمبر ۳۱) عن انس بن مالک ؓ ان رسول الله ﷺ کان اذا توضأ اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنکه خلل به لحیته و قال هکذا امرنی ربی (ب) (ابوداؤد، باب تخلیل اللحیة ص ۲۱ نمبر ۱۴۵) اس حدیث میں ہے کہ اللہ نے ڈاڑھی میں خلال کرنے کا حکم دیا۔(۲) دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ حضرت جبرئیل نے خلال کا حکم دیا۔عن انس ان النبی ﷺ قال : اتانی جبریل فقال : اذ اتوضوأت فخلل لحیتک ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب فی تخلیل اللحیة فی الوضوء، ج اول، ص ۲۰ نمبر ۱۱۴) اسی حدیث سے صاحب ھدایہ نے استدلال کیا ہے کہ حضرت جبریلؑ نے آپکو خلال کا حکم دیا تھا۔

ترجمہ : ۲ بعض لوگوں نے کہا کہ خلال امام ابو یوسفؒ کے نزدیک سنت ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں خلال کی تاکید آئی ہے اسلئے وہ سنت ہوگا۔

ترجمہ: ۳ امام ابو حنیفہ اور امام محمد کے نزدیک خلال کرنا جائز ہے۔یعنی سنت کی طرح تاکید نہیں ہے۔

وجہ : اثر میں ہے کہ وہ خلال کرنا سنت نہیں سمجھتے تھے. عن ابن سیرین قال رأیت یغسل لحیته فقلت له : من السنة غسل اللحیة فقال : لا . ۔(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۱ فی غسل اللحیة فی الوضوء، ج اول، ص ۲۲ نمبر ۱۲۸) اس اثر میں ہے کہ خلال کرنا سنت نہیں ہے۔جو جائز ہونے کی دلیل ہے۔

ترجمہ: ۴ اسلئے کہ سنت فرض کو پورا کرنے کے لئے ہے فرض کی جگہ میں اور ڈاڑھی کا اندرونی حصہ فرض کی جگہ نہیں ہے۔

تشریح : ڈاڑھی کا خلال صرف جائز ہے سنت نہیں ،اسکے لئے دلیل عقلی پیش کر رہے ہیں۔۔قاعدہ یہ ہے کہ جس جگہ کو دھونا فرض ہے اس جگہ فرض کی تکمیل کے لئے سنت ہوتی ہے۔اور گھنی ڈاڑھی کے اندرونی حصہ کی طرف پانی پہونچانا فرض نہیں ہے اسلئے اسکی

(۱۲) و تخليل الاصابع ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام: خللوا اصابعكم كى لا تخللها نار جهنم ۲؎ ولانه اكمال الفرض فى محله. (۱۳) و تكرار الغسل الى الثلث ﴾

تکمیل کی بھی ضرورت نہیں ہے اسلئے وہاں خلال کرنا سنت بھی نہیں ہوگا۔البتہ حدیث کی بناء پر صرف جائز ہوگا۔ اصل وجہ وہی ہے کہ جائز ہونے کے لئے اثر ہے۔

نوٹ: ہلکی ڈاڑھی ہو تو پانی کھال تک پہنچانا ضروری ہے۔اور گھنی ڈاڑھی ہو تو ڈاڑھی کے اوپر دھولے اور ڈاڑھی کے اندر خلال کرنا اس وقت سنت ہے۔

وجہ : اس اثر سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔عن عبد الرحمٰن بن ابی لیلی قال: ان استطعت ان تبلغ بالماء اصول اللحیۃ فافعل۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۱ فی غسل اللحیۃ فی الوضوء، ج اول ص ۲۲، نمبر ۱۲۷)اس اثر میں ہے کہ ڈاڑھی ہلکی ہو اور بال کی جڑ تک پانی پہونچا سکتے ہو تو وہاں تک پانی پہونچاو۔

ترجمہ:(۱۲) [آٹھویں سنت] انگلیوں کا خلال کرنا ہے۔

وجہ : (۱)صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس ؓ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا توضأت فخلل اصابع یدیک و رجلیک (ترمذی شریف، باب تخلیل الاصابع ص ۱۶ نمبر ۳۹ رنسائی شریف، باب الامر بتخلیل الاصابع ص ۱۶ نمبر ۱۱۴)(۲)انگلی کے خلال کرنے میں حکمت یہ ہے کہ پانی ہر جگہ پہنچ جائے۔کیونکہ اعضاء وضو میں ایک بال کے برابر بھی خشک رہ جائے تو وضو نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ آپ ﷺ کے قول کی وجہ سے۔کہ اپنی انگلیوں کا خلال کرو تا کہ جہنم کی آگ اسکے بیچ میں نہ جائے۔یہ عبارت حضرت حذیفہؓ ،حضرت عبد اللہؓ اور حضرت ابو بکرؓ کا اثر ہے جو ممکن ہے کہ حضور سے سنے ہوں اسلئے صاحب ھدایہ نے لقولہ السلام کہہ دیا۔اثر یہ ہے۔ان ابا بکر الصدیق ؓ قال: لتخللن اصابعکم بالماء او لیخللنھا اللہ بالنار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۸ فی تخلیل الاصابع فی الوضوء، ج اول ص ۲۰ نمبر ۹۶ ر ۸۷)اس اثر میں ہے کہ انگلیوں کا خلال نہیں کرو گے تو اللہ آگ اسکے درمیان ڈالیں گے۔اصل تو اوپر والی حدیث ترمذی ونسائی ہے جسکی بناء پر انگلیوں کا خلال سنت ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ یہ خلال فرض کو پورا کرنے کے لئے فرض کی جگہ میں۔اسلئے یہ سنت ہوگا۔

تشریح : اوپر قاعدہ گزر چکا ہے کہ جہاں دھونا فرض ہے اسکی تکمیل کے لئے خلال کرنا سنت ہے۔یہاں انگلیوں کا دھونا فرض ہے اسلئے اسکی تکمیل کے لئے خلال سنت ہوگی۔اسی کو مصنف نے کہا کہ فرض کا اکمال اسکے محل میں ہے۔

ترجمہ: (۱۳) [نویں سنت] تین مرتبہ دھونے کا تکرار کرنا ہے۔

ل لان النبی علیہ السلام توضأ مرة مرة وقال هٰذا وضوء لا یقبل الله تعالی الصلٰوة الا به، و توضأ مرتین مرتین و قال هٰذا وضوء من یضاعف الله له الاجر مرتین، توضأ ثلاثا ثلاثا و قال هٰذا وضوئی و وضوء الانبیاء من قبلی ٢ فمن زاد علی هٰذا او نقص فقد تعدی و ظلم، و الوعید لعدم رؤیته سنة.

تشریح : تمام اعضاء مغسولہ کو تین تین مرتبہ دھونا بھی سنت ہے۔اور ایک ایک مرتبہ دھونا فرض ہے۔

وجہ: (۱) تین مرتبہ دھونے سے یقین ہو جائے گا کہ کوئی جگہ بال برابر بھی خشک نہیں رہ گئی۔(۲) حدیث میں ہے رأی عثمان بن عفانؓ دعاباناء فافرغ علی کفیه ثلث مرار فغسلهما ثم ادخل یمینه فی الاناء فمضمض واستنثر ثم غسل وجهه ثلاثا ویدیه الی المرفقین ثلث مرار، ثم مسح برأسه، ثم غسل رجلیه ثلث مرار الی الکعبین ثم قال قال رسول الله ﷺ من توضأ نحو وضوئی هذا ثم صلی رکعتین لا یحدّث فیهما نفسه غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۷ نمبر ۱۵۹ /ابو داؤد شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ص ۲۰ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ اعضاء تین تین مرتبہ دھویا، جس سے معلوم ہوا کہ تین تین مرتبہ دھونا سنت ہے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ حضور ﷺ نے ایک ایک مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا یہ کم سے کم درجے کا وضوء ہے اسکے بغیر اللہ تعالی نماز قبول نہیں کرتے۔اور دو دو مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا یہ ایسا وضوء ہے کہ اللہ دو گنا اسکو اجر دیتے ہیں اور تین تین مرتبہ وضوء کیا اور فرمایا یہ میرا وضوء ہے اور مجھ سے پہلے انبیاء کرام کا وضوء ہے۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی بن کعب : ان رسول الله ﷺ دعا بماءٍ فتوضأ مرة مرة ،فقال : هذا وظیفة الوضوء .او قال : وضوء من لم یتوضأه لم یقبل الله له صلاة .ثم توضأ مرتین مرتین ثم قال : هذاوضوء من توضأه اعطاه الله کفلین من الاجر ،ثم توضأ ثلاثا ثلاثا ،فقال : هذا وضوئی و وضوء المرسلین من قبلی .(ابن ماجۃ، باب ماجاء فی الوضوء مرۃ ومرتین وثلاثا ص ۶۱ نمبر ۴۲۰ / دار قطنی، باب وضوء رسول اللہ ﷺ، ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۵۴)۔

ترجمہ : ٢ جس نے اس سے زیادہ کیا یا کم کیا تو تعدی کیا اور ظلم کیا۔اور وعید اس وقت ہے جب تین کو سنت نہ سمجھے۔یہ عبارت دوسری حدیث کا ٹکڑا ہے۔کہ جس نے تین مرتبہ سے کم وضوء کیا اس نے زیادتی کی اور ظلم کیا، کیونکہ سنت کے خلاف کیا۔اور جس نے تین مرتبہ سے زیادہ دھویا یہ سمجھتے ہوئے کہ تین مرتبہ سنت نہیں ہے بلکہ اس سے زیادہ مرتبہ سنت ہے، تو یہ بھی زیادتی اور ظلم ہے، کیونکہ سنت تو تین مرتبہ ہی ہے۔البتہ بھول میں کم بیش کر دیا، یا اطمینان قلب کے لئے کم بیش کر دیا تو ظلم اور زیادتی نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔عن عمرو بن شعیب ،عن ابیه ،عن جده قال: ان رجلا اتی النبی ﷺ فقال : یا رسول الله

﴿مستحبات الوضوء﴾

(۱۴) قال (القدوری) و یستحب للمتوضی ان ینوی الطهارة ﴾

!كيف الطهور ؟ .....ثم غسل رجليه ثلاثا ثلاثا ،ثم قال : هكذا الوضوء ،فمن زاد على هذا او نقص فقد أساء و ظلم ،او ظلم و أساء . (ابوداود شریف، باب الوضوء ثلاثا ثلاثا ،ص ۲۰، نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں صاحب ھدایہ کا جملہ ہے۔

لغت :یضاعف: ضعف سے مشتق ہے۔ دوگنا کرنا۔ تعدی: حد سے گزرنا، زیادتی کرنا۔ والوعید لعدم رویتہ سنۃ: ظلم کی وعید اس وقت ہے جب تین مرتبہ دھونے کو سنت نہ سمجھے۔

﴿ مستحبات وضو کا بیان ﴾

ضروری نوٹ : مستحب اس کو کہتے ہیں کہ کرنے پر ثواب دیا جائے اور نہ کرنے پر کوئی عتاب نہ ہو۔ ماتنؒ نے نیت کرنا، پورے سر کا مسح کرنا، ترتیب سے وضوء کرنا اور پے درپے وضو کرنا مستحب لکھا ہے۔ حالانکہ دوسری کتابوں میں ان کو سنت کہا ہے (کما فی الہدایہ) اور احادیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ یہ چار باتیں سنت ہیں۔ متقدمین کے یہاں سنت کو بھی مستحب کہہ دیا کرتے تھے اس اعتبار سے ماتنؒ نے ان چاروں کو مستحب کہا ہے۔ البتہ دائیں جانب سے شروع کرنا اور گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

ترجمہ: (۱۴) وضو کرنے والے کے لئے سنت ہے کہ پاکی کی نیت کرے۔

وجہ : سنت ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے۔ عمر بن خطاب رضی الله عنه علی المنبر یقول سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات و انمالكل امرء ما نوى (ب) (بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول الله ﷺ ص ۲ نمبر ۱) اعمال کے ثواب کا دارومدار یا اعمال کے صحیح ہونے کا دارومدار نیت پر ہے۔ بغیر نیت کے وضو کا ثواب نہیں ہوگا۔ اس لئے وضو میں وضو کی نیت کرنا سنت ہے۔ وضو میں نیت کرنا فرض اس لئے نہیں ہے کہ پانی کو خود بخود پاک کرنے والا قرار دیا ہے چاہے نیت کرے یا نہ کرے۔

دلیل (۱) آیت ہے انزلنا من السماء ماء طهورا (آیت ۴۸ سورۃ الفرقان ۲۵) (۲) حدیث میں ہے قال رسول الله

۱؎ فالنية فى الوضوء سنة عندنا، ۲؎ و عند الشافعیؒ فرض، لانه عبادة فلا تصح بدون النية كالتيمم ۳؎ ولنا انه لايقع قربة الا بالنية و لكنه يقع مفتاحا للصلوٰة لوقوعه طهارة باستعمال المطهر

علیہ السلام هو الطهور ماء ه و الحل ميتته (ج) (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحرانہ طہور ص ۲۱ نمبر ۶۹) جب پانی بغیر نیت کی قید کے خود بخود پاک کرنے والا ہے تو نیت کرنا ضروری نہیں رہا۔ البتہ حدیث بالا کی وجہ سے سنت رہے گا (۳) حضرت عمرؓ نے قرآن کریم چھونے کے لئے کفر کی حالت میں وضو کیا ہے۔ اور کفر کی حالت میں نیت کا اعتبار نہیں اس سے معلوم ہوا کہ ان کا وضو کرنا بغیر نیت کے درست رہا۔ معلوم ہوا کہ وضو کے لئے نیت کی شرط نہیں ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن انس بن مالک قال : خرج عمر متقلدا السيف فقيل له .....فقالت له اخته : انک رجس، و لا يمسه الا المطهرون، فقم فاغتسل او توضأ، فقام عمر فتوضأ، ثم اخذ الكتاب فقرأ طه ۔ (دار قطنی باب فی نہی المحدث عن مس القرآن، ج اول، ص ۱۲۹ نمبر ۴۳۵ سنن للبیہقی، باب نہی المحدث عن مس المصحف، ج اول، ص ۱۴۲ نمبر ۴۱۳) اس حدیث میں کفر کی حالت میں وضوء کیا اور کفر کی حالت کی نیت کا اعتبار نہیں جس سے معلوم ہوا کہ وضوء کے لئے نیت فرض نہیں ہے، سنت ہے

نوٹ: نماز، روزہ، زکوۃ اور حج وغیرہ عبادت مقصودہ میں اصل مقصد ثواب ہے اس لئے بغیر نیت کے یہ عبادات ادا نہ ہوں گی۔ وہاں نیت کرنا فرض ہے۔

ترجمہ: ۱؎ پس نیت وضوء میں ہمارے نزدیک سنت ہے۔ اسکی تفصیل گزر چکی۔

ترجمہ : ۲؎ اور امام شافعیؒ کے نزدیک نیت فرض ہے اسلئے کہ وہ عبادت ہے اسلئے بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوگی، جیسے تیمم بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتی۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک وضوء میں نیت فرض ہے۔ موسوعۃ امام شافعی میں ہے. و لا يجزئ الوضوء الا بنية، و يكفيه من النية فيه ان يتوضأ ينوى طهارة من حدث ۔ (موسوعۃ للامام الشافعی، باب النیۃ فی الوضوء، ج اول، ص ۱۰۰ نمبر ۳۵۵) کہ بغیر نیت کے وضوء کافی نہیں ہے۔

وجہ : (۱) اسکی ایک دلیل تو یہ دی کہ وضوء عبادت ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ عبادت بغیر نیت کے ادا نہیں ہوتی، اسلئے وضوء بھی بغیر نیت کے درست نہیں ہوگا۔ (۲) دوسری دلیل دی کہ تیمم طھارت ہے پھر بھی بغیر نیت کے صحیح نہیں ہوتا، تو وضوء بھی بغیر نیت کے درست نہیں ہوگا۔ (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حدیث انما الاعمال بالنيات ۔ (بخاری نمبر ۱) میں فرمایا کہ عمل کا مدار نیت پر ہے اور وضوء بھی بہت بڑا عمل ہے، اسلئے اس میں بھی نیت فرض ہونی چاہئے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ وضوء میں قربت یعنی ثواب نہیں ملے گا مگر نیت کرنے سے لیکن نماز کے لئے جائز ہو

۴ بخلاف التيمم لان التراب غير مطهر الا فى حال ارادة الصلوٰة ۵ او هو ينبىء عن القصد.

(١۵) و يستوعب رأسه بالمسح ۞ ا وهو السنة

جائے گا، اسلئے کہ مطہر یعنی پانی کے استعمال کرنے سے طہارت واقع ہوگئی۔

تشریح : ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ وضوء میں جب تک نیت نہیں کرے گا تو ثواب نہیں ملے گا البتہ چونکہ پانی استعمال کیا ہے جسکو آیت میں پاک کرنے والی چیز کہا ہے اسلئے اس سے پاکی حاصل ہوجائے گی اور نماز شروع کرنے کے لئے کافی ہوجائے گی۔ اسی کو مصنف نے کہا ہے **لكنه يقع مفتاحا للصلوة** ۔الخ۔

ترجمه: ۴ بخلاف تیمّم کے کیونکہ مٹی پاک کرنے والی نہیں ہے مگر نماز کی نیت کرنے کی حالت میں۔

تشریح: امام شافعیؒ نے استدلال فرمایا تھا کہ تیمّم میں نیت کی ضرورت ہے اسلئے وضوء میں بھی نیت کی ضرورت ہونی چاہئے۔ یہاں سے اسکا جواب دے رہے ہیں۔ کہ تیمّم میں مٹی استعمال ہوتی ہے جو عام حالات میں پاک کرنے والی نہیں ہے بلکہ میلا کرنے والی ہے، ہاں نماز کا ارادہ کرے اور تیمّم کرنے کی نیت کرے تب ہی وہ پاک کرے گی اسلئے وہاں نیت کرنا ضروری ہے۔ اسکے بر خلاف پانی خود پاک کرنے والا ہے۔ جیسا کہ آیت میں گزرا اسلئے یہاں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه : ۵ یا اسلئے کہ تیمّم کا ترجمہ ہی ہے ارادہ کرنا۔ اسلئے تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہوگی۔ اور پانی کا ترجمہ ارادہ کرنا نہیں ہے اسلئے یہاں نیت کی ضرورت نہیں پڑیگی۔

لغت :النية : دل سے ارادہ کرنے کا نام نیت ہے اور زبان سے بول لے تو بہتر ہے۔ تیمّم: ام سے مشتق ہے، ارادہ کرنا۔ مطہر: پاک کرنے والی چیز، یہاں پانی مراد ہے۔ ینبئ: نبأ سے مشتق ہے خبر دیتا ہے۔

ترجمه:(١۵) پورے سر کا مسح کرنا۔

ترجمه: ا وہ سنت ہے۔

وجه: (١) حدیث میں ہے **عن عبد الله بن زيد عن وضوء النبى ﷺ ...ثم ادخل يده فى الاناء فمسح برأسه فاقبل بيده و ادبر بها، ثم ادخل يده فغسل رجليه .حدثنا موسىٰ قال : حدثنا وهيب قال : مسح رأسه مرة** (بخاری شریف، باب مسح الرأس مرۃ ص ٣٢ نمبر ١٩٢ رمسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء، ص ١٢٣ نمبر ٢٣۵ ر ۵۵۵) (٢) ابو داؤد، باب صفت وضوء النبی ﷺ ص ١٦ نمبر ١١۵) فیہ تصریح۔ **ومسح برأسه واحدة**) حدیث سے معلوم ہوا کہ آپؐ نے ایک مرتبہ سر پر مسح فرمایا (٣) اگر نئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ دھونا ہوجائے گا مسح باقی نہیں رہے گا۔ دھونے کے اعضاء میں تین مرتبہ دھوئیں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ لیکن مسح تین مرتبہ نئے نئے پانی سے کریں تو موضوع ہی بدل جائے گا۔ اس لئے ایک ہی

۲ وقال الشافعیؒ السنة هو التثلیث بمیاه مختلفة اعتباراً بالمغسول، ۳ ولنا ان انسا توضأ ثلاثا ثلاثا ومسح برأسه مرة واحدة وقال هذا وضوء رسول الله ﷺ ۴ والذی یروی من التثلیث محمول علیه بماء واحد و هو مشروع علی ماروی عن ابی حنیفةؒ

مرتبہ مسح کرنا سنت ہے۔

نوٹ : جن احادیث میں تین مرتبہ مسح کرنے کا تذکرہ ہے وہ ایک ہی پانی سے پورے سر کو گھیرنے کے لئے تین مرتبہ کیا گیا ہے۔ اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ایک پانی سے ہاتھ کو تین مرتبہ سر پر پھیرا جائے تا کہ اچھی طرح پورے سر پر مسح ہو جائے۔

ترجمہ: ۲ امام شافعیؒ نے فرمایا سر کے مسح میں سنت تین مرتبہ ہے مختلف پانی سے۔اعضاء مغسولہ پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ مسح کرے اور تینوں مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔قال الشافعی: واحب لو مسح رأسہ ثلاثا۔(موسوعۃ، باب مسح الرأس، ص ۱۱۵ نمبر ۳۹۷) انکا استدلال اس حدیث سے ہے **قال: رأیت عثمان بن عفان غسل ذراعیه ثلاثا ثلاثا و مسح رأسه ثلاثا ثم قال : رأیت رسول الله ﷺ فعل هذا** (ابو داؤد، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۶ نمبر ۱۱۰) (۲) **فمسح برأسه فاقبل بهما و ادبر بدء بمقدم رأسه ثم ذهب بهما الی قفاة ثم ردهما حتی رجع الی المکان الذی بدء منه و غسل رجلیه** (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص ۱۲۳ نمبر ۲۳۵ / ۵۵۷ / بخاری شریف، باب مسح الرأس کلہ، ص ۳۱ نمبر ۱۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ مسح کرے۔(۳) جس طرح اعضاء مغسولہ کو تین مرتبہ دھونا سنت ہے اسی طرح مسح بھی تین مرتبہ کرنا چاہئے۔

ترجمہ : ۳ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت انسؓ نے تین تین مرتبہ وضوء فرمایا اور ایک مرتبہ سر کا مسح فرمایا، اور فرمایا کہ یہ حضور کا وضوء ہے۔یہ حدیث حضرت علیؓ کی اس طرح ہے۔ **قال رأیت علیا توضأ فغسل وجهه ثلاثا و غسل ذراعیه ثلاثا و مسح برأسه واحدة ،ثم قال : هکذا توضأ رسول الله ﷺ** ۔(ابوداود شریف، باب صفۃ وضوء النبی ﷺ ص ۱۷، نمبر ۱۱۵ / عن ابن عباسؓ نمبر ۱۳۳) صاحب نصب الرایۃ نے فرمایا کہ صاحب ھدایۃ نے حدیث کی نسبت حضرت انسؓ کی طرف کی ،شاید یہ انکا تسامح ہے۔ حضرت علیؓ کہتے تو زیادہ بہتر تھا ممکن ہے کہ کسی کتاب میں حضرت انسؓ سے روایت ہو۔تاہم سر پر ایک مرتبہ مسح کرنے کے لئے کئی حدیثیں اوپر گزر گئی۔

ترجمہ :۴ اور حدیث میں جو تین مرتبہ کی روایت ہے وہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ مسح کرنے پر محمول ہے۔اور یہ مشروع ہے جیسا کہ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کا جواب ہے۔کہ جن احادیث میں تین مرتبہ کا تذکرہ ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی پانی سے تین مرتبہ

۵ ولان المفروض هو المسح، و بالتکرار یصیر غسلا فلایکون مسنونا ۶فصار کمسح الخف ۷ بخلاف الغسل لانه لا یضره التکرار (۱۶) و یرتب الوضوء فیبدأ بما بدأ اللہ تعالی بذکرہ ۱و الترتیب فی الوضوء سنة عندنا

سر پر مسح کیا۔اور ایسا کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک بھی جائز ہے۔البتہ تین مرتبہ الگ الگ پانی لیکر مسح کرنا ہمارے یہاں مستحب نہیں کیونکہ یہ غسل ہو جائے گا۔

ترجمه: ۵ اور اسلئے کہ مسح فرض ہے اور تین مرتبہ نیا پانی لیکر تکرار سے غسل ہو جائے گا اسلئے مسنون نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمه: ۶ اسلئے موزے کے مسح کی طرح ہو گیا۔

تشریح : موزے پر مسح ایک مرتبہ کرتے ہیں تین مرتبہ نہیں کرتے۔اور سر پر مسح بھی مسح ہے اسلئے اسکو بھی ایک ہی مرتبہ کرنا چاہئے۔

ترجمه: ۷ بخلاف دھونے کے کہ اسکو کئی بار کرنا نقصان نہیں کرتا۔

تشریح : جن اعضاء کو دھونا ہے اسکو تین مرتبہ بھی دھوئیں تو دھونا ہی رہے گا۔اسلئے اسکو تین مرتبہ دھونے میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کریں تو وہ مسح باقی نہیں رہے گا بلکہ وہ غسل ہو جائے گا،اسلئے نئے پانی سے تین مرتبہ مسح کرنا مسنون نہیں ہونا چاہئے۔

لغت: یستوعب : گھیرے،احاطہ کرے

نوٹ: مسح کے لئے ایک مرتبہ نیا پانی لینا سنت ہے۔

وجه : ومسح برأسه بماء غير فضل يده (مسلم شریف، باب آخر فی صفۃ الوضوء ص۱۲۳ نمبر ۵۵۹/۲۳۶) کہ آپؐ نے ہاتھ کے پانی کے علاوہ سے سر کا مسح فرمایا،یعنی الگ سے پانی لیا۔

ترجمه:(۱۶) ترتیب سے وضو کرے،پس وہاں سے شروع کرے جس کو اللہ نے پہلے ذکر کیا ہے۔

ترجمه: ۱ اور ترتیب وضوء میں ہمارے نزدیک سنت ہے

تشریح: اللہ نے قرآن کریم میں پہلے چہرے کو پھر ہاتھ کو پھر سر پر مسح کرنا پھر پاؤں کو دھونا ذکر کیا ہے تو اسی ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے۔اس کے خلاف کریگا تو وضو ہو جائیگا لیکن سنت کی ادائیگی نہیں ہوگی۔

وجه: (۱) قرآن نے جس ترتیب سے اعضاء وضوء کو ذکر کیا ہے اس کی کوئی نہ کوئی حکمت ہوگی اس لئے اس ترتیب سے وضو کرنا سنت ہے (۲) تقریبا تمام احادیث میں اسی ترتیب سے اعضاء دھونا مذکور ہے جس ترتیب سے قرآن میں ذکر ہے۔اس لئے حضور کی

۲ وعند الشافعی فرض، لقوله تعالی، فاغسلوا وجوهکم،الآیة، والفاء للتعقیب ۳ ولنا ان المذکور فیها حرف الواووهی لمطلق الجمع باجماع اهل اللغه فتقتضی اعقاب غسل جملة الاعضاء

مواظبت کرنے سے ترتیب سنت ہے(۳)اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم الآیۃ میں فاغسلوا کی ف تعقیب کے لئے ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر نماز کے لئے کھڑے ہوتو پہلے چہرہ دھوؤ جب کھڑے ہونے اور چہرہ دھونے میں ترتیب ہوئی تو باقی اعضا میں بھی ترتیب ہونی چاہئے اس لئے وضو میں ترتیب سنت ہے۔لیکن یہ ترتیب واجب نہیں ہے جیسا کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کیونکہ(۱)اوپر کے دلائل سنت پر دلالت کرتے ہیں وجوب پر نہیں(۲) حضرت علیؓ نے فرمایا تھا ما ابالی اذا اتممت وضوئی بای اعضائی بدأت (دار قطنی، باب ماروی فی جواز تقدیم غسل الید الیسری علی الیمنی ج اول ص ۹۲ حدیث نمبر ۲۸۹ سنن للبیھقی ،باب الرخصۃ فی البدائۃ بالیسار ج اول ص ۱۴۰،نمبر ۴۰۶) (۳) تیمّم میں چہرے پر پہلے مسح کیا جاتا ہے پھر ہاتھ پر لیکن اسکے خلاف کرنا بھی ثابت ہے،جس سے معلوم ہوا کہ ترتیب واجب نہیں۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔کنت جالسا بین عبد الله و ابی موسی ....ثم اتیت النبی ﷺ فذکرت ذالک له ....ثم ضرب بشماله علی یمینه ،و بیمینه علی شماله علی الکفین ،ثم مسح وجهه (ابوداود شریف، باب التیمم ،ص ۵۰ نمبر ۳۲۱)اس حدیث میں تیمّم میں چہرے کا مسح بعد میں فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ وضوء میں ترتیب واجب نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ترتیب فرض ہے،فاغسلوا وجوھکم،آیت کیوجہ سے کیونکہ اس آیت میں ف تعقیب کے لئے ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک وضوء میں ترتیب ضروری ہے۔

وجہ : (۱) آیت میں ہے کہ نماز کا ارادہ کروتو چہرے کو دھوو، یہاں ،ف،ترتیب کے لئے ہے اسلئے باقی اعضاء کے دھونے میں بھی ترتیب ہونی چاہئے ۔(۲) صفا اور مروہ کی سعی میں آپؐ نے ترتیب کا حکم فرمایا اور صفا سے سعی شروع کی اسلئے یہاں بھی ترتیب ضروری ہوگی۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔قال دخلنا علی جابر بن عبد الله ...فلما دنا من الصفا قرأ ﴿ان الصفا و المروة من شعآئر الله ﴾آیت ۱۵۸ سورة البقرة ،ابدأبما بدأ الله به ،فبدأ بالصفا ۔(مسلم باب حجۃ النبی ﷺ، ص ۳۹۴ نمبر ۱۲۱۸/ ۲۹۵۰)اس حدیث میں آیت کے مطابق ترتیب کا حکم دیا گیا ہے اسلئے وضوء میں بھی ترتیب ضروری ہوگی۔

ترجمہ : ۳ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت کے درمیان جو ذکر کیا گیا ہے وہ حرف واو ہے،اور تمام اھل لغت کا اجماع ہے کہ واو مطلق جمع کے لئے آتا ہے،جسکا تقاضا یہ ہے کہ نماز کے ارادے کے بعد تمام اعضاء کو دھولے۔

تشریح :ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت ۔یآیها الذین آمنوا اذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهکم وایدیکم الی

(۱۷) و بالمیامن ﴿۱﴾ والبداية بالميامن فضيلة، لقوله عليه السلام: ان الله تعالى يحب التيامن فى كل شىء حتى التنعل، والترجل (۱۸) و التوالى ﴿

المرافق و امسحوا بروء سکم و ارجلکم الی الکعبین ۔آیت ۶ سورۃ المائدۃ،۵۔کے شروع میں تو،ف، ہے جو تعقیب اور ترتیب کے لئے ہے لیکن چہرہ، ہاتھ، سر اور پاؤں کے درمیان ،ف، نہیں ہے بلکہ تین واو ہیں اور وہ جمع کے لئے آتا ہے ۔یعنی نماز کے لئے کھڑے ہوتے وقت مجموعی طور پر ان اعضاء کو دھولو، چاہے پہلے دھوو یا بعد میں ۔اسلئے آیت کی وجہ سے اعضاء دھونے کے درمیان ترتیب ثابت نہیں ہوئی ۔ہاں اگر محدث ہو اور نماز کے لئے کھڑے ہو رہے ہو تو ترتیب یہ ہے کہ ان اعضاء کو دھولو۔

ترجمه: (۱۷) اور دائیں جانب سے شروع کرنا۔

ترجمه : ۱ اور دائیں جانب سے شروع کرنا فضیلت ہے ۔کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالی ہر چیز میں دائیں کو پسند کرتے ہیں، یہاں تک کہ جوتا پہننے میں اور کنگی کرنے میں ۔حدیث یہ ہے عن عائشة قالت : كان النبى ﷺ يعجبه التيمن فى تنعله ،و ترجله ،و طهوره ،وفى شانه كله ۔(بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ،ص ۲۹ نمبر ۱۶۸ رمسلم شریف، باب التیمن فی الطھور ،ص ۱۳۱، نمبر ۲۶۸ ر ۶۱۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ ہر اچھی چیز میں دائیں جانب کو پسند فرماتے تھے ۔اسلئے یہ مستحب ہے۔

لغت : میامن : یمین سے مشتق ہے ۔دائیں جانب سے شروع کرنا ۔تنعل : نعل سے مشتق ہے ۔جوتا پہننا ۔ترجل: کنگی کرنا۔

ترجمه:(۱۸) التوالی: پے در پے کرنا۔ (نوٹ) التوالی کا لفظ قدوری کے بعض نسخوں میں نہیں ہے ۔اور ھدایۃ میں تو ہے ہی نہیں ۔لیکن شرح ثمیری کے نمبر کی وجہ سے اسکو دے رہا ہوں ۔اس میں اسکو ذکر کیا ہوں ۔

تشریح : یعنی ایک عضو کو دھونے کے بعد فورا دوسرا عضو دھوئے ایسا نہیں کہ دوسرا عضو دھونے میں بہت دیر کردے یہاں تک کہ پہلا عضو خشک ہو جائے ۔

وجه:(۱) تمام احادیث میں ذکر ہے کہ آپؐ پے در پے اعضاء دھوئے ہیں ۔ایسا نہیں ہوا کہ ایک عضو دھو کر بہت دیر کے بعد دوسرا عضو دھویا اس لئے پے در پے دھونا بھی مستحب ہے ۔(۲) حدیث میں ہے کہ درھم کی مقدار جگہ چھوٹ گئی تو دوبارہ وضوء کرنے کے لئے آپؐ نے حکم دیا ۔اگر پیدر پے مستحب نہیں ہوتا تو صرف اس جگہ کو دھونے کے لئے کہہ دیتے ۔حدیث یہ ہے عن خالد عن بعض اصحاب النبى ﷺ رأى رجلا يصلى و فى ظهر قدمه لمعة قدر الدرهم لم يصبها الماء فامره النبىؐ ان يعيد الوضوء و الصلاة ۔(ابوداود شریف، باب تفریق الوضوء، ص ۲۶ نمبر ۱۷۵) البتہ عذر کی وجہ سے دیر ہو جائے تو سنت کی

(۱۹) ومسح الرقبة

ادائیگی میں فرق نہیں آئے گا (۲) اثر میں ہے ان عبد الله بن عمر بال بالسوق ثم توضأ وغسل وجهه ومسح برأسه ثم دعى لجنازة ليصلى عليها حين دخل المسجد فمسح على خفيه ثم صلى عليها (مؤطا امام مالکؒ، باب ماجاء فی المسح علی الخفین ص ۲۴) اس اثر میں مسح علی الخفین بعد میں کیا جس سے معلوم ہوا کہ تمام اعضاء کا پیدر پے دھونا واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۹) ومسح الرقبة: گردن کا مسح کرنا (مستحب ہے) (نوٹ) ھدایۃ میں مسح الرقبۃ نہیں ہے، قدوری کے نمبر کی وجہ سے اس مسئلے کو لا رہا ہوں۔

وجہ: (۱) عن ابن عمر رضى الله عنهما ان النبى ﷺ قال من توضأ ومسح بيديه على عنقه وقى الغل يوم القيامة (التلخیص الحبیر، باب سنن الوضوء ج اول ص ۳۴ رشرح احیاء العلوم للعلامۃ الزبیدی ج دوم ص ۳۶۵ / باب کیفیۃ الوضوء، اعلاء السنن ج اول ص ۱۲۰ (۲) عن ليث عن طلحة بن مصرف عن ابيه عن جده انه رانى رسول الله ﷺ يمسح راسه حتى بلغ القذال ومايليه من مقدم العنق بمرة. قال: القذال: السالفة العنق (مسند احمد، باب حدیث جد طلحۃ الایامی، ج رابع، ص ۵۳۱، نمبر ۱۵۵۲۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گردن کا مسح کرنا مستحب ہے۔

خلاصہ: قدوریؒ نے چودہ سنتیں بیان کی ہیں (۱) تین مرتبہ گٹوں تک ہاتھ دھونا (۲) وضو کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا (۳) مسواک کرنا (۴) کلی کرنا (۵) ناک میں پانی ڈالنا (۶) دونوں کانوں کا مسح کرنا (۷) ڈاڑھی کا خلال کرنا (۸) انگلیوں کا خلال کرنا (۹) تین تین مرتبہ اعضاء کو دھونا (۱۰) پاکی کی نیت کرنا (۱۱) پورے سر کا مسح کرنا (۱۲) وضو کو ترتیب سے کرنا (۱۳) دائیں جانب سے شروع کرنا (۱۴) پے درپے کرنا۔ اور مستحب ہے گردن کا مسح کرنا۔

نوٹ: سنن اور مستحبات اور بھی ہیں۔

﴿فصل فی نواقض الوضوء﴾

(۲۰) المعانی الناقضة للوضوء كل ماخرج من السبيلين ﴾ ل لقوله تعالى او جاء احدمنكم من الغائط، الآية ۲ و قيل لرسول الله ﷺ و ماالحدث ؟قال: مايخرج من السبيلين

﴿نواقض وضو کا بیان﴾

ضروری نوٹ: المعانی الناقضۃ : وضو توڑنے والی چیزیں، جن نجاستوں کے نکلنے یا داخل ہونے سے وضوٹوٹ جاتا ہے اس کا بیان ہے۔

ترجمہ: (۲۰) وضو کو توڑنے والی ہر وہ چیز ہے جو پیشاب یا پاخانہ کے راستے سے نکلے۔

تشریح : پیشاب اور پاخانہ کے راستے سے جو چیزیں نکلتی ہیں اس سے وضوءٹوٹ جاتا ہے۔ چاہے وہ عام طور پر نکلنے والی چیز ہو جیسے پیشاب اور پاخانہ، یا عام طور پر نکلنے والی چیز نہیں ہے جیسے کیڑا وغیرہ۔

ترجمہ: ل آیت میں ہے۔ او جاء احد منكم من الغائط او لمستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبــا) (آیت ٦ سورۃ المائدۃ ٥) تم میں سے کوئی پیخانے سے آئے، یا بیوی کو چھوئے یعنی صحبت کرے اور پانی نہ پائے تو پاک مٹی سے تیمّم کرے۔

تشریح :اس آیت سے معلوم ہوا کہ کوئی پیخانہ سے آئے جسکا مطلب یہ ہے کہ پیخانہ یا پیشاب کے راستے سے کوئی ناپاکی نکلے تو اس سے وضوٹوٹ جائے گا اور وضو یا تیمّم کرنا ہوگا، یا بیوی سے صحبت کرے گا تو غسل ٹوٹے گا اور غسل کرنا ہوگا۔

ترجمہ: ۲ حضور ﷺ سے پوچھا گیا کہ حدث کیا چیز ہے تو آپؐ نے فرمایا کہ پیشاب اور پیخانہ کے راستے سے جو نکلے وہ حدث ہیں۔اس عبارت کا مفہوم اس حدیث میں ہے عن صفوان بن عسال قال رسول الله ﷺ :يأمرنا اذا كنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلاثة ايام ولياليهن الا من جنابة ولكن من غائط و بول و نوم (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹٦/نسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۷، نمبر ۱۲۷) پاخانہ، پیشاب اور منی پاخانہ اور پیشاب کے راستے سے نکلتے ہیں اس لئے جو چیزیں بھی ان دونوں راستوں سے نکلے وہ ناقص وضو ہیں۔صاحب ھدایۃ کی عبارت کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے (۲) ایک اثر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ پاخانہ کے راستے سے کیڑا بھی نکلے تو وضوٹوٹ جائے گا۔اثر یہ ہے قال عطاء : فيمن يخرج من دبره الدودة ،او من ذكره نحو القملة : يعيد الوضوء ۔(بخاری شریف ، باب من لم یر الوضوء الا من المخرجین من القبل والدبر، ص ۳۰، نمبر ۱۷٦) اس اثر سے پتہ چلا کہ ان دونوں راستوں سے جو کچھ بھی نکلے اس سے وضوءٹوٹ جائے گا۔ (۳) یہ دونوں مقام مقام نجاست نہیں ہیں۔نجاست کہیں اوپر سے کھسک کر آتی ہے۔اور قاعدہ

۳؎ و کلمۃ، ما،عامۃ فتتناول المعتاد و غیرہ، (۲۱) و الدم و القیح اذا خرجا من البدن فتجاوز ا الی موضع یلحقہ حکم التطھیر

ہے کوئی ناپا کی اپنی جگہ سے کھسک کر جسم کے ظاہری حصے پر آجائے تو اس سے وضوٹوٹ جاتا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور کلمہ، ما، عام ہے اسلئے جو ان دونوں راستوں سے عادۃً نکلتے ہوں اور جو عادۃً نہیں نکلتے ہوں دونوں کو شامل ہے۔

تشریح: حضرت ابراہیم نخعیؒ نے فرمایا کہ پاخانہ کے راستے سے کیڑا نکل جائے تو وضوء نہیں ٹوٹے گا ۔اثر یہ ہے قال سألت ابراھیم قلت :یخرج من دبری الدودۃ أتوضأ منہ؟ قال: لا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۵ فی انسان یخرج من دبرہ الدود،ص ۴۳ نمبر ۴۱۷) صاحب ھدایۃ اسکا جواب دے رہے ہیں کہ حدیث میں کلمہ، ما، عام ہے اسلئے وہ سب کو شامل ہیں چاہے عادۃ نکلنے والی چیز ہو یا خلاف عادت کوئی چیز نکلتی ہو جیسے کیڑا وغیرہ۔

نوٹ: یہ چیزیں پیشاب کے راستے سے نکلتی ہیں (۱) پیشاب (۲) مذی (۳) ودی (۴) منی (۵) حیض (۶) نفاس (۷) استحاضہ اور یہ چیزیں پاخانہ کے راستے سے نکلتی ہیں (۱) پاخانہ (۲) ہوا (۳) پاخانہ کا کیڑا۔ان کے نکلنے سے وضوٹوٹ جائے گا۔

لغت : المعانی : سے مراد وضوء توڑنے والی چیزیں ہیں ،جسکو وضو توڑنے والے اسباب کہتے ہیں۔الغائط : نیچی زمین، یہاں مراد ہے پاخانہ کرنے کی جگہ، کیونکہ پاخانہ نیچی زمین میں کرتے ہیں۔حدث: ہوا نکلنا،حضرت ابوھریرۃؓ کی تفسیر یہی ہے انہ سمع ابو ھریرۃ یقول قال رسول اللہ ﷺ :لا تقبل صلاۃ من احدث حتی یتوضأ ،قال رجل من حضرموت : ما الحدث یا ابا ھریرۃ ؟ قال فساء او ضراط ۔(بخاری شریف، باب لا تقبل صلاہ بغیر طھور، ص ۲۵ نمبر ۱۳۵)اس حدیث میں حدث کی تفسیر ہے کہ آواز والی ہوا یا آہستہ ہوا. تناول : شامل ہے۔معتاد : جو عادۃً نکلتی ہو۔

ترجمہ :(۲۱) خون، پیپ اور کچ لہو جب بدن سے نکلے اور ایسی جگہ تک پہنچ جائے جس کو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہے (تو وضوٹوٹ جائے گا)۔

تشریح: موضع یلحقہ حکم التطھیر : یہ فقہ کا ایک محاورہ ہے۔اس کا مطلب یہ ہے کہ خون، پیپ وغیرہ جب تک بدن کے اندر ہوں تو اس سے وضو نہیں ٹوٹتا جب تک کہ بہہ کر بدن سے باہر نہ نکل جائے اور ایسی جگہ نہ آجائے جہاں آسانی سے ہاتھ سے دھویا جا سکے۔مثلا کان کے اندر پیپ ہو تو وضو نہیں ٹوٹیگا۔لیکن اگر کان کے سوراخ میں باہر کی طرف پیپ بہہ کر آجائے جہاں انگلی سے آسانی سے پونچھا اور دھویا جا سکتا ہے تو اب وضوٹوٹ جائے گا۔ناک، منہ، کان، پیشاب کی جگہ، شرمگاہ اور پاخانہ کے اندر ناپاکی ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن باہر کی طرف آجائے جہاں آسانی کے ساتھ انگلی سے ناپاکی کو پونچھا اور دھویا جا سکتا ہے تو اب وضوٹوٹ

﴿(۲۲)و القیء ملء الفم﴾

جائیگا۔کیونکہ ناپاکی ایسی جگہ نکل کر آگئی جہاں غسل میں یا وضو میں دھونا فرض ہوتا ہے۔انہیں مقامات کو 'موضع یلحقه حکم التطهیر' کہتے ہیں۔اسکی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن جریج قال: قلت لعطاء: أرأیت ان قلس رجل فبلغ صدره اوحلقه ولم یبلغ الفم؟ قال فلا وضوء علیه۔(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس، ج اول، ص ۱۳۶، نمبر ۵۱۷)اس اثر میں ہے کہ قے جسم سے باہر آئے تب وضو ٹوٹے گا۔

اصول: چوٹ لگی اور خون صرف ظاہر ہوا اپنی جگہ سے بہا اور کھسکا نہیں تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔اس لئے کہ صرف خون کا ظہور ہوا ہے۔خون ابھی بہا نہیں ہے۔بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور وضو توڑتا ہے۔قرآن میں ہے **ودما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس** (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶)اس لئے اگر زخم پر خون ظاہر ہوا ہو لیکن اپنی جگہ سے کھسکا نہ ہو تو وضو نہیں ٹوٹیگا۔ہاں اگر خون اتنا بہہ رہا تھا کہ اپنی جگہ سے کھسک سکتا تھا لیکن بار بار پونچھ دیا گیا جس کی وجہ سے خون نہ بہہ سکا تو وضو ٹوٹ جائے گا۔کیونکہ بہنے اور کھسکنے کے قابل خون تھا۔

نوٹ: اگر مسلسل خون بہہ رہا ہو کہ وضو کر کے نماز پڑھنے کا موقع نہ ملتا ہو اور اس حالت پر ایک دن اور ایک رات گزر گئے ہوں تو اب وہ معذور کے حکم میں ہے۔اس لئے اب اس کا خون بہنے سے نماز کے وقت میں وضو نہیں ٹوٹے گا۔کیونکہ وہ معذور ہو گیا۔

ترجمه:(۲۲)اور قے جب کہ منہ بھر کے ہو(تو وضو ٹوٹ جائے گا)۔

وجه: (۱)جو قے منہ بھر کے ہو وہ پیٹ کے نچلے حصے سے آتی ہے جہاں غذا نجاست بن چکی ہوتی ہے۔اور نجاست کا نکلنا ناقض وضو ہے اس لئے منہ بھر کے قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔اور جو قے منہ بھر کر نہ ہو وہ پیٹ کے اوپر کے حصے سے آتی ہے جہاں غذا ابھی نجاست نہیں بنی ہوتی ہے اس لئے وہ پاک ہے۔اس لئے منہ بھر کر قے نہ ہو تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔(۲)بعض حدیث میں ہے کہ وضو ٹوٹے گا اور بعض حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو قے ہوئی اور آپؐ نے وضو نہیں فرمایا تو یہ احادیث اسی پر محمول کی جائیں گی کہ جس میں وضو کیا وہ منہ بھر کر قے تھی اور جس میں وضو نہیں کیا وہ منہ بھر کر نہیں تھی (۳)حدیث یہ ہے **عن ابی درداء رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قاء فتوضأ فلقیت ثوبان فی مسجد دمشق فذکرت ذالک له فقال صدق انا صببت له وضوءه** (ترمذی شریف، باب الوضوء من القیء والرعاف ص ۲۵ نمبر ۸۷)(۴) حدیث میں ہے۔**عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ : من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف ،فلیتوضأ ،ثم لیبن علی صلاته وهو فی ذالک لا یتکلم**۔(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلاۃ،ص ۱۷۱ نمبر ۱۲۲۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ل وقال الشافعیؒ:الخارج من غیرالسبیلین لاینقض الوضوء، ٢ لما روی انه علیه السلام: قاء فلم یتوضأ. ٣ و لان غسل غیر موضع الاصابة امر تعبدی فیقتصر علی مورد الشرع، و هو المخرج المعتاد،

ترجمہ : ل امام شافعی[اورامام مالک رحمۃ اللہ علیہما] نے فرمایا کہ پیشاب اور پاخانہ کے راستے کےعلاوہ سے جو نکلے اس سے وضوء نہیں ٹوٹے گا۔ موسوعۃ میں ہے دل ذالک علی ان لا وضوء فی قیء ولا رعاف ،ولا حجامة ،ولا شیء خرج من الجسد ولا أخرج منه غیر الفروج الثلاثة : القبل والدبر و الذكر .ولم یكن علیه وضوء ؛و هكذا اذا خرج من جسده دم او قیح او غیر ذالک من النجس ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب الوضوء من الغائط والبول و الریح، ج اول،ص ٨٣ نمبر ٢٩٠/٢٩٣)۔

ترجمہ : ٢ اسلئے کہ حضورؐ نے قے کی اور وضوء نہیں فرمایا۔اس مفہوم کا اثر یہ ہے۔عن الحسن قال : لیس فی القلس الوضوء ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس ،ج اول،ص ١٣٨ نمبر ٥٢٣/مصنف ابن ابی شیبة ،٤٩ من كان لا یری فی القلس وضوء، ج اول ص ٤٥، نمبر ٤٤٣) اس اثر میں ہے کہ وہ قی ء سے وضوء کے قائل نہیں تھے (٢) دوسری دلیل ۔غزوۂ ذات رقاع میں عبادہ بن بشر کو تیر مارا اور وہ نماز پڑھتے رہے اور خون بہتا رہا۔جس سے معلوم ہوا کہ خون بہنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ورنہ وہ خون نکلتے ہی نماز توڑ دیتے۔لمبی روایت کا ٹکڑا یہ ہے عن جابر قال خرجنا مع رسول الله ﷺ .یعنی فی غزوة ذات الرقاع ..... حتی رماه بثلاثة اسهم ثم ركع وسجد (ابوداؤد شریف، باب الوضوء من الدم ص ٢٩ نمبر ١٩٨) اس کا جواب یہ ہے کہ یہ صحابی کا اپنا فعل ہے حضور کو وضو ٹوٹنے کی اطلاع نہیں تھی (٢) امام شافعیؒ کے یہاں خون بدن پر لگنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے تو جب بہا ہوگا تو خون بدن پر لگا ہی ہوگا جس سے ان کے یہاں بھی اس فعل سے وضو ٹوٹ جائے گا۔ان کا دوسرا استدلال یہ ہے کہ صحابہ کو جہاد میں زخم ہوتا تھا اور وہ نماز پڑھتے رہتے تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ خون ناقض نہیں ہے۔پوری تفصیل بخاری باب من لم یرالوضاء الامن المخرجین من القبل والدبر ص ٢٩ نمبر ١٧٦ تا ١٨٠ میں دیکھیں۔ہم جواب دیتے ہیں یا تو مسلسل خون بہنے سے وہ معذور کے حکم میں تھے یا خون صرف زخم پر ظاہر ہوتا تھا بہتا نہیں تھا اور خون ظاہر ہونے سے وضو ہمارے یہاں بھی نہیں ٹوٹتا جیسا کہ اوپر گزر گیا۔

نوٹ: صاحب الرایہ فرماتے ہیں کہ ، انه علیه السلام قاء فلم یتوضاء والی حدیث نہیں ملتی۔

ترجمہ : ٣ اور اسلئے کہ نجاست لگنے کی جگہ کے علاوہ کو دھونا امر تعبدی ہے (یعنی اللہ نے حکم دیا تو کر لیا اور حکمت کا پتہ نہیں چلا) اسلئے شریعت کے وارد ہونے کی جگہ پر اکتفاء کیا جائے گا اور وہ وہی جگہیں ہیں جہاں سے عادۃ نجاست نکلتی ہے۔

٤ ولنا قوله علیه السلام: الوضوء من کل دم سائل ٥ و قوله علیه السلام: من قاء او رعف فی صلاته فلینصرف ولیتوضأ ولیبن علی صلاته مالم یتکلم،

تشریح: صاحب ھدایہ حضرت امام شافعیؒ کی جانب سے دلیل عقلی پیش فرما رہے ہیں۔

امر تعبدی: اللہ کسی بات کا حکم دے اسکی علت اور حکمت سمجھ میں نہ آئے صرف اللہ کا حکم سمجھ کر اسکو کرتے رہیں اسکو، امر تعبدی، کہتے ہیں۔ جیسے پیشاب پیخانہ نکلتے ہیں کسی اور جگہ سے اور وضوء میں ہاتھ اور پاؤں دھلواتے ہیں حلانکہ ہاتھ اور پاؤں سے نجاست نہیں نکلتی، تو ہاتھ اور پاؤں کو دھونا امر تعبدی ہوا۔ اور امر تعبدی کا قاعدہ یہ ہے کہ احادیث میں جن جن باتوں سے وضوء کرنے کا حکم دیا انہیں باتوں سے وضوء کیا جائے گا باقی سے نہیں۔ اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ پیشاب اور پیخانے کی جگہ سے نجاست نکلے تو وضوء کرو۔ اسلئے اسکے علاوہ کی جگہ سے خون نکلے یا قے نکلے تو وضوء نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ٤ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے۔ وضوء ہر بہنے والے خون سے ہے۔ صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **قال تمیم الداری : قال رسول اللہ ﷺ: الوضوء من کل دم سائل** ۔(دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن ص ١٦٣ نمبر ٥٧١) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خون سبیلین کے علاوہ سے بھی نکلے تو اس سے وضوء لازم ہوگا۔ (٢) اس آیت سے بھی پتہ چلتا ہے کہ بہنے والا خون ناپاک ہے اور ناقض بھی ہے۔ **قل لا اجد فی ما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة او دماً مسفوحاً او لحم خنزیر فانه رجس** ۔(آیت ١٤٥، سورۃ الانعام ٦)

ترجمہ: ٥ اور حضورؐ کا قول جس نے قے کی یا نماز میں نکسیر پھوٹی تو واپس لوٹے، اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک بات نہ کی ہو۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت قال رسول اللہ ﷺ من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبین علی صلواته وهوفی ذالک لا یتکلم** (ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ١٧١، نمبر ١٢٢١، دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج، اول، ص ١٦٠، نمبر ٥٥٥) رعاف یعنی نکسیر پھوٹنا اور خون کا نکلنا۔ اس سے وضوٹوٹ جائے گا۔ اس لئے دوبارہ وضو کر کے اس پر نماز کی بنا کرے بشرطیکہ درمیان میں بات نہ کی ہو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف سبیلین سے نکلنے ہی سے وضوء نہیں ٹوٹے گا بلکہ قے اور خون سے بھی وضوٹوٹے گا (٢) حدیث میں ہے کہ خون سے وضوٹوٹے گا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت : جاء ت فاطمة ابنة ابی حبیش الی النبی ﷺ فقالت یا رسول اللہ ﷺ انی امراة استحاض فلا اطهر أفادع الصلوة ؟فقال رسول اللہ ﷺ لا، انماذلک عرق ولیس بحیض فاذا اقبلت حیضتک فدعی الصلوة واذا ادبرت فاغسلی عنک الدم ثم صلی قال :وقال ابی ثم توضأی لکل صلوة حتی یجیء ذالک الوقت** (بخاری شریف، باب غسل الدم ص ٣٦ نمبر ٢٢٨) اس حدیث سے

۶ و لان خروج النجاسة مؤثر فی زوال الطهارة وهذا القدر فی الاصل معقول، والاقتصار علی الاعضاء الاربعة غیر معقول لکنه یتعدی ضرورة تعدی الاول. ۷ غیر ان الخروج انما یتحقق بالسیلان الی موضع یلحقه حکم التطهیر، و بملء الفم فی القیء لان بزوال القشرة تظهر النجاسة فی محلها فتکون بادیة لا خارجة،

معلوم ہوا کہ خون سے وضوٹوٹے گا۔(نوٹ) عرق کا معنی رگ ہے مطلب یہ ہے کہ اندر شرمگاہ میں کسی رگ کے پھٹنے کی وجہ سے خون نکل رہا ہے حیض کا خون نہیں ہے اور دیگر خون کی طرح اس کا حکم ہے۔حیض کے خون کا حکم نہیں ہے۔

نوٹ: پیپ اور کچ لہو بھی خون کی قسمیں ہیں اور خون ہی سے بنتے ہیں۔اس لئے ان کے نکلنے سے بھی وضوٹوٹ جائیگا۔

ترجمہ: ۶ اور اسلئے کہ نجاست کا نکلنا طہارت کے زائل ہونے میں موثر ہے اور اتنی بات تو اصل میں سمجھ میں بھی آتی ہے۔البتہ چار اعضاء پر اکتفاء کرنا سمجھ میں نہیں آتا لیکن پہلے کے متعدی ہونے کی وجہ سے یہاں بھی متعدی ہوگا۔

تشریح: یہاں سے امام شافعیؒ کے استدلال کا جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ نجاست نکلے کہیں اور سے اور دھوتے ہیں دوسرے چار عضوں کو اسلئے یہ امر تعبدی ہے۔اور امر تعبدی میں یہ ہوتا ہے کہ شارع نے جن جن چیزوں سے وضوتوڑنے کا حکم دیا ہے اتنے ہی میں وضوٹوٹے گا۔اور خون اور قے سے وضوٹوٹنے کا حکم نہیں دیا اسلئے ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔صاحب ھدایہ کے جواب کا حاصل یہ ہے کہ،نجاست نکلنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے چاہے کہیں سے نجاست نکلے،اتنی بات تو سمجھ میں آتی ہے۔البتہ دوسرے چار عضوں کے دھونے پر اکتفاء کیا یہ سمجھ میں نہیں آتا۔لیکن کسی بھی نجاست سے وضوٹوٹ گیا تو ان چار عضوں کو دھونا ہی پڑے گا۔اور احادیث سے ثابت کر دیا کہ دوسری جگہ سے خون نکلے، یا قے نکلے تو وضوٹوٹ جائے گا۔اسلئے ان چار عضوں کو دھونا پڑے گا۔اسی کو فرمایا، **یتعدی ضرورة تعدی الاول.**

ترجمہ: ۷ یہ اور بات ہے کہ نکلنا ایسی جگہ تک بہنے سے متحقق ہوگا جسکو پاکی کا حکم لاحق ہوتا ہو،اور قے میں منہ بھر کے ہو تو خروج متحقق ہوگا۔اسلئے کہ چمڑے کا چھلکا زائل ہونے سے نجاست اپنی جگہ پر ظاہر ہوئی،اس کو خارج نہیں کہیں گے۔

تشریح: یہاں سے فرق بیان کر رہے ہیں کہ۔نجاست سبیلین سے ذرا بھی ظاہر ہو تو وضوٹوٹ جاتا ہے چاہے وہ بہے یا نہ بہے ،اور مقدار میں کتنا ہی کم کیوں نہ ہو۔۔اسکی وجہ یہ ہے کہ سبیلین نجاست کی جگہ نہیں ہیں کیونکہ پیخانہ آنت میں جمع رہتا ہے اور پیشاب مسانے میں جمع رہتا ہے ۔اب سبیلین کے منہ پر یہ نجاست ظاہر ہوئی تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ مسانے سے اور آنت سے پھسل کر آئی ہے،اسلئے تھوڑی سی بھی ظاہر ہونے سے خروج یعنی نکلنا اور بہنا ثابت ہوگیا۔کیونکہ وہ اپنے اصل مقام سے پھسل کر آئی ہے۔اور خون کا معاملہ یہ ہے کہ چمڑے کے نیچے ہر وقت رہتا ہے اسلئے ذرا سا ظاہر ہونے سے خروج یعنی نکلنا اور سیلان یعنی بہنا

۸ بخلاف السبيلين لان ذاک الموضع ليس بموضع (النجاسة) فيستدل بالظهور على الانتقال،والخروج، ۹وملء الفم ان يكون بحال لايمكن ضبطه الابتكلف ۱۰ لانه يخرج

ثابت نہیں ہوا، ہاں وہ ایک قطرہ ہواور جسم پر بہہ پڑے تب سیلان اور بہنا کہتے ہیں۔اور آیت میں، دم مسفوح، اور حدیث میں ہے کہ، دم سائل، یعنی بہتا ہوا خون ناقض وضو ہے۔اسلئے تھوڑے سے خون کے ظاہر ہونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

قے:۔ پیٹ میں جو کھانا جمع ہوتا ہے اسکے نیچے کی تہہ پیخانے کے ساتھ مل کر ناپاک ہو جاتی ہے۔اور اوپر کی تہہ پیخانے کے ساتھ ابھی ملی نہیں ہوتی اسلئے وہ پاک رہتی ہے۔پس اگر تھوڑی قے آئے تو وہ اوپر سے آئی ہے اسلئے وہ پاک ہے اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔اور اگر منہ بھر کر آئے تو وہ نیچے کی تہہ سے آرہی ہے اسلئے وہ ناپاک ہے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا ۔اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔**عن حماد فی القلس اذا کان یسیراً فلیس فیه الوضوء ،و اذا کان کثیراً ففیه الوضوء**۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۹من کان لا یری فی القلس وضوء، ج اول ،ص ۴۵ نمبر ۴۴۲ رمصنف عبدالرزاق ،باب الوضوء من القیء والقلس ،ج اول ،ص ۱۳۸ نمبر ۵۲۴)اس اثر میں ہے کہ منہ بھر کر ہوتو ناقض وضو ہے اور اگر منہ بھر کر نہ ہوتو ناقض وضو نہیں ہے۔اسلئے سبیلین کی نجاست کی طرح تھوڑی سی قے ہوگی تو ناقض وضو نہیں ہوگی۔

ترجمه: ۸ بخلاف سبیلین یعنی پیشاب اور پیخانے کے راستے کے اسلئے کہ یہ جگہ نجاست کی جگہیں نہیں ہیں، اسلئے ظاہر ہونے ہی سے منتقل ہونے اور نکلنے پر استدلال کیا جائے گا۔

تشریح: اوپر گزر گیا کہ پیشاب اور پیخانے کے منہ نجاست کے جمع ہونے کی جگہیں نہیں ہیں، اسلئے اگر وہاں نجاست ظاہر ہوئی تو معلوم ہوا کہ اوپر سے کھسک کر آئی ہے اور اوپر سے کھسک کر آنا اسی کا نام خروج اور سیلان ہے اسلئے تھوڑی سی نجاست بھی وہاں ظاہر ہوگی تو اس سے خروج اور سیلان پر استدلال کیا جائے گا، اور اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمه: ۹ اور منہ بھر کر اس حال کو کہتے ہیں کہ اس کو منہ میں ضبط کرنا ناممکن ہو مگر تکلف کے ساتھ۔

تشریح: قے اتنی زیادہ ہو کہ اسکو منہ میں رکھنا مشکل ہو رہا ہو، اسکو، منہ بھر قے، کہتے ہیں۔اس حدث میں اسکی وضاحت ہے، **عن ابن جریج عن ابیه یرفعه الی النبی ﷺ قال : الوضوء من القیء و ان کان قلسا یغلبه فلیتوضأ**(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس ،ج اول ،ص ۱۳۸ نمبر ۵۲۴)اس اثر میں ہے کہ منہ میں رکھنے میں مشکل ہوتو وضو ٹوٹے گا۔(۲) ایک اثر اوپر بھی گزر گیا کہ قے زیادہ ہوتو وضو ٹوٹے گا اور کم ہوتو نہیں ٹوٹے گا۔(ابن شیبۃ نمبر ۴۴۲)

ترجمه: ۱۰ اسلئے کہ لگتا ہے کہ نکل ہی جائے گا۔اسلئے نکلنے کا ہی اعتبار کرلیا گیا۔

ظاهرا فاعتبر خارجا ١١ وقال زفرؒ قليل القيء وكثيره سواء ١٢ وكذالايشترط السيلان اعتبارا بالمخرج المعتاد، ولاطلاق قوله عليه السلام: القلس حدث ١٣ ولنا قوله ﷺ: ليس فی القطرة والقطرتين من الدم وضوء الاان يكون سائلاً، ١٤ وقول عليؓ حين عدالاحداث جملة:او دسعة

تشریح: قے اتنی منہ بھر کر ہے کہ ظاہری طور پر لگتا ہے کہ نکل ہی جائے گی اسلئے اس پر خروج اور سیلان کا حکم لگا دیا گیا، اور اس پر وضوٹوٹنے کا حکم لگا دیا گیا ۔ یہ دلیل عقلی ہے۔ ورنہ تو اصل میں حدیث اور اثر ہیں جن سے وضوٹوٹنے کا حکم لگایا گیا ہے۔

ترجمہ: ١١ مسلک امام زفرؒ ۔ امام زفرؒ نے فرمایا کہ قے کم ہو یا زیادہ ہو سب کا حکم برابر ہے۔ یعنی دونوں سے وضوٹوٹ جائے گا۔

وجہ: ۔ ایک حدیث میں مطلقا ہے کہ قے حدث ہے ، اسکی قید نہیں ہے کہ کم ہو تو نہیں ٹوٹے گا، اور زیادہ ہو تو ٹوٹ جائے گا اسلئے کم زیادہ دونوں صورتوں میں وضوٹوٹے گا۔ حدیث یہ ہے، **عن زيد ابن علی ،عن ابيه عن جده قال ،قال رسول الله ﷺ : القلس حدث** (دار قطنی ، باب باب الوضوء من الخارج من البدن، ج اول ،۱۶۲، نمبر۵۶۴) اس حدیث میں مطلقا ہے کہ قے حدث ہے۔

ترجمہ: ١٢ ایسے ہی خون نکلنے میں بہنے کی شرط نہیں لگاتے مخرج معتاد پر قیاس کرتے ہوئے۔ یعنی پیشاب اور پیخانے کے منہ پر بغیر بہے ہوئے تھوڑی سی بھی نجاست آجائے تو وضوٹوٹ جاتا ہے اسی طرح اور جگہوں سے بغیر بہے ہوئے تھوڑی سی بھی نجاست نکل آئے تو وضوٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ١٣ اور ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ خون کے ایک دو قطرے میں وضو نہیں ہے مگر یہ کہ خون بہنے والا ہو۔ حدیث ہے۔ **عن ابی هريرةؓ ،عن النبی ﷺ قال : ليس فی القطرة و القطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دماً سائلاً** ۔ (دار قطنی ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول، ص۱۶۳، نمبر۵۷۲)۔ یہ حدیث امام زفر کا جواب ہے کہ وہ خون کے ناقض وضو ہونے میں بہنے کی قید نہیں لگاتے جبکہ اس حدیث میں بہنے کی قید ہے۔

ترجمہ: ١٤ اور قے کے بارے میں حضرت علیؓ کا قول جب انہوں نے تمام حدثوں کو گنایا یہ ہے، **او دسعة تملأ الفم** ، قے جو منہ بھر کر ہو۔

تشریح: حضرت علیؓ نے وضوتوڑنے والے بہت سے حدثوں کو گنایا ان میں یہ بھی گنایا کہ قے منہ بھر کر ہو تب ناقض وضو ہے ورنہ نہیں ۔۔ صاحب نصب الرایۃ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت ابو ہریرہؓ سے منقول ہے اور حضرت امام بیہقیؒ نے اپنی کتاب، الخلافیات، میں ذکر فرمایا ہے۔ حدیث یہ ہے، **عن ابی هريرةؓ قال قال رسول الله ﷺ يعاد الوضوء من سبع**

تملاء الفم، ۱۵ و اذا تعارضت الاخبار يحمل ماروا ه الشافعیؒ على القليل، و ماروا ه زفرؒ على الكثير، والفرق بين المسلكين ماقدمناه. ١٦ ولو قاء متفرقاً بحيث لو جمع يملاء الفم، فعند ابی يوسف يعتبر

: من اقطار البول ،و الدم ا لسائل ،و القیء ، و من دسعة تملأ الفم ،و نوم المضطجع ،و قهقهة الرجل فی الصلاة ، و خروج الدم ۔(بیروتی نصب الرایۃ ، ج اول ص ۹۰ ۔اسی مسئلے کے تحت)(۲)اسکی تائید میں یہ اثر گزر چکا ہے۔عن حماد فی القلس اذا کان یسیرا فلیس فيه وضوء ، واذا کان کثيرا ففيه الوضوء ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۴۹من کان یری فی القلس وضوء، ج اول ص ۴۵ نمبر ۴۴۲)اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ قے منہ بھر کر ہو تب وضوٹوٹے گا۔

ترجمہ : ۱۵ جب احادیث آپس میں متعارض ہو گئیں،تو جو امام شافعیؒ نے روایت کی اسکو تھوڑی قے پر حمل کیا جائے گا۔اور جسکو امام زفرؒ نے روایت کی اسکو زیادہ قے پر حمل کیا جائے گا۔اور دونوں مسلکوں کے درمیان فرق ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : صاحب ھدایہ نے امام شافعیؒ کی جانب سے حدیث پیش کی تھی کہ :حضور نے قے کی اور وضونہیں کی۔اس کا مطلب یہ بتاتے ہیں کہ تھوڑی سی قے ہوئی تھی اسلئے وضونہیں ٹوٹا،اور آپؐ نے وضونہیں کیا۔اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ تھوڑی قے ہو تو وضونہیں ٹوٹے گا۔

اور امام زفرؒ کی جانب سے حدیث پیش کی تھی کہ :مطلق قے حدث ہے۔اسکا مطلب یہ ہے کہ قے منہ بھر کر ہو تو حدث ہے۔اور یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ قے منہ بھر کر ہو تو وضوٹوٹے گا۔ہم دونوں مسلکوں کے درمیان میں ہیں۔اسی جملہ کی طرف مصنف نے اس جملے سے اشارہ کیا ہے،والفرق بين المسلكين ما قدمنا ہ.

ترجمہ : ١٦ اور اگر متفرق جگہ یا متفرق مرتبہ قے کی اس طرح کہ اگر جمع کی جائے تو منہ بھر دے،تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اتحاد مجلس کا اعتبار کیا جائے گا،اور امام محمدؒ کے نزدیک اتحاد سبب کا اعتبار کیا جائے گا،اور وہ متلی ہے۔

تشریح : متفرق قے کرنے کی دوصورتیں ہیں۔ایک تو یہ کہ متلی تو ایک ہی ہے لیکن کئی جگہ پر ہٹ ہٹ کر قے کی،اور دوسری شکل یہ ہے کہ آدمی ایک ہی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے لیکن الگ الگ متلی آئی اور الگ الگ متلی سے تھوڑی تھوڑی قے کی کہ اگر سب کو جمع کیا جائے تو منہ بھر جائے۔ایسی صورت میں امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ ایک مجلس میں تھوڑی تھوڑی قے کی ہو اور اس سے منہ بھر جاتا ہو تو اس سے وضوٹوٹ جائے گا چاہے کئی متلی سے قے ہوئی ہو کیونکہ انکے یہاں اتحاد مجلس کا اعتبار ہے۔جیسے آیت سجدہ میں اتحاد مجلس کا اعتبار ہے کہ کئی مرتبہ آیت سجدہ پڑھی ہو اور مجلس ایک ہو تو ایک ہی سجدہ لازم ہوگا۔ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ ہے کہ سبب یعنی متلی ایک ہو تو تھوڑی تھوڑی قے جمع کی جائے گی چاہے الگ الگ جگہ قے کی ہو، کیونکہ انکے یہاں اتحاد سبب کا اعتبار ہے۔ کیونکہ سبب متحد ہو تو حکم بھی متحد ہوتا ہے۔

اتحاد المجلس، و عندمحمدؒ یعتبر اتحادالسبب،وھو الغثیان ۷ٍ ثم مالایکون حدثا لایکون نجساً یروی ذالک عن ابی یوسف،وھو الصحیح لانہ لیس بنجس حکماحیث لمینتقض بہ الطہارۃ

(۲۳) و ھذااذا قاء مرۃ، او طعاما، او ما فان قاء بلغما فغیر ناقض عند ابی حنیفۃ و محمدؒ ، وقال ابو یوسفؒ ناقض اذا قاء ملء الفم﴾

ترجمہ: ۷ٍ جو چیز وضوتوڑنے والی نہیں وہ ناپاک بھی نہیں،امام ابو یوسف سے یہی روایت ہےاور یہی صحیح ہےاسلئے کہ وہ حکم کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہے کیونکہ اس سے طھارت نہیں ٹوٹتی۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی جانب سے ایک قاعدہ بیان کیا جارہاہے۔کہ جو چیز وضونہیں توڑتی وہ کسی چیز کو ناپاک بھی نہیں کرے گی۔مثلا کھجلی کا خون جو بہانہیں اس سے وضونہیں ٹوٹے گا لہذا اگر اس خون کو پانی میں ڈال دیا جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہو گا۔کیونکہ جب اس نے وضونہیں توڑا تو اسکو ناپاک بھی نہیں کہا جائے گا اور اس سے پانی ناپاک بھی نہیں ہوگا کیونکہ حکم کے اعتبار سے یہ ناپاک نہیں ہے۔اسی کو کہتے ہیں، مالا یکون حدثًالا یکون نجساً، کہ جو چیز وضوتوڑنے والی نہیں وہ ناپاک بھی نہیں۔

ھو الصحیح : یہ کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ وہ خون جو بہانہیں، یا وہ قے جو منہ بھر نہیں ہوئی وہ اگر چہ وضونہیں توڑتی لیکن وہ بنفسہ ناپاک ہے اور پانی میں گر جائے تو اسکو ناپاک کردے گی۔البتہ امت کی سہولت کے لئے مصنف کے نزدیک اس پر فتوی نہیں ہے۔

لغت : القیح : پیپ، الصدید: کچ لہو،ایسا پیپ جس میں خون کی آمیزش ہو،تجاوز : بہہ پڑے،کھسک جائے. ملء الفم : منہ بھر کر ہو. سبیلین : دونوں راستے،اس سے مراد پیشاب اور پیخانے کے راستے ہیں۔موضع الاصابۃ: ناپاکی لگنے کی جگہ۔مورد الشرع:شریعت وارد ہونے کی جگہ،یعنی جن جن چیزوں کے لئے شریعت نازل ہوئی ہو . رعف: ناک کی نکسیر پھوٹی ہو . لیبن : بناء کرے۔قشرۃ: چھلکا. بادیۃ: بدو سے مشتق ہے،ظاہر ہونے والی چیز . القلس : قے۔ جملۃ: تمام،یعنی تمام نواقض وضوکو گنایا۔دسعۃ : قے۔الاخبار :اس سے مراد احادیث ہیں۔الغثیان :متلی آنا۔یا متلی کا ایک جھونکا۔حدثاً:اس سے مراد ہے وضو توڑنے والی چیز۔

ترجمہ :(۲۳) اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ پت، یا کھانا، یا پانی قے کی ہو۔پس اگر بلغم قے کی تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک ناقض وضونہیں ہے۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وضوٹوٹ جائے گا اگر منہ بھر کر قے کی۔(یہ جزئیہ جامع صغیر سے لیا گیا ہے۔جامع صغیر باب ما ینقض الوضوء ومالا ینقضہ ،ص۲۷)۔

تشریح : اوپر کے مسئلے میں تھا کہ منہ بھر قے ہو تو ناقض ہے اور منہ بھر کر نہ ہو تو ناقض نہیں ہے۔یہ حکم اس صورت میں ہے کہ قے

۱؎ والخلاف فی المرتقی من الجوف، اما النازل من الرأس فغیر ناقض بالاتفاق لان الرأس لیس بموضع النجاسة، ۲؎ لابی یوسفؒ انه نجس بالمجاورة،

پتے کی ہو یا کھانے کی ہو یا پانی کی ہو۔لیکن اگر پیٹ سے بلغم کی قے منہ بھر کر ہو تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹے گا اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ٹوٹ جائے گا۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ بلغم یا ناک کی رینٹ ناپاک نہیں ہیں۔اور چکنا ہونے کی وجہ سے اس پر نجاست چپکتی بھی نہیں ہے اسلئے اگر وہ آنت کے نچلے تہ سے بھی آئے تو اس پر بہت معمولی سی ناپاکی لگی ہوگی ،اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوڑی سی قے ہو تو ناقض وضو نہیں ہے وہ معاف ہے اسلئے بلغم کی قے منہ بھر کر بھی ہو تو اس پر معمولی سی ناپاکی ہوگی اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔(۲) حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔ **عن عمار بن یاسر قال اتی علی رسول الله ﷺ و انا علی بئر ادلو ماء فی رکوة لی ،فقال :یاعمار ما تصنع ؟ قلت یا رسول الله بابی و امی اغسل ثوبی من نخامة اصابته ،فقال یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط ،والبول ،والقیء ، و الدم ، و المنی ، یا عمار ما نخامتک و دموع عینیک و الماء الذی فی رکوتک الا سواء.** (دار قطنی ،باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ الخ، ج اول ،ص ۱۳۴،نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ بلغم مٹکے کے پانی کی طرح پاک ہے۔اسلئے بلغم کی قے منہ بھر کر ہو تو رینٹ پر قیاس کرتے ہوئے پاک ہوگا اور وضو نہیں توڑے گی۔

ترجمہ : ۱؎ اختلاف اس بلغم میں ہے جو پیٹ سے اوپر چڑھا ہو بہر حال جو سر سے نیچے اترا ہو وہ بالاتفاق ناقض وضو نہیں ہے اسلئے کہ سر نجاست کی جگہ نہیں ہے۔

تشریح : جو بلغم پیٹ سے منہ کے اندر آیا ہو یا منہ بھر قے ہوئی ہو اس بلغم کے بارے میں اختلاف ہے کہ ناقض وضو ہے یا نہیں ۔لیکن جو بلغم سر اور ناک سے اتر کر آیا ہو وہ منہ بھر کر بھی ہو تو کسی کے یہاں ناقض وضو نہیں ہے۔اسلئے کہ اوپر کی حدیث سے پتہ چلا کہ بلغم بنفسہ پاک ہے اور سر اور ناک ناپاکی کی جگہ نہیں ہیں کہ وہ بلغم کو ناپاک کر دے اسلئے سر اور ناک سے جو بلغم آئے گا چاہے وہ منہ بھر کر ہو پھر بھی کسی کے یہاں وضو نہیں ٹوٹے گا۔(۲) اس اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے۔**قلت لعطاء.....قال لعمری انی لاتنخم شیئاً کثیراً ثم یأتی الشیء من حلقی و من الرأس فلیس فی ذالک وضوء الا ماخرج من جوفک من معدتک** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس ،ج اول ،ص ۱۳۶ ،نمبر ۵۱۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ معدے سے اوپر آئے تو وضو ٹوٹے گا اور سر سے اترے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ بلغم ناپاک ہے ناپاکی کے ساتھ ملنے کی وجہ سے۔یعنی یہ بلغم اگر چہ پاک ہے لیکن ناپاک

۳ ولهما انه لزج لا تتخلله النجاسة و ما يتصل به قليل و القليل فی القیء غير ناقض ۴ ولوقاء دما وهوعلق يعتبر فيه ملء الفم لانه سوداء محترقة، ۵ وان كان مائعافكذالک عندمحمد اعتباراًبسائر انواعه، ۶ وعندهما ان سال بقوة نفسه ينقض الوضوء و ان كان قليلا لان المعدة ليست بمحل الدم فيكون من قرحة فی الجوف

کھانے کے ساتھ ملنے کی وجہ سے وہ ناپاک ہوگیا اسلئے جس طرح کھانے کی قے منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹ جاتا ہے،اس بلغم کی قے منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹ جائے گا۔

وجه : اوپر کی حدیث میں مطلقاً تھا کہ قے سے وضوٹوٹے گا اسلئے بلغم کی بھی قے ہوتو وضوٹوٹ جائے گا۔

ترجمه : ۳ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے اسکے اندر نجاست نہیں جاسکتی اور جو بلغم کے اوپر چپکتی ہے وہ تھوڑی ہے اور تھوڑی قے ناقض نہیں ہے۔تشریح گزر چکی ہے کہ بلغم چکنا ہوتا ہے اسلئے اس کے اندر تو نجاست جانہیں سکتی،اور جو تھوڑی بہت نجاست اسکے اوپر لگتی ہے وہ بہت تھوڑی ہے۔اور بلغم کی قے منہ بھر کر بھی ہوتو اس میں نجاست منہ بھر کر نہیں ہوئی اسلئے اس سے وضونہیں ٹوٹے گا۔اصل وجہ وہی حدیث ہے جو اوپر گزری۔

ترجمه : ۴ اور اگر خون کی قے کی اس حال میں کہ وہ جما ہوا ہے تو اس میں منہ بھرنے کا اعتبار کیا جائے گا اسلئے کہ وہ جلا ہوا سودا ہے۔

تشريح: جما ہوا خون کی قے ہوتو اگر کھانے کی قے کی طرح منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔کیونکہ یہ بہتا ہوا خون نہیں ہے بلکہ سودا ہے جو جل گیا ہے اور کالا ہوکر خون کی طرح جم گیا ہے ،اسلئے اسکا حکم کھانے کی طرح ہے کہ منہ بھر کر قے ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔(نوٹ) پرانے اطباء کہتے ہیں کہ انسان کا بدن سودا،صفرا،بلغم،اور خون سے بنا ہے۔اور سودا جب جلتا ہے تو خون کی طرح لال ہوکر جم جاتا ہے۔تاہم یہ بہتا ہوا خون نہیں ہے جو ناپاک ہے۔

ترجمه : ۵ اور اگر بہتا ہوا خون ہوتو منہ بھرنے کا اعتبار کیا جائے گا امام محمدؒ کے نزدیک قے کی باقی قسموں پر قیاس کرتے ہوئے۔

وجه:۔چاہے بہتا ہوا خون ہے لیکن وہ قے ہوکر باہر آیا ہے اسلئے اور قے کا حکم ہوگا کہ منہ بھر کر ہوتو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

ترجمه : ۶ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون اپنی قوت سے بہا تو وضوٹوٹ جائے گا اگر چہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو۔اسلئے کہ معدہ خون کی جگہ نہیں ہے اسلئے وہ خون پیٹ میں کسی زخم سے ہے۔

وجه : طرفین فرماتے ہیں کہ خون اپنی قوت سے بہہ رہا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ پیٹ میں کوئی زخم ہے اس سے خون آکر قے

(٢٣) ولو نزل من الرأس الى مالان من الانف نقض الوضوء بالاتفاق﴾ ١ لوصوله الى موضع يلحقه حكم التطهير فيتحقق الخروج

ہورہی ہے۔اسلئے اسکا حکم بہنے والے خون کا حکم ہوگا کہ چاہے منہ بھر کر نہ ہوتھوڑا بھی ہوتو وضوٹوٹ جائے گا۔ کیونکہ دم سائل ناپاک بھی ہےاور ناقض بھی ہے۔

اصول : یہ مسائل اس اصول پر ہے کہ تھوڑی نجاست ہو یا دم سائل نہ ہوتو وہ معاف ہے۔اورنجاست زیادہ ہو یا دم سائل ہوتو وہ ناپاک بھی ہےاور ناقض وضو بھی ہے۔اور دلیل، آیت ہےاو دما مسفوحا او لحم خنزیر فانه رجس (آیت ١٣٥ سورة الانعام ٦)(٢)اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : ليس في القطرة و القطرتين من الدم وضوء الا ان يكون دما سائلا ۔(دار قطنی ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول،ص ١٥٨،نمبر ٥٧٢)(٣)اور یہ حدیث بھی ہے .عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : تعاد الصلاة من قدر الدرهم من الدم۔(دار قطنی ،باب قدر النجاسة التی تبطل الصلاة ، ج اول، ص ٣٨٥ نمبر ١٣٧٩) اس آیت اوراحادیث سے معلوم ہوا کہ تھوڑی نجاست معاف ہےاورزیادہ نجاست ناپاک بھی ہےاور ناقض وضو بھی ہے۔

لغت : مرة : پتہ، یہ بھی ایک قسم کا جما ہوا خون ہوتا ہے۔جوف : پیٹ۔مجاورة : جوار سے مشتق ہے، ملنا پڑوس میں ہونا .لزج : چکنا،تخلل : خلل سے مشتق ہے اندر گھسنا، درمیان میں آنا .علق :خون کا لتھڑا. محترقة : حرق سے مشتق ہے جلا ہوا خون. مائعا : بہنے والا. قرحة: زخم۔

ترجمه:(٢٣) اوراگرخون اتر آیا سر سے ناک کے نرم حصے تک تو وضو بالاتفاق ٹوٹ جائے گا۔

وجه : پہلے اصول گزر چکا ہے کہ خون جب تک جسم کے اندر ہے تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا لیکن بہہ کر جسم کے ایسی جگہ تک باہر آجائے جہاں وضو یا غسل میں آسانی سے انگلی پہنچ سکتی ہواور انگلی ڈال کر دھویا جا سکتا ہو تو خون وہاں تک آنے سے سب اماموں کے نزدیک وضوٹوٹ جائے گا۔ چونکہ ناک کے نرم حصے تک انگلی پہنچتی ہے اسلئے سر سے خون بہہ کر ناک کے نرم حصے تک آجائے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمه: ١ خون کے ایسی جگہ تک پہنچنے کی وجہ سے جہاں پاک کرنے کا حکم لاحق ہوتا ہے اسلئے خروج متحقق ہو جائے گا۔

تشریح: موضع يلحقه حكم التطهير :اس عبارت کا مطلب اوپر گزر چکا ہے۔کہ خون بہہ کر ایسی جگہ تک پہنچ جائے جہاں بآسانی پاک کرنے کا حکم لاگو ہوتا ہو۔ وہاں پہنچنے کی وجہ سے سمجھ لیا جائے گا کہ خون نکل گیا اور بہنے والا ہو گیا۔

وجه : اثر میں ثبوت ہے۔قلت لعطاء :أرأيت ان قلس رجل فبلغ صدره او حلقه ولم يبلغ الفم ؟ قال : فلا

(۲۵) والنوم مضطجعاً، او متکیا، او مستنداً الی شیء لو ازیل لسقط ﴾ ۱؎ لان الاضطجاع سبب لاسترخاء المفاصل فلا یعری عن خروج شیء عادة والثابت عادة کالمتیقن به،

وضو علیہ ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من القیء والقلس، ج اول، ص ۱۳۶ نمبر ۵۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سینے کے اندر قے ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا جب تک کہ باہر نہ آجائے۔ لان: نرم ہونا۔

ترجمہ: (۲۵) اور سونا کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا کسی چیز پر ٹیک لگا کر کہ اگر اس کو ہٹا دیا جائے تو آدمی گر جائے اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

وجہ: (۱) اصل یہ ہے کہ گہری نیند سے عقل چھپ جاتی ہے اور یہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ اس حالت میں ہوا نکلی یا نہیں نکلی۔ اس لئے عقل زائل ہوتے ہی ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ اسی کو استرخاء مفاصل کہتے ہیں کہ تمام رگیں ڈھیلی ہو گئیں۔ لیکن اگر نیند گہری نہ ہو ابھی کچھ ہوش باقی ہو جیسے سجدے کی حالت میں، قیام کی حالت میں یا بیٹھے بیٹھے سو گیا تو چونکہ ابھی کچھ عقل و شعور باقی ہے اس لئے ہوا نکلنے اور وضو ٹوٹنے کا حکم نہیں لگائیں گے۔ کروٹ کے بل یا تکیہ لگا کر یا ٹیک لگا کر سونے سے عقل چھپ جاتی ہے اور نیند گہری ہوتی ہے۔ البتہ گرتا اس لئے نہیں ہے کہ تکیہ اور سہارا اس کو گرنے سے روکے ہوئے ہیں۔ اس لئے وضو ٹوٹ جائے گا (۲) حدیث میں دونوں قسم کا ثبوت ہے عن ابن عباس ان رسول اللہ ﷺ کان یسجد و ینام و ینفخ ثم یقوم فیصلی ولا یتوضأ ،فقلت له صلیت و لم تتوضأ وقد نمت ؟ فقال : انما الوضوء علی من نام مضطجعاً .زاد عثمان و هناد.فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله .(ابو داود نمبر ۲۰۲)و عن علی ابن طالب رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ وکاء السه العینان فمن نام فلیتوضا . (ابوداؤد، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۳ (۳) قال رسول الله ﷺ ان الوضوء لا یجب الا علی من نام مضطجعا فانه اذا اضطجع استرخت مفاصله. (ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم ص ۲۴ نمبر ۷۷) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ گہری نیند سونے سے وضو ٹوٹے گا۔ ہلکی نیند ہو تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن انس قال کان اصحاب رسول الله ﷺ ینتظرون العشاء الآخرة حتی تخفق روءسهم ثم یصلون ولا یتوضأون ۔(ابوداؤد شریف، باب فی الوضوء من النوم ص ۳۰ نمبر ۲۰۰ / ترمذی شریف، باب الوضوء من النوم، نمبر ۷۸) اس سے معلوم ہوا کہ بیٹھے بیٹھے یا رکوع یا سجدے میں سو جائے جس میں گہری نیند نہیں ہوتی تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ پہلو کے بل سونا سبب ہے جوڑ کے ڈھیلے ہونے کا اسلئے عادۃ کچھ نہ کچھ نکلنے سے خالی نہ ہوگا۔ اور جو عادۃ ثابت ہو وہ یقین کی طرح ہے۔

۲ و الا تکاء یزیل مُسکۃ الیقظۃلزوال المقعد عن الارض و یبلغ الاسترخاء فی النوم غایتہ بھذا النوع من الاستناد، غیر ان السند یمنعہ من السقوط **۳** بخلاف حالۃ القیام، و القعود، والرکوع، والسجود فی الصلوٰۃ وغیرھاھوالصحیح لان بعض الاستمساک باقٍ اذلو زال لسقط فلم یتم الاسترخاء

تشریح : آدمی کروٹ کے بل سوئے گا، یا ٹیک لگا کر سوئے گا تو استرخاء مفاصل ہوگا، یعنی تمام جوڑ ڈھیلے ہو جائیں گے اور اس طرح سونے سے عقل بھی مکمل طور پر سو جاتی ہے، اور عقل چھپ جاتی ہے اسلئے کچھ نہیں پتا چلتا ہے کہ ہوا نکلی یا نہیں نکلی۔ البتہ اسطرح سونے میں عموما ہوا نکل ہی جاتی ہے اسلئے ایسا یقین کر لیا گیا کہ ہوا نکل ہی گئی اور وضوٹوٹ گیا۔ وضوٹوٹنے کی یہ دلیل عقلی پیش کی ہے ورنہ اصل وجہ تو اوپر کی حدیث ہے۔ کہ رکوع، سجدے میں سونے سے وضونہیں ٹوٹیگا اور پہلو کے بل سونے سے وضوٹوٹے گا۔

ترجمہ : **۲** اور ٹیک لگانا بیداری کے کنٹرول کو زائل کرتا ہے زمین سے سرین کے اونچے ہونے کی وجہ سے اور اس قسم کے ٹیک سے نیند میں جوڑ کا ڈھیلا ہونا اپنی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ ٹیک اسکو گرنے سے روکتا ہے۔ اسلئے گرتا نہیں ہے۔ اسلئے وضوٹوٹ جائے گا۔

تشریح : ٹیک لگا کر سوئے گا تب بھی وضوٹوٹ جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کسی چیز پر ٹیک لگا کر سونے سے عقل مکمل طور پر سو جاتی ہے، اور عقل چھپ جاتی ہے، اور تمام جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں اور کچھ پتا نہیں چلتا کہ ہوا نکلی یا نہیں نکلی لیکن ایسی حالت میں عموما ہوا نکل ہی جاتی ہے۔ کیونکہ ٹیک لگانے کی حالت میں مقعد یعنی سرین بھی زمین سے اتنی چپکی ہوئی نہیں رہتی کہ ہوا نکلنے کو روک سکے اسلئے یہی سمجھا جائے گا ہوا نکل گئی اور وضوٹوٹ گیا۔ البتہ عقل کے چھپ جانے کے باوجود وہ گرتا اسلئے نہیں ہے کہ ٹیک اسکو گرنے سے روکے ہوا ہے۔

ترجمہ : **۳** بخلاف قیام، قعود، رکوع اور سجدے کی حالت کے نماز میں ہو یا غیر نماز میں ہو صحیح یہی ہے کہ ایسے سونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا اسلئے کہ کچھ کنٹرول ابھی باقی ہے اسلئے کہ عقل مکمل زائل ہو جاتی تو آدمی گر پڑتا اسلئے معلوم ہوا کہ مکمل استرخاء نہیں ہوا۔

تشریح : اگر کھڑے کھڑے سو گیا، یا بیٹھنے کی حالت میں سو گیا، یا رکوع کی حالت، یا سجدے کی حالت میں سو گیا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔ صحیح یہی ہے کہ اگر ان حالتوں میں سویا تو یہ حالتیں چاہے نماز میں ہوں چاہے نماز کے علاوہ میں ہوں وضونہیں ٹوٹے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سونے سے اگر مکمل عقل چھپ چکی ہوتی اور جوڑ پورے طور پر ڈھیلے ہو چکے ہوتے تو یہ آدمی گر چکا ہوتا کیونکہ مکمل سونے سے آدمی رکوع سجدے کی حالت میں برقرار نہیں رہ سکتا، لیکن یہ رکوع سجدے اور قیام وقعود کی حالت میں ابھی برقرار ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ ابھی نیند گہری نہیں ہے اور عقل مکمل طور پر چھپی نہیں ہے اور نہ مکمل طور پر جوڑ ڈھیلے ہوئے ہیں اسلئے اس طرح سونے سے وضونہیں ٹوٹے گا۔

۳؎و الاصل فیه قوله علیه السلام: لا وضوء علی من نام قائماً، او قاعداً، او راکعاً، او ساجداً، انما الوضوء علی من نام مضطجعاً فانه اذا نام مضطجعاًاسترخت مفاصله. (۲۶)والغلبة علی العقل بالاغماء، والجنون﴾

هو الصحیح : سے یہ اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ دوسری ظاہری روایت یہ ہے کہ نماز کے اندر رکوع سجدے کی حالت میں سوئے تو وضو نہیں ٹوٹے گا اور اگر نماز سے باہر ہوکر رکوع، سجدے، قیام اور قعود کی حالت میں سوئے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ آپ نماز کی حالت میں سوئے تھے تو فرمایا کہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔

اصول:۔ عقل زائل ہو جائے، اور مکمل طور پر جوڑ ڈھیلے ہونے سے وضو ٹوٹے گا

ترجمہ : ۳؎ وضو ٹوٹنے میں اصل تو حضور ﷺ کا قول ہے کہ اس پر وضو نہیں ہے جو کھڑے ہونے، یا بیٹھنے، یا رکوع، یا سجدے کی حالت میں سویا، وضو تو صرف اس پر ہے جو کروٹ کے بل سویا، اسلئے کہ جب کروٹ کے بل سوتا ہے تو اسکے جوڑ ڈھیلے ہو جاتے ہیں۔۔اس حدیث کا کچھ مفہوم اوپر کی حدیث میں گزر گیا۔ اور اسکے قریب سنن بیہقی میں یہ حدیث ہے۔ عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ لا یجب الوضوء علی من نام جالساً او قائماً او ساجداحتی یضع جنبه فانه اذا وضع جنبه استرخت مفاصله ،(سنن بیہقی، باب ماورد فی نوم الساجد، ج اول، ص ۱۹۴ نمبر ۵۹۸)

لغت: اضطجع : پہلو کے بل سونا، کروٹ کے بل سونا. متکأ : وکأ سے مشتق ہے تکیہ لگانا۔ مستنداً : سند سے مشتق ہے کسی چیز پر ٹیک لگانا۔ استرخاء : رخاء سے مشتق ہے، جوڑ کا ڈھیلا ہونا۔ مفاصل : مفصل کی جمع ہے، اعضاء کے جوڑ. یعری : خالی ہونا۔ مسکة: مسک سے مشتق ہے روکنا، کنٹرول کرنا. یقظة : بیداری۔ مقعد : قعد سے مشتق ہے بیٹھنا یہاں سرین مراد ہے جس پر آدمی بیٹھتا ہے. استمساک: یہ بھی مسک سے مشتق ہے، کنٹرول کرنا، گرنے سے روکنے کی عقل۔

ترجمہ:(۲۶)اور بیہوشی کی وجہ سے عقل پر غلبہ ہونا، اور جنون۔ یعنی اس سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : (۱) نیند میں جتنا جوڑ ڈھیلا ہوتا ہے اور عقل زائل ہوتی ہے بیہوشی میں اور جنون میں اس سے زیادہ عقل زائل ہوتی ہے اور جوڑ ڈھیلا ہوتا ہے اسلئے ان سے بھی وضو ٹوٹ جائے گا۔ (۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ آپؐ مرض الموت میں بیہوش ہوئے تو ہوش میں آنے کے بعد عشاء کی نماز پڑھانے کے لئے غسل فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بیہوشی کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا اسلئے ہوش میں آنے کے بعد پانی مانگا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ قال دخلت علی عائشة فقلت : الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ .....قالت ففعلنا ،فاغتسل فذهب لینوء فأغمی علیه ثم افاق فقال ﷺ :أصلی الناس ؟ قلنا : لا هم ینتظرونک یا رسول الله قال ضعوا لی ماءً فی المخضب قالت فقعد فاغتسل . (بخاری شریف، باب انما جعل الا

ل لانه فوق النوم مضطجعاً فی الاسترخاء ۲ والاغماء حدث فی الاحوال کلها وھو القیاس فی النوم الا انا عرفناه بالاثر والاغماء فوقه فلا یقاس علیه (۲۷) والقهقهة فی صلوٰة ذات رکوع وسجود ﴾

مام لیؤتم بہ،ص ۹۵ نمبر ۶۸۷ ر مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر، ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۸ / ۹۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیہوشی سے وضوٹوٹ جاتا ہے تب ہی تو بیہوشی کے بعد آپؐ نے پانی منگوایا۔(۳) ایک اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے. عن حماد قال۔: اذا افاق المجنون توضأ وضوءه للصلاة ۔(مصنف عبد الرزاق باب النوم فی الصلاۃ والمجنون اذا اعقل، ج اول، ص ۱۳۲ نمبر ۴۹۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ جنونیت اور بیہوشی میں وضوٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ بیہوشی کروٹ کے بل سونے سے زیادہ ہے جوڑ بند ڈھیلے ہونے میں۔

تشریح : کروٹ کے بل آدمی سوئے اس میں جتنا جوڑ ڈھیلا ہوتا ہے بیہوشی اور جنون میں اس سے کہیں زیادہ ڈھیلا ہوتا ہے۔کیونکہ بیہوشی اور جنون میں عقل نیند سے بھی زیادہ زائل ہوتی ہے۔اسلئے اس میں بدرجہ اولی وضوٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۲ اور بیہوش ہونا تمام حالتوں میں ناقض وضو ہے اور نیند میں بھی قیاس کا تقاضہ یہی ہے کہ تمام حالتوں میں وضوٹوٹے لیکن حدیث کی وجہ سے ہمنے اس بات کو پہچانا کہ رکوع سجدے کی حالت میں سونے سے وضونہیں ٹوٹے گا،اور بیہوشی نیند سے بھی اونچی ہے اسلئے بیہوشی کو نیند پر قیاس نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: چاہے رکوع، سجدے، قیام، اور قعود کی حالت میں بیہوشی ہوئی ہو یا کروٹ کے بل سوکر بیہوشی ہوئی ہو، چاہے نماز میں ہوئی ہو چاہے غیر نماز میں ہوئی ہو ہر حال میں بیہوشی ناقض وضو ہے کیونکہ عقل مکمل طور پر چھپ جاتی ہے اس پر قیاس کرتے ہوئے نیند کا بھی یہی حکم ہونا چاہئے کہ ہر حال میں ناقض وضو ہو لیکن حدیث میں ہے کہ رکوع، سجدے کی حالت میں نیند ناقض نہیں ہے اس سے وضونہیں ٹوٹے گا اسلئے نیند کا حکم وہی رہے گا۔اور بیہوشی میں عقل کا زوال نیند سے بہت زیادہ ہے اسلئے بیہوشی کو نیند پر قیاس نہیں کرسکتے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیہوشی رکوع، سجدے کی حالت میں ناقض وضو نہیں ہے۔

لغت : الاغماء: بیہوشی۔حدث : حدث ہونا، یہاں مراد ہے وضو کو توڑنا۔

ترجمہ:(۲۷) قہقہہ مار کر ہنسا رکوع سجدے والی نماز میں (تو اس سے بھی وضوٹوٹ جائے گا)۔

تشریح : رکوع سجدے والی نماز کی قید اس لئے لگائی کہ اگر نماز جنازہ میں قہقہہ مار کر ہنسا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔صرف نماز ٹوٹے گی۔

نوٹ: قہقہہ مار کر ہنسنے سے بدن سے کوئی نجاست نہیں نکلتی ہے اس لئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضونہ ٹوٹے۔چنانچہ اکثر ائمہ کے نزدیک قہقہہ سے وضونہیں ٹوٹتا ہے۔لیکن چونکہ ضعیف حدیث سے وضوٹوٹنا ثابت ہے اس لئے امام ابوحنیفہؒ ضعیف حدیث پر بھی عمل کر

۱؎ والقیاس انھا لاتنقض وھوقول الشافعیؒ لانہ لیس بخارج نجس ولھذالم یکن حدثاًفی صلوٰۃ الجنازۃ، و سجدۃ التلاوۃ، و خارج الصلوٰۃ ۲؎ ولناقولہ علیہ السلام:الامن ضحک منکم قھقھۃ فلیعدالوضوء، والصلوٰۃجمیعاًوبمثلہ یترک القیاس ۳؎ والاثروردفی صلوٰۃمطلقۃفیقتصرعلیھا

کے وضوٹوٹنے کے قائل ہیں۔

وجہ: (۱)حدیث میں ہے۔عن ابی العالیۃ ،و انس بن مالک : ان اعمی تردی فی بئر فضحک ناس خلف رسول اللہ ﷺ فأمر رسول اللہ من ضحک أن یعید الوضوء ،و الصلاۃ ۔(دارقطنی ،باب احادیث القھقھۃ فی الصلاۃ وعللھا ،ج اول ،ص ۱۷۰،نمبر۵۹۳رسنن بیہقی ، ،باب ترک الوضوء من القھقھۃ فی الصلوۃ ،ج اول ،ص ۲۲۶،نمبر ۶۷۹)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی ہی لیکن وضوبھی ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ : ۱؎ اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وضو نہ ٹوٹے یہی قول امام شافعیؒ کا ہے اسلئے کہ اس میں ناپاکی نہیں نکلتی اسی لئے نماز جنازہ،سجدہ تلاوت اور نماز سے باہر میں ناقض وضونہیں ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک نماز میں زور سے ہنسنے سے وضونہیں ٹوٹے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ زور سے ہنسنے سے جسم سے کوئی ناپاکی نہیں نکلتی جبکہ وضو ناپاکی نکلنے سے ٹوٹتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ نماز جنازہ، یا سجدہ تلاوت میں زور سے ہنسے تو وضونہیں ٹوٹے گا، یا نماز سے باہر زور سے ہنسے تو وضونہیں ٹوٹے گا۔(۲)اثر میں ہے کہ نماز ٹوٹ جائے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا ۔ عن جابر قال یعید الصلوۃ ولا یعید الوضوء (سنن للبیہقی ،باب ترک الوضوء من القھقھۃ فی الصلوۃ ،ج اول ،ص ۲۲۵،نمبر ۶۷۴ردارقطنی ،باب احادیث القھقھۃ فی الصلاۃ وعللھا ،ج اول ،ص ۱۸۰،نمبر ۶۴۰)صحاح ستہ میں قہقہہ والی حدیث نہیں ہے۔اس اثر سے معلوم ہوا کہ زور سے ہنسنے سے نماز تو ٹوٹے گی لیکن وضونہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے سنو جو تم میں سے زور سے ہنسے تو وہ وضو اور نماز دونوں لوٹائے۔اور اس قسم کی احادیث سے قیاس چھوڑ دیا جائے گا۔اس طرح کے مفہوم کی حدیث اوپر گزر گئی۔بیہقی نمبر ۶۸۰ردارقطنی نمبر ۶۰۴)

ترجمہ: ۳؎ اور حدیث مطلق نماز کے بارے میں وارد ہوئی ہے اسلئے اسی پر اکتفاء کیا جائے گا۔

تشریح : نماز میں زور سے ہنسنے سے وضوٹوٹ جاتا ہے یہ حدیث مطلق نماز کے بارے میں وارد ہوئی ہے جس سے مراد ہے کہ کامل نماز ہو۔یعنی رکوع سجدے والی نماز ہو۔اور نماز جنازہ کامل نہیں ہے اور نہ اس میں رکوع ہے اور نہ سجدہ ہے اسلئے کوئی اس میں ہنسے گا تو اسکا وضونہیں ٹوٹے گا (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ زور سے ہنسنے سے ٹوٹنا خلاف قیاس ہے۔اور حدیث میں دونوں کا حکم ہے کہ ٹوٹے گا بھی اور نہیں بھی ٹوٹے گا اسلئے ٹوٹنے کو اس پر محمول کیا جائے کہ کامل نماز میں ہنسے تو ٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

۴٤ والقهقهةمايكون مسموعاًله ولجيرانه والضحک مايكون مسموعاًله دون جيرانه،هوعلى ماقيل يفسد الصلوٰة دون الوضوء (۴۸) والدابة تخرج من الدبر ناقضة فان خرجت من رأس الجرح، او سقط اللحم منه لا ينقض ﴾

ترجمه: ۴٤ قهقهه: وہ ہے کہ خود بھی سنے اوراسکا پڑوس والا بھی سنے۔اور ضحک: وہ ہے کہ خود سنے اوراسکا پڑوس والا نہ سنے۔چنانچہ اسکے بارے میں کہا گیا ہے کہ نماز ٹوٹے گی لیکن وضو نہیں ٹوٹے گا۔

تشریح: اوپر والی عبارت میں قہقہہ اور ضحک کی تفسیر بیان کی ہے،اور یہ فرمایا کہ ضحک یعنی آہستہ ہنسنے سے وضو تو نہیں ٹوٹے گا البتہ نماز ٹوٹ جائے گی۔یہی بعض ائمہ نے فرمایا ہے۔

وجه: ثبوت اس حدیث میں ہے عن جابر ،عن النبی ﷺ قال : الضحک ينقض الصلاة ،و لا ينقض الوضوء ۔(دار قطنی ،باب احادیث القهقهة فی الصلاة وعللها،ص۱۸۲نمبر ۶۴۸)اس حدیث میں ہے کہ آہستہ ہنسنے سے نماز ٹوٹے گی البتہ وضو نہیں ٹوٹے گا۔اور تبسم: یہ ہے کہ اسکی آواز نہ خود سنے اور نہ اسکا پڑوس سنے۔اوراس سے نہ نماز ٹوٹے گی اور نہ وضو ٹوٹے گا۔البتہ نماز میں ایسا کرنا خلاف ادب ہے۔اس سے خشوع خضوع ختم ہو جاتا ہے جو نماز میں بہت مطلوب ہے۔وجہ:۔اسکے لئے حدیث یہ ہے عن جابر ان رسول الله ﷺ كان يصلى باصحابه صلاة العصر ،فتبسم فى الصلاة ،فلما انصرف قيل له يا رسول الله تبسمت و انت تصلى ، الخ ۔(دار قطنی ،باب احادیث القهقهة فی الصلاة وعللها،ج اول ص۱۸۳نمبر ۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ آپ مسکرائے لیکن اس سے نماز نہیں توڑی۔

ترجمه: (۴۸)اور کیڑا پیخانہ کے راستے سے نکلے تو وہ وضو توڑنے والا ہے۔پس اگر زخم کے سر سے نکلے،یا گوشت کٹ کر گر پڑے تو وضو نہیں توڑے گا۔

وجه: (۱) پیچھے گزر چکا ہے کہ پیخانہ کے راستے سے کوئی بھی چیز نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جائے گا، یہاں تک کہ وہاں سے ہوا نکلے تب بھی وضو ٹوٹے گا حالانکہ ہوا میں اتنی کم نجاست ہوتی ہے کہ نظر بھی نہیں آتی ، پھر بھی حدیث کی وجہ سے وضو ٹوٹے گا اسلئے وہاں سے اگر کیڑا نکل آیا تو بدرجہ اولی وضو ٹوٹے گا۔(۲)اثر میں ہے۔عن عطاء قال : يتوضأ اذا خرج من دبره الدودة ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۴۵ فی انسان یخرج من دبره الدودة ،ج اول ،ص۴۳ ،نمبر ۴۱۲ رمصنف عبدالرزاق ،باب الدودة یخرج من الانسان ،ج اول ص۱۶۳نمبر ۶۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پیخانے کے راستے سے کیڑا نکلے تو وضو ٹوٹ جائے گا۔لیکن اگر دوسری جگہ زخم ہے وہاں سے کیڑا نکلا ،یا گوشت کٹ کر گر پڑا تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اس کیڑے پر اتنا خون ہو کہ بہہ پڑے تب وضو ٹوٹے گا۔اور زخم کے کیڑے پر اتنا خون نہیں ہوتا کہ وہ بہہ پڑے اسلئے وہاں کیڑے کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے

۱؎ والمراد بالدابة الدودة ۲؎ و هذا لان النجس ماعليها و ذالک قليل و هو حدث فی السبلين دون غيرهما فاشبه الجشاء، والفساء ۳؎ بخلاف الريح الخارجة من القبل، والذکر لانها لا تنبعث عن محل النجاسة

گا۔اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ دم مسفوح اور دم سائل سے وضوٹوٹے گا۔عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : ليس فی القطرة و القطرتين من الدم وضوء الا ان يکون دماً سائلاً ۔(دار قطنی ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۲) اس حدیث میں ہے کہ دم سائل سے وضوٹوٹے گا،اور زخم کے کیڑے پر دم سائل نہیں ہوتا اسلئے اسکے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔اسی طرح گوشت خود تو پاک ہے اور اس پر جو نجاست ہے وہ بہت کم جو ایک درھم کی مقدار نہیں اور نہ وہ دم سائل کی حد تک ہے اسلئے اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔

ترجمہ: ۱؎ اور مراد دابۃ سے کیڑا ہے۔دابہ کا ترجمہ آتا ہے بہت بڑا جانور، اسلئے اسکی تشریح کی کہ یہاں اس سے کیڑا مراد ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور یہ اسلئے کہ جو نجاست کیڑے پر ہے وہ کم ہے۔اور یہ کم نجاست سبیلین میں تو حدث ہے ان دونوں کے علاوہ میں حدث نہیں ہے۔پس کیڑے کا نکلنا ڈکار اور پھسکی کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: کیڑے پر جو نجاست ہے وہ بہت کم ہے البتہ کم نجاست بھی سبیلین سے نکلے تو وہ ناقض وضو ہے۔اور سبیلین کے علاوہ سے نکلے تو بہنے والا ہو تو وہ ناقض وضو ہے ورنہ نہیں۔تو یہ ایسا ہو گیا جیسے ڈکار کہ وہ منہ سے نکلتا ہے تو ناقض وضو نہیں ہے۔اور وہی ہوا پیخانے کے راستے سے نکلے تو کتنا ہی کم کیوں نہ ہو ناقض وضو ہے۔کیوں کہ یہ ہوا نجس پیخانے سے گزر کر آ رہی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف وہ ہوا جو عورت کے پیشاب گاہ، اور مرد کے پیشاب گاہ سے نکلے (وہ وضو نہیں توڑے گا) اسلئے کہ وہ محل نجاست سے گزر کر نہیں آتا۔

تشریح: پیشاب گاہ کا وہ حصہ جہاں نجاست جمع رہتی ہے وہ حصہ نجاست کی وجہ سے ناپاک شمار کیا جائے گا لیکن جس حصے میں نجاست نہیں ہے وہ حصہ پاک ہے اسلئے اگر وہاں سے گزر کر کوئی ہوا آئے تو وہ ہوا ناقض وضو نہیں ہے کیونکہ وہ ناپاکی کی جگہ سے نہیں آ رہی ہے۔جیسے ڈکار ناپاکی کی جگہ سے گزر کر نہیں آتی اسلئے وہ ناقض وضو نہیں ہے۔حدث سے وضو ٹوٹ جائے گا اسکی دلیل یہ حدیث ہے سمع ابوهريرة يقول : قال رسول الله ﷺ لا تقبل صلاة من احدث حتی يتوضأ .قال رجل من حضرموت ما الحدث يا ابا هريرة ؟ قال :فساءأو ضراط ۔ (بخاری شریف، باب لا تقبل صلاۃ بغیر طھور، ص ۲۵ نمبر ۱۳۵) اس حدیث میں ہے کہ ایسی ہوا جو آواز کے ساتھ نکلے، یا ایسی ہوا جو بغیر آواز کے نکلے دونوں سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ؔ حتی لو کانت المرأۃمفضاۃ یستحب لھاالوضوء لاحتمالخروجھامن الدبر (۲۹)فان قشرت نفطۃفسال منھاماء،اوصدید،اوغیرہ ان سال عن رأس الجرح نقض وان لم یسل لاینقض ؎ وقال زفرؒ ینقض فی الوجھین،

ترجمہ : ؔ یہاں تک کہ کوئی عورت مفضات ہوتو اسکے لئے وضوکرنا مستحب ہے کیونکہ احتمال ہے کہ ہوا پیخانے کے راستے سے نکل کر آئی ہو۔

تشریح : مفضات اس عورت کو کہتے ہیں جسکے شرمگاہ میں ایسا سوراخ ہو جو پیخانے کی نالی میں جاتا ہو،تو چونکہ سوراخ کی وجہ سے پیخانے کی ہوا شرمگاہ کے راستے سے نکلنے کا امکان ہے اسلئے اس عورت کے لئے مستحب ہے کہ وضوکر لے۔اگر یہ یقین ہو کہ یہ ہوا پیخانے سے گزر کر آئی ہے اور شرمگاہ کے راستے سے باہر نکلی ہے تب تو یقیناً وضوٹوٹے گا اور وضوکرنا واجب ہوگا۔اور اگر شبہ ہو کہ شاید پیخانے سے گزر کر یہ ہوا شرمگاہ سے باہر نکلی ہے تو صرف شبہ کی بناء پر وضونہیں ٹوٹے گا۔البتہ چونکہ عورت مفضات ہے اور پیخانے کی ہوا آنے کا امکان ہے اسلئے مستحب یہ ہے کہ وضوکر لے۔کیونکہ یقین کے بغیر طہارت کاملہ نہیں ٹوٹے گی۔

لغت : الدابۃ : جانور، یہاں مراد ہے کیڑا۔جرح :زخم۔دودۃ : کیڑا۔الجشاء:ڈکار۔الفساء :پیخانے کے راستے کی ایسی ہوا کہ آواز نہ آئے ،اسکو پھسکی کہتے ہیں۔القبل :سامنے کا حصہ،عورت کی شرمگاہ .تنبعث : بعث سے مشتق ہے،اٹھنا، یہاں مراد ہے گزر کر آنا۔مفضاۃ : افضاء سے مشتق ہے،کشادہ ہونا، یہاں مراد ہے ایسی عورت جسکے پیخانے کی نالی سے شرمگاہ کے اندر سوراخ جاتا ہو۔الدبر :پیخانے کا راستہ۔

ترجمہ : (۲۹) پس اگر چھالے کا چھلکا الگ ہوااور اس سے پانی ، یا پیپ، یا اسکے علاوہ کچھ نکلا اگر وہ زخم کے سر سے بہہ پڑا تو وضوٹوٹ جائے گا اور اگر نہیں بہا تو وضونہیں ٹوٹے گا۔

وجہ : (۱)زخم پر چھلکا پڑا ہوا تھا چھلکا ہٹنے کے بعد اندر سے خون، یا پانی، یا کچا لہو، پیپ نکلا لیکن زخم کے سر سے بہا نہیں تو وضونہیں ٹوٹے گا اور اگر بہہ پڑا تو اب وضوٹوٹے جائیگا اسکی وجہ پہلے حدیث گزر چکی ہے کہ دم سائل ہو تو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔حدیث یہ ہے،لیس فی القطرۃ و القطرتین من الدم وضوء الا ان یکون دماً سائلاً۔(دار قطنی ،باب فی الوضوء من الخارج من البدن، ج اول،ص ۱۶۳ نمبر ۵۷۲)(۲)اثر میں ہے عن عطاء الشجۃ یکون بالرجل قال : ان سال الدم فلیوضأ ،و ان ظھر و لم یسل فلا وضوء علیہ ۔(مصنف عبدالرزاق ،باب الوضوء من الدم، ج اول ص ۱۴۳ نمبر ۵۴۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بہے گا تو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

ترجمہ : ؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں وضوٹوٹ جائے گا۔یعنی خون اور پیپ زخم سے بہے تب بھی وضوٹوٹے گا

۲؎ و قال الشافعیؒ لا ینقض فی الوجهین ۳؎ و هی مسألة الخارج من غیر السبیلین ۴؎ وهذه الجملة نجسة لان الدم ینضج فیصیر قیحاً ثم یزدادنضجاً فیصیر صدیداًثم یصیرماء ۵؎ھذا اذا قشرهافخرج بنفسه،واما اذاعصر ها فخرج بعصره فلا ینقض لانه مخرج و لیس بخارج، واللہ اعلم

اور نہ بہے تب بھی وضوٹوٹے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں بہے یا نہ بہے دونوں صورتوں میں وضوٹوٹے گا۔دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن ابی نجیح قال : سألت عطاء ومجاهدا عن الجرح یکون فی ید الانسان فیکون فیه دم یظهر و لا یسیل ؟ قال مجاهد یتوضأ ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الوضوء من الدم، ج اول،ص۱۴۴،نمبر ۵۴۸)اس اثر میں ہے کہ خون نہ بہے تب بھی وضوٹوٹے گا۔

ترجمہ : ۲؎ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ دونوں صورتوں میں نہیں ٹوٹے گا،اسکی وجہ پہلے گزرچکی ہے کہ سبیلین کے علاوہ سے خون نکلے تو چاہے بہے یا نہ بہے کسی حال میں ناقض وضو نہیں ہے۔انکی دلیل پہلے گزرچکی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ یہ مسئلہ سبیلین کے علاوہ سے خون نکلنے اسکا ہے۔پیشاب اور پیخانے کے راستے سے نجاست نکلے تو امام شافعیؒ کے نزدیک بھی وضوٹوٹے گا۔لیکن یہاں بات یہ ہے کہ سبیلین کے علاوہ سے خون پیپ نکلے تو وضوٹوٹے گا یا نہیں اسکا حکم بیان کیا جارہا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ یہ تمام ناپاک ہیں،اسلئے کہ خون پکتا ہے تو کچا خون ہوتا ہے،پھر زیادہ پکتا ہے تو پیپ ہوتا ہے،پھر بعد میں پانی ہوجاتا ہے۔وجہ: چونکہ یہ تمام خون سے ہی بنتے ہیں اسلئے خون کی طرح یہ تمام ناپاک ہیں۔

ترجمہ : ۵؎ یہ تمام تفصیل اس وقت ہے جبکہ اسکا چھلکا ہٹایا تو خون خودبخود نکل گیا،اور اگر اسکو نچوڑا پھر نچوڑنے سے خون نکلا تو وضو نہیں ٹوٹے گا،اسلئے کہ یہ نکالا گیا ہے خود نہیں نکلا ہے ۔

تشریح : زخم کا چھلکا ہٹایا اور خون نکل کر بہہ پڑا تو وضوٹوٹے گا،کیونکہ یہ خون عموماً زیادہ ہوتا ہے اور دم سائل کی حدتک پہونچا ہوا ہوتا ہے،لیکن اگر نچوڑ کر نکالا تو عموماً خون تھوڑا ہوتا ہے اور دم سائل کی حدتک پہنچا ہوا نہیں ہوتا اسلئے وہ ناقض وضو نہیں ہے۔تاہم اگر دم سائل کی حدتک پہنچ جائے تو وضوٹوٹ جائے گا۔پچھلے دلائل کی روشنی میں یہی معلوم ہوتا ہے۔

اصول: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ نجاست زیادہ ہو تو وضوٹوٹے گا ورنہ نہیں۔

لغت : قشرت : کھال چھلنا.نفطة: پھوڑا پھنسی۔صدیدا : پیپ۔ینضج : پکتا ہے،پھل یا گوشت کا پکنا۔قیحاً: پیپ،وہ خون جو پیپ مائل ہو.عصر : نچوڑا۔خارج:خودبخود نکلنے والا. مخرج :جسکو نکالا گیا ہو۔

خلاصہ وضوتوڑنے والی چیزیں پانچ طرح کی ہیں (۱) سبیلین سے کچھ نکلے (۲) بدن کے کسی بھی حصے سے نجاست نکلے (۳) منہ سے قے نکلے (۴) عقل زائل ہو جائے (۵) قہقہہ مار کر ہنسے۔

Documents\3) JPEG CLIPART\191_Tree_of_life.jpg not found.

﴿فصل فی الغسل﴾

(۳۰)و فرض الغسل، المضمضة، والاستنشاق، وغسل سائر البدن ﴾ ۱ وعندالشافعیؒ هماسنتان فيه،لقوله عليه السلام:عشر من الفطرة،ای من السنةوذكرمنها المضمضة، و الاستنشاق، و لهذا كانا سنتين فی الوضوء.

﴿غسل کے فرائض کا بیان﴾

ترجمہ: (۳۰)غسل کے فرائض (۱)کلی کرنا (۲) ناک میں پانی ڈالنا (۳)اور پورے بدن کودھونا ہے۔

تشریح : اصل میں پورے بدن پر پانی پہنچانا ہے کہ ایک بال برابر بھی خشک نہ رہ جائے۔اور منہ اور ناک کے حصے بھی بدن کے باہر کے حصے شمار کئے جاتے ہیں۔اس لئے کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر وہاں تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔

وجہ: (۱) آیت میں ہے و ان كنتم جنبا فاطهروا (آیت ۶،سورۃ المائدۃ ۵) آیت میں ہے کہ جنابت کی حالت میں خوب خوب پاکی حاصل کرو اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ کلی کر کے اور ناک میں پانی ڈال کر ہر جگہ پانی پہنچایا جائے۔اس لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں فرض ہیں (۲) حدیث میں ہے عن علی قال ان رسول الله ﷺ قال من ترک موضع شعره من جنابة لم يغسلهافعل بها كذا كذا من النار (ابوداؤدشریف،باب فی الغسل من الجنابۃ ص ۳۸ نمبر ۲۴۹) معلوم ہوا کہ ایک بال برابر بھی غسل میں خشک رہ جائے تو غسل نہیں ہوگا اسی لئے کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا ضروری ہے۔(۳) عن ابی هريرة ان النبی ﷺ جعل المضمضة والاستنشاق للجنب ثلاثا فريضة (سنن دار قطنی، باب ماروی فی مضمضۃ والاستنشاق فی غسل الجنابۃ ج اول ص ۱۲۱ نمبر ۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ جنبی پر کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا فرض ہے۔

ترجمہ : ۱ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت ہیں حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ دس باتیں فطرت میں سے ہیں ،یعنی سنت ہیں اور ان باتوں میں کلی اور ناک میں پانی ڈالنے کا بھی ذکر ہے (۲) اور اسی لئے یہ دونوں وضو میں سنت ہیں۔(موسوعۃ نمبر ۵۳۵)۔

وجہ: (۱)امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث یہ ہے۔عن عائشة قالت : قال رسول الله ﷺ : عشر من الفطرة قص الشارب ،و اعفاء اللحية ،و السوک ،و استنشاق الماء ،وقص الاظفار ،و غسل البراجم ،و نتف الابط ،و حلق العانة ،و انتقاص الماء ،قال زكريا قال مصعب : و نسيت العاشرةالا ان تكون المضمضة . (مسلم شریف، باب خصال الفطرۃ ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۱ / ۶۰۴ ،ابوداود شریف، باب السواک من الفطرۃ ص ۹ نمبر ۵۳) اس حدیث سے امام شافعیؒ غسل میں بھی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا سنت قرار دیتے ہیں (۲)۔دار قطنی میں دوسری حدیث ہے۔ سن رسول الله

۲ ولنا قوله تعالیٰ و ان کنتم جنباً فاطھروا امر بالاطھار وھو تطھیرجمیع البدن الا ان ما تعذر ایصال الماء الیه خارج **۳** بخلاف الوضوء لان الواجب فیه غسل الوجه، و المواجھة فیھما منعدمة **۴** والمراد بما روی حالة الحدث بدلیل قوله علیه السلام انھما فرضان فی الجنابة سنتان فی الوضوء.

ﷺ الاستنشاق فی الجنابة ثلاثا (کتاب الصلوۃ، ج اول،ص ۱۲۱،نمبر ۴۰۱) اس سے وہ سنت ثابت کرتے ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا غسل میں بھی فرض ہے۔

ترجمه : **۲** اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول ہے۔وان کنتم جنباً فاطّھروا ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) میں خوب خوب پاک کرنے کا حکم دیا ہے اور وہ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ تمام بدن کو پاک کرے مگر جہاں پانی پہنچانا مشکل ہو وہ جگہ اس سے خارج ہے۔

تشریح: آیت میں،فاطھروا ،تشدید کا صیغہ ہے جسکا مطلب ہے کہ خوب خوب پاک کرو یعنی جہاں جہاں انگلی پہنچ سکتی ہو وہاں تک دھوؤ اور ناک اور منہ میں آسانی سے پانی جا سکتا ہے اسلئے ان دونوں کو بھی آیت کی بناء پر دھونا فرض ہوگا۔البتہ جہاں پانی پہنچانا مشکل ہے جیسے ناک کے نرمے سے بھی اوپر، یا کان کے سوراخ کے اندرونی حصے میں تو وہاں پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے کیونکہ یہ تکلیف مالا یطاق ہے۔اور آیت میں ہے. لا یکلف اللہ نفسا ًالا وسعھا ۔(آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) کہ وسعت سے زیادہ اللہ تکلیف نہیں دیتے۔

ترجمه : **۳** بخلاف وضو کے اسلئے کہ اس میں واجب چہرے کا دھونا ہے اور ناک کے اندر اور منہ کے اندر مواجہت نہیں ہے۔اسلئے ان دونوں کے اندر دھونا واجب نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب دے رہے ہیں کہ وضو کی آیت میں وجہ کا حکم ،یعنی چہرے کو دھونا واجب ہے اور وجہ کا ترجمہ ہے جو سامنے نظر آئے اور منہ کے اندر اور ناک کے اندر سامنے نظر نہیں آتا اسلئے آیت کی بنیاد پر وضو کے اندر اسکا دھونا واجب نہیں ہوگا۔

ترجمه : **۴** اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی اس حدیث کا مطلب یہ کہ وہ حدث کی حالت کے بارے میں ہے۔حضور کی حدیث کی دلیل کی وجہ سے: کہ یہ دونوں یعنی کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔

تشریح :امام شافعیؒ نے حدیث پیش کی تھی کہ دس باتیں فطرت میں سے ہیں یعنی سنت ہیں تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وضو میں یہ دونوں سنت ہیں اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ وضو میں مضمضہ اور استنشاق سنت ہیں۔جیسا کہ امام شافعی والی حدیث میں گزری۔البتہ جنابت میں یہ دونوں فرض ہیں اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن ابی ھریرۃ : ان النبی ﷺ جعل المضمضة و الاستنشاق

(۳۱) سنــنه ان يبدأ المغتسل فيغسل يديه، و فرجه، و يزيل النجاسة ان كانت على بدنه ثم يتوضأ و ضوئه للصلوٰة الا رجليه ثم يفيض الماء على رأسه، و سائر جسده ثلاثا، ثم يتنحى عن ذالك المكان، فيغسل رجليه ﴾ ل هكذا حكت ميمونةؓ اغتسال رسول الله ﷺ

للجنب ثلاثا فريضة ۔(دار قطنی باب ماروی فی المضمضۃ والاستنشاق فی غسل الجنابۃ ،ج اول ،ص ۱۲۱نمبر ۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ مضمضۃ اور ستنشاق جنابت میں فرض ہیں۔

(**نــــوٹ**) صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث کہ یہ دونوں جنابت میں فرض ہیں اور وضو میں سنت ہیں۔دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔جنابت میں مضمضۃ اور استنشاق فرض ہیں اسکی دلیل اوپر والی دار قطنی ،نمبر ۴۰۳ ،کی حدیث ہے، اور یہ دونوں وضو میں سنت ہیں اسکے لئے مسلم شریف کی فطرت والی حدیث ہے۔

لـغت : مضمضة :کلی کرنے کومضمضۃ کہتے ہیں۔ استنشاق : نشق سے مشتق ہے، ناک میں پانی ڈالنا.اطّھر :باب افّعّلّ سے ہے خوب خوب پاک کرنا۔مواجھۃ: وجہ سے مشتق ہے آمنے سامنے ہونا. منعدمۃ: عدم سے مشتق ہے معدوم ہونا، کچھ نہ ہونا۔

ترجمه : (۳۱) غسل کی سنتیں یہ ہیں (۱) غسل کرنے والا پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کو دھوئے (۲) اور اپنی شرم گاہ کو دھوئے (۳) اور نجاست کو زائل کرے اگر اس کے بدن پر ہو (۴) پھر نماز کے وضو کی طرح وضو کرے مگر پاؤں ابھی نہ دھوئے (۵) پھر اپنے سر پر پانی بہائے (۶) اور پورے بدن پر تین مرتبہ پانی بہائے (۷) پھر اس جگہ سے الگ ہو جائے (۸) پھر دونوں پاؤں کو دھوئے۔

وجـــه : یہ آٹھ کام اسی ترتیب سے سنت ہیں۔پاؤں پہلے اس لئے نہ دھوئے کہ غسل کا پانی پاؤں کے پاس جمع ہوگا اور پاؤں کو ناپاک کر دے گا۔اس لئے اس کو اخیر میں دھوئے۔البتہ پانی پاؤں کے پاس جمع نہ ہوتا ہو تو پہلے بھی پاؤں دھو سکتا ہے۔حدیث میں اسی ترتیب سے ان سنتوں کا ذکر ہے۔ حدثتني خالتي ميمونة قالت : ادنيت لرسول الله ﷺ غسله من الجنابة،فغسل كفيه مرتين او ثلاثاً ،ثم ادخل يده فى الاناء ،ثم افرغ به على فرجه ،و غسله بشماله ،ثم ضرب بشماله الارض ،فدلكها دلكاً شديدا، ثم توضأ وضوئه للصلاة ثم افرغ على رأسه ثلاث حفنات ملء كفه،ثم غسل سائر جسده ،ثم تنحى عن مقامه ذالك فغسل رجليه ،ثم اتيته بالمنديل فرده (مسلم شریف، باب صفۃ غسل الجنابۃ ص ۱۴۷ نمبر ۷۲۲/۳۱۷ بخاری شریف، باب الغسل مرۃ واحدۃ ،ص ۳۹ ،نمبر ۲۵۷) اس حدیث سے ترتیب کے ساتھ سنتیں ثابت ہوئی ہیں۔

تـرجـمـه : ل اسی ترتیب سے حضرت میمونہؓ نے رسول اللہ ﷺ کے غسل کو بیان فرمایا۔اس مضمون کے لئے مسلم شریف کی

۲؎ و انما يؤخر غسل رجليه لانهما في مستنقع الماء المستعمل فلا يفيد الغسل حتى لو كان على لوح لايؤخر ۳؎ وانما يبدأ بازالة النجاسة الحقيقية كيلا تزداد باصالة الماء (۳۲) وليس على المرأة ان تنقض ضفائرها في الغسل اذا بلغ الماء اصول الشعر ﴾

حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمه : ۲؎ پاؤں دھونے کو موخر اسلئے کرے کہ دونوں پاؤں مستعمل پانی کے جمع ہونے کی جگہ میں ہیں اسلئے پاؤں دھونے سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا ہاں اگر کسی تختے پر ہو تو دھونا موخر نہ کرے۔

وجه : (۱) غسل کا مستعمل پانی پاؤں کے پاس جمع ہے اسلئے اگر پاؤں دھوئے گا تو مستعمل پانی پھر پاؤں میں لگ جائے گا اور پاؤں دوبارہ ناپاک ہو جائے گا اسلئے وہاں سے ہٹنے سے پہلے پاؤں دھونے سے کوئی فائدہ نہیں ہے اسلئے وہاں سے ہٹنے کے بعد پاؤں دھوئے۔(۲) مسلم شریف کی حدیث میں بھی تھا کہ حضورؐ غسل کی جگہ سے ہٹے پھر پاؤں دھویا حدیث یہ ہے **حدثتنی خالتی میمونة .....ثم تنحیٰ عن مقامه ذالک فغسل رجليه**۔(مسلم نمبر ۷۲۲) کہ اپنی جگہ سے ہٹے پھر پاؤں دھویا۔

ترجمه:۳؎ اور نجاست حقیقیہ کو پہلے زائل کرے تا کہ پانی کے لگنے سے ناپاکی زیادہ نہ ہو جائے

وجه : (۱) اگر جسم پر نجاست حقیقی ہو تو سب سے پہلے اسکو دھوئے تا کہ پانی لگنے کی وجہ سے مزید پھیلے نہیں اور جسم کے دوسرے حصے کو ناپاک نہ کرے۔(۲) مسلم شریف کی حدیث میں تھا کہ آپؐ نے پہلے اپنے فرج کی نجاست کو دھویا۔عبارت یہ تھی۔**ثم افرغ به علیٰ فرجه ،و غسله بشماله**۔(مسلم نمبر ۷۲۲)

لغت : **فرج** : شرمگاہ، **يفيض** : بدن پر پانی بہائے **يتنحی** : **نحی** سے مشتق ہے،ایک کنارے ہو جائے،ہٹ جائے. **مستنقع** : **نقع** سے مشتق ہے، پانی جمع ہونے کی جگہ. **يبدأ** : **بدأ** سے مشتق ہے،شروع کرنا۔**اصابة**: پہنچنا، پانی کا لگنا۔

ترجمه: (۳۲) عورت پر نہیں ہے کہ غسل میں اپنے جوڑے کو کھولے اگر پانی بال کی جڑ میں پہنچ جائے۔

وجه: (۱) قاعدے کے اعتبار سے جنابت، حیض اور نفاس کے غسل میں بالوں کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری ہونا چاہئے۔یہی وجہ ہے کہ مرد کو جوڑا ہو تو اس کو کھولنا اور بالوں پانی میں پہنچانا ضروری ہے۔لیکن عورت کو حضورؐ نے بار بار کی پریشانی کی وجہ سے خصوصی رعایت دی ہے کہ اگر سر کے تمام بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جائے تو جوڑے کو کھولنا ضروری نہیں (۲) حدیث میں ہے عورتوں کو جوڑا کھولنا ضروری نہیں ہے اگر بالوں کی جڑ تک پانی پہنچ جاتا ہو۔**عن ام سلمة قالت قلت يا رسول الله ﷺ انی امرأة اشد ضَفر رأسی افأنقضه لغسل الجنابة ؟قال لا ، انما يكفيك ان تحثی علی رأسک ثلاث حثيات ثم تفيضين عليک الماء فتطهرين** (مسلم شریف،باب حکم ضفائر المغتسلة ص ۱۴۹ نمبر ۷۴۲/۳۳۰،ابوداؤد شریف،باب المرأة هل تنقض

۱؎ لقوله عليه السلام لام سلمةؓ يكفيك اذا بلغ الماء اصول شعرك، و ليس عليها بل ذوائبها هو الصحيح لما فيه من الحرج ۲؎ بخلاف اللحية لانه لا حرج في ايصال الماء الى اثنائها.

شعرھاعندالغسل نمبر۲۵۱)اس حدیث کے چار حدیثوں کے بعد عائشہؓ کی حدیث ہے جس میں یہ لفظ ہے **ثم تصب على رأسها فتدلكه دلكا شديدا حتى تبلغ شؤن رأسها** (مسلم شریف، باب استعمال المغتسلة من الحیض فرصة من مسک فی موضع الدم ص ۱۵۰ نمبر ۳۳۲/۷۵۰)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ پانی بالوں کی جڑوں کے اندر پہنچانا ضروری ہے تب غسل ہوگا۔اگر جوڑا نہیں کھولا اور پانی جڑ تک نہیں پہنچا تو عورتوں کا غسل نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ حضورؐ نے ام سلمہؓ سے کہا تمکو غسل کرنا کافی ہے جبکہ پانی تمہارے بالوں کی جڑ تک پہنچ جائے،اورعورت پر اسکے گیسو کوتر کرنا ضروری نہیں ہے یہی صحیح ہے اسلئے کہ اس میں حرج ہے۔

تشریح : اوپر کی حدیث دوحدیثوں کا مجموعہ ہے اور دونوں حدیثیں اوپر گزر گئی۔اور گیسوتر کرنے میں حرج ہے اسلئے عورت پر غسل جنابت میں بھی گیسوکوتر کرنا واجب نہیں ہے۔اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۲؎ بخلاف داڑھی کے اسلئے کہ پانی اسکے بیچ میں پہنچانے میں حرج نہیں ہے۔غسل میں داڑھی کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے کیونکہ اسکے اندر پانی پہنچانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور حدیث کے اعتبار سے بھی پانی پہنچانا ضروری ہے۔

فائدہ: بعض ائمہ کے نزدیک بال کی جڑ تک پانی پہنچانا ضروری نہیں ہے۔ان کا استدلال حدیث **انما تحثى على رأسك ثلاث حثيات ،ثم تفيضين عليك الماء فتطهرين** ۔(مسلم،۷۴۴/۳۳۰)سے ہے کیونکہ اس حدیث میں بال کی جڑ میں پانی پہنچانے کی شرط نہیں ہے صرف سر پر پانی ڈالنے کا حکم ہے۔

لغت: تنقض : نقض سے کھولنا، ضفائر : ضفيرة کی جمع جوڑا۔بل: تر کرنا۔ذوائبھا: ذائبۃ کی جمع ہے،چوٹی،گیسو۔اثنا: درمیان میں۔

(۳۳) و قال (القدوری) المعانی الموجبة للغسل: انزال المنی علی وجه الدفق و الشهوة من الرجل و المرأة ﴾ ۱ ﴿حالة النوم،والیقظة، ۲ وعند الشافعیؒ خروج المنی کیف ما کان یوجب الغسل لقوله علیہ السلام:الماء من الماء،ای الغسل من المنی

﴿ غسل واجب ہونے کے اسباب ﴾

ترجمہ:(۳۳)غسل واجب کرنے والے امور (ا) منی نکلنا کودکر شہوت کے ساتھ مرد سے اور عورت سے۔

ترجمہ: ۱ نیند کی حالت میں اور بیداری کی حالت میں۔

تشریح:جن اسباب کے ہونے سے غسل فرض ہوجاتا ہے یہاں ان امور کا تذکرہ ہے۔ان میں سے یہ ہے کہ مرد یا عورت سے شہوت کے ساتھ کود کر منی نکلے تو غسل فرض ہوجائے گا۔

وجہ : (ا) منی نکلنے سے غسل فرض ہوگا اسکی دلیل یہ آیت ہے و ان کنتم جنبا فاطهروا ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں ہے کہ جنابت ہو یعنی منی نکلے تو غسل فرض ہے۔(۲) منی کود کر اور شہوت سے نکلے تو غسل واجب ہوگا۔لیکن بغیر شہوت کے نکلے جیسے جریان کے مرض میں ہوتا ہے تو غسل واجب نہیں ہوگا صرف وضو ٹوٹے گا۔حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔عن علی رضی الله عنه قال له رسول الله ﷺ لا تفعل اذا رأيت المذی فاغسل ذكرك و توضأ وضوئك للصلوة فاذا فضخت الماء فاغتسل (ابوداؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۶) مسند احمد میں یوں عبارت ہے اذا حذفت فاغتسل من الجنابة و اذا لم تكن حاذفا فلا تغتسل (مسند احمد، علی بن ابی طالب، ج اول، ص ۱۷۳، نمبر ۸۴۹) حذفت اور فضخت کا ترجمہ ہے کہ منی کود کر نکلے تو غسل کرو۔اور یہ شہوت کے ساتھ نکلنے میں ہوتا ہے (۳) مذی اور ودی بھی منی کا ایک حصہ ہے لیکن کود کر نہیں نکلتی اس لئے ان میں غسل لازم نہیں ہے۔اسی طرح منی بیماری کی وجہ سے پانی کی طرح پتلی ہوجائے اور نکلتے وقت نہ لذت ہو اور نہ کودنا ہو اور ودی کی طرح نکلے تو ظاہر ہے کہ اس میں منی کی خصوصیت نہ رہی اس لئے اس سے غسل واجب نہ ہوگا۔

ترجمہ : ۲ اور امام شافعیؒ کے نزدیک منی کیسے بھی نکلے غسل واجب ہوجاتا ہے حضور کی حدیث کی وجہ سے۔الماء من الماء، یعنی غسل منی نکلنے کی وجہ سے واجب ہوتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی رائے یہ ہے کہ منی شہوت کے ساتھ نکلے یا بغیر شہوت کے غسل واجب ہوجاتا ہے کیونکہ حدیث میں مطلق ہے کہ منی نکلے تو غسل کرو اسلئے بغیر شہوت کے نکلے تب بھی غسل واجب ہوگا۔حدیث یہ ہے عن ابی سعید الخدری .....قال رسول الله ﷺ انما الماء من الماء ۔(مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام یوجب الغسل ص ۱۵۵ نمبر

۳؎ ولنا ان الامر بالتطهیر یتناول الجنب، و الجنابة فی اللغة خروج المنی علی وجه الشهوة یقال اجنب الرجل اذا قضی شهوته من المرأة، ۴؎ والحدیث محمول علی الخروج عن شهوة ۵؎ ثم المعتبر عند ابی حنیفةؒ و محمد انفصاله عن مکانه علی وجه الشهوة ۶؎ و عند ابی یوسفؒ ظهوره ایضاً اعتباراً للخروج بالمزایلة اذا الغسل یتعلق بهما

۳۴۳/۵۷۷ ابوداود شریف، باب فی الاکسال ص ۳۲ نمبر ۲۱۷) اس لئے شہوت کے بغیر بھی منی نکل جائے تو غسل واجب ہوگا۔

نوٹ: عورت کی منی نکل جائے تو اس پر بھی غسل لازم ہوگا۔ دلیل حدیث میں ہے عن ام سلمة ... فهل علی المرأة من غسل اذا احتلمت؟ فقال رسول الله ﷺ نعم اذا رات الماء (یعنی المنی) (د) (مسلم شریف، باب وجوب الغسل علی المرأۃ بخروج المنی منہا ص ۱۴۵ نمبر ۳۱۳/۷۱۲)۔

ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ آیت میں پاک کرنے کا حکم جنبی کو شامل ہے۔ اور لغت میں جنبی کہتے ہیں شہوت کے ساتھ منی نکلنے کو۔ چنانچہ عرب میں کہتے ہیں اجنب الرجل: جب عورت سے شہوت پوری کرے۔

تشریح: آیت میں حکم ہے کہ جنبی غسل کرے اور عرب جنبی اسکو کہتے ہیں جو اپنی بیوی سے شہوت پوری کرے، جس سے معلوم ہوا کہ شہوت کے ساتھ منی نکلے تب ہی غسل واجب ہوگا۔ اگر جریان کی وجہ سے بغیر شہوت کے منی نکل گئی تو غسل واجب نہیں ہوگا۔ اصل وجہ تو اوپر کی ابوداؤد، اور مسند احمد کی حدیث ہے جس میں ہے کہ منی کو دکر نکلے یعنی شہوت کے ساتھ نکلے تو غسل واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۴؎ اور شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث شہوت کے ساتھ نکلنے پر محمول ہے۔ یعنی امام شافعیؒ نے جو حدیث پیش کی ہے انما الماء من الماء۔ تو اسکا مطلب یہ ہے کہ شہوت کے ساتھ منی نکلے تو غسل واجب ہے۔ اسی معنی پر حدیث محمول ہے۔

ترجمہ: ۵؎ پھر امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اپنی جگہ سے شہوت کے ساتھ جدا ہونے کا اعتبار ہے۔ یعنی جس وقت منی کی تھیلی سے منی جدا ہو رہی ہو اس وقت شہوت ہو چاہے باہر نکلتے وقت شہوت نہ ہو پھر بھی غسل واجب ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک باہر نکلتے وقت بھی شہوت ہو قیاس کرتے ہوئے خروج کو جدا ہونے پر اسلئے کہ غسل دونوں کے ساتھ متعلق ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ منی کی تھیلی سے جدا ہونے کے وقت بھی شہوت ہو اور عضو تناسل سے جب باہر ہو رہی ہو تب بھی شہوت ہو تب غسل واجب ہوگا۔ وہ فرماتے ہیں کہ منی کی تھیلی سے کھسکتے وقت جس طرح شہوت ضروری ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے عضو تناسل سے باہر نکلتے وقت بھی شہوت ضروری ہونی چاہئے۔ کیونکہ غسل کا تعلق تھیلی سے کھسکنے سے بھی ہے اور عضو تناسل سے باہر نکلنے سے بھی ہے۔ چنانچہ اگر کسی کی منی اسکی تھیلی سے شہوت کے ساتھ کھسکی اور اس نے عضو تناسل کو پکڑ لیا پھر شہوت ختم ہونے

ے ولهما انه متی وجب من وجه فالاحتیاط فی الایجاب (۳۴) و التقاء الختانین من غیر انزال ﴾

لے لقوله علیہ السلام اذا التقی الختانان و غابت الحشفة وجب الغسل انزل او لم ینزل،

کے بعد منی کو باہر نکلنے دیا تو چونکہ باہر نکلتے وقت شہوت نہیں ہے اسلئے غسل واجب نہیں ہوگا۔لیکن تھیلی سے کھسکتے وقت شہوت ہے اسلئے طرفین کے نزدیک غسل واجب ہوگا۔

ترجمه : ے طرفین کی دلیل یہ ہے کہ جب کسی ایک وجہ سے واجب ہوا تو واجب کرنے میں ہی احتیاط ہے۔یعنی غسل کا وجوب کھسکنے پر بھی ہے اور باہر نکلنے پر بھی ہے تو ایک وجہ سے بھی واجب ہو جائے تو غسل واجب کر دینا چاہئے احتیاط کا تقاضا یہی ہے۔

لغت : الدفق: کود کر نکلنا۔یقظة : بیداری میں۔انفصال : جدا ہونا۔مزایلة : زائل ہونا، کھسکنا۔

ترجمه: (۳۴) مرد اور عورت کی شرمگاہوں کے ملنے سے منی کے انزال کے بغیر۔

تشریح: عورت کے فرج داخل میں ایک پردہ ہوتا ہے جس کو اہل عرب ختنہ کرتے تھے یہ عورت کے ختنہ کی جگہ ہے۔اس مقام تک مرد کے ختنہ کی جگہ یعنی حشفہ داخل ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا۔چاہے منی کا انزال نہ ہو تب بھی۔

وجه: (۱) جگہ کے پوشیدہ ہونے کی وجہ سے پتہ نہیں چلے گا کہ منی نکلی یا نہیں نکلی۔اس لئے سبب انزال کو انزال کی جگہ پر رکھ کر غسل واجب ہو جائے گا (۲) حدیث میں ہے کہ شروع اسلام میں یہ تھا کہ جب تک منی نہ نکلے تب تک غسل واجب نہیں ہوتا تھا۔اور یہ حدیث مشہور تھی انما الماء من الماء (مسلم شریف، باب بیان ان الجماع کان فی اول الاسلام لا یوجب الغسل الا ان ینزل المنی وبیان نسخه وان الغسل یجب بالجماع ص ۱۵۵ نمبر ۳۴۳/۷۷۵) لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ ہو گیا۔اور اس بات پر اجماع ہو گیا کہ صرف جماع کرنے سے غسل واجب ہو جائے گا۔چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو۔اوپر ہی کے باب میں یہ حدیث ہے عن عائشةؓ قال رسول الله ﷺ اذا جلس بین شعبها الاربع ومس الختان الختان فقد وجب الغسل . (مسلم شریف باب بیان ان الجماع الخ ص ۱۵۶ نمبر ۳۴۹/۷۸۵/ابوداؤد، باب فی الاکسال ص ۳۲ نمبر ۲۱۶) میں منسوخ کے مسئلے کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔تفصیل اس طرح ہے ان ابی بن کعب اخبره ان رسول الله ﷺ انما جعل ذلک رخصة فی اول الاسلام لقلة الثیاب ثم امر بالغسل ونهی عن ذلک (ابوداؤد، باب فی الاکسال نمبر ۲۱۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہوگا چاہے انزال نہ ہوا ہو۔

ترجمه : لے حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جب ختنے کا مقام ختنے کے مقام سے مل جائے اور حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب ہو جائے گا انزال ہوا ہو یا نہ ہوا ہو۔یہ حدیث دو حدیثوں کا مجموعہ ہے جسکا ایک ٹکڑا تو اوپر حضرت عائشہ کی حدیث گزری اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال : اذا جلس بین شعبها الاربع ثم جهدها فقد وجب علیه

۲ ولانہ سبب للانزال و نفسہ یتغیب عن بصرہ وقد یخفی علیہ لقلتہ فیقام مقامہ، ۳ و کذا الایلاج فی الدبر لکمال السببیۃ، ۴ ویجب علی المفعول بہ احتیاطا.

الغسل. وفی حدیث مطر : و ان لم ینزل ۔(مسلم شریف، باب نسخ الماء من الماء ووجوب الغسل بالتقاء الختانین، ص ۱۵۶ نمبر ۷۸۳/۳۴۸)اس حدیث میں وان لم ینزل کا لفظ موجود ہے۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے بھی کہ فرج میں داخل ہونا انزال کا سبب ہے۔اور خود عضو تناسل نگاہ سے غائب ہوتا ہے اور منی کم ہونے کی وجہ سے بعض مرتبہ پتہ بھی نہیں چلتا ہے اسلئے حشفہ کے داخل ہونے کو انزال کے قائم مقام قرار دے دیا (اور غسل واجب کر دیا)

تشریح: حشفہ غائب ہونے سے غسل واجب ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ جب حشفہ غائب ہو گیا تو منی نکلی یا نہیں نکلی بعض مرتبہ اسکا پتہ نہیں چلتا ہے کیونکہ منی کم ہوتی ہے اسلئے حشفہ غائب ہونے کو ہی منی نکلنے کے قائم مقام قرار دے کر غسل واجب کر دیا گیا۔

ترجمہ : ۳ ایسے ہی غسل واجب ہوگا دبر میں داخل کرنے سے سبب کے مکمل ہونے کی وجہ سے۔یعنی عضو تناسل دبر میں اتنا داخل کر دیا کہ حشفہ غائب ہو گیا تو چاہے منی کا خروج نہ ہوا ہو پھر بھی غسل واجب ہو جائے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ جتنی لذت عورت کی شرمگاہ میں ہوتی ہے تقریبا اتنی ہی لذت دبر میں بھی ہوتی ہے۔اور یہاں بھی حشفہ غائب ہونے کے بعد بعض مرتبہ پتہ نہیں چلتا ہے کہ منی نکلی یا نہیں نکلی اسلئے حشفہ کے غائب ہونے کو منی نکلنے کے درجے میں رکھ کر غسل واجب کر دیا جائے گا۔ کیونکہ حشفہ کا غائب ہونا اور لذت کا مکمل ہونا دونوں سبب پورے ہیں اسلئے التقاء ختانین والی حدیث پر قیاس کرتے ہوئے اس پر غسل واجب کیا جائے گا۔

ترجمہ: ۴ اور مفعول پر بھی غسل احتیاطا واجب کیا جائے گا۔

تشریح: جسکے دبر میں حشفہ غائب کر دیا اسکی منی نہیں نکلی اور نہ دبر سے منی نکلنے کا سوال ہے اسلئے اس پر غسل واجب نہیں ہونا چاہئے ۔چنانچہ اثر میں اسکا ثبوت ہے .عن الحسن فی الرجل یصیب من المرأۃ فی غیر فرجھا قال : ان ھی انزلت اغتسلت و ان ھی لم تنزل توضأت و غسلت ما اصاب من جسدھا من ماء الرجل ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰۹ فی الرجل یجامع امرأتہ دون الفرج ،ج اول ،ص ۸۹ ،نمبر ۹۹۲ ر مصنف عبد الرزاق ،باب الرجل یصیب امرأتہ فی غیر الفرج ،ج اول ،ص ۲۵۳ ،نمبر ۹۷۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ یا عورت کے فرج میں داخل کرے ،یا منی نکلے تب ہی غسل واجب ہو گا۔اور یہاں منی نہیں نکلی ہے اسلئے غسل واجب نہیں ہوگا۔لیکن جسم کے اندر حشفہ داخل ہو چکا ہے اسلئے احتیاط کا تقاضا ہے کہ غسل کر لے۔اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن ابن عباسؓ قال یغتسل ۔(مصنف عبد الرزاق ،نمبر ۹۷۳)(۲) یوں بھی عورت کی شرمگاہ کی طرح اسکے دبر کے اندر داخل ہو چکا ہے تو جس طرح عورت سے منی نکلے یا نہ نکلے غسل واجب ہوتا ہے یہاں بھی منی نہ نکلے پھر بھی احتیاطا غسل واجب ہونا چاہئے ۔البتہ دبر کے باہر رہے تو غسل واجب نہیں ہوگا۔

ﮯ بخلاف البهيمة ومادون الفرج لا السببية ناقصته (۳۵) و الحيض ﴾ لے لقوله تعالی حتی يطّهرن بالتشديد.

ترجمہ: ﮯ بخلاف جانور اور فرج کے علاوہ میں حشفہ غائب ہو جائے تو غسل واجب نہیں ہوگا سبب کے ناقص ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: چوپائے کی شرمگاہ میں حشفہ غائب کر دیا اور منی نہیں نکلی تو غسل واجب نہیں ہوگا، اسی طرح شرمگاہ اور دبر کے علاوہ میں حشفہ غائب کیا اور منی نہیں نکلی تو غسل واجب نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اسکی ایک وجہ تو مصنف نے بیان کی ہے کہ وہاں لذت کاملہ نہیں ہے کیونکہ چوپایے سے جماع کرنے میں نفرت ہوتی ہے اور شرمگاہ اور دبر کے علاوہ میں اتنی لذت نہیں ہوتی اسلئے انزال ہوئے بغیر غسل واجب نہیں ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے کہ دوسرے مقامات پر جب تک انزال نہ ہو غسل واجب نہیں۔ عن عائشة قالت سئل النبی ﷺ عن الرجل يجدالبلل و لا يذكر احتلاماً؟ قال: يغتسل، و عن الرجل يری انه قد احتلم و لم يجد بللاً؟ قال لا غسل عليه۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن یستیقظ ویری بللاً ولا یذکر احتلاما ص ۳۱ نمبر ۱۱۳) اس حدیث میں ہے کہ منی نکلنے کا شک ہو لیکن نکلی نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔

لغت: التقاء : لقی سے مشتق ہے۔ ملنا، مس کرنا۔ ختانين: ختنہ کا تثنیہ ہے۔ ختنہ کرنے کی جگہ، یہاں مراد ہے عضو تناسل کا وہ حصہ جہاں ختنہ کیا جاتا ہے۔ جسکو عربی میں حشفہ کہتے ہیں۔ اور عورت کی شرمگاہ میں وہ جگہ جہاں اہل عرب ختنہ کرتے تھے، جسکو عربی میں فرج داخل کہتے ہیں۔ حشفه :عضو تناسل کا وہ حصہ جس پر ختنہ کرتے ہیں۔ انزل : نزل سے مشتق ہے، اترنا، یہاں مراد ہے منی کا نکلنا. ایلاج :داخل کرنا۔ الدبر: پیخانہ کرنے کے راستے کو دبر کہتے ہیں۔ مفعول به :جسکے ساتھ لواطت کی اسکو مفعول بہ کہتے ہیں۔ بهيمة: چوپایہ، جانور۔ فرج :عورت کی شرمگاہ کو فرج کہتے ہیں اور بعض مرتبہ مرد کے عضو تناسل کو بھی فرج کہہ دیتے ہیں۔ یہاں عورت کی شرمگاہ مراد ہے۔ اور دبر بھی مراد ہوسکتا ہے۔

ترجمہ: (۳۵) حیض :سے غسل واجب ہوگا لے اللہ تعالی کا قول حتی يطّهرن، تشدید کے ساتھ پڑھیں۔

ترجمہ: لے آیت میں ہے کہ حائضہ خوب پاک ہو جائے تب اس سے وطی کرو اور خوب پاک غسل سے ہوگی۔ يسئلونك عن المحيض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحيض ولا تقربوهن حتی يطهرن فاذا تطهرن فاتوهن من حيث امركم الله (آیت ۲۲۲، سورۃ البقرۃ ۲) آیت میں اشارہ ہے کہ حائضہ غسل کرے تب جماع کرو۔(۲) حدیث میں ہے۔ عن عائشةؓ ان امرأة سألت النبی ﷺ عن غسلها من المحيض؟ فامرها كيف تغتسل قال خذی فرصة من مسك فتطهری بها الخ (بخاری شریف، باب دلک المرأة نفسها اذا تطهرت من المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۱۴ رمسلم شریف، باب

(۳۶) وكذا النفاس بالاجماع ﴾

(۳۷) و سن رسول الله الغسل للجمعة، و العيدين، و عرفة، والاحرام ﴾ ل صاحب الكتاب نص على السنية و قيل هذه الاربعة مستحبة، وسمى محمدؒ الغسل في يوم الجمعة حسناً في الاصل

استحباب استعمال المغتسلة من الحیض فرصۃ من مسک نمبر ۳۳۲/ ۷۴۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ پر غسل فرض ہے۔

ترجمه: (۳۶)نفاس : میں بھی غسل واجب ہے تمام ائمہ کے نزدیک۔

وجه: کیونکہ نفاس بھی حیض کے درجے میں ہے اس لئے حیض ہی کے تمام دلائل سے نفاس میں بھی غسل کرنا لازم ہوگا (۱) اور ایک حدیث مستدرک حاکم نے ذکر کی ہے جو کنز العمال میں ہے عن معاذؓ عن النبی قال اذا مضی للنفساء سبع ثم رأت الطهر فلتغتسل ولتصل (مستدرک للحاکم، کتاب الطہارۃ، ج اول، ص ۲۸۴، نمبر ۶۲۶ر سنن للبیہقی، باب النفاس ص ۵۰۵، نمبر ۱۶۱۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفساء بھی خون ختم ہونے کے بعد غسل کرے گی۔

﴿سنت غسل کا بیان﴾

ترجمه : (۳۷)سنت قرار دیا حضورؐ نے غسل کو (۱) جمعہ کے لئے (۲) عیدین کے لئے (۳) احرام کے لئے (۴) عرفہ کے لئے۔ان دنوں میں غسل کرنا سنت ہے۔

وجه: (۱)حدیث میں ہے عن ابی سعید الخدریؓ ان رسول الله ﷺ قال غسل يوم الجمعة واجب على كل محتلم (ابوداؤد شریف، باب فی الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۵ نمبر ۳۴۱ر مسلم شریف باب وجوب غسل الجمعۃ، ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶/ ۱۹۵۷)(۲)عن سمرة قال قال رسول الله ﷺ من توضأ فبها ونعمت ومن اغتسل فهو افضل (ابوداؤد شریف، باب فی الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ ص ۵۷ نمبر ۳۵۴ر مسلم شریف، کتاب الجمعۃ، باب وجوب غسل الجمعۃ ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۶/ ۱۹۵۹، مسلم شریف، باب فضل من استمع وانصت فی الخطبۃ، ص ۲۸۳، نمبر ۸۵۷/ ۱۹۸۸)ان دونوں قسم کی احادیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن پہلے غسل واجب تھا اب منسوخ ہو کر سنت باقی رہا۔

ترجمه : ل صاحب کتاب، قدوری نے غسل سنت بتایا، لیکن کہا گیا ہے کہ یہ چاروں مستحب ہیں۔اور امام محمدؒ نے جمعہ کے دن غسل کو اصل یعنی مبسوط میں حسن کہا ہے۔

وجه : ان چاروں مقامات پر غسل سنت ہے جمعۃ کی دلیل اوپر گزری اور باقی کی دلیل آگے آرہی ہے۔اور جو حضرات اسکو مستحب کہتے ہیں انکی دلیل یہ حدیث ہے عن سمرة قال قال رسول الله ﷺ : من توضأ فبها و نعمت ،و من اغتسل فهو افضل ۔(ابوداود شریف، باب الرخصۃ فی ترک الغسل یوم الجمعۃ، ص ۵۷ نمبر ۳۵۴ر ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء یوم

۲ و قال مالک واجب لقوله علیه السلام: من اتی الجمعة فلیغتسل، ۳ ولنا قوله ﷺ: من توضأ یوم الجمعة فبها ونعمت ومن اغتسل فهوافضل، وبهذا یحمل مارواه علی الاستحباب، اوعلی النسخ ۴ ثم هٰذا الغسل للصلوة عند ابی یوسفؒ و هو الصحیح لزیادة فضیلتها علی الوقت و اختصاص الطهارة بها، و فیه خلاف الحسن

الجمعة، ص۱۰۱ نمبر ۴۹۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن غسل مستحب ہے۔اور جب جمعہ میں مستحب ہے تو عیدین وغیرہ میں بھی مستحب ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اورامام مالکؒ نے فرمایا کہ غسل واجب ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جو جمعہ میں آئے اسکو غسل کرنا چاہئے۔
حدیث یہ ہے **عن عبد الله قال سمعت رسول الله ﷺ یقول : اذا اراد احدکم أن یأتی الجمعة فلیغتسل**۔(مسلم شریف، باب کتاب الجمعة، ص ۲۷۹ نمبر ۸۴۴/۱۹۵۱/ابوداود شریف، باب فی الغسل للجمعة، ص ۵۵ نمبر ۳۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے غسل واجب ہے

ترجمہ : ۳ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول جس نے جمعہ کے دن وضو کی تو ٹھیک ہے اور بہتر ہے اور جس نے غسل کیا تو افضل ہے اوراس حدیث کی بناء پراس حدجسکو دوسرے حضرات نے روایت کی اسکو استحباب پرمحمول کیا جائے گا، یا منسوخ ہونے پر ۔ابوداود کی یہ حدیث اوپر گزر گئی۔اور یہ بھی گزر گیا کہ اس حدیث کی بناء پر یہ کہا جائے گا کہ دوسرے حضرات نے وجوب کی جو حدیث پیش کی ہے اسکو استحباب پرمحمول کیا جائے گا اور دونوں حدیثوں کے درمیان توافق پیدا کرنے لئے یہی کہا جائے گا کہ جمعہ کے دن غسل مستحب ہے۔

یا یوں کہا جائے گا کہ شروع اسلام میں لوگ صفائی کا احتیاط نہیں کرتے تھے اسلئے غسل واجب تھا بعد میں منسوخ ہوکر مستحب رہ گیا، یا سنت رہ گیا منسوخ ہونے کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے **یا ابن عباس !أ تری الغسل یوم الجمعة واجباً ؟ قال : لا ،ولکنه اطهر و خیر لمن اغتسل .....قال ابن عباس : ثم جاء الله تعالی ذکره بالخیر و لبسوا غیر الصوف وکفوا العمل و وسع مسجدهم و ذهب بعض الذی کان یوذی بعضهم بعضاً من العرق**،(ابوداود شریف، باب الرخصة فی ترک الغسل یوم الجمعة، ص ۵۷ نمبر ۳۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے غسل واجب تھا بعد میں منسوخ ہوکر مستحب ہوگیا۔

ترجمہ: ۴ پھر یہ غسل امام ابویث کو یوسفؒ کے نزدیک نماز کے لئے ہے اور صحیح یہی ہے کیونکہ نماز کی فضیلت وقت پرزیادہ ہے ،اورطھارت بھی نماز کے ساتھ خاص ہے اوراس میں حضرت حسن بن زیادؒ کا اختلاف ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کے نزدیک غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے **عن سالم عن ابیه انه سمع**

۵ و العیدان بمنزلة الجمعة لان فیھما الاجتما فیستحب الاغتسال دفعاً للتأذی بالرائحة، ٦ و اما فی عرفة و الاحرام فسنبینه فی المناسک ان شاء الله تعالی

النبی ﷺ **یقول : من اتی الجمعة فلیغتسل** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال یوم الجمعة، ص۱۱۲ نمبر ۴۹۲) اس حدیث میں ہے کہ جو جمعہ کے لئے آئے وہ غسل کرے جس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کی نماز کے لئے غسل ہے ۔(۲) مصنفؒ نے دوسری وجہ یہ بتائی کہ غسل یہ پاکی ہے اور پاکی نماز کے لئے ہوتی ہے، دن کے لئے نہیں ہوتی اسلئے غسل جمعہ کی نماز کے لئے ہو گی ۔ اور صحیح بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔

البتہ حسن بن زیاد فرماتے ہیں کہ غسل جمعہ کے دن کے لئے ہے ۔ انکی دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ جمعہ کے دن غسل کرے۔ حدثنی **أوس بن أوس الثقفی قال سمعت رسول الله** ﷺ **یقول من غسل یوم الجمعة و اغتسل** ۔(ابوداود نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں یوم الجمعۃ، ہے جس سے استدلال کرتے ہیں کہ جمعہ کے دن کے لئے غسل ہے۔ ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ جمعہ میں جانے والے جمعہ سے پہلے غسل کرے۔

ترجمہ: ۵ اور عیدین جمعہ کے درجے میں ہے اسلئے کہ ان دونوں میں بھی اجتماع ہوتا ہے اسلئے غسل کرنا مستحب ہوگا بدبو سے تکلیف کو دور کرنے کے لئے۔

وجہ: جمعہ کی طرح عیدین میں بھی غسل کرنا سنت ہے اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ عیدین میں بھی اجتماع ہوتا ہے جیسے جمعہ میں اجتماع ہوتا ہے، اسلئے لوگوں کو پسینے کی بدبو سے تکلیف نہ ہو تا کہ یہاں بھی غسل سنت ہے۔(۲) اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال : کان رسول الله** ﷺ **یغتسل یوم الفطر و یوم الاضحی** ۔(ابن ماجہ، نمبر ۱۳۱۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عیدین میں غسل کرنا سنت ہے۔

ترجمہ : ٦ بہرحال عرفہ اور احرام میں تو اسکو کتاب الحج میں بیان کرونگا۔ ان دونوں دنوں میں بھی غسل کرنا سنت ہے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ **عن جده الفاکه بن سعد ،و کانت له صحبة ان رسول الله** ﷺ **کان یغتسل یوم الفطر ،و یوم النحر ،و ویوم عرفة ،و کان الفاکه یأمر اهله بالغسل فی هذه الایام** ۔(ابن ماجہ باب، ماجاء فی الاغتسال فی العیدین، ص۱۸۶ نمبر ۱۳۱۶) اس حدیث میں ہے کہ عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کو آپ غسل فرماتے تھے۔ احرام کے لئے غسل فرماتے تھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے **عن خارجة بن زید بن ثابت عن ابیه : انه رأی النبی** ﷺ **تجرد لاهلاله و اغتسل** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاغتسال عند الاحرام، ص۱۷۱ نمبر ۸۳۰ رمسلم شریف، باب صحۃ احرام النفساء واستحباب اغتسالھا للاحرام، ص۳۸۵ نمبر ۱۲۰۹/۲۹۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ احرام کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

(۳۸) قال (القدوری) وليس فی المذی، والودی غسل وفيهما الوضوء ﴾ لقوله عليه السلام: كل فحل يمذی وفيه الوضوء ٢ والودی الغليظ من البول يتعقب الرقيق منه خروجا فيكون معتبر ابه

ترجمه: (۳۸) اور مذی اور ودی نکلنے سے غسل نہیں ہے۔ ان میں وضو واجب ہے۔

وجه: (۱) مذی اور ودی منی نہیں ہیں اور نہ وہ کود کر نکلتے ہیں، اور نہ اس کے نکلتے وقت اتنی شہوت ہوتی ہے۔ اس لئے ان دونوں کے نکلنے سے غسل واجب نہیں ہے صرف وضو واجب ہوگا (۲) حدیث میں ہے عن علی ابن طالبؓ ارسلنا المقداد بن الاسود الی رسول الله ﷺ فسأله عن المذی يخرج من الانسان كيف يفعل به؟ فقال رسول الله ﷺ توضأ وانضح فرجک (مسلم شریف، باب المذی ص ۱۴۳ نمبر ۳۰۳/۶۹۷) (۲) سألت النبی ﷺ عن المذی؟ فقال من المذی الوضوء ومن المنی الغسل (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المنی والمذی ص ۳۱ نمبر ۱۱۴/ ابو داؤد شریف، باب فی المذی ص ۳۱ نمبر ۲۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مذی نکلے تو وضو واجب ہے غسل نہیں۔

ترجمه: ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ ہر مرد کو مذی آتی ہے اور اس میں وضو ہے۔ حدیث یہ ہے عن عمه عبد الله بن سعد الانصاری قال: سألت رسول الله ﷺ عما يوجب الغسل و عن الماء يكون بعد الماء؟ فقال: ذالک المذی، و کل فحل يمذی، فتغسل من ذالک فرجک و أنثييک و توضأ وضوئک للصلاة۔ (ابو داود شریف، باب فی المذی، ص ۳۱ نمبر ۲۱۱)

ترجمه: ۲ ودی گاڑھا پیشاب ہے جو پتلے پیشاب کے بعد نکلتا ہے اسلئے پیشاب ہی کا اعتبار کیا جائے گا

تشریح: ودی: بھی مذی کی طرح ایک پانی ہے۔ بلکہ مذی میں تو تھوڑی شہوت ہوتی ہے ودی میں شہوت نہیں ہوتی وہ پیشاب کے بعد نکلتی ہے۔ اس لئے ودی میں وضو ہی واجب ہوگا۔ اسکی تفسیر اس اثر میں ہے عن معمر عمن سمع عکرمة قال: هی ثلاثة المذی، والودی، والمنی، فاما المذی: فهو الذی يخرج اذا لاعب الرجل امرأته ففيه غسل الفرج و الوضوء، و اما الودی فهو الذی يكون مع البول و بعده فيه غسل الفرج، والوضوء ايضاً، واما المنی فهو الماء الدافق الذی يكون فيه الشهوة و منه يكون الولد ففيه الغسل۔ (مصنف عبد الرزاق۔ باب المذی، ج اول، ص ۱۵۹، نمبر ۶۱۱) اس اثر میں تینوں کی تفسیر ہے اور حکم بھی (۲) اثر میں ہے۔ سمعت ابن عباس يقول: المنی و الودی و المذی، أما المنی فهو الذی منه الغسل، و أما الودی و المذی فقال اغسل ذکرک أو مذاکيرک و توضأ وضوئک للصلاة (سنن للبیہقی، باب المذی والودی لا یوجبان الغسل، ج اول، ص ۲۶۲، نمبر ۸۰۰/ طحاوی شریف، باب الرجل یخرج من ذکرہ المذی کیف یغسل ج اول ص ۳۹/) اس اثر میں تینوں کے احکام بیان کئے گئے ہیں۔

۳؎ و المنی حاثر ابیض ینکسر منه الذکر، والمذی رقیق یضرب الی البیاض یخرج منه عندملاعبة الرجل اهله، والتفسیر ماثور عن عائشةؓ

ترجمه : ۳؎ اور منی گاڑھی دانہ دار اور سفید ہوتی ہے اسکے نکلنے سے عضوتناسل سست ہو کر بیٹھ جاتا ہے، اور مذی پتلا پانی ہوتا ہے سفیدی مائل ہوتی ہے مرد اپنی بیوی سے ملاعبت کرتا ہے اس وقت نکلتی ہے حضرت عائشہؓ سے یہی تفسیر منقول ہے۔

تشریح : اس عبارت میں منی اور مذی کی تفسیر بیان کی گئی ہے۔ صاحب نصب الرأیۃ فرماتے ہیں کہ یہ تفسیر حضرت عکرمہؓ سے منقول ہے جو اوپر مصنف عبدالرزاق، نمبر ۶۱۱) میں بیان کیا گیا ۔حضرت عائشہؓ سے کتابوں میں نہیں ملتا۔

لغت :. فحل : مرد۔ غلیظ : گاڑھا۔ یتعقب : بعد میں آتا ہے۔ حاثر : دانہ دار ہوتا ہے۔ ینکسر : ٹوٹ جانا۔ لوز ہو جانا۔ ملاعبت : بیوی کے ساتھ صحبت کی باتیں کرے اسکو ملاعبت کہتے ہیں۔ ایسے وقت میں عضوتناسل سے جو تھوڑا سا پانی نکلتا ہے اسکو مذی کہتے ہیں۔

﴿باب الماء الذی یجوز به الوضوء و ما لا یجوز به﴾

(۳۹) الطهارة من الاحداث جائزة بماء السماء، والاودية، و العيون، و الابار، والبحار ﴾ ۱؎ لقوله تعالی: وانزلنا من السماء ماء طهوراً، ۲؎ وقوله علیه السلام: الماء طهور لاینجسه شئ الاماغیر لونه، او طعمه، او ریحه

﴿ پانی کے احکام ﴾

ترجمه: (۳۹) حدثوں سے پاکی کرنا جائز ہے (۱) آسمان کے پانی سے (۲) وادیوں کے پانی سے (۳) چشموں کے پانی سے (۴) کنوؤں کے پانی سے (۵) اور سمندر کے پانی سے۔

وجه: (۱) یہ سب پانی پاک ہیں اس لئے یہ پانی تھوڑی ناپاکی گرنے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہوتے ہیں۔ اس لئے ان سے وضو کرنا اور غسل کرنا دونوں جائز ہیں (۲) آیت ہے وانزلنا من السماء ماء طهورا۔ (آیت ۴۸، سورۃ الفرقان ۲۵) (۳) چشمے کے بارے میں آیت ہے الم تر ان الله انزل من السماء ماء فسلكه ينابيع فى الارض ۔ (آیت ۲۱ سورۃ الزمر ۳۹) (۴) کنویں کے بارے میں حدیث ہے عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسول الله ﷺ انتوضأ من بئر بضاعة... فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لا ينجسه شيء. (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء، ص ۲۱، نمبر ۶۶) سمندر کے پانی کے سلسلے میں حدیث ہے عن ابی هريرة رضی الله عنه یقول سأل رجل رسول الله ﷺ ...افنتوضأ من البحر فقال رسول الله و هو الطهور ماءه و الحل ميتته. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور ص ۲۱، نمبر ۶۹ / ابوداود شریف، باب الوضوء بماء البحر ص ۱۳، نمبر ۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سمندر کا پانی پاک ہے اور اسکی مری ہوئی مچھلی بھی حلال ہے۔ اوپر کے تمام پانی پاک ہیں۔

ترجمه: ۱؎ اللہ تعالی کا قول۔ میں نے آسمان سے پاک کرنے والا پانی اتارا۔ یہ آیت اوپر گزر گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آسمان کا پانی پاک ہے۔

ترجمه: ۲؎ حضورؐ کا قول کہ حوض کا پانی پاک ہے، ہاں اسکا رنگ، یا اسکا مزہ، یا اسکی بو بدل جائے تو ناپاک ہوگا۔

تشریح: یعنی بہتے پانی میں یا ماء کثیر میں اتنی زیادہ ناپاکی گر گئی کہ اسکی وجہ سے پانی کا رنگ بدل گیا، یا اسکا مزہ بدل گیا، یا اسکی بو بدل گئی تو اب یہ پانی ناپاک ہو جائے گا اور اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی امامة الباهلی قال: قال رسول الله ﷺ: ان الماء لا ينجسه شيء الا ما غلب على ريحه وطعمه و لونه ۔ (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء کثیر میں ناپاکی گیرے تو جب تک تینوں وصفوں میں سے ایک نہ بدل

۳و قوله ﷺ:فی البحر هو الطهور مائه والحل میتتة ۴ و مطلق الاسم یطلق علی هذه المیاه.

(۴۰) ولا یجوز بما اعتصر من الشجر،والثمر ﴾ ١ لانه لیس بماء مطلق، و الحکم عند فقده منقول الی التیمم ۲ والوظیفة فی هذه الاعضاء تعبدیة، فلا تتعدی الی غیر المنصوص علیه،

جائے پانی ناپاک نہیں شمار کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۳ اور سمندر کے بارے میں حضورؐ کا قول کہ اسکا پانی پاک ہے اور اسکا مردہ،یعنی اسکی مری ہوئی مچھلی حلال ہے۔یہ حدیث اوپر گزر چکی ہے(ترمذی نمبر۶۹ /ابوداود نمبر۸۳)۔

ترجمہ: ۴ اور پانی کا مطلق نام ان سب پانیوں پر بولا جاتا ہے۔

تشریح :اوپر سمندر کا پانی،چشمے کا پانی اور حوض کے پانی کے بارے میں آیت اور حدیث پیش کی گئی۔مطلق پانی بولا جائے تو یہی پانی مراد ہوتے ہیں جو پاک ہیں اور پاک کرنے والے ہیں۔(۲) یوں بھی اوپر کے تمام پانی آسمان ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور آسمان کے پانی کے بارے میں اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کو میں نے پاک کرنے والا اتارا ہے اس لئے ان پانیوں سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے۔

لغت: اودیة : جمع ہے وادی کی۔ العیون : عین کی جمع ہے چشمہ۔ الآبار : بئر کی جمع ہے کنواں۔ البحار: جمع ہے بحر کی سمندر۔ طھور :طھارت سے مشتق ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے خود بھی پاک ہو اور دوسروں کو بھی پاک کرتا ہو۔ینجسہ:اسکو ناپاک کرتا ہو۔ الحل : حلال ہے۔میتة:اس مردہ سے مراد مچھلی ہے۔

ترجمہ:(۴۰) طہارت کرنا جائز نہیں ہے ایسے پانی سے جو درخت سے نچوڑا گیا ہو یا پھل سے نچوڑا گیا ہو۔

وجہ: (۱) یہ پھل اور درخت کا رس ہے پانی نہیں ہے۔اور پانی سے پاکی کرنا جائز ہے جیسے پہلے دلائل کے ساتھ ثابت کیا اس لئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔چاہے وہ پھل کا رس ہو یا درخت کا رس ہو (۲) حدیث سے پتہ نہیں چلتا ہے کہ رس سے وضو کیا گیا ہو۔اس لئے بھی رس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ١ یہ رس مطلق پانی نہیں ہے اور مطلق پانی نہ ہوتے وقت تیمّم کا حکم ہے۔

تشریح : درخت کا اور پھل کا نچوڑا ہوا پانی مطلق پانی نہیں ہے بلکہ رس ہے اور مطلق پانی نہ ہو تو حکم یہ ہے کہ تیمّم کرو،رس سے وضو یا غسل مت کرو۔اسکے لئے آیت یہ ہے فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیداً طیباً،(آیت ۴۳،سورۃ النساء ۴)اس آیت میں ہے کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کرو۔

ترجمہ: ۲ ان اعضاء کو دھونا تعبدی ہے اسلئے نص میں جو وارد ہوا ہے اس سے متعدی نہیں ہوگا۔

۳؎ اما الماء الذی یقطر من الکرم فیجوز التوضی به لانه ماء خرج من غیر علاج، ذکره فی جوامع ابی یوسفؒ، وفی الکتاب اشارة الیه حیث شرط الاعتصار (۴۱) ولایجوز بماء غلب علیه غیره، فاخرجه عن طبع الماء کالاشربة، والخل، و ماء الورد، و ماء الباقلیٰ، و المرق، و ماء الزردج ﴾ ا؎ لانه لا یسمی ماء مطلقا

تشریح: تعبدی کا مطلب پہلے گزر چکا ہے کہ صرف اللہ کے حکم کی وجہ سے وضواور غسل میں ان اعضاء کو دھور ہے ہیں ورنہ سمجھ میں بات نہیں آتی ہے کہ پیشاب اور پیخانہ نکلا ہے کہیں اور سے اور دھوتے ہیں ہاتھ اور پاؤں کو۔ اسلئے نص یعنی قرآن اور حدیث میں جن جن پانیوں سے طھارت حاصل کرنے کے لئے کہا ہے انہیں پانیوں سے طھارت حاصل کر سکتے ہیں اور رس سے پاکی حاصل کرنے کا تذکرہ حدیث اور قرآن میں نہیں ہے اسلئے رس سے پاکی حاصل کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور وہ پانی جو انگور کی بیل سے ٹپکتا ہے اس سے وضو جائز ہے اسلئے کہ بغیر نچوڑے ہوئے نکل آیا ہے۔ جوامع ابو یوسفؒ میں ایسا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اور کتاب قدوری میں بھی اسی بات کی طرف اشارہ ہے۔ اسلئے کہ اس میں نچوڑنے کی شرط لگائی ہے۔

تشریح : اوپر یہ فرمایا کہ رس سے وضو جائز نہیں ہے۔ اب یہ فرمار ہے ہیں کہ اگر انگور کی بیل کا رس خود ٹپک ٹپک کر گرا ہو اور پانی کی طرح پتلا ہو تو اس سے وضو کرنا جائز ہے جامع ابو یوسف میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ اسکی وجہ یہ فرمار ہے ہیں کہ جس رس کو نچوڑا ہو اس سے وضو جائز نہیں اور اس رس کو نچوڑا نہیں ہے بلکہ خود ٹپکا ہے اسلئے اس سے وضو جائز ہے۔ (۲) قدوری کے متن میں بھی اسکا اشارہ ہے۔ اس میں ہے اعتصر من الشجر و الثمر : یعنی درخت اور پھل سے نچوڑا ہو اس سے وضو جائز نہیں، جسکا مطلب یہ نکلا کہ خود ٹپکا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔

لغت : اعتصر : نچوڑا گیا ہو، عصر سے مشتق ہے. فقد : گم ہونا، نہ پانا. وظیفة : ترتیب دئے ہوئے کام کو وظیفہ کہتے ہیں۔ تتعدی : متعدی ہونا، ایک حکم سے دوسرے حکم کی طرف جانا۔ یقطر : قطرہ قطرہ ٹپکنا۔ الکرم : انگور کی بیل. علاج : علاج کرنا، یہاں مراد ہے نچوڑنا۔

ترجمہ : (۴۱) اور نہیں جائز ہے طہارت ایسے پانی سے جس پر دوسری چیز غالب آ گئی ہو اور اس کو پانی کی طبیعت سے نکال دیا ہو جیسے (۱) شربت (۲) سرکہ (۳) گلاب کا پانی (۴) لوبیا کا پانی (۵) شوربا (۶) گاجر کا پانی۔

ترجمہ: ا؎ اسلئے کہ یہ مطلق پانی نہیں رہے۔

تشریح : پانی میں کوئی پاک چیز ڈال کر اتنا پکایا کہ وہ شوربہ سا بن گیا اور گاڑھا ہو گیا، اور اس میں پانی کی طبیعت باقی نہیں رہی تو

۲؎ والمراد بماء الباقلی ما تغیر بالطبخ، فان تغیر بدون الطبخ یجوز التوضی به،

اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے۔ اگر چہ وہ پاک ہے اور اسکا کھانا اور پینا جائز ہے۔

وجہ: (۱) یہ سب اب پانی نہیں رہے بلکہ ان کا نام بھی بدل گیا ہے اور اوصاف بھی بدل گئے ہیں۔ مثلا شربت میں دوسری چیز اتنی مل گئی ہے کہ اب اس کا نام بھی شربت ہو گیا۔ اب اس کو کوئی پانی نہیں کہتا۔ سرکہ کا حال بھی یہی ہے لوبیا پکا دیا جائے جس سے پانی کی حقیقت بدل جائے تو وہ شوربا کی طرح ہو جائے گا۔ اور اگر لوبیا کا پانی نچوڑا جائے تو وہ رس ہے اور رس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ گلاب کا پانی، گاجر کا پانی یہ سب رس ہیں اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے (۲) حدیث میں اس کا اشارہ ملتا ہے۔ **عن ابی امامة الباهلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاینجسه شی ء الا ماغلب علی ریحه وطعمه ولونه** (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ / طحاوی شریف باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) اس حدیث سے علماء نے استدلال کیا ہے کہ پانی میں پاک چیز مٹی کے علاوہ مل جائے اور بو، مزہ اور رنگ بدل دے اور پانی کی طبیعت بدل جائے تو اس سے وضو اور غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔

نوٹ: اگر پانی میں پاک چیز ملی اور اس پر غالب نہیں آئی بلکہ مغلوب رہی تو وضو جائز ہوگا۔ اس حدیث سے اس کا استدلال ہے **عن عبدالله بن مسعودؓ ان رسول الله ﷺ قال له لیلة الجن عندک طهور؟ قال لا الا شی ء من نبیذ فی اداوة قال ثمرة طیبة وماء طهور. فتوضأ** (ابن ماجہ، باب الوضوء بالنبیذ ص ۵۷ نمبر ۳۸۴ / دار قطنی، باب الوضوء بالنبیذ ج اول ص ۸۷ نمبر ۲۴۱) نبیذ میں کھجور ڈالا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ کوئی پاک چیز پاک پانی میں مل جائے اور طبیعت نہ بدلے تو اس سے وضو جائز ہے۔

اصول: پانی کی طبیعت نہ بدلی ہو تو وضو جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ لوبیا کے پانی سے مراد جو پکانے کی وجہ سے بدل گیا ہو، پس اگر بغیر پکائے بدلا ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔

تشریح: لوبیا ہو یا کوئی اور سبزی ہو یا کوئی چیز ہو اگر اسکو پورا پکا دیا گیا تو اسکا پانی شوربا بن گیا اب اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا اسلئے کہ اسکا نام بھی بدل گیا اور طبیعت بھی بدل گئی۔ اور اگر ان چیزوں کو پانی میں ڈالنے کے بعد پکایا نہیں پھر بھی اسکا رنگ یا مزہ تھوڑا بہت بدل گیا تو اس سے وضو جائز ہے اسلئے کہ پانی کی طبیعت ابھی نہیں بدلی ہے۔ اوپر کی حدیث میں تھا کہ پانی میں کھجور ڈالا اور اس میں مٹھاس آ گیا پھر بھی حضورؐ نے اس پانی سے وضو کیا۔ (ابن ماجہ نمبر ۳۸۴)

لغت: الخل: سرکہ۔ باقلا: لوبیا (ایک قسم کی سبزی ہوتی ہے) المرق: شوربا۔ ورد: گلاب۔ الزردج: گاجر

نوٹ: پانی کی طبیعت کبھی اجزاء کے اعتبار سے بدلتی ہے اور کبھی اوصاف کے اعتبار سے۔

(۴۲) و یـجوز الطهارة بماء خالطه شیء طاهر فغیرّ احد اوصافه کماء المد، و الماء الذی اختلط به الـزعـفـران، او الصابون، او الاشنان، ﴾ ل قال (الـقـدوری)اجـری فـی المختصرماء الزردج مجری الـمـرق، والـمـروی عـن ابـی یـوسفؒ انـه بـمـنزلة ماء الزعفران، هو الصحیح، کذااختاره الناطقی،والامام السرخسی،

ترجمہ :(۴۲)اور جائز ہے وضوایسے پانی سے جس میں پاک چیز مل گئی ہواوراس کے اوصاف میں سے ایک وصف کو بدل دیا ہو۔جیسے سیلاب کا پانی اور وہ پانی جس میں اشنان گھاس اور صابون اور زعفران ملائے گئے ہوں۔

وجہ: (۱) پانی میں مٹی مل جانے کی وجہ سے اگر رقت اور سیلان باقی ہے تو طہارت جائز ہے۔جیسے سیلاب کے پانی میں کافی مٹی مل جاتی ہے۔پھر بھی لوگ اس کو پانی کہتے ہیں اس لئے اس سے وضو کرنا جائز ہے (۲) اس پانی سے وضو کرنے میں مجبوری بھی ہے ورنہ دیہاتی لوگ صاف پانی کہاں سے لائیں گے۔

صابون اور اشنان گھاس کا حکم : (۱) پانی میں ایسی چیز ملائی جائے جس سے پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہو جیسے بیری کی پتی ڈال کر پانی کو مزید ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے یا اشنان گھاس یا صابون یا زعفران ڈال کر پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا مقصود ہوتا ہے تو اس کے ڈالنے کے بعد رقت اور سیلان باقی ہو تو طہارت جائز ہوگی۔کیونکہ پانی کا نام اور پانی کی طبیعت باقی رہتی ہے (۲) حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی ڈال کر پانی کو جوش دیا گیا اور مردہ کو نہلایا گیا۔اگر ان چیزوں کے ڈالنے سے طہارت جائز نہیں ہوتی تو بیری کی پتی ڈال کر جوش دینے کے بعد کیسے نہلاتے اور کیسے طہارت ہوتی؟ حدیث یہ ہے۔عـن ابـن عبـاسؓ عـن النبی ﷺ خر رجـل مـن بـعیره فوقص فمات فقال اغسلوه بماء وسدر وکفنوه فی ثوبیه ۔(مسلم شریف، باب مایفعل بالمحرم اذا مات ص ۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶/۲۸۹۱/ابن ماجہ شریف، باب المحرم یموت، ص ۴۴۹، نمبر ۳۰۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیری کی پتی یا کوئی چیز پانی کی صفائی کے لئے ملائی جائے تو اس پانی سے پاکی حاصل کرنا جائز ہے بشرطیکہ رقت اور سیلان ختم نہ ہو گیا ہو۔

اصول:۔پانی کی مزید صفائی کے لئے کوئی چیز ملائی گئی ہو تو اس پانی سے طہارت جائز ہے۔

ترجمہ: ل صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ المختصر القدوری والے نے گاجر کے پانی کو شوربے کے درجے میں رکھا حالانکہ امام ابو یوسفؒ نے اسکو زعفران کے پانی کے درجے میں رکھا، اور یہی صحیح ہے امام ناطفی اور امام سرخسیؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

تشریح: مسئلہ نمبر ۴۱ کے متن میں یہ تھا کہ زردج، یعنی گاجر کا پانی شوربے کی طرح ہے یعنی جس طرح شوربہ پاک ہے اسکو کھا پی سکتا ہے لیکن اس سے وضو نہیں کر سکتا اسی طرح گاجر کا پانی پاک ہے اسکو کھا پی سکتا ہے لیکن اس سے وضو نہیں کر سکتا۔لیکن امام ابو یوسفؒ سے مروی یہ ہے کہ وہ زعفران کے پانی کی طرح پاک ہے اور اس سے وضو بھی کر سکتا ہے۔اسی کو امام ناطفی اور امام سرخسی

۲ وقال الشافعي:لايجوزالتوضى بماء الزعفران واشباهه ممالیس من جنس الارض لانه ماء مقيد الايرى انه يقال: ماء الزعفران، بخلاف اجزاء الارض لان الماء لايخلو عنها عادة ۳ ولنااسم الماء باق على الاطلاق،الايرى انه لم يتجدد له اسم علىٰ حدة، و اضافته الى الزعفران كاضافته الى البير،والعين

نے پسند فرمایا ہے۔

وجه : اختلاف کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ گاجر کا پانی پانی کی طرح پتلا ہے اور رقت اور سیلان باقی ہے تو وہ زعفران ملے ہوئے پانی کی طرح ہے اور اس سے وضو جائز ہے۔ اور اگر وہ دودھ کی طرح گاڑھا ہے تو اس میں رقت اور سیلان باقی نہیں رہا اسلئے وہ شوربے کی طرح ہو گیا اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔ اوپر حدیث میں پتلی نبیذ سے اور بیری کی پتی ملی ہوئی پانی سے وضو کرنا جائز بتایا لیکن دودھ سے وضو جائز نہیں کیونکہ اس میں رقت اور سیلان باقی نہیں رہتا۔ اثر یہ ہے۔ سأل رجل ابن عباس قال : انا ننتجع الكلأ و لا نجد الماء فنتوضأ باللبن ؟ قال: لا، عليكم بالتيمم . (مصنف ابن ابی شیبۃ،٦٧، فی الوضوء باللبن، ج اول ص ٦١ نمبر ٦٤٩) اس اثر میں ہے کہ دودھ سے وضو جائز نہیں ہے اسلئے کہ اس میں رقت اور سیلان پانی کی طرح نہیں ہے۔

ترجمه : ۲ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ زعفران اور اسکے مثل کے پانی سے وضو جائز نہیں جو زمین کی جنس سے نہ ہو اسلئے کہ وہ مقید پانی ہے، کیا دیکھتے نہیں کہ ماء الزعفران، زعفران کا پانی بولا جاتا ہے برخلاف زمین کی جنس کے کیونکہ پانی اس سے عادۃ خالی نہیں ہوتا۔

تشريح : امام شافعیؒ کا اصول یہ کہ کوئی پاک چیز پانی میں اتنی مل جائے کہ پانی کا نام بدل جائے تو اس پانی سے وضو کرنا جائز نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ اب مطلق پانی نہیں رہا۔ مثلا پانی میں اتنا زعفران ملا دیا گیا کہ اب اسکو ماءِ زعفران کہنے لگے تو اب اس پانی سے وضو جائز نہیں ہوگا کیونکہ اب یہ مطلق پانی نہ رہا بلکہ یہ دودھ کی طرح ہو گیا۔ موسوعۃ للامام الشافعی میں اس طرح ہے:و ان أخذ ماء فشيب به لبن ،أو سويق ،او عسل ،فصا رالماء مستهلكا فيه ،لم يتوضأ به ،لان الماء مستهلک فيه ،انما يقال لهذا : ماء سويق ـ(موسوعۃ، باب الماء الراکد، ج اول ص ٢٣ نمبر ٥٨) البتہ اگر زمین کے اجزاء مثلا مٹی، گرد، وغیرہ پانی میں اتنے مل گئے کہ اسکا نام بدل گیا پھر بھی اس سے وضو کرنا جائز ہوگا اسلئے کہ عموما پانی مٹی کے اجزاء سے خالی نہیں ہوتا اسلئے اس میں مجبوری ہے اسلئے اسکے ملنے سے پانی کا نام بھی بدل جائے پھر بھی وضو جائز ہے۔ اسی طرح پانی تالاب میں ٹھرے ٹھرے گدلا ہو جائے اور رنگ، بو اور مزہ بدل جائے پھر بھی وضو جائز ہے کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

ترجمه : ۳ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ پانی کا نام علی الاطلاق ابھی بھی باقی ہے، کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اسکا کوئی نیا نام ابھی بھی نہیں ہے۔ باقی رہا اسکی اضافت زعفران کی طرف تو وہ ایسے ہی ہے جیسے پانی کی اضافت کوئیں اور چشمے کی طرف ہو۔

۴ ولان الخلط القليل لايعتبر به لعدم امكان الاحتراز عنه كمافى اجزاءالارض فيعتبر الغالب،والغلبة بالاجزاء لابتغير اللون، هوالصحيح (۴۳) و ان تغير بالطبخ بعد ما خلط به غيره لا يجوز التوضى به﴾

تشــــريــح : زعفران یا اشنان گھاس ملنے کے باوجود اسکا نام ابھی تک پانی ہی ہے اسکا کوئی نیا نام نہیں ہوا، اسی لئے تو اسکو ماء زعفران، اور ماء اشنان کہتے ہیں۔ باقی رہا زعفران یا اشنان کی طرف ماء، یعنی پانی کی نسبت تو یہ ایسے ہی ہے جیسے پانی کو چشمے اور کوئیں کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کہتے ہیں، ماء البیر ،یا ماء العین ،حالانکہ اس سے پانی کا نام نہیں بدلتا صرف یہ بتلانا مقصود ہوتا ہے کہ پانی کہاں کا ہے اور اس سے وضو جائز ہوتا ہے۔ اسی طرح زعفران کی طرف منسوب ہونے سے پانی کا نام نہیں بدلا اور اس سے وضو جائز ہوگا۔

ترجمه : ۴ اسلئے کہ تھوڑے سے ملنے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا اسلئے کہ اس سے بچنا ممکن ہے، جیسے کہ زمین کے اجزاء سے بچنا ناممکن ہے اسلئے غالب کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور غلبہ بھی اجزاء کے اعتبار سے غلبہ ہو، رنگ کے اعتبار سے نہیں۔ اور یہی قول صحیح ہے ۔

تشــريح : پانی میں تھوڑی بہت پاک چیز ملنے پر وضونا جائز قرار دیں تو مشکل ہو جائے گا کیونکہ تھوڑی بہت چیز تو ملتی ہی ہے اس سے بچنا ناممکن ہے جیسے زمین کے اجزاء سے بچنا ناممکن ہے اسلئے غالب کا اعتبار کیا جائے کہ پاک چیز اتنی مل جائے کہ پانی پر غالب آجائے تو وضو جائز نہ ہو اور اگر پاک چیز مغلوب ہو تو وضو جائز ہو۔ اور غلبہ بھی رنگ، بو، یا مزہ کے اعتبار سے نہ ہو بلکہ اجزاء کے اعتبار سے ہو کہ اجزاء کے اعتبار سے پانی پر غالب آگیا تو وضو جائز نہیں اور اگر اجزاء کے اعتبار سے مغلوب ہو تو وضو جائز ہو جائے۔

وجه: اسکی وجہ یہ ہے کہ نبیذ پتلی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔ اوپر حدیث گزر چکی، قال : تمرة طيبة و ماء طهور ،فتوضأ به۔ (ابن ماجة، نمبر ۳۸۴) اور اجزاء کے اعتبار سے گاڑھا ہو تو جائز نہیں، جیسے دودھ سے وضو جائز نہیں ہے۔ اوپر اثر گزر گیا (ابن ابی شیبۃ نمبر ۲۴۹)

اصول: اجزاء کے اعتبار سے غالب آجائے تو اس پانی سے وضو جائز نہیں۔ اور مغلوب ہو تو وضو جائز ہے۔

(**نـــوٹ**) یہ حکم پاک چیز کے بارے میں ہے اور ناپاک چیز کے بارے میں یہ ہے کہ اسکے ملنے سے اوصاف ثلاثہ میں سے ایک یعنی رنگ، بو، یا مزہ میں سے ایک بھی بدل جائے تو ماء کثیر یعنی کثیر پانی بھی ناپاک ہو جائے گا۔

لغت : المد : سیلاب۔ الاشنان :ایک قسم کی گھاس جس کو پانی میں مزید صفائی کے لئے ڈالتے ہیں۔ اختلط : ملا ہوا۔ خلط ملط کیا۔ زردج : گاجر۔ مرق :شوربا۔ لم يتجدد له اسم :اسکا کوئی نیا نام نہیں ہوا۔ بیر: کنواں۔ عین :چشمہ۔ احتراز : بچنا، احتراز کرنا۔

ترجمه: (۴۳) اگر پاک چیز کو پانی میں ملانے کے بعد پکا دیا گیا اور پانی بدل گیا ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔

۱ لانه لم يبق فی معنی المنزل من السماء **۲** الا اذا طبخ فيه ما يقصد به المبالغة فی النظافة كالاشنان و نحوه لان ا لميت يغسل بالماء الذی اُغلی بالسدر، بذالک وردت السنة **۳** الا ان يغلب ذالک علی الماء فيصير كالسويق المخلوط لزوال اسم الماء عنه.

تشریح : کوئی پاک چیز پانی میں ڈال کر پکانے کا دو مقصد ہوتا ہے۔ایک تو یہ کہ پانی کو مزید صاف ستھرا کرنا ہے جیسے بیری کی پتی کو ڈال کر جوش دیتے ہیں اور مردے کو نہلاتے ہیں۔اگر جوش دینے کے باوجود رقت اور سیلان باقی ہے تو اس سے وضو جائز ہے۔اور گاڑھا ہو گیا ہو تو وضو جائز نہیں۔اور دوسری صورت یہ ہے کہ پکانے سے شوربا بنانا مقصود ہو تو اس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔اسکی دلیل کے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمه : **۱** اسلئے کہ آسمان سے اترنے کے درجہ میں یہ پانی باقی نہیں رہا۔

تشریح : پانی پکانے کی وجہ سے ماء مطلق باقی نہیں رہا اور آسمان سے اترے ہوئے پانی کی طرح نہیں رہا۔

ترجمه : **۲** لیکن اگر پانی میں اس چیز کے پکانے کا مقصد صفائی میں مبالغہ پیدا کرنا ہو جیسے اشنان گھاس، اور اسکے مانند (دیگر چیزیں پانی میں ڈال کر پکاتے ہیں اور اس سے پانی میں صاف کرنے کی قوت مزید بڑھانا مقصود ہوتا ہے تو اس سے وضو کرنا جائز ہے) اسلئے کہ میت کو اس پانی سے غسل دیا جاتا ہے جو بیری کی پتی سے جوش دیا گیا ہو، اسلئے کہ حدیث اس بارے میں وارد ہوئی ہے۔

وجه : پاک چیز کو پکانے کا مقصد مزید صفائی ہو تو اس سے وضو جائز ہے جیسے بیری کی پتی۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس عن النبیؐ خر رجل من بعيره فوقص،فمات ،فقال : اغسلوه بماء و سدر ،و كفنوه فی ثوبيه ۔(مسلم شریف، باب مایفعل بالمحرم اذا مات، ص ۳۸۴ نمبر ۱۲۰۶/۲۸۹۱/ ابن ماجۃ، باب المحرم یموت، ص ۴۴۹ نمبر ۳۰۸۴) اس حدیث میں ہے کہ بیری کی پتی کو جوش دیکر میت کو نہلایا۔اور اس سے صفائی میں مبالغہ مقصود ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے قال سمعت ابن مسعود يقول : ايما جنب غسل رأسه بالخطمی فقد أبلغ ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یغسل رأسہ بالسدر، ج اول، ص ۲۶۳ نمبر ۱۰۰۷)

ترجمه : **۳** مگر یہ کہ پانی پر غالب آجائے تو وہ ملے ہوئے ستو کی طرح ہو جائے گا (اسلئے وضو جائز نہیں ہوگا) پانی کا نام اس سے زائل ہونے کی وجہ سے۔یعنی بیری کی پتی وغیرہ کو اتنا پکایا کہ وہ پانی پر غالب آگئی تو اب اس سے وضو جائز نہیں ہوگا۔(۱) اسلئے کہ وہ گھلے ہوئے ستو کی طرح ہو گیا۔(۲) اور اسلئے بھی کہ اس سے پانی کا نام ختم ہو کر کچھ اور نام ہو گیا۔جب ماء مطلق نہیں رہا تو اس سے وضو کرنا بھی جائز نہیں ہوگا۔

(۴۴) وکل ماء وقعت النجاسة فیه لم یجز الوضوء به قلیلاً کانت النجاسة او کثیراً ﴾ ۱؎ و قال مالک یجوز مالم یتغیر احد اوصافه، لما روینا،

لغت : طبخ : پکانا۔النظافۃ:صفائی،ستھرائی۔سدر :بیری کی پتی۔سویق : ستو۔ مخلوط :ملی ہوئی۔

ترجمہ :(۴۴) ہر وہ ٹھہرا ہوا پانی (جو بڑے تالاب سے کم ہو) اگر اس میں نجاست گر جائے تو اس سے وضو جائز نہیں ہے۔ چاہے نجاست کم ہو یا زیادہ۔

تشریح: پانی بڑے تالاب سے کم ہو اور ٹھہرا ہوا ہو تو اس میں تھوڑی سی نجاست بھی گر جائے تو پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔ چاہے اس نجاست سے رنگ، بو اور مزا بدلے یا نہ بدلے۔

وجہ : اس کی وجہ بہت سی احادیث ہیں جو حدیث کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ جن میں سے دو حدیثیں مصنفؒ نے بھی ذکر کی ہیں۔ پیشاب نہ کرنے کے بارے میں حدیث یہ ہے سمع ابو ہریرۃ انه سمع رسول الله ﷺ یقول لا یبولن احدکم فی الماء الدائم الذی لایجری ثم یغتسل فیه ۔(بخاری شریف، باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹ رمسلم شریف، باب النھی عن البول فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۲ / ۶۵۶) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے سمع أبا ھریرۃ یقول قال رسول الله ﷺ لا یغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو جنب. (مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳ / ۶۵۸) نیند سے بیدار ہونے کے بعد تین مرتبہ ہاتھ دھونے کا حکم اس حدیث میں ہے عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده .(مسلم شریف، باب کراھیۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستہا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸ / ۶۴۳ ر ترمذی شریف، باب ما جاء اذا استیقظ احدکم من منامہ ص ۱۳ نمبر ۲۴) یہ احادیث اور اس قسم کی بہت سی احادیث ہیں جن میں پانی میں نجاست ڈالنے سے منع فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ تھوڑے پانی میں نجاست گرنے سے وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ ورنہ منع کرنے کے کوئی معنی نہیں ہے۔

ترجمہ :۱؎ امام مالکؒ نے فرمایا کہ پانی سے وضو کرنا جائز ہے جب تک کہ تین اوصاف میں سے ایک نہ بدل جائے۔ اس حدیث کی بناء پر جو میں نے پہلے روایت کی۔

تشریح : پانی تھوڑا ہو تب بھی جب تک نجاست کی وجہ سے رنگ، یا مزہ، یا بو نہ بدل جائے پانی ناپاک شمار نہیں کیا جائے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں بیر بضاعۃ کے بارے میں ہے کہ اسکو کوئی چیز ناپاک نہیں کرتی اور بیر بضاعہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا نہیں تھا جس سے معلوم ہوا کہ تھوڑے پانی میں نجاست گر جائے تو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے پانی ناپاک

۲؎ و قال الشافعیؒ : يجوز ان كان الماء قلتين، لقوله ﷺ: اذا بلغ الماء قلتين لايحمل خبثاً،
۳؎ ولناحديث المستيقظ من منامه، ۴؎وقوله عليه السلام: لا يبولن احدكم فى الماء الدائم، ۵؎ ولا يغتسلن فيه من الجنابة، من غير فصل

نہیں ہوگا۔حدیث یہ ہے ۔عن ابی سعید الخدریؓ قال قيل يا رسول الله انتوضأ من بئر بضاعه و هى بئر يلقى فيها الحيض ولحوم الكلاب والنتن؟ فقال رسول الله ﷺ ان الماء طهور لاينجسه شيء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء ص۲۱ نمبر۶۶ /ابوداود شریف، باب ماجاء فی بئر بضاعۃ ص۱۱ نمبر۶۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ناپاک چیز گرنے سے جب تک مزا، بو یا رنگ نہ بدل جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔لمارو ینا سے مراد یہی حدیث ہے۔
ہم جواب دیتے ہیں کہ جس کنواں میں حیض اور کتے کا گوشت اور گندگیاں اتنی ڈالی جاتی ہوگی اور پھر بھی رنگ یا بو یا مزا نہ بدلے یہ ناممکن ہے۔اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ کنواں ماء جاری کے حکم میں تھا اور ماء جاری کے بارے میں ہم بھی کہتے ہیں کہ جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔
ترجمہ : ۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وضو کرنا جائز ہے اگر پانی دو مٹکے ہوں۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ اگر پانی دو مٹکے ہوں تو ناپاک نہیں ہوتا،حدیث یہ ہے۔ قال رسول الله ﷺ اذا كان الماء قلتين لم يحمل الخبث (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الماء لاینجسہ شیء ص۲۱ نمبر۶۷ /ابوداود شریف، باب ما ینجس الماء، ص۱۰ نمبر۶۳)اس حدیث میں ہے کہ دو مٹکا پانی ہو تو نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔جب تک کہ اوصاف ثلاثہ نہ بدل جائے۔
ترجمہ: ۳؎ ہماری دلیل نیند سے بیدار ہونے والی حدیث ہے۔یہ حدیث اوپر گزر گئی (مسلم نمبر۶۴۳ /ترمذی نمبر۲۴)نیند سے بیدار ہونے کے بعد بغیر دھوئے پانی میں ہاتھ ڈالنے سے اسی لئے منع فرمایا کہ اس سے پانی ناپاک ہو جائیگا۔
ترجمہ: ۴؎ اور حضورؐ کا قول کہ تم میں سے کوئی ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔یہ حدیث بھی اوپر گزر گئی (بخاری شریف نمبر۲۳۹ /مسلم شریف، نمبر۶۵۶)اس حدیث میں ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع اسی لئے کیا کہ اس سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔
ترجمہ: ۵؎ اور حضور کا قول کہ کوئی آدمی ٹھرے ہوئے پانی میں جنابت کا غسل نہ کرے۔اس حدیث میں کم بیش پانی کی تفصیل نہیں ہے۔یہ حدیث بھی اوپر گزر چکی ہے،حدیث یہ ہے سمع اباھریرۃ يقول : قال رسول الله ﷺ : لا يغسل أحدكم فى الماء الدائم و هو جنب .فقال :كيف يفعل يا أبا هريرة ؟ قال : يتناوله تناولاً ۔(مسلم شریف،باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد،ص۱۳۸ نمبر۲۸۳ /۶۵۸)اس حدیث میں بھی ٹھرے ہوئے تھوڑے پانی میں غسل کرنے سے منع اسی لئے

۶ والذی رواه مالکؒ ورد فی بیر بضاعة، و ماؤه کان جاریا فی البساتین، ۷ وما رواه الشافعیؒ ضعفه ابو داودؒ ۸ اوھو یضعف عن احتمال النجاسة (۴۵) والماء الجاری اذا وقعت فیه نجاسة جاز الوضوء به اذا لم یر لها اثر﴾

کیا کہ وہ پانی نجاست کی وجہ سے ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۶ اور امام مالکؒ نے جو روایت کی ہے وہ بئر بضاعۃ کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اسکا پانی باغوں میں بہتا تھا۔ اسلئے وہ ماء جاری کے درجے میں ہے۔

تشریح : امام مالکؒ نے جو حدیث روایت کی۔ عن ابی سعید الخدری قال قیل :یا رسول الله ،أنتوضأ من بئر بضاعة ،وھی بئر یلقی فیھا الحیض و لحوم الکلاب و النتن ؟ فقال رسول الله ﷺ ان الماء طھور لا ینجسه شیء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء أن الماء لا ینجسہ شیء، ص۲۱ نمبر ۶۶) یہ حدیث بئر بضاعہ کے بارے میں ہے کہ اسکا پانی ناپاک نہیں ہوتا اور وہ اسلئے کہ اسکا پانی باغوں میں بہتا تھا اسلئے وہ ماء جاری کے درجے میں ہے۔ طحاوی شریف میں حضرت واقدی سے اسکی تصریح ہے لان بئر بضاعة قد اختلف فیھاما کانت ،فقال قوم کانت طریقاً للماء الی البساتین ،فکان الماء لا یستقر فیھا فکان حکم مائھا کحکم ماء الانھار ....وقد حکی ھذا القول الذی ذکرنا ہ فی بئر بضاعة عن الواقدی ۔(طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ، ج اول، ص ۱۱) اور جاری پانی میں نجاست گرنے سے جب تک اوصاف ثلاثہ نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۷ اور امام شافعیؒ نے جو دو مٹکے والی حدیث بیان کی اسکو حضرت امام ابو داودؒ نے ضعیف قرار دیا ہے۔ صاحب نصب الرایۃ فرماتے ہیں کہ ابو داودؒ نے باضابطہ ضعیف قرار نہیں دیا۔ البتہ تیسری روایت میں یہ فرمایا کہ یہ حضرت عاصم پر موقوف ہے۔

ترجمہ: ۸ یا حدیث کا ترجمہ یہ ہے کہ پانی نجاست اٹھانے سے کمزور ہے، یعنی وہ ناپاک ہو جاتا ہے

تشریح : امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں جملہ تھا۔ اذا کان الماء قلتین لم یحمل الخبث ۔ اسکا ایک ترجمہ یہ بھی ہے کہ دو مٹکے پانی نجاست کو نہیں اٹھا سکتا یعنی وہ ناپاک ہو جاتا ہے۔ یہ امام شافعیؒ کی دلیل کا جواب دیا جا رہا ہے۔

لغت: قلتین : مٹکا. لا یحمل :نہیں اٹھا سکتا ہے .خبثا : نجاست . بیر بضاعة: مدینہ میں ایک کنواں تھا جسکا نام بیر بضاعہ تھا جسکا پانی باغ میں بہتا تھا ، ماء دائم : ٹھہرا ہوا پانی (یہاں تھوڑا مراد ہے جو جاری نہ ہو اور بڑا تالاب نہ ہو) یغمس : ڈالنا۔ باتت : رات گزارنا۔ البساتین : بستان کی جمع ہے، باغ۔

ترجمہ :(۴۵) اور جاری پانی جب کہ اس میں نجاست گر جائے پھر بھی اس سے وضو جائز ہے اگر اس میں نجاست کا کوئی اثر نظر نہ

۱؎ لانها لاتستقر مع جريان الماء، ۲؎ والاثر: هو الطعم، او الرائحة، اواللون، ۳؎ والجاری ما لا يتكرر استعماله ۴؎ وقيل ما يذهب بتبنة (۴٦) والغدير العظيم الذی لايتحرك احد طرفيه بتحريک الطرف

آئے۔

ترجمہ: ۱؎ اس لئے کہ ناپاکی پانی بہنے کی وجہ سے ٹھہرے گی نہیں۔

تشریح: ۔نجاست کا اثر نظر نہ آنے کا مطلب یہ ہے کہ نجاست کی وجہ سے پانی کا رنگ یا بو یا مزا میں سے ایک بدل جائے تو جاری پانی ہونے کے باوجود اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہوگا۔لیکن اگر ناپاکی گری لیکن پانی کا مزا یا بو یا رنگ ناپاکی گرنے کی وجہ سے نہیں بدلا تو اس پانی سے وضو یا غسل کرنا جائز ہے۔وہ پانی ابھی تک پاک ہے۔

وجہ: (۱)اس لئے کہ جیسے ہی ناپاکی گری تو اس کو جاری پانی بہا کر دوسری جگہ لے گیا وہاں ٹھہرنے نہیں دیا۔اس لئے اس جگہ کا پانی پاک رہا(۲) حدیث میں ہے کہ ماء کثیر کا جب تک رنگ، بو اور مزا نہ بدلے پاک ہے عن ابی امامه الباهلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاينجسه شیء الا ماغلب علی ريحه وطعمه ولونه. (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض ص ۷۴، نمبر ۵۲۱ رطحاوی، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۵) مسئلہ نمبر ۳۷ پر حدیث قلتین گزری اس سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ ماء کثیر میں ناپاکی گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا جب تک کہ اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدل جائے۔

ترجمہ : ۲؎ اور اثر وہ مزہ، اور بو، اور رنگ ہیں۔یعنی ناپاکی کی وجہ سے ان میں سے کوئی ایک بدل جائے تو پانی ناپاک شمار کیا جائے گا۔یہی نجاست کا اثر ہے۔اوپر کی حدیث میں گزر گیا الا ماغلب علی ريحه وطعمه ولونه. (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱) اس سے معلوم ہوا کہ پانی کے اوصاف ثلاثہ (رنگ، بو، مزہ) میں سے کسی ایک پر نجاست کا کوئی اثر ظاہر ہو جائے تو پانی ناپاک ہو جائیگا ۔

ترجمہ: ۳؎ اور جاری پانی اسکو کہتے ہیں کہ اسکا استعمال مکرر نہ ہو۔ پانی ہلکا ہلکا بہہ رہا ہے اس سے ایک چلو پانی لیا اب دوسرا چلو پانی لینے لگا تو وہی پانی دوبارہ ہاتھ میں نہیں آیا بلکہ وہ پانی بہہ کر آگے چلا گیا اور دوسرا پانی ہاتھ میں آیا تو ایک ہی پانی ہاتھ میں مکرر نہیں آیا تو اسکو ماء جاری کہیں گے۔اور اگر پانی اتنا سست بہہ رہا ہے کہ دوسرے چلو میں بھی پہلے والا ہی پانی آ گیا تو یہ ماء جاری نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور بعض لوگوں نے کہا کہ جو پانی تنکا بہا کر لے جائے، وہ ماء جاری ہے۔

لغت : الماء الجاری : بہتا پانی، جو پانی تنکہ بہا کر لے جائے ، چلو سے پانی لے تو فوراً دوسرا پانی اس جگہ آ جائے اس کو ماء جاری کہتے ہیں. تستقر: ٹھہرتا ہو، استقر سے مشتق۔ تبنة: تنکا، خشک گھاس۔

ترجمہ :(۴٦) ایسا بڑا تالاب جو نہیں متحرک ہوتا ہو اس کا ایک کنارہ دوسرے کنارے کے حرکت دینے سے۔اگر اس کے ایک

الآخر ،اذاوقعت نجاسة فی احدجانبیه جازالوضوء من الجانب الآخر ﴾ ا لان الظاهر ان النجاسة لا تصل الیه اذا ثر التحریک فی السرایة فوق اثر النجاسة، ۲ ثم عن ابی حنیفةؒ انه یعتبر التحریک بالاغتسال، وهوقول ابی یوسفؒ ،وعنه بالتحریک بالید، وعن محمدؒ بالتوضی، ووجه الاول ان الحاجة الیه فی الحیاض اشد منها الی التوضی ۳ وبعضهم قدروابالمساحة، عشراً فی عشر بذراع

کنارے میں ناپاکی گر جائے تو دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔

ترجمه: ا اس لئے کہ ظاہر یہ ہے کہ ناپاکی وہاں تک نہیں پہنچے گی۔اسلئے کہ حرکت دینے کا اثر سرایت کرنے میں نجاست کے اثر سے زیادہ ہے۔

وجه: اتنا لمبا چوڑا تالاب ہو کہ ایک جانب اس کے پانی کو حرکت دے تو اس حرکت کا اثر دوسری جانب نہ پہنچے۔تو جب حرکت کا اثر نہیں پہنچتا ہے تو نجاست کا اثر دوسری جانب کیسے پہنچے گا۔جبکہ حرکت کا اثر تیز ہوتا ہے اور نجاست کا اثر دھیما ہوتا ہے۔اس لئے دوسری جانب پاک رہے گا۔اور دوسری جانب وضو اور غسل کرنا جائز ہوگا۔

ترجمه: ۲ پھر امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ غسل کرنے کے ذریعہ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائے گا۔اور یہی قول امام ابو یوسفؒ کا ہے۔اور انہیں سے ایک روایت یہ ہے کہ ہاتھ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائے گا۔اور امام محمدؒ سے منقول ہے کہ وضو کے ذریعہ سے حرکت دینے کا اعتبار کیا جائے گا۔پہلے کی دلیل یہ ہے کہ حوضوں میں غسل کرنے کی ضرورت زیادہ ہے بنسبت وضو کرنے کے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ حوض میں غسل کر کے حرکت دے کر دیکھو کہ اگر اسکی حرکت ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک پہنچ جائے تو وہ چھوٹا تالاب ہے اور غسل کی حرکت دوسرے کنارے تک نہ پہنچے تو وہ بڑا تالاب ہے۔کیونکہ بڑے تالاب میں غسل ہی کرنے کی ہی زیادہ ضرورت پڑتی ہے اسلئے اسی سے حرکت دینے کا اعتبار ہے۔اور امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت تو یہی ہے،البتہ دوسری روایت یہ ہے کہ ہاتھ سے حرکت دے کر دیکھو۔اسکی حرکت کا اعتبار ہے۔اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ وضو کر کے دیکھو کہ اسکی حرکت دوسرے کنارے تک پہنچتی ہے یا نہیں اگر پہنچ جائے تو وہ چھوٹا تالاب ہے اور اگر نہ پہنچے تو وہ بڑا تالاب ہے۔کیونکہ حوض میں وضو کرنے کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے۔اس بڑے تالاب میں اگر نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، یا بو، یا مزہ نہ بدل جائے تو وہ پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۳ اور بعض ائمہ نے اسکا اندازہ ناپ کر لگایا، دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا کپڑے کے ہاتھ سے۔لوگوں پر معاملے کو آسان کرنے کے لئے۔اور اسی پر فتویٰ ہے۔

الكرباس توسعة للامر على الناس، وعليه الفتوىٰ

تشریح : بعض اماموں نے بڑے تالاب کوحرکت دیکر متعین کرنے کے بجائے ہاتھ سے ناپ کر متعین کیا ہے، تاکہ لوگوں کو ہاتھ سے ناپ کر بڑا تالاب متعین کرنے میں آسانی ہو۔اور وہ یہ ہے کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا ہوتو اسکو بڑا تالاب کہتے ہیں۔اور دس کو دس میں ضرب دیں تو سو مربع ہاتھ ہوگیا ہو۔یعنی سو مربع ہاتھ ہوتو بڑا تالاب شمار کیا جائے گا۔اس اثر میں اسکا اشارہ ملتا ہے۔ قال ابوداود : و قدرت انا بئر بضاعة بردائی مددته علیها ثم ذرعته فاذا عرضها ستة أذرع ۔(ابوداود شریف، باب ما جاء فی بئر بضاعة ،ص۱۱، نمبر ۶۷)اس اثر میں امام ابوداود نے بئر بضاعة کو ناپا تو وہ چھ ہاتھ تھا اور اسکے بارے میں حضور نے فرمایا ہے کہ نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوتا۔اس سے استدلال کرتے ہوئے حنفیہ نے مزید احتیاط فرمایا اور دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا کا مسلک اختیار کیا۔

ایک ہاتھ ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے،یعنی اٹھارہ (18) انچ کا ہوتا ہے،اس اعتبار سے دس ہاتھ لمبا پندرہ فٹ لمبا ہوا اور وہی پندرہ فٹ چوڑا ہوا۔اور پندرہ کو پندرہ میں ضرب دیں تو دوسو پچیس (225) مربع فٹ بڑا تالاب ہوا۔نوٹ:۔لمبائی اور چوڑائی کو ضرب دینے سے مربع نکلتا ہے۔

ایک ہاتھ آدھے گز کا ہوتا ہے۔اسلئے دس ہاتھ پانچ گز کا ہوا۔اسلئے پانچ گز لمبا اور پانچ گز چوڑا بڑا تالاب ہوا۔جسکا مربع (25) گز ہوگا۔

ایک ہاتھ 0.4572 میٹر کا ہوتا ہے اسلئے دس ہاتھ 4.572 میٹر لمبا ہوا۔اور وہی 4.572 میٹر چوڑا ہوا اور مجموعہ 20.903 مربع میٹر ہوا۔

اور اگر کوئی حوض، یا کنواں گول ہوتو اسکے بیچ کا قطر 6.92 فٹ ہونا چاہئے۔اور میٹر کے اعتبار سے 5.15 میٹر قطر ہونا چاہئے۔

﴿بڑے تالاب کا حساب ایک نظر میں﴾

کیا	کتنے کا ہوتا ہے		کیا	کتنے کا ہوتا ہے
ایک انچ	2.54 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔		ایک قبضہ	7.62 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک میٹر	39.37 انچ کا ہوتا ہے۔		ایک قبضہ	4 انگلیوں کا ہوتا ہے۔

ایک عام ہاتھ	18	انچ کا ہوتا ہے۔		ایک انگلی	0.75	انچ کی مانی گئی ہے
ایک عام ہاتھ	1.50	ڈیڑھ فٹ کا ہوتا ہے۔		ایک عام ہاتھ	45.72	سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔
ایک فٹ	12	انچ کا ہوتا ہے۔				
ایک گز	36	انچ کا ہوتا ہے۔				
ایک قبضہ	3	انچ کا ہوتا ہے۔				

﴿ دہ در دہ حوض کتنا بڑا ہوتا ہے ﴾

بڑا حوض	لمبائی	ضرب	چوڑائی	برابر	مربع	فٹ یا گز
بڑا حوض	10 ہاتھ	×	10 ہاتھ	=	100	مربع ہاتھ
بڑا حوض	15 فٹ	×	15 فٹ	=	225	مربع فٹ
بڑا حوض	5 گز	×	5 گز	=	25	مربع گز
بڑا حوض	4.572 میٹر	×	4.572 میٹر	=	20.903	مربع میٹر
	حوض کا قطر کتنا ہوگا					
گول حوض کا قطر	16.92 فٹ					
گول حوض کا قطر	5.15 میٹر					

﴿گول چیز ناپنے کا فارمولہ﴾

گول چیز ناپنے کے لئے چار الفاظ کی تشریح یاد رکھنا ضروری ہے۔(۱) قطر (۲) پائی (۳) گول کروی کا رقبہ (۴) گول درھمی کا رقبہ۔

(۱) قطر:۔ گول چیز کے درمیان کی لمبائی کو قطر کہتے ہیں ⊖ اس گول کے بیچ میں جو لکیر ہے یہ قطر ہے

(۲) پائی کسی گول چیز کو ناپنے کے لئے پائی کی عددکو ضرور استعمال کیا جاتا ھے ۔22 بٹے 7 کو پائی کہتے ہیں کلکیو لیٹر سے اسکا حساب 3.14285 ہوتا ہے، لیکن انگریزی کتاب میں اسکا حساب 3.1416 دیا ہوا ہے اسلئے کلکیو لیٹر سے پائی کا حساب اسی سے ہوگا۔

(۳) گول کروی کا رقبہ :۔ گیند جیسی چیز جو بالکل گول مول ہو اسکو گول کروی، کہتے ہیں، جو کرۃ سے مشتق ہے۔ گول کروی میں دو قطر ہوتے ہیں، ایک دائیں سے بائیں کی جانب، اور دوسرا اوپر سے نیچے کی جانب، اسلئے گول کروی کے اوپر کا پورا رقبہ نکالنے کا طریقہ یہ ہے کہ ایک قطر کو دوسرے قطر سے ضرب دیں، جو حاصل ضرب ہوگا اسکو پائی سے ضرب دیں تو گول کروی کے اوپر کا پورا رقبہ نکل جائے گا۔ مثلا ایک گیند کا قطر 7 انچ ہے، اور گول مکمل گول ہے اسلئے دونوں قطر سات سات انچ کے ہونگے، اسلئے ایک قطر 7 کو 7 میں ضرب دیں حاصل ضرب 49 مربع انچ ہوئے، اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو حاصل ضرب 153.938 مربع انچ پورے گند کا رقبہ ہوا۔

اور اگر گیند کو کاٹ کر اسکی کٹی ہوئی جانب کے رقبے کو معلوم کرنا ہو تو گیند کے پورے رقبے کو 4 سے تقسیم دے دیں تو گیند کی ایک جانب کا رقبہ معلوم ہو جائے گا۔ مثال مذکور میں پورے گیند کا رقبہ 153.938 مربع انچ تھا اسکو 4 سے تقسیم کیا تو حاصل تقسیم 38.4845 مربع انچ ہوا یہ گیند کی ایک جانب کا رقبہ ہے

اور گیند کی گولائی ناپنا ہو تو گیند کے قطر کو پائی سے ضرب دے دیں، حاصل ضرب گیند کی گولائی ہوگی۔ مثال مذکور میں گیند کا قطر 7 انچ تھا تو 7 کو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو حاصل ضرب 21.9912 مربع انچ ہوگا، یہ گیند کی گولائی ہوئی۔ نوٹ: یہ حساب سمت قبلہ ناپنے میں کام آئے گا۔

(٤) گول درھمی کا رقبہ :۔ یہ درھم سے مشتق ہے اسلئے سکو گول درھمی کہتے ہیں۔ درھم چاروں طرف سے گول نہیں ہوتا صرف اوپر سے گول ہوتا ہے۔ اسکی گولائی کو ناپنے کے لئے بھی اوپر کا ہی فارمولہ استعمال کرنا پڑتا ہے۔ یعنی اگر اسکی گولائی ناپنا ہو تو اسکے قطر کو پائی سے ضرب دے دیں تو اوپر کی گولائی نکل آئے گی۔ مثلا درھم کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہوتا ہے اسلئے اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دے دیں حاصل ضرب 8.6394 مربع سینٹی میٹر ہوگا، یہ درھم کی اوپر کی گولائی ہوگی۔

اور اگر درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ناپنا ہو تو درھم کے قطر کو قطر سے ضرب دیں، جو حاصل ضرب ہو اسکو پائی سے ضرب دیں اور اس

ع و المعتبر فی العمق ان یکون بحال لا ینحسر بالاغتراف، ھو الصحیح،

حاصل ضرب کو چار سے تقسیم کر دیں تو جو حاصل تقسیم ہوگا وہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہوگا۔ مثال مذکور میں درھم کا قطر 2,75 سینٹی میٹر ہے اسلئے 2.75 کو 2.75 سے ضرب دیں حاصل ضرب 7.5625 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں، حاصل ضرب 23.7583 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو 4 سے تقسیم دے دیں حاصل تقسیم 5.93958 مربع سینٹی میٹر ہوگا، یہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہے نوٹ:۔ یہ حساب آپکو نجاست غلیظہ کی پیائش میں کام آئے گا۔

دہ در دہ حوض کو گول حوض میں تبدیل کرنے کا حساب :۔اوپر دہ در دہ یعنی دس ہاتھ ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض کے بارے میں بتایا کہ اس میں وضو جائز ہے لیکن اگر بڑا کنواں ہو یا گول حوض ہو تو اسکا حساب اس طرح ہوگا۔ کہ حوض کی لمبائی اور چوڑائی کو ضرب دیں حاصل ضرب کو پھر 4 سے ضرب دیں پھر اس حاصل ضرب کو پائی 3.1416 سے تقسیم کریں پھر حاصل تقسیم کو برابر برابر میں تقسیم کر دیں تو گول کنویں کا قطر نکل جائے گا اور گول کنویں، یا گول حوض کے قطر کو ناپ نے سے مسئلہ حل ہو جائے گا۔

مثلا دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا حوض پندرہ فٹ لمبا اور پندرہ فٹ چوڑا ہوگا اسلئے کہ ایک ہاتھ ڈیڑ فٹ کا ہوتا ہے۔ اور 15 کو 15 سے ضرب دیں تو 225 مربع فٹ دہ در دہ حوض ہوا، پھر اسکو 4 سے ضرب دیں تو 900 مربع فٹ ہوا اسکو اب پائی 3.1416 سے تقسیم دیں 286.478 مربع فٹ ہوا، اس حاصل تقسیم کو برابر برابر میں تقسیم کریں تو 16.9256 فٹ گول حوض کا قطر ہو جائے گا یعنی اگر کسی کنویں کا قطر 16.9256 فٹ ہو تو وہ دہ در دہ حوض کے مطابق ہے اور اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

میٹر کے حساب سے گول حوض کا حساب اس طرح ہوگا:۔ ایک ہاتھ 45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے اسلئے دس ہاتھ لمبا 4.572 میٹر ہوگا اور وہی 572 .4 میٹر چوڑا ہوگا ان دونوں کو ضرب کریں تو 9031 .20 مربع میٹر دہ در دہ حوض ہوگا۔ اب اسکو 4 سے ضرب دیجئے تو حاصل ضرب 83.6127 مربع میٹر ہو جائے گا، اسکو پائی 416 .3 سے تقسیم کریں تو حاصل تقسیم 26.6146 ہوگا، پھر اسکو برابر برابر میں تقسیم کریں تو 5.1589 میٹر ہوگا جو گول کنویں کا قطر ہوگا یہ کنواں دہ در دہ کے برابر ہے اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ع اور گہرائی میں اعتبار اس بات کا ہے کہ گہرا اتنا ہو کہ چلو بھرنے سے زمین نہ کھلے۔ اور یہی صحیح ہے۔

تشریح : کچھ حضرات نے فرمایا کہ دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا کے ساتھ تالاب پانچ انگلی۔ یعنی 3.75 انچ گہرا بھی ہو۔ در مختار میں ہے۔ حاصلہ أنه اذا کان غدیر عشر فی عشر عمقه خمس أصابع تقریبا ۔(ردالمحتار، باب المیاہ، مطلب فی مقدار الذرع وتعیینہ، ج اول، ص ۳۸۴) اس عبارت میں ہے کہ حوض پانچ انگلی گہرا ہو لیکن صحیح بات یہ ہے کہ پانی اتنا گہرا ہو کہ وہاں سے چلو میں پانی اٹھاتے وقت زمین نظر نہ آئے، اتنا ہی گہرا کافی ہے۔ صحیح یہی ہے، اس میں امت کو سہولت ہے۔

فائدہ امام شافعیؒ کے نزدیک دو مٹکے پانی ہو تو وہ ماء کثیر ہے۔ اس میں نجاست گر جائے تو جب تک رنگ، بو یا مزانہ بدل جائے تو

۵ وقوله في الكتاب جاز الوضوء من الجانب الآخر اشارة الى انه ينجس موضع الوقوع، و عن ابی يوسفؒ انه لا ينجس الا بظهور النجاسة فيه كالماء الجارى

پانی پاک رہے گا۔ان کی دلیل حدیث قلتین ہے جو مسئلہ نمبر ۴۴ میں گزر گئی۔

ترجمه : ۵ کتاب قدوری کا یہ جملہ کہ دوسری جانب سے وضو جائز ہے۔اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک ہوگئی۔لیکن امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ نجاست گرنے کی جگہ ناپاک نہیں ہوگی مگر اس میں ناپاکی کے ظاہر ہونے سے جیسا کہ بہتے پانی میں ناپاکی ظاہر ہوتو ناپاک ہوتا ہے۔

تشریح : قدوری کے متن میں یہ کہا کہ جس کنارے میں ناپاکی گری ہے اسکی دوسری جانب وضو کرنا جائز ہے۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ جس کنارے پر ناپاکی گری ہے وہ کنارہ ناپاک ہو چکا ہے، چاہے اس کنارے پر ناپاکی کا رنگ ظاہر نہ ہوا ہو۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ناپاکی وہاں گری ہے اسلئے وہ کنارہ ناپاک ہوگا چاہے ناپاکی کا رنگ نظر نہ آتا ہو۔

اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نجاست والا کنارہ اس وقت تک ناپاک شمار نہیں کیا جائے گا جب تک کہ اسکا اثر ظاہر نہ ہو جائے۔انکی دلیل یہ کہ حدیث میں ہے کہ ماء کثیر میں جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ ظاہر ہو جائے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔یہ حدیث گزر چکی ہے عن ابی امامه الباهلی قال قال رسول الله ﷺ ان الماء لاينجسه شیء الا ماغلب علی ريحه وطعمه ولونه. (ابن ماجہ شریف، باب الحیاض، ص ۷۴، نمبر ۵۲۱) اس حدیث میں ہے کہ جب تک نجاست کی وجہ سے رنگ، یا بو، یا مزہ نہ بدل جائے وہ جگہ ناپاک نہیں ہوگی۔اسلئے نجاست گرا ہوا کنارہ بھی ناپاک نہیں ہوگا۔جیسے جاری پانی میں اوصاف ثلاثہ میں سے کوئی ایک وصف نہ بدلے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

حاصل : امام مالکؒ: کے نزدیک تھوڑا پانی اور زیادہ پانی ایک ہی طرح ہیں، یعنی دونوں کے اوصاف ثلاثہ میں سے ایک بدلے تب ناپاک ہوگا ورنہ نہیں۔

امام شافعیؒ: کے نزدیک دو مٹکے پانی ہو تو وہ کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو وہ قلیل ہے۔یعنی ایک قطرہ بھی ناپاکی گرنے سے ناپاک ہو جائے گا۔

امام ابو حنیفہ: کے نزدیک بڑا تالاب ہو تو کثیر ہے اور اس سے کم ہو تو قلیل ہے۔پھر بڑے تالاب کے متعین کرنے میں اختلاف ہے۔(۱) کسی نے غسل کی حرکت نہ پہنچنے کو بڑا تالاب کہا۔(۲) کسی نے وضو کی حرکت نہ پہنچنے کو۔(۳) اور کسی نے ہاتھ کی حرکت پہنچنے کو چھوٹا تالاب کہا۔(۴) اور کسی نے دس ہاتھ لمبے اور دس ہاتھ چوڑے کو بڑا تالاب کہا۔

لغت : الغدير : تالاب۔السراية: سرایت کرنا۔المساحة : پیمائش، مسح سے مشتق ہے پونچھنا۔ذراع الكرباس : پچھلے

(۴۷) قال (القدوری) و موت مالیس له نفس سائلة فی الماء لا ینجسه کالبق، و الذباب، والزنابیر، والعقرب، و نحوها﴾

زمانے میں ناپنے کے لئے دو قسم ہاتھ استعمال ہوتے تھے،ایک قسم کے ہاتھ سے کپڑا ناپتے تھے،جسکو ذراع الکرباس کہتے تھے یہ چھ قبضے کا ہوتا تھا،اور ایک قبضہ چار انگلیوں کا ہوتا ہے اس اعتبار سے چھ قبضے چوبیس (24) انگلیوں کے ہوئے ،گویا کہ ہاتھ دو بالشت کا ہوا جو اٹھارہ (18) انچ کا ہوتا ہے یا 45.72 سینٹی میٹر کا ہوتا ہے۔ردالمحتار میں اسکی تصریح اس طرح ہے وفی البحر۔ أن فی کثیر من الکتب أنه ست قبضات لیس فوق کل قبضة أصبع قائمة فهو أربع و عشرون أصبعا .....و هو قریب من ذراع الید ،لانه ست قبضات و شیء ،و ذالک شبران ۔(ردالمحتار، باب المیاہ،مطلب فی مقدار الذراع وتعیینہ،ج اول،ص ۳۸۳) اس عبارت میں ہے کہ چوبیس انگلیوں کا ہاتھ ہوگا، جو دو بالشت ہوگا،اور آج کل کے زمانے کے اعتبار سے وہ اٹھارہ انچ کا ہوتا ہے۔اور دوسرا ہاتھ تھا زمین ناپنے کے لئے ، یہ سات قبضے کا ہوتا تھا،اسکو کسری کا ہاتھ بھی کہتے ہیں یہ اٹھائیس انگلیوں کا ہوگا اور اس زمانے کے اعتبار سے اکیس (21) انچ کا ہوگا ،یا (53.34) سینٹی میٹر کا ہوگا۔ردالمحتار میں اسکے لئے یہ عبارت ہے۔و فی الخانیة و غیرها : ذراع المساحة و هو سبع قبضات فوق کل قبضة أصبع قائمة ۔(ردالمحتار،باب المیاہ،مطلب فی مقدار الذراع وتعیینہ ،ج اول ،ص ۳۸۳) اس عبارت میں ہے کہ ذراع المساحۃ ،یعنی زمین ناپنے کا ہاتھ سات قبضے کا ہوتا ہے۔العمق : گہرائی۔یخسر : زمین کا کھلنا۔اغتراف: چلو بھرنا، چلو سے پانی اٹھانا۔

ترجمه :(۴۷) اور پانی میں ایسا جانور کا مرنا جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو پانی کو ناپاک نہیں کرتا جیسے (۱) مچھر ،(۲) مکھی (۳) بھڑ (۴) بچھو ،وغیرہ۔

تشریح: جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پانی میں مرجائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔جیسے مچھر وغیرہ

وجه : (۱) اصل میں بہتا ہوا خون ناپاک ہے اور ان جانوروں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے۔اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے الا ان یکون میتة او دما مسفوحا (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ بہتا ہوا خون ناپاک ہے اس لئے جس میں بہتا ہوا خون نہ ہو وہ ناپاک نہیں کرے گا (۳) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ کھانے میں مکھی گر جائے تو کھانا ناپاک نہیں ہوتا۔کیونکہ اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہے عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ قال اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فلیغمسه کله ثم لیطرحه فان فی احدی جناحیه شفاء وفی الآخر دواء . (بخاری شریف، کتاب الطب، باب اذا وقع الذباب فی الاناء ص ۸۶۰ جلد ثانی نمبر ۵۷۸۲) حدیث میں پوری مکھی کو برتن میں ڈالنے کے لئے کہا۔اگر مکھی سے کھانا یا پانی ناپاک ہوتا تو پوری مکھی کو کیسے ڈالنے کے لئے فرماتے (۴) دار قطنی میں ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا

۱؎ وقال الشافعیؒ يفسده لان التحريم لابطريق الكرامة آية للنجاسة،بخلاف دود النحل، وسوس الثمار لان فيه ضرورة ۲؎ ولنا قوله عليه السلام فيه: هذا هو الحلال اكله، و شربه، و الوضوء منه

خون نہیں ہے وہ کھانے یا پانی میں گر جائے تو اس کھانے کو کھاؤ۔اور اس پانی سے وضو کرو قال رسول الله ﷺ يا سلمان كل طعام و شراب وقعت فيه دابة ليس لها دم فماتت فيه فهو حلال اكله و شربه و وضوء ه ۔(دار قطنی ،باب کل طعام وقعت فیہ دابۃ لیس لھا دم ،ج اول ص ۳۳ نمبر ۸۱/سنن للبیھقی ،باب مالانفس لہ سائلۃ اذا مات فی الماء القلیل ،ج اول ص ۳۸۳ ،نمبر ۱۱۹۳)دار قطنی کی حدیث اگر چہ کمزور ہے لیکن بخاری کی حدیث سے اس کی تائید ہو جاتی ہے۔اس لئے اس سے استدلال کرنا جائز ہے۔

ترجمہ : ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پانی کو ناپاک کر دے گا،اسلئے کہ حرمت کرامت کی وجہ سے نہیں ہے تو یہ نجاست کی علامت ہے۔بخلاف شہد کی مکھیوں کے اور پھلوں کے کیڑوں کے،اسلئے کہ اس میں ضرورت ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی ایک روایت ہمارے مطابق ہے اور ایک روایت یہ ہے کہ ان جانوروں کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔اس لئے کہ یہ جانور میتۃ ہے اور ان کا کھانا حرام ہے۔اور میتۃ ناپاک ہوتا ہے اس لئے ان کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔کیونکہ کوئی چیز کرامت کے طور پر حرام نہیں ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ ناپاک ہے،اسلئے تھوڑے پانی میں اسکے گرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔موسوعۃ میں ہے۔فأما ما كان مما لا نفس له سائلة ،مثل الذباب ،و الخنافس ،وما اشبههما ،ففيه قولان : احدهما ،ان ما مات من هذا فی ماء قليل أو كثير لم ينجس .....و القول الثانی .....و ان مات فيه نجس و ذالک مثل الخنفساء ۔(موسوعۃ ،باب الماء الراکد، ج اول، ص ۱۴، نمبر ۳۳)اس میں دوسرا قول ہے کہ ناپاک ہو جائے گا۔

البتہ شہد کی مکھی کے بچے شہد میں مر جاتے ہیں،اسی طرح پھل کے کیڑے پھل میں مر جاتے ہیں حالانکہ مکھی کے بچوں اور کیڑوں کو کھانا حرام ہے پھر بھی شہد کھاتے ہیں اور پھل کھاتے ہیں وہ ناپاک نہیں شمار کئے جاتے۔فرماتے ہیں وہاں مجبوری ہے اسلئے ضرورت کی بناء پر اسکو حلال قرار دیا ہے ۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل اس بارے میں حضور ﷺ کا قول ہے۔کہ اسکا کھانا حلال ہے اور اسکا پینا حلال ہے اور اس سے وضو کرنا حلال ہے۔یہ دار قطنی کی حدیث اوپر گزر گئی۔فهو حلال اكله و شربه و وضوء ه ۔(دار قطنی ،نمبر ۸۱/بیھقی ،نمبر ۱۱۹۳) کہ جس کھانے یا پانی میں ایسا جانور گر گیا جس میں خون نہیں ہے تو وہ کھانا یا پانی پاک ہے۔

۳ و لان المنجس اختلاط الدم المسفوح باجزائه عند الموت، حتی حل المذکی لانعدام الدم فیه، ولا دم فیها، ۴ والحرمة لیست من ضرورتها النجاسة کالطین (۴۸) و موت ما یعیش فی الماء فیه

ترجمه : ۳ اوراسلئے کہ ناپاک کرنے والی چیز بہنے والے خون کا پانی کے اجزاء کے ساتھ ملنا ہے موت کے وقت ۔اسی وجہ سے ذبح کیا ہوا حلال ہو جاتا ہے اس میں خون نہ ہونے کی وجہ سے،اوران جانوروں میں خون ہی نہیں ہے (اسلئے پانی میں اسکے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا)۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔کہ پانی کو ناپاک کرنے والی چیز بہتا ہوا خون ہے کہ جب وہ مرتا ہے تو بہتا ہوا خون پانی کے اجزاء میں مل کر اسکو ناپاک کر دیتا ہے،اوران کیڑے مکوڑوں میں خون ہی نہیں ہوتا اسلئے اسکے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔جیسے بڑے جانوروں میں خون ہوتا ہے لیکن ذبح کر کے خون نکال دیا جائے تو خون نہ ہونے کی وجہ سے جانور کا گوشت پاک ہو جاتا ہے ۔

ترجمه: ۴ اور کھانا حرام ہونے کے لئے ضروری نہیں ہے کہ وہ ناپاک ہو، جیسے مٹی۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انکی دلیل تھی کہ کرامت کی وجہ سے حرام نہ ہو تو یہ نجاست کی دلیل ہے۔اسکا جوب یہ ہے کہ مٹی کا کھانا حرام ہے حالانکہ وہ ناپاک نہیں،اس سے معلوم ہوا کہ کیڑوں کا کھانا حرام ہے لیکن وہ مٹی کیطرح ناپاک نہیں ہیں۔

لغت: نفس سائلة : بہتا ہوا خون۔ البق : مچھر۔ الذباب : مکھی۔ الزنابیر : بھڑ۔ العقارب : بچھو،عقرب کی جمع ہے۔دود: کیڑا۔دود النحل : شہد کی مکھیاں ۔**سوس** : کیڑا۔منجس : ناپاک کرنے والی چیز .مسفوح: بہنے والا خون۔المذکی : ذکی سے مشتق ہے ذبح کیا ہوا۔الطین :مٹی۔

ترجمه : (۴۸) مرنا ایسے جانور کا جو پانی میں زندگی گزارتا ہو پانی کو ناپاک نہیں کرتی ہے جیسے (۱) مچھلی (۲) مینڈک (۳) کیکڑا۔

تشریح: جو جانور پانی ہی میں رہتا ہو وہ تھوڑے پانی میں مرجائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا، چاہے وہ جانور کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو۔

وجه: (۱) جو جانور پانی میں پیدا ہوتا ہے اوراسی میں زندگی گزارتا ہے اس میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا۔کیونکہ بہتا ہوا خون رہے گا تو پانی کے اندر ہی نہیں رہ سکے گا۔اور وہ جو تھوڑا بہت خون نظر آتا ہے وہ مکمل خون نہیں ہے۔خون کی خاصیت یہ ہے کہ اس کو دھوپ میں رکھو تو وہ کالا سا ہو جائے گا۔اور دریائی جانور کے خون کو دھوپ میں رکھو تو وہ سفید ہو جاتا ہے۔اس لئے وہ مکمل خون ہی نہیں ہے۔اور مسئلہ نمبر ۴۰ میں تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جس جانور میں بہتا ہوا خون نہیں ہے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا ہے۔(۲)عن ابی هریرة قال رسول الله ﷺ هو الطهور ماء ه و الحل میتته ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی ماء البحر

لا يفسد كالسمک، و الضفدع، و السرطان﴾ ا وقال الشافعیؒ يفسده الاالسمک لمامر ۲ ولنا انه مات فی معدنه فلايعطی له حکم النجاسة کبيضة حال محها دماً ۳ و لانه لادم فيها اذالدموی لايسکن فی الماء، والدم هوالنجس ۴ وفی غير الماء قيل غيرالسمک يفسده لانعدام المعدن، وقيل

انه طهور ص ۲۱ نمبر ۶۹ /ابو داود، باب الوضوء بماء البحر ص ۱۳ نمبر ۸۳) سمندر کا میتۃ حلال ہے سے استدلال کیا جا سکتا ہے کہ کھانا تو حلال نہیں ہے لیکن اس کے مردے میں خون نہیں ہوتا اس لئے اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمه : ا امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پانی کو ناپاک کر دے گا سوائے مچھلی کے اس دلیل کی وجہ سے جو اوپر گزر چکی۔

تشریح : امام شافعیؒ کی اصل روایت تو یہی ہے کہ سمندر میں رہنے والے جانور کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **و لو وقع حوت ميت فی ماء قليل او جرادة ميتة لم ينجس لانهما حلال ميتين ،و كذا لک کل ماکان من ذوات الارواح مما يعيش فی الماء** ۔ (موسوعۃ، باب الماء الراکد، ج اول، ص ۱۴ نمبر ۳۳) اس عبارت میں ہے کہ سمندر میں رہنے والے جانور کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ دوسری روایت ہے کہ مچھلی کے علاوہ دوسرے جانور کے مرنے سے پانی ناپاک ہو جائے گا۔ انکی اوپر والی دلیل عقلی ہے کہ اسکا کھانا حرام ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ناپاک ہے اور وہ پانی کو بھی ناپاک کر دیگا۔ اور مچھلی کے مرنے سے اسلئے ناپاک نہیں ہوگا کہ مچھلی حلال ہے، اور پانی کی حلال چیز کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ترجمه : ۲ اور ہماری دلیل یہ کہ سمندر کا جانور اپنے رہنے کی جگہ میں مرا ہے اسلئے اسکو ناپاکی کا حکم نہیں دیا جائے گا، جیسے انڈے کی زردی خون میں بدل جائے، (تو وہ ناپاک نہیں ہوتی)

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ دریائی جانور اپنے رہنے کی جگہ میں مرا ہے اسلئے اسکو ناپاک قرار نہ دیا جائے جیسے انڈے کی زردی بدل کر خون بن جائے تو وہ ناپاک نہیں ہے کیوں کہ وہ اپنے رہنے کی جگہ میں خون بنی ہے اسی طرح دریائی جانور اپنے معدن اور مسکن یعنی پانی میں مر جائے تو اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۳ اور اسلئے بھی کہ اس میں خون نہیں ہے، اسلئے کہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا، اور خون ہی ناپاک ہے۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا۔ اور جب خون نہیں ہے تو اسکے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۴ اور پانی کے علاوہ میں بعض نے کہا کہ مچھلی کے علاوہ ناپاک کر دے گا اسلئے کہ مسکن نہیں ہے۔ اور بعض نے فرمایا کہ ناپاک نہیں کرے گا اسلئے کہ خون نہیں ہے اور یہی صحیح ہے۔

لایفسده لعدم الدم، وهو الاصح ۵؎ والضفدع البحری، والبری سواء وقیل البری یفسدلوجودالدم، وعدم المعدن ٦؎ ومایعیش فی الماء مایکون تولده، ومثواه فی الماء ۷؎ ومائی المعاش دون مائی المولد مفسد.

تشــریح: دریائی جانور پانی کے علاوہ کسی اور چیز میں، مثلا کھانے میں گرکر مرگیا تو اسکو ناپاک کرے گا یانہیں۔ اس بارے میں بعض نے فرمایا کہ مچھلی تو اور چیز کو بھی ناپاک نہیں کرے گی اسلئے کہ وہ حلال ہے۔ البتہ مچھلی کے علاوہ جتنے جانور ہیں وہ ناپاک کردیں گے کیونکہ وہ حلال نہیں اور اور یہ اسکے رہنے کی جگہ بھی نہیں ہے اسکے رہنے کی جگہ تو پانی ہے۔ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ ناپاک نہیں کرے گا اسلئے کہ ان میں خون نہیں ہے، جو ناپاکی کی جڑ ہے۔ اور صحیح بات یہی ہے۔

ترجمه : ۵؎ سمندری مینڈک اور خشکی کا مینڈک حکم میں برابر ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ خشکی کا مینڈک پانی کو ناپاک کر دے گا خون کے پائے جانے کی وجہ سے اور اسکے رہنے کی جگہ بھی نہیں ہے۔

تشریح : جو مینڈک پانی ہی میں رہتا ہے اس کا مسکن بھی پانی ہوا اور اس میں خون بھی نہیں ہے اسلئے اسکے پانی میں مرنے کی وجہ سے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔ لیکن جو مینڈک صرف خشکی میں رہتا ہے پانی میں وہ مرجائے تو پانی ناپاک ہوجائے گا۔ کیونکہ اس میں خون ہے اسی لئے تو وہ پانی میں نہیں رہ سکتا۔ اور پانی اسکا مسکن بھی نہیں ہے کیونکہ اسکے رہنے کی جگہ تو خشکی ہے۔ اسلئے اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔

ترجـــمـــه : ٦؎ اور پانی میں رہنے والے جانور وہ ہیں جنکے انڈے اور بچے بھی پانی میں ہوتے ہوں اور رہنے کا مکان بھی پانی میں ہو۔

تشـــریح : دریائی جانور کون ہے اسکی تعریف کرتے ہیں۔ کہ جنکا انڈا اور بچہ پانی میں ہوتا ہو اور زندگی بھی پانی میں گزارتا ہو اسکو دریائی جانور کہتے ہیں اور اس کے مرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوتا۔

ترجمه: ۷؎ اور پانی میں زندگی گزارنے والا نہ کہ اس میں انڈا بچہ دینے والا جانور پانی کو ناپاک کرنے والا ہے۔

تشـــریح: اور جو جانور پانی میں زندگی گزارتا ہو، اسی سے کھانا کھاتا ہو، لیکن انڈا اور بچہ خشکی میں دیتا ہو جیسے بطخ، تو وہ خشکی کا جانور ہے اس میں بہتا ہوا خون ہوتا ہے اور اسکا مسکن بھی پانی نہیں ہے اسلئے یہ پانی میں مرجائے تو اس سے پانی ناپاک ہوجائے گا۔

لغت : الضفدع : مینڈک۔ السرطان : کیکڑا۔ معدن : عدن سے مشتق ہے، اقامت کرنا، وہاں رہنا، مسکن۔ مح : انڈے کی زردی. یــعــیــش : زندگی گزارتا ہے، اسی سے ہے معاش، زندگی گزارنے کی چیز. تـوالـد: ولادۃ سے مشتق ہے، بچہ دینا، نسل بڑھانا۔ مثواہ : ٹھہرنے کی جگہ۔

(۴۹) قال (القدوری) الماء المستعمل لا یطھر الا حداث

ترجمہ: (۴۹)اور ماء مستعمل نہیں جائز ہے اس کا استعمال کرنا حدث کے پاک کرنے میں۔

تشریح: جس پانی کو حدث غسل یا حدث وضوکو زائل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو یا قربت حاصل کرنے کے لئے استعمال کیا ہو ایسے پانی کو دوبارہ حدث غسل یا حدث وضوکو پاک کرنے کے لئے استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔کیونکہ یہ پانی مستعمل ہو چکا ہے۔اور ماء مستعمل خود پاک تو ہے لیکن حدث کو پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

وجہ: (۱) پاک ہونے کی دلیل یہ ہے کہ ماء مستعمل صحابہ کے کپڑوں میں وضواور غسل کے بعد لگتا رہا لیکن آج تک کسی نے ماء مستعمل کی وجہ سے کپڑا نہیں دھویا۔اور پاک کرنے کی صلاحیت نہیں ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ اہل عرب کو پانی کی سخت ضرورت ہونے کے باوجود کسی نے ماء مستعمل استعمال کر کے وضو یا غسل نہیں کیا۔اور نہ اس کو دوسرے برتن میں وضو یا غسل کے لئے رکھا ہو (۲) پاک ہونے کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں حضورؐ نے وضو کے لئے استعمال کیا ہوا پانی مریضوں کو پلایا ہے۔اگر ماء مستعمل پاک نہ ہوتا تو آپؐ اس کو بیماروں کو کیسے پلاتے؟ حدیث میں ہے **عن جابر یقول جاء رسول اللہ ﷺ یعودنی وانا مریض لاعقل فتوضأ وصب علی من وضوئه فعقلت** ۔(بخاری شریف، باب صب النبی ﷺ وضوءہ علی المغمی علیہ ص ۳۲ نمبر ۱۹۴)(۳)**سمعت السائب بن یزید یقول ذھبت بی خالتی الی النبیؐ فقالت یا رسول اللہ ان ابن اختی وقع فمسح رأسی ودعا لی بالبرکة ثم توضأ فشربت من وضوءہ**۔ (بخاری شریف، باب استعمال فضل وضوء الناس ص ۳۱ نمبر ۱۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک ہے تب ہی تو وضو کا پانی پلایا۔اور (السنن الکبری للبیھقی، باب طھارة الماء المستعمل ج اول ص ۳۵۹، نمبر ۱۱۱۷) میں اس سلسلے کی بہت سی احادیث ذکر کی ہیں۔اور ماء مستعمل کے پاک نہ کرنے کے سلسلے میں ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں آپؐ نے ہر عضو کے لئے نیا پانی لیا ہے۔اگر ماء مستعمل طہور ہوتا تو ماء مستعمل ہی کو دوبارہ استعمال کر لیتے اور ہر عضو کے لئے نیا پانی نہ لیتے۔حدیث میں ہے **عن ابن عباس اتحبون ان اریکم کیف کان رسول اللہ ﷺ یتوضأ فدعا باناء فیه ماء فاغترف غرفة بیدہ الیمنی فتمضمض واستنشق ثم اخذ اخری فجمع بھا یدیه ثم غسل وجھه الخ** . (ابوداؤد، باب فی الوضوء مرتین ص ۲۰ نمبر ۱۳۷) اس حدیث میں ہر عضو کے لئے الگ الگ پانی لیا گیا ہے۔یہ اسی لئے کیا ہوگا کہ پہلا پانی مستعمل ہو گیا اب اس سے دوسرے عضو کو نہیں دھو سکتے اسلئے دوسرے عضو کے لئے دوسرا پانی لیا ۔ایک اور حدیث میں تھوڑے پانی میں جنابت کے غسل کرنے سے منع فرمایا۔اگر اس کے جسم پر نجاست نہ ہو تو منع کرنے کی یہی وجہ ہو سکتی ہے کہ ماء مستعمل ہونے کے بعد وہ پانی دوسروں کے کام نہیں آسکتا۔اس لئے اس میں گھس کر پانی کو مستعمل کرنے سے منع فرمایا۔حدیث میں ہے **ابو ھریرة یقول قال رسول اللہ ﷺ لایغتسل احدکم فی الماء الدائم وھو**

۱؎ خلافاً لمالک، والشافعیؒ هما یقولان ان الطهور ما یطهر غیره مرة بعد اخری کالقطوع،

۲؎ وقال زفر و هو احد قولی الشافعی ان کان المستعمل متوضیاًفهو طهور و ان کان محدثا فهو طاهر غیر طهور لان العضو طاهر حقیقة وباعتباره یکون الماء طاهرا لکنه نجس حکما و باعتباره یکون الماء نجسا فقلنا بانتفاء الطهورية و بقاء الطهارة عملا بالشبهين

جنب ۔(مسلم شریف، باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۲۸۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ماء مستعمل پاک تو ہے لیکن پاک کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ترجمہ : ۱؎ برخلاف امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے، وہ دونوں فرماتے ہیں کہ طھور اسکو کہتے ہیں جو دوسروں کو بار بار پاک کرے ، جیسے قطوع: کا ترجمہ ہے جو بار بار لکڑی کو کاٹے۔

تشریح : امام مالک، اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ماء مستعمل پاک بھی ہے اور دوسرے کو پاک کرنے والا بھی ہے، یعنی اس پانی سے دوبارہ وضو کیا جا سکتا ہے۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں پانی کو طھور کہا گیا ہے اور طھور مبالغہ کا صیغہ ہے جسکا معنی ہے بار بار پاک کرنا اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ ایک مرتبہ استعمال کرنے کے بعد وضو کرنے کے قابل ہو، بشرطیکہ ناپاکی میں استعمال نہ ہوا ہو۔ آیت یہ ہے. و انزلنا من السماء ماء طهوراً ۔(آیت ۴۸، سورۃ الفرقان ۲۵)۔ جیسے لفظ، قطوع، مبالغے کا صیغہ ہے جسکا معنی ہے بار بار کاٹنا، اسی طرح طھور کا معنی ہونا چاہئے بار بار پاک کرنا۔

ترجمہ : ۲؎ امام زفرؒ نے فرمایا اور امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے کہ اگر استعمال کرنے والا وضو کیا ہوا ہے تو پانی پاک بھی ہے اور پاک کرنے والا بھی رہے گا، اور اگر استعمال کرنے والا محدث ہے تو پانی پاک رہے گا لیکن پاک کرنے والا نہیں رہے گا۔ اسلئے کہ عضو حقیقت میں پاک ہے اسلئے پانی پاک رہیگا، لیکن عضو حکما نجس ہے اس اعتبار سے پانی ناپاک ہوگا۔ اسلئے ہمنے کہا کہ پاک کرنے والا نہیں ہے اور خود پاک ہے، دونوں مشابہت پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح : امام زفرؒ کا مسلک اور امام شافعیؒ کا اصل مسلک یہی ہے کہ استعمال کرنے والا وضو کیا ہوا ہے تو پانی پاک رہے گا۔ اور اگر وہ محدث ہے تو پانی پاک رہے گا البتہ وہ دوسرے کو پاک نہیں کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عضو حقیقت میں پاک ہے اس پر ظاہری طور پر کوئی ناپاکی نہیں ہے اس اعتبار سے پانی پاک رہے گا تا کہ اس مشابہت پر عمل ہو جائے۔ لیکن حکمی اعتبار سے عضو ناپاک ہے اسلئے کہ وہ محدث ہے اسکی وجہ سے پانی سے دوسرے کو پاک کرنے کی صلاحیت ختم ہو جائے گی، تا کہ عضو جو حکما ناپاک ہے اسکی مشابہت پر عمل ہو جائے۔ اسلئے پانی طاھر رہیگا لیکن غیر مطہر ہوگا۔

امام شافعیؒ کا اصل مسلک یہی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے۔ موسوعة میں عبارت یہ ہے۔ قال

۳؎ و قال محمدؒ وهو رواية عن ابی حنيفةؒ هو طاهر غير طهور لان ملاقاة الطاهر الطاهر لا توجب التنجس الا انه اقيمت به قربة فتغيرت به صفته، كمال الصدقة ۴؎ وقال ابو حنيفة و ابو يوسفؒ هو نجس لقوله عليه السلام: لا يبولن احدكم فی الماء الدائم و لا يغتسلن فيه من الجنابة

الشافعیؒ و لو توضأ بماء توضأ به رجل لا نجاسة علی أعضائه لم يجزه ،لانه ماء قد توضیء به ۔(موسوعة ،باب حکم الماء المستعمل ،ج اول ،ص ۵۲ ،نمبر ۱۹۴) اس سے معلوم ہوا کہ انکے یہاں بھی ماء مستعمل طاہر غیر مطہر ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا ،اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ کا ہے کہ پانی پاک ہے البتہ پاک کرنے والا نہیں ہے۔اسلئے کہ پاک پانی پاک عضو کے ساتھ ملنے سے ناپاکی واجب نہیں کرتا ،مگر اس سے قربت حاصل کی ہے اسلئے اسکے پاک کرنے کی صفت بدل جائے گی ۔جیسے کے صدقے کا مال۔

تشریح : امام محمد کا مسلک اور یہی ایک روایت امام ابوحنیفہ کی ہے کہ ماء مستعمل پاک ہے پاک کرنے والا نہیں ہے۔اسلئے کہ جسم پاک ہے اس سے جب پاک پانی ملا تو اس سے ناپاک تو نہیں ہو جائے گا۔البتہ وضو کرکے اللہ کی قربت حاصل کی ہے اور حکمی طور پر طھارت حاصل کی ہے اسلئے پانی کی پاک کرنے والی صفت بدل جائے گی ،اور وہ پاک کرنے والا نہیں رہے گا۔جیسے کہ صدقے کا مال ،کہ وہ مال ہی ہے لیکن زکوۃ کی نیت کرنے کے بعد وہ مالداروں کے لئے حلال نہیں رہتا۔اس میں حلت کی صفت کم ہوگئی۔اسی طرح یہاں بھی پاک کرنے کی صفت کم ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ ماء مستعمل ناپاک ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ :تم میں سے کوئی ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب نہ کرے۔(اور دوسری حدیث) اور پانی میں جنابت کا غسل نہ کرے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ ماء مستعمل ناپاک ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ آپؐ نے ٹھرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا ہے ،جسکی وجہ یہ ہے کہ پیشاب کرنے سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔یا ٹھرے ہوئے پانی میں جنابت کا غسل کرنے سے منع فرمایا۔جسکی وجہ یہ ہے کہ غسل جنابت سے تھوڑا پانی ناپاک ہو جاتا ہے۔جب نجاست حقیقیہ سے پانی ناپاک ہو جاتا ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے نجاست حکمیہ یعنی وضو سے بھی پانی ناپاک ہو جائے گا۔پیشاب کے بارے میں حدیث یہ ہے ۔ **سمع ابو هريرة انه سمع رسول الله ﷺ يقول لايبولن احدكم فی الماء الدائم الذی لايجری ثم يغتسل فيه** ۔(بخاری شریف ،باب البول فی الماء الدائم ص ۳۷ نمبر ۲۳۹ / مسلم شریف ،باب النھی عن البول فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۶۵۶/۲۸۲) غسل کے بارے میں یہ حدیث ہے **سمع أبا هريرة يقول قال رسول الله ﷺ لا يغتسل احدكم فی الماء الدائم وهو جنب**. (مسلم شریف ،باب النھی عن الاغتسال فی الماء الراکد ص ۱۳۸ نمبر ۶۵۸/۲۸۳) ۔اس

۵ ولانه ماء ازيلت به النجاسة الحكمية فيعتبر بماء ازيلت به النجاسة الحقيقية، ٦ ثم فی رواية الحسن عن ابی حنيفة نجاسة غليظة اعتباراً بالمستعمل فی الحقيقية، ۷ وفی رواية ابی يوسف عنه و هو قوله: نجاسة خفيفة لمكان الاختلاف (۵۰) والماء المستعمل: هو ماء ازيل به حدث، او

حدیث میں نجاست حقیقیہ سے پانی ناپاک قرار دیا ہے اسی پر قیاس کرتے ہوئے نجاست حکمیہ سے بھی پانی ناپاک ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور اسلئے بھی کہ یہ ایسا پانی ہے کہ اس سے نجاست حکمیہ زائل کی گئی ہے، پس قیاس کیا جائے گا اس پانی پر جس سے نجاست حقیقیہ زائل کی گئی ہو۔

تشریح: جس پانی سے نجاست حقیقیہ زائل کی گئی ہوتو وہ ناپاک ہوجاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح جس پانی سے نجاست حکمیہ زائل کی گئی ہوتو وہ وہ ناپاک ہوجائے گا۔ یہ دلیل عقلی ہے، اور قیاس ہے۔

ترجمہ: ٦ امام ابوحنیفہؒ سے حضرت حسنؒ کی روایت میں یہ ہے کہ ماء مستعمل نجاست غلیظہ ہے، وہ قیاس کرتے ہیں نجاست حقیقیہ میں ماء مستعمل پر۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی روایت حضرت حسنؒ سے یہ ہے کہ ماء مستعمل نجاست غلیظہ ہے، یعنی ایک درھم بھی لگ جائے تو وہ ناپاک ہوجائے گا۔ وہ فرماتے ہیں کہ پانی سے نجاست حقیقیہ، مثلا پیشاب اور پیخانہ دھویا جائے تو وہ پانی بالکل ناپاک ہوتا ہے، بلکہ پانی خود نجاست غلیظہ بن جاتا ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے نجاست حکمیہ زائل کی گئی ہو یعنی وضو کیا گیا ہوتو اس سے پانی ناپاک ہوگا اور نجاست غلیظہ والا ناپاک ہوگا۔ گویا کہ انہوں نے نجاست حکمیہ کو نجاست غلیظہ پر قیاس کیا۔ تاہم یہ روایت مفتی بہ نہیں ہے۔

ترجمہ: ۷ اور امام ابوحنیفہ سے امام ابو یوسفؒ کی روایت یہ ہے کہ ماء مستعمل نجاست خفیفہ ہے، کیونکہ اس میں ائمہ کا اختلاف ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے روایت کی ہے اور یہی قول امام ابوحنیفہ کا ہے کہ ماء مستعمل نجاست خفیفہ ہے۔ اسکی دلیل یہ بتلاتے ہیں کہ ماء مستعمل کے پاک ہونے میں اور ناپاک ہونے میں ائمہ کا اختلاف ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ کسی بات میں ائمہ کا اختلاف ہوجائے تو اس میں تخفیف ہوجاتی ہے اسلئے ماء مستعمل میں تخفیف ہوگی اور وہ نجاست خفیفہ ہوجائے گا۔

حاصل: ماء مستعمل کے بارے میں امام ابوحنیفہ کی تین رائیں ہوگئیں (۱) امام محمدؒ سے کہ وہ پاک ہے لیکن پاک کرنے والا نہیں ہے۔ اور فتوی اسی پر ہے۔ (۲) حضرت حسنؒ سے کہ وہ نجاست غلیظہ ہے۔ (۳) امام ابو یوسفؒ سے کہ وہ نجاست خفیفہ ہے۔

ترجمہ (۵۰) ماء مستعمل ہر وہ پانی ہے جس سے حدث زائل کیا گیا ہو (۲) یا بدن پر قربت کے طور پر استعمال کیا گیا ہو۔

تشریح: (۱) اگر عینی نجاست بدن یا کپڑے پر ہو اس کو پانی سے دور کیا تو وہ پانی ناپاک ہے۔ البتہ نجاست عینی نہ ہو صرف حدث

استعمل فی البدن علی وجه القربة﴾ ۱؎ قال هذا عند ابی یوسف ؒ و قیل هو قول ابی حنیفة ؒ ایضاً
۲؎ و قال محمد ؒ لایصیر مستعملا الا باقامة القربة لان الاستعمال بانتقال نجاسة الآثام الیه، وانها
تزال بالقربة، ۳؎ و ابو یوسف ؒ یقول اسقاط الفرض مئوثر ایضاً فیثبت الفساد بالامرین،

اکبر جنابت یاحدث اصغر یعنی وضوکرنے کے لئے پانی استعمال کیا تووہ ماء مستعمل ہوتا ہے (۲) یا پہلے سے وضوموجود ہولیکن قربت الہی حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضوکرے تو یہ بھی ماء مستعمل ہوجاتا ہے۔جس کاحکم اوپر گذر چکا۔

ترجمہ: ۱؎ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو یوسف کے نزدیک ہے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ یہی امام ابوحنیفہؒ کا بھی قول ہے۔

تشریح : اوپر دوصورتوں سے پانی مستعمل ہونے کا تذکرہ تھا۔ایک تو یہ کہ محدث آدمی وضوکرکے حدث زائل کرنے کاارادہ کرے تو پانی مستعمل ہوتا ہے،اور دوسری صورت یہ ہے کہ وضوکیا ہوا آدمی ثواب کے لئے اور قربت حاصل کرنے کے لئے دوبارہ وضوکرے تواس سے بھی پانی مستعمل ہوجاتا ہے۔یہ مسلک امام ابو یوسفؒ کا ہے اور یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

وجہ: حدیث میں وضوکرنے کا تذکرہ گزرا جس سے پانی مستعمل ہونے پر استدلال کیا،اس وضوکا دونوں مطلب ہوسکتا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپؐ نے حدث زائل کرنے کے لئے وضوکیا تھا جس سے پانی مستعمل ہوا،اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ثواب کے لئے وضو پر وضوکیا تھا جس سے پانی مستعمل ہوا۔(۲) حدث زائل کیا تو نجاست حکمیہ زائل ہوئی اسلئے اس سے پانی مستعمل ہونا چاہئے۔اور ثواب کی نیت کی تواس سے بھی ایک گونہ گناہ جھڑتا ہے اسلئے اس سے بھی پانی مستعمل ہونا چاہئے ۔

ترجمہ: ۲؎ امام محمدؒ نے فرمایا کہ پانی مستعمل نہیں ہوگا مگر قربت کے قائم کرنے سے،اسلئے کہ پانی مستعمل ہوتا ہے گناہوں کی نجاست اسکی طرف منتقل ہونے سے،اور گناہوں کی نجاست زائل ہوتی ہے قربت کی نیت کرنے سے۔

تشریح : امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ گناہوں کی نجاست پانی کی طرف منتقل ہوتب وہ مستعمل ہوگا اور گناہ زائل ہوتا ہے اور پانی کی طرف منتقل ہوتا ہے قربت کی نیت کرنے سے،اسلئے وضوکرتے وقت قربت کی نیت اور ثواب کی نیت کرے گا تب پانی مستعمل ہو گا،اور اگر ثواب کی نیت نہیں کی صرف حدث زائل کرنے کی نیت کی تو پانی مستعمل نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۳؎ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ فرض ساقط کرنا بھی پانی کو مستعمل بنانے میں موثر ہے اسلئے فساد یعنی مستعمل بنانا دونوں باتوں سے ثابت ہوگا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بغیر ثواب کی نیت کے وضوکرلیا تو وضو ہوگیا اور وضوکرنا جوفرض تھا وہ ساقط ہوگیا اور حدث زائل ہوگیا تو حدث کا زائل ہونا بھی پانی مستعمل ہونے میں موثر ہے اسلئے اس سے بھی پانی مستعمل ہوجائے گا۔جس طرح

۴؎ و متی یصیر الماء مستعملا، الصحیح انه کما زال عن العضو صار مستعملا لان سقوط حکم الاستعمال قبل الانفصال للضرورة و لا ضرورة بعده ۵؎ و الجنب اذا انغمس فی البیر لطلب الدلو، فعند ابی یوسف الرجل بحاله لعدم الصب و هو شرط عنده لاسقاط الفرض، و الماء بحاله لعدم

قربت کی نیت کرنے سے پانی مستعمل ہوجاتا ہے

ترجمہ : ۴؎ اور پانی مستعمل کب ہوگا؟ توصحیح بات یہ ہے کہ جیسے ہی عضو سے جدا ہوا تو پانی مستعمل ہوگیا، اسلئے کہ مستعمل ہونے کا حکم عضو سے جدا ہونے سے پہلے ضرورت کی بناء پر ساقط کیا گیا، اور جدا ہونے کے کوئی ضرورت نہیں رہی۔

تشریح : پانی کب مستعمل ہوگا اسکے تین مقامات ہیں (۱) عضو پر رہتے ہوئے ہی پانی مستعمل شمار کیا جائے۔ (۲) پانی جب عضو سے جدا ہوجائے تب مستعمل شمار کیا جائے۔ (۳) پانی عضو سے جدا ہوکر کسی مقام پر، مثلا برتن میں جمع ہوجائے تب مستعمل شمار کیا جائے۔ پانی جب عضو پر ہو تو کسی کے یہاں بھی مستعمل شمار نہیں کیا جائے گا کیونکہ اس میں ضرورت ہے۔ اگر عضو پر رہتے ہوئے مستعمل شمار کردیا جائے تو عضو ہی کبھی پاک نہیں ہوگا۔

اودوسری صورت کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد فورا ہی مستعمل قرار دیا جائے کیونکہ اب ضرورت باقی نہیں رہی۔ صحیح قول یہی ہے۔

حضرت سفیان ثوری کا قول یہ ہے کہ عضو سے جدا ہونے کے بعد کسی مقام پر، مثلا برتن وغیرہ میں جمع ہوجائے تب جاکر پانی کو مستعمل قرار دیا جائے۔ اس سے پہلے پانی مستعمل نہیں شمار کیا جائے گا۔ صحیح کہہ کر اسی طرف اشارہ کیا ہے کہ یہ قول صحیح نہیں ہے ۔

﴿ کنویں میں گھسنے کا بیان ﴾

ترجمہ : ۵؎ جنبی نے اگر کنویں میں ڈول نکالنے کے غوطہ لگایا تو امام ابو یوسف کے نزدیک جنبی اپنی حالت پر ناپاک ہے نہ بہانے کی وجہ سے، کیونکہ ان کے نزدیک فرض کو ساقط کرنے کے لئے بہانا شرط ہے۔ اور پانی اپنی حالت پر پاک ہے کیونکہ ازالہ حدث کی نیت بھی نہیں ہے اور قربت کی نیت بھی نہیں ہے۔ (نوٹ) کنواں دہ دردہ سے کم ہو۔ اور اگر دہ دردہ ہو تب تو اصاف ثلاثہ میں سے کسی ایک کے بدلے بغیر ناپاک ہی نہیں ہوگا۔

تشریح : آدمی جنابت کی حالت میں ہے۔ لیکن اسکے جسم پر نجاست نہیں ہے، ہر جگہ سے نجاست دھوئی ہوئی ہے، ایسا آدمی ڈول نکالنے کے لئے کنویں میں غوطہ لگائے تو امام ابو یوسف کے نزدیک آدمی ناپاک ہی رہے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے

الامرين، ۶ و عند محمدؒ كلا هما طاهران، الرجل لعدم اشتراط الصب، والماء لعدم نية القربة ۷ وعندابى حنيفةؒ كلاهما نجسان، الماء لاسقاط الفرض من البعض باول الملاقاة، و الرجل لبقاء الحدث فى بقية الاعضاء، ۸ وقيل عنده نجاسة الرجل بنجاسة الماء المستعمل

یہاں جنابت کے فرض کوساقط کرنے کے لئے پانی کوجسم پر بہانا، یا بہانے کی نیت کرنا ضروری ہے، اور یہاں نہ بہایا ہے اور نہ بہانے کی نیت کی ہے، بلکہ نیت تو ڈول نکالنے کی کی ہے جسکی وجہ سے جسم پر خود پانی آ گیا۔ اسلئے آدمی اپنی پہلی حالت پر ناپاک ہی رہے گا۔ اور کنویں کا پانی اپنی پہلی حالت پر پاک رہے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی دو وجہوں میں سے ایک سے مستعمل ہوتا ہے اور دونوں نہیں پائے گئے اسلئے پانی مستعمل نہیں ہوا۔ پانی مستعمل ہونے کے لئے یا تو ازالہ حدث کی نیت ہو، یا قربت کی نیت ہو، اور یہاں دونوں نہیں ہیں، کیونکہ وہ ڈول نکالنے کے لئے غوطہ مارا ہے، اسلئے پانی پاک رہے گا۔ عدم الامرین: کا یہی مطلب ہے۔

ترجمہ : ۶ اور امام محمدؒ کے نزدیک پانی اور آدمی دونوں پاک ہیں۔ آدمی پاک ہے بہانے کی شرط نہ ہونے کی وجہ سے۔ اور پانی پاک ہے قربت کی نیت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : امام محمدؒ کے نزدیک محدث کے پاک ہونے کے لئے ازالہ حدث کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، یا پانی بہانا ضروری نہیں ہے بلکہ بغیر نیت کے بھی پانی میں غوطہ لگا دے گا تو آدمی پاک ہو جائے گا۔ یہاں بغیر ازالہ حدث کی نیت کے غوطہ لگایا ہے پھر بھی آدمی پاک ہو جائے گا اور کنویں کا پانی اس لئے مستعمل نہیں ہوگا کہ غوطہ لگانے والے نے قربت کی نیت نہیں کی۔ اور اوپر گزر چکا ہے کہ امام محمدؒ کے نزدیک مستعمل ہونے لئے قربت کی نیت کرنا ضروری ہے۔ اسلئے پانی، آدمی دونوں پاک ہونگے۔

ترجمہ : ۷ اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پانی اور آدمی دونوں ناپاک ہیں۔ (یعنی آدمی ناپاک ہے اور پانی مستعمل ہے) پانی ناپاک ہے اول ملاقات میں بعض عضو سے فرض ساقط ہونے کی وجہ سے۔ اور آدمی ناپاک ہے باقی عضو میں حدث باقی رہنے کی وجہ سے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہونے لئے نیت کی ضرورت نہیں۔ ازالہ حدث کی نیت نہ کرے اور نہ قربت کی نیت کرے اور غوطہ لگا دے تو بھی آدمی پاک ہو جائے گا۔ اور پانی کے ناپاک ہونے کے لئے بھی نیت کی ضرورت نہیں۔ اسلئے غوطہ لگاتے ہی پانی ناپاک ہو جائے گا۔ اب جیسے ہی جسم کا نچلا حصہ پانی میں گیا تو وہ پاک ہو گیا البتہ اوپر کا حصہ ناپاک رہا۔ اور پورا پانی ناپاک ہو گیا۔ اب جسم کا تھوڑا سا حصہ پاک ہے اور اکثر حصہ ناپاک ہے اسلئے آدمی ناپاک رہے گا۔ اور پانی بھی ناپاک ہو گیا۔

ترجمہ : ۸ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ حضرت امام اعظم کے نزدیک آدمی ناپاک ہو جائے گا ماء مستعمل کے ناپاک ہونے کی وجہ سے۔

۹ وعنه ان الرجل طاهر لان الماء لایعطی له حکم الاستعمال قبل الانفصال و هو اوفق الروات عنه

(۵۱) قال (القدوری) و کل اهاب دبغ فقد طهر، جازت الصلوٰة فیه، والوضوء منه الا جلد الخنزیر،والادمی﴾

تشریح : آدمی کے ناپاک ہونے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ آدمی کا نچلا حصہ جب پانی میں گیا تو امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کے مطابق مستعمل ہونے کی وجہ سے پانی ناپاک ہوگیا۔اور اس آدمی کا کچھ حصہ پاک ہوگیا تھا لیکن جب یہ ناپاک پانی میں رہا تو دوبارہ وہ حصہ بھی ناپاک ہوگیا اور گویا کہ پورا آدمی ناپاک ہوگیا۔اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ ناپاک پانی کی وجہ سے آدمی دوبارہ ناپاک ہوا۔

ترجمہ : ۹ امام ابوحنیفہؒ سے یہ بھی منقول ہے کہ آدمی پاک ہے اسلئے کہ جدا ہونے سے پہلے پانی کو مستعمل ہونے کا حکم نہیں دیا جائے گا، یہ امام ابوحنیفہؒ سے تمام روایتوں میں سب سے زیادہ فقہ کے موافق روایت ہے ۔

تشریح : پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ پانی جسم سے جدا ہو تب اس پر مستعمل ہونے کا حکم لگایا جائے گا، اس سے پہلے نہیں۔اس قاعدے کی بناء پر آدمی جب تک پانی کے اندر رہا اس وقت تک پانی مستعمل نہیں ہوا، اس دوران پورا آدمی دھل گیا، اور پاک ہوگیا ،اور جب کنویں سے باہر نکلا تو پاک ہی نکلا اس لئے آدمی پاک رہا۔اور اسکے نکلنے کے بعد پانی مستعمل ہوا، اس طرح بعد میں پانی ناپاک ہوا۔یہ روایت پچھلے قاعدے اور دلیل کے موافق ہے اور حضرت امام اعظمؒ کی جلالت شان کے بھی موافق ہے۔اور اسی پر فتویٰ ہے۔

لغت :حدث : حدث اصغر جیسے وضو کو واجب کرنے والی چیزیں، حدث اکبر جیسے جنابت۔نجاست عینی کو نجاست کہتے ہیں۔ وجه القربة : حدث دور کرنے کی نیت ہو یا وضو پر وضو کرنے کی نیت ہو۔آثام :اثم کی جمع ہے، گناہ۔تزال: زائل ہوتا ہے، منتقل ہوتا ہے۔امرین: دونوں امر سے یہاں مراد ہے، قربت کی نیت، یا ازالہ حدث کی نیت . انغمس: گھس گیا، غوطہ لگایا۔الصب: پانی کا بہانا۔انفصال: جدا ہونا۔

﴿ چمڑے کے احکام ﴾

ترجمہ : (۵۱) کچا چمڑا دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔اس پر نماز جائز ہے۔اور اس کے برتن سے وضو جائز ہے ۔مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا، پاک نہیں ہوگا۔

۱؎ لقوله علیہ السلام: ایما اهاب دبغ فقد طهر ۲؎ وهو بعمومه حجة علی مالکؒ فی جلد المیتة

تشریح : انسان اور سور کے علاوہ کوئی جانور چاہے اسکا گوشت کھایا جاتا ہو یا نہ کھایا جاتا ہو وہ مر جائے اور اسکی کھال نکال کر اسکو دباغت دے دے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔دوسری صورت یہ ہے کہ اسکو ذبح کر دیا جائے تو اسکا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔اس پر نماز پڑھنا جائز ہے اور اگر اسکا برتن بنالیا جائے تو اس برتن میں پانی رکھنا اور اسکو پینا یا اس سے وضو کرنا جائز ہے۔

وجہ: (۱) مردار کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو اس کی ناپاک رطوبت نکل جاتی ہے اور بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے صرف چمڑا باقی رہ جاتا ہے اسلئے وہ پاک ہو جاتا ہے۔اہل عرب کے پاس اکثر اسی قسم کے برتن ہوتے تھے (۲) حدیث میں ہے عن ابن عباسؓ قال رسول اللہ ﷺ ایما اهاب دبغ فقد طهر. (نسائی شریف، باب جلود المیتة ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۴۶ مسلم شریف، باب طھارۃ جلود المیتۃ بالدباغ، ص ۱۵۷، نمبر ۳۶۶/۸۱۲ ابوداود، نمبر ۴۱۲۳) دوسری حدیث میں ہے عن عائشة عن النبی ﷺ قال :ذکوة المیتة دباغها (نسائی شریف، باب باب جلود المیتۃ ص ۱۶۹، نمبر ۴۲۵۱) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے۔

مگر سور کا چمڑا اور آدمی کا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

وجہ: سور نجس العین ہے اس لئے اس کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگا۔آیت میں ہے او لحم خنزیر فانه رجس (آیت ۱۴۵، سورۃ الانعام ۶)۔اور آدمی کا چمڑا عزت اور کرامت کی بنا پر دباغت دینے کے بعد بھی قابل استعمال نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے: کہ کسی بھی چمڑے کو دباغت دیا جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے۔یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔(نسائی، نمبر ۴۲۴۶)

ترجمہ: ۲؎ یہ حدیث الفاظ کے عام ہونے کے اعتبار سے مردار کے چمڑے کے بارے میں امام مالکؒ پر حجت ہے۔

تشریح : امام مالکؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مردار کا چمڑا دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوتا۔انکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن عبد الله بن عکیم قال : قریء علینا کتاب رسول الله ﷺ بأرض جهینة و انا غلام شاب : أن لا تستمتعوا من المیتة باهاب ،و لا عصب . (ابوداود شریف، باب من روی أن لا یستنفع باھاب المیتۃ، ص ۵۸۱ نمبر ۴۱۲۷ نسائی شریف، ما یدبغ بہ جلود المیتۃ، ص ۵۹۲ نمبر ۴۲۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کے چمڑے سے اور پٹھے سے نفع نہ اٹھاو۔اسکے لئے ہمارا جواب یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں ہے ایما اهاب: ایما، کا لفظ عام ہے جسکا ترجمہ ہے کسی بھی چمڑے کو دباغت دو تو وہ پاک ہو جائے گا، اسلئے ہر مردار کا چمڑا دباغت کے بعد پاک ہو جائے گا، سوائے سور اور آدمی کے۔

۳ ولا يعارض بالنهي الوارد عن الانتفاع من الميتة، وهو قوله عليه السلام: لاتنتفعو من الميتة باهاب، لانه اسم لغير المدبوغ **۴** وحجة على الشافعي في جلد الكلب، وليس الكلب نجس العين

ترجمه: ۳ مردار سے نفع حاصل کرنے سے جو منع کی حدیث وارد ہوئی ہے وہ اوپر کی حدیث کے معارض نہیں ہے اور وہ ہے حضورؐ کا قول: کہ مردار کے کچے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاو، اسلئے کہ اھاب نام ہے بغیر دباغت دئے ہوئے چمڑے کا۔

تشریح: اوپر حضرت امام مالکؒ کی پیش کردہ حدیث۔ أن لا تستمتعوا من الميتة باهاب ،و لا عصب .(ابوداود شریف، نمبر ۴۱۲۷) جس میں تھا کہ مردار کے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ، یہ حدیث اوپر والی حدیث .ايما اهاب دبغ فقد طهر . (نسائی شریف، باب جلود المیتۃ ج ثانی ص ۱۶۹ نمبر ۴۲۴۶) کے مخالف نہیں ہے۔ کیونکہ جس حدیث میں اھاب سے فائدہ نہ اٹھانے کا حکم ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مردار کے کچے چمڑے سے فائدہ نہ اٹھاؤ کیونکہ دباغت دینے سے پہلے ابھی وہ ناپاک ہے ،اسلئے اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں، اور جس حدیث میں ہے کہ کچا چمڑا پاک ہوجاتا ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ دباغت دینے کے بعد پاک ہوتا ہے، اسلئے دونوں حدیثیں ایک دوسرے کے معارض نہیں ہیں۔

نوٹ: موطا امام مالکؒ میں یہ حدیث نقل کی ہے عن عبد الله بن عباس ان رسول الله ﷺ قال اذادبغ الاهاب فقد طهر ۔(موطا امام مالک، باب ماجاء فی جلود المیتۃ، ص ۴۹۳) اس حدیث اور باب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مالکؒ کا بھی اصل مسلک یہی ہے کہ دباغت دینے کے بعد مردار کا چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔ ممکن ہے کہ انکا دوسرا قول بھی ہو۔

ترجمه: ۴ اور یہ حدیث حجت ہے امام شافعیؒ پر کتے کے چمڑے کے بارے میں، کیونکہ کتے کا چمڑا نجس العین نہیں ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں نگہبانی اور شکار پکڑنے کے لئے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک سور کی طرح کتا بھی نجس العین ہے، اسلئے کتے کے چمڑے کو دباغت دیا جائے تب بھی وہ پاک نہیں ہوگا۔ موسوعۃ میں ہے۔السباع کلها طاهر الا الكلب والخنزير۔ (موسوعۃ، باب الماء الراکد، ج اول ص ۱۵، نمبر ۳۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انکے نزدیک کتا بھی سور کی طرح نجس العین ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کتے کے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال : اذاشرب الكلب في اناء احدكم فليغسله سبعاً ۔(بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء أحدکم فلیغسلہ سبعاً۔ ص ۲۹، نمبر ۱۷۲) کسی اور جانور کے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کے لئے نہیں کہا صرف اسکے جوٹھے کو سات مرتبہ دھونے کے لئے کہا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ نجس العین ہے۔ اسلئے دباغت دینے کے بعد بھی اسکا چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ کتا نجس العین نہیں ہے کیونکہ اس سے نگہبانی کرنے کا اور شکار کرنے کا فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ حدیث میں اسکی اجازت ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عبد الله بن عمر يقول : سمعت النبي ﷺ يقول : من اقتنى كلباً .الا كلبا ضاريا

الاترى انه ينتفع به حراسة واصطيادا ۵ بخلاف الخنزير لانه نجس العين اذ الهاء فی قوله تعالیٰ: فانه رجس، منصرف اليه لقربه ٦ وحرمة الانتفاع باجزاء الآدمی لكرامته فخرجا عمارويناه ۷ ثم مايمتنع النتن، والفساد فهودباغ وان كان تشميتاًاوتتريباًلان المقصود يحصل به فلامعنى لاشتراط غيره

لصيد أو كلب ماشية . فانه ينقص من اجره كل يوم قيراتان . (بخاری شریف، باب من اقتنی کلبا لیس بکلب صیداًو ماشیۃ، ص ۹۷٦ نمبر ۵۴۸۱) اس حدیث میں شکار اور نگہبانی کے لئے کتا رکھنے کی اجازت ہے جس سے معلوم ہوا کہ کتا نجس العین نہیں ہے، کیونکہ اگر نجس العین ہوتا اسکے دانت سے شکار کیا ہوا کیسے حلال ہوگا۔ اسلئے اسکے چمڑے کو دباغت دیا جائے تو چمڑا پاک ہو جائے گا۔

ترجمه : ۵ بخلاف سور کے اسلئے کہ وہ نجس العین ہے اسلئے کہ ،ہ، ضمیر اللہ تعالیٰ کا قول: فانہ رجس، میں خنزیر کی طرف ہی لوٹتی ہے کیونہ وہی قریب ہے۔

تشريح : بخلاف سور کے کیونکہ وہ نجس العین ہے اسلئے اسکے چمڑے کو دباغت دیں تب بھی پاک نہیں ہوگا اسلے کہ آیت میں اسکو نجس العین کہا ہے۔آیت یہ ہے۔ الا ان يكون ميتة او دما مسفوحا او لحم خنزير فانه رجس (آیت ۱۴۵، سورة الانعام ٦) اس آیت میں فانه رجس کی ،ہ، ضمیر خنزیر کی طرف لوٹتی ہے کیونکہ وہی قریب میں ہے، اسلئے آیت کا مطلب یہ ہوا کہ خنزیر کا گوشت نجس ہے یعنی وہ خود نجس العین ہے۔اسلئے اسکی کھال دباغت دینے کے بعد بھی پاک نہیں ہوگی۔

ترجمه : ٦ اور آدمی کے اجزا سے فائدہ اٹھانا حرام ہے اسکی عزت کی بناء پر۔اسلئے سور اور آدمی ہماری روایت کی ہوئی حدیث سے نکل گئے۔

تشريح : آدمی کے اجزا سے فائدہ اٹھانا حرام ہے، اور اسکی کھال کو دباغت دیں تو وہ پاک نہیں ہوگی، اسلئے کہ اسکی عزت اور احترام ہے۔اسلئے ہم نے جو اوپر حدیث .ايما اهاب دبغ فقد طهر . (نسائی، نمبر ۴۲۴٦) نقل کی ہے۔جسکا مطلب یہ تھا کہ تمام مردار کا چمڑا دباغت دینے کے بعد پاک ہوجائے گا ۔اس تمام میں سے سور اور آدمی نکل گئے اسلئے اسکی کھال دباغت دینے سے پاک نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۷ پھر جو چیز بھی بدبو اور فساد کو روک دے وہ دباغت ہے اگر چہ دھوپ میں سکھانا ہو یا مٹی لگانا ہو اسلئے کہ اس سے مقصود اس سے حاصل ہو جاتا ہے اسلئے دوسری چیزوں کی شرط لگانے کا کوئی معنی نہیں ہے ۔

تشريح : جن چیزوں سے کھال کی بدبو ختم ہو جائے اور وہ بگڑنے سے رک جائے اس سے دباغت ہو جائے گی۔مثلا دھوپ میں سکھا دیا، یا مٹی لگا دیا، یا قرظ گھاس ڈال کر دھو دیا جس سے کھال کی بدبو ختم ہوگئی تو ان سے دباغت ہو جائے گی۔حدیث میں ہے کہ

۸ ثم ما يطهر جلده بالدباغ يطهر بالذكاة لانه يعمل عمل الدباغ فی ازالة الرطوبات النجسة، و كذالک يطهر لحمه، وهو الصحيح، وان لم يكن ماكولا

کسی بھی چیز سے دباغت دی جائے تو پاک ہو جائے گا۔حدیث یہ ہے۔ **عن عائشة قالت : قال النبی ﷺ استمتعوا بجلود المیتة اذا ھی دبغت ترابا کان او رمادا او ملحا او ما کان بعد ان ترید صلاحه .** (دار قطنی، باب الدباغ ج اول ص ۴۴ نمبر ۱۲۳ رسنن للبیھقی، باب وقوع الدباغ بالقرظ او مایقوم مقامه، ج اول ص ۳۱ نمبر ۶۶) (۲) اور اثر میں بھی اسکی صراحت ہے۔ **عن ابراھیم قال : کل شیء منع الجلد من الفساد فھو دباغ ،قال محمد و به نأخذ ، وھو قول ابی حنیفة** ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب لباس جلود الثعالب، ودباغ الجلد، ص ۱۸۸، نمبر ۸۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ کسی بھی چیز سے دباغت ہو سکتی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ قرظ گھاس سے ہی دباغت ہوگی۔انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **أن میمونة زوج النبی ﷺ حدثتھا .....قالوا انھا میتة ؟ فقال رسول الله ﷺ : یطھرھا الماء و القرظ** ۔(نسائی شریف، ما یدبغ بہ جلود المیتة، ص ۵۹۲ نمبر ۴۲۵۳) اس حدیث میں ہے کہ قرظ یعنی ببول کی پتی سے دباغت ہوگی۔

ترجمه: ۸ پھر دباغت سے جس جانور کا چمڑا پاک ہوتا ہے ذبح کرنے سے بھی اسکا چمڑا پاک ہوگا اسلئے کہ وہ بھی دباغت کا ہی عمل کرتا ہے ناپاک رطوبت کے زائل کرنے میں، اور ایسے ہی اسکا گوشت بھی پاک ہو جائے گا صحیح بات یہی ہے چاہے وہ کھانے کے قابل نہ ہو۔

تشریح : جن جانوروں کے چمڑے دباغت دینے سے پاک ہو جاتے ہیں ان جانوروں کو ذبح کر دیا جائے تب بھی اسکے چمڑے پاک ہو جائیں گے اور اسکا گوشت بھی پاک ہو جائے گا اسکو جیب میں رکھکر نماز پڑھ سکتا ہے۔یہ اور بات ہے کہ جانور غیر ماکول اللحم ہو تو وہ گوشت کھانے کے لئے حلال نہیں ہوگا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ چمڑے کو دباغت دینا اسکو ذبح کرنے کی طرح ہے، جسکا مطلب یہ ہوا کہ ذبح کرنے سے بھی چمڑا پاک ہوگا۔اسلئے کہ چمڑا پاک کرنے کے لئے ذبح کرنا ہی اصل ہے ۔حدیث یہ ہے **عن عائشة قالت : سئل رسول الله ﷺ عن جلود المیتة فقال : دباغھا ذکاتھا** ۔(نسائی شریف ، باب جلود المیتة، ص ۵۹۲، نمبر ۴۲۵۰) یہاں حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال ہے۔اس حدیث میں ہے کہ چمڑے کو دباغت دینا گویا کہ اسکو ذبح کر کے پاک کرنا ہے، اسلئے ذبح کرنے سے بھی غیر ماکول اللحم جانور کا چمڑا پاک ہو جائے گا اب دوبارہ اسکو دباغت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔اور جب چمڑا پاک ہو گیا تو اس کا گوشت بھی اسی درجے میں ہے اسلئے وہ بھی ذبح کرنے سے پاک ہو جائے گا۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے ذبح کئے ہوئے چمڑے کو چھویا پھر وضو نہیں کیا اور نماز پڑھی، جس سے

(۵۲) و شعر الميتة، وعظمها طاهر

معلوم ہوا کہ ذبح کرنے سے بھی چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔حدیث یہ ہے **عن ابی سعید : ان النبی ﷺ مر بغلام یسلخ شاۃ فقال لہ رسول اللہ ﷺ : تنح حتی أریک ، فأدخل یدہ بین الجلد و اللحم فدحس بھا حتی توارت الی الابط ثم مضی للناس و لم یتوضأ .زاد عمر فی حدیثہ : یعنی لم یمس ماء** ۔(ابوداؤد شریف، باب الوضوء من مس اللحم النیء وغسلہ، ص۲۸ نمبر۱۸۵ /ابن ماجۃ، باب السلخ، ص۴۶۲ نمبر۳۱۷۹)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ذبح کیا ہوا چمڑا چھویا اور دوبارہ وضو نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ ذبح کرنے سے بھی چمڑا پاک ہوجاتا ہے (۳) دوسری وجہ یہ ہے کہ جس طرح دباغت دینے سے بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے اور ناپاک رطوبت بھی نکل جاتی ہے اسی طرح ذبح کرنے سے بھی بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے اور ناپاک رطوبت بھی نکل جاتی ہے اسلئے بھی ذبح کرنے سے چمڑا اور گوشت پاک ہوجائیں گے۔(۴) ذبح کرنے سے بہتا ہوا خون نکل جاتا ہے اور گوشت پاک ہوجاتا ہے اور کھانے کے لئے حلال ہوجاتا ہے، اسلئے ذبح کرنے سے چمڑا بھی پاک ہوجائے گا

فائدۃ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جن جانوروں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے ذبح کرنے سے اسکا چمڑا پاک نہیں ہوگا جب تک کہ دوبارہ اس پر دباغت نہ دیا جائے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابی الملیح ابن اسامۃ عن أبیہ : أن رسول اللہ ﷺ نھی عن جلود السباع .** (ابوداؤد شریف، باب فی جلود النمور والسباع، ص۵۸۱ نمبر۴۱۳۲)اس حدیث میں ہے کہ پھاڑ کھانے والے یعنی غیر ماکول اللحم کے چمڑے سے منع فرمایا، اسکی ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اسکا چمڑا بغیر دباغت سے پاک نہیں ہوگا۔

لغت : اھاب: کچا چمڑا۔دباغت: ببول کی پتی ڈال کر چمڑے کو پکاتے ہیں جس سے چمڑا پاک ہوجاتا ہے اسکو دباغت کہتے ہیں ۔حراسۃ: نگہبانی کرنا. اصطیاد :صید سے مشتق ہے شکار کرنا۔رجس: ناپاک۔کرامۃ :عزت، احترام۔النتن: بدبو۔فساد : بگڑنا اور خراب ہونا. تشمیسا: شمس سے مشتق، دھوپ میں ڈالنا۔تتریبا : تراب سے مشتق ہے مٹی میں ڈالنا۔الذکاۃ: ذبح کرنا ۔رطوبۃ: چمڑے میں اور گوشت میں جو پانی ہوتا ہے اسکو رطوبت کہتے ہیں۔ماکول : اکل سے مشتق ہے وہ جانور جسکا گوشت کھانا حلال ہے۔

ترجمہ: (۵۲) مردار کا بال اور اس کی ہڈی پاک ہے۔

تشریح :مردار چاہے ماکول اللحم ہو چاہے غیر ماکول اللحم ہو اسکی وہ چیزیں جن میں خون یا رطوبت نہیں ہوتی وہ چیزیں بغیر دباغت دئے بھی پاک ہیں۔جیسے بال، سینگ، ہڈی، کھر وغیرہ۔البتہ ان پر رطوبت لگی ہوی ہو تو دھوئے بغیر استعمال نہ کرے کیونکہ وہ تو پاک ہیں لیکن ان پر لگی ہوئی رطوبت ناپاک ہے۔

وجہ: (۱) بال، ہڈی، کھر اور سینگ میں بہتا ہوا خون نہیں ہوتا ہے اور نہ ناپاک رطوبت ہوتی ہے اس لئے مردار کی یہ چیزیں

۱؎ و قال الشافعیؒ نجس لانہ من اجزاء المیتة ۲؎ ولنا انہ لاحیوٰة فیھما، و لھذا لا یتالم بقطعھمافلایحلھماالموت اذالموت زوال الحیوٰة.

پاک ہیں(۲)حدیث میں ہے قال رسول اللہ ﷺ یا ثوبان اشتر لفاطمة قلادة من عصب وسوارین من عاج. (ابوداؤد شریف، باب فی الانتفاع بالعاج جلد ثانی ص ۲۲۷ نمبر ۴۲۱۳)اول کتاب الخاتم سے پہلے ہے۔حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کا پٹھہ بھی پاک ہے اور ہاتھی کے دانت بھی پاک ہیں۔ورنہ آپؐ پٹھے کا ہار اور ہاتھی دانت کا کنگن خریدنے کے لئے کیسے فرماتے۔(۳)سمعت ام سلمة زوج النبی ﷺ تقول : سمعت رسول اللہؐ یقول : لا بأس بمسک المیتة اذا دبغ ، ولا بأس بصوفھا و شعرھا و قرونھا اذا غسل بالماء۔(دار قطنی،باب الدباغ،ج اول،ص ۴۲،نمبر ۱۱۳/سنن للبیھقی،باب منع من الانتفاع بشعر المیتة،ج اول ص ۳۷ نمبر ۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردار کی ہڈی، بال اون اورسینگ پاک ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ ناپاک ہیں اسلئے کہ مردار کے اجزا میں سے ہیں۔

تشریح : امام شافعیؒ کھال کے علاوہ سب کو ناپاک کہتے ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عکیم قال کتب الینا رسول اللہ ان لا تستمتعوا من المیتة باھاب ولا عصب. (نسائی شریف،باب ما یدبغ بہ جلود المیتة،ج ثانی،ص ۱۷۰،نمبر ۴۲۵۵/ابن ماجہ شریف،باب من کان لاینتفعوا من المیتة باھاب ولاعصب،ص ۵۲۰،نمبر ۳۶۱۳/دار قطنی،باب الدباغة ج اول ص ۴۲ نمبر ۱۱۳)اس حدیث میں مردے کے چمڑے اور پٹھے سے منع فرمایا ہے لیکن چمڑے کی اجازت اوپر کی حدیث کی دباغت والی حدیث کی وجہ سے دیدی لیکن دوسری چیزیں تو اپنی حالت پر رہے گی۔کیونکہ وہ مردار کے اجزا میں سے ہیں۔(۲) چنانچہ حدیث میں ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ : ادفنوا الاظفار ،و الشعر ،و الدم فانھا میتة (سنن للبیھقی،باب المنع من الانتفاع بشعر المیتة،ج اول،ص ۳۴ نمبر ۷۶)اس حدیث میں ناخن اور بال سے منع فرمایا ہے کیونکہ وہ مردار ہیں اسلئے وہ پاک نہیں ہیں۔

ترجمہ : ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ ان دونوں میں زندگی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ ان دونوں کو کاٹنے سے تکلیف نہیں ہوتی اسلئے ان دونوں میں موت بھی اثر نہیں کرے گی اسلئے کہ موت زندگی کے زوال کا نام ہے(اسلئے میت کے بال اور اسکی ہڈی مردے نہیں ہوئے اسلئے وہ پاک ہونگے)

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو عقلی جواب ہے۔کہ بال اور ہڈیوں میں زندگی نہیں ہوتی یہی وجہ ہے کہ بال کو کاٹو تو تکلیف نہیں ہوگی اور جب ان میں زندگی نہیں ہوتی تو اس میں موت بھی اثر انداز نہیں ہوگی اور جب ان میں موت نہیں ہوئی تو یہ مردار بھی نہیں ہوئے اسلئے

(۵۳)وشعر الانسان،وعظمه طاهر﴾ ١ وقال الشافعیؒ نجس لانه لا ينتفع به و لا يجوز بيعه ٢ ولنا ان عدم الانتفاع و البيع لكرامته فلا يدل على نجاسته

حدیث کے اعتبار سے یہ ناپاک بھی نہیں ہوئے اسلئے یہ پاک ہوئے۔اصل وجہ اوپر کی حدیث ہے جس کی وجہ سے بال اور ہڈی پاک ہیں۔

ترجمہ:(۵۳)اور انسان کا بال اور اسکی ہڈی پاک ہیں۔

تشریح : جس طرح اور مردار کی ہڈی اور بال پاک ہیں اسی طرح انسان کی ہڈی اور بال پاک ہیں۔

وجہ : (۱)اسکی وجہ یہ ہے کہ ان میں ناپاک رطوبت نہیں ہوتی اور نہ خون ہوتا ہے جو ناپاکی کی اصل بنیاد ہے اسلئے وہ پاک ہیں ۔حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اپنے بال مبارک کو صحابہ میں تقسیم فرمایا اگر وہ پاک نہیں ہوتا تو تقسیم کیسے فرماتے! حدیث یہ ہے **عن انس بن مالک أن رسول الله ﷺ رمى جمرة العقبة يوم النحر ثم رجع الى منزله بمنى فدعابذبح فذبح ثم دعا بالحلاق فأخذ بشق رأسه الايمن فحلقه فجعل يقسم بين من يليه الشعرة و الشعرتين ، ثم أخذ بشق رأسه الايسر فحلقه ثم قال ههنا أبو طلحة ،فدفعه الى ابى طلحة** ۔(ابوداؤد شریف، باب الحلق والتقصیر ،ص ۲۲۸ نمبر ۱۹۸۱)اس حدیث میں بال صحابہ میں تقسیم فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ انسان کا بال پاک ہے اور اسی پر قیاس کر کے ہڈی بھی پاک ہوگی۔

ترجمہ: ١ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ وہ نجس ہیں اسلئے کہ ان سے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکتا،اور نہ انکو بیچا جا سکتا ہے۔

ترجمہ: ٢ اور ہماری دلیل یہ کہ فائدہ نہ اٹھانا اور نہ بیچنا اسکی عزت کی وجہ سے ہے اسلئے وہ نجاست پر دلالت نہیں کرتا۔

تشریح : ہم یہ کہتے ہیں کہ انسان کے بال کو نہ بیچ سکتے ہیں اور نہ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں،اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ باعزت چیز ہے اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ وہ ناپاک ہے اسلئے انسان کا بال اور اسکی ہڈی پاک ہیں۔عزت کی دلیل یہ آیت ہے **و لقد كرمنا بنى آدم** (آیت ۷۰ سورۃ الاسراء ۱۷)

اصول : جن ہڈیوں میں بہتا ہوا خون نہیں ہے وہ پاک ہیں ۔

لغت : اهاب : کچا چمڑا، دباغت دنہ دیا ہوا چمڑا۔یتالم :تکلیف محسوس کرتا ہے۔یحل : حلول سے مشتق ہے اندر جانا، حلول کرنا۔

Documents\3) JPEG CLIPART\26540.JPEG.jpg not found.

﴿فصل فی البیر﴾

(۵۴) و اذا وقعت فی البیر نجاسة نزحت،وکان نزح مافیها من الماء طهارةلها﴾ ل باجماع السلف

﴿ کنویں کے مسائل ﴾

ترجمہ : (۵۴) اگر کنویں میں ناپاکی گر جائے تو اس کا پانی نکالا جائے گا۔اور جو اس میں پانی ہے اس کا نکالنا ہی اس کا پاک ہونا ہے۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ بڑے تالاب کی طرح کنواں ہو تو وہ تھوڑی نجاست گرنے سے ناپاک نہیں ہوگا۔لیکن کنویں کی لمبائی اور چوڑائی کم ہو تو ناپاکی ایک کنارے سے دوسرے کنارے کی طرف چلی جائے گی اور ناپاکی نیچے اتر اتر کر گہرائی کی طرف چلی جائے گی اس لئے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

پورے کنویں کا پانی بار بار نکالنا مشکل ہے اس لئے صحرا اور جنگل میں جو نجاست بار بار کنویں میں گرتی ہے مثلا گوبر۔لید وغیرہ تو اس کے بہت سے گرنے سے ناپاک ہوگا۔اور جو نجاست کبھی کبھار گرتی ہے جیسے خون تو اس کا ایک قطرہ گرنے سے کنواں ناپاک ہوگا۔اسی طرح ناپاک پانی سے کنویں کی دیوار ناپاک ہوگی لیکن اس کو دھونا مشکل ہے اس لئے اس کو دھونے کی ضرورت نہیں صرف پانی نکالنے سے دیوار پاک ہو جائے گی۔اسی طرح کیچڑ اور باقی ماندہ پانی بھی نکالنے کی ضرورت نہیں وہ بھی پانی نکالنے سے پاک ہو جائیں گے۔یہ سہولت مجبوری کی بنا پر شریعت نے دی ہے۔اس لئے اس میں قیاس کو دخل نہیں ہے۔پورا کنواں ناپاک ہونے کی دلیل یہ ہے عن محمد بن سیرین أن زنجیا وقع فی زمزم یعنی فمات فأمر به ابن عباسؓ فأخرج و أمر بها أن تنزح ،قال : فغلبهم عین جائتهم من الرکن ،فأمر بها فدسمت بالقباطی و المطارف حتی نزحوها ، فلما نزحوها انفجرت علیهم ۔(دار قطنی ،باب البئر اذا وقع فیھا حیوان، ج اول،ص ۲۷،نمبر ۶۲ رمصنف عبدالرزاق،باب البئر تقع فیہ الدابۃ ،ج اول ص ۸۲،نمبر ۲۷۵)اس اثر سے معلوم ہوا کہ انسان کے مرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔اسی طرح ناپاکی گرنے سے پورا کنواں ناپاک ہو جائے گا۔

فائدہ امام شافعیؒ کا مسلک گذر گیا ہے کہ دو مٹکے کنویں میں پانی ہو تو جب تک اوصاف ثلاثہ میں سے ایک نہ بدلے ناپاک نہیں ہوگا۔ دلیل حدیث قلتین گزر گئی۔

امام مالکؒ کا بھی مسلک گزر گیا کہ تھوڑا پانی ہو یا زیادہ جب تک ناپاکی کی وجہ سے مزہ، یا بو یا، رنگ نہ بدلے پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ل سلف کے اجماع کی وجہ سے۔یعنی یہ مسئلہ عموما اجماع سلف سے ثابت ہے۔

۲؎ومسائل البير مبنية على الاثار دون القياس (۵۵) فان وقعت فيها بعرة او بعرتان من بعر الابل، او الغنم لم تفسد الماء ﴾ ۱؎ استحسانا، والقياس ان تفسده لوقوع النجاسة فى الماء القليل، وجه الاستحسان ان آبار الفلوات ليست لهارؤس حاجزة والمواشى تبعر حولها فتلقيها الريح فيها فجعل القليل عفوا للضرورة، ولا ضرورة فى الكثير ۲؎ وهو مايستكثره الناظر اليه فى المروى عن ابى حنيفة، و عليه الاعتماد،

ترجمه: ۲؎ کنویں کا مسئلہ آثار کی اتباع پر مبنی ہے نہ کہ قیاس پر۔

تشریح : کنویں کے مسئلے میں بعض میں مرتبہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں ناپاک ہو جائے لیکن امت کی مجبوری کی وجہ سے اثار میں سہولت دی گئی ،اسلئے کنویں کا مسئلہ قیاس پر نہیں ہے بلکہ آثار کی اتباع پر ہے۔

ترجمه: (۵۵) پس اگر کنویں میں اونٹ یا بکری کی ایک مینگنی، یا دو مینگنی گر گئی تو پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

نوٹ: (مسئلہ ۵۵ سے ۵۸ تک جامع صغیر، باب فی النجاسۃ، ص ۷۸ سے لیا گیا ہے)

ترجمه : ۱؎ استحسان کے طور پر یہ ہے اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ پانی کو ناپاک کر دے تھوڑے پانی میں ناپاکی گرنے کی وجہ سے استحسان کی وجہ یہ ہے کہ بیابانوں کے کنویں کے لئے روکنے والے منڈیر نہیں ہوتے اور مویشی اسکے ارد گرد مینگنی کرتے ہیں، پھر ہوائیں اسکو کنویں میں ڈال دیتی ہے، اسلئے تھوڑی ناپاکی کو معاف کر دیا گیا ضرورت کی بناء پر اور زیادہ ناپاکی میں ضرورت نہیں ہے

تشریح : کنواں دس ہاتھ لمبا اور دس ہاتھ چوڑا نہیں ہے، گویا تھوڑا پانی ہے اس میں ایک دو مینگنی گر گئی تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں ناپاک ہو جائے لیکن اثر کی وجہ سے استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ کنواں ناپاک نہ ہو۔ کیونکہ یہاں ضرورت ہے۔ اور ضرورت یہ ہے کہ قافلے کے لوگ جنگل کے کنویں سے پانی پیتے ہیں، اور ان کنووں کے ارد گرد روکنے والا سر، یعنی منڈیر نہیں ہوتا جو نجاست روک لے اور اسکے ارد گرد مویشی چرتے ہیں اور پیخانہ بھی کرتے ہیں پھر ہوا چلتی ہے تو وہ پیخانہ کنویں میں گرتا ہے اب اگر کنواں ناپاک قرار دیں تو اسکا پانی کون نکالے گا اور اسکو پاک کرے گا، اور اس ناپاک کنویں سے قافلہ والے کیسے پانی استعمال کریں گے اسلئے استحسان کے طور ایک دو مینگنی سے کنواں ناپاک قرار نہ دیا جائے۔

ترجمه: ۲؎ اور کثیر وہ ہے جسکو دیکھنے والا کثیر سمجھے، حضرت امام ابو حنیفہؒ سے یہی روایت ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

تشریح : بعض لوگوں نے کہا کہ چوتھائی کنواں مینگنی ہو جائے تو ناپاک ہوگا، اسکی طرف اشارہ کرتے ہوئے مصنف نے فرمایا کہ دیکھنے والا یہ سمجھے کہ کنواں میں میگنیاں بہت ہے تو اسی کو کثیر کہا جائے گا اور اس سے کنواں ناپاک ہو جائے گا۔ امام ابو حنیفہؒ کا یہی مسلک منقول ہے اور اسی پر اعتماد ہے۔

۳؎ ولا فرق بين الرطب، واليابس، والصحيح، والمنكسر، والروث، والخثى، و البعر لان الضرورة تشمل الكل، ۴؎ و في شاة تبعر في المحلب بعرة او بعرتين قالو يرمى البعرة و يشرب اللبن لمكان الضرورة ۵؎ ولايعفى القليل في الاناء على ما قيل لعدم الضرورة ۶؎ وعن ابى حنيفةؒ انه كالبير في حق البعرة و البعرتين

ترجمہ: ۳؎ اور کوئی فرق نہیں ہے کہ مینگنی تر ہو یا خشک، صحیح سالم ہو یا ٹوٹی ہوئی، پھر گھوڑے کی لید ہو، یا گوبر، یا مینگنی اسلئے کہ ضرورت تمام کو شامل ہے۔

تشریح: ایک دو مینگنی تر گرے، یا خشک گرے، ٹوٹی ہوئی گرے یا صحیح سالم گرے اس سے پانی ناپاک نہیں ہوگا اسلئے کہ کنویں میں یہ سب قسم کی میگنیاں گرتی ہیں اسلئے ایک دو مینگنیوں میں پانی پاک قرار دینے کی ضرورت ہے۔ پھر جس طرح مینگنی میں ضرورت ہے اسی طرح گوبر اور لید میں بھی ضرورت ہے اسلئے اگر گوبر اور لید بھی ایک دو ٹکڑا گر جائے تو پانی ناپاک نہیں ہوگا اس لئے کہ اس میں بھی ضرورت ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور بکری مینگنی کر دے دودھ دوہنے کے برتن میں ایک مینگنی اور دو مینگنیاں تو علمانے فرمایا کہ مینگنی پھینک دے اور دودھ پی لے ضرورت کی وجہ سے۔ تشریح: ۔ بکری اور بھیڑ کو لوگ پیچھے سے دوہتے ہیں اور ان جانوروں کی عادت یہ ہوتی ہے کہ دوہتے وقت مینگنیاں کرتی ہیں اور بعض مرتبہ مینگنی دودھ کے برتن میں چلی جاتی ہے اسلئے اگر دودھ کو ناپاک قرار دیں تو چرواہے کا بہت نقصان ہے اسلئے ایک دو مینگنی سے دودھ ناپاک قرار نہ دیا جائے۔ ۔ حدیث میں ہے کہ بلی گھر میں رہتی ہے اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہے اگر چہ اسکا گوشت ناپاک ہے۔ حدیث یہ ہے **قال ان رسول اللہ ﷺ قال انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم و الطوافات** (ترمذی نمبر ۹۲/

ترجمہ: ۵؎ اور عام برتن میں تھوڑا سا بھی معاف نہ ہوگا، جیسا کہ علمانے فرمایا ضرورت نہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: دوہنے کے برتن میں نہیں بلکہ عام برتن کے دودھ میں ایک دو مینگنی گر گئی تو فرمایا کہ اس سے دودھ ناپاک ہو جائے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ دوہتے وقت تو بار بار مینگنی کرتی ہے اسلئے وہاں ضرورت ہے جسکی بناء پر دودھ پاک قرار دیا لیکن عام برتن میں اسکی ضرورت نہیں ہے اسلئے اس سے دودھ ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۶؎ امام ابو حنیفہؒ سے منقول ہے کہ برتن بھی ایک دو مینگنی کے حق میں کنویں کی طرح ہے۔ یعنی جس طرح کنویں میں ایک دو مینگنی گر جائے تو ناپاک قرار نہیں دیا جاتا ہے اسی طرح عام برتن میں بھی ایک دو مینگنی گر جائے تو عام برتن ناپاک نہیں ہوگا۔

اصول: ضرورت کی وجہ سے سہولت ہو جاتی ہے۔ اس حدیث سے یہ اصول مترشح ہوتا ہے **عن ابی سعید الخدری قال :**

(۵٦) فـان وقع فیها خرء الحمام، او العصفور لا یفسده ﴾ ۱؎ خـلافا للشافعیؒ،لهانه استحال الی نتن وفسـادفاشبه خرء الدجاجة، ۲؎ ولـنـاا جماع المسلمین علی اقتناء الحمامات فی المساجد مع ورود الامر بتطهیر ها،

قیـل یا رسول الله أنتوضا من بئر بضاعة ، وهی بئر یلقی فیها الحیض و لحوم الکلاب و النتن ؟ فقال رسول الـله ﷺ : ان الماء طهور لا ینجسه شیء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاءأن الماءلا ینجسہ شی ء،ص۲۱،نمبر ٦٦)اس حدیث میں ہے کہ تھوڑی بہت ناپاکی سے کنواں ناپاک نہیں ہوتا۔

ترجمه: (۵٦) پس اگر کنویں میں کبوتر کی بیٹ یا گورےکی بیٹ گرجائے تو کنواں کو ناپاک نہیں کرے گی۔

تشریح : کبوتر اور چڑیا عام طور پر کنویں میں گھونسلا بناتی ہیں اوراس میں پیخانہ بھی کرتی ہیں، پس اگراس طرح اسکو ناپاک قرار دے دیں تو اسکے پانی کو کون نکالے گا اور کون اسکو روزانہ پاک کریگا اسلئے ضرورت کی بناء پر اسکے پانی کو ناپاک قرار نہ دیا جائے ۔

ترجمه : ۱؎ خلاف امام شافعیؒ کے انکی دلیل یہ ہے کہ بیٹ بد بو اور گندگی میں تبدیل ہو جاتی ہے اسلئے مرغی کی بیٹ کے مشابہ ہو گئی۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے کہ کبوتر اور چڑیے کی بیٹ میں بد بو اور گندگی ہوتی ہے اس لئے کنویں میں اسکے گرنے سے کنواں ناپاک ہوگا۔ جیسے مرغی کی بیٹ کنویں میں گرجائے تو کنواں ناپاک ہوجاتا ہے۔

ترجمه: ۲؎ اور ہماری دلیل کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کبوتروں کو مسجدوں میں چھوڑے رکھنے کا حال آنکہ حکم وارد ہے مسجدوں کو پاک رکھنے کا۔

تشریح : کبوتر کی بیٹ پاک ہے اسکی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ کے زمانے سے اب تک لوگ کبوتروں کو مسجدوں میں ٹھہرنے دیتے ہیں اور وہ پیخانہ بھی کرتے ہیں حالانکہ مسجدوں کو پاک صاف رکھنے کا حکم وارد ہوا ہے۔ بلکہ ایک حدیث میں یہاں تک ہے کہ حضورؐ ہجرت کی رات میں غار میں چھپے تو کبوتروں نے اسکے منہ پر انڈا دیا تو آپؐ نے انکے لئے دعا کی اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تمہیں حرم میں جگہ دے،جس سے معلوم ہوا کہ اسکی بیٹ پاک ہے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے أدرکـت أنـس بـن مـالـک و زیـد بن ارقم و الـمغیـرة بـن شـعبة فسـمعتهم یتحدثون أن النبی ؐ .....قال رأیت بفمه حمامتین فعرفت أنه لیس فیه أحد ،فسـمـع النبی ؐ ما قال فعرف أن الله قد درأ عنه بهما فدعا لهما ، وسمت علیهن و أقررن فی الحرم و فرض جـزائهن . (نصب الرایة،فصل فی البئر ،ج اول،ص۱۷۵)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے کبوتروں کے لئے حرم اور مسجدوں میں ٹھہرنے کی دعا کی جس سے معلوم ہوا کہ اسکی بیٹ پاک ہے۔اور مسجدوں کو پاک رکھنے کی تاکید اس آیت میں ہے۔وعهـدنا الی

۳؎ واستحالته لا الی نتن رائحة فاشبه الحمأة(۵۷) فان بالت فیها شاة نزح الماء کله عند ابی حنیفةؒ و ابی یوسفؒ، وقال محمد لا ینزح الا اذا غلب علی الماء، فیخرج من ان یکون طهوراً ﴾ ۱؎و اصله ان بول ما یوکل لحمه طاهرعند ہ، نجس عند هما، له ان النبی علیه السلام امر العرنیین بشرب ابوال الابل و البانها،

ابراهیم و اسماعیل أن طهرا بیتی للطائفین و العاکفین و الرکع السجود . (آیت۱۲۵،سورۃ بقرۃ۲)

ترجمه: ۳؎ اور پیخانہ کا بدلنا بدبو کی طرف نہیں ہے اسلئے وہ کالی مٹی کی طرح ہو گئی۔یعنی اسکی بیٹ بدبو اور فساد میں تبدیل نہیں ہو تی اسلئے وہ کالی مٹی اور کیچڑ کی طرح ہو گئی ،اور کیچڑ میں تھوڑی بہت بدبو ہوتی ہے پھر بھی پانی کے اندر رہنے کے باوجود اس سے پانی ناپاک نہیں ہوتا اسی طرح کبوتر اور چڑیے کی بیٹ سے کنویں کا پانی ناپاک نہیں ہوگا۔

لغت : خرء:بیٹ۔الحمام: کبوتر،اسی کی جمع ہے حمامات۔العصفور: گوریا، چڑیا۔نتن:بدبو ۔فساد: گندگی،فساد ہونا۔الدجاجۃ: مرغی۔اقتناء:ٹھہرنے کے لئے دینا۔الحمأ ۃ: کالی مٹی،کیچڑ۔

ترجمه: (۵۷) پس اگر کنویں میں بکری نے پیشاب کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورا پانی نکالا جائے گا ،اور امام محمد نے فرمایا کہ پانی نہیں نکالا جائے گا،مگر اگر پانی پر پیشاب غالب آ گیا تو پانی دوسرے کو پاک کرنے سے نکل جائے گا۔

تشریح : یہاں بکری سے مراد تمام گوشت کھائے جانے والے جانور ہیں،اگر اس نے کنویں میں پیشاب کر دیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پورا کنواں ناپاک ہو گیا اسلئے پورا کنواں نکالا جائے گا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک کنواں ناپاک نہیں ہوگا ،البتہ اگر اتنا زیادہ پیشاب کر دیا کہ پانی پر پیشاب غالب ہو گیا تو یہ پانی پاک تو ہے لیکن دوسرے کو پاک کرنے والا نہیں رہے گا ۔اسکی وجہ آگے آ رہی ہے۔

ترجمه : ۱؎ اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک ناپاک ہے۔امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ عرینہ کو حکم دیا کہ اونٹ کے پیشاب پینے کا اور اسکے دودھ پینے کا۔ پیشاب سے کنواں ناپاک ہوگا اور پورا کنواں نکالنا پڑے گا اسکی دلیل یہ اثر ہے۔أن علیا سئل عن صبی بال فی البئر قال : ینزح ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۹۸فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول ص۱۴۹،نمبر۱۷۲۰)اس اثر میں ہے کہ بچہ اگر کنویں میں پیشاب کر دے تو پورا کنواں نکالنا ہوگا،اسی پر قیاس کرتے ہوئے بکری، یا حلال جانور پیشاب کرے تو پورا کنواں نکالنا ہوگا۔

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر متفرع ہے کہ شیخین کے نزدیک گوشت کھائے جانے والے جانوروں کا پیشاب ناپاک ہے

۲؎ ولھما قولہ ﷺ استنزھوا عن البول فان عامة عذاب القبر منه. من غیر فصل ۳؎ ولانه یستحیل الی نتن و فساد فصار کبول ما لا یؤکل لحمه،

اسلئے کنویں میں اسکے گرنے سے کنواں ناپاک ہوجائے گا۔اور امام محمدؒ کے نزدیک ماکول اللحم جانور کا پیشاب پاک ہے اسلئے اسکے گرنے سے پانی ناپاک نہیں ہوگا ۔اسکی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے قبیلہ عرینہ کے آدمی کو کہا کہ اونٹ کے پیشاب کو پیو اور اسکے دودھ کو پیو۔پیشاب پینے کا حکم اسی لئے دیا ہوگا کہ وہ پاک ہے ورنہ حضورؐ ناپاک چیز کے پینے کا حکم کیسے دے سکتے تھے،حدیث یہ ہے **عن انسؓ قال قدم أناس من عکل أو عرینة فاجتووا المدینة فأمر هم النبی ﷺ بلقاح و أن یشربوا من ابوالها و البانها** ۔(بخاری شریف، باب الابل والدواب والغنم ومرابضھا،ص ۳۷،نمبر ۲۳۳؍مسلم شریف، باب حکم المحاربین والمرتدین،ص ۷۳۸،نمبر ۱۶۷۱؍۴۳۵۳)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اھل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔

ترجمہ : ۲؎ اور امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسفؒ کی دلیل حضورؐ کا قول کہ پیشاب سے بچو اسلئے کہ عام طور پر عذاب قبر اسی پیشاب سے ہوتا ہے۔اور اس میں ماکول اللحم اور غیر ماکول اللحم کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح : شیخین کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے پیشاب سے بچنے کے لئے کہا کیونکہ عام طور پر عذاب اسی سے ہوتا ہے،اور اس میں یہ فرق نہیں کی گوشت کھائے جانے والے جانور کے پیشاب سے بچنا ضروری نہیں اور جنکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو اسکے پیشاب سے بچو۔اسلئے دونوں کا پیشاب ناپاک ہوگا۔حدیث یہ ہے **عن ابی هریرة أن رسول الله ﷺ قال : استنزهوا من البول ،فان عامة عذاب القبر منه** ۔(دار قطنی ،باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ،ج اول،ص ۱۳۶،نمبر ۴۵۸)اور مستدرک میں یوں ہے عن ابن عباس رفعه الی النبیؐ **قال : عامة عذاب القبر من البول** ۔(مستدرک للحاکم،کتاب الطھارۃ،ج اول ص ۲۹۳،نمبر ۶۵۴) ان دونوں حدیثوں میں بول عام ہے ماکول اللحم،اور غیر ماکول اللحم کی قید نہیں ہے اسلئے دونوں کے پیشاب ناپاک ہوگا۔

نوٹ : البتہ بخاری شریف میں من بولہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ وہ صحابی جنکو عذاب قبر ہو رہا تھا وہ خود اپنے پیشاب سے نہیں بچتا تھا جسکا مطلب یہ نکلا کہ انسان کا پیشاب ناپاک ہے،باقی دوسرے جانور کا پیشاب ناپاک ہے یا پاک اس بارے میں اس حدیث میں کوئی تذکرہ نہیں ہے۔حدیث یہ ہے **عن عباسؓ مر النبی ﷺ علی قبرین فقال انهما لیعذبان و ما یعذبان فی کبیر ،ثم قال بلی أما احدهما فکان یسعی بالنمیمة و اما الآخر فکان لا یستتر من بوله** . (بخاری شریف،باب عذاب القبر من الغیبۃ والبول،ص ۲۲۱،نمبر ۱۳۷۸؍)اس حدیث میں ہے کہ وہ صحابی خود اپنے پیشاب سے نہیں بچا کرتے تھے جسکی وجہ سے انکو عذاب قبر ہوا۔

ترجمہ : ۳؎ اور اسلئے کہ وہ تبدیل ہوتا ہے بدبو اور گندگی کی طرف تو جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے انکا پیشاب ان

۴ وتاویل ماروی انه عرف شفاؤهم وحیاً ۵ ثم عند ابی حنیفةؒ لایحل شربه للتداوی لانه لایتیقن بالشفاء فیه فلا یعرض عن الحرمة، ۶ و عند ابی یوسفؒ یحل للتداوی للقصة ۷ و عند محمد یحل للتداوی، و غیرہ لطهارته عندہ،

جانوروں کے پیشاب کی طرح ہوگیا جنکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے۔

تشریح : جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکے پیشاب میں بھی گندگی اور بدبو ہوتی ہے اسلئے اسکا پیشاب بھی ناپاک ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۴ اور امام محمدؒ نے جو روایت کی ہے اسکی تاویل یہ ہے کہ عرینہ والوں کا شفاء وحی سے معلوم ہوگیا تھا۔

تشریح : امام محمدؒ نے جو حدیث پیش کی تھی کہ عرینہ والے بیمار ہوئے تو اسکو پیشاب پینے کی اجازت دی، اسکا مطلب یہ ہے کہ وحی کے ذریعہ سے معلوم ہوا کہ پیشاب پینے سے انکو شفا ہوگی اسلئے پینے کا حکم دیا، تاہم جن جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب ناپاک ہے۔

ترجمہ : ۵ پھر امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوا کے لئے بھی پینا حلال نہیں، اسلئے کہ اس میں شفا یقینی نہیں ہے اسلئے حرام سے اعراض نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : حضورؐ کو وحی کے ذریعہ شفا کا علم ہوا تھا اور دوسروں کو وحی کے ذریعہ علم نہیں ہوسکتا اور پیشاب میں شفا یقینی نہیں ہے اسلئے حرام چیز کو دوا کے لئے بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے اور حرمت سے اعراض نہیں کرنا چاہئے۔ قال ابن مسعود فی السکر : ان اللہ لم یجعل شفاء کم فیما حرم علیکم (. بخاری، باب شراب الحلواء والعسل، ص ۹۹۵ نمبر ۵۶۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حرام میں شفا نہیں ہے

ترجمہ: ۶ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک حلال ہے دوا کے لئے عرینہ والے کے قصے کی وجہ سے۔

تشریح : پیچھے قبیلہ عرینہ والے کا قصہ گزرا جس میں تھا کہ وہ بیمار ہوئے تو حضورؐ نے اسکو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا، جس سے معلوم ہوا کہ دوا کے طور پر گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب پینا جائز ہے اگر چہ وہ ناپاک ہے، حدیث یہ ہے۔ فأمر هم النبی ﷺ بلقاح و أن یشربوا من ابوالها و البانها ۔(بخاری شریف، نمبر ۲۳۳) تاہم دوا کے علاوہ انکے یہاں بھی حرام اور ناپاک ہے۔

ترجمہ: ۷ اور امام محمدؒ کے نزدیک دوا اور اسکے علاوہ کے لئے بھی حلال ہے انکے نزدیک پیشاب پاک ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : چونکہ امام محمدؒ کے نزدیک گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب پاک ہے اسلئے دوا کے طور پر بھی پینا جائز ہے

(۵۸) و ان ماتت فیھا فارۃ، او عصفورۃ، اوسودانیۃ، اوصعوۃ، اوسام ابرص نزح منھاعشرون دلواًالی ثلثین بحسب کبرالدلو وصغرھا ﴿۱یعنی بعداخراج الفارۃ، ۲لحدیث انسؓ انہ قال فی الفارۃ اذا ماتت فی البیر واخرجت من ساعتہ ینزح منھاعشرون دلواً،والعصفورۃونحوھا تعادل الفارۃ فی الجثۃ فاخذت حکمھا

اوردوا کے بغیر بھی پینا جائز ہے۔انکا متدل بھی اوپر کی عرینہ والی حدیث ہے۔

ترجمہ : (۵۸) اگر کنویں میں چوہایا چڑیایا مولا یا بھجنگا یا چھپکلی مرجائے تو بیس سے لیکر تیس ڈول تک نکالے جائیں گے۔ڈول کے بڑے اور چھوٹے ہونے کے لحاظ سے۔

تشریح : یعنی چوہایا اس جیسا چھوٹا جانور کنویں میں گر کر مرجائے اور ابھی پھولے، پھٹے نہیں تو بیس سے تیس ڈول تک نکالا جائے گا۔یعنی وجوب کے طور پر بیس ڈول اور استحباب کے طور پر تیس ڈول۔یا دوسرا مطلب یہ ہے کہ بڑا ڈول ہو تو بیس ڈول اور چھوٹا ڈول ہو تو تیس ڈول نکالا جائے گا۔

وجہ : (۱) عن علی قال اذا سقطت الفارۃ او الدابۃ فی البئر فانزحھا حتی یغلبک الماء. (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶ / مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۱ نمبر ۲۷۱ / مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ اشباھھما تقع فی البئر ، ج اول، ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۱) یہ حدیث پھولنے پھٹنے پر محمول ہے۔کہ چوہا پھولے پھٹے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔ورنہ بیس سے تیس ڈول نکالا جائے۔

ترجمہ : ۱ یعنی چوہا نکالنے کے بعد۔یعنی مرا ہوا جانور نکالنے کے بعد بیس یا تیس ڈول نکالے گا تب کنواں پاک ہوگا اور اگر مردہ کنویں میں رہتے ہوئے پانی نکالے گا تو کبھی کنواں پاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۲ حضرت انسؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ انہوں نے چوہے کے بارے میں فرمایا کہ اگر کنویں میں مرجائے اور اسی وقت نکالا گیا تو اس سے بیس ڈول نکالا جائے گا۔اور چڑیا اور اسکے مانند جو جسم و جثہ میں چوہے کے برابر ہو تو وہی حکم دیا جائے گا۔

تشریح : حضرت انسؓ نے فرمایا کہ کنویں میں چوہا گر کر مرجائے، یا اسکے برابر کوئی جانور مثلا چڑیا مرجائے اور اسی وقت کنویں سے نکال دیا گیا ہو تو بیس سے تیس ڈول نکالا جائے۔

نوٹ : صاحب نصب الرایۃ فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی حدیث نہیں ملتی جس میں بیس سے تیس ڈول کی دلیل ہو۔البتہ چالیس ڈول کا اثر ملتا ہے، وہ یہ ہے۔ أخبرنی من سمع الحسن یقول : اذا مات الدابۃ فی البئر أخذ منھا اربعین دلواً۔(مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ، ج اول ص ۸۱، نمبر ۲۷۲) اس اثر میں ہے کہ جانور مرجائے تو چالیس ڈول نکالو

۳؎والعشرون بطریق الایجاب،والثلثون بطریق الاستحباب (۵۹) فان ماتت فیھا حمامۃ او نحوھا کالدجاجۃ، و السنور نزح منھا ما بین اربعین دلواً الی ستین ﴾ ۱؎ و فی الجامع الصغیر، اربعون، اوخمسون، وھوالاظھر، ۲؎لماروی عن ابی سعید الخدریؓ انہ قال فی الدجاجۃ اذا ماتت فی البئر ینزح منھا اربعون دلواً، ھذا لبیان الایجاب، والخمسون بطریق الاستحباب

-

ترجمہ: ۳؎ اوربیس بطریق ایجاب کے ہیں اورتیس بطریق استحباب کے ہیں۔یہ متن کی عبارت کی تفصیل ہے کہ متن میں جو بیان کیا ہے کہ بیس یا تیس،تو اسکا مطلب یہ ہے کہ بیس ڈول نکالنا واجب ہے اورتیس ڈول نکالنا مستحب ہے۔

لغت:۔عصفورۃ : چڑیا۔ صعوۃ : ممولا۔ سودانیۃ : بھجنگا۔ سام ابرص : گرگٹ۔الجثۃ:جسم وجثہ۔

ترجمہ: (۵۹)اوراگرکنویں میں کبوتر یا اسکے مانند جیسے مرغی یا بلی مرجائے تو کنویں سے چالیس سے ساٹھ ڈول تک نکالے جائیں گے۔

وجہ: (۱) عن الشعبی فی الطیر والسنور ونحوھما یقع فی البئر قال نزح منھا اربعون دلوا. (طحاوی شریف، باب الماء تقع فیہ النجاسۃ ص ۱۶/مصنف عبد الرزاق ، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول نمبر۲۷۲/مصنف ابن ابی شیبۃ،نمبر۱۷۱۳)(۲)عن سلمہ بن کھیل فی الدجاجۃ تقع فی البئر قال : یستقی منھا أربعون دلواً ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۱۹۸فی الفارۃ والدجاجۃ وأشباھھما تقع فی البئر ،ج اول،ص۱۴۹،نمبر۱۷۱۹)ان دونوں اثروں میں ہے کہ مرغی یا بلی مر جائے تو چالیس ڈول نکالا جائے۔

ترجمہ:۱؎ اورجامع صغیر میں ہے کہ چالیس یا پچاس،اوریہی زیادہ ظاہر ہے۔جامع صغیر کی عبارت یہ ہے و ان کانت دجاجۃ أو سنور فأربعون أو خمسون .(جامع صغیر،باب فی النجاسۃ فی الماء،ص۷۸)اس سے معلوم ہوا کہ چالیس سے پچاس ڈول نکالے،اوریہی عبارت قدوری کی بھی ہے ۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ ابوسعید خدریؓ نے فرمایا کہ مرغی اگر کنویں میں گر کر مرجائے تو اس سے چالیس ڈول نکالا جائے،یہ وجوب کا بیان ہے اور پچاس استحباب کے طور پر ہے۔

تشریح: ابوسعید خدریؓ سے منقول ہے کہ مرغی مرجائے تو چالیس ڈول نکالا جائے،یہ وجوب کے طور پر ہے اور پچاس استحباب کے طور پر ہے تاہم یہ اثر ابوسعید خدریؓ کی نہیں ہے بلکہ حضرت حسن،حضرت شعبی،اورحضرت سلمہ بن کہیل سے منقول ہے جو اوپر ذکر کر دیا گیا۔

۳؎ ثم المعتبرفی کل بیر دلوهاالذی یستقی به منها،۴؎و قیل دلویسع فیه صاع، ۵؎ و لو نزح منها بدلو عظیم مرة مقدار عشرین دلوا جاز لحصول المقصود. (٦٠)وان ماتت فیها شاة،او آدمی،او کلب نزح جمیع ما فیها من الماء ﴾ ۱؎ لان ابن عباسؓ وابن الزبیرافتیا بنزح الماء کله حین مات زنجی فی بیرزمزم،

ترجمه: ۳؎ پھر معتبر ہر کنویں میں وہ ڈول ہے جسکے ذریعہ اس سے پانی نکالا جاتا ہے۔

تشریح : کسی ملک کے لوگ طاقت ور ہوتے ہیں اور کسی ملک کے لوگ کمزور ہوتے ہیں اسلئے جس ملک میں جو ڈول ستعمال ہوتے ہوں اسی ڈول کا اعتبار ہے۔

نوٹ: شریعت میں ہمیشہ اوسط کا اعتبار ہوتا ہے۔آیت میں اس کا اشارہ ہے۔فکفارته اطعام عشرة مساکین من اوسط ما تطعمون اهلیکم او کسوتهم (آیت ۸۹،سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں اوسط کھانا کا حکم دیا گیا ہے۔

ترجمه : ۴؎ اورکہا گیا کہ ایسا ڈول جس میں ایک صاع پانی آتا ہو،اسکا اعتبار ہے۔۔ایک صاع پانی 3.538 کیلوگرام ہوتا ہے۔یا 5.88 لیٹر پانی ہوتا ہے۔اسکا مطلب یہ ہوا کہ اتنا بڑا ڈول ہو جس میں پانچ سواٹھاسی لیٹر پانی آتا ہو ۔اسکی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے سمعت ابا سلمة یقول دخلت أنا و اخوعائشة علی عائشة فسألها أخوها عن غسل النبی ﷺ فدعت باناء نحو من صاع فاغتسلت و أفاضت علی رأسها ۔(بخاری شریف،باب الغسل بالصاع ونحوہ ،ص ۳۹،نمبر ۲۵۱)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ ایک صاع سے غسل فرمایا کرتے تھے اسلئے ایک ڈول کا وزن ایک صاع ہوسکتا ہے۔

ترجمه : ۵؎ اوراگر کنویں سے بڑے ڈول سے ایک مرتبہ بیس ڈول کی مقدار نکالا تو جائز ہوجائے گا مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : اصل مقصود بیس ڈول کی مقدار پانی نکالنا ہے چاہے بیس مرتبہ نکالے یا ایک مرتبہ بیس ڈول کی مقدار نکال دے ،دونوں طریقوں سے کنواں پاک ہوجائے گا ۔

ترجمه: (٦٠) اوراگر کنویں میں کتا یا بکری یا آدمی مرجائے تو تمام پانی نکالا جائے۔

وجه: (۱) یہ جانور بڑے ہوتے ہیں اس کے مرتے ہی پورے کنویں میں نجاست پھیل جائے گی اس لئے پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا(۲)عن عطاء قال اذا سقط الکلب فی البئر فاخرج منها حین سقط نزح منها عشرون دلوا فان اخرج حین مات نزح منها ستون دلوا او سبعون دلوا فان تفسخ فیها نزح منهاماء ها فان لم تستطیعوا نزح مائة دلو و عشرون و مائة (مصنف عبدالرزاق،باب البئر تقع فیه الدابة ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۷۴ رمصنف ابن ابی شیبة ،۱۹۸فی

(۶۱) فـان انتـفخ الحيوان فيها، او تفسخ نزح جميع ما فيها صغر الحيوان، او كبره ﴾ ۱؎ **لانتشار البلة في اجزاء الماء**

الفارۃ تقع فی البئر ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۴)

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضرت ابن عباس اور ابن زبیرؓ نے فتوی دیا تھا تمام پانی نکالنے کا جس وقت حبشی زمزم کے کنویں میں مر گیا۔

تشریح: حبشی زمزم کے کنویں میں گر کر مر گیا تو حضرت ابن عباس، اور حضرت ابن زبیرؓ نے فتوی دیا تھا کہ کنویں کا پورا پانی نکالا جائے، جس سے معلوم ہوا کہ آدمی یا اس جیسا جانور مثلا بکری مر جائے تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی نکالنا ہوگا۔ اثر یہ ہے ۔**عن محمد بن سيرين أن زنجيا وقع في زمزم يعني مات ،فأمر به ابن عباس ؓ فأخرج و أمر بها أن تنزح ،قال فغلبتهم عين جاء تهم من الركن فأمر بها فدسمت بالقباطي و المطارف حتى نزحوها ،فلمانزحوها انفجرت عليهم** ۔(دار قطنی، باب البئر اذا وقع فیھا حیوان، ج اول، ص ۲۷ ،نمبر ۶۲) اور مصنف ابن ابی شیبۃ میں ابن زبیرؓ کا اثر یہ ہے **عن عطاء أن حبشيا وقع في زمزم فمات قال فأمر ابن الزبير أن ينزف ماء زمزم** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۸ فی الفارۃ والدجاجۃ واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول ص ۱۴۹، نمبر ۱۷۲۱) اس سے معلوم ہوا کہ ان دونوں کا فتوی ہے کہ کنویں میں بڑا جانور گر کر مر جائے تو پورا پانی نکالنا ہوگا۔

ترجمه: (۶۱) اگر جانور کنویں میں پھول جائے یا پھٹ جائے تو پورا پانی نکالا جائے گا جانور چھوٹا ہو یا بڑا۔

وجه: (۱) پھولنے اور پھٹنے کے زمانے تک نجاست پورے کنویں میں پھیل جاتی ہے اس لئے چھوٹا جانور ہو یا بڑا جانور ہو پورے کنویں کا پانی نکالا جائے گا (۲) اوپر حضرت علیؓ کا قول گزرا کہ چوہا گر جائے اور پھول پھٹ جائے تو پورا کنواں نکالا جائے گا۔**عن علی ؓ في الفارة تقع في البئر قال : ينزح الى ان يغلبهم الماء** . (مصنف ابن ابی شیبۃ، فی الفارۃ تقع فی البئر ،نمبر ۱۷۱۱) (۳) اور یہ اثر ابھی گزرا پھول پھٹ جائے تو پورا کنواں نکالنا ہوگا۔**عن عطاء قال اذا سقط الكلب في البئر فاخرج منها حين سقط نزح منها عشرون دلوا فان اخرج حين مات نزح منها ستون دلوا او سبعون دلوا فان تفسخ فيها نزح منهاماء ها فان لم تستطيعوا نزح مائة دلو و عشرون و مائة** (مصنف عبد الرزاق، باب البئر تقع فیہ الدابۃ ج اول ص ۸۲ نمبر ۲۷۴ رمصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۸ فی الفارۃ تقع فی البئر ۱۴۹، نمبر ۱۷۱۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ پھول پھٹ جائے تو پورا پانی ناپاک ہو جائے گا اور پورا پانی نکالنا ہوگا۔

ترجمه: ۱؎ تری کے پھیل جانے کی وجہ سے پانی کے اجزا میں ۔یعنی پانی کے اجزا میں ناپاکی کی تری پھیل جائے گی اسلئے پورا پانی ناپاک ہو جائے گا۔

(۶۲) و ان کانت البیر معینة بحیث لایمکن نزحها اخرجوا مقدارماکان فیها من الماء ﴾ ۱؎ وطریق معرفته ان تحفرحفر مثل موضع الماء من البئرویصب فیهاماینزح منهاالی ان تمتلی ۲؎ أو ترسل فیها قصبة و تجعل لمبلغ الماء علامة ثم ینزح منهامثلا عشر دلاء ثم تعاد القصبة فینظر کم انتقص فینزح

لغت : انتفخ : پھول جائے۔ تفسخ : پھٹ جائے۔

ترجمہ: (۶۲) اگر کنواں چشمہ دار ہو کہ پورا پانی نہیں نکالا جا سکتا ہو تو واجب ہے اتنا نکالنا جتنی مقدار اس میں پانی ہے۔

تشریح : کنویں کے اندر چشمہ جاری ہے اور اتنا پانی نکلتا رہتا ہے کہ سب پانی بیک وقت نکال کر سکھانا مشکل ہے تو یہ کیا جائے کہ ابھی کنویں میں جتنا پانی ہے اسکو نکال دیا جائے اور جو پانی آرہا ہے اسکو چھوڑ دیا جائے۔زمزم کنویں میں حبشی گرا تھا جس کی وجہ سے پورا پانی نکالنا چاہا لیکن چشمے کی وجہ سے نہیں نکال سکے۔لیکن جتنا پانی کنویں میں تھا اس کو حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے فرمایا اتنا نکالنا کافی ہے۔عبارت یہ ہے۔**فنظرو فاذا عین تنبع من قبل الحجر الاسود قال فقال ابن الزبیر حسبکم** (مصنف ابن ابی شیبة ،۱۹۸ فی الفارة والدجاجة واشباھھما تقع فی البئر ،ج اول،ص ۱۵۰،نمبر ۱۷۲۱) اس اثر میں ہے کہ کنویں میں جتنا پانی تھا اتنا نکال دینا کافی ہے۔کنویں میں پانی ہے اسکو اندازہ کرنے کے لئے کئی طریقہ بیان کیا جارہا ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسکے پہچاننے کا طریقہ یہ ہے کہ کنویں کے پانی کے مطابق گڑھا کھودا جائے پھر جو پانی کنویں سے نکالا جائے وہ اس میں ڈالا جائے یہاں تک کہ گڑھا بھر جائے۔

تشریح : کنویں میں جتنا پانی ہے وہ سب نکل گیا اور کنواں پاک ہو گیا اسکا اندازہ کرنے کے لئے ایک طریقہ یہ ہے کہ کنواں میں مثلا دس فٹ گہرا اور چار فٹ چوڑا پانی ہے،اسی طرح دس فٹ گہرا اور چار فٹ چوڑا گڑھا کھودا جائے اور کنویں سے نکال نکال کر اس میں پانی بھرا جائے جب یہ گڑھا بھر جائے تو سمجھو کہ اتنا پانی نکل گیا جتنا پانی کنویں میں پہلے تھا۔اور اتنا ہی نکالنے سے کنواں پاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ یا کنویں میں بانس ڈالا جائے اور پانی کے پہنچنے تک علامت لگائی جائے پھر کنویں سے مثلا دس ڈول نکالا جائے پھر بانس ڈالا جائے اور دیکھا جائے کہ کتنا کم ہوا ہے پھر ہر مقدار کے لئے دس ڈول نکالے جائیں ،اور یہ دونوں طریقے امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے۔

تشریح : کنویں میں کتنا پانی ہے اسکا اندازہ کرنے کے لئے یہ دوسری شکل ہے۔کہ کنواں میں بانس ڈالا جائے اور جہاں تک پانی آئے اس پر نشان لگا دیا جائے ،اسکے بعد مثلا دس ڈول نکالا جائے پھر دوبارہ بانس ڈال کر دیکھے کہ کتنا کم ہوا،مثلا دس ڈول نکالنے پر آدھا فٹ کم ہوا تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ دس ڈول میں آدھا فٹ کم ہوتا ہے اور کنویں میں دس فٹ گہرا پانی ہے اسلئے دس کو بیس سے

لکل قدرمنهاعشر دلاء،وھذان عندابی یوسفؒ ۳؎و عن محمدؒ نزح مائتادلو الی ثلث مائة، فکانه بنی قوله علی ماشاھدفی بلده ۴؎وعن ابی حنیفةؒ فی الجامع الصغیرفی مثله ینزح حتی یغلبھم الماء،ولم یقدرالغلبةبشیء کما ھو دابه ۵؎وقیل یؤخذ بقول رجلین لھمابصارة فی امر الماء وھذااشبه بالفقه

ضرب دیں تو دوسوڈول نکالنے سے گویا کہ پورے کنویں کا پانی نکل جائے گا۔یہ رائے امام ابو یوسفؒ کی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اورامام محمدؒ سے منقول ہے کہ دوسو سے تین سوڈول نکالا جائے، گویا کہ اپنے قول کی بنیادانہوں نے اس پر رکھی جو اپنے شہر کے کنویں میں دیکھا ۔

تشریح : اپنے شہر بغداد میں دیکھا کہ عام طور پر انکے کنوں میں دوسو سے تین سوڈول تک پانی ہوتا ہے اسلئے یہ فرمایا کہ دوسو سے تین سوڈول تک نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔اس میں عوام کے لئے سہولت ہے۔کہ تین سوڈول نکال دے تو کنواں پاک ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۴؎ اورامام ابوحنیفہؒ سے جامع صغیر میں اس جیسے چشمے دار کنویں کے بارے میں یہ ہے کہ اتنا پانی نکالو کہ پانی غالب آجائے،البتہ کسی چیز سے غلبہ کی تعیین نہیں کی،جیسا کہ انکا طریقہ ہے۔

تشریح : جامع صغیر میں امام ابوحنیفہؒ کا مسلک یہ لکھا ہے کہ چشمے دار کنواں ہو اور ناپاک ہو جائے تو اتنا پانی نکالو کہ پانی غالب آجائے اور مزید نکالنا مشکل ہو جائے۔عبارت یہ ہے **و ان کانت شاة نزحت حتی یغلب الماء و کذالک ان انتفخت شیء من ذالک أو تفسخ** ۔(جامع صغیر، باب فی النجاسة تقع فی الماء،ص ۷۸)۔یہ مسلک ایک اثر سے مستنبط ہے ،اثر یہ ہے **عن علیؓ فی الفارة تقع فی البئر قال : ینزح الی أن یغلبھم الماء** ۔(مصنف ابن ابی شیبة، فی الفارة ج اول ،ص ۱۴۹،نمبر ۱۷۱۱)اس اثر میں ہے کہ پانی نکالنا جب تک مشکل نہ ہو پانی نکالتا رہے۔

ترجمہ : ۵؎ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ دو ایسے آدمیوں کی بات لی جائے جنکو پانی کی مقدار کے معاملے میں مہارت ہو،اور یہ فقہ کے زیادہ مناسب ہے۔

لغت : **معینا** : چشمہ والا کنواں،عین سے مشتق ہے. **تحفر**: کنواں کھودنا۔**یصب** : پانی بہایا جائے. **تمتلی**: بھر جائے،ملأ سے مشتق ہے. **ترسل** :ڈالا جائے۔**قصبة**:بانس۔**مبلغ** : جہاں تک پانی پہنچے۔**دلاء**: دلو کا جمع ہے،ڈول۔**دأب**:طریقہ،عادت ۔**بصارة** :مہارت۔

نوٹ: مردہ جانور پہلے نکالے اس کے بعد ڈول سے یہ سب مقدار نکالے تب پاک ہوگا۔

اصول: اصل مقصد کنویں میں موجود تمام پانی کو نکالنا ہے۔

(٦٣) وان وجدوا فی البئرفارة اوغیرھاولایدری متی وقعت ولم ینتفخ اعادوا صلوۃ یوم و لیلۃ اذا کانوا توضؤا منھا و غسلوا کل شیء اصابہ ماؤھا ﴾ (٦۴) وان کانت قد انتفخت اوتفسخت اعادواصلوۃثلثۃ ایام ولیالیھاوھذاعندابی حنیفۃؒ ﴾ (٦۵)وقالالیس علیھم اعادۃ شیء حتی یتحققواانھا متی وقعت ﴾ ١؎لان الیقین لایزول بالشک، وصارکمن رأی فی ثوبہ النجاسۃ ولایدری

ترجمہ : (٦٣) اگرکنویں میں چوہاپایا، یااس کےعلاوہ مراہواپایاجائےاورنہیں معلوم کہ کب گراہےاورابھی پھولا اور پھٹانہیں ہےتوایک دن اورایک رات کی نمازلوٹائی جائےگی جب کہ اس پانی سے وضوکیاہو۔اوران تمام چیزوں کودوبارہ دھویاجائےگا جن میں اس کاپانی لگاہو۔

وجہ: جانورکنویں میں مراہواملااورکوئی علامت نہیں ہےکہ کب گراہےاورکب مراہےتوایک دوگھنٹےکاکوئی معیارنہیں ہےاس لئےیہی سمجھاجائےگاکہ ایک دن ایک رات پہلےمراہےاوراس درمیان جن جن لوگوں نےاس پانی سےوضوکیاہےاس کووہ تمام نمازیں لوٹانی ہوگی۔کیونکہ ناپاک پانی سےنہ وضوہوااورنہ نمازہوئی۔اوراس پانی سےایک دن اورایک رات کےدرمیان جن لوگوں نےغسل کیاہےیاکپڑادھویاہےان کوبھی غسل اورنمازلوٹانی ہوگی۔کیونکہ ناپاک پانی سےغسل کیاہےاورکپڑےدھویاہے

اصول: احتیاط پرعمل کیاجائےگا۔

ترجمہ: (٦۴) اوراگرجانورپھول گیایاپھٹ گیاتوتین دن اورتین راتوں کی نمازلوٹائےگاابوحنیفہؒ کےقول میں۔

وجہ : عموماجانورتین دن تین راتوں میں پھولتااورپھٹتاہے۔اوراس کےخلاف علامت نہیں ہےاس لئےیہی کہاجائےگاکہ جانورتین دن پہلےگراتھااورمراتھااوراب تین دن میں پھولااورپھٹاہے۔اس لئےجن لوگوں نےاس دوران اس پانی کےوضواورغسل سےنمازپڑھی وہ لوٹائیں گے۔حضرتؒ کاقول یقین اوراحتیاط پرمبنی ہے۔

ترجمہ : (٦۵) اورصاحبین فرماتےہیں کہ وضوکرنےوالوں پرکسی چیزکالوٹانانہیں ہےجب تک تحقیق نہ ہوجائےکہ کب گراہے۔

وجہ: (١)حضرت امام ابویوسف نےدیکھاکہ ایک پرندہ نےمردہ کولاکرکنویں میں ڈالاجس سےوہ رجوع کرگئےاورفرمانےلگےکہ ہوسکتاہےکہ ابھی پھولےہوئےچوہےکوکنویں میں ڈالاہو۔اس لئےتین دن پہلےکاحکم نہیں لگایاجائےگا(٢)یقین ہےکہ پانی پاک ہےاورشک ہےکہ تین دن پہلےجانورگراہوتویقین پرعمل کرتےہوئےابھی تک پانی پاک قراردیاجائےگا۔اورجب سےمردہ جانورکوکنویں میں دیکھاہےاس وقت سےکنواں ناپاک قراردیاجائےگا۔

ترجمہ: ١؎ اسلئےکہ یقین شک سےزائل نہیں ہوتا،توایساہواکہ اپنےکپڑےمیں نجاست دیکھی اورنہیں جانتاہےکہ کب لگی ہے۔

متی اصابته، ۲؎ ولابی حنیفةؒ ان للموت سبباً ظاهرا وهوالوقوع فی الماء فیحال به علیه الا ان الانتفاخ دلیل التقادم فیقدر بالثلث، وعدم الانتفاخ، و التفسخ دلیل قرب العهد فقدرناه بیوم و لیلة لان ما دون ذالک ساعات لا یمکن ضبطها ۳؎ واما، مسئلة النجاسة فقد قال المعلی: هی علی الخلاف فیقدربالثلث فی البالی، ویوم ولیلة فی الطری ۴؎ و لوسلم فالثوب بمرأی عینه و البئر غایبة

تشریح : یقین ہے کہ پانی پاک ہے البتہ شک ہے کہ تین دن پہلے جانور گر کر مرا ہوگا اسلئے صرف شک سے تین دن پہلے سے پانی ناپاک نہیں قرار دیا جائیگا۔ جیسے کپڑا پر ناپاکی لگ گئی ہو اور شک ہو کہ تین دن پہلے لگی ہوگی پھر بھی تین دن پہلے سے ناپا کہونے کا فیصلہ نہیں کیا جائے گا بلکہ جس وقت دیکھا اسی وقت سے ناپاک ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا۔ اسی طرح یہاں بھی جسوقت دیکھا اسی وقت سے ناپاک ہونے کا فیصکہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ موت کا سبب ظاہر ہے اور وہ پانی میں گرنا ہے اسلئے موت کو اسی پر محمول کیا جائے گا، مگر یہ کہ پھولنا پرانے ہونے کی دلیل ہے اسلئے تین دن سے اندازہ لگایا جائے گا، اور نہ پھولنا اور نہ پھٹنا قریب ہونے کی دلیل ہے اسلئے اسکا اندازہ لگایا جائے گا کہ ایک دن اور ایک رات پہلے جانور گر کر مرا ہے اس لئے کہ اس سے کم تو کچھ گھنٹے ہوتے ہیں جسکا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ جانور کے مرنے کا سبب ظاہر یہی ہے کہ پانی میں ہی گر کر مرا ہوگا اسلئے یہی سمجھا جائے گا اسی سے مرا ہے۔ اب اگر پھول پھٹ گیا ہو تو اندازہ ہوا کہ تین دن پہلے گرا ہے کیونکہ تین دن میں پھولتا اور پھٹتا ہے، اور اگر پھولا پھٹا نہ ہو تو اندازہ یہ ہے گرنے کا وقت قریب ہے اسلئے ایک دن کا فیصلہ کیا جائے ،کیونکہ اس سے پہلے تو کچھ گھنٹے ہونگے جسکا منضبط کرنا مشکل ہے۔

ترجمہ : ۳؎ بہر حال نجاست کا مسئلہ تو معلیٰ نے فرمایا کہ یہ بھی اختلاف پر ہے اسلئے خشک نجاست میں تین دن کا اندازہ لگایا جائیگا اور تر نجاست میں ایک دن اور ایک رات کا اندازہ لگایا جائیگا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے کہ نجاست کے مسئلے میں اتفاق نہیں ہے کہ آپ اس سے استدلال کر سکیں بلکہ اس میں اختلاف ہے، چنانچہ حضرت معلیٰ ابن منصور نے فرمایا کہ کپڑے میں نجاست لگ جائے اور معلوم نہ ہو کہ کب لگی ہے تو اگر خشک ہو تو تین دن اور تین رات پہلے لگی ہوئی سمجھی جائے اور اگر تر ہو تو یہ سمجھا جائے کہ ایک دن ایک رات پہلے لگی ہوگی۔ کیونکہ ظاہری آثار یہی ہیں البتہ اگر قرائن سے معلوم ہو کہ ابھی کچھ دیر پہلے لگی ہے تو کچھ دیر پہلے پر فیصلہ کیا جائے گا۔

ترجمہ : ۴؎ اور اگر تسلیم کر لیا جائے تو کپڑے کا حال یہ ہے کہ وہ آنکھ کے سامنے ہیں اور کنواں آنکھ سے غائب ہے اسلئے دونوں

عن بصره فیفترقان

میں فرق ہوگیا۔

تشریح : کپڑا آنکھ کے سامنے ہے اسلئے اگر تین دن پہلے نجاست لگی ہوتی تو ضرور نظر آئی ہوتی اسلئے یہی خیال کیا جائے گا کہ کچھ دیر پہلے لگی ہے اور کچھ گھنٹوں کا فیصلہ کرنا مشکل ہے اسلئے ایک دن کا ہی فیصلہ کیا جائے گا۔اور کنواں میں تو اندھیرا ہے اسلئے کچھ پتہ نہیں ہے کہ کب گری ہے اسلئے مردے کی حالت دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا کہ اگر پھول پھٹ گیا ہے تو تین دن پہلے گرا ہوگا اور اگر پھولا پھٹا نہیں ہے تو ایک دن پہلے گرا ہوگا ۔اسلئے کپڑے اور کنویں میں فرق ہے۔قرینے سے فیصلہ کرنے کی دلیل یہ آیت ہے و **شهد شاهد من اهلها أن كان قميصه قد من قبل ف صدقت وهو من الكاذبن 0 و ان كان قميصه قد من دبر فكذبت و هو من الصادقين 0فلما رء ا قميصه قد من دبر قال انه من كيدكن ان كيد كن عظيم .** (آیت۲۶ ۔۲۸ سورۃ یوسف۱۲)اس آیت میں قمیص کے قرینے کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام اور زلیخا کا فیصلہ کیا گیا ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ کوئی علامت ظاہرہ نہ ہوتو قرینہ سے فیصلہ کیا جا سکتا ہے۔

لغت:۔ **یحال** : **حول** سے مشتق ہے،اس پر محمول کیا جائے گا،اس پر پھیرا جائے گا۔: **تقادم** : **قدم** سے مشتق ہے، پرانا ہونا ۔**قدرنا** : اندازہ لگایا۔ساعات: چند گھنٹے،المعلی: یہ معلی بن منصور ہیں جو اپنے زمانے میں بہت بڑے محدث اور فقیہ تھے،البالی: خشک،طری: تر چیز۔

﴿فصل فی الآسار﴾

(۶۶) وعرق کل شئ معتبر بسؤرہ ﴾ ۱؎ لانهما یتولدان من لحمه فاخذ احدهما حکم صاحبه

(۶۷) وسور الآدمی و ما یوکل لحمه طاهر ﴾

﴿فصل جوٹھے اور اسکے علاوہ کے بارے میں ﴾

(ضروری نوٹ) جوٹھے کی چار قسمیں ہیں۔(۱) پاک، جیسے آدمی کا جوٹھا، اور حلال جانور کا جوٹھا۔(۲) مکروہ، جیسے بلی کا جوٹھا ۔(۳) ناپاک، جیسے سور اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا۔(۴) مشکوک ، جیسے گدھے اور خچر کا جوٹھا۔اصل قاعدہ یہ ہے کہ جس قسم کا گوشت ہوگا اسی قسم کا اسکا جوٹھا ہوگا۔دلیل آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: (۶۶) ہر جانور کے پسینے کا اعتبار اسکے جوٹھے کے ساتھ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ دونوں اسکے گوشت سے پیدا ہوتا ہے، اسلئے ایک کا حکم دوسرے کے لئے ہوگا۔

تشریح :۔یعنی پسینہ اور تھوک دونوں گوشت سے پیدا ہوتے ہیں، اسلئے جسکا گوشت حلال ہے اسکا جوٹھا اور پسینہ پاک ہونگے اسلئے کہ حلال گوشت سے دونوں پیدا ہوئے ،اور جسکا گوشت کھانا حلال نہیں ہے اسکا جوٹھا اور پسینہ دونوں ناپاک ہونگے کیونکہ یہ دونوں حرام گوشت سے پیدا ہوئے۔اسلئے جو حکم گوشت کا ہوگا وہی حکم اسکے پسینہ اور اسکے تھوک کا ہوگا۔

وجہ: (۱) یہ ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اور تھوک ہی پانی سے ملتا ہے اسلئے جسکا گوشت حلال ہے اور کھانے کے قابل ہے تو اس کا جوٹھا بھی پاک ہوگا (۲) دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول اللہ ما اکل لحمه فلا بأس بسؤره (سنن بیھقی، باب الخبر الذی ورد فی سؤر ما یوکل لحمه ج اول، ص ۳۸۱، نمبر ۱۱۸۹ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۳۳ فی الوضوء بسور الفرس والبعیر ، ج اول ص ۳۶ نمبر ۳۲۱) اس حدیث میں ہے کہ جسکا گوشت حلال ہے اسکا جوٹھا بھی پاک ہے۔

ترجمہ: (۶۷) آدمی اور جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کا جوٹھا پاک ہے۔

وجہ: (۱) تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے اس لئے جو حکم گوشت کا ہے وہی حکم تھوک کا ہوگا۔آدمی کا تھوک تو پاک ہے ہی۔اور جن جانوروں کا گوشت حلال ہے ان کا تھوک بھی پاک ہوگا اور جوٹھا پاک ہوگا (۲) عن ابن عباس قال دخلت مع رسول الله ﷺ انا و خالد بن الولید علی میمونة فجاء تنا باناء من لبن فشرب رسول الله ﷺ وانا علی یمینه و خالد علی شماله فقال لی الشربة لک فان شئت اثرت بها خالدا فقلت ما کنت لاوثر علی سورک احدا . (شمائل ترمذی، باب ماجاء فی صفۃ شراب رسول اللہ ﷺ ص ۱۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کا جوٹھا پاک ہے۔تب ہی تو آپؐ نے اپنا جوٹھا دوسرے کو پینے دیا۔اس قسم کی بہت احادیث ہیں۔حلال جانور کا جوٹھا پاک ہونے کی دلیل (۲) اور جن جانورں کا گوشت کھایا

۱؎ لان المختلط به اللعاب، وقد تولد من لحم طاهر ۲؎ و یدخل فی هذا الجواب الجنب، والحائض، و الکافر

جاتا ہے انکا جوٹھا پاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن البراء قال قال رسول الله ما اکل لحمه فلا بأس بسؤره (سنن بیہقی، باب الخبر الذی ورد فی سؤر ما یوکل لحمہ ج اول ،ص ۳۸۱ ،نمبر ۱۱۸۹) اس حدیث میں ہے کہ جس کا گوشت کھایا جاتا ہے اس کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ پانی کے ساتھ لعاب ملتا ہے، اور لعاب پاک گوشت سے پیدا ہوتا ہے، اسلئے لعاب اور تھوک پاک ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا تھوک پاک ہے کیونکہ تھوک میں لعاب ملا ہوگا، اور لعاب حلال گوشت سے پیدا ہوا ہے اور پانی پیتے وقت لعاب ہی پانی سے ملتا ہے اسلئے حلال جانوروں کا جوٹھا انکے تھوک کی طرح پاک ہے۔ باقی رہا کہ انسان کا گوشت نہیں کھا سکتے وہ اسکی کراہت کی وجہ سے نہیں کھا سکتے، ورنہ بنفسہ اسکا گوشت حلال ہے، اسلئے اسکا جوٹھا بھی پاک ہوگا، حدیث اوپر گزر گئی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اس جواب میں جنبی اور حائضہ عورت اور کافر کا جوٹھا بھی شامل ہوگا۔

تشریح : یعنی جنبی مرد اور جنبی عورت کا جوٹھا بھی پاک ہے، اسی طرح حائضہ عورت اور کافر کا جوٹھا بھی پاک ہے، اسلئے کہ ان میں جو نجاست ہے وہ باطنی ہے، منہ اور تھوک میں نہیں ہے۔

وجہ : جنبی کا تھوک ناپاک نہیں ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی هريرة أنه لقی النبی ﷺ فی طريق من طرق المدينة .....قال يا رسول ﷺ لقيتنی و انا جنب فكرهت أن اجالسك حتی اغتسل . فقال رسول الله ﷺ : سبحان الله ! ان المؤمن لاينجس ۔(مسلم شریف، باب الدلیل علی أن المسلم لا ینجس ،ص ۱۶۲ ،نمبر ۳۷۱ /۸۲۴ /بخاری شریف، باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس ،ص ۴۲ ،نمبر ۲۸۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی کا پسینہ ناپاک نہیں ،اور اسی سے معلوم ہوا کہ اسکا تھوک بھی ناپاک نہیں ہے ۔حائضہ کا تھوک پاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن عائشة قالت : کنت اشرب وأنا حائض ،ثم اناولہ النبی ﷺ فیضع فاہ علی موضع فیّ فیشرب ۔(مسلم شریف، باب جواز غسل الحائض رأس زوجها ،الخ ص ۱۴۳ ،نمبر ۳۰۰ /۶۹۲ /ابو داود شریف، باب مواکلة الحائض ومجامعتها ،ص ۳۹ ،نمبر ۲۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت کا جوٹھا پاک ہے ۔اور مشرک ظاہری طور ناپاک نہیں ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے سمع أبا هريرةؓ قال بعث النبی ﷺ خيلا قبل نجد فجاءت برجل من بنی حنيفة يقال له ثمامة بن أثال ، فربطوه بسارية من سواری المسجد فخرج اليه النبی ﷺ فقال ماذا عندك يا ثمامة ؟ ۔(بخاری شریف، باب وفد بنی حنیفة وحدیث ثمامة بن أثال ،ص ۷۱۴ ،نمبر ۴۳۷۲) اس حدیث میں ایک کافر کو مسجد میں باندھا، اگر یہ ظاہری طور پر ناپاک ہوتا تو اسکو مسجد میں نہ باندھتے

(۶۸) وسؤ رالکلب نجس،ویغسل الاناء من ولوغه ثلاثا ﴾ لقوله ﷺ: یغسل الاناء من ولوغ الکلب ثلاثا،ولسانه یلاقی الماء دون الاناء، فلما تنجس الاناء فالماء اولی، وھذا یفید النجاسة، والعدد فی الغسل

،اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں ۔**انما المشر کون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام بعد عامھم ھذا** ۔(آیت ۲۸ سورۃ التوبۃ ۹) سے مراد باطنی نجاست ہے۔اسلئے کافر کا جوٹھا بھی پاک ہے ۔

ترجمہ: (۶۸) کتے کا جوٹھا ناپاک ہے اسکے برتن میں منہ ڈالنے سے تین مرتبہ دھویا جائے گا ۔

وجہ: (۱) کتا،سوراور پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے۔اور پہلے گزر چکا ہے کہ تھوک گوشت سے پیدا ہوتا ہے تو گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا تھوک اور جوٹھا بھی ناپاک ہے (۲) کتے کا جوٹھا ناپاک ہونے کے سلسلے میں یہ حدیث ہے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسله سبعا** (بخاری شریف،باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا،ص ۲۹،نمبر ۱۷۲)(۳) حضرت ابو ہریرہ کا قول ہے **عن ابی ھریرۃ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقه ثم اغسله ثلاث مرات** (دارقطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ۶۶ نمبر ۱۹۳ رمصنف عبد الرزاق، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶)اس فتوی سے معلوم ہوا کہ کتے کا جوٹھا تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا (۴)اصل بات یہ ہے کہ ناپاکی زائل ہونے سے برتن پاک ہوجاتا ہے۔اوراس سے غلیظ ناپاکی پاخانہ اور پیشاب تین مرتبہ دھونے سے زائل ہوجاتی ہے اور برتن پاک ہوجاتا ہے تو جوٹھا بدرجہ اولی پاک ہوجانا چاہئے۔البتہ حدیث صحیح پر عمل کرتے ہوئے سات مرتبہ دھوئیگا تو ثواب ملے گا۔

ترجمہ : ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ برتن کو کتے کے منہ ڈالنے کیوجہ سے تین مرتبہ دھویا جائے گا،اوراسکی زبان پانی کو لگتی ہے نہ کہ برتن کو، پس جبکہ برتن ناپاک ہوجاتا ہے تو پانی بدرجہ اولی ناپاک ہوگا۔اوراس حدیث نے ناپاک ہونے میں بھی فائدہ دیا اور دھونے کے تعداد کے بارے میں بھی۔

تشریح : اوپر حدیث مرسل بیان ہوئی کہ کتا برتن میں منہ ڈال دے تو تین مرتبہ دھویا جائے۔اس سے دو باتیں معلوم ہوئی (۱) ایک تو یہ کہ کتے کی زبان پانی کو لگتی ہے برتن کو نہیں لگتی پھر بھی برتن ناپاک ہوگیا اوراسکو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا پس جب پانی میں زبان لگتی ہے تو بدرجہ اولی وہ ناپاک ہوگا۔(۲) حدیث سے دوسری بات معلوم ہوئی کہ تین مرتبہ دھویا جائے گا سات مرتبہ نہیں ۔حدیث یہ تھی ۔عن ابی ھریرۃ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دارقطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ۶۶ نمبر ۱۹۳ رمصنف عبدالرزاق، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶)اس حدیث مرسل

۲؎ وهو حجة على الشافعيؒ في اشتراط السبع ۳؎ ولان ما يصيبه بوله يطهر بالثلث فما يصيبه سوره و هو دونه اولى ۴؎ والامر الوارد بالسبع محمول على ابتداء الاسلام. (۶۹) وسورالخنزير نجس﴾

میں تین مرتبہ دھونے کا حکم ہے

ترجمه: ۲؎ اور یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے سات مرتبہ دھونے کی شرط لگانے کے بارے میں۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتا برتن میں منہ ڈالدے تو اسکو سات مرتبہ دھووتب پاک ہوگا، موسوعة میں یہ عبارت ہے قال الربیع سألت الشافعیؒ عن الکلب یلغ فی الاناء لا یکون فیہ قلتان أو فی اللبن أو المرق، فقال یھراق الماء واللبن والمرق، لا ینتفعون بہ، ویغسل الاناء سبع مرات۔ (موسوعة، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول، ص ۴۸ نمبر ۱۷۵) انکی دلیل اوپر کی حدیث ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا شرب الكلب فی اناء احدكم فليغسله سبعا (بخاری شریف، باب اذا شرب الکلب فی اناء احدکم فلیغسلہ سبعا، ص ۲۹، نمبر ۱۷۲ / ابوداود شریف، باب ماجاء فی سور الکلب، ص ۱۷، نمبر ۷۱) اس حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور اسلئے بھی کہ برتن کو کتے کا پیشاب لگ جائے تو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے تو جسکو اسکا جوٹھا لگ جائے جو پیشاب سے کم ہے تو بدرجہ اولی تین مرتبہ میں پاک ہوجائے گا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے کہ کتے کا پیشاب اسکے تھوک سے بھی زیادہ ناپاک ہے پھر بھی اسکو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجاتا ہے۔ تو جوٹھا اس سے کم ناپاک ہے تو تین مرتبہ دھونے سے بدرجہ اولی پاک ہوجائے گا۔

ترجمه: ۴؎ اور سات مرتبہ کا جو حکم وارد ہوا ہے وہ شروع اسلام کا ہے۔

تشریح: یہ جو حدیث میں سات مرتبہ دھونے کا حکم ہے وہ شروع اسلام میں تھا بعد میں اسکی تسہیل کردی گئی۔ شروع اسلام میں کتوں سے نفرت دلانے کے لئے اسکو مارنے کا بھی حکم تھا بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے عن جابر قال أمر نبی الله بقتل الكلاب حتى ان كانت المرأة تقدم من البادية يعني بالكلب فنقتله ، ثم نهانا عن قتلها و قال : عليكم بالاسود ۔ (ابوداود شریف، باب اتخاذ الکلب للصید وغیرہ، ص ۴۱۴ نمبر ۲۸۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کتے کے بارے میں پہلے شدت تھی بعد میں تسہیل ہوگئی۔ اسی طرح اسکے جوٹھے کے بارے میں پہلے شدت تھی اس وقت سات مرتبہ دھونے کا حکم دیا بعد میں تسہیل ہوگئی تو تین مرتبہ دھونے کا حکم دیا۔

ترجمه: (۶۹) اور سور کا جوٹھا نجس ہے۔

ل لانہ نجس العین علی ما مر. (٧٠) وسور سباع البھائم نجس ﴾ ل خلافا للشافعیؒ فیما سوی

ترجمہ: ل اسلئے کہ وہ نجس العین ہے۔

تشریح : سورخود نجس العین ہے اسلئے اسکا جوٹھا بھی نجس ہوگا۔سور نجس العین ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے ۔ **ولحم خنزیر فانہ رجس** (آیت ۱۴۵ سورۃ الانعام ٦) اس آیت میں سور کو نجس کہا گیا ہے۔اسلئے اسکا جوٹھا بھی نجس ہے۔

ترجمہ: (٧٠) اور پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک ہے۔

وجہ : پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حلال نہیں ہے اس لئے اس کا جوٹھا بھی ناپاک ہے۔اس لئے کہ وہ سبع یعنی درندہ جانور ہے۔حدیث یہ ہے **عن ابی ثعلبۃ ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل کل ذی ناب من السباع** (بخاری شریف، باب اکل کل ذی ناب من السباع نمبر ۵۵۳۰ مسلم شریف، باب تحریم اکل کل ذی ناب من السباع وکل ذی مخلب من الطیر ،ص ۸٦۳ نمبر ۱۹۳۲/۴۹۸۹) پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ جس جانور کا گوشت حرام ہے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہے، پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حرام ہے اسلئے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہوگا۔(یہ حدیث بھی انکا مستدل ہے، **أن عمر بن الخطاب خرج فی رکب فیھم عمرو بن العاص حتی وردوا حوضا فقال عمرو بن العاص لصاحب الحوض ھل ترد حوضک السباع ؟ فقال عمر بن الخطاب : یاصاحب الحوض لا تخبرنا فانا نرد علی السباع و ترد علینا** ۔(سنن للبیھقی، باب سور سائر الحیوانات سوی الکلب والخنزیر، ج اول ص ۳۷۹ نمبر ۱۱۸۱)اس اثر میں ہے کہ ہمیں پھاڑ کھانے والے جانور کے پینے کے بارے میں خبر نہ دیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اسکا جوٹھا ناپاک ہے تب ہی تو فرمایا کہ خبر نہ دیں کیونکہ خبر دینے سے پانی ناپاک ہوجائے گا ہم لوگ اسکو استعمال نہیں کر سکیں گے۔

ترجمہ: ل خلاف امام شافعیؒ کے کتے اور سور کے علاوہ میں۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ کتا اور سور کا جوٹھا تو ناپاک ہے، باقی دوسرے کسی پھاڑ کھانے والے جانور کا جوٹھا ناپاک نہیں ہے، موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ **قال: و لیس فی حی من بنی آدم ، ولا البھائم نجاسۃ الا فی ان یماس نجاسۃ ، و کل ما ادخل فیہ آدمی ، مسلم أو کافر یدہ أو شربت منہ دابۃ ما کانت ، فلیس ینجس الا دابتان : الکلب ، و الخنزیر** ۔(موسوعۃ، ما ینجس الماء مما خالطہ، ج اول ص ۲۵ نمبر ٦۴)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دو جانور، یعنی کتا اور سور

کا جوٹھا ناپاک ہے باقی کا نہیں۔

وجہ : انکی دلیل یہ حدیث ہے **عن جابر قال : قیل یا رسول اللہ أ نتوضأ بما أفضلت الحمر ؟ قال و بما**

الکلب والخنزیر ۲؎ لان لحمھما نجس، و منہ یتولد اللعاب و ھو المعتبر فی الباب. (۱۷) و سوء ر الھرۃ مکروہ ﴾ ۱؎و عن ابی یوسف انہ غیر مکروہ لان النبی علیہ السلام کان یصغی لھا الاناء

أفضلت السباع (دار قطنی، باب الآسار، ج اول ص ۶۱ نمبر ۱۷۳/سنن للبیھقی، باب سؤر سائر الحیوانات سوی الکلب والخنزیر، ج اول، ص ۳۷۸، نمبر ۱۱۷۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسرے جانوروں کا جوٹھا پاک ہے، تبھی تو آپ نے سب جانوروں کے جوٹھے سے وضو کرنے کے لئے فرمایا، سوائے کتا اور سور کے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ ان دونوں کا گوشت نجس ہے اور اسی نجس گوشت سے لعاب پیدا ہوتا ہے، اور اس باب میں وہی معتبر ہے۔

تشریح : یہ عبارت امام شافعیؒ کی بھی دلیل ہے اور حنفیہ کی بھی دلیل ہے، کہ کتے اور سور کا گوشت نجس ہے اور لعاب نجس گوشت سے پیدا ہوا اسلئے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہے ۔ کیونکہ گوشت ہی اس باب میں معتبر ہے۔ جیسا گوشت ویسا اسکا جوٹھا۔

ترجمہ: (۱۷) بلی کا جوٹھا پاک ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) بلی پھاڑ کھانے والا جانور ہے اس لئے اس کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن یہ گھر میں رہتی ہے اور اس سے بچنا مشکل ہے اس لئے شریعت نے تسہیل دیدی اور اس کا جوٹھا مکروہ ہوا۔ (۲) حدیث میں ہے **عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال یغسل الاناء اذا ولغ فیہ الکلب سبع مرات اولاھن واخراھن بالتراب واذا ولغت فیہ الھرۃ غسل مرۃ.** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الکلب ص ۲۷ نمبر ۹۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جوٹھا ناپاک ہے تب ہی تو ایک مرتبہ دھونے کے لئے کہا (۲) **عن ابی ہریرۃ قال النبی ﷺ السنور سبع** (سنن للبیھقی، باب سور الھرۃ ج اول ص ۷۷ ۶/ ۱۱۷۷/دار قطنی باب سؤر الھرۃ ج اول ۷۱/نمبر ۲۱۷) جب بلی پھاڑ کھانے والی ہے تو اسکا گوشت ناپاک ہوا، اسلئے اسکا جوٹھا بھی ناپاک ہوگا۔ لیکن دوسری حدیث ہے جس سے معلوم ہوتا ہیکہ اسکے جوٹھے میں تسہیل ہے کیونکہ یہ ہمیشہ گھر میں رہتی ہے اسلئے اسکے جوٹھے کو ناپاک قرار دیں تو معاملہ مشکل ہو جائے گا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن کبشۃ بنت کعب بن مالک. ان ابا قتادۃ دخل علیھا قالت فسکبت لہ وضوءاً قالت فجائت ھرۃ تشرب فأصغی لھا الاناء حتی شربت، قالت کبشۃ فرأنی انظر الیہ فقال أتعجبین یا ابنۃ اخی؟ فقلت نعم، قال ان رسول اللہ ﷺ قال انھا لیست بنجس انما ھی من الطوافین علیکم والطوافات** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الھرۃ ص ۲۷ نمبر ۹۲/ابوداؤد شریف، باب سؤر الھرۃ ص ۱۲، نمبر ۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بلی کا جھوٹا پاک ہے۔ اس لئے دونوں حدیثوں کو ملانے کی وجہ سے یہ کہتے ہیں کہ بلی کا جوٹھا مکروہ تنزیہی ہے۔ یہی حال گھر میں رہنے والے تمام جانوروں کا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ بلی کا جوٹھا مکروہ نہیں ہے، اسلئے کے حضور اسکے لئے برتن کو ٹیڑھا کرتے

فتشرب منه ثم يتوضأمنه، ۲ ولهما قوله عليه السلام: الهرة سبع، و المراد بيان الحكم الاانه سقطت النجاسةلعلة الطواف فبقيت الكراهة ۳ ومارواه محمول على ماقبل التحريم ۴ ثم قيل كراهيته لحرمةاللحم،وقيل لعدم تحاميهاالنجاسةوهذايشيرالى التنزه، والاول الى القرب من التحريم

تھے، پھر بلی اس سے پیتی تھی پھر آپ اس سے وضوفرماتے تھے۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن عائشة أنها قالت : كان رسول الله ﷺ يمر به الهرة فيصغى لها الاناء ، فتشرب ، ثم يتوضأ بفضلها ۔(دار قطنی ، باب سؤر الهر ، ج اول،ص ۶۷ نمبر۱۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپ نے بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کیا اوراسکے پینے کے بعد آپ نے اس سے وضوفرمایا جس سے معلوم ہوا کہ بلی کا جوٹھا پاک ہے

ترجمه : ۲ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ بلی پھاڑ کھانے والے جانور میں سے ہے،اور مراد حکم کا بیان کرنا ہے،مگر یہ کہ نجاست ساقط ہوگئی بار بار گھر آنے کی وجہ سے اسلئے کراہیت باقی رہی۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ بلی پھاڑ کھانے والے جانور میں سے ہے اوراس سے مراد ہے حکم کا بیان کرنا،یعنی پھاڑ کھانے والے جانور کا گوشت حرام ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے ،حدیث گزر چکی ہے عن ابی هريرة قال النبی ﷺ السنور سبع (سنن للبیھقی ، باب سورالهرة ج اول ص ۳۷۷ ،نمبر۱۱۷۶ /دار قطنی ، باب سؤر الهرة، ج اول،ص ۷۱،نمبر۲۱۷)اس حدیث کی بنا پر بلی کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے لیکن بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے اسکا جوٹھا مکروہ قرار دے دیا گیا۔ اور بار بار گھر میں آنے کی حدیث اوپر گزر چکی ہے۔قال ان رسول الله ﷺ قال انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم و الطوافات (ترمذی شریف، باب ما جاء فی سورالھرة ص ۲۷ نمبر۹۲) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہی ہوگا کہ بلی کا جوٹھا مکروہ ہے۔

ترجمه : ۳ اور جو حدیث امام ابو یوسفؒ نے ذکر کی وہ حرام ہونے سے پہلے پر محمول ہے۔یعنی امام یوسفؒ نے جو حدیث پیش کی کہ حضورؐ بلی کے لئے برتن ٹیڑھا کرتے تھے اور بلی اس سے پیتی تھی اوراسی پانی سے آپؐ وضوفرماتے تھے،جسکا مطلب یہ ہوا کہ وہ پاک ہے،اسکا مطلب یہ ہے کہ شروع اسلام میں اسکا جوٹھا پاک تھا بعد میں اسکو مکروہ قرار دے دیا گیا ،اسلئے وہ حدیث حرام ہونے سے پہلے کی ہے ۔

ترجمه: ۴ پھر کہا گیا ہے کراہیت اسکے گوشت کی حرمت کی وجہ سے ہے،اور یہ بھی کہا گیا کہ اسکے نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے ہے،اور یہ اشارہ کرتا ہے کہ مکروہ تنزیہی کی طرف اور پہلی دلیل اشارہ کرتی ہے حرام کے قریب کی طرف۔

تشریح : بلی کا جوٹھا مکروہ ہے اسکی دو وجہ بیان کی جا رہی ہیں۔(۱) ایک یہ کہ بلی کا گوشت حرام ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہے،

(۷۲)و لو اکلت الفارة ثم شربت علی فوره الماء یتنجس الا اذا مکثت ساعة ﴾ ا لغسلها فمها بلعابها ۲ والاستثناء علی مذهب ابی حنیفة و ابی یوسف و یسقط اعتبار الصب للضرورة.

اگر گوشت کی حرمت کو دلیل بنائیں تو اسکا جوٹھا حرام کے قریب ہونا چاہئے ،(۲) اور دوسری وجہ یہ ہے کہ بلی نجاست سے نہیں بچتی ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہے، پس اگر اسکو وجہ بنائیں تو اسکا جوٹھا مکروہ ہونا چاہئے کیونکہ اصل کے اعتبار سے ناپاک نہیں ہوا بلکہ نجاست سے نہ بچنے کی وجہ سے مکروہ ہوا ۔

لغت : یصغی :ٹیڑھا کرنا۔سبع : پھاڑ کھانے والا جانور. طواف :بار بار جانا۔تحامی:بچنا، پرہیز کرنا۔ تنزہ :مکروہ تنزیہی۔

ترجمہ:۔(۷۲) اور اگر چوہا کھایا پھر فورا پانی پیا تو پانی ناپاک ہوجائے گا، مگر جبکہ کچھ دیر ٹھہر گئی ہو۔

ترجمہ: ا اپنے لعاب سے اپنے منہ کو دھونے کی وجہ سے۔

تشریح : جن حضرات کے یہاں بلی کا جوٹھا مکروہ ہے یا پاک ہے، اسکے نزدیک یہ ہے کہ بلی نے چوہا کھایا اور ابھی منہ بھی صاف نہیں کیا کہ پانی میں منہ ڈال دیا تو وہ پانی چوہے کے ناپاک خون کی وجہ سے ناپاک ہو گیا، لیکن اگر تھوڑی دیر ٹھہر گئی اور منہ کو صاف کرلیا پھر منہ ڈالا تو اب پانی ناپاک نہیں ہوگا یا تو پاک رہے گا یا زیادہ سے زیادہ مکروہ ہوگا۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی بھی بہنے والی چیز سے نجاست پاک کی جاسکتی ہے اور اس میں یہ بھی شرط نہیں ہے کہ پاک کرنے کی نیت سے بہائے اسلئے بلی نے اپنے تھوک سے بار بار منہ صاف کرلیا تو اب منہ پاک ہو گیا اسکے بعد پانی میں منہ ڈالا تو پانی پاک رہے گا۔البتہ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک کسی نجاست کو پاک کرنے کے لئے پاکی کی نیت سے بہانا شرط ہے۔اور بلی پاکی نیت کر کے نہیں بہا سکتی، اسلئے انکے یہاں زبان پاک نہیں ہونا چاہئے ۔لیکن انکے یہاں بھی پاک ہو جائے گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں پاک کرنے کی ضرورت ہے اسلئے ضرورت کی وجہ سے نیت کر کے بہانے کی شرط ساقط ہو جائے گی اور صرف خون صاف ہونے کی وجہ سے زبان پاک ہوجائے گی ۔

ترجمہ: ۲ اور استثناء امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے مذہب پر ہوگی، اور بہانے کی شرط ضرورت کی بناء پر ساقط ہو جائے گی۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب اوپر گزر گیا کہ شیخین کے یہاں کسی بھی بہنے والی چیز سے نجاست پاک ہوسکتی ہے ۔اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نیت کر کے بہانے کی جو شرط ہے وہ بھی ضرورت کی بناء پر ساقط ہو جائے گی۔

البتہ امام محمدؒ کے نزدیک کسی بھی بہنے والی چیز سے نجاست پاک نہیں کر سکتے بلکہ پانی ہی سے نجاست پاک ہوگی، اور یہاں بلی نے لعاب سے خون صاف کیا ہے، اسلئے اسکی زبان پاک نہیں ہوئی اسلئے اس نے پانی میں منہ ڈالا تو پانی ناپاک ہوجائے گا، چاہے ایک

(۷۳) و سؤ ر الدجاجة المخلاة مكروه لے لانها تخالط النجاسة، و لو كانت محبوسة بحيث لا يصل منقارها الى ما تحت قدميها لا يكره لوقوع الامن عن المخالطة **(۷۴) و كذا سوء ر سباع الطير**

گھنٹہ بعد تک بلی زبان سے خون صاف کرتی رہی ہو۔اسلئے امام محمد کے مسلک پر متن کی عبارت الا اذا مکثت ساعة ۔نہیں ہوگا ، کیونکہ ایک گھنٹے کے بعد بھی اسکی زبان پاک نہیں ہو پائے گی۔

ترجمہ: (۷۳) اور کھلی پھرنے والی مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ وہ نجاست کے ساتھ لتھڑ جاتی ہے، چنانچہ اگر وہ اس طرح بندھی ہوئی ہو کہ اسکی چونچ اسکے قدم کے نیچے تک نہ پہونچتی ہو تو مکروہ نہ ہوگا نجاست کے ساتھ ملنے سے امن ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : مرغی کا گوشت پاک ہے اسلئے اسکا جوٹھا بھی پاک ہونا چاہئے البتہ اگر اسکی چونچ پر ناپاکی لگی ہوئی ہو اور اسی حالت اس نے اپنا چونچ میں پانی میں ڈال دیا تو اس ناپاکی کی وجہ سے پانی ناپاک ہو جائے گا ہاں اگر اسکی چونچ پر ناپاکی نہ لگی ہوئی ہو اور مرغی یونہی کھلی پھر رہی ہو اور پانی میں منہ ڈال دے تو پانی مکروہ ہوگا چونچ پہ ناپاکی ہونے کے احتمال کی بنیاد پر۔اثر میں اسکا ثبوت ہے ۔عن الحسن انه كان يقول : فی الدجاجة تشرب من الاناء يكره ان يتوضأ به . (مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۴ الوضوء بسور الدجاجۃ، ج اول،ص ۳۶ نمبر ۳۲۳) اس اثر میں ہے کہ مرغی کا جوٹھا مکروہ ہے اور اسی شکل میں ہے کہ مرغی کے چونچ پر نجاست ہونے یا نہ ہونے کا احتمال ہو، ورنہ تو اسکا گوشت حلال ہے اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہونا چاہئے ۔

ہاں اگر مرغی اس طرح بندھی ہوئی ہو کہ اسکی چونچ کسی اور کی نجاست میں بھی نہ جاتی ہو اور وہ خود بھی جو پاخانہ کرتی ہے اور بندھی ہوئی مرغی کا پاؤں اس پر رگڑتا ہے، اور اپنے چونچ کو پاؤں پر مارتی ہے جس سے اسکی چونچ ناپاک ہوتی ہے اس طرح بھی نہ ہو تو اب اسکی چونچ پاک ہوگی اور یہ مرغی پانی میں منہ ڈالے گی تو پانی مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

لغت : المخلاة :خلو سے مشتق ہے کھلی پھرنے والی۔تخالط :لتھڑ جاتی ہے، گھل مل جاتی ہے۔اسی سے ہے مخالطة :گھل مل جانا۔محبوس :حبس سے مشتق ہے، بندھی ہوئی۔منقار : چونچ۔

ترجمہ: (۷۴) اور ایسے ہی پھاڑ کھانے والے پرندے کا جوٹھا مکروہ ہے۔

وجہ: (۱) پھاڑ کھانے والا پرندہ آسمان میں اڑتا ہے اور کہیں بھی پانی میں منہ ڈال دیتا ہے اب اگر اسکے گوشت کے حرام ہونے کی وجہ سے اسکے جوٹھے کو ناپاک قرار دیں تو امت کے لئے اس سے بچنا مشکل ہوگا اور وہ پریشانی میں پھنس جائیں گے، اس ضرورت کے تحت اسکے جوٹھے کو ناپاک قرار نہیں دیا۔لیکن اسکا گوشت حرام ہے اور پہلے گزر چکا ہے کہ جوٹھے کا مدار اسکے گوشت پر ہے اسلئے

۱؎ لانهـا تـأ كـل الـميتـات فاشبه الدجاجة المخلاة، ۲؎ وعـن ابـی یـوسفؒ انها اذا كانت محبوسة يعلم صـاحبهـا انـه لايـقـدرعـلـی مـنـقـارهـالايكره لوقوع الامن عن المخالطة، واستحسن المشائخ هذه الرواية. (۷۵)و سـوء رمـا يسـكـن البيوت كالحية، والفارة مكروه ﴾ ۱؎ لان حـرمة اللحم اوجبت نجاسة السؤر الا انه سقطت النجاسة لعلة الطواف فبقيت الكراهية

اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے ،لیکن ضرورت کی وجہ سے اسکے جوٹھے کومکمل ناپاک کے بجائے مکروہ قرار دیا۔(۲) اثر میں ہے کہ پرندے کی بیٹ ناپاک نہیں ہے کیونکہ اس میں مجبوری ہے ،جب اسکی بیٹ ناپاک نہیں تو اسکا تھوک بدرجہ اولی ناپاک نہیں ہونا چاہئے۔اثر یہ ہے۔**عـن الـحسـن قال : سقطت هائمة علی الحسن فذرقت عليه فقال له بعض القوم : نأتيک بـمـاء تغسله فقال : لا ، و جعل يمسحه عنه** (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۴۵ الذی یصلی وفی ثوبہ خرء الطیر ،ج اول،ص۱۰۱نمبر ۱۲۵۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ پرندے کی بیٹ ناپاک نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ وہ مردہ کھاتا ہےاسلئے وہ کھلی ہوئی مرغی کی طرح ہو گیا۔

تشریح : یہ پرندہ مردہ کھاتا ہےاسلئے جس طرح کھلی ہوئی مرغی کے چونچ میں ناپا کی ہونے کےاحتمال کے باوجوداسکا جوٹھا مکروہ ہےاسی طرح پھاڑ کھانے والے پرندے کا جھوٹا اس گوشت حرام ہونے کے باوجود مکروہ ہوگا، کیونکہ اس میں مجبوری ہے۔

ترجمہ : ۲؎ اورامام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر پرندہ محبوس ہواوراسکا مالک جانتا ہو کہ اسکی چونچ پر گندگی نہیں ہےتو مکروہ بھی نہیں ہے، گندگی سے اختلاط سے مامون ہونے کی وجہ سے ۔اور مشائخ نے اس روایت کو اچھا سمجھا۔

تشریح : اس روایت کا مدار اس بات پر ہے کہ پرندے کی چونچ پرنجاست کی گندگی ہوتو پانی ناپاک ہوگا اور گندگی نہ ہوتو ناپاک نہیں ہوگا۔اس روایت کا مدار اس پر نہیں ہے کہ اسکا گوشت حلال ہے یا حرام، کیونکہ اگر اس پر ہوتا تو اسکا گوشت حرام تھا اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے اب عبارت کا مطلب یہ ہے کہ پرندہ اس طرح مقید ہو کہ اسکا مالک جانتا ہو کہ اسکی چونچ پر گندگی نہیں ہےتو اسکا جوٹھا مکروہ بھی نہیں ہے۔کیونکہ اس بات سے امن ہے کہ اسکی چونچ پرنجاست کی گندگی نہیں ہے۔اور چونکہ امت کے لئے مجبوری ہےاسلئے مشائخ نے اس روایت کو اچھا سمجھا۔

ترجمہ: (۷۵) اور جو جانور گھروں میں ٹھہرتے ہیں، جیسے سانپ اور چوہا اسکا جوٹھا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ گوشت کا حرام ہونا واجب کرتا ہے جوٹھے کی نجاست کو مگر یہ کہ بار بار آنے کی علت کی وجہ سے ناپا کی ساقط ہوگئی اسلئے کراہیت باقی رہی۔

تشریح : گھر میں رہنے والے جانور جیسے سانپ اور چوہا وغیرہ کا جوٹھا مکروہ ہے۔اسکی وجہ یہ کہ ان جانوروں کا گوشت حرام

۲؎ والتنبيه على العلة في الهرة. (۷۶) وسور الحمار والبغل مشكوك فيه ﴾

ہے اسلئے اسکا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے ،لیکن یہ جانور گھر ہی میں رہتے ہیں اسلئے ناپاک قرار دینے سے حرج لازم آئیگا اسلئے حرام کے بجائے مکروہ قرار دیا۔ بلی بار بار گھر میں آتی ہے جسکی وجہ سے اسکا جوٹھا مکروہ قرار دیا اسکے لئے حدیث گزر چکی ہے۔حدیث یہ ہے۔ عن كبشة بنت كعب بن مالك. ان ابا قتادة دخل عليها قالت فسكبت له وضوءا قالت فجائت هرة تشرب فأصغى لها الاناء حتى شربت ، قالت كبشة فرأني انظر اليه فقال أ تعجبين يا ابنة اخي ؟ فقلت نعم ،قال ان رسول الله ﷺ قال انها ليست بنجس انما هي من الطوافين عليكم والطوافات (ترمذی شریف، باب ماجاء فی سور الهرة ص ۲۷ نمبر ۹۲ /ابوداؤد شریف، باب سؤر الهرة، ص ۱۲، نمبر ۷۵) اس حدیث میں ہے کہ چونکہ بلی بار بار گھر میں آتی ہے اسلئے اسکے جوٹھے کو ناپاک کے بجائے مکروہ قرار دیا اسی طرح ان جانوروں کے جوٹھے کو بھی مکروہ قرار دیا جائے گا۔

اصول: مجبوری جہاں ہو وہاں سہولت ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ علت اور وجہ پر تنبیہ بلی کے مسئلے میں ہو چکی ہے۔

تشریح : بلی کے مسئلے میں گزر چکا ہے کہ بار بار گھر میں آنے کی وجہ سے ناپاک کرنے کے بجائے مکروہ قرار دیا۔ یہ حدیث ابھی اوپر گزری۔

لغت : الدجاجة: مرغی۔ المخلاة: جو کھلی پھرتی ہو۔ سباع الطیور: وہ پرندے جو شکار کر کے کھاتے ہیں۔ الحیة: سانپ۔ الفارة : چوہا۔

ترجمہ: (۷۶) گدھے کا جوٹھا اور خچر کا جوٹھا مشکوک ہے۔

وجہ : مشکوک ہونے کی وجہ یہ ہے کہ گدھے کے گوشت اور پسینے کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں۔آپؐ نے گدھے کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔اور جب گوشت حلال نہیں ہوگا تو اس کا نکلا ہوا تھوک بھی نجس ہوگا۔اس اعتبار سے گدھے کا جوٹھا ناپاک ہونا چاہئے۔لیکن آپ گدھے پر سوار ہوئے ہیں جس کی وجہ سے آپؐ کے کپڑے پر گدھے کا پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ گوشت سے نکلتا ہے اور پسینے کا حکم بھی وہی ہے جو تھوک کا حکم ہے۔اس لئے اگر پسینہ لگنے سے کپڑا نہیں دھویا اور پسینہ پاک ہے تو اس اعتبار سے تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔تو

گویا کہ گدھے کے تھوک کے سلسلے میں دونوں قسم کے دلائل ہیں اس لئے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔نجس ہونے کی دلیل یہ ہے عن جابر بن عبد الله قال نهى رسول الله ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر ورخص في الخيل (بخاری شریف، باب غزوة خیبر ج ثانی ص ۶۰۶ نمبر ۴۲۱۹/مسلم شریف، باب تحریم أكل لحم الحمر الانسية، ص ۸۶۶ نمبر ۱۹۳۶/۵۰۰۵) جب گوشت حلال

ل قیل الشک فی طھارته لانه لو کان طاھر ا لکان طھوراًمالم یغلب اللعاب علی الماء،

نہیں تو تھوک بھی پاک نہیں ہوگا۔((۲) اثر میں ہے کہ گدھے کا جوٹھا مکروہ ہے۔عن ابن عمر أنه کان یکرہ سئور الحمار ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۳۱ فی الوضوء بسور الحمار والکلب من کرھه ،ج اول ،ص ۳۵ نمبر ۳۰۴)اس اثر میں ہے کہ گدھے کا جوٹھا مکروہ ہے۔

(۲) اور تھوک پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے .عن معاذ قال کنت ردف النبی ﷺ علی حمار یقال له عفیر. (بخاری شریف، باب اسم الفرس والحمار ص ۴۰۰ نمبر ۲۸۵۶) آپ گدھے پر سوار ہوئے تو کپڑے پر پسینہ لگا ہوگا اور پسینہ پاک ہے تو تھوک بھی پاک ہونا چاہئے۔(۲) حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ اصل کے اعتبار سے گدھے کا گوشت ابھی بھی حلال ہے۔حدیث یہ ہےعن غالب ابن ابجر قال اصابتنا سنة فلم یکن فی مالی شیء أطعم اھلی الا شیء من حمر و قد کان النبی ﷺ حرم لحوم الحمر الاھلیة .....فقال : أطعم اھلک من سمین حمرک فانما حرمتھا من اجل جوال القریة ،یعنی الجلالة (ابوداود شریف، باب فی اکل لحوم الحمر الاھلیة ،ص ۵۴۳ نمبر)اس حدیث میں ہے کہ گدھے کا گوشت حلال ہے۔اور جب گوشت حلال ہوگا تو اسکا پسینہ اور جوٹھا بھی پاک ہوگا۔(۳) گدھے کے جوٹھے کے پاک ہونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ عن عطاء أنه کان لا یری بأسا بسور الحمار ۔(مصنف ابن ابی شیبة ،۳۲ من قال لابأس بسور الحمار، ج اول ،ص ۳۵ نمبر ۳۱۲)اس اثر میں گدھے کے جوٹھے کو تقریبا پاک کہا ہے۔ان دونوں قسم کے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے گدھے کا جوٹھا پاک ہے۔موسوعة میں عبارت یہ ہے۔ قال: و لیس فی حی من بنی آدم ، و لا البھائم نجاسة الا فی ان یماس نجاسة ، و کل ما ادخل فیه آدمی ، مسلم أو کافر یدہ أو شربت منه دابة ما کانت ، فلیس ینجس الا دابتان : الکلب ، و الخنزیر ۔(موسوعة ،ماینجس الماء مما خالطه، ج اول ص ۲۵ نمبر ۶۴)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دو جانور ،یعنی کتا اور سور کا جوٹھا ناپاک ہے باقی کا نہیں۔

ترجمہ: ل کہا گیا ہے کہ شک اسکے پاک ہونے میں ہے اسلئے کہ اگر پاک ہوتا تو پاک کرنے والا بھی ہوتا، جب تک پانی پر لعاب غالب نہ ہوجائے۔

تشریح : شک گدھے کے جوٹے کے پاک ہونے میں ہے یا خود تو پاک ہے لیکن دوسرے کو پاک کرنے میں ہے۔تو فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے فرمایا کہ شک خود اسکے جوٹھے کے پاک ہونے میں ہے،یعنی جوٹھا خود پاک نہیں ہے، کیونکہ اگر وہ پاک ہوتا

۲ وقيل الشك فى طهوريته لانه لووجد الماء لايجب عليه غسل رأسه **۳** وكذالبنه طاهر **۴** وعرقه لا يمنع جواز الصلاة و ان فحش فكذا سوره، وهو الاصح،

تو دوسروں کو بھی پاک کرتا۔ جب تک کہ لعاب پانی پر غالب نہ ہو جائے، کیونکہ پانی پر لعاب غالب ہو جائے تو سب کے نزدیک اس سے طھارت نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۲ اور کہا گیا ہے کہ شک دوسری چیز کو پاک کرنے میں ہے۔ اسلئے کہ مشکوک پانی سے مسح کرنے کے بعد اگر پانی پائے تو اس پر سر دھونا واجب نہیں۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ گدھے کا جوٹھا خود تو پاک ہے لیکن دوسری چیز کو پاک کر سکے گا یا نہیں اس میں شک ہے۔ کیونکہ کسی آدمی نے گدھے کے جوٹھے سے سر پر مسح کیا بعد میں اچھا پانی مل گیا تو سر کو دوبارہ دھونا واجب نہیں ہے اگر گدھے کے جوٹھے پانی کے پاک ہونے میں شک ہوتا تو سر کو دوبارہ پاک پانی سے دھونا چاہئے، کیونکہ اسکا سر مشکوک ہو چکا ہے، لیکن دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں اس سے معلوم ہوا کہ خود پانی کے پاک ہونے میں شک نہیں ہے بلکہ دوسرے کو پاک کرنے میں شک ہے۔

ترجمه: ۳ ایسے ہی اسکا دودھ پاک ہے۔

وجه : یعنی گدھی کا دودھ پاک ہے، اسلئے کہ اسکا گوشت اصل کے اعتبار سے پاک ہے، اسکے گوشت کو جو حرام کیا وہ اسلئے کہ جہاد کے سامان اٹھانے میں جانور کی کمی نہ ہو جائے۔ اسلئے جب اصل کے اعتبار سے گوشت پاک ہے تو اسکا دودھ بھی پاک ہوگا۔ یعنی اگر اسکا دودھ کپڑے میں لگ جائے تو کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ اصل کے اعتبار سکا گوشت پاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس بن مالك أن رسول الله ﷺ جاءه جاء فقال أكلت الحمر ، ثم جاءه جاء فقال اكلت الحمر ، ثم جاءه جاء فقال أفنيت الحمر فأمر منادیا فنادى فى الناس : ان الله و رسوله ينهيانكم عن لحوم الحمر الاهلية فانها رجس . (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیۃ، ص ۹۸۳ نمبر ۵۵۲۸/ مسلم شریف، باب تحریماً کل لحم الحمر الانسیۃ، ص ۸۶۸ نمبر ۱۹۴۰/۵۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ جہاد کا جانور نہ ختم ہو جائے اسلئے گدھے کے گوشت کو حرام کیا، اسلئے اصل کے اعتبار سے گدھے کا گوشت حلال ہے اسلئے اسکا دودھ بھی پاک ہونا چاہئے۔ البتہ اس سے چائے بنا کر پینے میں مشکوک ہوگا۔

ترجمه : ۴ اور گدھے کا پسینہ نماز کے جائز ہونے کو نہیں روکتا اگر چہ بہت زیادہ ہو۔ تو ایسے ہی اسکا جوٹھا بھی ہوگا، صحیح روایت یہی ہے۔

تشریح : چونکہ گدھے کا گوشت اصل کے اعتبار سے حلال ہے اسلئے اسکا پسینہ بھی پاک ہے، اسلئے اگر اسکا پسینہ بہت زیادہ کپڑے میں لگ جائے پھر بھی اس میں نماز جائز ہوگی، چنانچہ اوپر حدیث گزری کہ حضور گدھے پر سوار ہوتے تھے اور اسکا پسینہ بھی

۵ و یروی نص محمد علی طهارته، ۶ وسبب الشک تعارض الادلة فی اباحته وحرمته، اواختلاف الصحابة عنهم فی نجاسته و طهارته، ۷ وعن ابی حنیفةؒ انه نجس ترجیحا للحرمة والنجاسة، ۸ والبغل من نسل الحمار فیکون بمنزلته

کپڑے میں لگتا تھا پھر بھی آپؐ اس کپڑے میں نماز پڑھتے تھے۔اور جب اسکا پسینہ پاک ہے تو اسکا جوٹھا بھی پاک ہوگا کیونکہ اسکا جوٹھا بھی گوشت سے ہی نکلتا ہے۔اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہے البتہ دوسرے کو پاک کرسکتا ہے یانہیں اس میں شک ہے ۔یہ عبارت اس بات کی تائید میں ہے کہ جوٹھا پاک ہے البتہ دوسرے کو پاک کرنے میں شک ہے۔

ترجمہ : ۵ اورروایت کی ہے کہ امام محمدؒ نے اسکے پاک ہونے کی تصریح ہے۔اگران سے پاک ہونے کی تصریح ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ اسکا جوٹھا پاک ہے البتہ دوسرے کو پاک کرنے میں شک رہے گا۔

ترجمہ : ۶ اورشک کا سبب اسکے مباح ہونے اوراسکے حرام ہونے میں دلائل کا تعارض ہے، یا اسکے بارے میں صحابہ کا اختلاف ہے اسکے ناپاک اوراسکے پاک ہونے کے سلسلے میں۔

تشریح : گدھے کا جوٹھا مشکوک ہے اسکی وجہ، یا تو یہ ہے کہ حدیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسکا گوشت حلال ہے، اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اسکا گوشت حلال نہیں ہے، چونکہ دلائل دونوں طرح کے ہیں اسلئے اسکا جوٹھا مشکوک ہوگیا، اسی طرح صحابہ میں اختلاف ہے کسی نے فرمایا کہ اسکا جوٹھا پاک ہے اور کسی نے فرمایا کہ اسکا جوٹھا ناپاک ہے۔اسلئے یہ مشکوک ہوگیا۔اوپر دونوں قسم کے دلائل گزر گئے۔دیکھ لیں۔

ترجمہ: ۷ امام ابوحنیفہ سے منقول ہے کہ گدھے کا جوٹھا نجس ہے حرمت اور نجاست کو ترجیح دینے کے لئے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ بہت محتاط آدمی تھے اسلئے انکا قاعدہ یہ ہے کہ حرمت اور اباحت میں تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوگی اسی طرح پاکی اور ناپاکی میں تعارض ہو تو ناپاکی کو ترجیح ہوگی، اس قاعدے کی بنیاد پر گدھے کے جوٹھے میں حرمت اور نجاست کو ترجیح ہو گی۔اسکے لئے اثر اور عبارت یہ ہے۔**عن ابراهيم قال لا خير في سور البغل و الحمار ، و لا يتوضأ أحد بسور البغل و الحمار ، و يتوضأ من سور الفرس و البرذون ، و الشاة و البعير . قال محمدؒ و هو قول أبي حنيفة ، و به نأخذ** (کتاب الاثار لامام محمد، باب ما یجزی ءفی الوضوء من سور الفرس والبغل والحمار والسنور ،ص ۲، نمبر ۷) اس اثر میں ہے کہ گدھے کے جوٹھے میں خیر نہیں ہے یعنی ناپاک ہے۔

ترجمہ: ۸ اور خچر گدھے کی نسل سے ہے اسلئے اسکا حکم بھی گدھے کے درجے میں ہے، یعنی مشکوک ہے

وجہ : (۱) جس خچر کی ماں گدھی ہو اور باپ گھوڑا ہو اس خچر کا حکم اسکی ماں کی طرح ہے یعنی اسکا جوٹھا مشکوک ہے کیونکہ

(۷۷) فان لم تجد غیرهما یتوضأ بهما و یتیمم، و یجوز ایهما قدم ﴾ ا وقال زفرؒ لا یجوز الا ان یقدم الوضوء لانه ماء واجب الاستعمال فاشبه الماء المطلق ٢ ولنا ان المطهر احدهما فیفید الجمع دون الترتیب،

جانور منسوب ماں کی طرف ہوتا ہے اسلئے ماں کے جوٹھے کی طرح مشکوک ہوگا۔(۲) حدیث میں ہے کہ خچر کا گوشت گدھے کی طرح مکروہ ہے،حدیث یہ ہے عن جابر بن عبد الله قال : ذبحنا یوم خیبر الخیل و البغال و الحمیر ، فنهانا رسول الله ﷺ عن البغال و الحمیر ، و لم ینهنا عن الخیل ۔(ابوداود شریف، باب فی اکل لحوم الخیل،ص ۵۴۱ نمبر ۳۷۸۹)اس حدیث میں ہے کہ خچر کا گوشت گدھے کی طرح ممنوع ہے۔(۳) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن حماد قال : البغل من الحمار (مصنف ابن ابی شیبۃ نمبر ۳۰۸)(۴) دوسری روایت میں ہے۔ عن ابراهیم قال : کان یکره سئور البغل ، و الحمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۳۱ فی الوضوء بسور الحمار والکلب من کرهه ، ج اول ،ص ۳۵ نمبر ۳۰۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ گدھے اور خچر کا حکم ایک ہے ۔

ترجمہ: (۷۷) پس اگر ان دونوں پانی کے علاوہ نہ پائے تو ان دونوں سے وضو کرے اور تیمّم بھی کرے۔اور جائز ہے کہ کسی ایک کو مقدم کرلے۔

تشریح : کسی کے پاس پاک پانی نہیں ہے صرف گدھے یا خچر کا جوٹھا ہے جسکو مشکوک پانی کہتے ہیں،تو چونکہ وہ پاک بھی اور پاک نہیں بھی ہے اسلئے پاک ہونے کی حیثیت سے اس سے وضو کرے گا اور ہوسکتا ہو کہ ناپاک ہو اسلئے اسکے بعد تیمّم بھی کرلے تاکہ دونوں پر عمل ہوجائے ۔اسکی گنجائش ہے کہ چاہے پہلے تیمّم کرے بعد میں وضو کرے اور اسکی بھی گنجائش ہے کہ پہلے وضو کرے اور بعد میں تیمّم کرلے۔اسلئے کہ اس وقت دونوں میں سے ایک پاک کرنے والی چیز ہے اسلئے دونوں کو کرلینا کافی ہے۔کون مقدم ہوا اور کون موخر ہو اسکی خاصا ضرورت نہیں ہے

ترجمہ : ا اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر یہ کہ وضو کو مقدم کرے،اسلئے کہ یہ ایسا پانی ہے کہ اسکا استعمال کرنا واجب ہے اسلئے یہ مطلق پانی کے مشابہ ہوگیا۔

تشریح : امام زفرؒ کے یہاں یہ کہ گدھے کا جوٹھا ہو تو پہلے اس سے وضو کرے بعد میں تیمّم کرے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ بہر حال پانی ہے اور مٹی پر اسکی فضیلت ہے اسلئے اسکو پہلے استعمال کرے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ اس پانی کو استعمال کرنا ضروری ہے اسکے ہوتے ہوئے صرف تیمّم نہیں کرسکتا اسلئے یہ مطلق پانی کی طرح ہوگیا اس لئے اسکو پہلے استعمال کرے۔

ترجمہ: ٢ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ عضو کو پاک کرنے والی دونوں میں سے ایک چیز ہے اسلئے دونوں کو جمع کا فائدہ دیا نہ کہ

۳؎ وسوء ر الفرس طاهر عندهما لان لحمه ماكول، و كذا عنده فی الصحيح لان الكراهة لاظهار شرفه (۷۸) فان لم يجد الانبيذ التمر قال ابو حنيفة يتوضأبه ولا يتيمم ﴿ ا؎ الحديث ليلة الجن فان النبی عليه السلام توضأ به حين لم يجد الماء

ترتیب کا۔

تشریح : یعنی دونوں کو کرلینا ہے چاہے جسکو مقدم کرے۔ترتیب سے کرنا ضروری نہیں ہے

ترجمہ : ۳؎ اور گھوڑا کا جوٹھا پاک ہے صاحبینؒ کے نزدیک اسلئے کہ اسکا گوشت کھایا جاسکتا ہے اور یہی روایت امام ابوحنیفہؒ سے ہے صحیح روایت میں اسلئے کہ کراہیت اسکی فضیلت اور شرف کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

وجہ:۔صحیح روایت یہ ہے کہ تینوں اماموں کے نزدیک گھوڑے کا جوٹھا پاک ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکا گوشت حلال ہے۔حدیث یہ ہے ۔عن جابر بن عبد الله قال : نهی النبی ﷺ يوم خيبر عن لحوم الحمر و رخص فی لحوم الخيل ۔(بخاری شریف، باب لحوم الخیل، ص۹۸۳،نمبر۵۵۲۰/مسلم شریف،نمبر۵۰۲۲/ ابوداود شریف، باب فی اکل لحوم الخیل،ص۵۴۰نمبر۳۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت حلال ہے اسلئے اسکا جوٹھا پاک ہونا چاہئے لیکن امام ابوحنیفہؒ کی دوسری روایت میں ہے کہ گھوڑے کا جوٹھا مکروہ ہے اسکی وجہ یہ حدیث ہے عن خالد ابن الوليد ،أن رسول الله ﷺ نهی عن اكل لحوم الخيل و البغال و الحمير ۔(ابوداؤد شریف، باب فی أکل لحوم الخیل،ص۵۴۱نمبر۳۷۹۰)اس حدیث میں ہے کہ گھوڑے کے گوشت سے منع فرمایا، جسکا مطلب یہ ہوگا کہ وہ حلال نہیں ہے، اور جب گوشت حلال نہیں ہے تو اسکا جوٹھا بھی مکروہ ہوگا ناپاک نہیں ہوگا کیونکہ گوشت کھانے سے ممانعت اسکی شرف اور فضیلت کی بنا پر ہے کیونکہ وہ جہاد میں کام آتا ہے۔

ترجمہ: (۷۸) پس اگر پانی نہ ملے سوائے نبیذ تمر کے تو امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے وضو کرے اور تیمّم نہ کرے۔

تشریح : نبیذ کی تین قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم الگ الگ ہے۔(۱) پانی میں کھجور ڈال دے اور اتنی دیر چھوڑ دے کہ اس میں مٹھاس آجائے اور پانی کی طرح رقت اور سیلان باقی رہے تو اسکو نبیذ تمر کہتے ہیں۔اس سے وضو کرنا جائز ہے یا نہیں اس بارے میں اختلاف ہے۔(۲) دوسری قسم یہ ہے کہ۔اتنا گاڑھی ہوگئی ہے کہ رقت اور سیلان ختم ہوگیا ہو تو بالاتفاق اس سے وضو کرنا جائز نہیں ہے چاہے اسکا پینا جائز ہو (۳) اور تیسری قسم یہ ہے کہ۔اس میں نشہ آگیا ہو تو اسکو پینا بھی جائز نہیں ہے، شراب کی طرح اسکا پینا حرام ہوگا۔

وجہ : (۱) لیلۃ الجن کے بارے میں حدیث میں اضطراب ہے کسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ تھے اسلئے امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ اس سے وضو کرنا جائز ہے۔اور کسی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہیں

۲؎وقال ابویوسف یتیمم ولایتوضأبه، وهو روایة عن ابی حنیفةؒ، و به قال الشافعیؒ عملا بآیة التیمم لانها اقوی، او هو منسوخ بها لانها مدنیة و لیلة الجنة کانت بمکة

تھےاسلئے امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ نبیذ تمر سے وضو نہ کرے ۔امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے

وجہ : (۱) لیلۃ الجن کی حدیث کی بنا پر، اسلئے کہ حضورؐ نے نبیذ تمر سے وضوفرمایا ہے جب پانی نہیں پایا۔حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن مسعود قال : سألنی رسول الله ﷺ : ما فی اداوتک ؟ فقلت نبیذ ، فقال : تمرة طیبة و ماء طهور ، قال : فتوضاء منه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء بالنبیذ، ص۲۵نمبر۸۸)(۲)عن عبد الله بن مسعود ان النبی ﷺ قال له لیلة الجن: ما فی اداوتک ؟ قال نبیذ .قال تمرة طیبة و ماء طهور ۔(ابوداود شریف، باب الوضوء بالنبیذ، ص۱۳نمبر۸۴/ابن ماجة، باب الوضوء بالنبیذ، ص۵۷نمبر۳۸۴/مسند احمد شریف، مسند عبداللہ بن مسعود، ج اول ص۶۶۳ نمبر۳۸۰۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ تھے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ نبیذ تمر سے وضو کرنا جائز ہے۔ اسی کو امام ابوحنیفہؒ نے لیا ہے۔(۳) لیکن یہ بھی یاد رہے کہ پانی موجود ہو تو نبیذ سے وضو کرنا جائز نہیں یہ اس وقت جائز ہے جب مطلق پانی موجود نہ ہو۔اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ : النبیذ وضوء لمن لم یجد الماء ۔(دار قطنی، باب الوضوء بالنبیذ، ج اول، ص۷۶نمبر۲۳۱/سنن للبیہقی، باب منع التطهیر بالنبیذ، ج اول، ص۱۹، نمبر۳۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبیذ تمر سے اس وقت وضو کرے جب مطلق پانی نہ ہو۔لیکن دوسری حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ نہیں تھے۔حدیث یہ ہے سألت علقمة هل کان ابن مسعود شهد مع رسول الله ﷺ لیلة لجن؟ قال فقال علقمة أنا سألت ابن مسعود دقلت هل شهد احد منکم مع رسول الله ﷺ لیلة الجن ؟ قال : لا و لکنا کنا مع رسول الله ذات لیلة ففقدناه ،الخ . (مسلم شریف، باب الجهر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، ص۱۸۴نمبر۱۰۰۷/۴۵۰/ابوداود شریف، باب الوضوء بالنبیذ، ص۱۳، نمبر۸۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لیلۃ الجن میں حضورؐ کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔اسلئے دونوں حدیثوں میں اضطراب ہو گیا۔اسلئے امام شافعیؒ امام ابو یوسفؒ اورامام محمدؒ اس بات کے طرف گئے ہیں کہ نبیذ تمر سے وضو نہ کرے ۔

ترجمہ : ۲؎ اورامام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ تیمّم کرے اوراس سے وضو نہ کرے، یہی ایک روایت امام ابوحنیفہؒ سے ہے اور یہی امام شافعیؒ نے بھی فرمایا تیمّم کی آیت پر عمل کرتے ہوئے، اسلئے کہ تیمّم کی آیت حدیث سے زیادہ قوی ہے۔یا حدیث آیت سے منسوخ ہے اسلئے کہ آیت مدنی ہے اور حدیث مکی ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ اورامام شافعیؒ اورامام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے کہ صرف نبیذ تمر ہو تو اس وقت تیمّم کرے اس سے وضو نہ کرے۔

۳ وقال محمد يتوضأ به و يتيمم لان فی الحديث اضطرابا و فی التاريخ جهالة فوجب الجمع احتياطا ۴ قلنا ليلة الجن كانت غير واحد ة فلا يصح دعوى النسخ

وجہ : اوراسکی دووجہ بیان فرماتے ہیں(۱)ایک تو یہ کہ آیت تیمّم آیت ہےاسلئے وہ حدیث سے زیادہ مضبوط ہے،اورآیت میں یہ ہے کہ پانی نہ ملےتو تیمّم کرو. فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا ً طيباً .(آیت ۶،سورۃ المائدۃ مدنیۃ ۵) اور یہاں تومطلق پانی نہیں ہے،نبیذ تمر ہےاسلئے تیمّم کرنا چاہئے۔خصوصا جب حدیث میں اضطراب ہوتو آیت کے مقابلے میں حدیث اوربھی کمزور ہو جاتی ہےاسلئے اسکو تیمّم کرنا چاہئے۔(۲) اوردوسری دلیل یہ ہے کہ آیت تیمّم مدنی ہےاورحدیث مکی ہےاسلئے ممکن ہے کہ حدیث آیت کی وجہ سے منسوخ ہوچکی ہو ۔حدیث مکی ہےاسکی تصریح اس طرح ہے۔سألت علقمة هل كان ابن مسعود شهد مع رسول الله ﷺ ليلة لجن؟ قال فقال علقمة أنا سألت ابن مسعود وقلت هل شهد احد منكم مع رسول الله ﷺ ليلة الجن ؟ قال : لا و لكنا كنا مع رسول الله ذات ليلة ففقدناه .....فلما أصبحنا اذ هو جاء من قبل حراء،الخ . (مسلم شریف،باب الجهر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن،ص۱۸۴،نمبر۴۵۰/۱۰۰۷)اس حدیث میں ہے کہ آپ حراء کی جانب سے تشریف لائے جومکہ مکرمہ میں ہےجس سے معلوم ہوا کہ حدیث مکی ہے۔مسند احمد میں تصریح ہے کہ یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا۔حدیث کاٹکڑا یہ ہےعن عبد الله بن مسعود قال : بينما نحن مع رسول الله ﷺ بمكة و هو فی نفر من اصحابه اذ قال .الخ ۔(مسند احمد،مسند عبداللہ بن مسعود،ج ثانی،ص۴۴،نمبر ۴۳۶۸)اس حدیث میں بھی مکہ مکرمہ کی تصریح ہےاسلئے حدیث مکی ہےاورآیت سے منسوخ ہوسکتی ہے۔(۳)اثر میں ہے کہ نبیذ سے وضوکرنا مکروہ ہے۔اثر یہ ہے۔عن عطاء قال : انه كره الوضوء باللبن و النبيذ ، و قال ان التيمم أعجب الی منه .(ابوداود شریف،باب الوضوء بالنبیذ، ص۱۳،نمبر۸۶/مصنف عبدالرزاق،باب الوضوء بالنبیذ،ج اول،ص۱۷۹،نمبر۶۹۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ نبیذ سے وضوکرنا اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳ اورامام محمدؒ نے فرمایا نبیذ تمر سے وضوکرے اورتیمّم بھی کرے۔اسلئے کہ حدیث میں اضطراب ہےاوراورتاریخ میں جہالت ہےاسلئے احتیاطا دونوں کوجمع کرنا واجب ہے۔وجہ؛۔امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں کوجمع کرے یعنی نبیذ سے وضوبھی کرے اورتیمّم بھی کرلے۔اسکی وجہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ(۱) حدیث میں اضطراب ہے جیسا کہ پہلے گزر چکا۔(۲)اوردوسری وجہ وہ یہ فرماتے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ کب پیش آیااس میں جہالت ہےاسلئے احتیاطا جمع کرنا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۴ ہم یہ کہتے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ کئی مرتبہ پیش آیا ہےاسلئے آیت تیمّم مدنی سے منسوخ ہونے کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

تشریح : حضرت امام ابویوسف نے فرمایا تھا کہ حدیث نبیذ آیت تیمّم سے منسوخ ہے کیونکہ آیت تیمّم مدنی ہےاورحدیث میں

تصریح ہے کہ وہ مکی ہے۔ یہاں سے اسکا جواب دے رہے ہیں کہ لیلۃ الجن کا واقعہ مدینے میں بھی پیش آیا ہے کیونکہ حدیث کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ چھ مرتبہ پیش آیا ہے۔ اسلئے ہوسکتا ہے کہ آیت تیمّم جو مدنی ہے اسکے بعد مدینے میں لیلۃ الجن کا واقعہ پیش آیا ہو اور آیت تیمّم کے بعد نبیذ سے وضو کرنے کی اجازت ہوئی ہو۔ اسلئے امام ابو یوسف کا منسوخ ہونے کا دعوی صحیح نہیں ہے۔

﴿واقعات جن یہ ہیں﴾

(۱) یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا جس میں حضرت عبداللہ بن مسعود حضورؐ کے ساتھ نہیں تھے۔ اور نبیذ کا مسئلہ بھی پیش نہیں آیا۔ حدیث یہ ہے۔ **فقال علقمة أنا سألت ابن مسعوفقلت هل شهد احد منكم مع رسول الله ﷺ ليلة الجن ؟ قال : لا و لكنا كنا مع رسول الله ذات ليلة ففقدناه .....فلما أصبحنا اذ هو جاء من قبل حراء.....أتاني داعي الجن فذهبت معه .الخ** (مسلم شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن، ص ۱۸۴ نمبر ۴۵۰/۱۰۰۷) اس حدیث میں نبیذ تمر کا تذکرہ نہیں ہے۔

(۲) یہ واقعہ مکہ مکرمہ میں پیش آیا، اور حضرت عبداللہ بن مسعود حضورؐ کے ساتھ تھے اور نبیذ کا مسئلہ بھی پیش آیا۔ حدیث یہ ہے **.عن عبد الله بن مسعود قال : بينما نحن مع رسول الله ﷺ بمكة و هو في نفر من اصحابه اذ قال .....فقال رسول الله ﷺ تمرة طيبة و ماء طهور .الخ** ۔(مسند احمد، مسند عبداللہ بن مسعود، ج ثانی، ص ۴۴ نمبر ۴۳۶۸)

(۳) یہ واقعہ بھی مکہ مکرمہ میں مقام نخلہ کے پاس پیش آیا جس میں سورہ جن نازل ہوئی اور نبیذ کا مسئلہ پیش نہیں آیا۔ اس میں کچھ صحابہ آپکے ساتھ ہیں۔ حدیث کی روایت حضرت ابن عباسؓ سے ہے۔ **عن ابن عباسؓ قال انطلق النبي ﷺ في طائفة من اصحابه عامدين الى سوق عكاظ و قد حيل بين الشياطين و بين خبر السماء ، ....فانصرف أوليك الذين توجهوا نحو تهامة الى النبي ﷺ وهو بنخلة عامدين الى سوق عكاظ و هو يصلي بأصحابه صلاة الفجر .** (بخاری شریف، باب الجہر بقراءۃ صلاۃ الصبح ص ۱۰۱ نمبر ۷۷۳/ مسلم شریف، باب الجہر بالقراءۃ فی الصبح والقرءۃ علی الجن ص ۱۸۴ نمبر ۴۴۹/۱۰۰۶)

(۴) یہ واقعہ مدینہ طیبہ میں بقیع الغرقد کے پاس پیش آیا اس میں عبداللہ بن مسعود حضورؐ کے ساتھ تھے، اور نبیذ کا تذکرہ نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **أتيت عبد الله بن مسعود ...قال ان اهل الصفة أخذ كل رجل منهم رجلا يعشيه الا انا ....فخرج رسول الله ﷺ ...فانطلقنا حتى أتينا بقيع الغرقد فخط بعصاه خطة .**(کتاب دلائل النبوۃ لابی نعیم۔ نصب الرایۃ فصل فی الآثار)

۵؎ و الحديث مشهور عملت به الصحابة و بمثله يزاد على الكتاب، ٦؎ واما الاغتسال به فقد قيل يجوز عنده اعتبارا ً بالوضوء، و قيل لا يجوز لانه فوقه ۷؎ والنبيذ المختلف فيه ان يكون حلو ا رقيقاً يسيل على الاعضاء كالماء، و ما اشتد منها صار حراما لا يجوز التوضی به

(۵) اس واقعے میں حضرت بن العوامؓ حضورؐ کے ساتھ ہیں۔اور مدینہ طیبہ میں ارض براز یعنی کھلی جگہ میں پیش آیا۔اس میں بھی نبیذ کا تذکرہ نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔**حدثنی الزبیر بن العوام قال : صلی بنا رسول الله ﷺ صلاة الصبح فی مسجدالمدینة فلما انصرف قال ایکم یتبعنی الی وفد الجن اللیلةفاسکت القوم ثلاثا ، فمر بی فأخذ بیدی** ۔(نصب الرایۃ، فصل فی الآسار وغیرھا، ج اول، ص۱۹۹)

ترجمہ : ۵؎ حدیث نبیذ مشہور ہے، اور اس پر صحابہؓ نے بھی عمل کیا ہے اسلئے اس جیسی حدیث سے کتاب اللہ پر زیاتی کی جا سکتی ہے۔

تشریح : یہاں دو باتیں ہیں ایک تو یہ کہ حدیث تمر مشہور ہے اسلئے اسکی وجہ سے پانی نہ ہونے پر وضو کر سکتا ہے۔مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث صحاح ستہ کے ان کتابوں میں ہے۔(۱) ابو داود شریف نمبر ۸۴ (۲) ترمذی شریف نمبر ۸۸ (۳) ابن ماجہ شریف نمبر ۳۸۴ (۴) مسند احمد نمبر ۳۸۰۰۔اسلئے کہا جا سکتا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے۔دوسری بات یہ ہے کہ خود صحابہ نے بھی اس حدیث پر عمل فرمایا ہے، چنانچہ حضرت علیؓ سے یہ منقول ہے **عن علیؓ قال : کان لا یری بأسا بالوضوء من النبیذ** ۔(دار قطنی، باب الوضوء بالنبیذ، ج اول، ص ۸۱، نمبر ۲۵۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۶ فی الوضوء بالنبیذ، ج اول، ص ۳۲، نمبر ۲۶۴) اس اثر سے معلوم ہوا کہ صحابہ نے بھی اس حدیث پر عمل فرمایا۔اسلئے نبیذ سے وضو کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ : ٦؎ بہر حال نبیذ سے غسل کرنا تو بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے وضو پر قیاس کرتے ہوئے ، اور بعض نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ غسل وضو سے اوپر ہے۔

وجہ :۔نبیذ سے غسل جائز ہے یا نہیں۔اس بارے میں بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہے۔کیونکہ جب اس سے وضو جائز ہے تو غسل بھی جائز ہوگا، کیونکہ دونوں میں طھارت مطلوب ہے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ جائز نہیں ہے۔کیونکہ غسل وضو سے اوپر کا درجہ ہے اور کبھی کبھی پیش آتا ہے۔اس اثر میں بھی ہے کہ اس سے غسل نہ کرے۔**سألت أبا العالیة عن رجل أصابته جنابة ، و لیس عنده ماء و عنده نبیذ ، أیغتسل به ؟ قال : لا** ۔(ابو داود شریف، باب الوضوء بالنبیذ، ص ۱۳ نمبر ۸۷ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۶ فی الوضوء بالنبیذ، ج اول، ص ۳۲ نمبر ۲۶۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نبیذ سے غسل نہ کرے۔

ترجمہ : ۷؎ اور وہ نبیذ جس میں اختلاف ہے یہ کہ میٹھی ہو، پتلی ہو، عضو پر پانی کی طرح بہتی ہو، اور جو گاڑھی ہوگئی وہ حرام ہوگئی،

۸؎ وان غیرته النار فمادام حلوا فهو علی الخلاف و ان اشتد فعند ابی حنیفةؒ یجوز التوضی به لانه یحل شربه عنده، ۹؎ وعند محمدؒ لا یتوضأ به لحرمة شربه عنده

اس سے وضو جائز نہیں۔

وجہ: عرب کا پانی کھارا ہوتا تھا اسلئے اس میں کھجور ڈال دیتے تھے اور کچھ دیر کے لئے چھوڑ دیتے تھے تاکہ پانی میٹھا ہو جائے اسی کو نبیذ کہتے ہیں اگر یہ پانی کی طرح پتلا ہے تو اس سے وضو کرنے میں اختلاف ہے۔اور اگر گاڑھا ہو گیا تو اس سے بالاتفاق وضو جائز نہیں۔تاہم اگر نشہ نہ پیدا ہوا ہو تو اسکا پینا جائز ہوگا، اور اگر نشہ پیدا ہو چکا ہو تو اب پینا بھی جائز نہیں ہے۔ ہر ایک کی دلیل یہ ہے۔ نبیذ پتلی ہو اسکا استدلال اس حدیث سے ہے۔ **عن عبداللہ بن الدیلمی عن ابیه قال اتینا النبی ﷺ .....قالنا ما نصنع بالزبیب ؟ قال : انبذوه علی غدائکم و اشربوه علی عشائکم ، و انبذوه عشائکم و اشربوه علی غدائکم** ۔(ابوداود شریف، باب فی صفة النبیذ، ص ۵۳۱ نمبر ۳۷۱۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الانتباذ فی السقاء ص ۴۳۹ نمبر ۱۸۷۱) جب کھجور صبح پانی میں ڈالے اور شام کو پی لے تو نبیذ پتلی ہی ہوگی۔اور گاڑھی ہونے کے بعد شوربے کی طرح ہوگئی اسلئے اس سے وضو کرنا جائز نہیں۔اور اگر اس میں نشہ آ گیا ہو تو اسکا پینا بھی حرام ہے۔اس حدیث میں ہے **عن ابی ھریرة قال علمت ان رسول اللہ ﷺ کان یصوم فتحینت فطرہ بنبیذ صنعته فی دباء ثم أتیته به فاذا ھو ینش ، فقال اضرب بھذا الحائط فان ھذا شراب من لا یومن باللھو الیم الآخر** ۔(ابوداود شریف، باب فی النبیذ اذا غلا ص ۵۳۲ نمبر ۳۷۱۶) اس حدیث میں ہے کہ نشہ آ جائے تو اسکا پینا بھی حرام ہے۔

ترجمہ : ۸؎ اور اگر آگ میں پک کر بدل گئی تو جب تک میٹھی ہے تو اسی اختلاف پر ہے اور اگر گاڑھی ہوگئی پھر بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس سے وضو جائز ہے اسلئے کہ انکے نزدیک اسکا پینا جائز ہے،

تشریح : اگر نبیذ کو آگ میں پکالی گئی لیکن جب تک میٹی ہے اور پتلی ہے کہ عضو پر بہتی ہے تو اسی اختلاف پر ہے کہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک جائز ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تیمّم کرے۔اور اگر پکانے کی وجہ سے گاڑھی ہوگئی لیکن نشہ نہیں ہوا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک وضو جائز ہے اسلئے کہ اسکا پینا حلال ہے۔اور جب پینا حلال ہے تو وضو بھی جائز ہے۔

ترجمہ: ۹؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک اس سے وضو نہیں کیا جائے گا پینے کی حرمت کی وجہ سے ان کے نزدیک۔

تشریح : نبیذ پکادی گئی اور گاڑھی ہوگئی تو امام محمدؒ کے نزدیک اسکا پینا حرام ہے اسلئے اس سے وضو بھی جائز نہیں ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ گاڑھی ہونے کے بعد اس میں نشہ آنا شروع ہو جاتا ہے اسلئے اسکو حرام ہی پر محمول کریں تاکہ لوگ اس سے بچیں۔وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں ۔**عن ابن عباس قال : کان ینبذ للنبی ﷺ الزبیب فیشربه الیوم و الغد و بعد**

۱۰ ولايجوزالتوضی بما سواه من الانبذة جريا علی قضية القياس.

الغد الی مساء الثالثة ثم يأمر به فيسقی الخدم او يهراق ۔(ابوداود شریف، باب فی صفۃ النبیذ ،ص ۵۳۲ نمبر ۳۷۱۳)اس حدیث میں دوسرے دن کی شام کو نبیذ بہانے کے لئے فرماتے تھے کیونکہ وہ گاڑھی ہوجاتی تھی۔اسلئے گاڑھی ہونے کے بعد اسکو پینا حرام ہے اسلئے کہ نشہ آنے کے قریب ہوگئی ہے (۲) اس حدیث میں بھی اسکا اشارہ ہے۔ عن عائشة أن رسول الله ﷺ سئل عن البتع فقال : كل شراب أسكر فهو حرام ۔(بخاری شریف، باب الخمر من العسل وھو التبع ،ص ۹۹۱ نمبر ۵۵۸۵ /ابوداود شریف، باب ماجاء فی السکر ،ص ۵۲۸ ،نمبر ۳۶۸۱)اس حدیث میں نشہ والی چیز کو حرام فرمایا ہے۔

ترجمہ: ۱۰ اور نہیں جائز ہے وضو کرنا اسکے علاوہ کی نبیذ سے قیاس پر جاری کرتے ہوئے۔

تشریح : چونکہ حدیث میں کھجور کی نبیذ سے وضو کرنا جائز ہے اسلئے اس سے وضو جائز کہتے ہیں ورنہ کسی اور چیز کی نبیذ سے وضو جائز نہیں ہے اسلئے کہ اب اسکا نام مطلق پانی نہیں رہا بلکہ نبیذ ہوگیا۔اسلئے انگور، کشمش، اور جو وغیرہ کی نبیذ سے وضو جائز نہیں ہے۔

﴿باب التیمم﴾

(۷۹) ومن لم یجد الماء وھو مسافر، اوخارج المصر بینه و بین المصر میل او اکثر یتیمم بالصعید ﴾ ۱ لقوله تعالی: فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیباً ۲ وقوله علیه السلام: التراب

﴿ باب التیمم ﴾

ضروری نوٹ: التیمم : تیمّم کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں۔اورشریعت میں حدث سے پاک ہونے کے لئے مٹی کاارادہ کرنے کوتیمّم کہتے ہیں۔اس کی دلیل یہ آیت ہے و ان کنتم جنبا فاطھروا و ان کنتم مرضی أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدو ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منه ما یرید الله لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطھر کم و لیتم نعمته علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵)اس آیت میں ہے کہ پانی پرقدرت نہ ہوتو تیمّم کرے

ترجمہ : (۷۹) جو پانی نہ پائے اس حال میں کہ وہ مسافر ہو یا شہر سے باہر ہواوراس آدمی کے درمیان اورشہر کے درمیان تقریبا ایک میل یااس سے زیادہ ہوتو وہ پاک مٹی سے تیمّم کریگا۔

وجه : (۱)پانی نہ پانے کے وقت تیمّم کرنے کاحکم اس آیت میں ہے وان کنتم مرضی أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم ..(آیت ۴۳ سورۃ النساء ۴)(۲)حدیث میں ہے عن ابی ذر...قال رسول الله ﷺ الصعید الطیب وضوء المسلم ولو الی عشر سنین (ابوداؤدشریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی التیمم للجنب اذالم یجد الماء، ۳۲، نمبر ۱۲۴) اس حدیث میں ہے کہ پانی نہ ملے تو دس سال تک جنبی تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔یعنی پانی نہ ملے یاپانی پر قدرت نہ ہوتو ایک زمانہ تک تیمّم کرسکتا ہے۔

آیت میں ہے کہ پانی نہ پائے تو تیمّم کرسکتا ہے۔اب پانی نہ پانے کی مصنفؒ نے چارصورتیں بیان کی ہیں (۱) مسافر ہواوراس کے پاس پانی نہ ہو(۲) یا شہر سے باہر ہواور پانی سے ایک میل دور ہوتو تیمّم کرسکتا ہے (۳) آدمی اتنا بیمار ہوکہ پانی اسکونقصان دیتا ہو ۔(۴)جنبی کوخوف ہوکہ اگر پانی سے غسل کیا تو ٹھنڈک سے بیمار ہوجائے گا۔تو وہ تیمّم کرسکتا ہے۔ ہرایک کی دلیل یہ ہے۔

ترجمہ: ۱ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ جب تک تم پانی نہ پاؤ پاک مٹی سے تیمّم کرتے رہو۔ یہ آیت اوپرگزرگئی۔

ترجمہ : ۲ اورحضورؐ کا قول کہ مٹی مسلمان کوپاک کرنے کی چیز ہے اگر چہ دس سال تک ہوجب تک کہ پانی نہ پائے۔ یہ حدیث بھی اوپر گزرگئی۔البتہ مصنف ابن ابی شیبۃ میں عشر سنین کے بجائے عشر حجج کالفظ ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ذر عن النبی

طهور المسلم و لو الى عشر حجج ما لم يجد الماء ٣؎ و الميل هو المختار فی المقدار لانه يلحقه الحرج بدخول المصر و الماء معدوم حقيقة ٤؎ والمعتبر المسافة دون خوف الفوت لان التفريط يأتی من قبله.

علیہ السلام قال : الصعيد الطيب طهور ما لم يوجد الماء و لو الى عشر حجج ، فاذا وجدت الماء فأمسه بشرتك ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۱ الرجل یجنب ولیس یقدر علی الماء، ج اول، ص۱۴۴،نمبر۱۶۶۱)اس حدیث میں دس سال تک تیمّم کرنے کی گنجائش ہے۔

ترجمہ : ٣؎ اور میل ہی کا اعتبار ہے مقدار میں اسلئے کہ شہر میں داخل ہونے میں اس کو حرج لازم ہوگا، اور پانی تو واقعی موجود نہیں ہے۔

تشریح : پانی کتنی دوری پر ہو تو آدمی تیمّم کرسکتا ہے اس بارے میں ائمہ کے کئی اقوال ہیں، ہمارے نزدیک مختار قول یہی ہے کہ ایک میل دور ہو تو تیمّم کرسکتا ہے، کیونکہ آیت فلم تجدوا ماء، کے مطابق پانی واقعی موجود نہیں ہے اور ایک میل دور سے شہر جائے اس میں حرج ہے اور آیت میں ہے کہ دین کے بارے میں امت پر حرج نہیں کیا یہ آیت گزر چکی ہے۔ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج و لكن يريد ليطهركم و ليتم نعمته عليكم لعلكم تشكرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اور ایک میل جانے میں حرج ہے اسلئے تیمّم کرے۔

کیونکہ ایک میل سے کم فاصلہ ہو تو گویا کہ وہ پانی کے پاس ہے۔ کیونکہ پندرہ منٹ میں پانی لیکر آجائیگا اس لئے کوئی حرج نہیں ہوگا۔

ایک میل دور ہونے کی دلیل ابن عمرؓ کا اثر ہے۔ عن نافع يتيمم ابن عمر على رأس ميل او ميلين من المدينة فصلى العصر فقدم والشمس مرتفعة. (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ وقدرہ من البلد وطلب الماء ج اول ص۱۹۵ نمبر۷۰۹) بخاری شریف میں ہے حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ نے مربد الغنم میں تیمّم کیا اور نماز پڑھی۔و أقبل ابن عمر من أرضه بالجرف فحضرت العصر بمربد الغنم فصلى ثم دخل المدينة و الشمس مرتفعة فلم يعد . (بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء، ج اول، ص۴۸، نمبر۳۳۷) اور مربد کے بارے میں دار قطنی میں ہے کہ وہ مدینہ سے تین میل پر ہے۔ان ابن عمرؓ تيمم بمربد النعم وصلى وهو على ثلثة اميال من المدينة (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص۱۹۵ نمبر۷۰۷) ان آثار میں اگرچہ دو میل اور تین میل کا تذکرہ ہے لیکن احتیاط کے طور پر صرف ایک میل پر تیمّم کی اجازت دی گئی کیونکہ اس میں بھی حرج ہے۔

ترجمہ : ٤؎ اور معتبر ایک میل کی مسافت ہے نماز کے فوت ہونے کا اعتبار نہیں، اسلئے کہ تفریط خود اسکی جانب سے آئی ہے۔

(۸۰) ولو کان یجد الماء الا انہ مریض فخاف ان استعمل الماء اشتد مرضہ یتیمم

تشریح : پانی ایک میل سے کم میں ہے لیکن نماز کا وقت ختم ہونے کے قریب ہے تب بھی نماز کے فوت ہونے کے خوف سے تیمّم کرنا چاہے تو نہیں کر سکتا، جب تک پانی ایک میل دور نہ ہو، کیونکہ زیادتی یعنی وقت کی تاخیر خود نمازی کی جانب سے آئی ہے۔ اسلئے اس کو تیمّم کی سہولت نہیں دی جائے گی۔

لغت :۔ الصعید : پاک مٹی، اوپر کی مٹی۔ التراب : مٹی۔ حجج : حجۃ سے مشتق ہے سال۔ المیل : شرعی میل دو ہزار گز کا ہوتا ہے۔ کیونکہ درمختار میں ہے کہ ایک میل چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے، اور ایک ہاتھ آدھا گز ہوتا ہے، اسلئے چار ہزار ہاتھ دو ہزار گز ہوا، عبارت یہ ہے ۔و المیل اربعۃ آلاف ذراع . (ردالمحتار علی درالمختار، باب صلوٰۃ المسافر، ج ثانی، ص ۷۲۵) اور انگریزی میل سترہ سو ساٹھ گز 1760 کا ہوتا ہے اسلئے انگریزی میل شرعی میل سے 1.1363 چھوٹا ہے اسلئے انگریزی میل سے ناپیں تو پانی 1.1363 میل دور ہو یعنی گز دور ہو تب تیمّم کر سکتا ہے۔ اور کیلو میٹر شرعی میل سے 1.82869 چھوٹا ہوتا ہے اسلئے 1.82869 کیلو میٹر یعنی 1828.69 میٹر پانی سے دور ہو تب تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ : (۸۰) اگر پانی تو پاتا ہو مگر یہ کہ بیمار ہو پس خوف ہو کہ اگر پانی استعمال کرے گا تو اس کا مرض بڑھ جائے گا تو تیمّم کر سکتا ہے۔

وجہ : (۱) شریعت انسان کو مشقت شدیدہ میں مبتلا کرنا نہیں چاہتی اس لئے اگر بیماری بڑھ جانے کا خوف ہو یا بیمار ہو جانے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کر سکتا ہے (۲) آیت لا یکلف اللہ نفسا الا وسعھا . (آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ) (۳) اور یہ آیت بھی گزری کہ اللہ تعالی امت کو حرج میں مبتلا کرنا نہیں چاہتے۔ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطھرکم و لیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) (۴) حدیث میں ہے کہ بیمار ہونے کا ظن غالب ہو تو تیمّم کر سکتا ہے عمرو ابن العاص یذکر ان عمر ابن العاص اجنب فی لیلۃ باردۃ فتیمم وتلا ولاتقلوا انفسکم ان اللہ کان بکم رحیما فذکر ذلک للنبی ﷺ فلم یعنف (بخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسہ المرض او الموت او خاف العطش یتیمم، ج اول، ص ۴۹، نمبر ۳۴۵) معلوم ہوا کہ سردی سے مرض بڑھنے کا خوف ہو یا بیمار ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔ (۵) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سردی کا خطرہ ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عمر و ابن العاص قال : احتلمت فی لیلۃ باردۃ فی غزوۃ ذات السلاسل ، فاشفقت أن أغتسل فأ ھلک فتیممت ثم صلیت بأصحابی الصبح ، فذکروا ذالک لرسول اللہ ﷺ فقال یا عمرو ! صلیت بأصحابک و أنت جنب ؟ فأخبرتہ بالذی منعنی من الاغتسال و قلت انی سمعت اللہ یقول : و لا تقتلوا أنفسکم ان اللہ کان

۱ لما تلونا ۲ و لان الضرر فی زيادة المرض فوق الضرر فی زيادة ثمن الماء و ذالک يبيح التيمم فهذا اولی، ۳ ولا فرق بين ان يشتد مرضه بالتحريک او بالاستعمال ۴ واعتبر الشافعیؒ خوف التلف و هو مردود بظاهر النص

بکم رحيماً . (آيت ۲۹ سورة النساء ۴) فضحک رسول الله ﷺ ولم يقل شيئاً ۔(ابوداود شریف باب اذا خاف الجنب البرد ایتیمم ؟ ص ۵۴ نمبر ۳۳۴) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرض بڑھنے کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۱ اس آیت کی بنا پر جو میں نے پہلے تلاوت کی۔ یہ آیت اوپر گزر گئی۔ ما یريد الله ليجعل عليکم من حرج و لکن يريد ليطهر کم و ليتم نعمته عليکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵)۔ اس آیت میں ہے کہ حرج ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ اور اسلئے کہ بیماری کی زیادتی کا نقصان پانی کی قیمت کی زیادتی کے نقصان سے زیادہ ہے اور وہ تیمّم کو مباح کرتی ہے تو یہ بدرجہ اولی مباح کریگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ پانی کی قیمت عام قیمت سے زیادہ کہہ رہا ہو تو آدمی کے لئے مباح ہے کہ پانی نہ خریدے اور تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، کیونکہ اس میں زیادہ قیمت دینے کا نقصان ہے، اب اگر پانی استعمال کرے گا تو بیماری کے زیادہ ہونے کا خطرہ ہے، تو بیماری کا زیادہ ہونا بڑا نقصان ہے اور پانی کی قیمت کا زیادہ ہونا چھوٹا نقصان ہے، پس جب چھوٹے نقصان کی وجہ سے تیمّم کر سکتا ہے تو بڑا نقصان یعنی مرض کا زیادہ ہونے سے بدرجہ اولی تیمّم کر سکتا ہے۔ اسلئے مرض کی زیادتی کا خوف ہو تو تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور کوئی فرق نہیں اس بارے میں کہ مرض حرکت دینے سے زیادہ ہو یا پانی استعمال کرنے سے۔

تشریح : مثلا کسی آدمی کا پاؤں ٹوٹا ہوا ہے، وہ پانی استعمال کرے گا تو کوئی نقصان نہیں دے گا لیکن اگر پانی لانے جائے گا تو تکلیف بڑھ جائے گی اور پانی دور سے لانے والا کوئی نہیں ہے اسلئے ایسی صورت میں بھی وہ تیمّم کر سکتا ہے کیونکہ حرکت کی وجہ سے مرض بڑھنے کا خطرہ ہے۔ اور اگر پانی استعمال کرنے سے مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو تب بھی تیمّم کر سکتا ہے۔ دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴ اور امام شافعیؒ نے اعتبار کیا ضائع ہونے کے خوف کا حالانکہ وہ ظاہری نص سے رد معلوم ہوتا ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عضو کے ضائع ہونے کا خطرہ ہو، یا آدمی کے ھلاک ہونے کا خطرہ ہو تب تیمّم کر سکتا ہے۔ صرف مرض کے بڑھنے کا خوف ہو تو تیمّم نہیں کر سکتا ہے۔ انکی دلیل اوپر کی حدیث ہے جس میں صحابی نے فرمایا تھا کہ مجھے ھلاک ہونیکا خطرہ تھا اسلئے میں نے تیمّم کیا۔ حدیث کا جملہ یہ تھا ۔ فاشفقت أن أغتسل فأ هلک فتيممت ثم صليت (ابوداود

(۸۱)ولو خاف الجنب ان اغتسل ان یقتله البرد اویمرضه یتیمم بالصعید ﴾ ل وهذا اذا کان خارج المصر لمابینا،ولو کان فی المصرفکذالک عندابی حنیفۃؒ

نمبر۳۳۴)اسلئے ھلاک ہونے کا خطرہ ہوتب تیمّم کرسکتا ہے(۲)اورآیت میں بھی ہے کہ اپنے آپ کوقتل نہ کرو،آیت یہ ہے .و لا تقتلوا أنفسکم ان اللہ کان بکم رحیماً . (آیت ۲۹ سورۃ النساء ۴) اسلئےقتل یعنی ھلاک ہونے کا خطرہ ہوتب تیمّم کرسکتا ہے۔

حنفیہ کےنزدیک صرف حرج ہویعنی مرض کے بڑھنے کا خطرہ ہو،یا بیمار ہوجانے کا خطرہ ہوتو تیمّم کرسکتا ہے۔کیونکہ آیت میں ہے کہ اللہ تعالی حرج میں مبتلاءنہیں کرنا چاہتے،جسکا مطلب یہ ہوا کہ حرج ہوتو تیمّم کرسکتا ہےاورمرض کے بڑھنے میں حرج ہےاسلئے تیمّم کر سکتا ہے۔آیت یہ تھی۔ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطھر کم و لیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اسلئےحرج یعنی مرض بڑھنے میں تیمّم کرسکتا ہے۔

ترجمہ : (۸۱) اوراگرجنبی خوف کرے کہ اگروہ غسل کرے گاتو ٹھنڈک اسکو ماردیگی،یااسکو بیمار کردیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کرسکتا ہے۔

وجہ : جنبی آدمی کوخوف ہوکہ اگرغسل کرونگا تو ٹھنڈک اسکو ماردیگی،یااسکو بیمار کردیگی تو وہ پاک مٹی سے تیمّم کرسکتا ہے۔دلیل اوپرگزرگئی،ایک حدیث یہ بھی ہے۔عن جابر قال خرجنا فی سفر فأصاب رجلا منا حجر فشجہ فی رأسہ ثم احتلم فسأل أصحابہ فقال ھل تجدون لی رخصۃ فی التیمم ؟ قالو ا ما نجد لک رخصۃ و أنت تقدر علی الماء فاغسل فمات فلما قدمنا علی النبی ﷺ أخبر بذالک فقال : قتلوہ قتلھم اللہ ألا سألو اذا لم یعلموا فانما شفاء العی السوال ۔(ابوداودشریف،باب المجدور یتیمم ،ص۵۴نمبر۳۳۶)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرض بڑھنے کا خطرہ ہوتو تیمّم کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ل یہ جب ہے کہ آدمی شہر سے باہر ہو،اوراگرشہر میں ہوتب بھی ایسے ہی ہےامام ابوحنیفہؒ کےنزدیک ۔

تشریح : شہر سے باہر ہواورسردی کا خوف ہوتو تیمّم کرکے نماز پڑھے۔جیسا کہ اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ نے مدینے سے تین میل باہرتیمّم کرکے نماز پڑھی ۔یہ اثر گزرگیا ہے۔ان ابن عمرؓ تیمم بمربد النعم وصلی وھو علی ثلثۃ امیال من المدینۃ (دارقطنی،باب فی بیان الموضع الذی یجوزالتیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵نمبر۷۰۷)لیکن اگرشہر کےاندرہواورسردی کا خوف ہو اور پانی گرم کرنے کا کوئی راستہ نہ ہوتو امام ابوحنیفہؒ کےنزدیک شہر کےاندربھی تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں پانی گرم کرنے کی سہولت شہر میں ہوتی ہےلیکن خدانہ خواستہ پانی گرم کرنے کی کوئی سہولت نہ ہوتو یہ فتوی دیناہی پڑے گا

۲؎ خلافالھما، ھما یقولان ان تحقق ھذہ الحالۃ نادر فی المصر فلایعتبر ۳؎ ولہ ان العجز ثابت حقیقۃ فلابد من اعتبارہ (۸۲) والتیمم ضربتان یمسح باحدٰھما وجھہ وبالاخری یدیہ الی المرفقین ﴾

۱؎ لقولہ علیہ السلام: التیمم ضرنتان : ضربۃ للوجہ، و ضربۃ للیدین

کہ وہ تیمّم کرلے کیونکہ حرج موجود ہے

ترجمہ: ۲؎ برخلاف صاحبین کے۔ وہ فرماتے ہیں کہ اس حالت کا متحقق ہونا شہر میں نادر ہے اسلئے اسکا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ شہر میں پانی گرم کرنے کی سہولت نہ ہوایسا نادر ہے اور بہت کم ہے اسلئے شہر میں رہتے ہوئے تیمّم کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ کیونکہ وہاں حرج کا وقوع نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ عجز حقیقتا ثابت ہے لہذا اس کا اعتبار کیا جانا ضروری ہے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ایسے خائف جنبی کے لئے غسل کرنے سے عاجز ہونا حقیقت میں ثابت ہے۔ لہذا اس کا اعتبار کیا جانا ضرری ہے۔ اور اس کو تیمّم کی اجازت ہوگی۔

ترجمہ: (۸۲) تیمّم کے لئے دو ضربے ہیں۔ ایک کو چہرے پر ملے اور دوسرے کو دونوں ہاتھوں پیر کہنیوں سمیت۔

تشریح: تیمّم کے لئے دو ضربے ہونگے۔ ایک ضربہ زمین پر مار کر چہرے پر ملیگا اور دوسرا زمین پر مار کر دونوں ہاتھوں پر ملیگا کہنیوں سمیت وجہ حدیث میں ہے عن عمار بن یاسر حین تیمموا مع رسول اللہ ﷺ فامر المسلمین فضربوا باکفھم التراب ولم یقبضوا من التراب شیئا فمسحوا بوجوھھم مسحۃ واحدۃ ثم عادوا فضربوا باکفھم الصعید مرۃ اخری فمسحوا بایدیھم۔ (ابن ماجہ شریف، باب فی التیمم ضربتین ص۸۱، نمبر ۵۷۱/ ابوداؤد شریف ،باب التیمم ص۵۱ نمبر ۳۱۸) (۲) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان صربۃ للوجہ و ضربۃ للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴)

ان احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئی ایک تو یہ کہ تیمّم کے لئے دو ضربہ ہے، اور دوسری یہ کہ کہنیوں تک مسح کرے۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ تیمّم دو ضربے ہیں، ایک ضربہ چہرے کے لئے اور ایک ضربہ ہاتھ کے لئے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال التیمم ضربتان صربۃ للوجہ و ضربۃ للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴ / سنن للبیھقی، باب کیف التیمم، ج اول، ص ۳۲۹ نمبر ۹۹۹) اس حدیث میں ہے کہ تیمّم کے لئے دو ضربے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ کہنیوں تک مسح کرے تب مسح ہوگا۔

فائدہ: صحاح ستہ کی کتابوں میں ایک ضربہ کا تذکرہ ہے اس لئے امام احمدؒ اور اسحاقؒ کی رائے ہے کہ ایک ضربہ سے چہرہ اور ہاتھ

۲؎ و ینفض یدیه بقدر مایتناثر التراب کیلایصیر مثلة. (۸۳) و لا بد من الاستیعاب فی ظاهر الروایة
۱؎ لقیامه مقام الوضوء ولهذا قالوا یخلل الاصابع وینزع الخاتم لیتم المسح

ملنا کافی ہے۔ البتہ جمہور ائمہ کا مسلک یہی ہے کہ دو ضرب ضروری ہیں۔ امام احمدؒ کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمار بن یاسر قال سألت النبی ﷺ عن التیمم فامر نی ضربة واحدة للوجه والکفین (ابوداؤد شریف، باب التیمم ص۵۲ نمبر ۳۲۷/ بخاری شریف، باب التیمم ضربة، نمبر ۳۴۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چہرے اور ہاتھ کے لئے ایک ہی ضربہ کافی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور دونوں ہاتھوں کو اتنا جھاڑے کہ مٹی جھڑ جائے تاکہ مثلہ نہ ہو جائے۔

وجہ:۔ دونوں ہاتھوں کو جھاڑنے کے لئے یہ حدیث ہے۔ جاء رجل الی عمر بن الخطاب .... فقال النبی ﷺ انما کان یکفیک ھکذا، وضرب النبی ﷺ بکفیه الارض، و نفخ فیهما، ثم مسح بهما وجهه و کفیه۔ (بخاری شریف، باب المتیمم ھل ینفخ فیھما؟ ص۴۸ نمبر ۳۳۸/ مسلم شریف، باب التیمم ص۱۵۹ نمبر ۸۱۹/۳۶۸) اس حدیث میں ہے کہ پھونک مار کر مٹی جھاڑے تاکہ چہرہ گندہ نہ ہو جائے۔ اور یہ بھی پتہ چلا کہ صرف ہتھیلی پر مسح کرنا کافی ہے۔

لغت: المرفقین: دونوں کہنی۔ ضربة: تیمّم کے لئے مٹی پر ہاتھ مارنے کو ضربہ کہتے ہیں۔ ینفض: مٹی جھاڑنا۔ یتناثر: نثر سے مشتق ہے مٹی بکھیرنا، ۔ مثلہ: چہرہ گندہ ہونے کو مثلہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۸۳) اور ضروری ہے گھیرنا ظاہر روایت میں۔

وجہ: صحاح ستہ کی کتابوں میں ہے اور اوپر بخاری کی حدیث گزری کہ تیمّم میں چہرے پر مسح کیا اور ہتھیلی پر مسح کیا۔ ثم مسح بهما وجهه و کفیه ۔ (بخاری شریف، باب المتیمم ھل ینفخ فیھما؟ ص۴۸ نمبر ۳۳۸/ مسلم، نمبر ۸۱۹)، اسلئے مصنف فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت یہ ہے کہ صرف ہتھیلی پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا بلکہ ہاتھ پر کہنی سمیت مسح کرنا ہوگا تب تیمّم ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ دار قطنی اور بیہقی کی حدیث اوپر گزر گئی کہ ہاتھ پر کہنیوں سمیت تیمّم کرے، حدیث یہ ہے۔ و ضربة للیدین الی المرفقین (دار قطنی ج اول ص ۱۸۸ نمبر ۶۷۴/ سنن للبیہقی، باب کیف التیمم، ج اول، ص ۳۲۹ نمبر ۹۹۹) (۲) اس حدیث مرسل میں اسکی پوری وضاحت ہے۔ قال یحی بن اسحاق فی حدیثه فأرانی رسول الله ﷺ کیف امسح فمسحت، قال فضرب بکفیه الارض، ثم رفعهما لوجهه، ثم ضرب ضربة أخری فمسح ذراعیه باطنهما و ظاهر هما، حتی مس بیدیه المرفقین . (دار قطنی، باب التیمم، ج اول، ص)

ترجمہ: ۱؎ تیمّم کے وضو کے قائم مقام ہونے کی وجہ سے۔ اور اسی لئے ائمہ فرماتے ہیں کہ انگلیوں کا بھی خلال کرے اور انگوٹھی کو بھی کھول لے تاکہ مسح مکمل ہو جائے۔

(۸۴)والحدث و الجنابة فيه سواء، و كذا الحيض، و النفاس﴾ لِ لما روى ان قوما جاء وا الى رسول الله ﷺ و قالوا انا قوم نسكن هذه الرمال، ولا نجدالماء شهرااوشهرين، وفينا الجنب، والحائض،والنفساء فقال : عليكم بارضكم.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اسلئے جس طرح وضو میں کہنیوں سمیت ہاتھ دھونا پڑتا ہے اسی طرح تیمّم میں بھی کہنیوں سمیت ہاتھ کا مسح کرنا ہوگا،اور پوری کہنی گھیرنا ہوگا ،ہاتھ کے ہر ہر بال پر مسح ہوجائے اسی لئے ائمہ نے فرمایا ہے کہ مسح کے وقت انگلیوں کا بھی خلال کرے،اور انگوٹھی بھی نکال کر مسح کرے تاکہ ہاتھ کے ہر مقام پر مسح ہوجائے۔جس طرح وضو میں ہر مقام میں پانی پہنچانا ضروری ہوتا ہے۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۸۴) تیمّم جنابت اور حدث کے لئے برابر ہے۔اور ایسے ہی حیض اور نفاس کے لئے

وجہ: تیمّم جنابت کے لئے اور حیض اور نفاس کے غسل کے لئے بھی کیا جائیگا۔اور حدث اصغر یعنی وضو کے لئے بھی کیا جائیگا۔اور سب کے لئے دو ہی ضربے ہیں۔ایک چہرے کے لئے اور دوسرا ہاتھ کے لئے۔سر اور پاؤں پر تیمّم ساقط ہوجائیگا۔حدیث میں ہے (۱)اوپر مسئلہ نمبر ۲ میں عمرو بن عاص کی حدیث گزر گئی جس سے معلوم ہوا کہ تیمّم جنبی کے لئے بھی جائز ہے(۲) آیت میں ہے کہ جنبی بھی تیمّم کرسکتا ہے۔او جاء احد منكم من الغائط او لامستم النساء فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا(آیت ۴۳،سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے اولامستم النساء۔یعنی جس نے صحبت کی ہو وہ بھی پانی نہ پائے تو تیمّم کرسکتا ہے۔اور حیض اور نفاس والی عورت کی دلیل یہ حدیث ہے(۳)عن ابی هريرة قال جاء اعرابی الى رسول الله ﷺ فقال انا نكون فی الرمل وفينا الحائض والجنب والنفساء فيأتی علينا اربعة اشهر لا نجد الماء قال عليک بالتراب يعنی التيمم (سنن للبیھقی، باب ماروی فی الحائض والنفساء یکفیھما التیمم عند انقطاع الدم اذا عدمتا الماء ج،اول ص ۳۳۳،نمبر ۱۰۳۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور نفساء عورتیں بھی پانی پر قدرت نہ ہوتے وقت غسل کے لئے تیمّم کریں گی۔اور بخاری کی حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی بھی صرف چہرے اور ہاتھ پر تیمّم کرے گا۔پاؤں اور سر ساقط ہوں گے۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔الم تسمع قول عمار لعمر ان رسول اللهؐ بعثنی انا وانت فاجنبت فتمعكت بالصعيد فاتينا رسول اللهؐ فاخبرناه فقال انما كان يكفيک هكذا ومسح وجهه وكفيه واحدة . (بخاری شریف، باب التیمم ضربۃ،ص ۵۰،نمبر ۳۴۷ر مسلم شریف، باب التیمم،ص ۱۵۹نمبر ۸۱۸/۳۶۸)اس حدیث میں ہے کہ جنبی کو پانی نہ ملے تو وہ تیمّم کرے۔

ترجمہ :لِ کیونکہ روایت ہے کہ ایک قوم حضورؐ کے پاس آئی اور کہنے لگی کہ ہم ایسے لوگ ہیں کہ اس صحرا میں قیام کرتے ہیں اور ایک مہینہ اور دو مہینے پانی نہیں ملتا ہے اور ہم میں جنبی اور حائضہ اور نفاس والی عورت بھی ہوتی ہے،تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اپنی مٹی

(۸۵)ویجوز التیمم عند ابی حنیفة و محمدؒ بکل ما کان من جنس الارض کالتراب، و الرمل، و الحجر، والجص، والنورة، والکحل، و الزرنیخ، و قال ابو یوسفؒ لایجوز الا بالتراب، و الرمل لے و قال الشافعیؒ لایجوز الا بالتراب المنبت و ھوروایة عن ابی یو سفؒ، لقوله تعالی فتیمموا صعیداً طیباً، ای منبتاً، قاله ابن عباسؓ، غیر ان ابا یوسفؒ زاد علیه الرمل بالحدیث الذی رویناه

سے تیمّم کرلیا کرو۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرة أن اعرابیا أتو ا النبی ﷺ فقالوا : یا رسول الله انا نکون فی ھذه الرمال لا نقدر علی الماء و لا نری الماء ثلاثة أشھر أو اربعة اشھر. شک ابو الربیع . و فینا النفساء و الحائض و الجنب قال : علیکم بالارض (سنن للبیھقی ، باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیھما التیمم عندانقطاع الدم اذا عدمتاالماء ج،اول ص۳۳۳،نمبر۱۰۳۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جنبی ، حائضہ اور نفساء سبھی تیمّم کر سکتے ہیں۔

ترجمه : (۸۵) جائز ہے تیمّم امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہر اس چیز سے جو زمین کی جنس سے ہو۔جیسے مٹی ، ریت ، پتھر ، گچ ، چونہ ، سرمہ اور ہڑتال سے۔اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ نہیں جائز ہے مگر مٹی اور ریت سے خاص طور پر۔

وجه : (۱)أخبرنا جابر بن عبدالله ان النبی ﷺ قال .....جعلت لی الارض مسجدا و طھورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵) جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ زمین سے تیمّم کر سکتے ہیں۔تو زمین کی جنس سے جتنی چیزیں ہیں ان تمام سے تیمّم کیا جا سکتا ہے۔چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔جیسے پتھر وغیرہ (۲) آیت تیمّم میں ہے فتیمموا صعیدا طیبا اور صعید کے معنی زمین کا اوپر کا حصہ ہے چاہے اس میں اگنے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو۔اس لئے ریت ، پتھر ، گچ ، چونہ ، سرمہ اور ہڑتال سے بھی تیمّم کر سکتا ہے۔اثر میں ہے۔عن حماد قال تیمم بالصعید والجص والجبل والرمل (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ ، ج اول ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۴) اس اثر سے امام ابوحنیفہ کی تائید ہوتی ہے کہ گچ اور پہاڑ یعنی پتھر ، اور ریت سے بھی تیمّم کیا جا سکتا ہے۔

نوٹ: ہر وہ چیز جو آگ میں جلے نہیں اور پگھلے نہیں وہ تمام چیزیں زمین کی جنس سے ہیں۔

ترجمه : لے اور کہا امام شافعیؒ نے کہ نہیں جائز ہے مگر اگانے والی مٹی سے اور یہی ایک روایت ہے امام ابو یوسفؒ سے۔اللہ تعالی کا قول ''صعیدا طیبا''۔یعنی اگانے والی مٹی ، کی وجہ سے ، حضرت ابن عباسؓ نے صعیدا طیبا کی یہی تفسیر کی ہے علاوہ یہ کہ امام ابو یوسفؒ نے وہ حدیث جسکو میں نے روایت کی اسکی بنا پر ریت کو اس پر زیادہ کیا۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف اگانے والی مٹی سے تیمّم کیا جائے اور یہی بات امام ابو یوسفؒ بھی فرماتے ہیں۔جسکا مطلب یہ ہوا کہ ریت ، پتھر ، دیوار ، اینٹ ، اور ایسی چیز جو مٹی کی جنس سے تو ہو لیکن پودے اگانے کے قابل نہ ہو تو اس سے تیمّم جائز

نہیں ہے۔

وجه : اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے **فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا** (آیت ۴۳ سورۃ النساء ۴) کہ پانی نہ پاؤتو صعیدا طیبا سے تیمّم کرو اور صعید کا معنی حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا اگانے والی مٹی اسلئے اگانے والی مٹی ہی سے تیمّم جائز ہے ۔حضرت ابن عباسؓ کا اثر یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال اطیب الصعید الحرث و الارض الحرث** (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ ،ص ۱۴۸،نمبر ۱۷۰۲ /مصنف عبد الرزاق ، باب ای الصعید اطیب ، ج اول ،ص ۲۱۱،نمبر ۸۱۴) اس اثر میں ہے کہ صعید سے مراد حرث یعنی اگانے والی مٹی ہے ۔(۲) مسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ تراب سے تیمّم جائز ہے اور تراب کا ترجمہ ہے اگانے والی مٹی ۔حدیث یہ ہے۔**عن حذیفة قال قال رسول الله ﷺ فضلنا علی الناس بثلاث : جعلت صفوفنا کصفوف الملائکة ، و جعلت لنا الارض کلها مسجداً ، و جعلت تربتها لنا طهوراً اذا لم یجد الماء**۔(مسلم شریف، باب المساجد ومواضع الصلاۃ ،ص ۱۹۹ نمبر ۵۲۲ /۱۱۶۵) اس حدیث میں تربتھا، سے مراد اگانے والی مٹی ہے اسلئے اگانے والی مٹی سے ہی تیمّم جائز ہوگا ۔

اور امام ابو یوسفؒ نے اگانے والی مٹی کے ساتھ ریت کو بھی شامل فرمایا کہ ریت سے بھی تیمّم کرسکتا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ دیہاتی والی حدیث میں ہے کہ ہم لوگ اس ریگستان میں رہتے ہیں اور پانی نہیں ملتا تو آپؐ نے فرمایا کہ تم اس زمین سے تیمّم کرلیا کرو جس کا مطلب یہ نکلا کہ اس ریت سے تیمّم کرلیا کرو اسلئے ریت سے بھی تیمّم جائز ہوگا۔حدیث یہ ہے **عن ابی هریرة أن اعرابیا أتوا النبی ﷺ فقالوا : یا رسول الله انا نکون فی هذه الرمال لا نقدر علی الماء و لا نری الماء ثلاثة أشهر أو اربعة اشهر. شک ابو الربیع . و فینا النفساء و الحائض و الجنب قال : علیکم بالارض** ۔(سنن للبیھقی ،باب ماروی فی الحائض والنفساء ایکفیھما التیمم عند انقطاع الدم اذا عدمتا الماء ج ،اول ص ۳۳۳،نمبر ۱۰۳۹) اس حدیث میں ھذہ الرمال کا ،مطلب ہے ہم لوگ ریگستان میں رہتے ہیں، اور آپؐ نے جب کہا کہ تم اپنی زمین سے تیمّم کرلیا کرو تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ریت سے تیمّم کرلیا کرو اسلئے ریت سے بھی تیمّم جائز ہے۔(۲) اوپر کی حدیث میں ارض کا لفظ تھا اور ارض کے معنی میں ریت بھی شامل ہے اسلئے ریت سے بھی تیمّم کرسکتا ہے حدیث یہ ہے۔**أخبرنا جابر بن عبد الله ان النبی ﷺ قال .....جعلت لی الارض مسجدا و طهورا**. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵ /ابو داود شریف ، باب التیمم ،ص ۵۰ نمبر ۳۲۳) اس حدیث میں ارض ، ہے جسکا ترجمہ اگانے والی مٹی کے ساتھ ریت بھی شامل ہے ۔(۲) اوپر کے ایک اثر میں بھی ریت کا لفظ ہے جسکی وجہ سے ریت سے بھی تیمّم کیا جاسکتا ہے۔اثر یہ ہے ۔**عن حماد قال تیمم بالصعید و الجص و الجبل و الرمل** (مصنف ابن ابی شیبہ،۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ ،ج اول ص ۱۴۸،نمبر ۱۷۰۴) اس اثر میں الرمل کا لفظ ہے جسکا ترجمہ ہے کہ ریت سے تیمّم کیا جاسکتا ہے۔

۲؎ ولهما ان الصعيد اسم لوجه الارض سمى به لصعوده، ۳؎ والطيب يحتمل الطاهر فحمل عليه لانه اليق بموضع الطهارة، ۴؎ او هو مراد بالاجماع.

ترجمہ : ۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ آیت میں صعید نام ہے زمین کے اوپر کے حصے کے لئے اسکے اوپر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : آیت میں جولفظ ''صعیداً''، ہے اسکے دو ترجمے ہیں، ایک ترجمہ ہے اگانے والی جسکو امام شافعیؒ نے لیا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صعید کو صعد سے مشتق مانیں جسکا ترجمہ ہے اوپر چڑھنا، اور مطلب ہوگا زمین کے اوپر کا حصہ (روئے زمین) جس میں زمین کے جنس کی ساری چیزیں شامل ہو جائیں گی، اور سب سے تیمّم کرنا جائز ہوگا، اوپر کی حدیث سے بھی تائید ہوتی ہے کیونکہ حدیث میں ارض کا لفظ ہے جس سے زمیں کے جنس کی ساری چیزیں مراد ہوں گی، حدیث یہ ہے۔ جعلت لی الارض مسجدا و طهورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵) اس حدیث میں ارض سے مراد زمین کے جنس کی ساری چیزیں ہوسکتی ہیں، اسلئے صعید کا ترجمہ بھی زمین کی ساری چیزیں ہونگیں۔ (۲) اوپر کے حضرت حمادؒ کے اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ زمین سے گچ، پہاڑ اور ریت مراد ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور آیت میں لفظ، طیب، احتمال رکھتا ہے طاہر کے معنی کا بھی، اسلئے اسی پر محمول کیا جائے گا اسلئے کہ وہ طہارت کی جگہ کے زیادہ مناسب ہے۔

تشریح : یہاں سے آیت میں لفظ، طیب، ہے اسکا ترجمہ بیان کر رہے ہیں۔ کہ طیب کا ترجمہ ہے اچھی مٹی، یعنی اگانے والی مٹی، اوپر کی حدیث اور قول ابن عباسؓ کی وجہ سے یہ ترجمہ حضرت امام شافعیؒ نے لیا۔ اور دوسرا ترجمہ ہے پاک مٹی، اوپر کی حدیث ۔جعلت لی الارض مسجدا و طهورا. (بخاری شریف، کتاب التیمم ص ۴۸ نمبر ۳۳۵) میں طھوراً کے لفظ سے اس بات کی تائید ہوتی ہے کہ طیب کا ترجمہ طھور، یعنی پاک لیا جائے، اور آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ پاک مٹی سے تیمّم کرو۔ اور مسئلہ بھی یہی ہے کہ ناپاک مٹی سے تیمّم جائز نہیں ہے اسلئے طھارت کے موضوع کی مناسبت سے پاک مٹی ہی لینا زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ: ۴؎ یا آیت میں طیب سے، پاک مٹی مراد لینا بالا جماع ہے۔

تشریح : یہ تو سب اماموں کے نزدیک ہے کہ ناپاک مٹی سے تیمّم جائز نہیں ہے صرف پاک مٹی سے جائز ہے اور سبھی ائمہ آیت کے طیبا کے لفظ سے استدلال کرتے ہیں کہ پاک مٹی ہونی چاہئے اسلئے طیبا کا معنی پاک ہے اس پر سب امام متفق ہیں اسلئے ہم بھی طیبا کا معنی پاک ہی مراد لیتے ہیں اسی پر سب کا اجماع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ حضرت امام شافعیؒ نے طیبا کا ایک اور معنی بھی مراد لے لیا ۔یعنی اگانے والی مٹی، لیکن یہ انکا انفرادی معنی ہے۔ جبکہ ہم اجماعی معنی مراد لے رہے ہیں۔

(۸۶) ثم لا يشترط ان يكون عليه غبار عند ابی حنيفةؒ ﴿ لاطلاق ماتلونا.

لغت التراب: مٹی۔ الرمل: ریت، الجص: گچ، النورة: چونہ، الکحل: سرمہ، الزرنیخ: ہڑتال (ایک قسم کی دھات ہوتی ہے)۔ المنبت: اگانے والی مٹی۔

ترجمہ: (۸۶) پھر یہ شرط نہیں ہے کہ اس چیز پر غبار ہو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔

ترجمہ: ﴿ اس آیت کی وجہ سے جو ہم نے اوپر تلاوت کی۔

تشریح: مثلا پتھر مٹی کی جنس میں سے ہے اس پر تیمّم کرنے کے لئے اس پر غبار ہونا ضروری نہیں بلکہ بغیر غبار کے بھی تیمّم کرلیا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تیمّم ہوجائیگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں فتيمموا صعيدا طيبا۔ (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) پاک مٹی سے تیمّم کرو ہے اس میں غبار ہونے کی شرط نہیں ہے اس لئے تیمّم کرنے کے لئے غبار ہونا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آیت غبار اور عدم غبار سے مطلق ہے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے دیوار پر تیمّم فرمایا، اور ظاہر ہے کہ دیوار پر مٹی تو ہے لیکن غبار نہیں ہوگا، اس سے معلوم ہوا کہ بغیر غبار کے تیمّم جائز ہے۔ حدیث یہ ہے۔ قال انطلقت مع ابن عمر فی حاجة الی ابن عباس ..... حتی اذا كان الرجل أن يتواری فی السكة، فضرب بيديه علی الحائط و مسح بهما وجهه۔ (ابوداود شریف، باب التیمم فی الحضر، ص ۵۳، نمبر ۳۳۰) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے دیوار پر مسح کیا۔ (۳) اثر میں ہے کہ پہاڑ سے تیمّم کرنا جائز ہے، اور اس میں یہ قید نہیں ہے کہ غبار ہو اسلئے بغیر غبار کے بھی تیمّم جائز ہے اثر یہ ہے۔ عن حماد قال تيمم بالصعيد والجص والجبل والرمل (مصنف ابن ابی شیبہ، ۱۹۶ ما یجزی الرجل فی تیممہ، ج اول ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۴) اس حدیث اور اثر سے معلوم ہوتا ہے کہ غبار ہونا ضروری نہیں ہے (۴) اصل میں یہ امر تعبدی ہے کہ شریعت نے جیسا کرنے کے لئے کہا وہ کرلیا اور پاکی حاصل ہوگئی چاہے ہاتھ میں غبار لگے یا نہ لگے۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک غبار والی مٹی پر ہی تیمّم جائز ہے اور اسکے علاوہ پر نہیں۔ موسوعۃ کی عبارت یہ ہے قال الشافعیؒ و كل ما وقع عليه اسم صعيد، لم تخالطه نجاسة، فهو صعيد طيب يتيمم به، و كل ما حال عن اسم صعيد لم يتيمم به، ولا يقع اسم صعيد الا تراب ذی غبار. (موسوعۃ للامام الشافعی باب التراب الذی یتیمم بہ ولا یتیمم، ج اول، ص ۱۹۷ نمبر ۶۵۵) اس عبارت میں ہے کہ بغیر غبار کے تیمّم جائز نہیں ہے۔ انکی دلیل یہ ہے کہ صعید کا معنی ہے غبار والی مٹی۔ اور حدیث میں اسکا ثبوت ہے و جعلت تربتها لنا طهوراً اذا لم يجد الماء۔ (مسلم شریف، باب المساجد ومواضع الصلاۃ، ص ۱۹۹ نمبر ۵۲۲/۱۱۶۵) اس حدیث میں ہے کہ زمین کی تربت پاک ہے، اور تربت کا معنی غبار ہے اسلئے تیمّم کے لئے غبار ہونا

(۸۷) وكذا يجوز بالغبار مع القدرة على الصعيد عند ابى حنيفة، و محمدؒ ﴾ لے لانه تراب رقيق (۸۸) النية فرض فى التيمم ﴾ لےوقال زفرؒ ليس بفرض لانه خلف عن الوضوء فلا يخالفه فى وصفه

ضروری ہے۔

ترجمه: (۸۷) ایسے ہی صرف غبار سے تیمّم جائز ہے مٹی پر قدرت کے باوجود امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک۔

ترجمه: لے اسلئے کہ وہ بھی پتلی مٹی ہے۔

تشریح: مٹی موجود ہو پھر بھی صرف غبار سے تیمّم کرنا چاہے تو امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک کرسکتا ہے۔ کیونکہ وہ بھی پتلی مٹی ہے اسلئے اس سے تیمّم کرسکتا ہے۔ اوپر کی حدیث میں بھی تربتها لنا طهورا کا لفظ گزرا جس سے معلوم ہوا کہ غبار سے تیمّم کر سکتا ہے۔

ترجمه: (۸۸) تیمّم میں نیت فرض ہے۔

وجه: (۱) تیمّم کا معنی ہی ہے قصد اور ارادہ کرنے کے، اس لئے تیمّم میں تیمّم کرنے کا ارادہ اور نیت کی جائے گی تو پاکی ہوگی۔ اور بغیر ارادہ کے چہرہ اور ہاتھ پر مٹی پھر گئی تو پاکی نہیں ہوگی (۲) پانی بذاتہ خود طاہر اور طہور ہے۔ اس کے برخلاف مٹی سے تو چہرہ اور خراب ہوتا ہے۔ اس لئے وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس لئے وہاں نیت کرنا مستحب ہے۔ اور مٹی بذاتہ مطہر نہیں ہے اس لئے نیت کرنے سے مطہر بنے گی۔ اس لئے تیمّم میں نیت کرنا فرض ہے۔ آیت میں ہے۔ تیمموا صعيدا طيبا (آیت ۴۳، سورۃ النساء۴) اس کا ترجمہ ہے پاک مٹی کا ارادہ کرو۔ جس سے ارادہ اور نیت کا ثبوت ہوا۔ (۳) اثر میں ہے کہ نیت کرے ،قال سفيان : اذا علمّت الرجل التيمم فلا يجزيک ذالک التيمم أن تصلی به الا ان نويت به أنک تيمم لنفسک ، و اذا علمّته الوضوء أجزأک ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب الرجل یعلم التیمم أیجزیہ، ج اول، ص ۲۳۲ نمبر ۸۹۵) اس اثر میں ہے کہ دوسرے کو تیمّم سکھانے کے لئے تیمّم کیا اور اپنے لئے تیمّم کی نیت نہیں کی تو وہ تیمّم نماز کے لئے کافی نہیں ، کیونکہ اسنے تیمّم کی نیت نہیں کی ہے، اور دوسرے کو وضو سکھانے کے لئے وضو کیا تو اس وضو سے نماز پڑھ سکتا ہے اسلئے کہ وضو میں نیت کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه: لے امام زفرؒ نے فرمایا کہ تیمّم میں بھی نیت کرنا فرض نہیں ہے اسلئے کہ وہ وضو کا خلیفہ ہے اسلئے صفت میں وضو کے خلاف نہیں ہوگا۔

تشریح: وضو میں نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہو تی بغیر نیت کے ہی وضو کرے گا تو نماز کیلئے کافی ہے ، اور تیمّم وضو کا خلیفہ

۲؎ ولنا انه ينبىء عن القصد فلا يتحقق دونه، ۳؎ او يجعل طهوراً فى حالة مخصوصة، و الماء طهور بنفسه على ما مر (۸۹) ثم اذا نوى الطهارة او استباحة الصلوٰة اجزاه، ولايشترط نية التيمم للحدث، او للجنابة ۱؎ هو الصحيح من المذهب.

ہے اسلئے تیمّم میں بھی نیت کی ضرورت نہیں ہونی چاہئے، بغیر نیت کے بھی تیمّم کرے تو نماز کے لئے کافی ہونا چاہئے۔

ترجمه: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ لفظ تیمّم، کا ترجمہ ہے ارادہ کرنا، اسلئے بغیر ارادے کے متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح: تیمّم کا معنی ہی ارادہ کرنا ہے اسلئے بغیر ارادے اور نیت کے تیمّم متحقق نہیں ہوگا۔ کیونکہ جس لفظ کا ترجمہ ہی نیت ہو وہ بغیر نیت کے کیسے متحقق ہوگا۔ اسلئے تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہے۔

ترجمه: ۳؎ یا مٹی کو مخصوص حالت میں پاک کرنے والی قرار دی گئی، اور پانی خود بخود پاک کرنے والا ہے، جیسا کہ پہلے گزر گیا۔

تشریح: یہ دوسری دلیل عقلی ہے، کہ مٹی اصل میں تو چہرہ کو گندہ کرنے والی چیز ہے صرف مخصوص حالت میں پاک کرتی ہے وہ یہ کہ پانی نہ ہو اور نماز کا وقت ہو چکا ہو اسلئے نیت کرے گا تو مٹی پاک کرے گی اور نیت نہیں کرے گا تو وہ اپنی اصل کے اعتبار سے گندہ ہی کرے گی اسلئے پاک کرنے لئے نیت کی ضرورت ہوگی۔ اور پانی کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی ذات کے اعتبار سے صفائی کرتا ہے، اور ذات کے اعتبار سے طھور، یعنی دوسرے کو پاک کرنے والا ہے۔ قرآن میں اسکو ذات کے اعتبار سے دوسرے کو پاک کرنے والا کہا ہے۔ و أنزلنا من السماء ماء طهورا۔ (آیت ۴۸ سورۃ الفرقان ۲۵) اسلئے پانی کے استعمال کرتے وقت نیت کی ضرورت نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۸۹) پھر اگر طھارت کی نیت کرے، یا نماز مباح ہونے کی نیت کرے تب بھی کافی ہو جائے گا، اور حدث، یا جنابت کے لئے تیمّم کی نیت کی شرط نہیں ہے۔

ترجمه: ۱؎ صحیح مذہب یہی ہے۔

تشریح: ایک ہے وضو یعنی حدث اصغر سے طہارت حاصل کرنا، اور دوسرا ہے غسل جنابت یعنی حدث اکبر سے طہارت حاصل کرنا، ان دونوں ہی میں طھارت ہے، البتہ ایک بڑا ہے اور دوسرا چھوٹا ہے، تو کیا ہر ایک لئے الگ الگ نیت کرنی ہوگی، یا صرف طھارت کی نیت کافی ہے۔ تو مصنف فرماتے ہیں کہ صرف طھارت کی نیت کافی ہے حدث اصغر، یا جنابت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے، یا نماز مباح کرنے کی نیت ہو تب بھی تیمّم ہو جائے گا، صحیح مذہب یہی ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیثوں میں دونوں تیمموں میں کوئی فرق نہیں کی گئی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ دونوں ہی طھارت ہیں اسلئے مطلق طھارت کی نیت سے دونوں کی ادائیگی ہو جائے گی۔

(۹۰) فان تیمم نصرانی یرید به الاسلام ثم اسلم لم یکن متیمما عند ابی حنیفةؒ و محمدؒ، و قال ابو یوسفؒ هو متیمم﴾

فائدہ : حضرت ابوبکر رازیؒ نے فرمایا کہ وضو چھوٹا حدث ہے اور غسل بہر حال بڑا ہے اسلئے وضو کے لئے الگ وضو کی نیت کرنی ہوگی، اور غسل کے لئے غسل کی نیت کرنی ہوگی۔ اگر غسل جنابت کی حاجت ہے اور مطلق طھارت کی نیت کی تو اس تیمّم سے نماز نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (۹۰) پس اگر نصرانی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمّم کیا پھر اسلام لایا تو امام ابوحنیفۃ اور امام محمدؒ کے نزدیک وہ تیمّم کرنے والا نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ تیمّم کرنے والا ہے۔

تشریح : ایک غیر مسلم آدمی نے اسلام لانے کے ارادے سے تیمّم کیا پھر اسلام لانے کے بعد اسی تیمّم سے نماز پڑھنا چاہتا ہے۔ تو کیا اسکا تیمّم صحیح ہے اور وہ اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے؟ تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نہیں پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ اسکا تیمّم ہی صحیح نہیں ہے۔

وجہ: یہاں تین الگ الگ قاعدے ہیں اور ان پر چار مسئلے متفرع ہیں

(۱) تیمّم میں نیت کرنا ضروری ہے۔ اسلئے نیت کرنے کا اھل بھی ہونا چاہئے، یعنی مسلمان ہونا چاہئے، اور نصرانی نیت کرنے کا اھل نہیں ہے اور نہ اسکی نیت کا اعتبار ہے اسلئے اس نے تیمّم کیا تو وہ تیمّم درست نہیں ہوا، اور اس تیمّم سے نماز درست نہیں ہوگی۔ متن کی عبارت کا مطلب یہی ہے۔

(۲) ایسی عبادت کے لئے تیمّم کرے جو بغیر وضو کے جائز نہیں ہے، تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، جیسے سجدۂ تلاوت کے لئے وضو کیا تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن اگر مسجد میں جانے کے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ مسجد میں بغیر وضو کے جانا جائز ہے۔

(۳) عبادت مقصودہ کے لئے تیمّم کیا ہو تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، لیکن ایسی عبادت جو خود مقصود نہ ہو بلکہ اسکے کرنے سے دوسری عبادت مقصود ہو تو اس عبادت کے لئے تیمّم کیا ہو تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، جیسے قرآن بغیر وضو کے نہیں چھو سکتا، لیکن قران کا چھونا مقصد نہیں ہے بلکہ اس سے مقصد ہے قران پڑھنا۔ اسلئے کسی نے قرآن چھونے کے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ چھونا عبادت مقصودہ نہیں ہے اور نماز پڑھنا عبادت مقصودہ ہے۔ اسکے سمجھنے کے بعد اب عبارت سمجھیں۔ کہ نصرانی اور کافر اسلام لانے کے لئے تیمّم کرے تو اس سے نماز نہیں پڑھ سکتا ہے، کیونکہ اسلام لانا اگر چہ عبادت مقصودہ ہے لیکن بغیر وضو کے بھی درست ہے اس لئے اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، دوسری وجہ یہ ہے کہ، تیمّم درست ہونے کے لئے نیت کرنا ضروری

۱؎ لانه نوى قربة مقصودة بخلاف التيمم لدخول المسجد، و مس المصحف لانه ليس بقربة مقصودة ۲؎ ولهما ان التراب ماجعل طهوراً الا فى حال ارادة قربة مقصودة لا تصح بدون الطهارة، والاسلام قربة مقصودة يصح بدونها بخلاف سجدة التلاوة لانها قربة مقصودة لا تصح بدون

ہےاور کافر کی نیت کا اعتبار نہیں ہے اس لئے اس کا تیمّم ہی اتنا مضبوط نہیں ہوا کہ اس سے نماز پڑھ سکے۔

ترجمه : ۱؎ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ وہ تیمّم کرنے والا ہے اسلئے کہ اس نے قربت مقصودہ کی نیت کی، بخلاف مسجد میں داخل ہونے کے لئے تیمّم، اور قرآن چھونے کے لئے تیمّم اسلئے کہ وہ قربت مقصودہ نہیں ہیں۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسلام لانا قربت مقصودہ ہے بلکہ اہم مقصد ہے اسلئے چاہے نصرانی اور کافر ہی اسلام لانے کے لئے تیمّم کرے تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، اسلئے کہ نماز بھی عبادت مقصودہ ہے اور اسلام بھی عبادت مقصودہ ہے۔ البتہ اگر مسجد میں داخل ہونے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا، اسلئے کہ مسجد میں داخل ہونا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ اس میں داخل ہوکر نماز پڑھنا مقصد ہے۔ اسی طرح قرآن کے چھونے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ قرآن چھونا اصل مقصد نہیں ہے بلکہ اسکو چھوکر اسکو پڑھنا مقصد ہے۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ عبادت مقصودہ کے لئے تیمّم کیا ہو تب ہی اس سے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه : ۲؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ مٹی کو طھور نہیں بنایا مگر ایسی قربت مقصودہ کے لئے جو بغیر وضو کے صحیح نہ ہو، اور اسلام لانا قربت مقصودہ تو ہے لیکن بغیر وضو کے صحیح ہے (اسلئے اس تیمّم سے نماز درست نہیں) بخلاف سجدۃ تلاوت کے کہ وہ قربت مقصودہ ہے اور بغیر وضو کے صحیح نہیں ہے (اسلئے اس تیمّم سے نماز درست ہے)

تشریح : یہاں تراب سے مراد تیمّم ہے۔ اس تیمّم سے نماز درست ہوگی جو عبادت مقصودہ کے لئے کیا گیا ہو، اور دوسری شرط یہ ہے کہ ایسی عبادت مقصودہ ہو کہ وہ بغیر وضو کے درست نہ ہو، اور اسلام لانا عبادت مقصودہ تو ہے لیکن بغیر وضو کے بھی اسلام لانا درست ہے اسلئے اس تیمّم سے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔ اسکے برخلاف سجدۃ تلاوت عبادت مقصودہ ہے، اور بغیر وضو کے جائز نہیں ہے اسلئے کسی نے سجدۃ تلاوت کے لئے تیمّم کیا تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے، بشرطیکہ پانی پر قادر نہ ہو۔ اور ایک وجہ پہلے گزر چکی ہے کہ نصرانی مسلمان نہیں ہے اسلئے اسکی نیت کا اعتبار نہیں ہے اور تیمّم میں نیت کی ضرورت ہے اسلئے نصرانی کا تیمّم درست نہیں اور نہ اس تیمّم سے اسلام لانے کے بعد نماز پڑھ سکتا ہے۔

اصول : یہ مسئلہ اس قاعدے پر متفرع ہے کہ تیمّم کے لئے نیت ضروری ہے۔ اور نیت کے لئے اسکا اھل ہونا ضروری ہے۔

لغت : قربۃ مقصودۃ : وہ عبادت جو خود مقصود ہو، جیسے نماز پڑھنا خود مقصود ہے، اور قرآن کا چھونا خود مقصود نہیں ہے بلکہ اسکو پڑھنا

الطهارة (۹۱) وان توضاء لایرید به الاسلام ثم اسلم فهو متوضئ ﴾ ل خلافاً للشافعیؒ بناء علی اشتراط النیة، (۹۲) فان تیمم مسلم ثم ارتد و العیاذ باللہ ثم اسلم فھو علی تیممہ ﴾ ل وقال زفرؒ یبطل تیممہ لان الکفر ینافیہ فیستوی فیہ الابتداء و الانتھاء کالمحرمیة فی النکاح

مقصود ہے۔مس: چھونا۔المصحف: قرآن کریم۔

ترجمہ : (۹۱) اور اگر وضو کیا جس سے اسلام لانے کا ارادہ نہ ہو پھر اسلام لے آیا تو وہ وضو والا ہے (اس وضو سے نماز ہو جائے گی)

تشریح : نصرانی، یا کافر نے وضو کیا، اس وضو سے اسلام لانے کی نیت نہیں تھی، پھر اسلام لے آیا اب اس وضو سے نماز پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتا ہے، اسکا وضو صحیح ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ وضو درست ہونے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے وضو کرنے لئے اھل ہونا یعنی مسلمان ہونا بھی ضروری نہیں ہے، اور جب وضو درست ہے تو اس وضو سے نماز بھی درست ہے۔

ترجمہ: ل برخلاف امام شافعیؒ کے بنا کرتے ہوئے نیت کی شرط لگانے پر۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کے نزدیک وضو کے لئے بھی نیت ضروری ہے۔اور نصرانی مسلمان نہیں ہے اور نہ وہ نیت کا اھل ہے اسلئے اسکا وضو درست نہیں اسلئے اس وضو سے نماز پڑھنا چاہے تو نماز نہیں پڑھ سکتا۔

ترجمہ: (۹۲) اور اگر مسلمان نے تیمّم کیا اور العیاذ باللہ مرتد ہو گیا پھر مسلمان ہوا تو وہ اپنے تیمّم پر برقرار ہے۔

تشریح : تیمّم کرتے وقت مسلمان تھا اسلئے اسکا تیمّم درست ہے، بیچ کے ارتداد سے تیمّم پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اسلئے دوبارہ مسلمان ہو گیا تو اس تیمّم سے نماز پڑھ سکتا ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ان حضرات کے نزدیک کفر ناقض نہیں ہے، اور نہ وہ تیمّم کے خلاف ہے۔

ترجمہ : ل حضرت امام زفرؒ نے فرمایا کہ اسکا تیمّم باطل ہو جائے گا اسلئے کہ کفر تیمّم کے منافی ہے اور اس میں ابتداء اور انتہاء برابر ہے جیسے نکاح میں محرمات عورتیں۔

تشریح : حضرت امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ کفر کی حالت میں تیمّم کرنے سے تیمّم نہیں ہوتا کیونکہ کفر تیمّم کے منافی ہے، تو جس طرح شروع میں کفر ہو تو تیمّم نہیں ہوتا اسی طرح تیمّم کے درمیان کفر آجائے تو تیمّم توڑ دے گا، (۱) جیسے محرمات عورتیں نکاح سے پہلے بھی حرام ہیں اور نکاح ہو جائے پھر بیوی یا شوہر محرمات بن جائے تو نکاح ٹوٹ جائے گا۔(۲) وہ فرماتے ہیں کہ آیت میں ہے کہ مرتد ہونے سے دنیا اور آخرت کے اعمال برباد ہو جاتے ہیں، اور دنیا کے اعمال میں سے تیمّم بھی ہے اسلئے تیمّم بھی باطل ہو جائے گا ۔آیت یہ ہے و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت و ھو کافر فأولئک حبطت أعمالھم فی الدنیا و الآخرة.

۲؎ ولنا ان الباقی بعد التیمم صفة کونه طاهراً فاعتراض الکفر علیه لا ینافیه کما لو اعترض علی الوضوء، ۳؎ و انما لا یصح من الکافر ابتداء لعدم النیة منه. (۹۳) و ینقض التیمم کل شیء ینقض الوضوء ۱؎ لانه خلف عنه فاخذ حکمه. (۹۴) وینقضه ایضا رویة الماء اذا قدر علی استعماله

(آیت ۲۱۷ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ اعمال برباد ہو جائیں گے۔

ترجمہ : ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ تیمّم کرنے کے بعد اس صفت پر باقی ہے کہ وہ پاک ہے تو بیچ میں کفر کا پیش آنا تیمّم کے منافی نہیں، جیسے کی وضو پر پیش آ جائے۔

تشریح : ہماری دلیل یہ ہے کہ اسلام کی حالت میں تیمّم کیا ہے اسلئے تیمّم تو درست ہے اسلئے بیچ میں کفر کا آ جانا تیمّم کے منافی نہیں ہے، جیسے مسلمان وضو کیا ہو پھر مرتد ہو گیا تو ارتداد سے وضو نہیں ٹوٹے گا، اسی طرح ارتداد سے تیمّم نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ وہ بھی طھارت ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور کافر سے ابتداءً تیمّم صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس سے نیت نہیں ہے۔ کفر کی حالت میں ابتدائی طور پر تیمّم اسلئے صحیح نہیں کہ تیمّم میں نیت کی ضرورت ہوتی ہے اور کافر کی نیت کا اعتبار نہیں ہے اسلئے اسکا تیمّم درست نہیں، لیکن تیمّم ہو جانے کے بعد ارتداد سے تیمّم نہیں ٹوٹے گا۔

﴿ نواقض تیمّم کا بیان ﴾

ترجمہ: (۹۳) تیمّم کو وہ تمام چیزیں توڑتی ہیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ تیمّم وضو کا خلیفہ ہے اسلئے وضو کا حکم لیا۔

وجہ:۔ تیمّم وضو کے قائم مقام ہے اس لئے جو احداث وضو کو توڑتے ہیں وہ تمام تیمّم کو بھی توڑ دیں گے۔ اسی طرح غسل کا تیمّم غسل کے قائم مقام ہے۔ اس لئے جو جنابت، حیض اور نفاس غسل کو توڑتے ہیں وہ غسل کے تیمّم کو توڑ دیں گے۔

ترجمہ: (۹۴) نیز تیمّم کو توڑ دے گا پانی کو دیکھنا جب کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہو۔

وجہ: چونکہ تیمّم پانی پر قدرت نہ ہونے کی حالت میں جائز ہے اس لئے جوں ہی پانی پر قدرت ہوگی تیمّم ٹوٹ جائیگا۔ آیت میں ہے فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا. (آیت ۴۳، سورۃ النساء ۴) . کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کرو۔ اور اس نے پانی پالیا اسلئے تیمّم ٹوٹ جائیگا۔ یہ بھی ضروری ہے کہ پانی استعمال کرنے پر قدرت ہو، لیکن اگر پانی پایا اور بیمار ہونے کی وجہ سے پانی کے استعمال کرنے پر قدرت نہیں ہے تو تیمّم نہیں ٹوٹے گا اسلئے کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہونا اصل ہے۔

۱؎ لان القدرة هى المراد بالوجود الذى هو غايةلطهورية التراب ۲؎ وخائف السبع،والعدو،والعطش عاجزحكما ۳؎ والنائم عندابى حنيفةؒ قادرتقديراً، حتى لو مر النائم المتيمم على الماء بطل تيممه عنده،

نوٹ: وضوکا تیمّم ٹوٹنے کے لئے وضو کی مقدار پانی اور غسل کے تیمّم کے لئے غسل کی مقدار پانی پر قدرت ہوتب تیمّم ٹوٹے گا۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ آیت میں پانی پانے سے مراد اسکے استعمال پر قدرت ہونا ہے جو مٹی کے پاک کرنے کی غایت ہے۔

تشریح : آیت میں پانی پانے کا مطلب پانی کے استعمال پر قدرت ہونا ہے،اسلئے کہ پانی کے استعمال پر قدرت ہوتب ہی مٹی سے پاک کرنے کو چھوڑا جاسکتا ہے اور اگر استعمال کرنے پر قدرت نہ ہوتو تیمّم کو چھوڑا نہیں جا سکتا ہے۔ یہ جملہ آیت میں پانی پانے کی تشریح ہے۔

لغت : هو غاية لطهورية التراب : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم اس وقت تک کرسکتا ہے جب تک پانی کے استعمال پر قدرت نہ ہواور جب پانی کے استعمال پر قدرت ہوگئی تو اب مٹی سے طہارت حاصل نہیں کرسکتا۔

ترجمه: ۲؎ اور پھاڑ کھانے والے جانور سے خوف کرنے والا اور دشمن سے خوف کرنے والا،اور پیاسا حکما عاجز ہیں۔

تشریح : کسی کے قریب پانی تو ہے لیکن اگر سکو استعمال کرنے جائے گا تو خوف ہے کہ اسکو پھاڑ کھانے والا جانور پھاڑ کھائے گا ،یا دشمن مارڈالے گا،یا پانی کم ہے اگر اس پانی کو وضو میں استعمال کرلے تو بعد میں پیاس سے مرجائے گا اسلئے اسکے پاس پانی ہونے کے باوجود یہ سمجھا جائے گا کہ اسکے پاس پانی نہیں ہے،اور یہ پانی سے عاجز ہے اسلئے یہ لوگ تیمّم کرسکتے ہیں ۔کیونکہ فلم تجدوا ماء ،میں داخل ہیں ۔

ترجمه: ۳؎ اور سونے والا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حکما پانی پر قدرت رکھنے والا ہے، چنانچہ اگر تیمّم کرکے سونے والا پانی پر گزرے تو انکے نزدیک اسکا تیمّم باطل ہوجائے گا۔

تشریح : غسل کا تیمّم کرکے کوئی آدمی سوتے ہوئے اتنے پانی پر گزر گیا کہ اس سے غسل کرسکتا تھا تو اسکا تیمّم ٹوٹ جائے گا اور اسکو دوبارہ غسل کا تیمّم کرنا ہوگا،اسلئے کہ سونے والا حکما پانی پر قدرت رکھتا ہے، یہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک رائے ہے،اور اسکی ایک مثال یہ ہے کہ احرام باندھ کر عرفات میں سوتے ہوئے گزرجائے تو عرفات ادا ہوجاتا ہے چاہے اسکو معلوم نہ ہو کہ یہ عرفات ہے تو سوتے ہوئے عرفات میں گزرنا بھی عرفات پر قدرت رکھنا ہے،اسی طرح یہاں پانی پر سوتے ہوئے گزرنا بھی پانی پر قدرت رکھنا ہے۔البتہ اکثر ائمہ اس بات کی طرف گئے کہ سوتے ہوئے پانی پر گزرنا پانی پر قدرت رکھنا نہیں ہے۔

لغت : السبع : پھاڑ کھانے والا جانور،العدو :دشمن، العطش : پیاسا،عاجز :عاجز ہے،گویا کہ پانی پانے والا نہیں ہے۔

ﷺ و المراد ما يكفي للوضوء لانه لا معتبر بما دونه ابتداً ء فكذا انتهاء.

ترجمہ : ﷺ اور پانی سے مراد اتنی مقدار ہے جو وضو کے لئے کافی ہو اسلئے کہ شروع میں اس سے کم کا کوئی اعتبار نہیں اسلئے ایسے ہی اخیر میں اسکا کوئی اعتبار نہیں۔

تشریح : متن میں گزرا کہ پانی پر قدرت ہو جائے تو اس سے تیمّم ٹوٹ جائے گا، اب فرماتے ہیں کہ اس پانی سے اتنی مقدار ہے جس سے وضو کر سکے تو اس سے وضو کا تیمّم ٹوٹے گا، یا اتنا پانی ہو جس سے غسل کر سکے تو اس پانی سے غسل کا تیمّم ٹوٹے گا، اور اگر اس سے کم پانی ملا تو اس سے تیمّم نہیں ٹوٹے گا، کیونکہ شروع میں کم پانی ہو تو اس سے وضو واجب نہیں ہوتا بلکہ تیمّم کرنا واجب ہوتا ہے تو بعد میں کم پانی ملے تو اس سے تیمّم کیسے ٹوٹے گا؟۔ وضو کے لئے کم سے کم ایک مد پانی ہونا چاہئے، جو اس دور کے وزن کے اعتبار سے 884.5 گرام پانی ہوتا ہے، یا لیٹر کے اعتبار سے 470 .1 لیٹر، یعنی ایک لیٹر اور 470 میلی لیٹر کا ہوتا ہے۔ یعنی اتنے پانی سے وضو ہو جائے گا اور اتنا پانی مل جائے تو وضو کا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔ اور غسل کے لئے کم سے کم ایک صاع پانی ہونا چاہئے جو اس دور کے وزن کے اعتبار سے 3.538 کیلو، یعنی 3 کیلو اور 538 گرام پانی، اور لیٹر کے اعتبار سے ایک صاع 5.880 لیٹر، یعنی 5 لیٹر اور 880 میلی لیٹر کا ہوتا ہے، یعنی اتنا پانی مل جائے تو غسل کا تیمّم ٹوٹ جائے گا۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ حضورؐ وضو کے لئے ایک مد اور غسل کے لئے ایک صاع پانی استعمال فرماتے تھے، حدیث یہ ہے۔ قال سمعت أنسا يقول : كان النبیؐ يغسل أو كان يغتسل بالصاع الى خمسة أمداد و يتوضأ بالمد ۔ (بخاری شریف، باب الوضوء بالمد، ص ۳۳، نمبر ۲۰۱ / مسلم شریف، باب القدر المستحب من الماء فی الغسل الجنابۃ، ص ۱۴۷، نمبر ۳۲۵ / ۷۳۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ ایک صاع سے غسل جنابت فرماتے اور ایک مد سے وضو فرماتے تھے۔ انگریزی ناپ میں صاع اور مد کی مقدار ذیل میں دیکھیں۔

﴿ مد اور صاع کا وزان ایک نظر میں ﴾

فارمولہ		
کتنے	برابر	کتنے
8 رتی	=	ایک ماشہ
12 ماشہ	=	ایک تولہ
11.664 گرام	=	ایک تولہ
0.218 گرام	=	ایک قیراط
4.374 گرام	=	ایک مثقال

فارمولہ		
کتنے	برابر	کتنے
1000 گرام	=	ایک کیلو
ایک صاع	=	8 رطل
ایک صاع	=	4 مد
ایک مد	=	2 رطل
ایک مد	=	884.5 گرام کا ہوتا ہے

(۹۵) ولایتیمم الا بصعید طاهر ﴾ ۱لان الطیب اریدبه الطاهر ۲ولانه آلة التطهیر فلا بدمن طهارته فی نفسه کالماء (۹۶) ویستحب لعادم الماء وهویرجوه ان یؤخرالصلوٰةالی آخرالوقت،فان وجد الماء یتوضأ،والاتیمم وصلی

442.25 گرام	=	ایک رطل		ایک صاع	=	5.880 لیٹر کا ہوتا ہے
3538 گرام	=	ایک صاع		ایک مد	=	1.470 لیٹر کا ہوتا ہے
1769 گرام	=	آدھا صاع				

ترجمہ:(۹۵)اور تیمّم جائز نہیں ہے مگر پاک مٹی سے۔

وجہ : (۱) آیت میں ہے فتیمموا صعیدا طیبا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) کہ پاک مٹی سے تیمّم کرو۔اس لئے ناپاک مٹی سے تیمّم درست نہیں ہے(۲) حدیث میں ہے کہ پاک مٹی سے تیمّم درست ہوگا فقال ابو ذر ... فقال رسول الله ﷺ یا ابا ذر ان الصعید الطیب طهور وان لم تجد الماء الی عشر سنین فاذا وجدت الماء فامسه جلدک (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳)اس حدیث میں ہے کہ پاک مٹی پاک کرنے والی ہے اسلئے ناپاک مٹی سے تیمّم جائز نہیں ہوگا (۳) جب مٹی دوسرے کو پاک کرے گی تو خود بھی پاک ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ آیت میں لفظ طیب سے مراد طاہر ہے۔اسلئے مٹی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے کہ مٹی پاک کرنے کا آلہ ہے اسلئے خود اسکا پاک ہونا ضروری ہے، جیسے کہ پانی کا پاک ہونا ضروری ہے۔

تشریح : مٹی کے ذریعہ جسم کو پاک کیا جائے گا، تو ظاہر ہے کہ خود مٹی کو بھی پاک ہونا چاہئے، جس طرح پانی سے جسم پاک کرتے ہیں تو خود پانی کا پاک ہونا ضروری ہے، ورنہ تو یہ دوسرے کو پاک کیسے کرے گا! یہ جملہ مٹی کے پاک ہونے کی دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ : (۹۶) اس آدمی کے لئے مستحب ہے جو پانی نہ پاتا ہو لیکن امید ہے کہ آخری وقت میں پانی پائیگا تو نماز آخری وقت تک مؤخر کردے۔پس اگر پانی پایا تو وضو کرے اور نماز پڑھے ورنہ تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔

وجہ : (۱) جس کے پاس ابھی پانی نہیں ہے تو وہ ابھی بھی تیمّم کرکے نماز پڑھ سکتا ہے۔کیونکہ حقیقت میں مجبوری تو ابھی ہے۔البتہ پانی ملنے کی امید ہے اس لئے اصل پر عمل کرنے کے لئے مستحب یہ ہے کہ پانی ملنے تک نماز مؤخر کرے۔پس اگر پانی مل جائے تو وضو کرکے اصل پر نماز پڑھے ورنہ تو تیمّم کرکے نماز پڑھے (۲) حضرت علیؓ کا قول ہے۔ عن علی قال : اذا اجنب

۱؎ لیقع الاداء باکمل الطهارتین فصار کالطامع فی الجماعة ۲؎ وعن ابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ فی غیر روایة الاصول ان التاخیر حتم لان غالب الرأی کالمتحقق

الرجل فی السفر تلوم ما بینه و بین آخر الوقت فان لم یجد الماء تیمم و صلی. (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷/ سنن للبیھقی، باب من تلوم ما بینه وبین آخر الوقت رجاء وجود الماء، ج اول، ص ۳۳۵، نمبر ۱۱۰۱) حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی کی امید کرنے والوں کے لئے مؤخر کرنا مستحب ہے۔

نوٹ: اول وقت میں نماز پڑھ لی پھر پانی پایا تو نماز نہیں لوٹائے گا۔ ابوداود کی لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے عن ابی سعید الخدریؓ قال خرج رجلان فی سفر فحضرت الصلاة و لیس معهما ماء فتیمما صعیداً طیبا فصلیا ثم وجدا الماء فی الوقت فأعاد أحدهما الصلاة و الوضوء و لم یعد الآخر، ثم أتیا رسول الله ﷺ فذکر اذالک له فقال للذی لم یعد ((أصبت السنة و أجزأتک صلاتک،)) وقال للذی توضأ توضأ و أعاد ((لک الاجر مرتین)) (ابوداو شریف، باب المتیمم یجد الماء بعد ما یصلی فی الوقت، ص ۵۵، نمبر ۳۳۸) اس حدیث میں ہے کہ تیمّم کر کے نماز پڑھی اور وقت کے اندر ہی پانی پالیا تو دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ تا کہ ادائگی دونوں طھارتوں میں سے اکمل پر ہو جائے تو ایسا ہوا کہ جیسے جماعت میں لالچ کرنے والا ہو۔

تشریح: کسی کو پانی کی امید ہو تو پانی کی تلاش میں آخر وقت تک انتظار کرے تا کہ پانی مل جائے تو طھارت کاملہ پر وضو کر کے نماز پڑھے، جس طرح جماعت پانے کی امید ہو تو تاخیر کرے تا کہ جماعت کے ساتھ اکمل پر نماز پڑھے، تاہم اگر پہلے نماز پڑھے تو نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ سے اصول کی روایت کے علاوہ میں ہے کہ پانی کے لئے تاخیر کرنا ضروری ہے، اسلئے کہ غالب رائے متحقق کی طرح ہے۔

تشریح: اصول کی جو کتاب ہے اسکے علاوہ میں یہ مذکور ہے کہ جسکو پانی نہ ملا ہو اور پانی پانے کی امید ہو تو اسپر تاخیر کرنا ضروری ہے، اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ غالب گمان ہو کہ پانی مل جائے گا تو گویا کہ پانی مل گیا اسلئے پانی کے لئے موخر کرنا ضروری ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے قول میں تاکید ہے کہ پانی کی امید رکھنے والا ضرور نماز موخر کرے، اثر یہ ہے ۔عن علی قال : اذا اجنب الرجل فی السفر تلوم ما بینه و بین آخر الوقت فان لم یجد الماء تیمم و صلی. (دار قطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷/ سنن للبیھقی، باب من تلوم ما بینه وبین آخر الوقت رجاء وجود الماء، ج اول، ص ۳۳۵، نمبر ۱۱۰۱) اس اثر میں ہے کہ پانی کی امید رکھنے والا اخیر وقت تک موخر کرے ۔(۲) اس اثر میں بھی ہے کہ موخر کرے

۳؎ وجه الظاهران العجز ثابت حقيقة فلا يزول حكمه الا بيقين مثله (۹۷) ويصلى بتيممه ماشاء من الفرائض و النوافل ﴾ ا؎ وعند الشافعیؒ يتيمم لكل فرض لانه طهارة ضرورية

۔عن الحسن و ابن سيرين أنهماقالا : لا يتيمم ما رجاأن يقدر على الماء فی الوقت ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،من قال لا يتيمم مارجا أن يقدر علی الماء،ص ۱۴۸،نمبر ۱۷۰۰) اس اثر میں ہے کہ پانی کا امید رکھنے والا نماز موخر کرے۔

ترجمہ: ۳؎ ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ ابھی حقیقۃ عجز ثابت ہے اسلئے اسکا حکم اسی کی طرح یقین کے بغیر زائل نہیں ہوگا۔

تشریح : ظاہر روایت کی وجہ یہ ہے کہ ابھی پانی ملا ہوا نہیں ہے اور حقیقت میں عاجزی ثابت ہے اسلئے جب تک حقیقت میں پانی نہ مل جائے اور پانی ملنے کا یقین نہ ہو جائے اس وقت تک موخر کرنا واجب نہیں ہوگا۔ اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ مقام مربد النعم میں تھے وہاں سے مدینہ طیبہ سے قریب تین میل پر تھے اور پانی ملنے کی پوری امید تھی پھر بھی انہوں نے نماز موخر نہیں کی اور اول وقت میں نماز پڑھ لی، اگر نماز موخر کرنا ضروری ہوتا تو حضرت ابن عمر ضرور موخر کرتے۔ اثر یہ ہے۔عن نافع ، أن ابن عمر يتيمم بمربد النعم و صلى وهو على ثلاثلة أميال من المدينة ، ثم دخل المدينة و الشمس مرتفعة فلم يعد ،(دار قطنی ، باب فی کراھیۃ امامۃ المتیمم المتوضئین ،ص ۱۹۵،نمبر ۷۰۷ / باب ماروی فی طلب الماء وفی حد الطلب ،ص ۳۵۵ ،نمبر ۱۱۰۳) اس اثر میں ہے کہ اول وقت میں حضرت ابن عمر نے تیمّم کر کے نماز پڑھی اور پانی کی امید میں تاخیر نہیں کی جس سے معلوم ہوا کہ تاخیر کرنا ضروری نہیں ہے۔

ترجمہ: (۹۷) ایک تیمّم سے جتنے فرائض اور نوافل پڑھنا چاہے پڑھ سکتا ہے۔

وجہ : (۱) تیمّم وضو کا مکمل نائب ہے۔جس طرح ایک وضو سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے اسی طرح ایک تیمّم سے کئی وقت کے فرائض پڑھ سکتا ہے۔ایسا نہیں ہے کہ وقت ختم ہوتے ہی تیمّم ٹوٹ جائے گا (۲) آیت میں وضو، غسل اور تیمّم کے تذکرے کے بعد یہ فرمایا ۔ما يريد الله ليجعل عليكم من حرج ولكن يريد ليطهركم و ليتم نعمته عليكم (آیت ۶ سورۃ المائدہ ۵) اس کا مطلب یہ ہے کہ وضو، غسل اور تیمّم تینوں کے ذریعہ مکمل پاک کرنا چاہتے ہیں۔اس لئے تیمّم سے بھی وضو کی طرح کئی نماز پڑھ سکتے ہیں (۳) حدیث میں ہے۔ان الصعيد الطيب طهور وان لم تجدالماء الى عشر سنين. (ابوداؤد شریف، باب الجنب یتیمم ص ۵۳ نمبر ۳۳۳) طھور کا مطلب ہے بار بار پاک کرنا، اور یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ یہ وضو کی طرح ایک ہی تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہو۔ (۴) اثر میں ہے کہ ایک تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔عن عطاء قال : يصلى با لتيمم الصلوات كلها مالم يحدث ،(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۴ فی التیمم کم یصلی بہ من صلاۃ ،ص ۱۴۷،نمبر ۱۶۹۴ / مصنف عبد الرزاق ، باب کم یصلی بتیمم واحد،ص ۲۱۵،نمبر ۸۳۵) اس اثر میں ہے کہ ایک ہی تیمّم سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ا؎ اور امام شافعیؒ کے نزدیک تیمّم کرے گا ہر فرض کے لئے اسلئے کہ یہ طھارت ضروریہ ہے۔

۲؎ ولنا انه طهور حال عدم الماء فيعمل عمله ما بقى شرطه (۹۸) و يتيمم الصحيح فى المصر اذا حضرت جنازة و الولى غيره فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته الصلوة ﴿۱؎ لانها لاتقضى فيتحقق العجز

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک تیمّم مجبوری کے درجے میں ہے کہ پانی نہ ملے تب تیمّم جائز ہوتا ہے جسکو طہارت ضروریہ کہتے ہیں۔اسلئے جیسے ہی ایک نماز پڑھی تو ضرورت ختم ہوگئی،اور جب دوسری نماز کا وقت آیا اور پانی نہیں ملا تو اب تیمّم کی دوبارہ ضرورت پڑی اسلئے اب دوبارہ تیمّم کرے گا اور اس سے نماز پڑھے گا اسلئے ایک تیمّم سے ایک ہی نماز پڑھ سکتا ہے۔موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ جعل الله تعالى المواقيت للصلوة فلم يكن لاحد ان يصليها قبلها ، و انما امرنا بالقيام اليها اذا دخل وقتها ۔(موسوعۃ امام شافعی،باب متی یتیمم للصلوۃ،ج اول،ص ۱۸۳ نمبر ۶۰۱)اس عبارت میں ہے کہ نماز کے وقت سے پہلے تیمّم نہ کرے،اس لئے ہر نماز کے لئے الگ الگ تیمّم ہوگا۔

وجه: (۱) تیمّم ان کے نزدیک طہارت ضروری ہے یعنی وقت آنے پر پانی نہ ملے تو اب اس وقت تیمّم کریں۔اس لئے تیمّم کی ابتدا وقت فرض آنے پر ہوگی (۲) حضرت عمرو ابن العاص،حضرت علی اور حضرت عبداللہ ابن عمر کا قول ہے يتيمم لكل صلوة . (دار قطنی،باب التیمم وانہ یفعل لکل صلوۃ ج اول ص ۱۹۳ نمبر ۶۹۸ /السنن للبیہقی،باب التیمم لکل فریضۃ،ج اول،ص ۳۳۹،نمبر ۱۰۵۴) اس لئے وہ ہر نماز کے وقت الگ الگ تیمّم کرنا واجب قرار دیتے ہیں۔

ترجمه: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ مٹی پانی نہ ہونے کی حالت میں بار بار پاک کرنے والی ہے اسلئے پانی کا ہی عمل کرے گی جب تک اسکی شرط باقی ہے۔یعنی جب تک پانی پر قدرت نہیں ہے تو اسکی جگہ پر مٹی موجود ہے اور ایک پانی کے وضو سے کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے تو اسکا خلیفہ یعنی ایک تیمّم سے بھی کئی نمازیں پڑھ سکتا ہے۔(۲) اثر اوپر گزر چکا ہے کہ ایک تیمّم سے تمام نمازیں پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه: (۹۸) جائز ہے تیمّم کرنا تندرست آدمی کے لئے جو مقیم ہو۔جب کہ جنازہ حاضر ہو جائے اور ولی اس کے علاوہ ہو اور خوف ہو کہ اگر وضو کرنے میں مشغول ہو تو نماز جنازہ اس سے فوت ہو جائے گی تو اس کے لئے جائز ہے کہ تیمّم کرے اور نماز پڑھے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ نماز جنازہ کی قضا نہیں ہے اسلئے عجز متحقق ہے،اسلئے تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح: حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ ولی نے نماز جنازہ پڑھ لی تو دوبارہ نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔اس لئے جو آدمی میت کا ولی نہیں ہے وہ نماز نہیں پڑھے گا تو اس سے ہمیشہ کے لئے وہ نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔اب چاہے وہ تندرست ہے،مقیم ہے پانی ایک میل کے اندر ہے لیکن خوف ہے کہ وضو کرنے گیا تو نماز جنازہ فوت ہو جائے گی۔اس مجبوری کی بنا پر گویا کہ اس کو پانی پر قدرت نہیں

(۹۹) و كذا من حضر العيد فخاف ان اشتغل بالطهارة ان تفوته العيد يتيمم ﴾ ل لانها لا تعاد ۲ وقوله : الولی غيره اشارة الى انه لا يجوز للولی و هو رواية الحسن عن ابی حنيفةؒ هو الصحيح لان للولی

ہے اس لئے تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے

وجه: (۱) عن ابن عباس قال اذا خفت ان تفوتک الجنازة وانت علی غير وضوء فتيمم و صلی. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۳ فی الرجل ان یخاف ان تفوتہ الصلوۃ علی الجنازۃ وھوغیر متوضی، ج ثانی، ص ۴۹۷، نمبر ۱۱۴۶۷، کتاب الجنائز) اس اثر سے معلوم ہوا کہ خوف ہو تو نماز جنازہ کے لئے تیمّم کر سکتا ہے۔

فائده: امام شافعیؒ کے نزدیک دوبارہ نماز جنازہ پڑھی جا سکتی ہے اس لئے تیمّم کرنے کی مجبوری نہیں ہے۔ اس لئے نماز جنازہ کے فوت ہونے کے لئے تیمّم نہیں کر سکتا (۲) عن ابن عمر انه قال لا يصلی علی الجنازة الا وهو طاهر. (السنن للبیھقی، باب الصحیح المقیم یتوضأ المکتوبۃ والجنازۃ والعید ولا یتیمم، ج اول، ص ۳۵۲، نمبر ۱۰۹۳) وہ طہارت سے صرف وضو کی طہارت مراد لیتے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ مجبوری کے موقع پر تیمّم بھی طہارت ہے اس لئے ابن عمر کا قول حنفیہ کے خلاف نہیں ہوا (۳) اثر میں ہے عن عطاء فی الرجل يحضر الجنازة فيخاف أن تفوته الصلاة عليها قال: لا يتيمم۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۹۳ فی الرجل یخاف أن تفوتہ الصلاۃ علی الجنازۃ وھوغیر متوضی، ج ثانی، ص ۴۹۸، نمبر ۱۱۴۷۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ تیمّم نہ کرے۔

نوٹ: خود ولی کی نماز جنازہ فوت ہونے کا خطرہ ہو تو تیمّم نہیں کر سکتا۔ کیونکہ وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے۔ اس لئے اس کے حق میں مجبوری نہیں ہوئی۔

ترجمه: (۹۹) ایسے ہی جو عید کی نماز کے لئے حاضر ہوا اور خوف ہو کہ اگر وضو میں مشغول ہوا تو اس سے عید کی نماز فوت ہو جائے گی (تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے)

ترجمه: ل اسلئے کہ عید دوبارہ ادا نہیں کی جا سکتی۔

وجه: (۱) نماز عید بھی امام کے ساتھ فوت ہو جائے تو دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اور وضو کے لئے جائے گا تو نماز فوت ہو جائے گی۔ اس لئے گویا کہ پانی پر قدرت نہیں ہے۔ اس لئے تیمّم کر کے نماز عید پڑھ سکتا ہے۔ باقی دلائل اوپر گزر گئے (۲) عن ابراهيم قال يتيمم للعيدين والجنازة (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳۹ لرجل یحدث یوم العید ما یصنع، ج ثانی ص ۹، نمبر ۵۸۶۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ اور عید کے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کر کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه: ۲ اور متن میں یہ قول کہ ولی اسکے علاوہ ہو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ولی کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھے، یہی امام ابو حنیفہؒ سے حضرت حسنؒ کی روایت ہے اور یہی صحیح ہے اسلئے کہ ولی کو نماز جنازہ لوٹانے کا حق ہے اسلئے

حق الاعادة فلا فوت فی حقه (۱۰۰)وان احدث الامام او المقتدی فی صلوۃ العید تیمم وبنی عند ابی حنیفة، وقالا: لا یتیمم ﴾ ۱؎ لان اللاحق یصلی بعد فراغ الامام فلا یخاف الفوت ۲؎ وله ان الخوف باق

اسکے حق میں فوت ہونا نہیں ہے۔

تشریح : مسئلہ نمبر ۹۸ میں تھا کہ ولی میت کے علاوہ ہو اور جنازے کے فوت ہونے کا خوف ہو تو وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے، اس سے اشارہ ملتا ہے کہ خود ولی کو خوف ہو کہ جنازہ فوت ہو جائے گی تو وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ ولی سے نماز جنازہ فوت ہو جائے تو وہ دوبارہ نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے اسلئے اسکے حق میں فوت ہونے کا خوف نہیں ہے، اسلئے وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتا۔ حضرت حسنؒ کی امام ابو حنیفہؒ سے یہی روایت ہے۔

اصول : اس مسئلہ کی بنیاد اس اصول پر ہے کہ جسکے حق میں نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو وہ تیمّم کر کے نماز جنازہ پڑھ سکتا ہے ورنہ نہیں۔

ترجمہ : (۱۰۰) اور اگر امام نے یا مقتدی نے عید کی نماز میں حدث کر دیا تو تیمّم کرے اور بناء کرے امام ابو حنیفہؒ، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ تیمّم نہ کرے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ لاحق امام کے فارغ ہونے کے بعد نماز پوری کرلے گا اسلئے نماز عید کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے۔

تشریح: وضو کر کے امام یا مقتدی عید کی نماز پڑھ رہے تھے کہ درمیان میں حدث ہو گیا تو امام ابو حنیفہؒ کی رائے ہے کہ چونکہ وضو کرنے جائے گا تو نماز عید کے فوت ہونے کا خوف ہے اسلئے وہیں تیمّم کرے اور نماز پوری کرلے۔

وجہ: اثر میں ہے کہ تیمّم کر کے نماز پوری کرے۔ **عن عبد الرحمن بن قاسم فی الرجل یحدث فی العید و یخاف الفوت قال : یتیمم و یصلی اذا خاف** ،(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۳۹ فی من یحدث یوم العید ما یصنع، ج ثانی، ص ۱۰، نمبر ۵۸۶۸)اس اثر میں ہے کہ نماز عید میں حدث ہو جائے تو تیمّم کر کے نماز پوری کرے۔

اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ تیمّم نہ کرے اسلئے کہ یہ آدمی لاحق ہے اسلئے امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی نماز پوری کرلے گا اسلئے نماز عید کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے۔ اور جب فوت ہونے کا خوف نہیں ہے تو تیمّم کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ: اثر میں ہے۔ **عن الحسن فی الرجل یحدث یوم العید قال : یطلب الماء فلیوضأ و لا یتیمم** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۳۹ فی من یحدث یوم العید ما یصنع، ج ثانی، ص ۱۰، نمبر ۵۸۶۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ تیمّم نہ کرے بلکہ وضو کر کے نماز پڑھے۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ نماز ٹوٹنے کا خوف باقی ہے اسلئے کہ عید کا دن بھیڑ کا دن ہے اسلئے اس پر کوئی عارض

لانہ یوم زحمة فیعتریه عارض یفسد علیه صلوته ۳؎و الخلاف فیما اذا شرع بالوضوء، و لو شرع بالتیمم تیمم و بنی بالاتفاق لانا لو اجبنا الوضوء یکون واجداً للماء فی صلاته فیفسد (۱۰۱) ولایتیمم للجمعة وان خاف الفوت لو توضأ، فان ادرک الجمعة صلاها، و الا صلی الظهر اربعاً ﴾

پیش آسکتا ہے اور نماز فاسد ہوسکتی ہے۔

تشریح : یہ جملہ صاحبین کی دلیل کا جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ عید کی نماز کے درمیان حدث کرنے والا لاحق ہے یعنی امام کے ساتھ متصل ہے امام کے فارغ ہونے کے بعد بھی وضو کر کے نماز پوری کرسکتا ہے اسلئے عید کی نماز کے فوت ہونے کا خوف نہیں ہے اسلئے وہ تیمّم نہیں کرسکتا ہے۔اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ عید کی نماز میں بہت بھیڑ ہوتی ہے اسلئے ایسا ہوسکتا ہے کہ وضو کرنے جائے تو بھیڑ کی وجہ سے نماز ٹوٹ جائے اور امام کی نماز کے ساتھ متصل نہ رکھ سکے،اور چونکہ عید کی نماز اکیلے دوبارہ نہیں پڑھ سکتا اسلئے نماز کے فوت ہونے کا زبردست خطرہ ہے اسلئے اپنی جگہ پر تیمّم ہی کر کے نماز پڑھ لے۔(۲) اسکے لئے اثر اوپر گزر چکا ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور خلاف اس صورت میں ہے جب وضو کر کے نماز شروع کیا ہو،اور اگر تیمّم سے نماز عید شروع کی ہو تو تیمّم کرے اور بالاتفاق بناء کرے۔اسلئے کہ اگر ہم وضو کو واجب کرتے ہیں تو وہ نماز میں پانی کو پانے والا ہوگا جسکی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : اوپر کا اختلاف اس صورت میں ہے کہ وضو کر کے نماز عید شروع کی ہو پھر حدث ہوگیا ہو تو تیمّم کرے یا نہ کرے اس بارے میں اختلاف تھا،لیکن اگر تیمّم ہی کر کے نماز عید شروع کی ہو اور درمیان میں حدث پیش آجائے تو سب کی رائے ہے کہ تیمّم کر کے ہی نماز پوری کرے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر وضو کرنے جائے گا تو تیمّم کرنے والا درمیان میں پانی پالیا،تو اس سے پہلی نماز فاسد ہو جائے گی،کیونکہ تیمّم کرنے والا پانی پالے تو اصل پر قدرت ہوگئی اسلئے فرع سے پڑھی ہوئی نماز فاسد ہو جائے گی۔اور جب پہلی نماز فاسد ہوگئی تو نہ یہ لاحق رہا اور نہ اسکی نماز امام کے ساتھ متصل رہی،اب وضو کر کے واپس آئے گا تو امام نماز عید سے فارغ ہو چکا ہوگا۔ اسلئے اسکو الگ سے نماز عید پڑھنی ہوگی،اور الگ سے نماز عید پڑھ نہیں سکتا اسلئے نماز فوت ہو جائے گی اسلئے اسکے لئے یہی ہے کہ تیمّم کر کے امام کے ساتھ والی نماز پر بنا کرے،اور اس اثر پر عمل کرے جس میں ہے کہ تیمّم کرے اور بنا کرے۔**عن عبد الرحمن بن قاسم فی الرجل یحدث فی العید و یخاف الفوت قال : یتیمم و یصلی اذا خاف**،(مصنف ابن ابی شیبۃ،۴۳۹ فی من یحدث یوم العید ما یصنع ، ج ثانی،ص۱۰،نمبر ۵۸۶۸)اس اثر میں ہے کہ نماز عید میں حدث ہو جائے تو تیمّم کر کے نماز پوری کرے۔

ترجمہ : (۱۰۱)اور جمعہ کے لئے تیمّم نہ کرے اگر چہ اگر وضو کرے گا تو نماز کے فوت ہونے کا خوف ہو،پس اگر جمعہ پایا تو وہ پڑھے گا ورنہ چار رکعت ظہر پڑھے گا۔

ل لانها تفوت الی خلف وهوالظهر، بخلاف العید (۱۰۲) وکذا اذا خاف فوت الوقت لو توضأ لم یتیمم و یتوضأ و یقضی ما فاته﴾ ل لان الفوات الی خلف وهو القضاء (۱۰۳) والمسافر اذا نسی الماء فی رحله فتیمم و صلی ثم ذکر الماء لم یعد ھا عند ابی حنیفہؒ و محمد، و قال ابو یوسفؒ یعیدھا﴾

وجـــہ: جمعہ فوت ہوجائے تو اس کا خلیفہ ظہر کی نماز ہے۔اس لئے جمعہ کا فوت ہونا مکمل فوت ہونا نہیں ہے۔اس لئے تیمّم نہیں کریگا بلکہ وضوہی کرے گا۔پس اگر جمعہ مل گیا تو وہ پڑھے ورنہ اس کا خلیفہ ظہر پڑھے۔اس اثر سے استدلال ہے۔سـئـل عـن الحسن عن رجل احدث یوم الجمعة فذهب لیتوضأ فجاء وقد صلی الامام قال یصلی اربعا (مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۰۸ الرجل یحدث یوم الجمعۃ، ج اول، ص ۴۸۴، نمبر ۵۵۷۹) اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے لئے وضو کرے، پس اگر وہ مل جائے تو جمعہ پڑھے ورنہ تو چار رکعت ظہر پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ جمعہ فوت ہوتا ہے خلیفہ چھوڑ کر اور وہ ظہر ہے بخلاف نماز عید کے۔

تشریح: جمعہ فوت ہوجائے تو اسکا خلیفہ ظہر ہے اسلئے گویا کہ وہ فوت نہیں ہوا اسلئے اسکے لئے تیمّم نہ کرے، بخلاف نماز عید کے کہ اسکا کوئی خلیفہ نہیں ہے اسلئے اسکے فوت ہونے کا خوف ہو تو تیمّم کرکے نماز عید پڑھ لے

اصول: جو نماز فوت ہوجائے اور اس کا نائب نہ ہو اس کے لئے تیمّم کرسکتا ہے اور جس کا نائب ہو اس کے لئے تیمّم نہ کرے۔

ترجمہ: (۱۰۲) ایسے ہی اگر وقت تنگ ہوجائے۔پس ڈر ہو کہ اگر وضو کرے گا تو وقت فوت ہوجائے گا۔پھر بھی تیمّم نہ کرے بلکہ وضو کرے اور نماز قضا کرکے پڑھے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ فوت ہونا خلیفہ کی طرف ہے، اور وہ قضا پڑھنا ہے۔

تشریح: کسی نے نماز میں اتنی تاخیر کی کہ وقت تنگ ہوگیا، اب اگر وضو کرنے جاتا ہے تو نماز ادا نہیں پڑھ سکے گا قضا پڑھے گا، اور تیمّم کرکے نماز پڑھے گا تو ادا پڑھ سکے گا، ایسی صورت میں وہ تیمّم کرکے ادا نہ پڑھے بلکہ وضو کرے اور قضا پڑھے۔

وجہ:۔یہاں وقت تنگ ہونے کی وجہ سے نماز قضا ہوگی۔اور قضا ادا کا خلیفہ ہے۔اس لئے نماز مکمل فوت نہیں ہوئی۔اس لئے وضو کرے گا۔اور وقت فوت ہوگیا تو قضا نماز پڑھے گا۔ اصول اوپر گزر گیا۔

ترجمہ: (۱۰۳) اگر مسافر پانی اپنے کجاوہ میں بھول گیا اور تیمّم کیا اور نماز پڑھی پھر وقت میں پانی یاد آیا تو اپنی نماز نہیں لوٹائیگا امام ابو حنیفہ اور محمد رحمہما اللہ کے نزدیک۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا نماز لوٹائے گا۔

تشریح: مسافر کے کجاوے میں پانی تھا لیکن بھول کر تیمّم کرلیا اور نماز پڑھ لی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دوبارہ وضو

۱؎ والخلاف فیما اذا وضعہ بنفسہ او وضعہ غیرہ بامرہ ، وذکرہ فی الوقت و بعدہ سواء ۲؎ لہ انہ واجد للماء فصار کما اذا کان فی رحلہ ثوب فنسیہ ۳؎ ولان رحل المسافر معدن للماء عادۃ فیفترض الطلب

کر کے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کجاوہ میں عموما پینے کا پانی رکھتے ہیں، استعمال کرنے کے لئے اور وضو کرنے کے لئے پانی نہیں رکھتے اسلئے اگر پانی بھول گیا تو وہ معذور ہے اسلئے وضو کر کے دوبارہ نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ کجاوہ پانی یاد دلانے والا نہیں ہے۔

اصول: کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور اختلاف اس صورت میں ہے کہ پانی کو خود رکھا ہو، یا دوسرے نے اسکے حکم سے رکھا ہو، پھر وقت میں یاد آیا ہو یا وقت کے بعد یاد آیا ہو دونوں برابر ہیں۔

تشریح: کجاوے میں پانی خود رکھا ہو یا اسکے حکم سے رکھا تب تو یہ اختلاف ہے کہ نماز لوٹائے یا نہیں، لیکن اگر اسکو بتلائے بغیر کسی اور نے پانی اسکے کجاوے میں رکھا ہو اور اس نے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو بعد میں معلوم ہونے کے بعد نماز نہیں لوٹائے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکو کیا پتہ کہ اسکے کجاوے میں پانی ہے اسلئے یہ پانی پانے والا نہیں ہوا اسلئے یہ معذور ہے اسلئے اسکو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ مسافر پانی کو پانے والا ہے تو ایسا ہو گیا جیسا کہ کجاوے میں کپڑا ہو اور بھول گیا ہو۔ تو دوبارہ نماز پڑھنی پڑتی ہے ایسے ہی یہاں دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اسکے کجاوے میں حقیقت میں پانی تو ہے اسلئے یہ پانی پانے والا ہے اسلئے بھول کر نماز پڑھ لی تو نماز دہرانی ہوگی۔ جس طرح کجاوے میں کپڑا موجود ہو اور بھول کر کپڑے کے بغیر نماز پڑھ لی تو کپڑا پہن کر اور ستر ڈھانک کر دوبارہ نماز پڑھنی ہوگی، اسی طرح یہاں وضو کر کے نماز دہرانی ہوگی۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور اسلئے کہ مسافر کا کجاوہ عادۃ پانی رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اسلئے تلاش کرنا فرض ہوگا۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کی دوسری دلیل عقلی ہے۔ کہ مسافر کا کجاوہ عادۃ پانی رکھنے کی جگہ ہوتی ہے اسلئے اسکو ایک مرتبہ کجاوہ تلاش کر لینا چاہئے لیکن بغیر تلاش کئے تیمّم کر کے نماز پڑھ لی تو یہ اسکی غلطی ہے اسلئے اسکو پانی پانے والا قرار دیکر نماز دہرانی ہوگی۔

اصول: کجاوہ کی حالت پانی کو یاد دلانے والی ہے۔

۴ولهما انه لاقدرة بدون العلم وهی المراد بالوجود ۵و ماء الرحل معدن للشرب لا للاستعمال، ۶و مسألة الثوب علی الاختلاف، و لو کان علی الاتفاق ففرض الستر یفوت لا الی خلف، و الطهارة بالماء تفوت الی خلف و هو التیمم. (۱۰۴) و لیس علی المتیمم طلب الماء اذا لم یغلب

ترجمه: ۴ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ بغیر علم کے اسکو قدرت نہیں ہے اور پانی کے پانے سے یہی مراد ہے۔

تشریح: یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب بھول گیا تو اسکو پانی کا علم ہی نہیں ہے، اور آیت میں پانی پانے کا مطلب یہ ہے کہ اسکو پانی کا علم ہو اسلئے وہ پانی پانے والا نہیں ہوا اسلئے نماز نہیں دہرائے گا۔

ترجمه: ۵ اور کجاوے کا پانی پینے کا معدن ہے استعمال کے لئے نہیں۔

تشریح: یہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ کجاوہ پانی کا معدن ہے، تو جواب دیتے ہیں کہ معدن تو ہے لیکن پینے کے پانی کا معدن ہے وضو کے پانی کا معدن نہیں ہے، اسلئے آدمی کو خیال بھی نہیں آسکتا ہے کہ کجاوے میں وضو کا پانی ہے اسلئے پانی بھول گیا تو وہ معذور ہے۔

ترجمه: ۶ اور کپڑے کا مسئلہ اختلاف پر ہے، اور اگر اتفاق پر بھی ہو تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ ستر کا فرض فوت ہوگا اور اسکا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور پانی سے طہارت فوت ہوگا خلیفہ چھوڑ کر اور وہ تیمّم ہے۔

تشریح: یہ بھی امام ابو یوسفؒ کے استدلال کا جواب ہے، انہوں نے استدلال کیا تھا کہ کجاوے میں کپڑا بھول جائے اور نماز پڑھ لے تو نماز دہرانی پڑتی ہے، اسی پر قیاس کرتے ہوئے کجاوے میں پانی بھول جائے تو نماز دہرانی چاہئے۔ اسکا جواب دیتے ہیں کہ کپڑے کے بارے میں بھی ہماری رائے یہی ہے کہ بھول کر بغیر ستر ڈھانکے نماز پڑھ لے تو اسکو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے، اور مسئلہ اختلاف پر ہے، لیکن اگر مسئلہ اتفاق پر ہو اور کپڑا بھولنے پر اور ستر ڈھانکے بغیر نماز پڑھنے پر نماز دہرانی پڑے تو دونوں میں فرق یہ ہے کہ ستر ڈھانکنا چھوڑ دیا تو اسکا کوئی بدل نہیں ہے، اور وضو کرنا چھوڑ دیا تو اسکا بدل تیمّم موجود ہے کہ اسنے تیمّم کر کے نماز پڑھی ہے تو چونکہ خلیفہ پر عمل کیا ہے اسلئے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

اصول: یہ مسئلہ اصول پر مبنی ہے کہ پانی کا بھولنا عذر ہے یا نہیں۔ طرفین کے نزدیک عذر ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک عذر نہیں ہے۔

لغت: رحل : کجاوہ۔ معدن: کسی چیز کے رہنے کی جگہ۔ خلف: خلیفہ۔

ترجمه: (۱۰۴) تیمّم کرنے والے پر پانی تلاش کرنا ضروری نہیں ہے جب کہ اس کو غالب گمان نہیں ہے کہ اس کے قریب پانی ہے۔

على ظنه ان بقربه ماء﴾ ؎ لان الغالب عدم الماء فى الفلوات و لا دليل على الوجود فلم يكن واجداً
(۱۰۵) و ان غلب على ظنه ان هناک ماء لم يجز له ان يتيمم حتى يطلبه﴾

وجه : (۱) جنگل اور صحرا میں ہے اور قرب وجوار میں پانی کے آثار نہیں ہیں اور غالب گمان نہیں ہے کہ ایک میل کے اندر پانی ملے گا تو حقیقی طور پر بھی پانی پانے والا نہیں ہے اور آثار سے بھی پانی پانے والا نہیں ہے۔ اس لئے اس پر پانی کا تلاش کرنا ضروری نہیں ہے (۲) اس کا اندازہ حضرت عبداللہ ابن عمرؓ کے عمل سے بھی ہوتا ہے **عن نافع انه اقبل هو و عبد الله بن عمر من الجرف حتى اذا كانا بالمربدنزل عبد الله فتيمم صعيدا طيبا فمسح بوجهه ويديه الى المرفقين ثم صلى**۔ (مؤطا امام مالک، باب العمل فی التیمم ص ۴۱) اور بخاری کی اسی حدیث میں اتنی عبارت زیادہ ہے **ثم دخل المدينة والشمس مرتفعة فلم يعد**۔ (بخاری شریف، باب التیمم فی الحضر اذا لم یجد الماء ص ۴۸، نمبر ۳۳۷) ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے معلوم ہوا کہ اگر پانی دور ہو اور قریب میں ملنے کی امید نہ ہو تو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت عبداللہ بن عمر نے نہ مدینہ تک پانی تلاش کیا اور نہ مدینہ آنے کے بعد نماز لوٹائی۔

ترجمه : ؎ اسلئے کہ غالب گمان یہ ہے کہ بیاباں میں پانی نہیں ہوتا، اور پانی موجود ہونے پر کوئی دلیل نہیں اسلئے وہ پانی پانے والا نہیں ہے۔

تشريح : غالب گمان یہ ہے کہ وسیع بیاباں اور صحرا میں پانی نہیں ہوتا، اور پانی ملنے کی کوئی علامت بھی نہیں ہے اور نہ غالب گمان ہے کہ پانی ملے گا تو ایسی صورت میں پانی تلاش کرنا اور اسکے لئے نماز موخر کرنا ضروری نہیں ہے، البتہ تلاش کرلے تو اچھا ہے۔

ترجمه : (۱۰۵) اور اگر اس کو غالب گمان ہے کہ یہاں (قریب میں) پانی ہے تو اس کے لئے جائز نہیں ہے کہ تیمّم کرے یہاں تک کہ پانی کو تلاش کرے۔

وجه : (۱) غالب گمان یہ کہ پانی پانے کی علامت ہے۔ اس لئے پانی پاتے وقت تیمّم نہیں کرسکتا جب تک کہ پانی تلاش کرنے کے بعد یہ یقین نہ ہو جائے کہ ایک میل کے اندر پانی نہیں ہے (۲) حضرت علیؓ کا قول بھی ہے **عن على اذا اجنب الرجل فى السفر تلوم ما بينه وبين آخر الوقت فان لم يجد الماء تيمم و صلى** (دارقطنی، باب فی بیان الموضع الذی یجوز التیمم فیہ ج اول ص ۱۹۵ نمبر ۱۰۷ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵ من قال لا یتیمم مارجا ان یقدر علی الماء، ج اول، ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۱) (۳) اثر میں ہے۔ **عن الحسن و ابن سيرين أنهما قالا : لا يتيمم ما رجا أن يقدر على الماء فى الوقت**. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵ من قال لا یتیمم مارجا أن یقدر علی الماء، ج اول، ص ۱۴۸، نمبر ۱۷۰۰) اس اثر میں ہے کہ وقت میں پانی ملنے کی امید ہو تو تیمّم موخر

۱؎ لانه واجد للماء نظرا الى الدليل ۲؎ ثم يطلب مقدار الغلوة و لا يبلغ ميلا كيلا ينقطع عن رفقته.

کرے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ دلیل کی طرف دیکھتے ہوئے وہ پانی کو پانے والا ہے۔یعنی علامت ظاہرہ اور غالب گمان یہ ہے کہ اسکو پانی مل ہی جائے گا اسلئے گویا کہ اس نے پانی پالیا اسلئے اسکے لئے تیمّم مناسب نہیں جب تک پانی تلاش نہ کرلے۔

اصول: علامت ظاہرہ اور غالب گمان پانی پانے کے درجے میں ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ پھر ایک غلوۃ کی مقدار طلب کرے، اور ایک میل دور نہ جائے تا کہ اپنے ساتھیوں سے منقطع نہ ہو جائے۔

تشریح : یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ پانی کتنی دور جا کر تلاش کرے، فرماتے ہیں کہ پانی تلاش کرنے کے لئے ایک میل تک نہ جائے کیونکہ اتنی دور جانے سے سفر کے ساتھیوں سے بچھڑ جائیں گے، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ معلوم ہو کہ پانی ایک میل دور ہے پھر بھی تیمّم کرنا جائز ہے تو ایک میل تک جانے کی یوں بھی ضرورت نہیں ہے ۔اسلئے صرف ایک غلوۃ تک پانی تلاش کرے، مل جائے تو وضو کرلے اور نہ ملے تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے۔

وجہ: غلوۃ کی دلیل اس اثر میں ہے۔عن ابن عمر أنه كان يكون فى السفر فتحضره الصلاة والماء منه على غلوة أو غلوتين و نحو ذالک ثم لا يعدل اليه.(سنن للبیھقی، باب ماروی فی طلب الماء وفی حد الطلب، ج اول ص ۳۵۶ ،نمبر ۱۱۰۴)اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ ایک غلوۃ سے زائد پر پانی تلاش کرنے نہیں جاتے، اسکا مطلب یہ ہوا کہ اس سے کم پر پانی کی امید ہو تو تلاش کرنے جاتے تھے۔

﴿غلوۃ کتنے گز کا ہوتا ہے﴾

درمختار میں ہے کہ غلوۃ تین سو ہاتھ کا ہوتا ہے۔عبارت یہ ہے۔ (قدر غلوة) ثلاث مائة ذراع (ردالمحتار علی درالمختار، مطلب فی تقدیر الغلوۃ، ج اول، ص ۴۶۲) ایک ہاتھ 18 انچ کا ہوتا ہے، یا آدھا گز کا ہوتا ہے اس حساب سے 300 ہاتھ 150 گز ہوا، یعنی ایک غلوۃ 150 گز کا ہوا۔اور میٹر کے حساب سے ایک غلوۃ 137.160 میٹر کا ہوگا

﴿میل شرعی کتنے گز ہوتا ہے﴾

ردالمحتار میں ہے کہ میل شرعی چار ہزار ہاتھ کا ہوتا ہے، اور ایک ہاتھ آدھا گز کا ہوتا ہے اس حساب سے چار ہزار ہاتھ دو ہزار گز ہو، رد محتار میں عبارت یہ ہے۔ و الميل اربعة آلاف ذراع ۔(ردالمحتار علی درالمختار، باب صلوۃ المسافر، ج ثانی، ص ۷۲۵) یعنی دو ہزار گز کا ایک میل شرعی ہوا، اور انگریزی میل صرف 1760 ۱۷۶۰ گز کا ہوتا ہے اسلئے وہ شرعی میل سے 1.1363 چھوٹا ہوتا ہے۔

(۱۰۶) و ان كان مع رفيقه ماء طلب منه قبل ان يتيمم﴾ ۱؎ **لعدم المنع غالبافان منعه يتيمم لتحقق العجز،**

اورمیٹر کے حساب سے ایک شرعی میل 1828.80 میٹر کا ہوگا ، یا 1.8288 کیلومیٹر کا ہوگا۔

﴿ غلوۃ اور میل ایک نظر میں ﴾

فارمولہ				فارمولہ		
کتنے	برابر	کتنے		کتنے	برابر	کتنے
ایک ہاتھ	=	18انچ		ایک میل شرعی	=	2000 گز
300ہاتھ	=	150 گز		ایک میل انگریزی	=	1760 گز
ایک غلوۃ	=	300ہاتھ		ایک میل شرعی	=	1.13636انگریزی میل
ایک غلوۃ	=	150 گز		ایک میل شرعی	=	1828.80 میٹر
ایک میل شرعی	=	4000ہاتھ		ایک میل شرعی	=	1.8288 کیلومیٹر

ترجمہ: (۱۰۶) اور اگر اسکے ساتھی کے پاس زائد پانی ہے تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے مانگے۔

ترجمہ: ۱؎ عموماً منع نہ کرنے کی وجہ سے، پس اگر پانی سے روک دے تو تیمّم کرے عاجزی کے متحقق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : اگر ہمسفر کے پاس زائد پانی ہے تو تیمّم کرنے سے پہلے اس سے مانگے ، کیونکہ عام طور پر ساتھیوں کے پاس زائد پانی ہوتو وہ دے ہی دیتے ہیں اسلئے اس سے مانگ لینا چاہئے ، پس اگر دے دیا تو وضو کرلے اور اگر نہیں دیا تو تیمّم کر کے نماز پڑھ لے، کیونکہ اب تو عاجزی متحقق ہوگئی ، اور یہ بات ثابت ہوگئی کہ پانی نہیں پا رہا ہے۔

وجہ : ایک اثر سے اشارہ ملتا ہے کہ صحابہ کرام نے ساتھیوں سے پانی طلب کیا ہوگا ، اثر یہ ہے **عن عائشة ان رسول الله ﷺ استيقظ وحضرت الصلوة فالتمس الناس الماء فلم يجدوا.** (سنن للبیھقی ، باب اعواز الماء بعد طلبہ ج اول ص ۲۲۳) اس حدیث میں ہے کہ لوگوں نے پانی تلاش کیا ، اسلئے اسکی بھی گنجائش ہے کہ ساتھیوں سے بھی مانگا ہوگا ۔حدیث میں ہے کہ لوگوں نے پانی تلاش کیا ، اسلئے اسکی بھی گنجائش ہے کہ ساتھیوں سے بھی مانگا ہوگا ۔

(۱۰۷)و لو تیمم قبل الطلب اجزاه عند ابی حنیفةؒ ﴿ لانه لا یلزم الطلب من ملک الغیر ۲ وقالالایجزیه لان الماء مبذول عادة. (۱۰۸) ولوابی ان یعطیه الا بثمن المثل وعنده ثمنه لایجزیه التیمم﴾ لتحقق القدرة ۲ ولایلزمه تحمل الغبن الفاحش لان الضرر مسقط

ترجمہ: (۱۰۷) اوراگر مانگنے سے پہلے تیمّم کرلیاتو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز ہوجائے گا۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ دوسرے کے ملک سے طلب کرنا ضروری نہیں ہے۔

تشریح: ساتھیوں سے پانی مانگنے سے پہلے تیمّم کرکے نماز پڑھ لی تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز ہوجائے گی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ پانی دوسرے کی ملکیت ہے اور دوسرے کی ملکیت کو مانگنا آدمی پر واجب نہیں ہوتا اسلئے اس پر پانی مانگنا واجب نہیں تھا اسلئے بغیر مانگے تیمّم کرلیا تو نماز جائز ہوجائے گی۔

ترجمہ: ۲ اورصاحبینؒ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں ہوگی اسلئے کہ پانی لوگ عادۃ دے دیا کرتے ہیں ۔

تشریح: صاحبین فرماتے ہیں کہ لوگ عادۃ پانی دے دیا کرتے ہیں اسلئے دوسرے کی ملکیت میں ہونے کے باوجود گویا کہ وہ اپنی ہی ملکیت میں ہے اسلئے اسکو مانگ ہی لینا چاہئے اور یہ پانی کو پانے والا ہے،اسلئے بغیر پانی مانگے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی۔

اصول: یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ عادۃ مباح چیز اپنی ملکیت ہے یا نہیں۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اپنی ملکیت نہیں ہے اورحضرات صاحبینؒ کے نزدیک دوسرے کی ملکیت کا پانی بھی اپنا ہی ہے۔

لغت: مبذول: بذل سے مشتق ہے خرچ کیا ہوا، گری پڑی چیز جولوگ دے دیا کرتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۰۸) اوراگر پانی دینے سے انکار کرتا ہے مگر مثل قیمت سے اوراسکے پاس اسکی قیمت بھی ہے تو تیمّم جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ا قدرت کے متحقق ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: ساتھی کے پاس پانی ہے لیکن اتنی قیمت مانگتا ہے جو مناسب ہے اوراس آدمی کے پاس اتنی قیمت جیب میں ہے،تو اسکے لئے تیمّم کرکے نماز پڑھنا جائز نہیں ہے، کیونکہ وہ پانی پر قادر ہے،اسلئے اسکے لئے تیمّم کرنا جائز نہیں۔

ترجمہ: ۲ اوراس پر غبن فاحش کا برداشت کرنا لازم نہیں،اسلئے کہ ضرر ساقط ہے۔

تشریح: اگر زیادہ قیمت میں پانی دیتا ہو تو زیادہ قیمت دیکر پانی لینا اور وضو کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ یہ غبن فاحش ہے اور غبن فاحش کا برداشت کرنا آدمی پر ضروری نہیں ہے،آیت ہے لایکلف اللہ نفسا الا وسعھا،(آیت ۲۸۶ سورۃ البقرۃ ۲) اسلئے ایسی صورت میں تیمّم کرے گا اور نماز پڑھے گا۔

﴿باب المسح علی الخفین﴾

(۱۰۹) المسح علی الخفین جائز بالسنة﴾ ۱؎ والاخبار فیہ مستفیضة حتی قیل ان من لم یرہ کان مبتدعاً، لکن من رأہ ثم لم یمسح آخذاً بالعزیمة کان ماجوراً (۱۱۰) و یجوزمن کل حدث موجب للوضوء اذا لبسهما علی طهارة کاملة ثم احدث﴾

﴿موزوں پر مسح کرنے کا بیان﴾

ضروری نوٹ: مسح : کے معنی ہیں تر ہاتھ کو عضو پر پھیرنا، یا کسی چیز پر پھیرنا۔
دلیل عن ابی وقاص عن النبی ﷺ انه مسح علی الخفین. (بخاری شریف، باب المسح علی الخفین ص ۳۳ نمبر ۲۰۲ مسلم شریف، باب المسح علی الخفین ص ۱۳۲، نمبر ۶۲۶/۲۷۴) اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے موزے پر مسح فرمایا۔ مسح علی الخفین کا ثبوت حدیث متواتر سے ہے۔ البتہ اگر۔ وامسحوا برء وسکم وارجلکم الی الکعبین (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) میں ارجلکم کو کسرہ پڑھیں تو امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں مسح علی الخفین کا جواز نکلتا ہے۔ ورنہ اصل آیت میں تو پاؤں کے دھونے کا حکم ہے۔ چونکہ اس کا ثبوت حدیث سے ہے اس لئے مسح علی الخفین کے لئے بہت سے شرائط ہیں۔ مسح علی الخفین کی حدیث چالیس صحابہ سے منقول ہیں۔ اور بلا تاویل اس کا انکار کرنے والا کافر ہے۔ صرف روافض اس کے خلاف ہیں۔

ترجمہ: (۱۰۹) موزے پر مسح جائز ہے حدیث کی وجہ سے۔

ترجمہ: ۱؎ اور احادیث اس میں مشہور ہیں، یہاں تک کہا گیا ہے کہ جو موزے کے مسح کو جائز نہ سمجھے وہ بدعتی ہے، لیکن جو اسکو جائز سمجھے پھر عزیمت پر عمل کرتے ہوئے مسح نہ کرے تو اسکو اجر و ثواب ملے گا۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ موزے پر مسح کرنے کا حکم آیت میں نہیں ہے، اس میں تو پاؤں دھونے کا حکم ہے۔ موزے پر مسح کرنے کا حکم احادیث میں ہے اور اتنے احادیث میں ہے کہ یہ سب مل کر متواتر کا درجہ ہو جاتا ہے۔ اسلئے جو موزے کے مسح کا انکار کرے وہ اہل سنت والجماعت میں سے نہیں ہے۔ صرف شیعہ حضرات اسکا انکار کرتے ہیں۔ البتہ کوئی موزے کے مسح کو جائز سمجھے لیکن عزیمت پر عمل کرنے کے لئے موزے پر مسح نہ کرے تو اسکو ثواب ملے گا۔ موزے پر مسح کے ثبوت کے لئے حدیث اوپر گزر چکی۔

ترجمہ : (۱۱۰) موزے پر مسح جائز ہے ہر وہ حدث سے جو وضو واجب کرنے والا ہو۔ جب کہ موزے کو طہارت کاملہ پر پہنا ہو پھر حدث ہوا ہو۔

تشریح : جن حدث اکبر میں غسل کی ضرورت ہو اس میں موزہ کھولنا ہوگا اور غسل کے ساتھ پاؤں دھونا ہوگا۔ صرف حدث اصغر

لِ اخصه بحدث موجب للوضوء لانه لا مسح من الجنابة علی ما نبین ان شاء الله.

یعنی وضو کے مقام میں موزے پر مسح کرسکتا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو پھر حدث ہوا تب موزہ پر مسح کرسکتا ہے۔ طہارت پر پہننے کی صورت یہ بھی ہے کہ پاؤں پہلے دھولیا پھر موزہ پہن لیا پھر ہاتھ دھویا، منہ دھویا اور سر پر مسح کیا۔ مکمل طہارت کے بعد حدث ہوا تو موزہ پر مسح کرسکتا ہے۔ کیونکہ حدث سے پہلے مکمل طہارت بھی ہے اور موزہ بھی پہنا ہوا ہے۔ غسل کی ضرورت کے وقت موزہ پر مسح جائز نہیں۔

وجه: اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن صفوان بن عسال قال کان رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ایام ولیالیهن الا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم۔ (ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر ص ۱۸، نمبر ۱۲۷) اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہو تو موزے پر مسح نہیں کرسکتا۔

اور دونوں پاؤں کو طہارت پر داخل کیا ہو اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن مغیرة بن شعبة قال کنت مع النبی ﷺ فی سفر فاهویت لا نزع خفیه فقال دعهما فانی ادخلتهما طاهرتین فمسح علیهما۔ (بخاری شریف، باب اذا ادخل رجلیہ وھما طاھرتان ص ۳۳ نمبر ۲۰۶) اس حدیث سے حنفیہ کا مسلک ثابت ہوتا ہے کہ صرف پاؤں کو دھو کر موزہ پہن لیا اور بعد میں باقی اعضاء دھوئے تو جائز ہے۔ کیونکہ آپؐ نے فرمایا دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں۔ (۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ أن سعد بن ابی وقاص خرج من الخلاء فتوضأ و مسح علی خفیه فقیل له : أتمسح علیهما و قد خرجت من الخلاء قال: نعم اذا ادخلت القدمین الخفین و هما طاهرتان فامسح علیهما و لا تخلعهما الا لجنابة ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۲۱۸ من کان لا یوقت فی المسح شیئاً، ج اول، ص ۱۶۸، نمبر ۱۹۳۳ رمصنف عبد الرزاق، باب المسح علی الخفین، ج اول، ص ۱۹۶، نمبر ۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ دونوں پاؤں کو پاکی کی حالت میں داخل کیا ہوں جسکا مطلب یہ ہوا کہ چاہے پورا وضو نہ کیا ہو صرف پاؤں کو پاک کر کے موزے میں داخل کیا ہو تب بھی مسح جائز ہے۔ البتہ جس وقت حدث ہو رہا ہو اس وقت پورا وضو موجود ہو۔

نوٹ: حنفیہ کے نزدیک وضو میں ترتیب واجب نہیں ہے اس لئے بھی موزہ مکمل وضو سے پہلے پہن لے تو مسح جائز ہے۔

ترجمه: لِ خاص کیا اسکو ایسے حدث کے ساتھ جو وضو کو واجب کرنے والا ہو اسلئے کہ جنابت سے مسح نہیں ہے، جیسا کہ ان شاء اللہ ہم بیان کرینگے۔

تشریح: یہاں سے تین باتیں بیان فرما رہے ہیں۔ (۱) مسح ایسے حدث سے جائز ہے جو وضو کو واجب کرنے والا ہو، غسل

۲ وبحدث متاخر لان الخف عهد مانعاً ، ولو جوزناه بحدث سابق کالمستحاضة اذا لبست، ثم خرج الوقت، و المتیمم اذا لبس ثم رأی الماء کان رافعاً.

واجب کرنے والا نہ ہو(۲)وضوکرنے کے بعد موزہ پہنا ہو اور اسکے بعد حدث ہوا ہو،اور اگر حدث موزہ پہننے سے پہلے ہوا ہو البتہ عذر کی وجہ سے یا تیمّم کی وجہ سے چھپا ہوا ہو اور مسح کے بعد حدث ظاہر ہوا ہو تو اس حدث کی وجہ سے مسح نہیں کر سکتے کیونکہ مسح مانع للحدث ہے رافع للحدث نہیں ہے۔(۳)اور تیسری بات یہ فرما رہے ہیں کہ پاؤں کو موزے میں داخل کرتے وقت پاؤں پاک ہو چاہے پورا وضو کیا ہوا نہ ہو۔البتہ جب حدث ہو رہا ہو اس وقت پورا وضو موجود ہو تفصیل آگے دیکھیں۔

پہلی بات اس طرح ہے کہ ۔وضو کے بعد موز پہنا ہو پھر وضو توڑنے والا حدث ہوا ہو تو موزے پر مسح کر سکتا ہے لیکن اگر جنابت ہوگئی، یا حیض آگیا یا نفاس آگیا جو غسل کو واجب کرنے والی چیزیں ہیں تو اس سے مسح نہیں کر سکتا۔اسکے لئے حدیث اوپر گزر چکی۔ الا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم۔(ترمذی شریف،باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف،باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر ص ۱۸،نمبر ۱۲۷)اس حدیث میں ہے کہ جنابت سے مسح نہیں کر سکتا،البتہ پیشاب پیخانہ اور نیند سے مسح کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۲ اور متاخر حدث سے مسح جائز ہے اسلئے کہ موزہ خاص کیا روکنے والا ہو کر اور اگر ہم مسح کرنا پہلے حدث سے جائز قرار دیں،جیسے کہ مستحاضہ عورت جبکہ موزہ پہنی ہو پھر وقت نکل گیا ہو،یا تیمّم کرنے والا جبکہ موزہ پہنا ہو پھر پانی دیکھا ہو تو موزہ اٹھانے والا ہو جائے گا،روکنے والا نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دوسری بات کی تشریح ہے۔یہ اس قاعدے پر ہے کہ موزہ حدث کو مانع۔روکنے والا ہے،حدث کو رافع۔اٹھانے والا نہیں ہے،وضو کر کے موزہ پہنا ہو اب حدث مثلا پیشاب،پیخانہ ہو جائے تو تو موزہ اسکو پاؤں تک سرایت کرنے سے روکے گا جسکی وجہ سے پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں،صرف موزے کے اوپر مسح کرنے سے وضو ہو جائے گا۔لیکن اگر موزہ پہننے سے پہلے پاؤں پر حدث تھا لیکن کسی عذر کی بناء پر ابھی حدث ظاہر نہیں ہو رہا تھا،موزہ پہننے کے بعد عذر ختم ہو گیا اور حدث ظاہر ہو گیا تو چونکہ حدث پہلے سے پاؤں پر سرایت کیا ہوا تھا تو موزہ اس حدث کو اٹھائے گا نہیں کیونکہ موزہ رافع للحدث نہیں ہے،اور اب موزے پر مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔ مثلا مستحاضہ عورت معذور ہے چاہے اسکا خون نکلتا رہے پھر بھی اسکا وضو جائز ہے،اب وہ وضو کر رہی تھی کہ خون آگیا،یا وضو کرنے کے بعد موزہ پہننے سے پہلے خون آگیا اس خون آنے کے باوجود وقت کے نکلنے تک اس وضو سے نماز پڑھ سکتی ہے،لیکن وقت نکلنے کے بعد موزے پر مسح کرنا چاہے تو نہیں کر سکتی کیونکہ موزہ پہننے سے پہلے خون آگیا تھا اور اسکا حدث پاؤں پر سرایت کر چکا تھا اور اس سرایت شدہ حدث کو موزہ اٹھا نہیں سکتا اسلئے اب اس پر مسح نہیں کر سکتا اب تو دوبارہ پورا وضو کرنا ہوگا اور پاؤں

۳؎ وقوله: اذا لبسهما علی طهارة کاملة لا یفید اشتراط الکمال وقت اللبس بل وقت الحدث، و هذا المذهب عند نا، حتی لو غسل رجلیه و لبس خفیه ثم اکمل الطهارة ثم احدث یجزیه المسح

۴؎ وھذا لان الخف مانع حلول الحدث بالقدم، فیراعی کمال الطهارة وقت المنع، حتی لو کانت ناقصة عند ذالک کان الخف رافعاً

دھونا ہوگا۔ یا تیمّم کرنے والا تیمّم کر کے موزہ پہن لیا، تیمّم باقی ہی تھا کہ اس نے پانی پر قدرت پالیا جسکی وجہ سے اسکا تیمّم ختم ہوگیا اب اگر یہ اگلے وضو میں موزے پر مسح کرنا چاہے تو نہیں کرسکتا کیونکہ جس وقت موزہ پہنا تھا اس سے پہلے ہی حدث پاؤں میں سرایت کر چکا تھا صرف تیمّم کی وجہ سے حدث ظاہر نہیں ہورہا تھا، جیسے ہی پانی دیکھا حدث ظاہر ہوگیا، اس حدث کو موزہ اٹھا نہیں سکتا، کیونکہ موزہ رافع للحدث نہیں ہے، دوسری بات یہ ہے کہ تیمّم کر کے جب موزہ پہنا تو پاؤں دھوکر موزہ نہیں پہنا بلکہ بغیر پاؤں دھوئے موزہ پہنا حلانکہ پاؤں دھوکر موزہ پہنا شرط تھی اسلئے بھی اس موزے پر مسح نہیں کرسکتا۔

ترجمه : ۳؎ مصنف کا قول جبکہ دونوں موزوں کو طھارت کاملہ پر پہنا ہو، یہ جملہ پہنتے وقت کامل وضو ہونے کی شرط کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ حدث کے وقت کامل وضو ہو۔ اور یہ ہمارا مذھب ہے، یہاں تک کہ اگر دونوں پاؤں دھولیا اور دونوں موزوں کو پہن لیا بعد میں وضو مکمل کیا اسکے بعد حدث ہوا تو تو مسح کافی ہوجائے گا۔

تشریح : متن میں ہے کہ طھارت کاملہ پر موزہ پہنا ہو (اذا لبسھما علی طھارۃ کاملۃ) مصنف اسکا مطلب یہ فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ جب حدث ہورہا ہو اس وقت طھارت کاملہ ہو، چاہے موزہ پہنتے وقت صرف دونوں پاؤں کو دھویا ہو اور ابھی باقی وضو نہ کیا ہو بعد میں وضو مکمل کیا پھر حدث ہوا تب بھی مسح جائز ہوجائے گا۔ اسلئے موزہ پہنتے وقت مکمل وضو ہونے کی شرط نہیں ہے ۔حدث کے وقت مکمل وضو ہو تب بھی موزے پر مسح کرنا جائز ہوگا ۔اسکی دلیل اوپر تھی۔ أن سعد بن ابی وقاص خرج من الخلاء فتوضأ و مسح علی خفیه فقیل له : أتمسح علیهما و قد خرجت من الخلاء قال: نعم اذا ادخلت القدمین الخفین و هما طاهرتان فامسح علیهما و لا تخلعهما الا لجنابة ۔(مصنف ابن ابی شیبة، باب ۲۱۸ من کان لا یوقت فی المسح شیئاً، ج اول، ص ۱۶۸، نمبر ۱۹۳۳ / مصنف عبدالرزاق، باب المسح علی الخفین، ج اول، ص ۱۹۶، نمبر ۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ صرف دونوں پاؤں پاکی کی حالت میں موزے میں داخل کیا۔

ترجمه : ۴؎ اسلئے یہ موزہ قدم پر حدث کو سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اسلئے مکمل طھارت کی شرط روکتے وقت ہوگی، چنانچہ اگر حدث کے وقت وضو ناقص ہو تو موزہ حدث کو اٹھانے والا بن جائے گا۔

تشریح : حدث کے وقت وضو کامل ہو چاہے موزہ پہنتے وقت صرف پاؤں دھویا ہوا ہو اسکی دلیل عقلی ہے۔ موزے کا کام یہ ہے

(۱۱۱) و یجوز للمقیم یوما و لیلۃ و للمسافر ثلا ثۃ ایام و لیالیھا لقولہ علیہ السلام: یمسح المقیم یوما و لیلۃ و المسافر ثلاثۃ ایام و لیالیھا (۱۱۲) قال:وابتداء ھا عقیب الحدث

کہ حدث کے وقت حدث کو پاؤں پر سرایت کرنے سے روکے، چونکہ حدث کے وقت موزے کو روکنے کی ضرورت ہے اسلئے حدث کے وقت ہی طھارت کامل ہونا چاہئے اس سے پہلے نہ بھی ہو تو کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ اگر حدث کے وقت طھارت کامل نہیں ہے، مثلا ابھی تک ہاتھ نہیں دھویا ہے تو موزہ پہننے سے موزہ ہاتھ پر سرایت شدہ حدث کو نہیں اٹھائے گا، کیونکہ موزہ حدث کو اٹھانے والا نہیں ہے۔ اسلئے حدث کے وقت میں وضو مکمل ہونا چاہئے۔ چاہے اس سے پہلے مکمل نہ ہو۔ اصل دلیل تو اوپر کا اثر ہے۔

فائدہ: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکمل وضو کر کے موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ان کے نزدیک وہ احادیث مستدل ہیں جن میں ہے کہ طہارت پر موزہ پہنا ہو۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الرحمن بن ابی بکرۃ عن ابیہ عن النبی ﷺ أنہ رخص للمسافر ثلاثۃ أیام و لیالیھن ، و للمقیم یوم و لیلۃ ، اذا تطھر و لبس خفیہ أن یمسح علیھما** ۔(دار قطنی ، باب الرخصۃ فی المسح علی الخفین و ما فیہ واختلاف الروایات ، ج اول ، ص ۲۰۲ ، نمبر ۷۳۷ ر سنن للبیھقی ، باب رخصۃ المسح لمن لبس الخفین علی الطھارۃ ، ج اول ، ص ۴۲۲ ، نمبر ۱۳۳۹) اس حدیث میں ہے ۔((**اذا تطھر و لبس**)) کہ پاک ہوا ہو پھر موزہ پہنا ہو ۔جس معلوم ہوا کہ طھارت کاملہ کے بعد موزہ پہنا ہو تب مسح کر سکتا ہے۔

لغت : **عھد** : جسکا عہد ہے، جسکو متعین کیا گیا ہے۔ **مانعا** : روکنے والا۔ **رافعا** : جو پہلے سے سرایت کر گیا ہو اسکو اٹھانے والا ۔**حلول** : داخل ہونا، سرایت کرنا۔

ترجمہ: (۱۱۱) اور جائز ہے مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات، اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات۔ تک مسح کرتا رہے۔

ترجمہ : ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مقیم مسح کرے گا ایک دن اور ایک رات اور مسافر تین دن اور تین رات۔ حدیث یہ ہے۔ **قال اتیت عائشۃ... فقال جعل رسول اللہ ﷺ ثلاثۃ ایام ولیالیھن للمسافر و یوما ولیلۃ للمقیم** ۔(مسلم شریف ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۶۳۹/۲۷۶ ر ابو داود شریف ، باب التوقیت فی المسح ، ص ۲۳ ، نمبر ۱۵۷ ر نسائی شریف ، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم ، ص ۱۸ ، نمبر ۱۲۹) اس حدیث میں ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

نوٹ: جو احادیث تحدید مدت کے خلاف ہیں وہ ضعیف ہیں اور علماء کے یہاں معمول بہا نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۱۱۲) اور مسح کی مدت کی ابتدا حدث کے بعد سے ہوگی۔

تشریح: مثلا فجر کے وقت وضو کیا، اور ظہر کے وقت پیر پر موزہ پہنا، اور عصر کے وقت حدث ہوا، تو عصر کے وقت سے مسح کی

لِلان الخف مانع سراية الحدث فتعتبر المدة من وقت المنع (۱۱۳)والمسح على ظاهرهما خطوطًا بالاصابع،يبدأمن قبل الاصابع الى الساق﴾

مدت شروع ہوگی جو حدث کا وقت ہے۔

وجه: (۱) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن عبد الرحمن بن ابی بکرة عن ابیه عن النبی ؐ أنه رخص للمسافر اذا توضأ و لبس خفیه ثم أحدث وضوءاً أن یمسح ثلاثة أیام و لیالیهن و للمقیم یوما و لیلة ۔(ابن ماجۃ،باب ماجاء فی التوقیت فی المسح للمقیم والمسافر،ص ۸۷،نمبر ۵۵۶) اس حدیث میں ہے ثم احدث وضوءاً،جسکا مطلب یہ ہے کہ وضو کا حدث ہوا ہواس وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی ۔(۲)اثر میں ہے۔عن الثوری فی المسح علی الخفین قال : .....فانک تمسح من الحدث حتی کان العصر ، فانک تمسح علیهما حتی العصر من الغد .(مصنف عبدالرزاق،باب المسح علیهما من الحدث، ج اول،ص ۲۰۹،نمبر ۸۰۷)اس اثر میں ہے کہ حدث سے مسح کی مدت شروع ہوگی،اس سے پہلے نہیں۔آگے دلیل عقلی بھی ہے۔

ترجمه:لِ اسلئے کہ موزہ حدث کو سرایت کرنے سے مانع ہے اسلئے حدث کو روکنے کے وقت سے مدت کا اعتبار کیا جائے گا ۔

تشریح: حدث کے وقت سے مسح کی مدت کا اعتبار کیا جائے گا اسکے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔کہ موزہ حدث کے سرایت کرنے سے روکنے والا ہے اسلئے جس وقت حدث ہوگا اس وقت موزہ حدث کو روکے گا اور اسی وقت سے مسح کی مدت شروع ہوگی اس سے پہلے نہیں۔اسکے لئے حدیث کی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمه: (۱۱۳) اور مسح یہ ہے کہ پاؤں کے ظاہری حصے پر انگلی سے کھینچتے ہوئے،شروع کیا جائے گا پاؤں کی انگلی کی جانب سے پنڈلی تک۔

تشریح: موزوں پر مسح کا طریقہ یہ ہے کہ پاؤں کے اوپر کے حصے پر مسح کیا جائیگا۔نیچے کے حصے پر نہیں کیا جائے گا۔اور تین انگلیوں سے پاؤں کی انگلیوں کی جانب سے کھینچا جائے گا اور کھینچتے کھینچتے پنڈلی تک لے جایا جائے گا۔اور ہاتھ کی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

وجه: (۱)پاؤں کے اوپر مسح کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن علی قال لو کان الدین بالرأی لکان اسفل الخف اولی بالمسح من اعلاه وقد رأیت رسول الله ﷺ یمسح علی ظاهر خفیه (ابوداؤد شریف،باب کیف المسح ص ۲۴ نمبر ۱۶۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پاؤں کے اوپر مسح کرنا ضروری ہے۔اور جس حدیث میں پاؤں کے نیچے مسح کرنا ثابت ہے وہ فضیلت کے طور پر ہے۔اور تین انگلی سے پنڈلی تک کھینچنے کی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جابر .... قال رسول الله ﷺ بیده

۱ لحدیث مغیرة ان النبی علیہ وضع یدیه علی خفیه و مدهما من الاصابع الی اعلاهما مسحة واحدة،وکانی انظر الی اثرالمسح علی خف رسول الله علیہ خطوطاً بالاصابع ۲ ثم المسح علی الظاهر حتم حتی لایجوزعلی باطن الخف،وعقبه،وساقه لانه معدول به عن القیاس فیراعی جمیع ماورد به الشرع

هکذا من اطراف الاصابع الی اصل الساق و خطط بالاصابع. (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ ص۸۷، نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کم سے کم تین انگلیاں ہوں۔

ترجمہ: ۱ حضرت مغیرہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضورؐ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں پاؤں پر رکھا اور دونوں کو پاؤں کی انگلی کی جانب سے اوپر کی طرف ایک مرتبہ کھینچا، اور گویا کہ میں حضورؐ کے موزے کے اوپر مسح کے اثر کو دیکھ رہا ہوں انگلی کے ذریعہ سے خط کھینچے ہوئے کو۔صاحب ہدایہ کی حدیث تقریبا یہ ہے۔عن المغیرة بن شعبة قال : رأیت رسول الله علیہ بال ثم جاء حتی توضأ ثم مسح علی خفیه ووضع یده الیمنی علی خفیه الایمن و یده الیسری علی خفیه الأیسر ثم مسح أعلاهما مسحة واحدة حتی کأنی أنظر الی أصابع رسول اللهؐ علی الخفین ۔(سنن للبیھقی، باب الاقتصار بالمسح علی ظاہر الخفین، ج اول، ص ۴۳۶، نمبر ۱۳۸۵) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کو مسح کرتے دیکھا کہ موزے کے اوپر کے حصے پر مسح فرمایا اور پاؤں کی انگلی کی جانب سے کھینچتے ہوئے اوپر لے گئے۔ایسا لگتا ہے کہ ابھی بھی حضورؐ کی انگلیوں کو موزے کے اوپر دیکھ رہا ہوں ۔

لغت: خطوطا : خط کی طرح کھینچتے ہوئے، الساق : پنڈلی

ترجمہ: ۲ پھر مسح پاؤں کے اوپر کے حصے پر ضروری ہے، یہاں تک کہ موزے کے نچلے حصے پر، اور اسکی ایڑی پر، اور اسکی پنڈلی پر مسح جائز نہیں ہے، اسلئے کہ مسح قیاس سے الگ ہے اسلئے ان تمام باتوں کی رعایت کی جائے گی جسکے بارے میں شریعت وارد ہوئی ہے۔

تشریح : مسح موزے کے اوپر کے حصے پر کرنا ہوگا، چنانچہ موزے کے نیچے، یا موزے کی ایڑی کے حصے، یا موزے کی پنڈلی کے حصے پر مسح کرے گا تو مسح نہیں ہوگا۔اسکی دلیل یہ دیتے ہیں کہ موزے پر مسح خلاف قیاس ہے اسلئے احادیث میں جن جن باتوں کی شرط کے ساتھ مسح مشروع ہے انہیں شرطوں کے ساتھ مسح جائز ہوگا، اور اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ حضورؐ نے موزے کے اوپر مسح فرمایا اسلئے موزے کے اوپر ہی مسح ضروری ہوگا اسکے علاوہ پر مسح کرے گا تو مسح ہی نہیں ہوگا۔ عن علی قال لو کان الدین بالرأی

۳؎ والبداية من الاصابع استحباب اعتبارا بالاصل و هو الغسل. ۴؎ وفرض ذالک مقدار ثلاث اصابع من اصابع اليد، و قال الكرخیؒ من اصابع الرجل، والاول اصح اعتباراً لآلة المسح

لكان اسفل الخف اولى بالمسح من اعلاه وقد رأيت رسول الله ﷺ يمسح على ظاهر خفيه ۔(ابوداؤد شریف، باب کیف المسح ص۲۴ نمبر۱۶۲)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے موزے کے اوپر مسح فرمایا۔

فائدة : بعض حدیث میں ہے کہ آپؐ نے موزے کے نیچے کے حصے پر مسح فرمایا۔**عن المغيرة بن شعبة أن رسول الله ﷺ مسح أعلى الخف و أسفله** ۔(ابن ماجہ شریف، باب فی مسح أعلی الخف أسفلہ ،ص ۸۷، نمبر ۵۵۰ /ابوداود شریف، باب کیف المسح ،ص ۲۴، نمبر ۱۶۵)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے موزے کے نچلے حصے پر مسح فرمایا،لیکن اس پر علماء کا عمل نہیں ہے، کیونکہ نچلے حصے پر مسح کرنا استحبابی طور پر ہے ۔

ترجمه: ۳؎ اورانگلی سے شروع کرنا مستحب ہے اعتبار کرتے ہوئے اصل کا اور وہ غسل ہے۔

تشریح: پنڈلی کی جانب سے مسح شروع کرے اور پاؤں کی انگلی تک لائے تب بھی مسح ہو جائے گا،البتہ مستحب یہ ہے کہ پاؤں کی انگلی کی جانب سے شروع کرے اور پنڈلی تک کھینچتے کھینچتے لے جائے۔ (۱)اسلئے کہ پاؤں دھونا جو وضو کی اصل ہے اس میں بھی مستحب یہی ہے کہ انگلی کی جانب سے شروع کرے اور دھوتے دھوتے پنڈلی تک لے جائے اسلئے فرع یعنی مسح میں بھی انگلی سے شروع کرنا مستحب ہے۔(۲)اوپر حدیث میں گزر چکا ہے کہ آپؐ نے مسح کو انگلی سے شروع کی،حدیث یہ ہے۔**عن جابر .... قال رسول الله ﷺ بيده هكذا من اطراف الاصابع الى اصل الساق و خطط بالاصابع.** (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ ،ص ۸۷، نمبر ۵۵۱)اس حدیث میں اصابع سے پنڈلی تک کھینچنے کا تذکرہ ہے۔

ترجمه : ۴؎ اور اسکا فرض ہاتھ کی انگلی سے تین انگلیوں کی مقدار ہے۔اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ کہ پاؤں کی انگلی سے،لیکن اول صحیح ہے مسح کے آلے کا اعتبار کرتے ہوئے۔

تشریح: مسح کے لئے ہاتھ کی تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

وجه : اوپر حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہاتھ کی انگلیوں سے کھینچا۔حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن جابر .... قال رسول الله ﷺ بيده هكذا من اطراف الاصابع الى اصل الساق و خطط بالاصابع.** (ابن ماجہ شریف، باب فی مسح اعلی الخف واسفلہ ،ص ۸۷، نمبر ۵۵۱) اس حدیث میں ہے **و خطط بالاصابع** ، اور اصابع جمع کا صیغہ ہے جسکا کم سے کم درجہ تین انگلیاں ہیں اسلئے تین انگلیوں کی مقدار کھینچنا فرض ہے۔

اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار فرض ہے،لیکن صحیح بات یہ ہے کہ ہاتھ کی انگلیوں کی مقدار فرض ہے اسلئے کہ

(۱۱۴) و لا يجوز المسح على خف فيه خرق كثير يتبين منه قدر ثلا ث اصابع من اصابع الرجل، و ان كان اقل من ذالک جاز ﴿ ا وقال زفر والشافعیؒ لا يجوز و ان قل لانه لما وجب غسل البادی يجب غسل الباقی

اوپر کی حدیث میں ہاتھ کی انگلی کا ذکر ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ ہاتھ ہی مسح کا آلہ ہے اسلئے مقدار میں آلے کا اعتبار کرنا زیادہ صحیح ہے، کیونکہ اسی سے کھینچنا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۱۴) مسح نہیں جائز ہے ایسے موزے پر جس میں بہت زیادہ پھٹن ہو۔ اس سے پاؤں کی تین انگلیوں کی مقدار ظاہر ہوتی ہو۔ اور اگر اس سے کم ظاہر ہوتی ہو تو مسح جائز ہے۔

وجہ: اصل یہ ہے کہ موزہ اگر پاؤں سے کھل جائے تو پورا موزہ کھول کر پاؤں دھونا پڑتا ہے۔ اب تین انگلی پھٹنا بھی موزہ کا کھلنا ہے۔ کیونکہ چوتھائی کے بعض مقامات پر کل کا حکم میں ہوتا ہے۔ کیونکہ قدم میں اصل انگلیاں ہیں اور تین انگلیاں اکثر قدم ہے۔ اس لئے تین انگلیوں کی مقدار پھٹنے اور اتنی مقدار ظاہر ہونے سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ قدم کھل گیا۔ اس لئے اب موزہ کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔ موزہ کھلنے سے پاؤں دھونے کی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه**۔ (السنن للبیہقی، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیہما ج اول ص ۴۳۲، نمبر ۱۳۷۰) **سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه واخلع** (السنن للبیہقی، باب الخف الذی مسح علیہ رسول اللہؐ ج اول ص ۴۲۵، نمبر ۱۳۴۷ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم یخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۵۸) اس حدیث میں ہے کہ موزے میں پھٹن ہو اور پاؤں نکل جاتا ہو تو اس پر مسح نہ کرے اور کھول کر پاؤں دھوئے۔

نوٹ: اگر تین انگلیوں سے کم کی مقدار ایک موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز ہے۔

ترجمہ: ا اور کہا امام زفر اور امام شافعیؒ نے نہیں جائز ہے اگر چہ کم پھٹا ہو اسلئے کہ جب کھلے ہوئے کو دھونا واجب ہے تو باقی کو دھونا بھی واجب ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ تھوڑا سا بھی موزہ پھٹا ہو تو اس پر مسح جائز نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تھوڑا سا پھٹا ہے تو اس پر دھونا ضروری ہے تو اسکی وجہ سے باقی پر بھی دھونا ضروری ہو جائے گا۔ (۲) اوپر کا اثر بھی انکا مستدل ہے کہ پاؤں ظاہر ہو جائے تو پورے موزے کو کھول کر پاؤں دھوئے۔ اثر یہ ہے ۔**عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه** ۔(السنن للبیہقی، نمبر ۱۳۷۰) اس اثر میں ہے کہ پاؤں ظاہر ہو جائے تو

۲ ولناان الخفاف لاتخلو عن قليل خرق عادة فيلحقهم الحرج فى النزع، و تخلو عن الكثير فلا حرج. ۳ والكثيران ينكشف قدرثلاث اصابع الرجل اصغرها،هوالصحيح، لان الاصل فى القدم هوالاصابع والثلاث اكثرهافتقام مقام الكل،واعتبارالاصغرللاحتياط ۴ولا معتبربدخول الانامل اذا كان لا ينفرج عند المشى

پوراپاؤں کھول کردھوئے۔

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ موزہ تھوڑے بہت پھٹن سے عادۃ خالی نہیں ہوتا اسلئے لوگوں کو بار بار کھولنے میں حرج ہوگا، اورزیادہ پھٹن سے خالی ہوتا ہے اسلئے اس میں حرج نہیں ہے۔

وجه : (۱) دلیل عقلی یہ ہے کہ۔موزہ عادۃ تھوڑا بہت پھٹا ہوتا ہی ہے اسلئے تھوڑے بہت پھٹے ہونے سے موزے کونکالنالازم کریں تو لوگوں پر حرج لازم ہوجائے گا اسلئے تھوڑے بہت پھٹے ہونے سے بھی مسح درست ہے،البتہ زیادہ پھٹے ہونے سے موزہ خالی ہوتا ہے اسلئے اسکے بارے میں یہ کہا جائے کہ مسح درست نہیں تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے اسلئے موزہ زیادہ پھٹا ہوتو مسح درست نہیں ہوگا اورزیادہ کی مقدار پاؤں کی انگلی سے تین انگلیوں کے برابر ہے۔ (۲) اوپر اثر میں تھا کہ موضع وضوکھل جائے تو اب پورے پاؤں دھوئے،اورموضع وضوتین انگلیوں کی مقدار ہے اس لئے تین انگلیوں کی مقدار کھلے تب پورے پاؤں کوکھولنا ہوگا۔اثر یہ ہے۔ **سألت معمرا عن الخرق يكون فى الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شيء فلا تمسح عليه واخلع** (السنن للبیھقی ،نمبر ۱۳۴۷،مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۱،نمبر ۱۹۵۸) اس اثر میں ہے کہ موضع وضوکھلے تو پوراپاؤں کھولو۔اور موضع وضوکم سے کم تین انگلیاں ہوگی اسلئے تین انگلیوں کی مقدار کھلنے سے مسح جائز نہیں ہوگا۔

ترجمه : ۳ اورکثیر یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی تین انگلیوں کی مقدار کھلے،یہی صحیح ہے اسلئے کہ اصل قدم میں انگلیاں ہیں اور تین انکا اکثر ہیں اسلئے وہ کل کے قائم مقام ہونگے ،اورچھوٹی انگلیوں کا اعتبار احتیاط کے لئے ہے۔

تشریح : متن میں تھا کہ خرق کثیر،زیادہ پھٹن، سے مسح جائز نہیں ہوگا اب اسکی تفصیل فرماتے ہیں کہ خرق کثیر یہ ہے کہ پاؤں کی چھوٹی انگلیوں سے تین انگلیوں کی مقدار پھٹن ہو،اسکی وجہ یہ ہے کہ اصل قاعدہ یہ گزرا کہ پاؤں کھلے تو موزہ نکالنا ہوگا۔اور پاؤں میں اصل انگلیاں ہیں اسلئے انگلیوں کے کھلنے کا اعتبار کیا،اور پانچ انگلیوں میں سے تین انگلیاں اکثر ہیں اسلئے تین انگلیوں کا اعتبار کیا،اور چھوٹی تین انگلیوں کا اعتبار احتیاط کے لئے کرلیا،ورنہ بڑی تین انگلیوں کا اعتبار بھی کر سکتے تھے۔

ترجمه: ۴ اورکوئی اعتبار نہیں ہے پوروں کے داخل ہونے کا اگر چلتے وقت نہ کھلتا ہو۔

تشریح : موزہ اتنا پھٹا ہوا کہ اس سے پوروانگل سکتا ہے لیکن چلتے وقت نکلتا نہیں ہے بلکہ موزہ بند ہی رہتا ہے تو اس پھٹن سے

۵ و یعتبر هذا المقدار فی کل خف علی حدة فیجمع الخرق فی خف واحد و لا یجمع فی خفین لان الخرق فی احدهما لا یمنع قطع السفر بالآخر ۶ بخلاف النجاسة المتفرقة لانه حامل للکل

مسح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے کیونکہ چلتے وقت موزہ کھل جائے تب مسح نا جائز ہوگا۔ کیونکہ پہلے اثر میں ثم یبد ولہ، کا لفظ ہے اور دوسرے اثر میں اذا اخرج من مواضع الوضوء ہے جس سے معلوم ہوا کہ چلتے وقت پاؤں ظاہر ہو جائے تب مسح نا جائز ہوگا۔ دونوں اثر یہ ہیں۔عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه ۔(السنن للبیہقی، نمبر ۱۳۷۰) سألت معمرا عن الخرق یکون فی الخف فقال اذا خرج من مواضع الوضوء شیء فلا تمسح علیه واخلع (السنن للبیہقی، نمبر ۱۳۴۷، مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر 1958) ان اثار سے معلوم ہوا کہ چلتے وقت پاؤں ظاہر ہو تب مسح نا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۵ اور اعتبار کیا جائے گا اس مقدار کا ہر موزے میں الگ الگ تو تمام پھٹن کو جمع کیا جائے گا ایک موزے میں اور نہیں جمع کیا جائے گا دونوں موزے ہیں اسلئے کہ دونوں میں سے ایک میں پھٹن ہو تو دوسرے کے ذریعہ سفر کرنے کو منقطع نہیں کرتا۔

تشریح: ایک ہی موزے کے تمام پھٹن کو جمع کر کے دیکھا جائے کہ تین انگلیوں کے برابر ہو جائے تو مسح کرنا ممنوع ہوگا۔ لیکن دوسرے موزے کے پھٹن کو اس میں شامل نہیں کیا جائے گا دوسرے موزے کا پھٹن دوسرے موزے ہی میں شامل ہوگا۔ چنانچہ دونوں موزوں میں تھوڑا تھوڑا پھٹن ہو اور دونوں کو ملا کر تین انگلی سے زائد ہو لیکن ہر ایک موزے کا پھٹن تین انگلی سے کم ہو تو دونوں پر مسح جائز ہے ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ایک موزے میں بہت پھٹن ہو تو دوسرے موزے کو استعمال کر سکتا ہے اور اس سے سفر کر سکتا ہے، تو جب ایک موزے کا پھٹن دوسرے موزے کو استعمال سے نہیں روکتا، تو ایک موزے کا پھٹن مسح کے لئے بھی دوسرے موزے میں شامل نہیں ہوگا۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: ۶ بخلاف الگ الگ نجاست کے اسلئے کہ آدمی کل کو اٹھانے والا ہے۔

تشریح: نجاست کا معاملہ موزے کے پھٹن سے الگ ہے۔تھوڑی تھوڑی نجاست دونوں موزوں پر لگی ہو تو دونوں نجاستوں کو ایک مانا جائے گا، پس اگر دونوں مل کر ایک درھم کے برابر ہو جائے تو اس میں نماز جائز نہیں ہوگی، یہاں دونوں موزوں کی نجاستوں کو ایک مانا گیا جبکہ پھٹن میں الگ الگ مانا گیا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ نجاست کا معاملہ موزے پر نہیں ہے بلکہ خود آدمی پر ہے کہ ایک ہی آدمی دونوں موزوں کی نجاستوں کو اٹھانے والا ہے۔ چونکہ ایک ہی آدمی دونوں موزوں کی نجاستوں کو اٹھانے والا ہے اسلئے دونوں موزوں کی نجاستوں کو ایک ساتھ ملایا جائے گا یہ بھی دلیل عقلی ہے۔

ے وانکشاف العورة نظیر النجاسة (۱۱۵) ولا یجوز المسح لمن وجب علیه الغسل ﴾ ا لحدیث صفوان بن عسالؓ انه قال: کان رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا ننزع خفافنا ثلثة ایام و لیالیها الا عن جنابة و لکن عن بول او غائط او نوم ۲ و لان الجنابة لا تتکرر عادة فلا حرج فی النزع بخلاف الحدث فانه یتکرر

ترجمہ: ے اور ستر عورت کا کھلنا نجاست کی طرح ہے۔یعنی سب کو ملایا جائے گا۔

تشریح: مثلا دونوں رانوں میں تھوڑا تھوڑا کپڑا پھٹا ہوا ہے جس سے ستر عورت نظر آتا ہے اب دونوں رانوں کے پھٹنوں کو ملایا جائے تو چوتھائی جسم ہو جاتا ہے اور چوتھائی جسم ستر کھل جائے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔لیکن ایک ران کا پھٹن چوتھائی جسم سے کم ہے۔ یہاں دونوں رانوں کے پھٹن کو ملایا جائے گا اور چوتھائی جسم کھلنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔کیونکہ ستر کا معاملہ نجاست کی طرح ہے۔ کیونکہ یہاں بھی تمام پھٹن کو ایک ہی آدمی اٹھائے ہوا ہے اسلئے تمام کو جمع کیا جائے گا۔

لغت: خرق : پھٹن، یتبین : ظاہر ہوتا ہے۔انامل: پوروا، انگلی کا اگلا حصہ۔ینفرج : فرج سے مشتق ہے، کھل جاتا ہے۔

ترجمہ: (۱۱۵) موزے پر مسح جائز نہیں ہے اس آدمی کے لئے جس پر غسل واجب ہے۔

تشریح: اوپر حدیث گزر چکی ہے کہ جن پر جنابت، یا حیض، یا نفاس کا غسل لازم ہو وہ موزے پر مسح نہیں کر سکتا، صرف وہ لوگ موزے پر مسح کر سکتے ہیں جن پر حدث اصغر کا وضو ہو۔

ترجمہ: ا (۱) حضرت صفوان بن عسالؓ کی حدیث کی وجہ سے: انہوں نے کہا کہ حضورؐ ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ اگر ہم سفر میں ہوں تو اپنے موزے کو تین دن اور تین رات تک نہ کھولیں مگر جنابت سے، لیکن پیشاب، اور پیخانہ، اور نیند کی وجہ سے نہ کھولیں۔ حدیث یہ ہے۔عن صفوان بن عسال قال کان رسول الله ﷺ یأمرنا اذا کنا سفرا ان لا تنزع خفافنا ثلثة ایام ولیالیھن الا من جنابة ولکن من غائط وبول ونوم۔(ترمذی شریف، باب المسح علی الخفین للمسافر والمقیم ص ۲۷ نمبر ۹۶ رنسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمسافر، ص ۱۸، نمبر ۱۲۷) اس حدیث میں ہے کہ جنابت ہو تو موزے پر مسح نہیں کر سکتا۔اور حدث اصغر ہو تو کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے بھی کہ جنابت عادۃ بار بار نہیں ہوتی اسلئے موزہ کھولنے میں حرج نہیں ہے بخلاف حدث کے کہ وہ بار بار ہوتا ہے۔

تشریح: جنابت عادۃ دن میں بار بار نہیں ہوتی اسلئے کبھی کبھار جنابت ہونے کے بعد موزہ کھول کر پاؤں دھونے میں حرج نہیں

(۱۱۶) وینقض المسح کل شیء ینقض الوضوء ﴾ لانه بعض الوضوء (۱۱۷) و ینقضه ایضا نزع الخف ﴾ لسرایة الحدث الی القدم حیث زال المانع (۱۱۸) و کذا نزع احدهما ﴾

ہے،اور حدث ایک دن میں کئی بار ہوتا ہے اسلئے بار بار موزہ کھول کر پاؤں دھونے میں حرج ہے اسلئے شریعت نے سہولت کے لئے موزے پر مسح کرنا جائز رکھا۔اسلئے حدث اصغر میں موزہ نہیں کھولا جائے گا اور اکبر میں کھولا جائے گا۔۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: (۱۱۶) مسح کو توڑتی ہے وہ چیزیں جو وضو کو توڑتی ہیں۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے

وجه : جن حدثوں سے وضو ٹوٹتا ہے ان حدثوں سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا اور دوبارہ موزہ پر مسح کرنا ہوگا۔البتہ موزہ کھول کر پاؤں دھونے کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ مدت کے اندر موزہ پر دوبارہ مسح کر لینا کافی ہے۔کیونکہ مسح وضو کا بعض حصہ ہے اس لئے جس سے وضو ٹوٹے گا اس سے مسح بھی ٹوٹ جائے گا۔لیکن موزہ پاؤں سے نکل جائے تو دونوں موزے کھول کر پاؤں دھونا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۱۷) اور موزے کے مسح کو توڑ دیگا موزے کا نکلنا بھی۔

ترجمہ: ل قدم تک حدث کے سرایت کرنے کی وجہ سے اسلئے کہ روکنے والی چیز زائل ہوگئی۔

تشریح : مدت مسح کے اندر بھی موزہ پاؤں سے نکل جائے یا ٹخنے تک آجائے تو مسح ٹوٹ جاتا ہے اب دونوں موزے مکمل نکال کر پاؤں دھوئے۔حدث ہونے اور موزے نکلنے میں یہ فرق ہے کہ حدث ہونے سے صرف دوبارہ مسح کرنا ہوتا ہے،اور موزہ نکلنے سے دونوں پاؤں کو دوبارہ دھونا پڑتا ہے۔

وجه : اسکی ایک وجہ تو یہ حدیث ہے۔ **عن مغیرة بن شعبة قال غزونا مع رسول الله ﷺ فامرنا بالمسح علی الخفین ثلاثة ایام ولیالیها للمسافر ویوما و لیلة للمقیم مالم یخلع** . (سنن للبیھقی، باب من خلع خفیه بعد ما مسح علیھما ،ص۴۳۴،نمبر ۱۳۷۶/مصنف ابن ابی شیبة، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم تخلعھا ،ج اول،ص۱۷۰،نمبر۱۹۶۰) مالم تخلع سے پتہ چلتا ہے کہ موزہ پاؤں سے کھل جائے تو دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا۔(۲) یہ اثر بھی ہے۔ **عن ابراهیم قال : اذا نزعتهما فاغسل قدمیک ، و به یأخذ الثوری** . (مصنف عبد الرزاق، باب نزع الخفین بعد المسح ،ج اول،ص۲۱۰،نمبر۸۱۳)اس اثر میں ہے کہ موزہ کھل جائے تو دونوں پاؤں کو دھوئے۔(۳)اور تیسری دلیل عقلی یہ ہے کہ موزہ نکلتے ہی موزہ جو حدث کو روکنے والی چیز تھی وہ زائل ہوگئی جسکی وجہ سے پرانا حدث قدم تک سرایت کر گیا اسلئے اب پورا موزہ نکال کر دوبارہ پاؤں دھونا ہوگا اور سرایت شدہ حدث کو پاک کرنا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۱۸) ایسے ہی دونوں موزوں میں سے ایک کا کھل جانا۔

لِ لتعذر الجمع بین الغسل و المسح فی وظیفة واحدة. (۱۱۹) و کذا مضی المدة لِ لما روینا (۱۲۰) واذا تمت المدة نزع خفیه و غسل رجلیه و لیس علیه اعادةبقیة الوضوء ﴾

ترجمہ: لِ دھونے اور مسح کو ایک ہی وظیفے میں جمع کرنا متعذر رہونے کی وجہ سے۔

تشریح: دوموزوں میں سے ایک نکل گیا تو دونوں کو کھولنا ہوگا اور دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا۔ یہاں پر ایک کا کھلنا دونوں کا کھلنا ہے

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ دونوں پاؤں ایک طرح کے ہیں اور دونوں کا ایک ہی کام ہے اسکے باوجود ایک کو دھوئے اور ایک پاؤں پر مسح کرے یہ متعذر رہے، اور اچھا نہیں لگتا ہے اسلئے دونوں ہی کو نکال کر دھونا ہوگا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اثر میں ہے کہ دونوں پاؤں کو نکال کر دھونا ہوگا۔ اثر یہ ہے۔ عن رجل من اصحاب النبی ﷺ فی الرجل یمسح علی خفیه ثم یبدو له فینزعهما قال یغسل قدمیه ۔ (السنن للبیھقی، نمبر ۱۳۲۷) اس اثر میں ینزعھما ، اور قدمیه ، تثنیہ کا صیغہ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا، ایک پاؤں دھونا کافی نہیں ہے۔ (۳) اس اثر میں اسکی صراحت ہے۔ عن ابراهیم قال : اذا خلعهما أو أحدهما استأنف الوضوء . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۱ فی الرجل یمسح علی خفیہ ثم تخلعھا، ج اول، ص ۱۷۰، نمبر ۱۹۶۳) اس اثر میں ہے کہ دونوں موزے کھل جائے یا ایک کھل جائے دونوں صورتوں میں شروع سے وضو کرے۔۔ وظیفة واحدة : سے مراد ایک کام ہے۔

ترجمہ: (۱۱۹) اور مدت کا گزرنا بھی مسح توڑتا ہے۔ یعنی مدت گزر جائے تو مسح ٹوٹ جائیگا، اب دوبارہ مسح کرنا ہوگا۔

ترجمہ: (۱۲۰) پس جب مدت گزر جائے تو دونوں موزوں کو کھولے اور دونوں پاؤں کو دھوئے اور نماز پڑھے۔ اور اس پر باقی وضو کو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

تشریح: اوپر کی کئی حدیثوں میں گزر چکا ہے کہ مقیم کے لئے ایک دن ایک رات اور مسافر کے لئے تین دن اور تین رات مدت مسح ہے۔ پس یہ مدت مسح پر گزر جائے تو مسح کا وقت ختم ہو جائے گا۔ کیوں کہ موزہ حدث کے لئے مانع تھا۔ وقت گزرنے پر مانع ختم ہو گیا اور حدث پاؤں کے اندر سرایت کر گیا اس لئے موزہ کھولنا ہوگا اور پاؤں دھونا ہوگا۔

وجہ: اس حدیث، اور اثر میں ہے کہ مدت گزر جانے کے بعد مسح ٹوٹ جائے گا۔ عن عبد الرحمن بن أبی بکرة عن ابیه أن رسول الله ؐ سئل عن المسح علی الخفین فقال : للمسافر ثلاثة أیام و لیالیهن و للمقیم یو م و لیلة)) و کان أبی ینزع خفیه و یغسل رجلیه ۔ (سنن للبیھقی، باب التوقیت فی المسح علی الخفین، ج اول، ص ۴۱۵، نمبر ۱۳۰۸) اس حدیث میں ہے کہ مدت گزرنے کے بعد حضرت ابوبکرۃؓ موزہ کھول دیا کرتے تھے اور دونوں پاؤں کو دھوتے تھے۔ اس حدیث کے اشارے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پہلے سے وضو موجود ہو تو پورا وضو لوٹانے کی ضرورت نہیں صرف پاؤں دھو لینا کافی ہے۔ آگے والے

۱ وكذا اذانزع قبل المدة ۲ لان عندالنزع يسرى الحدث السابق الى القدمين، كانه لم يغسلهما
۳ وحكم النزع يثبت بخروج القدم الى الساق لانه لامعتبر به فى حق المسح
۴ وكذا باكثر القدم، هو الصحيح، (۱۲۱) و من ابتدأ المسح و هو مقيم فسافر قبل تمام يوم و ليلة

اثر سے بھی اسکی تائید ہوتی ہے کہ وضو ہو تو موزہ کھلنے پر صرف پاؤں دھوئے۔ مسئلہ نمبر ۱۱۸ اثر کا ٹکڑا یہ گزرا ۔ فینزعهما قال يغسل قدميه. (سنن للبیھقی ،نمبر ۱۳۷۰)جس کا مطلب یہ تھا کہ صرف دونوں قدموں کو دھونا لازم ہے۔ پورا وضو لوٹانا لازم نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اور ایسے ہی اگر موزہ مدت سے پہلے نکل گیا۔ تو دونوں موزے کھول کر دونوں پاؤں دھوئے۔ دلیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۲ اسلئے موزہ کھلتے وقت پرانا حدث قدم تک سرایت کر گیا تو گویا کہ دونوں قدموں کو دھویا ہی نہیں ۔

یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ جب موزہ نکل گیا اور قدم کھل گیا تو پرانا حدث قدم تک سرایت کر گیا اور ایسا سمجھیں کہ دونوں پاؤں کو دھویا ہی نہیں اسلئے موزہ نکال کر دونوں پاؤں کو دھونا ہوگا ۔ اسکے لئے اثر اوپر گزر گیا ہے۔

ترجمہ : ۳ اور نکلنے کا حکم ثابت ہوگا اس سے کہ قدم موزے کی پنڈلی تک نکل جائے، اسلئے کہ مسح کے حق میں اسکا اعتبار نہیں ہے۔

تشریح : موزے کا کتنا حصہ قدم سے باہر نکل جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا، اس سلسلے میں دو روایتیں پیش کی ہیں۔ ایک تو یہ کہ موزے کا وہ حصہ جو پنڈلی پر لگتا ہے وہاں تک قدم آجائے تو گویا کہ موزہ نکل گیا اور پیر دھونا ہوگا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ موزے کی پنڈلی کا جو حصہ ہے مسح میں اسکا اعتبار نہیں ہے موزے میں وہ حصہ نہ بھی ہو تو مسح جائز ہے اور جب قدم وہاں تک آگیا تو گویا کہ موزہ قدم سے باہر نکل آگیا، اسلئے مسح ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۴ اور ایسے ہی اکثر قدم باہر نکل جائے تو موزے کا نکلنا ہے، صحیح یہی ہے ۔

قدم کا اکثر حصہ موزے کی پنڈلی میں آجائے تو گویا کہ موزہ نکل گیا اور مسح ٹوٹ گیا۔ صحیح یہی ہے، کیونکہ بہت سی جگہ پر اکثر کا حکم کل کا حکم ہے اسلئے اکثر قدم موزے کی پنڈلی میں آگیا تو گویا کہ پورا موزہ نکل گیا۔ اور حدیث کے مطابق۔ مالم يخلع . (سنن للبیھقی ، باب من خلع خفیہ بعد ما مسح علیھما، ص ۴۳۴، نمبر ۱۳۷۶) کا ثبوت ہو گیا۔

امام ابو حنیفہؒ سے ایک تیسری روایت یہ ہے کہ ایڑی کا اکثر حصہ موزے کی پنڈلی میں آجائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔

لغت نزع : نکالے۔ یسری: سرایت کر جائے۔ الساق: پنڈلی، یہاں مراد ہے موزے کی پنڈلی۔

ترجمہ : (۱۲۱) کسی نے مسح شروع کیا اس حال میں کہ وہ مقیم تھا پھر ایک دن ایک رات پورا ہونے سے پہلے سفر شروع کیا تو مسح

مسح ثلاثة ایام و لیالیها﴾ ۱؎ عملاً باطلاق الحدیث ۲؎ و لانه حکم متعلق بالوقت فیعتبر فیه آخر ہ ۳؎ بخلاف ما اذا استکمل المدة للاقامة، ثم سافر لان الحدث قد سری الی القدم، والخف لیس برافع،

کرے گا تین دن تین رات۔

ترجمہ: ۱؎ عمل کرتے ہوئے مطلق حدیث پر۔

وجہ: مقیم نے ایک دن ایک رات پورا کرنے سے پہلے سفر کیا تو حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مسافر بن گیا اس لئے مدت اب لمبی ہو کر مسافر کی مدت پر عمل کرے گا یعنی جب سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات تک پورا کرے گا۔ اور اگر ایک دن اور ایک رات پورا ہو جاتا تو حدث قدم پر سرایت کر جاتا اب وہ اٹھے گا نہیں۔ اب تو پاؤں کھول کر دھونا ہی ہوگا۔ اس صورت میں تین دن پورا نہیں کر سکتا ہے حدیث یہ ہے۔ **قال اتیت عائشة... فقال جعل رسول الله ﷺ ثلاثة ایام و لیالیهن للمسافر و یوما و لیلة للمقیم** ۔(مسلم شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین ص ۱۳۵ نمبر ۶۳۹/۲۷۶/ابو داود شریف، باب التوقیت فی المسح، ص ۲۳، نمبر ۱۵۷/نسائی شریف، باب التوقیت فی المسح علی الخفین للمقیم، ص ۱۸، نمبر ۱۲۹) اس حدیث میں ہے کہ مسافر کے لئے تین دن تین رات اور مقیم کے لئے ایک دن اور ایک رات۔

اصول: حدث قدم پر سرایت کرنے سے پہلے مدت کا حکم بدل سکتا ہے۔ سرایت کرنے کے بعد نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ مسح کا حکم متعلق ہے وقت کے ساتھ اسلئے اعتبار کیا جائے گا آخری وقت کا۔

تشریح: مسح کا حکم وقت کے ساتھ متعلق ہے اسلئے یہ دیکھا جائے گا آخری وقت کا اعتبار ہوگا اور اخیر میں ابھی مقیم کے لئے بھی وقت باقی تھا اسلئے جب وہ مسافر بنا تو مسافرت کا وقت مقیم کے ساتھ مل کر تین دن لمبا ہو جائے گا۔ اور جس وقت سے مسح شروع کیا تھا اس وقت سے تین دن تین رات پوری کرے گا۔

ترجمہ: ۳؎ بخلاف جب کہ اقامت کی مدت پوری کر چکا ہو پھر سفر کیا ہو تو متصل نہیں ہوگا اسلئے کہ حدث قدم تک سرایت کر چکا ہے، اور موزہ حدث کو اٹھانے والا نہیں ہے۔

تشریح: مقیم آدمی ایک رات ایک دن پوری کر چکا ہے اسکے بعد سفر کیا تو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے گا، اور مسافرت کی مدت پوری نہیں کرے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ جیسے ہی اقامت کی مدت ایک دن ایک رات پوری ہوئی تو پرانا حدث قدم میں سرایت کر گیا، اور موزہ سرایت شدہ حدث کو اٹھانے والا نہیں ہے، وہ تو صرف آنے والا حدث کو روکنے والا نہیں ہے اسلئے مدت سفر اسکے ساتھ متصل نہیں ہوگا اور تین دن تین رات پورا نہیں کرے گا۔

(۱۲۲) و لو اقام و هو مسافر ان استکمل مدة الاقامة نزع ﴿ لان رخصة السفر لا تبقی بدونه،
(۱۲۳)و ان لم یستکمل اتمها ﴿ لان هذه مدة الاقامة و هو مقیم (۱۲۴) و من لبس الجرموق
فوق الخف مسح علیه﴿ خلافا للشافعیؒ فانه یقول : البدل لا یکون له بدل،

ترجمہ: (۱۲۲) اگر مسافر آدمی مقیم ہوگیا، اگر اقامت کی مدت پوری کر چکا ہے تو موزہ کو کھولے گا۔

ترجمہ: اسلئے کہ سفر کی رخصت اسکے بغیر باقی نہیں رہتی۔

تشریح: مسافر آدمی تھا اسکو تین دن اور تین رات مدت مسافرت پوری کرنی تھی، لیکن وہ مقیم ہوگیا ، پس اگر مقیم کی مدت ایک دن ایک رات پوری کر چکا ہے تو موزہ کھول کر پاؤں دھوئے ، اسلئے کہ اب وہ مسافر نہیں رہا اسلئے اسکے بغیر مسافرت کی سہولت بھی باقی نہیں رہے گی

ترجمہ: (۱۲۳) اور اگر مدت اقامت پوری نہیں کی ہے تو اسکو پوری کرے۔

ترجمہ: اسلئے کہ یہ مدت اقامت ہے اور وہ مقیم ہے۔

تشریح: سفر میں تھا لیکن مسح کا ایک رات ایک دن پورا نہیں ہوا تھا کہ وہ مقیم ہوگیا تو ایک دن ایک رات پورا کرے، کیونکہ یہ ابھی کم سے کم مقیم ہے اسلئے مدت اقامت پورا کرے گا۔ سب کے دلائل مقیم اور مسافرت والی حدیث ہے جو اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: (۱۲۴) جس نے جرموق کو موزے کے اوپر پہنا تو اس پر مسح کرے گا۔

تشریح:۔ جرموق یا موق چمڑے کے اس موزے کو کہتے ہیں جو اچھے موزے کی حفاظت کے لئے اس کے اوپر پہنتے ہیں، اور جرموق پر مسح کرنے کے لئے وہی شرائط ہیں جو موزے پر مسح کرنے کے لئے ہیں تو گویا کہ دونوں موزے ہی ہیں۔ اس لئے جرموق پر مسح کرسکتا ہے۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے عن انس بن مالکؓ ان رسول الله ﷺ کان یمسح علی الموقین و الخمار. (سنن للبیھقی ، باب المسح علی الموقین ، ج اول، ص ۴۳۲، نمبر ۱۳۶۸/ ابوداؤد شریف ، باب المسح علی الخفین ، ص ۲۳ نمبر ۱۵۳) اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپؐ نے جرموق پر مسح فرمایا۔ اسلئے جرموق پر مسح جائز ہے۔

ترجمہ: خلاف امام شافعیؒ کے، وہ فرماتے ہیں کہ موزہ پاؤں کا بدل ہے اسلئے اب موزے کے لئے بدل نہیں ہوسکتا۔

تشریح: وہ فرماتے ہیں کہ پاؤں کا بدل موزہ ہے جس پر حدیث کی بناء پر خلاف قیاس مسح کرنے کی گنجائش ہوئی اسلئے اب موزے کا بدل جرموق ہو یہ صحیح نہیں ہے۔ موسوعۃ میں ہے۔ ثم احدث فأراد أن یمسح علی الجرموقین ، لم یکن ذالک له۔ (موسوعۃ ، باب من له المسح ، ج اول ، ص ۱۳۸، نمبر ۴۵۵)

۲ و لنا ان النبی ﷺ مسح علی الجرموقین ۳ و لانہ تبع للخف استعمالاً و غرضاًفصار کخف ذی طاقین ۴ وھو بدل عن الرجل لا عن الخف ۵ بخلاف ما اذا لبس الجرموق بعد ما احدث لان الحدث حل بالخف فلا یتحول الی غیرہ ۶ و لو کان الجرموق من کرباس لا یجوز المسح علیہ لانہ لا یصلح بدلا عن الرجل الا ان تنفذ البلة الی الخف،

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضورؐ نے جرموق پر مسح فرمایا۔ یہ حدیث اوپر سنن للبیھقی نمبر ۱۳۶۸/ابوداود، نمبر ۱۵۳) میں گزر گئی ہے۔

ترجمہ : ۳ اوراسلئے کہ جرموق استعمال اور غرض کے اعتبار سے موزے کے تابع ہے اسلئے وہ دوطاق والے موزے کی طرح ہوگیا۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب دے رہے ہیں۔انہوں نے فرمایا تھا کہ جرموق موزے کے بدلے میں موزہ ہوگیا۔تو اسکا جواب یہ دے رہے ہیں کہ یہ موزے کے بدلے میں موزہ نہیں ہے بلکہ جرموق استعمال اور غرض کے اعتبار سے موزے کے تابع ہے، اور جرموق موزے کی حفاظت کے لئے ہے اسلئے جرموق موزے کا بدل نہیں ہوا اصل موزہ ہی رہا، بس یوں سمجھ لیں کہ ایک ہی موزہ دوطاق والا ہے، اور ایک ہی موزہ دوطاق والا ہوتو اس پر مسح کرنا درست ہے اسلئے جرموق پر بھی مسح کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ: ۴ اور جرموق پاؤں کا بدل ہے نہ کہ موزے کا۔

تشریح: یہ دوسرا جواب ہے۔ کہ جرموق موزے کا بدل نہیں ہے کہ کہا جائے کہ پاؤں کا بدل موزہ اور موزے کا بدل جرموق ہو گیا۔ بلکہ جرموق براہ راست پاؤں کا بدل ہے، اسلئے جرموق پر مسح کرنا جائز ہوگا۔

ترجمہ : ۵ بخلاف جبکہ جرموق حدث ہونے کے بعد پہنا ہواسلئے کہ حدث موزے میں سرایت کر گیا اسلئے وہ غیر کی طرف منتقل نہیں ہوگا۔

تشریح: اگر وضو کیا پھر موزہ پہنا پھر حدث ہوا اسکے بعد اس پر جرموق پہنا تو اس جرموق پر مسح نہیں کرسکتا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ حدث موزے پر سرایت کر گیا اسکے بعد اسکے اوپر جرموق پہنا ہے اسلئے حدث موزے سے ہٹ کر جرموق پر نہیں آئے گا۔اسلئے اب جرموق پر مسح نہیں کرسکتا۔البتہ حدث سے پہلے جرموق پہنتا تو جرموق پر مسح کرسکتا تھا۔

ترجمہ : ۶ اوراگر جرموق سوتی کپڑے کا ہوتو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہے اسلئے کہ وہ پاؤں کا بدل بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا، مگر یہ کہ تری موزے تک سرایت کر جائے۔تو مسح کرنا جائز ہوگا۔

تشریح : موزے کے اوپر جو جرموق پہنا ہے وہ چمڑے کے بجائے سوتی کپڑے کا ہوتو اس پر مسح کرنا جائز نہیں ہوگا۔اسکی وجہ یہ

(۱۲۵) و لا یجوزالمسح علی الجوربین عند ابی حنیفةؒ الا ان یکونا مجلدین او منعلین

ہے کہ سوتی کپڑا پاؤں کا بدل نہیں بن سکتا، حدیث کے اعتبار سے پاؤں کا بدل تو چمڑے کا موزہ بنتا ہے۔ ہاں اگر کپڑا اتنا باریک ہے کہ مسح کرتے وقت ہاتھ کی تری چمڑے کے موزے تک پہنچ جاتی ہے تو ایسے جرموق پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ کیونکہ جب تری موزے تک پہنچ گئی تو گویا کہ موزے پر ہی پانی والا ہاتھ پھیرا گیا، اور موزے پر ہی مسح کرلیا اسلئے اس جرموق پر مسح جائز ہے۔

لغت: جرموق اور موق: موزے پر جو موزے حفاظت کے لئے پہنتے ہیں اس کو جرموق یا موق کہتے ہیں۔ خف ذی طاقین : دوتہہ والا موزہ۔ حل: حلول کرگیا، سرایت کرگیا۔ یتحول: بدل جائے۔ کرباس: سوتی کپڑا۔ تنفذ: نفوذ کرجائے، سرایت کر جائے۔ البلة: تری

ترجمہ: (۱۲۵) نہیں جائز ہے مسح جوربین پر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مگر یہ کہ دونوں مجلد ہوں یا منعل ہوں۔

تشریح: جورب سوت یا اون کے موزے کو کہتے ہیں چمڑے کے نہ ہوں۔ پھر اس موزے کی چار صورتیں ہیں۔ (۱) موٹا ہو جس میں جلدی پانی پاس نہ ہوتا ہو۔ جس کو ثخینین : کہتے ہیں ۔ ثخین کا ترجمہ ہے موٹا (۲) پتلا موزہ ہو جس سے آسانی سے پانی پاس ہوتا ہو۔ (۳) موزے کے تلوے میں اور اسکی کناری پر چمڑا لگا ہوا ہو جسکو: مجلدین : کہتے ہیں۔ چونکہ تلوے اور کناری دونوں ملا کر کافی چمڑا لگا ہوا ہے اسلئے اسکو مجلد کہتے ہیں۔ (۴) موزے کے صرف تلوے میں چمڑا لگا ہوا ہو جسکو، منعلین : کہتے ہیں۔ نعل کا معنی ہے ایڑی، چونکہ صرف تلوے پر چمڑا لگا ہوا ہے اسلئے اسکو منعلین : کہتے ہیں۔ ان میں سے پتلے موزے اور ثخینین پر مسح کرنا امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جائز نہیں ہے صرف مجلدین اور منعلین پر مسح کرنا جائز ہے۔

وجہ: عن مغیرة بن شعبة قال توضأ النبی ﷺ ومسح علی الجوربین والنعلین ۔ (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ۲۹ نمبر ۹۹ / ابوداؤد، باب المسح علی الجوربین ص ۲۴ نمبر ۱۵۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جوربین پر مسح کرنا جائز ہے۔ اور والنعلین کا ترجمہ استاذ ابوالولیدؒ نے یہ کیا ہے جوربین جو منعلین ہو یعنی ایسا سوت کا موزہ جس میں نعل لگا ہوا ہو۔ عبارت یہ ہے وکان الاستاذ أبو الولیدؒ یو ء ول حدیث المسح علی الجوربین و النعلین علی أنه مسح علی جوربین منعلین لا أنه جورب علی الانفراد و نعل علی الانفراد ۔ (سنن للبیھقی، باب ماورد فی الجوربین والنعلین ، ج اول، ص ۴۲۸، نمبر ۱۳۵۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حدیث ترمذی میں جورب سے مراد منعل جورب ہے۔۔ اور راشد بن نجیح سے روایت ہے قال رأیت انس بن مالک دخل الخلاء وعلیه جوربان اسفلهما جلود واعلاهما خز فمسح علیهما . (السنن للبیھقی، باب ماورد فی الجوربین والنعلین، ج اول، ص ۴۲۸، نمبر ۱۳۵۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہ نے جو سوت کے موزے میں مجلدین اور منعلین ہونے کی قید لگائی ہے وہ ان روایات کی روشنی میں لگائی ہے۔ (۲) آگے ایک اور دلیل آرہی ہے کہ موزے پر مسح کرنا خلاف قیاس صرف حدیث کی بنا پر ہے، اور متواتر احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ چمڑے کے

(۱۲٦) وقالا: یجوز اذا کانا ثخینین لا یشفان﴾ ۱؎ لما روی ان النبی علیہ السلام مسح علی جوربیہ، ۲؎ ولانہ یمکنہ المشی فیہ اذا کان ثخیناً، وھو ان یتمسک علی الساق من غیر ان یربط بشیء فاشبہ الخف

موزے پر مسح جائز ہے، اسلئے اس سے ہٹ کر اسی جورب پر مسح جائز ہوگا جو چمڑے کے قریب قریب ہو۔ چمڑے کے موزے کی خاص بات یہ ہے کہ صرف موزہ پہن کر اھل عرب ریت میں میلوں چل لیا کرتے تھے، اور سوتی موزے جو مجلدین، یا منعلین ہوں اسی سے میلوں چل سکیں گے، جو مجلدین، یا منعلین نہ ہوں اس سے میلوں نہیں چل سکیں گے اسلئے مجلدین اور منعلین کے علاوہ پر مسح جائز نہیں ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۱۲٦) اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اگر دونوں موزے موٹے ہوں اور چھنتے نہ ہوں

تشریح: صاحبینؒ اور ائمہ ثلاثہؒ یہ فرماتے ہیں کہ تین شرطیں ہوں تو سوت کے موزے پر مسح جائز ہے (۱) اتنا موٹا ہو کہ مسح کرتے وقت پانی پاؤں کی کھال تک سرایت نہ کرتا ہو (۲) بغیر باندھے پاؤں پر رکتا ہو (۳) ایک میل تک موزے میں چل سکتا ہو۔ تو اس موزے پر مسح کر سکتا ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان شرطوں سے سوت کا موزہ چمڑے کے موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔ کیونکہ اصل میں چمڑے کے موزے پر مسح کرنا جائز ہے اس لئے یہ شرطیں لگائی گئیں۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ نبیؐ نے اپنے دونوں جورب پر مسح فرمایا۔ حدیث یہ ہے۔ **عن مغیرۃ بن شعبۃ قال توضأ النبی علیہ السلام و مسح علی الجوربین و النعلین** ۔ (ترمذی شریف، باب فی المسح علی الجوربین والنعلین ج اول ص ۲۹ نمبر ۹۹ / ابو داؤد، باب المسح علی الجوربین، ص ۲۴ نمبر ۱۵۹) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے جوربین پر مسح فرمایا، اور ایسے جورب پر بھی مسح فرمایا جو منعلین تھا۔ (۲) اثر میں ہے۔ **سمعت ابن عمرؓ یقول: المسح علی الجوربین کالمسح علی الخفین** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۲۴ من قال: الجوربان بمنزلۃ الخفین، ج اول، ص ۱۷۳، نمبر ۱۹۹۴ / مصنف عبد الرزاق، باب المسح علی الجوربین، ج اول، ص ۲۰۱، نمبر ۷۸۲) اس اثر میں ہے کہ جورب پر مسح کرنا چمڑے کے موزے پر مسح کرنے کی طرح ہے، اور اس میں نعلین، یا مجلدین کی کوئی قید نہیں ہے اسلئے مطلق جورب پر بھی مسح کرنا جائز ہوگا۔ (۳) جورب موٹا ہو اسکی قید اس اثر میں ہے۔ **عن سعید بن المسیب و الحسن أنهما قالا: یمسح علی الجوربین اذا کانا صفیقین** . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۲۳ فی المسح علی الجوربین، ج اول، ص ۱۷۱، نمبر ۱۹۷۶) اس اثر میں ہے کہ جورب موٹا ہو تو مسح کرے ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ ممکن ہے اس جورب میں چلنا جبکہ موٹا ہو اس حال میں کہ پنڈلی پر بغیر کسی چیز سے باندھے رکتا ہو تو وہ موزے کے مشابہ ہو جائے گا۔

۳؎ و لـه انـه لیـس فـی مـعـنـی الـخف لانـه لا یـمـکن مواظبة المشی فیه الااذاکان منعلاً،وھو محمل الحدیث ۴؎ و عـنـه انـه رجع الی قولھما، و علیه الفتوی (۱۲۷) و لا یـجـوز المسح علی العمامة، و القلنسوة، و البرقع، و القفازین﴾

تشریح : جورب اتنا موٹا ہو کہ بغیر کسی چیز سے باندھے ہوئے پنڈلی پر رک جاتا ہو تو اس میں دور تک چلنا ممکن ہے اسلئے وہ بھی چمڑے کے موزے کے مشابہ ہو گیا اسلئے اس ثخین پر مسح کرنا جائز ہوگا۔ پوری تفصیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ : ۳؎ اور امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ وہ ثخینین چمڑے کے موزے کے معنی میں نہیں ہے اسلئے کہ اس میں پیدر پے چلنا ممکن نہیں جب تک کہ منعلین نہ ہو اور حدیث کا محمل بھی یہی ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ صرف ثخینین ہونے سے چمڑے کے موزے کی طرح نہیں ہو گیا کیونکہ اس میں پیدر پے چلنا ممکن نہیں ہے جب تک کہ اس میں چمڑا لگا کر منعل، یا مجلد نہ کر دے اسلئے منعل یا مجلد چمڑے کے موزے کے درجے میں ہوگا اور اسی پر مسح بھی جائز ہوگا۔ اور حدیث جو ہے کہ جورب پر مسح کیا اسکا مطلب بھی یہی ہے کہ نعل والے جورب پر مسح کیا۔ جیسا کہ استاذ ابو الولید کی تاویل سے ثابت کیا گیا۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابو حنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ انہوں نے آخری عمر میں صاحبینؒ کے قول کی طرف رجوع فرمایا۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

تشریح : اوپر کی احادیث کی بناء پر حضرت امام اعظم نے صاحبین کے قول کی طرف رجوع فرمایا اور اب فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ کہ ثخینین پر مسح کرنا جائز ہے۔ عبارت یہ ہے سمعت ابا مقاتل السمرقندی یقول : دخلت علی ابی حنیفةؒ فی مرضه الذی مات فیه ، فدعا بماء فتوضأ وعلیه جوربان ، فمسح علیھما ، ثم قال : فعلت الیوم شیئاً لم اکن افعله : مسحت علی الجوربین و ھما غیر منعلین ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والنعلین، ص ۲۹، نمبر ۹۹) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ حضرت امام ابو حنیفہؒ نے آخیر عمر میں ثخینین کی طرف مسح کرنے میں رجوع فرمایا۔

لغت : خف: چمڑے کا موزہ، جوربین: سوت کا موزہ. ثخینین : ثخین کا تثنیہ ہے موٹا موزہ، یشفان: تثنیہ ہے یشف کا جس میں پانی چھن جاتا ہو۔ مجلد: جلد سے مشتق ہے، سوتی کے جس موزے کے تلوے اور کنارے پر چمڑا لگا ہوا ہو۔ منعل: نعل سے مشتق ہے، ایڑی، سوتی کے جس موزے کے صرف تلوے پر چمڑا لگا ہوا ہو۔ مواظبت: پیدر پے، ہمیشہ۔

ترجمہ: (۱۲۷) عمامہ پر، ٹوپی پر اور برقع پر اور دستانے پر مسح جائز نہیں ہے۔

وجہ : (۱) آیت میں سر پر مسح کرنے کا حکم دیا ہے اب خبر آحاد حدیث کے ذریعہ سے کتاب اللہ پر زیادتی کرنا جائز نہیں ہے۔ اس

۱ لانہ لاحرج فی نزع ھذہ الاشیاء، و الرخصة لدفع الحرج(۱۲۸)و یجوز المسح علی الجبائر و ان شدھا علی غیر وضوء

لئے احادیث کی وجہ سے پگڑی،ٹوپی اور برقع پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔اور جن احادیث میں اس کا ذکر ہے کہ آپؐ نے پگڑی پر مسح کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کے بعض حصہ پر مسح کیا اور پگڑی پر بھی کر لیا(۲)چنانچہ حدیث میں اس طریقۂ کار کا ثبوت ہے۔ عن انس بن مالک قال رأیت رسول اللہ ﷺ یتوضأ وعلیہ عمامة قطریة فادخل یدہ من تحت العمامة فمسح مقدم رأسہ فلم ینقض العمامة ۔(ابوداؤد شریف، باب المسح علی العمامۃ ص۲۱ نمبر ۱۴۷)مسلم میں ہے ان النبی ﷺ مسح علی الخفین ومقدم رأسہ وعلی عمامتہ(مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ والعمامۃ ص۱۳۴ نمبر ۲۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض سر پر مسح کیا اور پگڑی پر مسح کیا۔اس لئے صرف پگڑی پر مسح کافی نہیں ہے(۳)امام ترمذی نے فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ صرف عمامہ پر مسح کرنا کافی نہیں ہوگا جب تک اس کے ساتھ سر پر بھی مسح نہ کر لے عبارت یہ ہے۔و قال غیر واحد من اھل العلم من أصحاب النبیؐ و التابعین : لا یمسح علی العمامة الا ان یمسح برأسہ مع العمامة وھو قول سفیان الثوری ومالک بن انس و ابن المبارک، والشافعی. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی المسح علی الجوربین والعمامۃ ص۲۹ نمبر ۱۰۰) اس سے معلوم ہوا کہ عمامے کے ساتھ سر پر بھی مسح کرنا ہوگا صرف عمامے پر مسح کافی نہیں ہوگا۔(۴)دار قطنی نے باضابطہ باب باندھا ہے باب فی جواز المسح علی بعض الرأس، اور اس کے تحت ایسی چار حدیثیں ذکر کی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ عمامہ کے ساتھ سر پر مسح کرنا ضروری ہے۔ ایک حدیث یہ ہے۔عن ابن المغیرة عن ابیہ أن النبیؐ مسح علی الخفین ، و مقدم رأسہ ، و علی عمامتہ ۔(دار قطنی، باب فی جواز المسح علی بعض الرأس، ج اول ص۲۲۰ نمبر ۷۲۸)اس حدیث میں ہے کہ عمامے کے ساتھ سر کے اگلے حصے پر بھی مسح فرمایا۔

دستانے پر بھی مسح کرنا جائز نہیں ھے ۔اس کے دلائل وہی ہیں جو مسح علی العمامۃ کے بارے میں گزرے ہیں(۲)ان چیزوں کے دھونے میں کوئی حرج نہیں ہے اور مسح کرنا دفع حرج کے لئے ہے اس لئے ہاتھ کو دھونا ہی ضروری ہوگا۔دستانے پر مسح کرنا جائز نہیں ہے۔

ترجمه: ۱ اور اسلئے کہ ان چیزوں کے کھولنے میں کوئی حرج نہیں ہے، اور رخصت حرج کے دفع کے لئے ہوتا ہے۔

لغت: قلنسوۃ:ٹوپی۔القفازین : دستانے

ترجمه: (۱۲۸) مسح جائز ہے زخم کی پٹیوں پر اگر چہ ان کو بغیر وضو کے باندھا ہو۔

وجه : (۱)زخم کی پٹیوں کو کھولنا مشکل ہے اور حرج ہے۔اس لئے پٹی رہتے ہوئے اس پر مسح کیا جائے گا۔چاہے پٹی کو حدث کی حالت میں باندھا ہو(۲)ابوداؤد میں حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن جابر قال : خرجنا فی سفر ....انما یکفیہ ان یتیمم و

ل لانه علیه السلام فعل ذالک و امر علیاً به ۲ و لان الحرج فیه فوق الحرج فی نزع الخف فکان اولی بشرع المسح ۳ و یکتفی بالمسح علی اکثرها،ذکره الحسن ۴ ولا یتوقت لعدم التوقیف بالتوقیت

یعصر او یعصب شک موسی علی جرحه خرقه ثم یمسح علیها و یغسل سائر جسده ۔(ابوداؤدشریف،باب فی المجدور یتیمم ص۵۵نمبر۳۳۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ زخم کے اوپر پٹی باندھ کراس پر مسح کرے(۳)عن علیؓ بن ابی طالب قال : انکسرت احدی زندی فسألت النبیؐ فأمرنی أن امسح علی الجبائر (ابن ماجه شریف باب المسح علی الجبائر،ص۹۳،نمبر۶۵۷ (دارقطنی ،باب جواز المسح علی الجبائر،ص۲۳۳نمبر۸۶۷/السنن للبیھقی ،باب المسح علی العصائب والجبائر ج اول،ص۳۴۸،نمبر۱۰۸۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کھپچی پر مسح کرنا جائز ہے۔

نوٹ: عموما زخم پر بغیر وضو کے ہی پٹی باندھتے تھے اس کے باوجود صحابہ اس پر مسح کرتے تھے۔کیونکہ مجبوری ہے۔اس لئے بغیر وضو کے بھی پٹی باندھی تو اس پر مسح کرنا جائز ہے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ حضورؐ نے یہ کیا،اور حضرت علیؓ کو اسکا حکم بھی دیا ہے۔

یعنی حضورؐ نے پٹی پر مسح فرمایا۔حدیث یہ ہے عن ابن عمر : أن النبیؐ کان یمسح علی الجبائر ۔(دارقطنی ،باب ما فی المسح علی الخفین من غیر توقیت، ج اول،ص۲۱۲،نمبر۷۷۴)اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ پٹی پر مسح فرمایا کرتے تھے۔

،اور حضرت علیؓ کو پٹی پر مسح کرنے کا حکم دیا، یہ حدیث ابن ماجہ ،نمبر۶۵۷ کی اوپر گزر گئی ہے

ترجمہ : ۲ اور اسلئے بھی کہ اس میں جو حرج ہے وہ موزے کھولنے کے حرج سے زیادہ ہے اسلئے مسح کا مشروع ہونا زیادہ بہتر ہے۔

تشریح : موزہ کھولنے میں حرج ہے اسلئے اس پر مسح کرنے کی اجازت دی۔تو پٹی کھولنے میں اس سے حرج اور تکلیف ہے اسلئے اس میں بدرجہ اولی مسح کرنے کی اجازت ہونی چاہئے۔یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ : ۳ اور اکتفاء کرے مسح کرنیکا اکثر زخم پر۔یعنی۔جہاں تک پٹی باندھا ہے اس میں سے اکثر پر مسح کرلیا تو کافی ہو جائے گا،پورے پر نہ بھی کرے تو کافی ہو جائے گا۔لیکن اگر آدھا،یا آدھا سے کم کیا تو کافی نہیں ہے۔حضرت حسنؒ نے یہی ذکر فرمایا ہے۔کیونکہ تکلیف کی وجہ سے پورے پر مسح کرنا بعض مرتبہ مشکل ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۴ اور پٹی کا مسح وقت کے ساتھ خاص نہیں ہے کیونکہ حدیث میں وقت کی تعین نہیں ہے۔

تشریح : موزے کے مسح میں وقت کی تعین ہے کہ ایک دن یا تین دن ہو لیکن پٹی کے مسح میں وقت متعین نہیں ہے جب تک زخم

(۱۲۹) و ان سقطت الجبیرۃعن غیر برء لا یبطل المسح ﴾لے لان العذر قائم والمسح علیھا کالغسل لما تحتھا ما دام العذر باقیا، (۱۳۰) و ان سقطت عن برء بطل ﴾لے لزوال العذر، ۲ے وان کان فی الصلوۃ استقبل لانہ قدر علی الاصل قبل حصول المقصود بالبدل.

ٹھیک نہ ہو مسح کرتا رہے گا، کیونکہ حدیث میں بھی کسی وقت کا تعین نہیں ہے۔

لغت : الجبائر : جمع ہے جبیرۃ کی پٹی، کھپچی۔ شد: باندھا ہو۔ التوقیف : حدیث میں نہیں ہے۔ التوقیت: وقت کا تعین۔

ترجمہ: (۱۲۹) پس اگر بغیر زخم اچھا ہوئے پٹی گر گئی تو مسح باطل نہیں ہوگا۔

تشریح : وضو کر کے پٹی پر مسح کیا تھا اس درمیان ابھی زخم ٹھیک نہیں ہوا تھا کہ پٹی گر گئی تو پہلا مسح چلے گا۔ دوبارہ مسح کرنے کی ضرورت نہیں۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ عذر ابھی باقی ہے، اور اس پر مسح کرنا نیچے کے زخم کو دھونے کی طرح ہے جب تک عذر باقی ہے۔

تشریح : جب تک زخم موجود ہے اور عذر باقی ہے تو پٹی پر مسح کرنا ایسا ہے جیسے وضو کے وقت زخم کو دھویا ہو۔ اور وضو کے وقت زخم کو دھویا ہو تو پٹی گرنے کے باوجود بھی نہ مسح کو لوٹانے کی ضرورت ہوتی ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے، اسی طرح یہاں بھی زخم ٹھیک ہوئے بغیر پٹی گر گئی تو نہ مسح ٹوٹے گا اور نہ وضو کو لوٹانے کی ضررت ہے۔

ترجمہ: (۱۳۰) اگر کھپچی زخم ٹھیک ہو کر گری ہو تو مسح باطل ہو جائے گا۔

ترجمہ: لے عذر کے زائل ہونے کی وجہ سے۔

وجہ: زخم ٹھیک ہو گیا تو اب مجبوری نہیں رہی اس لئے اصل پر آجائے گا اور مسح باطل ہو جائے گا۔ اب اس کو دوبارہ دھونا ہوگا۔

لغت: برء : زخم ٹھیک ہونا۔

ترجمہ : ۲ے اور اگر نماز میں ہو تو اسکو شروع سے پڑھے گا، اسلئے کہ بدل کے ذریعہ مقصود حاصل کرنے سے پہلے اصل پر قادر ہو گیا۔

تشریح : نماز پڑھ رہا تھا کہ زخم ٹھیک ہو کر پٹی گر گئی، تو وضو کر کے نماز دوبارہ پڑھنی ہوگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وضو کرنا جو اصل ہے اس پر نماز ختم کرنے سے پہلے قادر ہو گیا۔ اسلئے بدل پر جو عمل کر رہا تھا وہ باطل ہو جائے گا اور اصل پر عمل کرنا ہوگا۔

اصول: مجبوری کے وقت ہی فرع پر عمل کر سکتا ہے اور مجبوری ختم ہو جائے تو اصل پر عمل کرنا ضروری ہے۔

﴿باب الحيض﴾

(۱۳۱) اقل الحيض ثلاثة ايام و لياليها، و ما نقص من ذالك فهو استحاضة ﴾ ۱ لقوله عليه السلام : اقل الحيض للجارية البكر و الثيب ثلاثةايام و لياليها، و اكثره عشرة ايام، ۲ وهو حجة على الشافعيؒ في التقدير بيوم و ليلة

﴿حیض کا بیان﴾

ضروری نوٹ: حیض کے معنی بہنا ہے۔شریعت میں ایسی عورت جو نابالغہ نہ ہو،آئسہ نہ ہو، جریان خون کا مرض نہ ہو اور حمل نہ ہو اس کے رحم سے خون نکلے تو اس کو حیض کہتے ہیں۔جس کو جریاں خون کا مرض ہو یا حاملہ ہو یا نابالغہ ہو یا آئسہ ہو اس کے رحم سے جو خون نکلتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا ہے بلکہ استحاضہ ہوتا ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے ویسئلونک عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء في المحيض ولا تقربوهن حتى يطهرن۔(آیت۲۲۲سورۃ البقرۃ۲)

ترجمہ: (۱۳۱) حیض کی کم سے کم مدت تین دن تین راتیں ہیں تو جو اس سے کم ہو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ ہے۔

تشریح : حیض کی کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے اس سے کم آ کر رک جائے ، یا دس دن سے زیادہ آ جائے تو وہ حیض نہیں ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔اس پر حیض کے احکام جاری نہیں ہونگے۔

ترجمہ : ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ باکرہ اور ثیبہ لڑکیوں کے لئے حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور تین راتیں،اور اسکی زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہے۔

وجہ: (۱) حدیث یہ ہے عن ابی امامة الباهلي قال قال رسول الله ﷺ لايكون الحيض للجارية والثيب الذي قد ايئست من الحيض اقل من ثلاثة ايام ولا اكثر من عشرة ايام فاذا رأت الدم فوق عشرة ايام فهي مستحاضة فمازاد على ايام اقرائها قضت ودم الحيض اسود خائر تعلوه حمرة ودم المستحاضة اصفر رقيق (دار قطني ، نمبر ۸۳۴) (۲)عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحيض ثلاثة ايام و اكثره عشرة ايام ۔(دارقطنی ،کتاب الحیض ،ج اول،ص۲۲۵ ۸۳۶/)دارقطنی میں اس قسم کی کئی احادیث ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم مدت تین دن ہے اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن ہیں۔ اور اس سے کم یا زیادہ ہو تو وہ استحاضۃ ہے۔

ترجمہ: ۲ اور یہ حدیث حجت ہے امام شافعیؒ پر ایک دن اور ایک رات کے متعین کرنے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ نے حیض کی کم سے کم مدت ایک دن ایک رات متعین کی ہے انکے خلاف اوپر کی حدیث حجت ہوگی،انکی دلیل یہ قول ہے عن عطاء قال اكثر الحيض خمسة عشرة وقال ادنى الحيض يوم ۔(دارقطنی ،کتاب الحیض ص۲۱۶

۳؎ وعن ابی یوسف ؒ انہ یومان و الاکثر من الیوم الثالث اقامة للاکثر مقام الکل، ۴؎ قلنا: ھذا نقص عن تقدیر الشرع (۱۳۲) و اکثرہ عشرة ایام، والزائد استحاضة ﴾ ۱؎ لما روینا وھو حجة علی الشافعیؒ فی التقدیر بخمسة عشر یوماً ۲؎ ثم الزائد والناقص استحاضة، لان تقدیر الشرع یمنع الحاق غیرہ بہ

نمبر۷۸۹؍۷۹۰رسنن للبیھقی ، باب أقل الحیض ، ج اول،ص ۴۷۶،نمبر۱۵۳۲)اس قسم کے قول سے وہ استدلال کرتے ہیں کہ حیض کی کم سے کم مدت ایک دن اور زیادہ سے زیادہ پندرہ دن ہیں۔امام مالکؒ کے نزدیک حیض کی کم سے کم مدت میں کوئی حد تعیین نہیں ہے۔کیوں کہ اوپر حضرت عطاء کا قول آیا کہ کم سے کم مدت ایک دن ہو سکتی ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور حضرت امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دو دن اور تیسرے دن کا اکثر حصہ، اکثر کو کل کے مقام پر قائم کرنے کے لئے۔

تشریح : حیض کی مدت کم سے کم پونے تین دن ہے، کیونکہ دو دن سے زیادہ ہو گیا تو گویا کہ تین دن پورے ہو گئے، کیونکہ اکثر کو کل کے قائم مقام قرار دیتے ہیں۔(۲) دوسری دلیل یہ اثر بھی ہے قال اسحاق : قال عبد الرحمن بن مھدی : کانت امرأة یقال لھا أم العلاء قالت؛ حیضتی منذ أیام الدھر یومان. (سنن للبیھقی ، باب أقل الحیض ، ج اول،ص ۴۷۶،نمبر ۱۵۳۴)اس اثر میں ہے کہ ایک عورت دو دن حیض دیکھتی تھی ،تو حضرت امام ابو یوسفؒ نے اوپر کی تین دن والی حدیث اور اس اثر کو ملا کر پونے تین دن حیض کا زمانہ قرار دیا۔

ترجمہ: ۴؎ ہم جواب دیتے ہیں کہ یہ شریعت کے تعین سے کم کرنا ہے۔اسلئے یہ ٹھیک نہیں۔ٹھیک پہلا ہی ہے۔

ترجمہ: (۱۳۲) اور حیض کی اکثر مدت دس دن ہیں،اور اس سے زائد استحاضہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی وجہ سے جو اوپر ذکر کیا،اور وہ امام شافعیؒ پر حجت ہے پندرہ دن کے متعین کرنے میں۔

تشریح : امام شافعیؒ نے فرمایا تھا کہ حیض کی اکثر مدت پندرہ دن ہے،تو اوپر والی حدیث امام شافعیؒ کے خلاف حجت ہوگی۔وہ حدیث اوپر گزر گئی،حدیث یہ تھی۔ ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فھی مستحاضة.(دار قطنی ، نمبر ۸۳۴)اس حدیث میں ہے کہ اکثر مدت دس دن ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ پھر جو زائد ہے اور کم ہے وہ استحاضہ ہے،اسلئے کہ شریعت کا تعین دوسرے کو اسکے ساتھ ملانے سے روکتی ہے ۔

تشریح : حیض تین دن سے کم آکر مکمل رک گیا تو چونکہ یہ خون تین دن سے کم ہے اسلئے یہ استحاضہ ہوگا،اسی طرح جو خون دس دن سے زیادہ آئے وہ بھی استحاضہ ہے،اسلئے کہ شریعت میں حیض کی کم سے کم مدت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدت دس دن متعین

(۱۳۳) و ما تراھاالمرأۃ من الحمرۃ، و الصفرۃ، و الکدرۃ حیض حتی تری البیاض خالصا ﴿ ۱ و قال ابـو یوسف لا تکون الکدرۃ من الحیض الا بعد الدم، لانہ لو کان من الرحم لتأخر خروج الکدر عن الصافی

ہے اسلئے اسکے علاوہ کو اس میں نہیں ملایا جائے گا، کیونکہ اسکے علاوہ کو ملانے سے شریعت روکتی ہے۔حدیث یہ ہے **عن ابی امامۃ الباھلی قال قال رسول اللہ ﷺ لایکون الحیض للجاریۃ والثیب الذی قد ایئست من الحیض اقل من ثلاثۃ ایام ولا اکثر من عشرۃ ایام فاذا رأت الدم فوق عشرۃ ایام فھی مستحاضۃ فمازاد علی ایام اقرائھا قضت ودم الحیض اسود خائر تعلوہ حمرۃ ودم المستحاضۃ اصفر رقیق** (دار قطنی، کتاب الحیض ج اول ص ۲۲۵ ،نمبر ۸۳۴)اس حدیث میں ہے کہ دس دن سے جو زائد ہو وہ استحاضہ کا خون ہے۔

ترجمہ : (۱۳۳) اور عورت حیض کے زمانہ میں جو سرخ خون، زرد خون اور مٹیالا خون دیکھتی ہے وہ سب حیض ہیں۔ یہاں تک کہ سفید خالص پانی دیکھے۔

تشریح : یہاں سے یہ ذکر ہے کہ کون سا خون حیض ہے۔خون سات رنگوں کا ہوتا ہے، (۱) کالا، (۲) لال، (۳) زرد، (۴) گدلا، (۵) سبز رنگ، (۶) مٹیالا، (۷) خالص سفید رنگ کا۔ البتہ یہ رنگ خون نہیں ہے بلکہ سفید پانی ہے۔فرماتے ہیں۔کہ حیض کے زمانے میں عورت کالا خون، سرخ خون، زرد، مٹیالا اور سبز رنگ کا خون دیکھتی ہے ان میں سے سفید پانی تو حیض نہیں ہے۔لیکن کالا خون، سرخ خون، زرد خون اور مٹیالا خون امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک حیض میں شمار کیا جائے گا۔ کیونکہ حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ سفید خالص کے علاوہ تمام حیض ہیں۔ **کن نساء یبعثن الی عائشۃ بالدرجۃ فیھا الکرسف فیہ الصفرۃ فتقول لا یعجلن حتی ترین القصۃ البیضاء ترید بذلک الطھر من الحیضۃ.** (بخاری شریف، باب اقبال المحیض وادبارہ، ص ۴۶ ،نمبر ۳۲۰ رمصنف عبد الرزاق، باب کیف الطھر ، ج اول، ص ۳۰۲ ،نمبر ۱۱۵۹)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حیض کے زمانہ میں جب تک سفید پانی نہ نظر آئے باقی تمام رنگوں کا حال حیض ہے۔

ترجمہ : ۱ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ مٹیالا خون حیض میں سے نہیں ہوگا مگر خون کے بعد، اسلئے کہ اگر وہ رحم سے ہوتا تو مٹیالا خون صاف خون کے بعد نکلتا۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مٹیالا خون اگر حیض آنے سے پہلے نکلا ہے تو وہ حیض میں سے نہیں ہے، اور حیض آنے کے بعد نکلا ہے تو وہ حیض ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عورت کے رحم کی بناوٹ ایسی ہے کہ صاف خون پہلے آتا ہے اور مٹیالا خون بعد میں آتا ہے، اسلئے اگر مٹیالا خون بعد میں آیا تو وہ صاف خون کا حصہ ہے اسلئے وہ حیض ہوگا، لیکن اگر صاف خون سے پہلے آگیا تو معلوم ہوتا

۲ ولھما ماروی ان عائشةؓ جعلت ماسوی البیاض الخالص حیضاً وھذالایعرف الاسماعاً ۳ و فم الرحم منکوس فیخرج الکدر اولاً کالجرة اذا ثقب اسفلھا، ۴ و اما الخضرة فالصحیح ان المرأة اذاکانت من ذوات الاقراء تکون حیضاً، ویحمل علی فساد الغذاء، وان کانت کبیرة لاتری

ہے کہ وہ رحم سے نہیں آیا ہے کسی اور رگ سے آیا ہے اسلئے وہ حیض نہیں ہے (۲) انکی دلیل ام عطیۃ کی یہ روایت بھی ہے ۔ عن ام عطیة قالت کنالا نعد الکدرة والصفرة شیئا ۔ (بخاری شریف، باب الصفرۃ والکدرۃ فی غیر ایام الحیض ص ۴۷ نمبر ۳۲۶/ ابوداود شریف، باب فی المرأۃ تری الصفرۃ والکدرۃ بعد الطھر، ص ۴۹، نمبر ۳۰۷) اس قول میں حیض کے زمانے کے علاوہ میں مٹیالا اور زرد رنگ کا خون حیض شمار نہیں کرتے تھے ۔ اور حیض کے بعد جو مٹیالا اور زرد خون ہے اس کو حیض شمار کریں گے جیسا کہ حضرت عائشہؓ کے قول سے معلوم ہوا۔

ترجمہ : ۲ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کی دلیل اوپر والی روایت ہے کہ حضرت عائشہؓ نے خالص سفید کے علاوہ کو حیض قرار دیا۔ اور یہی سمجھتے ہیں کہ حضور ﷺ سے سن کر فرمائی ہونگی۔ یہ روایت اوپر گزر چکی ہے۔ (بخاری شریف، نمبر ۳۲۰)

ترجمہ : ۳ اور رحم کا منہ الٹا ہے اسلئے پہلے مٹیالا نکلے گا (بعد میں سرخ خون) جیسے کہ مٹکا جبکہ نیچے سے سوراخ کیا جائے۔

تشریح : یہ جملہ امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے انہوں نے فرمایا تھا کہ رحم سے پہلے سرخ خون نکلے گا بعد میں مٹیالا خون ۔ اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ رحم کا منہ الٹا ہے اسلئے گدلا نیچے بیٹھا رہے گا اور صاف خون اوپر ہوگا، جیسے مٹکے میں صاف پانی اوپر ہوتا ہے اور گدلا پانی نیچے ہوتا ہے، پس اگر مٹکے کے پینیدے میں سوراخ کریں تو نچلے حصے سے گدلا پانی پہلے نکلے گا اور اوپر سے صاف پانی بعد میں نکلے گا اسی طرح حیض کے لئے رحم کا منہ یعنی نچلا حصہ جب کھلتا ہے تو گدلا خون پہلے نکلتا ہے اور صاف اور لال خون بعد میں نکلتا ہے، اور گدلا اور لال دونوں رحم سے ہی نکلتے ہیں اور دونوں ہی حیض کے خون ہیں۔

ترجمہ : ۴ بہرحال سبز خون تو صحیح بات یہ ہے کہ اگر عورت حیض والی ہے تو وہ حیض ہوگا، اور محمول کیا جائے گا غذا کے خراب ہو نے پر، اور اگر اتنی بوڑھی ہے کہ سبز خون کے علاوہ کوئی دوسرا خون نہیں دیکھتی تو محمل کیا جائے گا رحم کے خرابی پر تو وہ حیض نہیں ہوگا۔

تشریح : سبز خون کے بارے میں بتاتے ہیں کہ، اگر ایسی عورت ہو جسکو حیض کا خون آتا ہو اور اسکو سبز خون آ گیا تو یوں سمجھا جائے گا کہ غذا کے ہضم میں کوئی خامی ہے جسکی وجہ سے خون سبز ہو گیا ہے تاہم یہ خون حیض کا ہی ہے ۔ ۔ اور اگر اتنی بوڑھی ہے کہ اسکو صرف سبز خون ہی آتا ہے اور کسی رنگ کا خون نہیں آتا تو یوں سمجھا جائے گا کہ اس عورت کا رحم خراب ہے اور اب حیض کا خون نہیں آ سکتا ہے اسلئے یہ خون حیض کا نہیں ہے ۔ حاصل یہ ہے کہ حائضہ عورت سے سبز خون آئے تو وہ حیض ہے اور آخری بوڑھی سے آئے تو وہ استحاضہ ہے۔

غير الخضرة تحمل على فساد المنبت فلا تكون حيضاً (۱۳۴) والحيض يسقط عن الحائض الصلوة، و يحرم عليها الصوم، و تقضى الصوم، ولا تقضى الصلوت﴾ ۱؎ لقول عائشةؓ كنت احدانا على رسول الله ﷺ اذا طهرت من حيضها تقضى الصيام ولا تقضى الصلوت، ۲؎ و لان فى قضاء الصلوت حرجاً لتضاعفها و لا حرج فى قضاء الصوم، (۱۳۵) و لا تدخل المسجد﴾

لغت : الصفرۃ : زرد رنگ، الکدرۃ : مٹیالا رنگ کا خون، گدلا رنگ کا خون۔ منکوس: نکس سے مشتق ہے، الٹا۔ الجرۃ: مٹکا ۔ ثقب: سوراخ کرنا۔ خضرۃ: سبز رنگ کا خون، ہرے رنگ کا خون۔ ذوات الاقراء: حیض والی عورت۔ المنبت: نبت سے مشتق ہے ، اگنے کی جگہ، یہاں رحم اور بچہ دانی مراد ہے۔

ترجمہ :(۱۳۴) حیض ساقط کر دیتا ہے حائضہ عورت سے نماز کو اور حرام کر دیتا ہے اس پر روزہ۔ چنانچہ حائضہ قضا کرے گی روزہ اور نہیں قضا کرے گی نماز کو۔

تشریح : حیض کی حالت میں نماز شروع ہی سے ساقط ہو جاتی ہے اس لئے بعد میں اس کی قضا نہیں ہے۔ اور روزہ واجب ہوتا ہے لیکن حیض کی حالت میں اس کو ادا نہیں کر سکتی۔ اس کا ادا کرنا حرام ہے اس لئے بعد میں قضا کرے گی

وجہ : (۱) دس روز کی نمازیں پچاس ہو جائینگی اور ہر ماہ میں پچاس نمازیں قضا کرنے میں حرج عظیم ہے اس لئے نماز شروع ہی سے ساقط ہو جائے گی اور روزہ سال بھر میں صرف دس دن قضا کرنا ہوگا اس میں حرج نہیں ہے اس لئے روزہ فرض رہا البتہ بعد میں قضا کرے گی (۲) حدیث میں ہے عن معاذة قالت سألت عائشة فقلت ما بال الحائض تقضى الصوم ولا تقضى الصلوة؟ فقالت احرورية انت؟ قلت لست بحرورية ولكنى اسأل قالت كان يصيبنا ذلك فنؤمر بقضاء الصوم ولا نؤمر بقضاء الصلوة۔ (مسلم شریف، باب وجوب قضاء الصوم علی الحائض دون الصلوۃ ص ۱۵۳ نمبر ۳۳۵ /۷۶۳ بخاری شریف، باب لا تقضی الحائض الصلوۃ ص ۴۶ نمبر ۳۲۱) یہ مسئلہ متفق علیہ ہے

ترجمہ : ۱؎ حضرت عائشہؓ کے قول کی وجہ سے، کہ حضورؐ کے زمانے میں ہم میں سے عورتیں جب حیض سے پاک ہوتی تو رزے کو قضا کرتی اور نماز کو قضا نہیں کرتی۔۔ یہ حدیث اوپر بخاری شریف نمبر ۳۲۱، اور مسلم شریف نمبر ۷۶۳ کی گزر گئی۔

ترجمہ : ۲؎ اور اسلئے کہ نماز کے قضا کرنے میں حرج ہے اسکے بہت ہونے کی وجہ سے، اور روزے کے قضا کرنے میں حرج نہیں ہے۔ اوپر گزر گیا کہ نماز ہر ماہ میں پچاس ہو جائیں گی جنکا ادا کرنا مشکل ہے، اور روزہ سال بھر میں صرف دس ہونگے جنکا ادا کرنا مشکل نہیں۔

ترجمہ: (۱۳۵) حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوگی۔

ل و کذا الجنب لقوله علیه السلام : فانی لا احل المسجد لحائض و لا جنب، و هو باطلاقه حجةعلی الشافعیؒ فی اباحةالدخول علی وجه العبور و المرور، (۱۳۶) و لا تطوف بالبیت ﴾ ل لان الطواف فی المسجد،

وجه : (۱) حدیث میں ہے کہ سمعت عائشة ... فقال وجهوا هذه البیوت عن المسجد فانی لا احل المسجد لحائض و لا جنب ۔(ابوداؤدشریف، باب فی الجنب یدخل المسجد ص ۳۴ نمبر ۲۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی۔اور مسجد حرام میں طواف ہوتا ہے اس لئے وہ طواف بھی نہیں کرسکتی۔(۲) عورتوں کو عیدین میں شریک ہونے کی اجازت ہے لیکن حائضہ عورتیں عیدگاہ سے الگ رہیں کیونکہ عیدگاہ مسجد ہے اسلئے اس سے بھی حائضہ عورت کو الگ رہنے کا حکم دیا، حدیث یہ ہے عن ام عطیة قالت : أمرنا أن نخرج الحیض یوم العیدین و ذوات الخدور فیشهدن جماعة المسلمین و دعوتهم ، ویعتزل الحیض عن مصلاهن ۔(بخاری شریف، باب وجوب الصلاۃ فی الثیاب، ص ۵۱، نمبر ۳۵۱)اس حدیث میں ہے کہ حائضہ عورت عیدگاہ سے الگ رہے کیونکہ وہ بھی مسجد ہے۔

ترجمه : ل اور ایسے ہی جنبی آدمی بھی مسجد میں داخل نہیں ہوگا حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد حلال نہیں کرتا ہوں۔اور یہ حدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہے گزرنے کے طور پر داخل ہونے کے مباح کرنے کے بارے میں۔

تشریح : اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ اور جنبی مسجد میں داخل نہیں ہوسکتا، یہ حدیث امام شافعیؒ پر بھی حجت ہوگی۔امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جنبی آدمی گزرتے اور چلتے ہوئے مسجد میں داخل ہوکر نکل جائے تو جائز ہے البتہ یوں داخل نہیں ہوسکتا۔

وجه : انکی دلیل آیت ہے جس میں ہے کہ جنبی گزرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوجائے تو اسکے لئے گنجائش ہے۔آیت یہ ہے یآیها الذین آمنوا لا تقربوا الصلوة و انتم سکری حتی تعلموا ما تقولون و لا جنباً الا عابری سبیل حتی تغتسلوا (آیت ۴۳ سورۃ النساء ۴)اس آیت میں الا عابری سبیل ، ہے کہ گزرتے ہوئے مسجد میں داخل ہوجائے تو اسکے لئے گنجائش ہے۔ہمارا جواب یہ ہے کہ حدیث میں جنبی کو مطلقا مسجد میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے اسلئے گزرتے ہوئے داخل ہونے سے بھی منع کیا جائے گا۔

ترجمه: (۱۳۶) حائضہ نہ بیت اللہ کا طواف کرے۔

ترجمه: ل اسلئے کہ طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے۔

تشریح : اوپر گزرا کہ حائضہ مسجد میں داخل نہیں ہوسکتی اور طواف مسجد حرام میں ہوتا ہے اسلئے حائضہ طواف بھی نہیں کرسکتی

(۱۳۷) و لا یاتیها زوجها ﴾ ل لقوله تعالی: ولاتقربوهن حتی یطهرن، (۱۳۸) ولیس للحائض، و الجنب، و النفساء قرائة القرآن ﴾ ل لقوله ﷺ: لا تقرأ الحائض و الجنب شیئاً من القرآن

(۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ حائضہ طواف نہیں کرسکتی۔ عن عائشۃؓ قال لعلک نفست؟ قلت نعم قال فان ذالک شیء کتبه الله علی بنات آدم فافعل ما یفعل الحاج غیر لا تطوفی بالبیت حتی تطهری ۔ (بخاری شریف، باب تقضی الحائض المناسک کلها الا الطّواف بالبیت ص۴۴ نمبر ۳۰۵ رابوداود شریف، باب الحائض تھل بالحج، ۲۵۷، نمبر ۱۷۴۳) حدیث سے معلوم ہوا کہ حائضہ عورت طواف نہیں کرے گی۔

ترجمہ: (۱۳۷) شوہر حائضہ بیوی سے وطی نہیں کرے گا۔

ترجمہ: ل اللہ تعالی کے قول و لا تقربو هن حتی یطهرن، الخ کی وجہ سے۔

وجہ: آیت میں ہے ویسئلونک عن المحیض قل هو اذی فاعتزلوا النساء فی المحیض ولاتقربوهن حتی یطهرن (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ حیض والی عورت کے قریب بھی مت جاؤ۔

نوٹ: وطی تو کرنا حرام ہے۔ البتہ عورت کو ازار پہنا کر اسکے ساتھ لیٹ سکتا ہے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے سمعت میمونة تقول : کان رسول الله ﷺ اذا اراد أن یباشر امرأة من نسائه أمر ها فاتزرت و هی حائض ۔ (بخاری شریف، باب مباشرۃ الحائض، ص۴۴ نمبر ۳۰۳ رابوداود شریف، باب فی الرجل یصیب منها ما دون الجماع، ص۴۰، نمبر ۲۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حیض کی حالت میں ازار کے اوپر سے فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ اور اگر اول حیض میں وطی کر لیا تو ایک دینار صدقہ کرے اور اخیر حیض میں وطی کر لیا تو آدھا دینار صدقہ کرے ۔ اثر یہ ہے عن ابن عباسؓ قال : اذا اصابها فی اول الدم فدینار واذا اصابها فی انقطاع الدم فنصف دینار . (ابوداؤد باب فی ایتان الحائض ص۴۰ نمبر ۲۶۵) اس اثر میں ہے کہ حیض کے شروع میں وطی کرے تو ایک دینار صدقہ کرے اور آخیر میں کرے تو آدھا دینار صدقہ کرے۔ البتہ ایسا کرنا فرض نہیں ہے۔

ترجمہ: (۱۳۸) حائضہ اور جنبی کے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ل حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ حائضہ اور جنبی قرآن میں سے کچھ بھی نہ پڑھے۔ یہ حدیث آگے ہے۔

وجہ: (۱) عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال لا تقرء الحائض ولا الجنب شیئا من القرآن. (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الجنب والحائض لا یقرأ القرآن ص۳۴ نمبر ۱۳۱ رابوداؤد شریف، باب فی الجنب یقرأ القرآن، ص۳۴، نمبر ۲۲۹) علماء فرماتے ہیں کہ اگر عورت کو بچے پڑھانا ہو تو آیت کو ٹکڑا ٹکڑا کر کے پڑھائے۔ البتہ تسبیح اور تہلیل پڑھ سکتی ہے، دعا پڑھ سکتی ہے، اثر میں ہے عن هشام بن حسان قال: الجنب یسبح و یحمد الله ، و یدعو، ولا یقرأ آیة واحدة ۔ (مصنف عبد الرزاق،

۲؎ و هو حجة علی مالک ؒ فی الحائض ۳؎وهو باطلاقه یتناول ما دون الآیةفیکون حجة علی الطحاوی فی اباحته (۱۳۹)ولیس لهم مس المصحف الا بغلافه، ولاأخذدرهم فیه سورة من القرآن الا بصرته، وکذا المحدث لایمس المصحف الا بغلافه ﴾ ۱؎ لقوله علیه السلام:لایمس القرآن الاطاهر،

باب ھل تذ کراللہ الحائض والجنب، ج اول،ص ۳۳۷،نمبر ۱۳۰۹)(۲)اور ترمذی شریف میں اس طرح ہے۔ قالوا : لا تقرأ الحائض و لا الجنب من القرآن شیئا الا طرف الآیة و الحرف و نحو ذالک ، و رخصوا للجنب و الحائض فی التسبیح و التهلیل ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الجنب والحائض انھما لایقرآن القرآن،ص ۳۴،نمبر ۱۳۱)اس اثر سے معلوم ہوا کہ یہ لوگ پوری آیت نہیں پڑھ سکتے البتہ آیت کوتوڑتوڑ کر پڑھ سکتے ہیں اور تسبیح اور تھلیل وغیرہ پڑھ سکتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے حائضہ کے بارے میں۔

تشریح : امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ جنبی تو فوری طور پر غسل کرسکتا ہے اسلئے اسکے لئے قرآن کا پڑھنا جائز نہیں، لیکن حائضہ عورت حیض ختم ہونے تک انتظار کرے گی اس سے پہلے وہ غسل نہیں کرسکتی ،اسلئے اسکے لئے گنجائش ہے کہ وہ آیت پڑھے۔لیکن اوپر کی حدیث ان پر حجت ہے کہ حائضہ بھی قرآن کی آیت نہیں پڑھ سکتی۔

ترجمہ: ۳؎ اورحدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے آیت سے کم پر بھی شامل ہے اسلئے وہ امام طحاویؒ پر حجت ہے اسکے مباح کرنے میں۔

تشریح : امام طحاویؒ نے فرمایا کہ جنبی اور حائضہ ایک سے کم پڑھنا چاہے تو پڑھ سکتے ہیں۔انکی دلیل اوپر کا اثر ہے۔ ولا یقرأ آیة واحدة (مصنف عبدالرزاق،نمبر ۱۳۰۹)نوٹ:۔طحاوی شریف ،باب ذکر الجنب والحائض والذی لیس علی وضوءوقرأتھم القرآن، ج اول،ص ۶۸)میں ایسی کوئی عبارت نہیں ملی جس معلوم ہوتا ہو کہ حائضہ کے آیت سے کم پڑھنا جائز ہے،

ترجمہ: (۱۳۹) اورنہیں جائز ہے انکے لئے قرآن کا چھونا مگر اسکے غلاف کے ساتھ۔ اورنہیں جائز ہے درھم کو پکڑنا جس میں قرآن کی سورت ہو مگر ہمیانی کے ساتھ،اور ایسے ہی محدث کے لئے نہیں جائز ہے قرآن کا چھونا مگر اسکے غلاف کے ساتھ۔

ترجمہ: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ قرآن نہیں چھوئے مگر پاک لوگ۔

تشریح : جنبی، حائضہ،اور محدث غلاف کے بغیر قرآن کا چھونا جائز نہیں،اسی طرح جس درھم میں قرآن کی آیت لکھی ہوئی ہو اسکو بھی غلاف کے بغیر چھونا جائز نہیں ہے۔البتہ یہ لوگ زبانی آیت پڑھ سکتے ہیں، چھونہیں سکتے۔

وجہ: (۱)لا یمسه الا المطهرون (آیت ۷۹ سورة الواقعة ۵۶)(۲)حدیث میں ہے. عن عبد الله بن ابی بکر عن

۲؎ ثم الحدث، والجنابة حلا الید فیستویان فی حکم المس، و الجنابة حلت الفم دون الحدث فیفترقان فی حکم القرائة ۳؎ وغلافه مایکون متجافیا عنه دون ماھو متصل به کالجلد المشرز، ھو الصحیح

ابیه قال : کان فی کتاب النبیؐ لعمرو بن حزم الا تمس القرآن الاعلی طھر ۔(دار قطنی، باب فی نھی المحدث عن مس القرآن ج اول ص ۱۲۸ نمبر ۴۲۹ رسنن للبیھقی، باب الحائض لا تمس المصحف ولا تقرأ القرآن ص ۴۶۱، نمبر ۱۴۷۸) اس قسم کی بہت سی احادیث دار قطنی میں نقل کی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کو بغیر وضو چھونا جائز نہیں ہے۔

درھم اور دینار کو بغیر وضو کے چھونا جائز نہیں اسکے لئے یہ اثر ہے۔عن ابراھیم قال : لا یمس الدراھم غیر متوضی ء۔نمبر ۱۳۳۹، دوسری روایت میں ہے عن ابراھیم مثل ذالک الا انه قال : من وراء الثوب۔(مصنف عبد الرزاق، باب مس المصحف والدراھم التی فیھا القرآن، ج اول، ص ۳۴۴، نمبر ۱۳۳۹، نمبر ۱۳۴۰ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۳۷ الرجل یمس الدراھم وھو علی غیر وضوء، ج اول، ص ۱۰۷ نمبر ۱۲۱۴) اس اثر میں ہے کہ درھم پر آیت لکھی ہوئی ہوتو اسکو بغیر وضو کے نہ چھوئے، البتہ ہمیانی جسکو درھم کی تھیلی کہتے ہیں اسکے ساتھ چھوسکتا ہے ۔

ترجمہ ۲؎ پھر حدث اور جنابت دونوں ہاتھ میں گھس چکے ہیں اسلئے چھونے کے حکم میں دونوں برابر ہیں (یعنی دونوں کے لئے چھونا جائز نہیں ہے) اور جنابت منہ میں گھستی ہے نہ کہ حدث اسلئے پڑھنے کے حکم میں دونوں الگ الگ ہیں۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ حدث اور جنابت دونوں ہی گویا کہ ہاتھ میں گھس گئے اسلئے جنبی اور محدث دونوں ہی قرآن پاک کو نہیں چھو سکتے، اسلئے کہ انکے ہاتھ میں ناپاکی ہے۔اور جنابت تو منہ میں بھی گھس جاتی ہے لیکن حدث نہیں گھستی اسلئے جنبی قرآن نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ اسکے منہ میں ناپاکی ہے۔البتہ محدث پڑھ سکتا ہے کیونکہ اسکے منہ میں ناپاکی نہیں ہے۔اسلئے پڑھنے کے حکم میں دونوں الگ الگ ہوگئے۔

ترجمہ ۳؎ قرآن کا غلاف وہ ہے جو قرآن سے جدا ہو، چپکی ہوئی جلد کی طرح اس سے متصل نہ ہو۔یہی صحیح ہے۔

تشریح : غلاف کا اطلاق تین قسم کے کپڑوں پر ہوسکتا ہے۔(۱) آدمی کی آستین (۲) وہ جلد جو قرآن کے ساتھ چپکی ہوئی ہے جسکو جلد مشرز، کہتے ہیں۔(۳) جزدان اور بستہ جس میں قرآن کو رکھتے ہیں۔فرماتے ہیں کہ متن میں جو غلاف کا تذکرہ ہے اس سے آدمی کی آستین مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ آدمی کے تابع ہے، اس کے ذریعہ قرآن کریم کو چھونا اچھا نہیں۔اور قرآن کے ساتھ چپکی ہوئی جلد بھی مراد نہیں ہوسکتی کیونکہ وہ خود قرآن کے ساتھ چپکی ہوئی ہے اور قرآن کے تابع ہے، بلکہ وہ قرآن کا حصہ ہے، غلاف وہ ہونا چاہئے جو کسی کے تابع نہ ہو۔بلکہ غلاف سے جزدان اور بستہ مراد ہے جس میں قرآن رکھا جاتا ہے اور کسی کے تابع نہیں ہے، محدث

۴؎ و یکرہ مسہ بالکم هو الصحیح لانه تابع له ۵؎ بخلاف کتب الشریعة لاهلها حیث یرخص فی مسها بالکم لان فیه ضرورة ۶؎ ولا بأس بدفع المصحف الی الصبیان لان فی المنع تضییع حفظ القرآن، و فی الامر بالتطهیر حرجاً بهم، و هذا هو الصحیح،

کے لئے جائز ہے کہ اسکے ذریعہ قرآن کو چھوئے

وجه : اثر میں ہے عن عامر و سالم قالا : لا یمس الرجل الدرهم فیها کتاب الله و هو جنب قال : و قال عطاء و القاسم : یمسها اذا کانت مصرورة فی خرقة ،(مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۳۸ الرجل یمس الدراھم وھو جنب، ج اول،ص ۱۰۷، نمبر ۱۲۱۹/مصنف عبد الرزاق، باب مس المصحف والدراھم التی فیھا القرآن، ج اول، ص ۳۴۴، نمبر ۱۳۳۹، نمبر ۱۳۴۰) اس اثر میں ہے کہ درھم کو رکھنے کی جو تھیلی ہوتی ہے اسکے ذریعہ درھم کو چھوئے ،اسی طرح قرآن کے رکھنے کا جو غلاف ہوتا ہے اسکے ذریعہ سے قرآن کو چھوئے۔

ترجمه ۴؎ اور مکروہ ہے قرآن کو چھونا آستین کے ذریعہ سے، یہی صحیح ہے۔ اسلئے کہ آستین انسان کے تابع ہے۔

تشریح : آستین چونکہ انسان کے تابع ہے اسلئے اسکے ذریعہ سے قرآن کو چھونا مکروہ ہے۔

ترجمه ۵؎ بخلاف شریعت کی کتابوں کے شریعت والوں کے لئے کہ آستین کے ساتھ اسکو چھونے میں رخصت دی ہے اسلئے کہ اس میں ضرورت ہے

تشریح : جو لوگ ہر وقت حدیث اور فقہ کی کتابوں کو استعمال کرتے ہیں انکے لئے گنجائش ہے کہ وضو کی حالت میں نہ ہو تو اپنی آستین سے اسکو پکڑ لے اور اٹھا لے۔ کیونکہ ہر وقت وضو کرنے میں حرج ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اسکی اہمیت قرآن سے کم ہے اسلئے اسکو آستین سے اٹھانے کی گنجائش دی گئی ہے۔

ترجمه ۶؎ اور کوئی حرج نہیں ہے بچوں کو قرآن دینے میں، اسلئے کہ روکنے میں قرآن کو یاد کرنے کو ضائع کرنا ہے، اور وضو کے حکم دینے میں انکو حرج ہے۔ صحیح بات یہی ہے۔

تشریح : قرآن پڑھنے کے لئے، یا اسکو حفظ یاد کرنے کے لئے بچوں کو قرآن دینا جائز ہے اور بغیر وضو کے وہ چھوئے تب بھی جائز ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ (۱) وہ مرفوع القلم ہوتے ہیں اسلئے انکو کسی حکم کا پابند نہیں کیا جا سکتا۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ انکو بار بار وضو کرانے میں حرج عظیم ہے، اور اگر انکو قرآن ہی نہ دیں تو اگلی نسل قرآن یاد کیسے کرے گی، اس طرح قرآن ضائع ہو جائے گا۔ اسلئے ضائع ہونے سے بچانے کے لئے بچوں کے ہاتھ میں قرآن دینا جائز ہے، چاہے وہ بغیر وضو کے پڑھے۔ صحیح بات یہی ہے۔

لغت : المصحف : قرآن۔ صرة : درھم رکھنے کی تھیلی۔ حلا : حلول سے مشتق ہے، گھس جانا۔ متجافی : جوف

(۱۴۰) و اذا انقطع دم الحيض لاقل من عشرة ايام لم تحل وطيها حتى تغتسل ﴾ لان دم الحيض يدر تارة وينقطع اخرىٰ فلا بدمن الاغتسال ليترجح جانب الانقطاع، (۱۴۱) ولو لم تغتسل ومضى عليها ادنى وقت الصلوة بقدران تقدرعلى الاغتسال و التحريمة حل وطيها ﴾ لان الصلوة صارت ديناً فى ذمتها فطهرت حكماً

سے مشتق ہے، دور رہنا۔ المشرز :شرز سے مشتق ہے چپکا ہوا۔ الکم: آستین۔

ترجمہ: (۱۴۰) اگر حیض کا خون دس دن سے کم میں منقطع ہو گیا تو اس سے وطی کرنا جائز نہیں ہے جب تک کہ غسل نہ کرے۔

وجہ: دس دن سے کم میں حیض منقطع ہوا ہے تو ممکن ہے کہ دوبارہ خون آجائے اور عورت کی عادت بدل جائے اس لئے یا تو عورت غسل کرلے تاکہ مکمل پاک ہو جائے آیت۔ و يسئلونک عن المحيض قل هو اذى فاعتزلوا النساء فى المحيض و لا تقربوهن حتى يطهرن فاذا تطهرن فأتوهن من حيث أمر كم الله ان الله يحب التوابين و يحب المتطهرين (آیت ۲۲۲ سورۃ البقرۃ ۲) میں، يطهرن ،کو تشدید کے ساتھ پڑھیں تو مطلب ہوگا کہ خوب خوب پاک ہو جائے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب عورت غسل کرلے (۲) ایک اثر سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ سأل انسان عطاء قال الحائض ترى الطهر ولا تغتسل اتحل لزوجها؟قال لا حتى تغتسل. (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصیب امرأتہ وقد رأت الطہر ولم تغتسل ج اول، ص ۳۳۰ نمبر ۱۲۷۳/ السنن للبیہقی ،باب الحائض لا توطأ حتی تطہر و تغتسل ، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۴۸۳) اس اثر میں ہے کہ حائضہ دس دن سے پہلے پاک ہو جائے تو غسل سے پہلے اس سے شوہر وطی نہ کرے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ خون کبھی بہتا ہے اور کبھی منقطع ہو جاتا ہے تو غسل کرنا ضروری ہے تاکہ انقطاع کی جانب راجح ہو جائے۔

تشریح : خون کا حال یہ ہے کہ کبھی بہا اور کبھی رک گیا اسکئے ممکن ہے کہ ابھی تھوڑی دیر کے لئے رکا ہو اور جب غسل کرلے گی تو راجح ہو جائے گا کہ خون مکمل ختم ہونے کے لئے رکا ہے۔ اسلئے غسل کرلے تب شوہر وطی کرے۔

ترجمہ: (۱۴۱) اور اگر غسل نہ کرے اور اس پر نماز کا ادنی وقت گزر جائے، اس مقدار کہ غسل کرنے پر اور تحریمہ باندھنے پر قادر ہو تب بھی اس سے وطی کرنا حلال ہوگا۔

ترجمہ ل اسلئے کہ نماز اسکے ذمے میں قرض ہو گئی تو گویا کہ وہ حکما پاک ہو گئی۔

تشریح : عورت نے غسل تو نہیں کیا لیکن خون رکنے کے بعد نماز کا کوئی وقت اس پر گزر گیا، اور ابھی اتنا وقت گزرا کہ اس وقت میں وہ غسل کر سکتی تھی اور تحریمہ باندھ سکتی تھی ،مثلا پندرہ منٹ کا وقت گزر گیا تو اب اسکا شوہر اس سے وطی کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ نماز کا وقت اس پر گزر گیا تو وہ نماز اس پر قرض ہو گئی اور وہ اللہ کے نزدیک گویا کہ حکما پاک ہو گئی، اسلئے اس سے وطی کر سکتا ہے۔

(۱۴۲)ولو كان انقطع الدم دون عادتها فوق الثلث لم يقربها حتى تمضى عادتها و ان اغتسلت ﴾ ۱ لان العود فى العادة غالب فكان الاحتياط فى الاجتناب (۱۴۳)و ان انقطع الدم لعشرة ايام حل وطيها قبل الغسل ﴾ ۱ لان الحيض لا مزيد له على عشرة ايام، الا انه لا يستحب قبل الاغتسال للنهى فى القراءة التشديد

ترجمہ: (۱۴۲) اور اگر خون منقطع ہو گیا عادت سے پہلے لیکن تین دن سے زیادہ میں تو اس سے وطی نہیں کرے گا یہاں تک کہ اسکی عادت گزر جائے اگر چہ وہ غسل کر چکی ہو۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ عادت میں لوٹنا غالب ہے اسلئے احتیاط پرہیز کرنے میں ہے۔

تشریح: مثلا ایک عورت کی عادت پانچ دن کی تھی اور چار دن پر خون رک گیا، یعنی تین دن گزرنے کے بعد رکا لیکن عادت جو پانچ دن تھی اس سے پہلے رک گیا، تو چاہے اس عورت نے غسل کر لیا ہو پھر بھی شوہر وطی نہیں کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ عادت پوری ہونے میں ابھی ایک دن باقی ہے اسلئے غالب گمان یہ ہے کہ خون دوبارہ آجائے اسلئے چاہے غسل کر چکی ہو پھر بھی شوہر کے لئے صحبت کرنا جائز نہیں۔

ترجمہ: (۱۴۳) اور اگر حائضہ کا خون دس دن پورے ہونے پر منقطع ہو تو اس عورت سے غسل سے پہلے بھی وطی کرنا جائز ہے۔

وجہ: دس دن سے زیادہ تو حیض آ ہی نہیں سکتا۔ اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔ اس لئے عورت نے غسل نہیں کیا ہے تب بھی اس سے وطی کر سکتا ہے۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ غسل کے بعد وطی کرے تا کہ مکمل پاکی پر وطی ہو۔ اس صورت میں آیت حتی یطھرن (بغیر تشدید کے) پر عمل ہوگا۔ جس کی تفسیر حضرت مجاہد نے فرمایا کہ جب خون منقطع ہو جائے تو وہ پاک ہوگی۔ عبارت یہ ہے۔ **عن مجاهد فى قوله عزوجل (ولا تقربوهن حتى يطهرن) حتى ينقطع الدم فاذا تطهرن قال يقول اذا اغتسلن** (سنن للبیہقی، باب الحائض لاتوطأ حتی تطہر وتغتسل، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۴۸۲) اس اثر میں خون منقطع ہونے کو غسل کرنا قرار دیا گیا ہے اسلئے غسل نہ بھی کرے تو صحبت جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حیض دس دن سے زیادہ نہیں ہوتا، مگر یہ کہ غسل کرنے سے پہلے وطی اچھی نہیں ہے تشدید کی قرأت میں روکنے کی وجہ سے۔

تشریح: دس دن پر حیض ختم ہوا ہو تو شوہر صحبت کر سکتا ہے البتہ اچھا نہیں ہے اسکی وجہ یہ کہ، آیت میں جو یطّھرن، تشدید کے ساتھ پڑھیں تو اسکا مطلب یہ گزرا کہ خوب خوب پاک ہو تب وطی کرے اس قرأت پر عمل کرتے ہوئے چاہے دس دن پر حیض ختم ہوا

(۱۴۴) والطهر اذا تخلل بین الدمین فی مدۃ الحیض فهو کالدم التوالی ﴾ ۱؎ قال ؒ هذه احدی الروایات عن ابی حنیفۃؒ، ووجهه ان استیعاب الدم مدۃ الحیض لیس بشرط بالاجماع فیعتبر اوله و آخره کالنصاب فی باب الزکوۃ

ہو پھر بھی بغیر غسل کئے صحبت اچھی نہیں ہے۔اس لئے کہ خوب خوب پاکی اس وقت ہوگی جب وہ غسل بھی کر لے گی۔

فائدہ: امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک ہر حال میں غسل ہے۔ اس سے پہلے وطی کرنا جائز نہیں ہے۔ان کے نزدیک حتی یطهرن کا ترجمہ طہارت بالماء ہے۔اور اثر بیہقی سے استدلال کرتے ہیں کہ مکمل طہارت ہونی چاہئے تب وطی کرے۔سأل انسان عطاء قال الحائض تری الطهر ولا تغتسل اتحل لزوجها؟قال لا حتی تغتسل. (مصنف عبد الرزاق، باب الرجل یصیب امرأتہ وقد رأت الطہر ولم تغتسل ج اول، ص ۳۳۰ نمبر ۱۲۷۳/السنن للبیھقی، باب الحائض لا توطأ حتی تطہر وتغتسل، ج اول، ص ۴۶۲، نمبر ۱۴۸۳) اس اثر میں ہے کہ اس وقت تک غسل نہ کرے جب تک کہ غسل نہ کر لے۔

ترجمہ: (۱۴۴) وہ پاکی جو دو خون کے درمیان ہو حیض کی مدت میں تو وہ جاری خون کی طرح ہے۔

تشریح: عموما ایسا ہوتا ہے کہ کچھ دیر خون آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، پھر آتا ہے پھر بند ہو جاتا ہے، حیض کا خون مسلسل نہیں آتا رہتا ہے۔اس لئے حیض کی مدت کے درمیان پاکی اور طہر ہو تو اس کا حکم بھی خون آنے ہی کی طرح ہے۔یعنی اس مدت میں عورت نماز نہیں پڑھے گی اور نہ اس کا شوہر اس سے وطی کرے گا۔مثلا پہلے دن خون آیا پھر خون بند رہا پھر دسویں دن خون آیا تو پہلے دن سے لیکر دس دن تک حیض ہی شمار کیا جائے گا اور اس کا حکم حیض ہی کی طرح ہوگا۔

وجه: جس طرح نصاب زکوۃ میں شروع سال اور اخیر سال میں نصاب پورا ہو جانا کافی ہے اسی طرح حیض کے شروع دن میں اور اخیر دن میں خون آجائے تو تمام دن حیض ہی شمار کر دیا جائے گا۔چاہے درمیان میں خون نہ آیا ہو (۲) عموما ہمیشہ خون آتا بھی نہیں ہے ۔اس لئے مسلسل خون آنے کی شرط نہیں لگائی گئی۔(۳) اس اثر میں ہے۔قلت لعطاء فحاضت فأدبر عنها الدم و هی تری ماء أو تریة ؟قال : فلا تصلی حتی تری الخفوف الطاهر ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ماتری أیام حیضتھا أو بعدھا، ج اول، ص ۳۰۳، نمبر ۱۱۶۳) اس اثر میں ہے کہ درمیان میں ٹھر دیکھے تو نماز نہ پڑھے جب تک پاک نہ ہو جائے۔

ترجمہ: ۱؎ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے، اور اسکی وجہ یہ ہے کہ مدت حیض میں خون کا گھیرنا بالاتفاق شرط نہیں ہے اسلئے اعتبار کیا جائے گا خون کے شروع کا اور خون کے آخیر کا، جیسے کہ زکوۃ کے باب میں نصاب۔

تشریح: طہر متخلل کے سلسلے میں امام صاحب کی کئی روایتیں ہیں ان میں سے ایک روایت اوپر گزری کہ مدت حیض میں پاکی آجائے تو وہ مسلسل خون کی طرح شمار کیا جائے گا۔مثلا پہلے دن خون آیا درمیان میں پاکی رہی پھر نویں دن خون آیا تو یہ دسوں دن

۲و عن ابی یوسفؒ وهو روایة عن ابی حنیفةؒ، وقیل هو آخر اقواله: ان الطهر اذا کان اقل من خمسة عشر یوماً لا یفصل و هو کالدم المتوالی لانه طهر فاسد فیکون بمنزلة الدم، والاخذ بهذا القول ایسر، و تمامه یعرف فی کتاب الحیض (۱۴۵) و اقل الطهر خمسة عشر یوماً﴾

خون ہی شمار ہونگے اور دس دنوں تک حیض ہوگا۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ تمام ائمہ اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ مدت حیض میں مسلسل خون آنا شرط نہیں ہے، اسلئے شروع میں خون آجائے اور آخیر میں خون آجائے تو مسلسل خون شمار کر دیا جائے گا ۔ جس طرح زکوۃ کے باب میں شروع سال میں صاحب نصاب ہو اور آخیر میں صاحب نصاب ہو تو چاہے درمیان میں صاحب نصاب نہ بھی ہو پھر بھی اسکو پورا سال صاحب نصاب شمار کرتے ہیں اور اس پر زکوۃ لازم کرتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے اور امام ابو حنیفہؒ کی یہی آخری قول ہے کہ طہر پندرہ دن سے کم ہو تو فصل نہیں ہو گا، اور وہ مسلسل خون کی طرح ہوگا اسلئے کہ یہ طہر فاسد ہے اسلئے یہ خون کے درجے میں ہے، اور اس قول کو لینا آسان ہے۔ اور پوری بات مبسوط کے کتاب الحیض میں ہے۔

تشریح :اس روایت میں یہ ہے کہ پہلے دن خون آنے کے بعد دسویں دن بھی خون نہیں آیا بلکہ چودھویں دن خون آیا تو پہلے دن سے دس دن تک حیض ہوگا اور دس دن کے بعد چودھویں دن تک چار دن استحاضہ ہوگا۔ اس روایت میں حیض کے شروع اور آخیر میں بھی خون آنا ضروری نہیں ہے۔ یہ طہر فاسد ہے اور طہر کو بھی مسلسل خون کے درجے میں رکھا جائے گا۔

نوٹ : طہر متخلل کے بارے میں لمبی لمبی بحثیں موجود ہیں لیکن اسکے لئے کوئی حدیث یا اثر نہیں مل رہی ہے اسلئے میں اسکو لمبا نہیں کر رہا ہوں۔ بلکہ اسکے خلاف یہ حدیث موجود ہے کہ کالا اور سرخ خون ہو تو اسکو حیض شمار کریں اور اسکے علاوہ کو استحاضہ شمار کر کے نماز پڑھنے کا حکم دیں۔ حدیث یہ ہے۔ عن فاطمة بنت أبی حبیش أنها کانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ : اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف ، فاذا کان ذالک فأمسکی عن الصلاة فا ذا کان الآخر فتوضئی و صلی ۔ (ابو داود شریف، باب من قال توضأ لکل صلوۃ، ص ۴۸، نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ کالا خون ہو تو اسکو حیض شمار کرو اور اسکے علاوہ ہو تو اسکو استحاضہ شمار کرو۔

لغت : طہر متخلل: حیض کے دو خون کے درمیان جب خون آنا بند ہو جائے تو اسکو طہر متخلل، کہتے ہیں۔ المتوالی: ولایۃ سے مشتق ہے، پیدر پے۔ استیعاب: گھیرنا۔

ترجمہ: (۱۴۵) دو حیضوں کے درمیان کم سے کم طہر پندرہ دن ہونگے۔

ا؎ھکذا نقل عن ابراھیم النخعی وانه لا یعرف الاتوفیفاً، (١٤٦)و لا غایة لاکثره ﴾ ا؎لانه یمتد الی سنة وسنتین فلا یتقدر بتقدیر، ٢؎الا اذا استمر بها الدم یعرف ذالک فی کتاب الحیض

ترجمہ: ا؎ ایسے ہی ابراھیمؒ سے نقل کیا گیا ہے، اور انکو بزرگوں سے سن کر ہی معلوم ہوا ہوگا۔

تشریح: دوحیضوں کے درمیان کم سے کم پندرہ دن طہر ہوگا، یہ بات حضرت ابراھیم نخعیؒ سے منقول ہے، اور یہ حضرت بڑوں سے سن کر ہی بیان کئے ہونگے۔

نوٹ: یہ قول مجھے نہیں ملا اور نہ صاحب درایہ کو ملا ہے (٢) البتہ اقامت کی مدت پندرہ دن ہے اس سے استدلال کیا جاسکتا ہے کہ طہر کی مدت پندرہ دن ہو۔

ترجمہ: (١٤٦) اور اکثر مدت کے لئے کوئی انتہاء نہیں۔

ترجمہ: ا؎ اسلئے کہ ایک سال اور دو سال بھی لمبی مدت ہوتی ہے اسلئے کوئی متعین بات نہیں کہی جاسکتی۔

تشریح: دوحیض کے درمیان کتنی مدت عورت پاک رہ سکتی ہے اسکے بارے میں کوئی متعین دن نہیں کہا جاسکتا، کیونکہ بعض عورت کو دو دو سال تک حیض کا خون نہیں آتا، اسلئے کوئی متعین مقدار کہنا مشکل ہے۔

ترجمہ: ٢؎ مگر جبکہ خون بہتا ہی رہتا ہو۔ تو یہ مسئلہ امامؒ کے کتاب الحیض میں آپکو ملے گا۔

تشریح: اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ ایک عورت کو شروع میں مثلا دس روز حیض آیا، پھر ایک سال طھر رہا، اسکے بعد خون جاری ہوا تو کبھی بند ہی نہیں ہوا تو اس عورت کے بارے میں وقت متعین کیا جائے گا۔ یعنی اسکی عادت کی طرف پھیرا جائے گا، کہ ہر سال میں دس روز حیض ہوگا اور اسکے بعد ایک سال تک طھر شمار کیا جائے گا اسی طرح اس مستحاضہ کو زندگی بھر رکھا جائے گا، کیونکہ شروع میں اسکی عادت ہی ایسی بن گئی ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ام سلمة زوجة النبی ﷺ قالت : ان امرة کانت تھراق الدماء علی عھد رسول الله ﷺ فاستفتت لھاأم سلمة رسول اللهؐ فقال : لتنظرعدة اللیالی و الایام التی کانت تحیضھن من الشھر قبل ان یصیبھا الذی اصابھا فلتترک الصلوة قدر ذالک من الشھر فاذا خلفت ذالک فلتغتسل ۔(ابوداود شریف، باب فی المرأۃ تستحاض، ص ۴۱، نمبر ۲۷۴ / بخاری شریف، باب اقبال الحیض و ادبارھا، ۴۷، نمبر ۳۲۰) اس حدیث میں ہے کہ حیض آنے کی جو پہلے عادت ہے اسی کو حیض شمار کیا جائے اور باقی کو طھر شمار کیا جائے۔

لغت: توفیقاً: وقف سے مشتق ہے واقف ہونا، یہاں مراد ہے بڑوں سے سن کر کسی بات کو کہنا۔ غایۃ: انتہاء۔ یمتد: مد سے مشتق ہے، لمبا ہونا استمر: جاری رہنا، بہتا رہنا۔

(۱۴۷) و دم الاستحاضة كالرعاف ﴾ ۱؎ لا يمنع الصوم و لا الصلوة ولا الوطى ۲؎ لقوله عليه السلام : توضأ ی و صلی و ان قطر الدم علی الحصير ۳؎ ولما عرف حكم الصلوة ثبت حكم الصوم والوطى بنتيجة الاجماع

﴿استحاضہ کا بیان﴾

ترجمہ: (۱۴۷) اوراستحاضہ کا خون نکسیر کے خون کی طرح ہے۔

ترجمہ: ۱؎ وہ نہیں روکتا ہے روزے کو نہ نماز کو اور نہ صحبت کو۔

تشریح : جس طرح نکسیر کا خون مسلسل بہتا رہے تو اسکے باوجود نماز بھی پڑھے گی اور روزے بھی رکھے گی، اور صحبت بھی کروائے گی اسی طرح استحاضہ کا خون مسلسل آتا ہو پھر بھی نماز، روزہ کرے گی اور صحبت بھی کروائیگی۔

وجہ : حدیث میں اس کی دلیل موجود ہے (۱) عن عائشة انها قالت قالت فاطمة بنت ابی حبيش لرسول الله ﷺ يا رسول الله انی لا اطهر؟ افادع الصلوة فقال رسول الله ﷺ انما ذلک عرق وليس بالحيضة فاذا اقبلت الحيضة فاتركی الصلوة فاذا ذهب قدرها فاغسلی عنک الدم وصلی ۔(بخاری شریف، باب الاستحاضۃ ص ۴۴ نمبر ۳۰۶) رمسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مستحاضہ نماز پڑھے گی۔اور روزہ نماز کی طرح ہے اس لئے روزہ بھی رکھے گی (۲) شوہر وطی کرے اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عكرمة قال كانت ام حبيبة تستحاض فكان زوجها يغشاها (ابوداؤد، باب المستحاضۃ یغشاھا زوجھا ص ۴۹ نمبر ۳۰۹)(۳) مستحاضہ کا خون حدیث سے معلوم ہوا کہ نکسیر پھوٹنے کی طرح ہے۔اور نکسیر پھوٹنے کی حالت میں نماز، روزہ، اور وطی جائز ہیں اس لئے استحاضہ کی حالت میں بھی یہ سب جائز ہونگے۔

ترجمہ: ۲؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ وضو کرو اور نماز پڑھو اگر چہ خون چٹائی پر ٹپکتا رہے۔حدیث یہ ہے۔عن عائشة قالت جاءت فاطمة بنت أبی حبيش الی رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله ! انی امرأة أستحاض فلا اطهر أفادع الصلاة ؟ قال : لا انما ذالک عرق و ليس بالحيضة اجتنبی الصلاة أيام محيضک ثم اغتسلی و توضئی لكل صلاة و ان قطر الدم علی الحصير ۔(ابن ماجۃ شریف، باب ماجاء فی المستحاضۃ التی قد عدت أیام اقرائھا ص ۸۷، نمبر ۶۲۱ رنسائی شریف، باب ذکر الاستحاضۃ واقبال الدم وادبارہ، ص ۴۷، نمبر ۳۵۰ ر دار قطنی، کتاب الحیض، ج اول، ص ۲۱۹، نمبر ۸۰۸))(۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ استحاضہ کا خون نکسیر کی طرح ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جب نماز کا حکم پہچانا گیا تو روزے اور وطی کا حکم اجماع کے نتیجے سے ثابت ہو جائے گا۔

(۱۴۸)و لو زاد الدم علی عشرة ایام و لها عادة معروفة دونها ردت الی ایام عادتها و الذی زاد استحاضة﴾

تشریح : روزہ اور وطی نماز کی طرح ہیں اسلئے استحاضہ کی حالت میں اوپر کی حدیث کی بنا پر نماز جائز ہوگئی تو اجماع کے ذریعہ روزہ اور صحبت بھی جائز کر دے جائیں گے۔ حدیث میں بھی ہے کہ مستحاضہ روزہ رکھے گی حدیث یہ ہے ۔عن النبی ﷺ قال فی المستحاضة یدع الصلوۃ ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوۃ وتصوم وتصلی. (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضة تتوضأ لکل صلوۃ ص۳۳ نمبر ۱۲۶) اور وطی کے بارے میں یہ حدیث گزری۔ عن عکرمة قال کانت ام حبیبة تستحاض فکان زوجها یغشاها (ابوداؤد، باب المستحاضة یغشاها زوجها ص۴۹ نمبر ۳۰۹) اس حدیث میں ہے کہ مستحاضہ سے شوہر وطی کر سکتا ہے

لغت: رعاف : ناک سے جو خون آتا ہے جس کو نکسیر پھوٹنا کہتے ہیں، اس کو رعاف کہتے ہیں۔ الحصیر : چٹائی۔

نوٹ: جن اماموں کے نزدیک حیض کا خون ہونے کا مدار خون کے کالے یا خون کے سرخ ہونے پر ہے ان کے نزدیک استحاضہ کا مسئلہ بہت آسان ہے کہ جب کالا اور انتہائی سرخ خون آئے گا تو اس کو حیض شمار کریں گے۔ اور جب پیلا، زرد یا مٹیالا خون آئے گا تو اس کو استحاضہ شمار کریں گے۔ اور استحاضہ کی حالت میں عورت نماز پڑھے گی، روزہ رکھے گی اور شوہر سے وطی بھی کرائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ عورت متحیرہ ہو یعنی نہ عادت کا اندازہ ہو کہ مہینے میں کون کون سے دن حیض آتا تھا اور نہ یہ پتہ ہو کہ کب سے حیض شروع ہوا ہے اور کب ختم ہوا ہے تو ایسی عورت کے لئے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کرنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے عن فاطمة بنت ابی حبیش انها کانت تستحاض فقال لها النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوۃ فاذا کان الآخر فتوضئی و صلی. (ابوداؤد، باب من قال توضأ لکل صلوۃ ص۴۸ نمبر ۳۰۴) چنانچہ امام احمدؒ نے خون کی رنگت پر حیض اور استحاضہ کا فیصلہ کیا ہے۔

تحقیق حیض و استحاضة: رحم کے اندر چاروں طرف حیض کی جھلیاں ہوتی ہیں وہ بڑھتی رہتی ہیں۔ جب حیض کا زمانہ آتا ہے تو وہ کٹ کٹ کر خون کے ساتھ گرتی ہیں۔ اس لئے حیض کا خون گاڑھا اور کالا ہوتا ہے۔ لیکن رحم کی رگوں میں کوئی بیماری ہو تو حیض کے بعد بھی اس سے خون گرتا ہے۔ جس میں وہ جھلیاں نہیں ہوتی یا سرخ رنگ کا خون ہوتا ہے یا مٹیالا یا زرد رنگ کا خون ہوتا ہے، استحاضہ کا خون رحم میں خراش یا بیماری کی وجہ سے آتا ہے۔

ترجمہ: (۱۴۸) اگر خون دس دن سے زیادہ ہو جائے اور عورت کے لئے عادت معروف ہو تو اس کی عادت کے زمانے کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور جو عادت معروفہ سے زیادہ ہوگا وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔

۱ لقوله عليه السلام: المستحاضة تدع الصلوة ايام اقرا ئها **۲** ولان الزائد على العادة يجانس ما زاد على العشرة فيلحق به، **۳** وان ابتدأت مع البلوغ مستحاضة فحيضها عشرة ايام من كل شهر والباقى استحاضة لانا عرفناه حيضاًفلا يخرج عنه بالشک، والله اعلم

تشریح: مثلاکسی کی عادت ہر مہینے میں تین یا پانچ دن حیض آنے کی ہے۔اب اس کو نو دنوں تک خون آ گیا تو سمجھا جائے گا کہ اس کی عادت بدل گئی اور نو دن تک حیض شمار کیا جائے گا۔لیکن اگر اس کو دس دن سے بھی زیادہ خون آ گیا تو دس دن سے زیادہ جو خون ہے وہ استحاضہ ہوگا اور اس کے ساتھ ہی عادت پانچ روز تھی اس سے جو زیادہ خون آیا وہ بھی استحاضہ ہو جائے گا۔یعنی پانچ روز سے زیادہ تمام خون استحاضہ شمار کیا جائے گا۔اور عادت کے مطابق پانچ روز حیض کے ہوں گے۔

وجہ: حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے قالت عائشه رأيت مركنها ملآن دما فقال لها رسول الله ﷺ امكثى قدر ما كانت تحبسک حيضتک ثم اغتسلى و صلى (مسلم شریف، باب المستحاضۃ وغسلھا وصلواتھا ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۴)اس حدیث میں ہے کہ پہلے جتنی عادت تھی اتنی ہی حیض ہوگا اسکے علاوہ سب استحاضہ ہوگا۔

ترجمہ: **۱** حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مستحاضہ اپنے حیض کے زمانے میں نماز چھوڑے گی۔حدیث یہ ہے(۲)عن النبى ﷺ قال فى المستحاضة يدع الصلوة ايام اقرائها التى كانت تحيض فيها ثم تغتسل وتتوضأ عند كل صلوة وتصوم وتصلى. (ترمذی شریف، باب ما جاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص ۳۳ نمبر ۱۲۶/ابوداود شریف، باب اذا اقبلت الحیضۃ تدع الصلاۃ، ص ۴۳، نمبر ۲۸۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہو اور دس دن سے زیادہ خون آ گیا تو عادت سے زیادہ جتنا ہوگا وہ سب استحاضہ کا خون ہوگا۔

ترجمہ: **۲** اور اسلئے کہ جو عادت پر زائد ہے وہ اسکے مناسب ہے جو دس دن پر زائد ہے اسلئے اسی کے ساتھ ملحق کر دیا جائے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔مثلا ایک عورت کی عادت پانچ دن حیض کی تھی اب اسکو اس مرتبہ بارہ دن خون آ گیا تو دس دن کے بعد جو دو دن ہیں وہ یقیناً استحاضہ کے ہیں۔اور پہلے پانچ دن عادت کے مطابق یقیناً حیض کے ہیں اب اسکے بعد جو پانچ دن ہیں انکے بارے میں شک ہے کہ اسکو استحاضہ کا شمار کریں یا حیض کا شمار کریں لیکن یہ استحاضہ کے زیادہ مناسب ہے کیونکہ عادت جو پانچ دن تھی اسکے بعد آیا ہے اسلئے اسکو استحاضہ کے ساتھ ملا کر استحاضہ قرار دیا جائے۔کیونکہ حدیث میں عادت کو ہی اصل قرار دیا ہے کہ عادت کے بعد جو خون بھی آئے وہ استحاضہ ہوگا۔

ترجمہ: **۳** اگر بالغ ہونے کے بعد شروع سے مستحاضہ ہوئی ہے تو اس کا حیض دس دن ہیں ہر ماہ میں اور باقی استحاضہ ہوگا۔اسلئے کہ دس دن کے بارے میں معلوم ہوا کہ حیض ہے تو شک کی وجہ سے اس سے نہیں نکلیں گے اور اللہ تعالیٰ ہی زیادہ جانتا ہے۔

تشریح: ایک عورت کو پہلا خون آیا اور دس دن سے زیادہ خون آیا اور مستحاضہ ہوگئی اس کی کوئی عادت نہ بن سکی جس پر محمول کیا جائے اور ہر وقت خون آتا ہے تو ایسی عورت کے لئے ہر ماہ میں دس دن حیض شمار کئے جائیں گے۔ اور باقی دن استحاضہ کے ہونگے۔

وجہ: (ا) ہر ماہ میں تین دن تو یقینی طور پر حیض کا زمانہ ہے۔ باقی سات دنوں میں شک ہے۔ البتہ حنفیہ کے نزدیک حیض زیادہ سے زیادہ دس دن ہے اس لئے دس دن تک حیض ہی شمار کریں گے۔ زیادہ سے زیادہ دس دن حیض کی مدت ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن ابی امامة الباھلی قال قال رسول الله ﷺ لایکون الحیض للجاریة والثیب الذی قد ایئست من الحیض اقل من ثلاثة ایام ولا اکثر من عشرة ایام فاذا رأت الدم فوق عشرة ایام فھی مستحاضة فمازاد علی ایام اقرائھا قضت ودم الحیض اسود خائر تعلوه حمرة ودم المستحاضة اصفر رقیق** (دار قطنی، نمبر ۸۳۴) (۲) **عن واثلة بن الاسقع قال قال رسول الله ﷺ اقل الحیض ثلاثة ایام و اکثره عشرة ایام** ۔ (دار قطنی، کتاب الحیض، ج اول، ص ۲۲۵ /۸۳۶)۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دس دن تک حیض ہے اسلئے جس عورت کی کوئی عادت نہ ہو وہ بالغ ہی مستحاضہ ہو کر ہوئی ہوا سکے لئے ہر مہینے میں دس روز حیض اور باقی بیس دن، یا انیس دن استحاضہ ہوگا

فائدہ: امام ابو یوسف کی رائے ہے کہ نماز اور روزہ کے حق میں تین دن حیض ہوگا اور باقی دن نماز اور روزے ادا کرے گی اور وطی کے حق میں دس دن حیض شمار ہوگا تاکہ دس دن تک وطی نہ کرے۔ یہ مسئلہ احتیاط پر ہے۔

نوٹ: باضابطہ کوئی حدیث اس کے بارے میں نہیں ملی۔

فائدہ: امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ اگر خون کالا یا سرخ ہے تو اس وقت حیض ہوگا اور باقی زمانہ استحاضہ کا شمار ہوگا۔ ان کی دلیل وہ احادیث ہیں جن میں کالے اور سرخ خون کو حیض کہا گیا ہے، انکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن فاطمة بنت ابی حبیش انھا کانت تستحاض فقال لھا النبی ﷺ اذا کان دم الحیض فانه دم اسود یعرف فاذا کان ذلک فامسکی عن الصلوة فاذا کان الآخر فتوضئی و صلی.** (ابوداؤد، باب من قال توضأ لکل صلوۃ ص ۴۸ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ خون کالا ہو تو وہ حیض ہے اور اسکے علاوہ ہو تو وہ استحاضہ ہے۔

﴿فصل فی المستحاضۃ﴾

(۱۴۹)والمستحاضۃومن بہ سلس البول، والرعاف الدائم، والجرح الذی لایرقأ یتوضئون لوقت کل صلوۃ فیصلون بذالک الوضوء فی الوقت ماشاؤا من الفرائض والنوافل ﴿ا﴾ و قال الشافعیؒ تتوضأالمستحاضۃ لکل مکتوبۃ لقولہ علیہ السلام:المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ،

ترجمہ: (۱۴۹) مستحاضہ عورت اور جس کوسلسل البول ہے یا ہمیشہ نکسیر بہتی ہے یا وہ زخم ہو جو بند نہ ہوتا ہوتو وضوکریں گے ہر نماز کے وقت کے لئے اور نماز پڑھیں گے اس وضو سے وقت میں جتنی چاہے فرائض میں سے اور نوافل میں سے۔

تشریح: (۱)جس کومسلسل استحاضہ کا خون آتا ہو(۲) یا مسلسل پیشاب آتا ہو(۳) یا نکسیر پھوٹی ہو اور ہمیشہ خون آتا رہتا ہو (۴) یا زخم سے خون بند نہ ہوتا ہو اور اتنا بھی وقت نہیں ملتا ہو کہ وضوکر کے تحریمہ باندھ سکے اور فرض نماز پڑھ سکے تو ایسے لوگوں کو معذور کہتے ہیں۔اور معذور کے لئے شریعت نے سہولت دی ہے کہ ہر فرض نماز کے وقت وضوکریں گے اور اس وضو سے فرض اور نوافل جتنی چاہے پڑھیں۔جب وقت نکل جائے گا تو اب ضرورت پوری ہوگئی اس لئے خون نکلنے کی وجہ سے وضوٹوٹ جائے گا۔خون تو نکل ہی رہا تھا مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے اس کا اعتبار نہیں کر رہے تھے۔لیکن جب ضرورت پوری ہوگئی تو خون نکلنے کا اعتبار کرلیا گیا اور وضوتوڑ دیا گیا۔اب نئے وقت کے لئے نیا وضوکریں گے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے (ا)عن النبی ﷺ انہ قال فی المستحاضۃ تدع الصلوۃ ایام اقرائھا التی کانت تحیض فیھا ثم تغتسل و تتوضأ عند کل صلوۃ وتصوم وتصلی . (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضۃ تتوضأ لکل صلوۃ ص۳۳ نمبر۱۲۶/ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی المستحاضۃ التی قدعدت ایام اقرائھا قبل ان یستمر الدم، ص۸۸، نمبر۶۲۴)ابن ماجہ شریف، میں یہ جملہ بھی ہے۔ توضئی لکل صلوۃ وان قطر الدم علی الحصیر ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہر نماز کے لئے وضوکرے گی۔البتہ ہمارے یہاں نماز کی بجائے نماز کے وقت کے لئے معذور وضوکریں گے۔کیونکہ محاورہ میں نماز بول کر نماز کا وقت مراد لیتے ہیں۔کہتے ہیں ظہر میں آؤ یعنی ظہر کے وقت میں آؤ۔اس لئے عندلکل صلوۃ سے مرادلکل وقت صلوۃ ہے۔چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی ایک وضو سے فرض کے تحت میں بہت سے نوافل پڑھ سکتے ہیں۔اس لئے حنفیہ اور شوافع کا مسلک قریب قریب ہوگیا۔

ترجمہ: ا اور کہا امام شافعیؒ نے کہ مستحاضہ وضوکرے گی ہر فرض کے لئے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ مستحاضہ وضوکرے گی ہر نماز کے لئے۔

تشریح : حدیث کی بنا پر امام شافعیؒ کے نزدیک یہ ہے کہ معذور لوگ ہر فرض کے لئے الگ الگ وضوکریں اور اسکے تحت میں نوافل پڑھ لیں دلیل یہ حدیث گزرگئی۔عن النبی ﷺ انہ قال فی المستحاضۃ تدع الصلوۃ ایام اقرائھا التی کانت

٢ ولان اعتبار طهارتها ضرورة اداء المكتوبة فلا تبقى بعد الفراغ منها ٣ ولنا قوله ﷺ:المستحاضة تتوضأ لوقت كل صلوة ٤ وهو المراد بالاول، لان اللام تستعار للوقت، يقال : آتيك لصلوة الظهر، اى وقتها، ٥ ولان الوقت اقيم مقام الاداء تيسيراً فيدار الحكم عليه

تحيض فيها ثم تغتسل و تتوضأ عند كل صلوة وتصوم وتصلي . (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضہ تتوضأ لکل صلوۃ ص٣٣ نمبر ١٢٦/ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی المستحاضۃ التی قد عدت ایام اقرائھا قبل ان یستمر الدم، ص ٨٨، نمبر ٦٢٤)اس حدیث میں ہے کہ ہر نماز کے لئے وضو کرے۔

ترجمہ: ٢ اور اسلئے کہ مستحاضہ کی طھارت کا اعتبار فرض کی ادائیگی کی ضرورت کی بنا پر ہے، اسلئے اس سے فارغ ہونے کے بعد باقی نہیں رہے گی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ مستحاضہ اور معذور لوگوں سے مسلسل خون گر رہا ہے اسلئے قاعدے کے اعتبار سے انکا وضوٹوٹ جانا چاہئے لیکن فرض کی ادائیگی کی ضرورت کے لئے وضو باقی رکھا، اور جب فرض کی ادائیگی ہوگئی تو اب ضرورت پوری ہوگئی اسلئے اب وضو باقی نہیں رہنا چاہئے۔ اب اگلے فرض کا وقت آئے گا اور وضو کی ضرورت پڑے گی تو پھر اسکے لئے نیا وضو کیا جائے گا۔

ترجمہ: ٣ اور ہماری دلیل حضورؐ کا قول مستحاضہ ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرے۔ یہ حدیث، کہ نماز کے وقت کے لئے نہیں ملتی، صاحب نصب الرایہ نے غریب جدا، کہا ہے، (نصب الرایۃ ، باب الحیض والاستحاضہ، ج اول، ص ٢٦٦)

ترجمہ: ٤ اور وہی مراد ہے پہلی حدیث کی اسلئے کہ لام وقت کے لئے مستعار لیا جاتا ہے، کہا جاتا ہے، آتیک لصلوۃ الظھر۔ میں تمہارے پاس ظہر کی نماز کے لئے آونگا، یعنی ظہر کے وقت آونگا۔

تشریح : فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں جو توضئی لکل صلوۃ ، ہے اس لام کے معنی بھی وقت کے ہیں، کیونکہ لام کو وقت کے معنی میں مستعار لیا جاتا ہے، لوگ کہتے ہیں آتیک لصلوۃ الظھر ، اس کا ترجمہ صرف یہ نہیں ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز میں آونگا، بلکہ ترجمہ ہوتا ہے کہ میں تمہارے پاس ظہر کے وقت میں آونگا، تو لام وقت کے معنی میں ہے اور توضئی لکل صلوۃ ، کا ترجمہ ہوا ہر نماز کے وقت کے لئے وضو کرو ۔

ترجمہ: ٥ اور اسلئے بھی کہ وقت کو ادا کے قائم مقام کیا گیا ہے آسانی کے لئے اسلئے حکم اسی پر رکھا جائے گا۔

تشریح: انسان کی سہولت کے لئے وقت کو ادا کے قائم مقام کیا گیا ہے یعنی جب یہ وقت آجائے تو اس میں نماز ادا کرلو، پس جب وقت کو ادا کا سبب بنایا تو معذور کے وضو کے ٹوٹنے کا سبب بھی وقت ہی کو بنایا جائے، کہ جب نکل گیا تو پچھلا حدث لوٹ آیا اور اسکی وجہ سے وضوٹوٹ گیا۔

(۱۵۰) و اذا خرج الوقت بطل وضوء هم، واستانفوا الوضوء لصلوة اخری﴾ ۱ و هذا عنداصحابنا الثلاثة ۲ وقال زفرؒ استانفوا اذا دخل الوقت، (۱۵۱) فان توضئوا حین تطلع الشمس اجزاهم حتی یذهب وقت الظهر﴾ ۱ وهذا عند ابی حنیفةؒ ومحمدؒ ۲ وقال ابو یوسفؒ و زفرؒ اجزاهم حتی یدخل وقت الظهر،

نوٹ: احادیث میں ہرنماز کے لئے غسل کرنے کا حکم گزرا وہ استحباب کے طور پر ہے یا علاج کے طور پر ہے۔

لغت: سلسل البول؛ جن کو ہر وقت پیشاب کا قطرہ آتا رہتا ہو۔ **الرعاف الدائم** ؛ ہمیشہ نکسیر پھوٹتی رہتی ہو۔ **لا یرقأ**؛ خون بند نہ ہوتا ہو۔

ترجمہ: (۱۵۰) اور جب وقت نکل جائے تو ان سب کے وضو باطل ہو جائیں گے، دوسری نماز کے لئے یہ لوگ الگ سے وضو کریں۔

ترجمہ: ۱ یہ ہمارے تینوں اصحاب کے نزدیک ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ، امام محمدؒ، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ ہے کہ معذور لوگوں کا وقت نکل جائے تو وقت کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۲ اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ جب وقت داخل ہو تو اس سے وضو شروع کرے۔

تشریح : امام زفرؒ نے فرمایا کہ وقت کے نکلنے سے وضو نہیں ٹوٹے گا بلکہ وقت کے داخل ہونے سے وضو ٹوٹے گا۔ مثلا کسی معذور نے فجر کی نماز سے وضو کیا اور اس سے نماز پڑھی، پھر چھ بجے فجر کا وقت نکل گیا تو اس سے امام زفرؒ کے نزدیک وضو نہیں ٹوٹا، اب ساڑھے بارہ بجے ظہر کا وقت داخل ہو تو اس داخل ہونے سے اسکا وضو ٹوٹے گا۔

ترجمہ: (۱۵۱) پس اگر سورج کے طلوع ہوتے وقت وضو کیا تو اسکو کافی ہوگا یہاں تک کہ ظہر کا وقت ختم ہو جائے۔

ترجمہ: ۱ یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : قاعدہ گزر چکا ہے کہ ہمارے یہاں وقت کے نکلنے سے معذور کا وضو ٹوٹتا ہے، اسی قاعدے پر یہ مسئلہ متفرع ہے، کہ کسی نے سورج کے نکلنے کے بعد وضو کیا تو اگر کوئی حدث پیش نہیں آیا تو اس وضو سے ظہر کے وقت کے ختم ہونے تک نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ ساڑھے بارہ بجے ظہر کا وقت داخل ہوا ہے نماز کا کوئی وقت نہیں نکلا ہے، نماز کا وقت نکل رہا ہے ظہر کا وقت ختم ہونے پر اسلئے ظہر کے وقت ختم ہونے تک نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ: ۲ اور فرمایا امام ابو یوسفؒ اور امام زفرؒ نے کہ اسکو کافی ہوگا ظہر کے وقت داخل ہوتے وقت تک۔

۳؎ و حاصله ان طهارة المعذور تنتقض بخروج الوقت بالحدث السابق عند ابی حنيفةؒ و محمدؒ، و بدخول الوقت عند زفرؒ، و بايهما كان عند ابی يوسفؒ، ۴؎ و فائدة الاختلاف لا تظهر الا فيمن توضأ قبل الزوال كما ذكرنا او قبل طلوع الشمس، ۵؎ لزفرؒ: ان اعتبار الطهارة مع المنافی للحاجة الی الاداء، و لا حاجة قبل الوقت فلا تعتبر،

تشریح : امام ابو یوسف کے نزدیکؒ وقت کے داخل ہونے سے بھی معذور کا وضوٹوٹتا ہےاور وقت کے نکلنے سے بھی اسلئے ظہر کا وقت جیسے ہی داخل ہوا تو وضوٹوٹ جائے گا،اسی طرح امام زفرؒ کے نزدیک صرف وقت کے داخل ہونے سے وضوٹوٹتا ہےاسلئے ظہر کا وقت جیسے ہی داخل ہووضوٹوٹ جائیگا ۔

ترجمہ: ۳؎ اسکا حاصل یہ ہے کہ معذور کی طھارت وقت کے نکلنے سےٹوٹتا ہےحدث سابق کی وجہ سےامام ابوحنیفہؒاورامام محمدؒ کےنزدیک،اوروقت کے داخل ہونے سےامام زفرؒ کےنزدیک اوردونوں میں سے جون سا بھی ہوامام ابو یوسفؒ کےنزدیک ۔

تشریح : یہ بات گزرگئی ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کےنزدیک وقت کے نکلنے سےمعذور کا وضوٹوٹتا ہے،اورامام زفرؒ کے نزدیک وقت کے داخل ہونے سے،اورامام ابو یوسفؒ کےنزدیک وقت کے نکلنے سے بھی اور وقت کے داخل ہونے سے بھی وضو ٹوٹتا ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اختلاف کا فائدہ نہیں ظاہر ہوگامگراس صورت میں کہ کسی نے زوال سے پہلے وضوکیا،جیسا کہ ذکرکیا،یا سورج طلوع سے پہلے۔

تشریح : قاعدے میں اختلاف کا فائدہ اس صورت میں ظاہر ہوگا کہ کسی آدمی نے زوال سے پہلے وضوکیا تو ظہر کا وقت داخل ہوتے ہی امام زفراورامام ابو یوسفؒ کے نزدیک وضوٹوٹ گیااس لئے اس وضو سے نماز نہیں پڑھ سکتا،اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک پڑھ سکتا ہے کیونکہ کوئی وقت ابھی نکلا نہیں ہے بلکہ داخل ہوا ہے۔اوراگرسورج کےطلوع ہونے سے پہلے وضوکیا تو سورج نکلنے کے بعداس وضو سےامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کےنزدیک نماز نہیں پڑھ سکتا کیونکہ یہاں وقت نکلا ہے،اورامام زفرؒ کےنزدیک نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ کسی نماز کا وقت داخل نہیں ہوا ہے۔

ترجمہ: ۵؎ امام زفرؒفرماتے ہیں کہ منافی کے باوجود پاکی کا اعتبارادا کی ضرورت کی بنا پر ہےاوروقت سے پہلےکوئی ضرورت نہیں ہےاسلئے پاکی کا اعتبار نہیں۔

تشریح : خون گررہا ہےاسکے باوجود پاکی کا حکم لگانااس وجہ سے ہے کہ نماز ادا ہوجائے ورنہ تو وہ نماز ہی نہیں پڑھ سکیں گےاور ادا کی ضرورت پڑے گی وقت داخل ہونے کے بعداس سے پہلے وضوکی ضرورت نہیں ہےاس لئے وقت داخل ہونے سے پہلے جو

۶ و لابی یوسف: ان الحاجة مقصورة علی الوقت فلا یعتبر قبله و لا بعده ۷ ولهما انه لابد من تقدیم الطهارة علی الوقت لیتمکن من الاداء کما دخل الوقت و خروج الوقت دلیل زوال الحاجة، فظهر اعتبار الحدث عنده ۸ والمراد بالوقت: وقت المفروضة حتی لوتوضأ المعذور لصلوة العید له ان یصلی الظهربه عندهما، و هوالصحیح،لانها بمنزلة صلوة الضحی، ۹و لو توضأ مرة للظهر فی وقته واخریٰ فیه للعصر فعندهمالیس له ان یصلی العصربه لانتقاضه بخروج وقت المفروضة،

وضو ہے وہ ختم ہو جائے گا۔

ترجمہ: ۶ اورامام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ ضرورت وقت پر منحصر ہے اسلئے اس سے پہلے بھی اسکا اعتبار نہیں اوراسکے بعد بھی اسکا اعتبار نہیں۔

ترجمہ: ۷ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ طھارت کو وقت سے پہلے کرنا ضروری ہے تاکہ وقت داخل ہوتے ہی نماز ادا کرنا ممکن ہو، اور وقت کا نکلنا ضرورت کے ختم ہونے کی دلیل ہے اسلئے اس وقت حدث کا اعتبار ظاہر ہوا۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ وقت سے پہلے بھی وضو کرنے کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ نماز کا وقت داخل ہوتے ہی نماز پڑھ سکے اسلئے وقت کے داخل ہونے سے وضو نہیں ٹوٹنا چاہئے، اور جب وقت نکل گیا تو اب اس نماز کے پڑھنے کی ضرورت نہیں رہی اسلئے اس وضو کی ضرورت نہیں رہی اسلئے وقت کے نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

حاصل : یہ ہے کہ معذور کی طھارت ضرورت کی بنا پر تھی اور وقت نکلنے سے ضرورت نہیں رہی اسلئے اس سے وضو ٹوٹ جائے گا۔

ترجمہ: ۸ وقت سے فرض کا وقت مراد ہے، یہاں تک کہ اگر معذور نے عید کی نماز کے لئے وضو کیا تو اسکے لئے امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کے نزدیک ظہر کی نماز پڑھنا جائز ہے، اور صحیح بات یہی ہے اسلئے کہ نماز عید چاشت کی نماز کی طرح ہے۔

تشریح : متن جو ہے کہ وقت نکلنے سے وضو ٹوٹ جائے گا اس وقت سے فرض کا وقت مراد ہے، چنانچہ اگر عید کی نماز کے لئے وضو کیا اور عید کا وقت نکل گیا تو اس سے وضو نہیں ٹوٹے گا اسلئے کہ عید کا وقت فرض نہیں ہے وہ تو چاشت کی نماز کی طرح نفل ہے۔

ترجمہ: ۹ اگر کسی نے ایک مرتبہ نماز ظہر کے لئے وضو کیا پھر ظہر ہی کے وقت میں دوسری مرتبہ نماز عصر کے لئے وضو کیا تو طرفین کے نزدیک اسکے لئے جائز نہیں ہے کہ اس سے عصر کی نماز پڑھے اسلئے کہ فرض وقت نکلنے کی وجہ سے وضو ٹوٹ گیا۔

تشریح : ایک آدمی نے ظہر کے وقت میں ظہر کی نماز کے لئے وضو کیا، اسکو پڑھنے کے بعد پھر ظہر ہی کے وقت میں عصر کی نماز کے لئے دوبارہ وضو کیا، تو اس وضو سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتا، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس وضو پر بھی ظہر کا وقت نکلا، اور وقت نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے اسلئے اسکا وضو ٹوٹ گیا اسلئے اس سے عصر کی نماز نہیں پڑھ سکتا۔

۱۰؎و المستحاضة هی التی لا یمضی علیها وقت صلوة الا و الحدث الذی ابتلیت به یو جد فیه، ۱۱؎و کـذا کل من هوفی معناها،و هو من ذکرناه، و من به استطلاق بطن، و انفلات ریح لان الضرورة بهذا یتحقق وهی تعم الکل

ترجمہ : ۱۰؎ اور مستحاضہ وہ ہے کہ اس کا کوئی بھی نماز کا وقت نہیں گزرتا ہو مگر اس میں وہ حدث پایا جاتا ہو جس میں وہ مبتلا ہو۔

تشریح : کس وقت کسی کو معذور قرار دیا جائے گا اسکا قاعدہ بیان کیا جارہا ہے۔فرماتے ہیں کہ،جب بھی نماز کا وقت آتا ہو تو یہ عذر پایا جاتا ہو،وقت میں اتنا بھی ٹائم نہیں ملتا ہو کہ وضو کر کے تحریمہ باندھ سکے۔مثلا استحاضہ کا خون ہر وقت گرتا رہتا ہے دن کے پانچوں نمازوں میں پانچ منٹ کا بھی وقت نہیں ملتا کہ اس میں خون بند رہتا ہو،ایسی صورت میں اسکو معذور قرار دیا جائے گا۔جب اسکو معذور قرار دے دیا گیا تو چاہے اسکا خون گرتا رہے وضو نہیں ٹوٹے گا،البتہ اگر کوئی اور حدث ہوا تو اس سے وضو ٹوٹے گا۔بعد میں جب اتنا خون بند ہو جائے کہ نماز کے پورے وقت میں ایک مرتبہ بھی خون نہ آئے تو اب وہ معذور نہیں رہے گا۔

ترجمہ : ۱۱؎ اور یہی حکم ہے ہر اس معذور کا جو اسکے معنی میں ہو،جسکو میں نے ذکر کیا،اور جسکو پیٹ چلنے کی بیماری ہو،اور ہوا نکلنے کی بیماری ہو،کیونکہ ضرورت اس عذر کے ساتھ متحقق ہو جاتی ہے،اور ضرورت سب کو عام ہے۔

تشریح : جن معذروں کا حال اس طرح ہے کہ عذر پورے وقت کو گھیرے ہوئے ہے اور پانچوں نمازوں میں،یعنی ایک دن ایک رات یہ صورت بحال رہے تو اس سے معذور ہو جاتا ہے اور اس پر معذور کا حکم لاگو ہو جاتا ہے،جیسے کسی کو مسلسل پیخانہ آنے کی بیماری ہو کہ نماز کے وقت میں پانچ منٹ بھی نہیں ملتا کہ پیخانہ آجاتا ہے تو وہ بھی معذور کے حکم میں ہو جائے گا اور چاہے پیخانہ آتا رہتا ہو پھر بھی اسکے لئے نماز پڑھنا جائز ہے۔اسی طرح کسی کو مسلسل ہوا نکلتی ہو کہ نماز کے وقت میں پانچ منٹ کا وقت بھی نہیں ملتا ہو تو وہ معذور کے حکم میں ہو جائے گا اور اسکے لئے ہوا نکلنے کے باوجود نماز پڑھنا جائز ہوگا۔

اور معذور ہو جانے کے بعد جب اتنا افاقہ ہو جائے کہ نماز کے وقت میں ایک مرتبہ بھی وہ حدث نہ آئے تو اب اسکو صحت مند قرار دیں گے،اور اب یہ معذور نہیں رہے گا۔

لغت : یتمکن:قدرت ہوسکے گی۔صلاة الضحی :چاشت کی نماز۔ابتلیت:مبتلا ہوئی ہو۔استطلاق بطن : طلق کا ترجمہ ہے چھوٹنا،یہاں مراد ہے،پیٹ کا چلنا،ہر وقت پیخانہ ہوتے رہنا۔انفلات ریح : فلت سے مشتق ہے چھوٹنا،اسلئے انفلات ریح کا ترجمہ ہوا اچانک ہوا نکل جانا۔

CLIPART\image4.jpg
not found.

﴿فصل فی النفاس﴾

(۱۵۲)و النفاس هو الدم الخارج عقيب الولادة﴾ لانه ما خوذ من تنفس الرحم بالدم، او من خروج النفس، بمعنى الولد، او بمعنى الدم (۱۵۳) و الدم الذى تراه الحامل ابتداء، او حال ولادتها قبل خروج الولد استحاضة، وان كان ممتدا ﴾

﴿ نفاس کا بیان ﴾

ترجمہ: (۱۵۲) نفاس وہ خون ہے جو بچہ پیدا ہونے کے بعد نکلے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نفاس تنفس الرحم بالدم، سے مشتق ہے، یا خروج النفس سے مشتق ہے، جسکا معنی ہے بچے کا نکلنا، یا خون کا نکلنا۔

تشریح: اس عبارت میں نفاس کا معنی بیان کیا جا رہا ہے کہ یہ جملہ تنفس الرحم بالدم سے مشتق ہے، جسکا ترجمہ ہے رحم نے خون پھینکا۔ یا یہ مشتق ہے خروج النفس سے، اور نفس کے دو معنی ہیں خون یا بچہ، اگر خون لیا جائے تو ترجمہ ہوگا رحم سے خون نکلا، اور اگر بچہ مراد لیا جائے تو ترجمہ ہوگا رحم سے بچہ نکلا۔ بہر حال نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم سے نکلے۔

لغت: عقیب : بعد میں، پیچھے

ترجمہ: (۱۵۳) وہ خون جو حاملہ عورت شروع میں دیکھے یا عورت جو ولادت کی حالت میں دیکھے بچہ نکلنے سے پہلے وہ استحاضہ ہے۔ چاہے خون کی مدت حیض کی مدت جتنی ہو ۔

تشریح: حاملہ عورت حمل کی حالت میں خون دیکھے یا بچہ پیدا ہونے سے پہلے عورت کو جو خون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہے۔ چاہے وہ خون تین دن سے زیادہ تک آتا رہا ہو، اور اسکی مدت حیض کی مدت تک ہو پھر بھی وہ خون استحاضہ کا ہی شمار کیا جائے گا۔

وجہ: (۱) کیونکہ نفاس اس خون کو کہتے ہیں جو بچہ پیدا ہونے کے بعد ہو اور یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہے۔ اور حیض اس لئے نہیں ہوسکتا کہ وہ خالی رحم سے نکلتا ہے اور یہاں رحم بچہ سے بھرا ہوا ہے (۲) حیض کی جھلیاں کٹ کٹ کر گرتی ہیں تو حیض ہوتا ہے اور بچہ کی حالت میں بچہ کا آنول جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوتا ہے اس لئے جھلیاں نہیں کٹ سکے گی اس لئے وہ حیض کا خون نہیں ہے۔ اسی طرح بچہ کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہے اس لئے نہ حیض آ سکتا ہے اور نہ نفاس۔ اس لئے وہ استحاضہ کا خون ہے۔ (۳) اثر میں ہے۔ عن الحسن فی الحامل ترى الدم قالا : هى بمنزلة المستحاضة تغسل كل يوم مرة عند صلوة الظهر ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الحامل تری الدم، ج اول، ص ۳۱۶، نمبر ۱۲۱۰) اس اثر میں ہے کہ حاملہ عورت کا خون استحاضۃ ہے، اور چونکہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے پہلے تک حاملہ ہے اسلئے اس وقت بھی جو خون نکلے گا وہ اثر کی بنا پر استحاضۃ ہوگا۔

۱؎وقال الشافعیؒ: حیض اعتباراً بالنفاس، اذ هما جمیعا من الرحم، ۲؎ و لنا ان بالحمل ینسد فم الرحم کذا العادة،و النفاس بعد انفتاحه بخروج الولد، ۳؎ولهذا کان نفاساً بعد خروج بعض الولد فیما یروی عن ابی حنیفةؒ و محمد لانه ینفتح فیتنفس به (۱۵۴)و السقط الذی استبان بعض خلقه ولد﴾۱؎حتی تصیر به نفساء، و تصیر الامة ام ولد به، و کذا العدة تنقضی به

ترجمه: ۱؎ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ یہ حیض ہے نفاس پر قیاس کرتے ہوئے اسلئے کہ دونوں خون رحم سے ہیں۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ حاملہ عورت کے رحم سے جو خون نکلے وہ حیض کا خون ہے،اوراس پر حیض کے احکام جاری ہونگے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد تو نفاس ہے اس سے قبل حیض ہونا چاہئے کیونکہ دونوں خون رحم سے ہی آتے ہیں۔نوٹ:۔اس سے زیادہ مطلب سمجھ میں نہیں آتا۔(۲)**عن الزهری و قتادة قالا: اذا رأت الحامل الدم و ان حیضتها علی قدر أقرائها فانها تمسک عن الصلوة کما تصنع الحائض .** (مصنف عبدالرزاق، باب الحامل تری الدم،ج اول،ص ۳۱۶،نمبر ۱۲۰۹)اس اثر میں ہے کہ حاملہ عورت کا خون حیض کا خون ہوگا۔

ترجمه: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہوجاتا ہے عادت یہی ہے،اورنفاس بچے کے نکلنے کی وجہ سے رحم کے کھلنے کے بعد ہوتا ہے۔

تشریح: حمل کی وجہ سے رحم کا منہ بند ہوجاتا ہے اسلئے نہ حیض نکل سکتا ہے اور نہ نفاس نکل سکتا ہے اسلئے اب استحاضہ ہی نکلے گا۔یہی وجہ ہے کہ نفاس بچہ نکلنے کے بعد آتا ہے۔اسلئے وہ استحاضہ ہوگا۔

ترجمه: ۳؎ اسی لئے نفاس بچے کا کچھ حصہ نکلنے کے بعد ہوتا ہے،جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ سے روایت ہے اسلئے کہ اب رحم کھل گیا پس اسکی وجہ سے نفاس ہوگا۔

تشریح: چونکہ بچہ نکلنے کے بعد رحم کا منہ کھلتا ہے اور نفاس ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ اورامام محمدؒ کی ایک روایت ہے کہ بچے کا کچھ حصہ رحم سے نکل جائے اور اسکے بعد خون آئے تو اس خون کو بھی نفاس کہا جائے گا کیونکہ بچے کا کچھ حصہ تو نکل گیا۔لیکن بچے کا کچھ حصہ بھی نہ نکلا ہو تو نفاس نہیں کہا جائے گا،وہ استحاضہ ہوگا۔

ترجمه: (۱۵۴)اورناتمام بچہ جسکی بعض خلقت ظاہر ہوچکی ہو وہ پورا بچہ ہے۔

ترجمه: ۱؎ یہاں تک کہ اس سے عورت نفساء ہوجائے گی،اور باندی ام ولد ہوجائے گی،ایسے ہی اس سے عدت پوری ہو جائے گی۔

تشریح: پورا بچہ پیدا ہو تو اس سے عورت نفاس والی ہوتی ہے لیکن ایسا بچہ پیدا ہو جو ابھی مکمل نہیں ہے صرف ہاتھ پاؤں اور

(۱۵۵) و اقل النفاس لا حد له ﴿ ۱لان تقدم الولد علم الخروج من الرحم فاغنی عن امتداد جعل علماً علیه، بخلاف الحیض

انگلیوں کے نشانات بنے ہیں (جسکو سقط کہتے ہیں) تو اس سے بھی عورت نفاس والی ہو جائے گی، اسکی وجہ یہ ہے کہ اس بچے کے پیدا ہونے سے بھی رحم کا منہ کا کھل جاتا ہے اسلئے یہ عورت نفاس والی ہوگی اور اس پر نفاس کے تمام احکام جاری ہونگے۔ مثلا (۱) اگر باندی تھی اور آقا سے سقط پیدا ہوا تو باندی ام ولد بن جائے گی، جس طرح پورا بچہ پیدا ہونے سے ام ولد بنتی ہے۔ (۲) اگر حمل کی حالت میں طلاق ہوئی تھی اور وضع حمل اسکی عدت تھی تو سقط پیدا ہونے سے عدت گزر جائے گی۔ کیونکہ یہ مکمل نفساء ہے۔

ترجمہ: (۱۵۵) نفاس کی کم سے کم مدت کے لئے کوئی حد نہیں ہے۔

وجہ : نفاس کی کم سے کم کوئی مدت نہیں ہے، وہ چند منٹ بھی ہو سکتی ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے **عن انس قال قال رسول الله ﷺ وقت النفاس اربعون یوما الا ان تری الطهر قبل ذلک** . (دار قطنی، کتاب الحیض، ج اول ص ۲۲۶، نمبر ۸۴۱ / ترمذی شریف حدیث نمبر ۱۳۹) **الا ان تری الطهر قبل ذلک** سے معلوم ہوا کہ چالیس دن سے پہلے خون بند ہو جائے تو چاہے چند گھنٹے کے بعد خون بند ہو جائے عورت پاک ہو جائے گی۔ (۲) **عن عبد الله بن عمرو قال :قال رسول الله ﷺ : تنتظر النفساء أربعين ليلة ، فان رأت الطهر قبل ذالک فهی طاهر ، و ان جاوزت الاربعين فهی بمنزلة المستحاضة ، تغتسل و تصلی ، فان غلبها الدم توضأت لكل صلوة** ۔ (دار قطنی، باب الحیض، ج اول، ص ۲۲۸، نمبر ۸۴۷) اس حدیث میں ہے کہ چالیس دن سے پہلے بھی طہر دیکھے تو وہ پاک شمار کی جائے گی (۳) حدیث میں ہے۔ **عن معاذ بن جبل عن النبی ﷺ قال : اذا مضی للنفساء سبع ثم رأت الطهر فلتغتسل و لتصل** ۔ (سنن للبیہقی، باب النفاس، ج اول، ص ۵۰۵، نمبر ۱۶۱۷) اس حدیث میں ہے کہ سات روز کے بعد پاک ہو جائے تو بھی پاک سمجھی جائے گی، اس سے معلوم ہوا کہ کم سے کم کی کوئی حد نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ بچے کا پہلے آنا رحم سے نکلنے کی علامت ہے پس ایسے امتداد سے بے پروائی ہوئی جسکو اس پر علامت قرار دیا جائے بخلاف حیض کے۔

تشریح : حیض میں تین دن تک کی مدت کو حیض آنے کی علامت قرار دی گئی کہ تین دن تک آئے تو سمجھا جائے گا کہ یہ حیض ہے اور اس سے کم آئے تو سمجھا جائے گا کہ یہ استحاضہ ہے۔ لیکن نفاس معلوم کرنے کے لئے کسی مدت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ رحم سے بچہ نکل چکا ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ اسکے بعد کا خون بہر حال نفاس ہے اور جب کسی مدت کو متعین کرنے کی ضرورت نہیں تو کم سے کم مدت متعین کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے اسلئے نفاس کے لئے کم سے کم مدت نہیں ہے۔ یہ دلیل عقلی ہے

(۱۵۶) و اکثرہ اربعون یوماً، و الزائد علیه استحاضة ﴾ ۱ لحدیث ام سلمةؓ ان النبی علیه السلام وقت للنفساء اربعین یوماً ۲ وھو حجة علی الشافعیؒ فی اعتبار الستین (۱۵۷) ولو جاوز الدم الاربعین و کانت ولدت قبل ذالک ولها عادة فی النفاس ردت الی ایام عادتها لما بینا فی الحیض ﴾

ترجمه: (۱۵۶) اوراس کی زیادہ مدت چالیس دن ہیں اور جواس سے زیادہ ہووہ استحاضہ ہے۔

ترجمه: ۱ حضرت ام سلمہؓ کی حدیث کی وجہ سے کہ حضورؐ نے نفساء کے لئے چالیس دن مقرر فرمایا۔

وجه: حدیث میں ہے عن ام سلمة قالت کانت النفساء تجلس علی عهد رسول الله ﷺ اربعین یوما ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء فی کم تمکث النفساء ص ۳۵ نمبر ۱۳۹)اور ابوداؤد شریف کی روایت میں یہ جملہ زیادہ ہے۔ لا یأمر ها النبی ﷺ بقضاء صلواة النفاس. (ابوداؤد شریف، باب ما جاء فی وقت النفساء ص ۴۹ نمبر ۳۱۲)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نفاس کی زیادہ سے زیادہ مدت چالیس دن ہے۔اس کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہوگا۔اور کم کی کوئی حد نہیں ہے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔

ترجمه: ۲ یہ حدیث امام شافعیؒ پر حجت ہے ساٹھ دن کے اعتبار کرنے میں۔

امام شافعیؒ کا کوئی ضعیف قول ہے کہ ساٹھ دن تک بھی خون آئے تو وہ نفاس کا ہوگا اس پر یہ حدیث حجت ہوگی، انکی دلیل یہ اثر ہوسکتا ہے۔قال الشعبیؒ : تنتظر کأ قصی ما ینتظر ، قال حسبته قال : شهرین ۔(مصنف عبدالرزاق، باب البکر والنفساء، ج اول، ص ۳۱۳، نمبر ۱۱۹۹ ا رسنن للبیھقی ، باب النفاس ، ج اول ،ص ۵۰۵ ،نمبر ۱۶۱۴) اس اثر میں ہے کہ ساٹھ دن بھی عورت نفاس والی رہ سکتی ہے۔

ترجمه: (۱۵۷) نفاس کا خون چالیس دن سے تجاوز کر جائے حالانکہ یہ عورت اس سے پہلے بچہ جن چکی تھی اور اس کے لئے نفاس میں عادت تھی تو نفاس کا خون لوٹایا جائے گا اس کی عادت کی طرف (جیسے کہ کتاب الحیض میں بیان کیا)۔

تشریح: جس عورت کو پہلے بچہ پیدا ہو چکا ہو اور نفاس کے لئے اس کی ایک عادت ہو مثلا پچیس روز نفاس آتا ہو اب اس کو پچاس روز تک خون آ گیا تو دس روز تو یقیناً استحاضہ ہے اس لئے اس دس روز کے ساتھ باقی پندرہ دن بھی استحاضہ شمار کیا جائے گا۔اور اس کی پہلی عادت کے مطابق پچیس روز ہی نفاس ہوگا۔کیونکہ چالیس دن کے بعد والے دس دن استحاضہ ہے تو معلوم ہوا کہ پچیس دن کے بعد بھی استحاضہ ہی آیا ہے۔اور اگر اس عورت کی کوئی عادت نہیں ہے تو حدیث کے مطابق چالیس روز نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہوگا۔عادت کی طرف پھیرنے کی دلیل یہ حیض والی حدیث ہے۔قالت عائشه رأیت مر کنها ملآن دما فقال لها رسول الله ﷺ امکثی قدر ما کانت تحبسک حیضتک ثم اغتسلی و صلی (مسلم شریف، باب المستحاضة و

(۱۵۸) و ان لم تکن لها عادة فابتداء نفاسها اربعون یوماً ﴾ ۱ لانه امکن جعله نفاساً (۱۵۹) فان ولدت ولدین فی بطن واحد فنفاسها من الولد الاول عند ابی حنیفةؒ ، وابی یوسفؒ و ان کان بین الولدین اربعون یوماً، و قال محمدؒ من الولد الآخر﴾

غسلها وصلوا تها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۴) اس حدیث میں ہے کہ عادت کے بعد سب استحاضہ ہوگا (۲) عن النبی ﷺ قال فی المستحاضة یدع الصلوة ایام اقرائها التی کانت تحیض فیها ثم تغتسل وتتوضأ عند کل صلوة وتصوم وتصلی. (ترمذی شریف، باب ماجاء ان المستحاضة تتوضأ لکل صلوة ص ۳۳ نمبر ۱۲۶ / ابوداود شریف، باب اذا اقبلت الحیضة تدع الصلاة، ص ۴۳، نمبر ۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے حیض کے لئے عادت معروفہ ہو اور دس دن سے زیادہ خون آ گیا تو عادت سے زیادہ جتنا زیادہ ہوگا سب استحاضہ ہوگا اور اسی پر قیاس کر کے نفاس میں بھی عادت سے جتنا زیادہ ہوگا وہ سب استحاضہ ہوگا

ترجمہ: (۱۵۸) اور اگر اس کی عادت نہ ہو تو اس کے نفاس کی مدت چالیس دن ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ اسکو نفاس قرار دینا ممکن ہے۔

تشریح : اور جسکی عادت نہیں ہے اور اسکو مثلا پچاس دن خون آ گیا تو اسکے لئے چالیس دن نفاس ہوگا اور باقی دن استحاضہ ہو گا۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبد الله بن عمرو قال :قال رسول الله ﷺ : تنتظر النفساء أربعين ليلة ، فان رأت الطهر قبل ذالک فهی طاهر ، و ان جاوزت الاربعين فهی بمنزلة المستحاضة ، تغتسل و تصلی ، فان غلبها الدم توضأت لکل صلوة ۔ (دار قطنی ، باب الحیض ، ج اول ، ص ۲۲۸ ، نمبر ۸۴۷) اس حدیث میں ہے کہ چالیس دن سے جو زیادہ ہو وہ استحاضہ ہے۔

ترجمہ: (۱۵۹) کسی عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دیئے تو اس کا نفاس وہ خون ہے جو پہلے بچے کے بعد نکلے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔ اگرچہ دونوں بچوں کے درمیان چالیس دن ہی کیوں نہ ہوں ، اور امام محمد اور امام زفرؒ نے فرمایا کہ دوسرے بچے کے بعد۔

تشریح : عورت نے ایک ہی حمل سے دو بچے دئے تو پہلے بچے کے بعد جو خون آئے گا وہیں سے نفاس شروع ہو جائے گا، چاہے دونوں بچے کے پیدا ہونے کے درمیان چالیس دن کا وقفہ ہو۔ کیونکہ چھ مہینے سے پہلے جو بچہ پیدا ہوگا وہ ایک ہی حمل سے شمار کیا جائے گا۔ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ پہلے بچے کے بعد جو خون آئے گا وہ استحاضہ ہے، اور دوسرے بچے کے بعد جو خون آئے گا وہ نفاس کا خون ہوگا۔

وجہ: امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیدا ہونے کے بعد رحم کا منہ کھل گیا اور انسان بھی پیدا ہو گیا جس سے

۱ و ھو قول زفرؒ لانھا حامل بعد الوضع الاول فلا تصیر نفساء، کما انھا لا تحیض، و لھذا تنقضی العدۃ بالاخیر بالاجماع ۲ و لھما ان الحامل انما لا تحیض لانسداد فم الرحم علی ما ذکر نا، و قد انفتح بخروج الاول و تنفس بالدم فکان نفاساً

لفظ نفاس مشتق ہے۔اس لئے پہلے بچے کے بعد جوخون نکلے گا وہ سب نفاس شمار کیا جائے گا۔اورامام محمد اور زفر فرماتے ہیں کہ ایک بچہ پیٹ میں موجود ہے اس لئے عورت ابھی حاملہ ہے اور حمل کی حالت میں جوخون آتا ہے وہ استحاضہ کا خون ہوتا ہے۔اس لئے پہلے بچے کے بعد جوخون ہے وہ استحاضہ کا خون ہوگا۔دوسری بات یہ ہے کہ ابھی رحم کا منہ بھی پورا کھلا ہوانہیں ہے جب تک کہ دوسرا بچہ پیدا ہوکر منہ پورا نہ کھل جائے نفاس کا خون کیسے شمار کیا جائے گا۔

حاصل: طرفین کی نظر بچہ پیدا ہونے کی طرف گئی اور امام محمد کی نظر اندر جو بچہ ابھی تک موجود ہے اس کی طرف گئی۔

ترجمہ: ۱ یہی امام زفرؒ کا قول ہے، اسلئے کہ عورت پہلا بچہ دینے کے بعد ابھی بھی حاملہ ہے اسلئے وہ نفاس والی نہیں ہوگی جیسے کہ حیض والی نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ عدت بالاجماع آخیر سے پوری ہوتی ہے۔

تشریح : پہلا بچہ دینے کے بعد ابھی بھی پیٹ میں بچہ موجود ہے اسلئے وہ ابھی بھی حاملہ ہے اسلئے وہ نفاس والی نہیں ہوسکتی۔ اور چونکہ پیٹ میں حمل ہے اسلئے اس کے پیٹ سے حیض بھی نہیں نکل سکتا۔یہی وجہ ہے کہ بالاتفاق یہ مسئلہ ہے کہ دوسرا بچہ پیدا ہوگا تب اسکی عدت پوری ہوگی، پہلا بچہ پیدا ہونے کے بعد عدت پوری نہیں ہوگی،جس سے معلوم ہوا کہ دوسرے بچے کے بعد نفاس ہوگا۔

ترجمہ: ۲ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ رحم کا منہ بند ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آسکتا،تاہم پہلا بچہ نکلنے کی وجہ سے کچھ منہ کھل چکا ہے اور خون باہر نکلا ہے اسلئے نفاس والی ہوگی۔

تشریح : یہ امام محمد کو جواب ہے کہ حیض تو اس وقت آتا ہے جب رحم کے اندر بچہ نہ ہو اور یہاں بچہ موجود ہے اسلئے حیض تو نہیں آسکتا،البتہ ایک بچہ باہر نکلنے کی وجہ سے رحم کا منہ کچھ نہ کچھ کھل چکا ہے اور اسی وجہ سے خون بھی آرہا ہے اسلئے یہ خون نفاس کا ہی ہے (۲) ڈاکٹری اعتبار سے بھی یہ خون نفاس کا ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ جب پہلا بچہ رحم سے باہر نکلا تو اس بچے کا آنول جو رحم کی جھلیوں کے ساتھ چپکا ہوا تھا وہ اکھڑ گیا،اس اکھڑنے کی وجہ سے یہ خون آرہا ہے،اور آنول اکھڑنے کے بعد جھلیوں سے جو خون آتا ہے اسی کو نفاس کا خون کہتے ہیں،اور یہ وہی ہے،اسلئے یہ نفاس کا خون ہے۔اور جب رحم بچے سے خالی ہوتا ہے تو رحم کے چاروں طرف جھلیاں پیدا ہوتی ہیں پھر حیض کے موقع پر حیض کے خون کے ساتھ کٹ کٹ کر گرتی ہے اسی خون کا نام حیض ہے۔اور ظاہر ہے کہ بچہ پیدا ہونے کے بعد جھلیاں کٹ کرنہیں گرے گی اسلئے یہ خون حیض نہیں ہے،نفاس ہی ہے۔اور رحم میں کوئی زخم ہو اس سے خون آئے

۳؎ والعدة تعلقت بوضع حمل مضاف اليها فيتناول الجميع

تو اسکو استحاضہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ اور عدت تعلق رکھتی ہے وضع حمل کے ساتھ جو منسوب ہے عورت کی طرف تو تمام کو شامل ہوگا۔

تشریح: یہ امام زفرؒ کو جواب ہے، انہوں نے استدلال فرمایا تھا کہ عدت دوسرے بچے کے نکلنے کے بعد پوری ہوتی ہے اسلئے نفاس بھی دوسرے بچے کے نکلنے کے بعد شروع ہوگی، اسکا جواب یہ ہے کہ آیت، و اولات الأحمال أجلهن أن يضعن حملهن . (آیت۴ سورۃ الطلاق ۶۵) میں یہ فرمایا کہ حمل والی عورت کی عدت حمل جننے سے پوری ہوگی، اور حمل جننا اسی وقت ہوگا جب پورا حمل جن دے اور وہ کسی طرح بھی حاملہ نہ کہلائے، ابھی ایک بچہ پیٹ میں ہے تو پورا حمل باہر نہیں نکلا اسلئے ابھی اسکی عدت پوری نہیں ہوگی جب تک دونوں بچے باہر نہ نکل جائے

لغت: عقیب : بعد میں۔ انقضی: پوری ہوئی۔ انسد: سد سے مشتق ہے، منہ کا بند ہونا۔ تنفس: خون کا باہر نکلنا۔

﴿باب الانجاس وتطهيرها﴾

(۱۶۰)تطهير النجاسة واجب من بدن المصلی، وثوبه، والمكان الذی يصلی عليه ﴾

﴿نجاست، اور اسکے پاک کرنے کا باب﴾

ضروری نوٹ: انجاس نجس کی جمع ہے ناپاکی۔نجس کی دو قسمیں ہیں نجاست حکمیہ جیسے وضو اور غسل کی ضرورت ہو اور نجاست حقیقیہ جیسے پیشاب اور پاخانہ۔یہاں اسی نجاست حقیقیہ کے احکام کے متعلق بحث ہے۔اس کی دلیل یہ آیت ہے وثيابك فطهر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴)اور حدیث یہ ہے عن اسماء بنت ابی بكر انها قالت سألت امرأة رسول الله ﷺ فقالت يا رسول الله ارأيت احدانا اذا اصاب ثوبها الدم من الحيضة كيف تصنع فقال رسول الله اذا اصاب ثوب احداكن الدم من الحيضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فيه. (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸)

ترجمه: (۱۶۰) نجاست کو پاک کرنا واجب ہے (۱) نماز پڑھنے والے کے بدن سے (۲) اس کے کپڑے سے (۳) اور اس مکان سے جس پر نماز پڑھتے ہیں۔

تشریح: نماز پڑھنے والے کے لئے بدن، کپڑا اور مکان کا پاک ہونا ضری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔نجاست حکمیہ سے پاک ہونے کی دلیل تو وضو اور غسل کے ابواب میں گزری اور نجاست حقیقیہ سے پاک ہونے کی دلیل یہ ہے۔

وجه: (۱) نجاست حکمیہ سے پاک ہونا ضروری ہے تو نجاست حقیقیہ۔مثلا پیشاب، پاخانہ لگا ہو تو اس سے پاک ہونا بدرجۂ اولی ضروری ہوگا۔کیونکہ یہ تو اور بھی زیادہ گندی چیز ہے (۲) بدن پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت انس بن مالك يقول كان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته اجیء انا وغلام معنا اداوة من ماء يعنی يستنجی به. (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰)، پانی سے استنجا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلی کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔کپڑا پاک ہونے کی دلیل اوپر کی آیت ہے وثيابك فطهر اور حدیث میں ہے عن اسماء ابنة ابی بكر ان امرأة سألت النبی ﷺ عن الثوب يصيبه الدم من الحيضة؟ فقال رسول الله حتيه ثم اقرصيه بالماء ثم رشيه وصلی فيه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب ص ۳۵ نمبر ۱۳۸) اور مکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمران النبیؐ نهی ان يصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطريق و فی الحمام و فی معاطن الابل و فوق ظهر بيت الله ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ ما یصلی الیہ وفیہ ص ۸۱ نمبر ۳۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان مقامات پر ناپاکی ہوتی ہے اس لئے ان مقامات پر نماز پڑھنا ناجائز ہے۔

۱؎ لقوله تعالی و ثیابک فطهر ،۲؎ وقال علیہ السلام: حتیه ثم اقرصیه ثم اغسلیه بالماء ولایضرک اثره

۳؎ واذاوجب التطهیر فی الثوب وجب فی البدن والمکان لان الاستعمال فی حالة الصلوة یشمل الکل

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کے قول وثیابک فطهر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) کی وجہ سے۔اس آیت میں کپڑے سے نجاست پاک کرنے کا حکم ہے۔جس سے معلوم ہوا کہ مصلی کے لئے نجاست پاک کرنا ضروری ہے ۔

ترجمہ: ۲؎ اور حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ کپڑے کو رگڑو پھر چٹکی سے کھرچو پھر اسکو پانی سے دھوڈالو،اور اسکا اثر باقی رہنا کوئی نقصان نہیں دیتا۔

اس مفہوم کے قریب حدیث یہ ہے۔عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت سألت امرأة رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله ارأیت احدانا اذا اصاب ثوبها الدم من الحیضة کیف تصنع فقال رسول الله اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فیه. (بخاری شریف،باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ رمسلم شریف ، باب نجاسۃ الدم و کیفیۃ غسلہ ،ص ۱۴۰ ،نمبر ۲۹۱ / ۶۷۵ رترمذی شریف،باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب،ص ۳۵،نمبر ۱۳۸)اس حدیث میں نجاست پاک کرنے کا حکم ہے۔

لا یضرک اثره :یہ جملہ کسی دوسری حدیث کا مفہوم ہے جسکو مصنف نے یہاں جوڑا ہے،حدیث یہ ہے عن ابی هریرة .....قالؓ : اذا طهرت فاغسلیه ثم صلی فیه . فقالت : فان لم یخرج الدم ؟ قال : یکفیک غسل الدم و لا یضرک أثره (ابوداؤد شریف،باب المرأۃ تغسل ثوبها الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۶۵ رمسند امام احمد۔مسند ابی ھریرۃ،ج ثالث،ص ۵۲،نمبر ۸۵۴۹)اس حدیث میں ہے ولایضرک اثرہ۔دوسری حدیث میں بھی اسکا مفہوم ہے حدیث یہ ہے ۔سألت عائشة عن الحائض یصیب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم یذهب اثره فلتغیره بشیء من صفرة (ابوداؤد شریف،باب المرأۃ تغسل ثوبها الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۵۷)حدیث میں ہے کہ،داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کو صفرہ سے بدل دیا جائے اتنا ہی کافی ہے،مصنفؒ نے اسی حدیث کے مفہوم کو پچھلی حدیث کے ساتھ جوڑا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جب کپڑے میں پاک کرنا واجب ہوا تو بدن،اور مکان میں بھی واجب ہوگا اسلئے کہ نماز کی حالت میں یہ سارے استعمال ہوتے ہیں

تشریح : صاحب ھدایہ نے کپڑے کو پاک کرنے کے بارے میں حدیث لایا،اور فرمایا کہ بدن اور مکان بھی نماز کی حالت میں استعمال ہوتے ہیں اسلئے ان دونوں کو بھی کپڑے پر قیاس کر کے یہ کہا جائے کہ یہ دونوں بھی نماز کی حالت میں استعمال ہوتے

(۱۶۱) و یجوز تطهیر ها بالماء و بکل مائع طاهر یمکن ازالتها به کالخل و ما ء الورد ونحو ذالک مما اذا عصر انعصر﴾ ۱؎ و هذا عند ابی حنیفہؒ وابی یوسفؒ

ہیں اسلئے ان دونوں کا پاک ہونا بھی ضروری ہے۔۔لیکن بدن پاک کرنے کی مستقل دلیل یہ حدیث ہے سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته اجیء انا وغلام معنا اداوة من ماء یعنی یستنجی به. (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰) پانی سے استنجا کرنے کی وجہ یہی ہے کہ مصلی کا بدن نجاست حقیقیہ سے پاک ہونا چاہئے۔ اورمکان پاک ہونے کی شرط کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمران النبیؐ نهی ان یصلی فی سبعة مواطن فی المزبلة والمجزرة والمقبرة وقارعة الطریق و فی الحمام و فی معاطن الابل و فوق ظهر بیت الله۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراھیۃ مایصلی الیہ وفیہ ص ۸۱ نمبر ۳۴۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز پڑھنے والے کا مکان بھی نجاست سے پاک ہونا چاہئے۔

ترجمہ: (۱۶۱) نجاست کا پاک کرنا جائز ہے پانی کے ذریعہ اور ہر وہ بہنے والی پاک چیز کے ذریعہ جن سے نجاست کا زائل کرنا ممکن ہو جیسے سرکہ اور گلاب کا پانی۔اور اس جیسی ایسی چیز کے ذریعہ کہ اسکو نچوڑے تو وہ نچڑ جاویں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: حنفیہ کے نزدیک اصل قاعدہ یہ ہے کہ جن چیزوں سے نجاست کے اجزاء دھل جاتے ہیں وہ پانی نہ بھی ہوں تب بھی ان چیزوں سے نجاست حقیقیہ کو پاک کرنا جائز ہے۔ کیونکہ اصل ناپاکی تو اجزاء نجاست ہیں جب وہ ہی نہیں رہیں تو کپڑا پاک ہو جائے گا البتہ یہ ضروری ہے کہ جس چیز سے پاک کیا جا رہا ہے وہ ایسا ہو کہ جب اسکو نچوڑیں تو وہ نچڑ جائے، تاکہ جب وہ خود نکلے تو اسکے ساتھ نجاست بھی نکل جائے ۔اس لئے گلاب کا پانی یا سرکہ جو پانی کی طرح پتلا ہوتے ہیں اور اجزاء نجاست کو دھو ڈالتے ہیں اور انکو نچوڑو تو وہ نچڑ جاتے ہیں اسلئے ان سے نجاست کو دھوئے تو پاک ہو جائے گا۔البتہ یہ رس کی قسموں میں سے ہیں اس لئے ان سے وضو یا غسل کرنا جائز نہیں ہے۔تفصیل پہلے گزر چکی ہے (۲) حدیث میں ہے قالت عائشة ما کان لاحد انا الا ثوب واحد تحیض فیه فاذا اصابه شیء من دم قالت بریقها فقصعته بظفرها . (بخاری شریف، باب ھل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵ نمبر ۳۱۲ / ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۶۴)۔خون سب کے نزدیک ناپاک ہے اور اس کو تھوک سے تر کر کے ناخن سے رگڑ دیا اور خون زائل ہو گیا تو وہ چیز پاک ہو جائے گا، اور ظاہر ہے کہ تھوک پانی نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے بھی ناپاک چیز پاک ہو سکتی ہے (۳) جوتے پر نجاست لگی ہو اور زمین پر رگڑ دیا جائے اور نجاست زائل ہو جائے تو جوتا پاک ہو جاتا ہے۔اس کا مطلب یہ ہوا کہ اصل قاعدہ یہی ہے کہ نجاست کے زیلان سے کپڑا

۲ وقال محمدؒ وزفرؒ والشافعیؒ لایجوز الا بالماء لانه یتنجس باول الملاقات والنجس لایفید الطهارة الا ان هذا القیاس ترک فی الماء للضرورة ۳ ولهما ان المائع قالع والطهوریة بعلة القلع ۴ و النجاسة

پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۲ امام محمدؒ اور امام زفر، اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ پاک کرنا جائز نہیں ہوگا مگر پانی سے، اسلئے کہ پانی اول ملاقات سے ناپاک ہوجائے گا اور ناپاک چیز پاک نہیں کرسکتا مگر یہ قیاس ضرورت کی بنا پر پانی کے بارے میں چھوڑ دیا گیا۔

تشریح: امام محمد اور امام زفر اور امام شافعی فرماتے ہیں کہ صرف پانی سے نجاست زائل کرے گا تو پاک ہوگا۔ کسی دوسری بہنے والی چیز سے نجاست زائل کرے گا تو چیز پاک نہیں ہوگی۔

وجہ: (۱) ان کی دلیل یہ ہے کہ پانی جب ناپاک چیز کے ساتھ ملتا ہے تو وہ خود بھی ناپاک ہوجاتا ہے، اور جتنی مرتبہ ناپاک چیز کے ساتھ ملے گا وہ ناپاک ہوتا جائے گا اسلئے وہ کبھی بھی پاک نہیں کرسکتا، البتہ پانی سے پاک کرنے کی ضرورت ہے اسلئے یہ قیاس پانی کے بارے میں چھوڑ دیا گیا، کہ اس سے پاک ہوجائے، البتہ دوسری چیزوں سے پاک نہیں ہوگا۔ (۲) یہ حضرات ان احادیث سے بھی استدلال کرتے ہیں جن میں پانی سے منی، خون، پیشاب پاک کرنے کا ذکر ہے۔ عن اسماء بنت ابی بکرؓ ... اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصلی فیه (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض، ص ۴۵، نمبر ۳۰۷ر مسلم شریف، باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ، ص ۱۴۰ نمبر ۲۹۱/۶۷۵) اس حدیث میں پانی سے ناپاکی دور کرنے کا تذکرہ ہے۔ اس لئے صرف پانی سے ناپاکی پاک ہوگی۔ (۳) و ینزل علیکم من السماء ماء لیطهر کم به (آیت ۱۱، سورۃ الانفال ۸) اس آیت میں ہے کہ پانی کو تم لوگوں پر پاک کرنے کے لئے اتارا، اس وجہ سے بھی پانی کو پاک کرنے والا کہا۔ (۴) چوتھی دلیل یہ ہے کہ جس طرح پانی کے علاوہ سے نجاست حکمی یعنی وضو، غسل نہیں کرسکتے اسی طرح نجاست حقیقی بھی پاک نہیں کرسکتے۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ بہنے والی چیزیں نجاست کو اکھیڑنے والی ہے اور پاک ہونا اکھیڑنے، اور زائل کرنے کی علت کی وجہ سے ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ شیخین کی دلیل اوپر بھی گزر چکی ہے کہ نجاست پاک ہونے کی اصل وجہ یہ ہے کہ نجاست وہاں سے زائل ہوجائے اور مکمل نکل جائے اب جن بہنے والی چیز میں یہ خوبی ہو کہ وہ نجاست کو اکھاڑ پھینکے اس سے نجاست پاک ہوجائے گی، اسلئے پانی کے علاوہ سے بھی نجاست پاک ہوگی۔

ترجمہ: ۴ اور نجس ہونا مجاورت کی وجہ سے ہے پس جب نجاست کے اجزاء ختم ہوگئے تو وہ چیز پاک رہ گئی۔

للمجاورة، فاذا انتهت اجزاء النجس يبقى طاهراً ۵؎ وجواب الكتاب لايفرق بين الثوب والبدن، وهذا قول ابی حنيفةؒ واحدی الروايتين عن ابی يوسفؒ، و عنه انه فرق بينهما فلم يجز فی البدن بغير الماء

(۱۶۲) و اذا اصاب الخف نجاسة لها جرم كالروث، والعذرة، والمنی فجفت فدلكه بالارض جاز ﴾ ۱؎ وهذا استحسان

تشریح: یہ امام محمدؒ وغیرہ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ نجاست پانی کے ساتھ ملنے کی وجہ سے اسکو بھی ناپاک کرتی رہے گی اور کسی چیز کو کبھی پاک نہیں ہونے دیگی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ پانی یا بہنے والی چیز اس وقت تک ناپاک رہتی ہے جب تک اسکے ساتھ نجاست ملی ہوئی اور مجاور رہتی ہے، لیکن بار بار پانی ڈالنے کی وجہ سے جب ناپاکی وہاں سے بالکل نکل گئی اور اسکا ایک جز بھی وہاں نہیں رہا اب جو پانی وہاں ڈالیں گے اس میں نہ ناپاکی آئی اور نہ وہ پانی ناپاک ہوا اسلئے اب وہ ناپاک چیز بھی پاک ہوگئی۔

ترجمہ: ۵؎ اور قدوری کتاب میں جو حکم مذکور ہے وہ کپڑے اور بدن میں کوئی فرق نہیں کرتا یہی قول امام ابو حنیفہؒ کا ہے اور امام ابو یوسفؒ سے بھی یہی ایک روایت ہے، اور امام ابو یوسفؒ سے دوسری روایت یہ ہے کہ انہوں نے دونوں میں فرق کیا ہے اسلئے بدن پاک کرنے میں پانی کے علاوہ جائز نہیں۔

تشریح: قدوری کا جو متن ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ بدن اور کپڑے پاک کرنے میں کوئی فرق نہیں ہے دونوں کو کسی بہنے والی چیز سے پاک کر سکتے ہیں، امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت یہی ہے، لیکن امام ابو یوسفؒ کی ایک دوسری روایت بھی ہے کہ بدن اور کپڑا میں فرق ہے۔ کپڑے کو کسی بہنے والی چیز سے پاک کر سکتے ہیں لیکن بدن کی نجاست کو صرف پانی سے پاک کر سکتے ہیں کسی اور چیز سے نہیں۔

لغت: مائع : ہر بہنے والی چیز، الخل : سرکا، ماء الورد : گلاب کا پانی۔ اعصر: نچوڑے اور اسی سے ہے انعصر : خود نچڑ جائے۔ قالع: اکھیڑنے والی چیز۔ مجاورۃ: ملا ہوا ہو، ساتھ ہو۔

نوٹ: جس بہنے والی چیز میں نجاست زائل کرنے کی صلاحیت نہ ہو اس سے کپڑا پاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۲) اگر موزے کو ایسی نجاست لگ جائے جس کو جسم ہے، جیسے لید اور پاخانہ اور منی پھر وہ خشک ہو جائے پس اس کو رگڑ دے زمین سے تو اس موزے میں نماز جائز ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ مسئلہ استحسان پر ہے۔

تشریح: جس نجاست کو جسم ہے جیسے پاخانہ، لید، گوبر وغیرہ وہ چمڑے کے موزے یا جوتے پر لگ جائے پھر خشک ہو جائے پھر اس کو زمین سے اتنا رگڑ دے کہ پاخانہ لگا ہوا محسوس نہ ہو تو وہ جوتا یا موزہ پاک ہو جائے گا۔ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ رگڑنے سے

۲؎ وقال محمدؒ: لا یجوز، وهو القیاس الا فی المنی خاصة لان المتداخل فی الخف لا یزیله الجفاف والدلک، بخلاف المنی علی ما نذکره ۳؎ ولهما قوله علیه السلام فان کان بهما اذی فلیمسحهما

موزہ پاک نہ ہو کیونکہ چمڑے کے اندر ابھی بھی نجاست موجود ہے، لیکن آگے والی حدیث کی وجہ سے استحسانا موزے کو پاک قرار دیا ہے۔

وجہ: (۱) چمڑے میں جو ناپاکی سرایت کی ہوگی وہ کم ہے اور سوکھنے کی وجہ سے ناپاکی کے جسم نے واپس چوس لیا اور چمڑے کے اندر بہت کم ناپاکی رہ گئی اور اوپر کے حصے کو زمین سے رگڑ دیا تو نجاست زائل ہوگئی اور پہلے بتایا گیا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے کپڑا یا چمڑا پاک ہوجاتا ہے۔ اس لئے یہ جوتے یا موزے پاک ہوجائیں گے (۲) حدیث میں ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور ۔ (ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵) مسند احمد اور ابوداود میں لمبی حدیث کے آخیر میں یہ جملہ بھی ہے۔ عن ابی سعیدن الخدری .... فاذا جاء أحدکم الی المسجد فلینظر فی نعلیه، فان رأی فیهما قذراً او قال اذی فلیمسحهما (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدریؓ ج ثالث، ص ۵۱۹، نمبر ۱۱۴۶۷ / ابوداود شریف، باب الصلوۃ فی النعل، ص ۱۰۲، نمبر ۶۵۰) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مٹی سے رگڑنے کے بعد جوتا یا موزہ پاک ہوجائے گا

اصول: نجاست حقیقیہ کے زائل ہونے سے چیز پاک ہوجائیگی۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ رگڑنے سے جائز نہیں ہے اور یہی قیاس کا تقاضا ہے، مگر خاص طور پر منی کے بارے میں، اسکی وجہ یہ ہے کہ موزے کے اندر جو نجاست داخل ہوگئی خشک ہونا اور رگڑنا اسکو زائل نہیں کرے گی، بخلاف منی کے جیسا کہ ہم اسکو ذکر کریں گے۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ موزے یا چمڑے کی چیز میں جرم والی نجاست لگ جائے اور خشک ہوجائے تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوگی اسکو دھونا ہی پڑے گا، اور قیاس کا تقاضا بھی یہی ہے، اسلئے کہ موزے کے اندر جو نجاست گھس گئی ہے خشک ہونے اور اسکو رگڑنے سے کیسے نکلے گی! رگڑنے سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اوپر کی نجاست جھڑ جائیگی لیکن اندر تو نجاست موجود ہے اسلئے چمڑا ناپاک رہے گا (۲) انکی دلیل وہ حدیث بھی ہے جس میں نجاست کو پانی سے دھونے کا تذکرہ ہے۔ البتہ منی کپڑے پر لگ جائے تو اسکو رگڑنے سے پاک ہوجائے گا، کیونکہ حدیث میں ہے کہ رگڑنے سے کپڑا پاک ہوجائے گا۔ یہ بحث آگے آرہی ہے۔

ترجمہ: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسفؒ کی دلیل حضورؐ کا قول ہے، کہ ان دونوں موزوں میں کوئی گندگی ہو تو ان دونوں کو زمین سے رگڑ دو اسلئے کہ زمین دونوں کو پاک کرنے والی چیز ہے۔

بالارض فان الارض لهما طهور ۲؎ و لان الجلد لصلابته لا یتداخله اجزاء النجاسة الا قلیل ثم یجتذبه الجرم اذا جف فاذا زال زال ما قام به (۱۶۳) و فی الرطب لا یجوز حتی یغسله ﴾ ۱؎ لان المسح بالارض یکثره و لا یطهره

تشریح: یہ جملہ دو حدیثوں کا مجموعہ ہے، وہ دونوں ابوداود شریف اور مسند احمد کی حدیث اوپر گزر گئی پھر بھی حدیث یہ ہے۔ مسند احمد اور ابوداود میں لمبی حدیث کے آخیر میں یہ جملہ ہے۔ عن ابی سعید الخدری .... فاذا جاء أحدکم الی المسجد فلینظر فی نعلیه ، فان رأی فیهما قذراً او قال اذی فلیمسحهما (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدریؓ ج ثالث ص ۵۱۹، نمبر ۱۱۴۶۷/ ابوداود شریف، باب الصلوۃ فی النعل، ص ۱۰۲، نمبر ۶۵۰) اور دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرۃ ان رسول الله ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور ۔(ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵/) ھدایہ کا جملہ ان دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ چمڑا سخت ہونے کی وجہ سے نجاست کے اجزا اسکے اندر داخل نہیں ہونگے مگر بہت تھوڑے پھر نجاست کا جرم اسکو جذب کرلے گا جب خشک ہوگی، پس جب جرم زائل ہوگا تو وہ نجاست بھی زائل ہوجائے گی جو جرم کے ساتھ لگی تھی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے، اور امام محمدؒ کو جواب ہے۔ کہ چمڑا کافی سخت اور ٹھوس ہوتا ہے اسلئے نجاست کے اجزاء اندر بہت کم داخل ہونگے پھر موزے کے اوپر نجاست کا جرم جب سوکھے گا تو چمڑے کے اندر گھسی ہوئی نجاست جو تر پانی کی شکل میں ہے اسکو وہ جذب کرے گا، اور چمڑے کے اندر کی نجاست اوپر کے جرم کے ساتھ چپک جائے گی اور جب یہ جرم گرے گا تو اسکے ساتھ یہ نجاست بھی گر جائے گی اور زائل ہوجائے گی اور چمڑے کے اندر کا حصہ بھی پاک ہوجائے گا اور جرم گرنے سے اوپر کا حصہ بھی پاک ہوجائے گا۔ اور پہلے قاعدہ گزر چکا ہے کہ نجاست کے زائل ہونے سے چیز پاک ہوجاتی ہے۔ اصل تو اوپر کی حدیث ہے۔

لغت: جرم : جسم دار، روث: گوبر۔ العذرۃ: پاخانہ جفت : خشک ہوگیا، دلک : رگڑا۔ متداخل: دخل سے مشتق ہے، جو اندر گھس جائے، اذی: گندگی، نجاست۔ صلابت: سخت ہونا، ٹھوس ہونا۔ یجتذب: جذب سے مشتق ہے، جذب کرنا، چوسنا۔

ترجمہ: (۱۶۳) تر نجاست میں نہیں جائز ہے مگر یہ کہ اسکو دھوئے۔

ترجمہ ۱؎ اسلئے کہ زمین کے ساتھ رگڑنے سے نجاست کو پھیلائے گا، اسکو پاک نہیں کرے گا۔

تشریح : نجاست خشک ہو تب تو رگڑنے سے پاک ہوجاء گا، لیکن اگر تر ہو تو پانی سے چمڑے کو دھوئے گا تب پاک ہوگا، اسکی وجہ یہ ہے کہ نجاست زائل ہونے سے چمڑا پاک ہوتا ہے، اور تر نجاست کو زمین کے ساتھ رگڑیں تو نجاست مکمل زائل نہیں ہوگی بلکہ اور پھیل جائے گی اور بہت کچھ نجاست چمڑے کے اندر اور کچھ باہر باقی رہے گی اسلئے تر نجاست کو رگڑنے سے چمڑا پاک نہیں ہوگا۔

۲ و عن ابی یوسفؒ انه اذا مسحه بالارض حتی لم یبق اثر النجاسة یطهر لعموم البلوی، و اطلاق ما یروی، و علیه مشائخناؒ (۱۶۴)فان اصابه بول فیبس لم یجز حتی یغسله ﴾ ۱ و کذا کل ما لاجرم له

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ اگر تر نجاست کو زمین سے اتنا رگڑے کہ نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو چمڑا پاک ہوجائے گا، عموم بلوی کی وجہ سے۔ اور اس حدیث کے مطلق ہونے کی وجہ سے جسکو میں نے روایت کی۔ اور اسی پر ہمارے مشائخ کا فتوی ہے۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی روایت ہے کہ چمڑے پر تر نجاست ہو لیکن اسکو زمین سے اتنا رگڑے کے نجاست کا اثر باقی نہ رہے تو چمڑا پاک ہوجائے گا، اسکی تین وجہ ہے (۱) ایک تو یہ ہے کہ نجاست بہت کم باقی رہے گی جو معفو عنہ ہے، (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ عموم بلوی ہے، یعنی لوگ عام طور سے اس میں مبتلاء ہیں اگر رگڑنے سے پاک قرار نہ دیں تو لوگ حرج عظیم میں پڑ جائیں گے اسلئے رگڑنے سے پاک قرار دیا جائے۔ (۳) تیسری وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ رگڑنے سے پاک ہوجائے گا اس میں یہ نہیں ہے کہ خشک نجاست پاک ہوگی اور تر نجاست پاک نہیں ہوگی چونکہ حدیث میں عام ہے کہ پاک ہوجائے گی اسلئے تر نجاست بھی رگڑنے سے پاک ہوجائے گی۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعیدن الخدری .... فاذا جاء أحدکم الی المسجد فلینظر فی نعلیه، فان رأی فیهما قذراً او قال اذی فلیمسحهما (مسند احمد، مسند ابی سعید الخدریؓ ج ثالث، ص ۵۱۹، نمبر ۱۱۴۶۷/ ابوداود شریف، باب الصلوۃ فی النعل، ص ۱۰۲، نمبر ۶۵۰) اور دوسری حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرۃ ان رسول الله ﷺ قال اذا وطی احدکم بنعله الاذی فان التراب له طهور۔ (ابوداؤد شریف، باب فی الاذی یصیب النعل ص ۶۱ نمبر ۳۸۵) اس حدیث میں قذر اعام ہے تر ہو یا خشک ہو دونوں پاک ہوجائیں گے۔ (۴) اس اثر میں تر نجاست کی صراحت ہے عن معمر قال: سألت عن رجل وطی روثا رطباً فقال: ان شاء مسح رجلیه بالارض۔ (مصنف عبد الرزاق، باب أبوال الدواب وروثها، ج اول، ص ۳۷۷، نمبر ۱۴۷۶) اس اثر میں ہے تر نجاست کو بھی رگڑنے سے پاک ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۴) پس اگر چمڑے کو پیشاب لگ گیا اور وہ خشک ہوگیا تو جائز نہیں ہوگا یہاں تک کہ اسکو دھودے۔

ترجمہ: ۱ ایسے ہی ہر اس نجاست کا حکم ہے جسکا جرم نہیں ہے جیسے شراب۔ اسلئے کہ اجزا اس میں پی لئے جاتے ہیں، اور کوئی جذب کرنے والی چیز نہیں ہے جو اسکو جذب کر کے نکال لے۔

تشریح: چمڑے پر ایسی نجاست لگی جسکو جرم اور جسم نہیں ہے، جیسے پیشاب، شراب وغیرہ تو اسکو دھونے سے ہی پاک ہوگا، رگڑنا کافی نہیں۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پیشاب یا شراب چمڑے کے اندر کافی گھس گیا ہے، اور اسکا کوئی جرم اور جسم نہیں ہے کہ اسکو جذب کر کے نکالے اسلئے سوکھنے کے بعد پیشاب چمڑے کے اندر ہی رہ جائے گا، نجاست کا زیلان نہیں پایا گیا، اسلئے پانی سے ہی دھونا ہوگا۔

كالخمر لان الاجزاء تتشرب فيه و لا جاذب يجذبها، ۲ و قيل ما يتصل به من الرمل جرم له، (۱۶۵) و الثوب لا يجزى فيه الا الغسل و ان يبس ﴾ ۱ لان الثوب لتخلخله يتداخله كثير من اجزاء النجاسة فلايخرجها الا الغسل (۱۶۶) والمنى نجس يجب غسله رطباً فاذا جف على الثوب اجزاء فيه

ترجمہ: ۲ اور کہا گیا ہے کہ جو کچھ ریت اسکے ساتھ لگ گئی وہی اسکا جرم ہے۔

امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ پیشاب وغیرہ بے جرم نجاست کو بھی رگڑنے سے موزہ پاک ہو جائے گا۔اسکی (۱) ایک وجہ یہ فرماتے ہیں کہ پیشاب،شراب پر کچھ ریت تو لگے گی،بس وہی ریت پیشاب کے لئے جرم اور جسم بن جائے گی اور ریت جب سوکھے گی تو چمڑے سے پیشاب کو جذب کر کے نکال لے گی اور جب ریت جھڑے گی تو گویا کہ پیشاب بھی پورے طور پر جھڑ گیا اور زائل ہو گیا اسلئے رگڑنے سے چمڑا پاک ہو گیا۔اسکی دوسری وجہ بھی وہی عموم بلوی ہے اور اوپر والی مطلق حدیث ہے جس میں ہے کہ کوئی بھی نجاست رگڑنے سے پاک ہو جائے گی۔پیشاب،شراب کے لئے بھی مطلق حدیث سے استدلال کیا جائے گا۔

ترجمہ: (۱۶۵) اور کپڑے میں نہیں کافی ہوگا مگر دھونا چاہے خشک ہو جائے۔

تشریح : چمڑے کی بات اور تھی۔کپڑے میں تر نجاست لگے یا خشک،جرم والی ہو یا بغیر جرم کے ہر حال میں وہ دھونے سے ہی پاک ہوگا۔

وجہ : کپڑے کے بارے میں حدیث میں یہی ہے کہ اسکو دھوء تب پاک ہوگا۔حدیث یہ ہے **سألت عائشة عن المنى يصيب الثوب؟ فقالت كنت اغسله من ثوب رسول الله ﷺ فيخرج الى الصلوة و اثر الغسل فى ثوبه بقع الماء** (بخاری شریف،باب غسل المنی وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ مسلم شریف،باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۹) دوسری حدیث ہے **يا عمار انما يغسل الثوب من خمس، من الغائط و البول و القىء و الدم و المنى** (دار قطنی،باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ،ج اول،ص ۱۳۴،نمبر ۴۵۲) ان احادیث میں ہے کہ کپڑا دھونے سے پاک ہوگا۔اور رگڑنے سے پاک ہونے کی کوئی حدیث نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ کپڑے کے ٹھوس نہ ہونے کی وجہ سے نجاست کے بہت سے اجزا اس میں داخل ہو جاتے ہیں اسلئے دھونے کے علاوہ کوئی اور چیز اسکو نہیں نکال سکتی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ کپڑا ٹھوس نہیں ہوتا اسلئے اس میں نجاست کے اجزا بہت داخل ہو جاتے ہیں جو صرف دھونے ہی سے نکل سکتے ہیں رگڑنے سے نہیں نکل سکتے،اسلئے کپڑا دھونے سے ہی پاک ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۶) منی ناپاک ہے۔تر منی کو دھونا واجب ہے۔پس جب کپڑے پر سوکھ گئی تو پاک ہونے کے لئے رگڑنا کافی

الفرک لقوله علیه السلام لعائشةؓ : فاغسلیه ان کان رطباً و افرکیه ان کان یابساً

ہے۔

تشریح: اس عبارت میں تین باتیں بیان کی ہیں۔ایک تو یہ کہ منی ناپاک ہے۔دوسری بات یہ کہ تر منی کپڑے پر ہو تو اسکو دھونے سے پاک ہوگا،اور تیسری بات یہ ہے کہ اگر منی خشک ہو جائے تو کپڑے کو اچھی طرح رگڑ دیا جائے تو اس سے کپڑا پاک ہو جائے گا۔منی ناپاک ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔اور تر منی کو دھونے کی دلیل بھی یہی حدیث ہے۔

وجہ: (۱)منی نکلنے سے غسل واجب ہوتا ہے۔جس چیز پر غسل واجب ہو ظاہر ہے کہ وہ چیز خود بھی ناپاک ہوگی (۲) حدیث میں ہے حضرت عائشہ تر منی کو حضورؐ کے کپڑے سے دھویا کرتی تھی اگر وہ ناپاک نہ ہوتی تو دھونے کی ضرورت نہیں تھی۔حدیث میں ہے ۔سألت عائشة عن المنی یصیب الثوب؟ فقالت کنت اغسله من ثوب رسول الله ﷺ فیخرج الی الصلوة و اثر الغسل فی ثوبه بقع الماء (بخاری شریف،باب غسل المنی وفرکہ ص ۳۶ نمبر ۲۳۰ر مسلم شریف،باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۹)دوسری حدیث ہے۔عن عمار بن یاسر .... یا عمار انما یغسل الثوب من خمس، من الغائط و البول و القیء و الدم و المنی (دار قطنی،باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ منی ناپاک ہے تب ہی تو دھونے کی ضرورت پڑی!اور یہ بھی پتہ چلا کہ کپڑے کو دھونا ہی پڑے گا تب ہی تو حضرت عائشہؓ دھویا کرتی تھیں ۔(۲)دوسری حدیث میں اسکی صراحت ہے عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان یابسا و اغسله اذا کان رطبا ۔(دار قطنی،باب ماورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطبا ویابسا ج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۳) اس حدیث میں ہے کہ تر منی ہوتو میں اسکو دھوتی تھی،جس سے معلوم ہوا کہ تر منی کو دھونا پڑے گا۔

اور منی کپڑے پر خشک ہو جائے تو رگڑنے سے پاک قرار دیا جائے گا اسکی دلیل یہ ہے کہ رگڑنے سے منی جھڑ جائے گی اور جو تھوڑا بہت باقی رہے گی وہ معفو عنہ ہے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن عائشة لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول الله ﷺ فرکا فیصلی فیه. (مسلم شریف،باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ر ترمذی شریف،باب ماجاء فی المنی یصیب الثوب ص ۳۱ نمبر ۱۱۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہو جائے گا۔

ترجمہ: لے حضرت عائشہؓ کے لئے حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ منی کو دھو دو اگر تر ہے اور اسکو کھرچ دو اگر خشک ہے۔یہ جملہ اس حدیث کا مفہوم ہے۔

عن عائشة قالت کنت افرک المنی من ثوب رسول الله ﷺ اذا کان یابسا و اغسله اذا کان رطبا ۔(دار قطنی،باب ماورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطبا ویابسا،ج اول ص ۱۳۱،نمبر ۴۴۳)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ خشک منی ہو تو اچھی طرح

۲وقال الشافعیؒ : المنی طاهر، و الحجة علیه ماروینا ه۳و قال علیه السلام: انما یغسل الثوب من خمس و ذکر منها المنی، ۴و لو اصاب البدن قال مشائخنا یطهر بالفرک لان البلوی فیه اشد

رگڑنے سے بھی کپڑا پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ: ۲ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ منی پاک ہے،اور انکے اوپر حجت وہ روایت ہے جسکو میں نے بیان کیا

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک منی پاک ہے۔کپڑے میں لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں۔کتاب الام میں ہے۔قال الشافعی: و المنی لیس بنجس .(موسوعۃ للامام شافعیؒ،باب المنی، ج اول،ص ۲۱۹،نمبر ۴۴۷)

وجہ : (۱) انکا استدلال ان احادیث سے جن میں ہے کہ حضورؐ کی منی کو کپڑے سے رگڑ کر صاف کیا کرتی تھی۔اگر ناپاک ہوتی تو رگڑنے سے پاک نہیں ہوتی اس لئے منی پاک ہے۔عن عائشة لقد رأیتنی افرکه من ثوب رسول اللہ ﷺ فرکا فیصلی فیه (مسلم شریف،باب حکم المنی ص ۱۴۰ نمبر ۲۸۸ رترمذی شریف،باب ماجاء فی المنی یصیب الثوب ص ۳۱ نمبر ۱۱۶) اس حدیث میں ہے کہ منی کو رگڑتی تھی اور رگڑنے سے نجاست مکمل نہیں نکلے گی پھر بھی پاک قرار دیا تو اسکا یہی مطلب ہوسکتا ہے کہ منی پاک ہے (۲) منی سے انسان بلکہ انبیاء پیدا ہوتے ہیں جو پاک ہیں اس لئے منی بھی پاک ہونی چاہئے (۳) وہ عبداللہ ابن عباس کی اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابن عباس قال سئل النبی ﷺ عن المنی یصیب الثوب قال انما هو بمنزلة المخاط والبزاق وانما یکفیک ان تمسحه بخرقة او باذخر ۔(دارقطنی،باب ماورد فی طہارۃ المنی وحکمہ رطباو یابساج اول ص ۱۳۱ نمبر ۴۴۱) ہم کہتے ہیں اس کی سند کمزور ہے۔انکے خلاف وہ احادیث حجت ہیں جنکو ہمنے بیان کیا۔

ترجمہ : ۳ حضورؐ نے فرمایا کہ کپڑا پانچ چیزوں سے دھویا جائے گا اور ان میں سے منی کا بھی ذکر کیا۔حدیث یہ ہے۔عن عمار بن یاسر .... یا عمار انما یغسل الثوب من خمس، من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دارقطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث میں ہے کہ منی دھوئی جائے گی۔

ترجمہ: ۴ اور اگر منی بدن کو لگ جائے تو ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ رگڑنے سے پاک ہوجائے گا اسلئے کہ اس میں کپڑے سے زیادہ ابتلاء ہے،

تشریح : منی بدن پر لگ جائے تو ہمارے مشائخ فرماتے ہیں کہ اس سے بھی رگڑنے سے پاک ہوجائے گا،اسکی وجہ یہ ہے کہ کپڑے میں جتنی مشقت ہے اس سے زیادہ مشقت بدن دھونے میں ہے اور جتنا عموم بلوی کپڑے میں ہے اس سے زیادہ بلوی بدن میں ہے اسلئے حدیث کی بنا پر جب کپڑے کو رگڑنے سے پاک ہوتا ہے تو بدن کو بھی رگڑنے سے پاک ہونا چاہئے۔

۵؎ وعن ابی حنیفۃؒ: انه لا یطهر الا بالغسل لان حرارة البدن جاذبة فلا یعود الی الجرم، و البدن لا یمکن فرکه، (۱۶۷) و النجاسة اذا اصابت المرأة، او السیف اکتفی بمسحهما ﴾ ۱؎ لانه لاتتداخلهما النجاسة وماعلی ظاهره یزول بالمسح، (۱۶۸) وان اصابت الارض نجسة فجفت بالشمس و ذهب اثرها جازت الصلوة علی مکانها﴾

ترجمہ: ۵؎ اورامام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ دھوئے بغیر پاک نہیں ہوگا، اسلئے کہ بدن کی گرمی اندر کھینچتی ہے اسلئے نجاست جرم کی طرف واپس نہیں آئے گی، پھر یہ کہ بدن کو رگڑنا بھی ممکن نہیں۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ کی روایت یہ ہے کہ منی بدن پر لگ جائے تو اسکو رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا، دھونا ہی ہوگا، اسکی دو وجہ ہیں، ایک تو یہ ہے کہ بدن کی گرمی منی کی رطوبت کو اندر کی طرف کھینچ لیتی ہے جس کی وجہ سے جب منی خشک ہو رہی ہوگی اسوقت یہ رطوبت واپس منی کے جرم کی طرف نہیں آئے گی اور جب منی کے جرم کو رگڑیں گے تو رطوبت زائل نہیں ہوگی اسلئے جسم پاک نہیں ہوگا، دوسری وجہ یہ ہے کہ جسم کو کپڑے کی طرح رگڑنا بھی ممکن نہیں کہ منی کا جرم مکمل جھڑ جائے اسلئے بدن کو رگڑنے سے پاک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۱۶۷) نجاست جب کہ آئینہ کو یا تلوار کو لگ جائے تو کافی ہوگا ان دونوں کو پونچھ دینا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نجاست انکے اندر نہیں جائے گی، اور جو اسکے اوپر ہے وہ پونچھنے سے زائل ہوجائے گی۔

وجہ: (۱) آئینہ اور تلوار چکنے ہوں کہ پونچھنے سے تمام نجاست صاف ہوجائے تو پونچھ دینے سے پاک ہوجائیں گے۔ کیونکہ نجاست مکمل صاف ہونے کے بعد نجاست باقی نہیں رہی۔ اس لئے پاک ہوجائیں گے۔ لیکن اگر تلوار یا آئینہ نقشین ہو یا کھردرا ہو اور نجاست مکمل صاف نہیں ہوتی تو پونچھنے سے پاک نہیں ہونگے۔ دھونا پڑے گا۔ (۲) صحابہ کرام قتال کرتے تھے اور تلوار کو صاف کرکے نماز پڑھ لیتے تھے دھونے کا اتفاق کم ہوتا تھا جس سے معلوم ہوا کہ کہ چکنی چیز پوچھ دینے سے صاف ہوجائے تو پاک ہوجائے گی۔ (۳) موزہ اتنا چکنا نہیں ہوتا پھر بھی رگڑنے سے پاک ہوجاتا ہے تو چکنا آئینہ اور تلوار بدرجہ اولی رگڑنے سے پاک ہوجائے گا۔

لغت: المرآة : آئینہ۔

ترجمہ: (۱۶۸) اگر زمین پر ناپاکی لگ جائے اور سورج سے خشک ہوجائے اور ناپاکی کا اثر ختم ہوجائے تو اس جگہ پر نماز جائز ہے۔

تشریح: پیشاب یا پاخانہ یا کوئی اور ناپاکی زمین پر لگی ہو لیکن سورج نے اس ناپاکی کو خشک کردیا اور ناپاکی کے اثرات ختم ہوگئے اب پتہ نہیں چلتا کہ اس جگہ پیشاب یا پاخانہ تھا تو اب وہ جگہ پاک ہوگئی اس پر نماز پڑھنا جائز ہے۔

لے و قال زفرؒ و الشافعیؒ: لاتجوز لانہ لم یوجد المزیل و لھذا لا یجوز التیمم بھا ۲ے و لنا قولہ علیہ السلام: ذکاۃ الارض یبسھا

وجه: (۱) حدیث میں ہے قال عبد اللہ ابن عمر کنت ابیت فی المسجد فی عھد رسول اللہ ﷺ و کنت فتی شابا عزبا، و کانت الکلاب تبول و تقبل و تدبر فی المسجد فلم یکونوا یرشون شیئا من ذلک ۔(ابوداود شریف، باب فی طھور الارض اذا یبست، ص ۶۰ نمبر ۳۸۲) کتا مسجد میں پیشاب کرتا ہو پھر اس کو کوئی دھوتا نہ ہو اور اسی پر نماز پڑھتا ہو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پیشاب خشک ہونے کے بعد اور اس کے اثرات چلے جانے کے بعد جگہ پاک ہو گئی۔ ابو قلابہ کے قول میں تو صاف ہے کہ زمین خشک ہو گئی تو پاک ہو گئی۔ (۲) عن ابی قلابۃ قال اذا جفت الارض فقد زکت. (مصنف ابن ابی شیبۃ ۲۷ من قال اذا کانت جافۃ فھو زکاتھا، ج اول، ص ۵۹، نمبر ۶۲۵)

ترجمه: لے امام زفرؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ جائز نہیں ہے اسلئے کہ زائل کرنے والی چیز نہیں پائی گئی، اسی لئے اس سے تیمّم جائز نہیں ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ زمین پر نجاست لگ جائے تو صرف سوکھ جانے سے وہ پاک نہیں ہوگی جب تک کہ پانی سے دھل نہ جائے، یا اس پر اتنا پانی بہا دیا جائے کہ نجاست مغلوب ہو جائے اور پانی غالب ہو جائے، موسوعۃ میں یہ ہے ۔فلا تطھر الارض حتی یصب علیھا من الماء قدر ما یذھبہ ۔(موسوعۃ للامام شافعیؒ، باب ما یطھر الارض و ما لا یطھرھا، ج اول، ص ۲۰۶، نمبر ۶۹۹)

وجه: (۱) پاک کرنے والی کوئی چیز نہیں پائی گئی (۲) حدیث میں ہے ان ابا ھریرۃ قال قام اعرابی فبال فی المسجد فتناولہ الناس فقال لھم النبی ﷺ دعوہ وھریقوا علی بولہ سجلا من ماء او ذنوبا من ماء فانما بعثتم میسرین لم تبعثوا معسرین ۔(بخاری شریف، باب صب الماء علی البول فی المسجد ص ۳۵ نمبر ۲۲۰ / ابوداود شریف، باب الارض یصیبھا البول، ص ۶۰ نمبر ۳۸۰) اس حدیث میں ہے کہ پیشاب پر پانی بہایا جس سے معلوم ہوا کہ نجاست پر پانی بہانے سے ہی زمین پاک ہوگی۔ (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ اگر زمین خشک ہونے سے پاک ہو جاتی تو اس سے تیمّم کرنا جائز ہوتا، لیکن اس زمین سے آپکے یہاں بھی تیمّم کرنا جائز نہیں ہے جس سے معلوم ہوا کہ مٹی خشک ہونے سے پاک نہیں ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ تر نجاست ہو تو ہم بھی کہتے ہیں کہ پانی بہانے سے پاک ہوگی۔ یہاں پیشاب تر تھا اور جلدی میں نماز پڑھنی تھی اس لئے پانی سے پاک کی گئی۔ البتہ خشک کے لئے اوپر کی حدیث پر عمل ہوا۔

ترجمه: ۲ے اور ہماری دلیل حضورؐ کا قول ہے کہ زمین کا پاک ہونا اسکا خشک ہونا ہے۔ شاید یہ حدیث نہیں قول صحابی ہے وہ یہ

۳؎ وانما لایجوز التیمم لان طھارۃ الصعید ثبت شرطاً بنص الکتاب فلا تتادی بما ثبت بالحدیث (۱۶۹) و قدرالدرھم و مادونہ من النجس المغلظ کالدم، و البول، و الخمر، و خرء الدجاج، و بول الحمار جازت الصلوۃ معہ و ان زاد لم تجز﴾

ہے۔عن ابی جعفر قال : زکاۃ الارض یبسھا .(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۷ فی الرجل یطأ الموضع القذر یطأ بعدہ ما ھو انظف ، ج اول،ص۵۹ ،نمبر ۶۲۴)اس اثر میں ہے کہ زمین کا خشک ہونا اسکا پاک ہونا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور تیمّم جائز اسلئے نہیں ہے کہ مٹی کا پاک ہونا آیت قرآنی سے شرط ثابت ہوئی ہے اسلئے اس سے ادا نہیں ہوگا جو حدیث سے ثابت ہو۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے استدلال کیا تھا کہ ایسی مٹی پر تیمّم جائز نہیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ مٹی خشک ہونے سے پاک نہیں ہوئی۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ تیمّم کیلئے مکمل پاک ہونا آیت سے شرط ہے اسلئے حدیث کی بنا پر آیت کو نہیں چھوڑ سکتے۔آیت یہ ہے۔فلم تجدوا ماء فتیمموا صعیدا طیبا .(آیت ۴۳،سورۃ النساء ۴) اس آیت میں ہے کہ بالکل پاک مٹی ہونی چاہئے اسلئے نجاست والی زمین خشک ہوجائے تو اس سے تیمّم جائز نہیں ہوگا،البتہ اس پر نماز جائز ہے

نوٹ: نجاست تر ہو یا اس کے اثر اتباقی ہوں تو دھوئے بغیر زمین پاک نہیں ہوگی۔

لغت: جفت : خشک ہوگئی۔مزیل:زائل کرنے والی چیز۔یبس:خشک ہونا۔

ترجمہ: (۱۶۹) درھم کی مقدار یا اس سے کم نجاست مغلظہ ہو جیسے خون،اور پیشاب،اور شراب،اور مرغی کی بیٹ،اور گدھے کا پیشاب تو اسکے ساتھ نماز جائز ہے،اور اگر زیادہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

تشریح : جس نجاست کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہو کہ یہ نجاست ہے اسکو نجاست مغلظہ کہتے ہیں،اور جس کے بارے میں اختلاف ہو اسکو نجاست مخففہ کہتے ہیں۔نجاست مغلظہ جیسے خون، پیشاب،شراب،مرغی کی بیٹ،اور گدھے کا پیشاب ایک درم کی مقدار سے زیادہ کپڑے یا بدن پر لگ جائے تو وہ ناپاک ہو گیا اسکے ساتھ نماز پڑھنا جائز نہیں۔اور ایک درھم سے کم ہو تو اس سے کپڑا یا بدن ناپاک نہیں ہوگا اسکے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے،کیونکہ اتنی مقدار شریعت نے معاف کیا ہے۔البتہ اسکو دھو لینا بہتر ہے۔

وجہ : نجاست مغلظہ ایک درھم سے کم معاف ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے (۱) پتھر کے ذریعہ استنجا کی حدیث میں ہے کہ پتھر سے مقام پاخانہ صاف کر دیا جائے تو نماز جائز ہوجائے گی۔حالانکہ پتھر کے ذریعہ صفائی سے نجاست مکمل صاف نہیں ہوگی صرف کمی ہوگی اس کے باوجود نماز جائز کر دی گئی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنی مقدار نجاست غلیظہ معاف ہے۔حدیث میں ہے عن عائشۃ قالت ان رسول اللہ ﷺ قال اذا ذھب احدکم الی الغائط فلیذھب معہ بثلاثۃ احجار یستطیب بھن فانھا

تجزئ عنه ۔(ابوداؤدشریف، باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰ ؍نسائی شریف، الاجتزاء فی الاستطابۃ بالحجارۃ دون غیرھا ص ۶ نمبر ۴۴) اس حدیث میں ہے کہ پاخانے کے مقام کو صرف پتھر سے صاف کر دینے سے اسکو پاک قرار دیا جائے گا حالآنکہ پتھر سے صاف کرنے سے نجاست بالکل ختم نہیں ہوگی صرف نجاست کم ہو جائے گی اسکے باوجود اسکے ساتھ نماز پڑھنا اس بات کی دلیل ہے کہ پیخانہ کے مقام کی مقدار جو درھم کے برابر ہے معاف ہے اس سے زیادہ لگی ہو تو دھونا پڑے گا ، اسکے بغیر نماز جائز نہیں ہوگی ۔ حدیث میں اسکی تصریح ہے ۔عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : تعاد الصلوة من قدر الدرهم من الدم (دارقطنی ، باب قدر النجاسۃ التی تبطل الصلوۃ ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹ ؍سنن للبیھقی ، باب ما یجب غسلہ من الدم ، ج اول ص ۵۶۶ ،نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے ۔

﴿ ہر ایک کے ناپاک ہونے کی دلیل ﴾

نوٹ: خون ، انسانی پیشاب ، پاخانہ کے نجاست مغلظہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دارقطنی ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول ما یؤکل لحمہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲)

اسکے علاوہ بھی حیض کے خون کے بارے میں احادیث گزری جس میں خون کو دھونے کا حکم تھا جس سے معلوم ہوا کہ خون نجاست مغلظہ ہے ۔

شراب کے ناپاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن ابی ثعلبة الخشنی انه سأل رسول الله قال انا نجادر اهل الكتاب وهم يطبخون فی قدورهم الخنزير و يشربون فی آنيتهم الخمر فقال رسول الله ﷺ ان وجدتم غيرها فكلوا فيها واشربوا وان لم تجدو غيرها فارحضوها بالماء وكلوا واشربوا ۔ (ابوداؤد شریف ، باب فی استعمال آنیۃ اہل الکتاب ج ثانی ص ۱۸۰ نمبر ۳۸۳۹) اس حدیث میں آپ ؐ نے فرمایا کہ جس برتن میں شراب پیتے ہوں اگر اس کے علاوہ کوئی برتن نہ ملے تو اس کو دھو کر اس میں پیو ، دھونے کا حکم اس بات پر دال ہے کہ شراب ناپاک ہے اس لئے شراب والے برتن کو دھونا پڑیگا تب پاک ہوگا ۔انما الخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان (آیت ۹ ، سورۃ المائدۃ

۱؎وقال زفر والشافعیؒ قلیل النجاسة و کثیرها سواء لان النص الموجب للتطهیر لم یفصل۲؎ و لنا ان القلیل لا یمکن التحرز عنه فیجعل عفواً،

---

۵)اس آیت میں بھی شراب کو ناپاک قرار دیا ہے۔

مرغی کی بیٹ ناپاک ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔ عن حماد انه کره ذرق الدجاج ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۴۶ فی خرء الدجاج، ج اول، ص ۱۱۱، نمبر ۱۲۶۰)اس اثر سے معلوم ہوا کہ مرغی کی بیٹ ناپاک ہے۔

گدھے کا پیشاب اسلئے نجاست مغلظہ ہے کہ اسکا گوشت کھانا حلال نہیں ہے، اور وہ ماکول اللحم نہیں ہے، ماکول اللحم نہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن انس بن مالک أن رسول الله ﷺ جاءہ جاء فقال أکلت الحمر ، ثم جاءہ جاء فقال اکلت الحمر ، ثم جاءہ جاء فقال أفنیت الحمر فأمر منادیا فنادی فی الناس : ان الله و رسوله ینهیانکم عن لحوم الحمر الاهلیة فانها رجس . (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیۃ ،ص ۹۸۳ نمبر ۵۵۲۸ رمسلم شریف، باب تحریم أکل لحم الحمر الانسیۃ ،ص ۸۶۸ نمبر ۱۹۴۰ / ۵۰۲۱) اس حدیث میں ہے کہ گدھے کا گوشت نجس ہے اسلئے اسکا پیشاب بھی نجاست مغلظہ ہوگا۔

ترجمہ: ۱؎ اور زفرؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تھوڑی نجاست اور زیادہ نجاست برابر ہے اسلئے کہ نص جو پاکی کو واجب کرتی ہے اس میں کم زیادہ کی تفصیل نہیں ہے۔

تشریح : امام زفر اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ نجاست درھم کی مقدار سے کم ہو یا زیادہ ہو ہر حال میں دھونا ہی پڑے گا۔موسوعۃ میں اس طرح ہے۔فاذا کان الدم لمعۃ مجتمعۃ وان کانت اقل من موضع دینار أو فلس وجب علیہ غسلہ ۔(موسوعۃ للامام الشافعیؒ، باب طھارۃ الثیاب، ج اول، ص ۲۱۷، نمبر ۴۰۷) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نجاست کم ہو یا زیادہ ہر حال میں دھونا ہی پڑے گا۔

وجہ: انکی دلیل ہی ہے کہ حیض کے خون کو دھونا ہی پڑتا ہے حال آنکہ وہ عموما درھم سے کم ہوتا ہے،جس سے معلوم ہوا کہ کم نجاست کو بھی دھونا ہی پڑے گا حدیث یہ ہے۔عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت سألت امرأة رسول الله ﷺ فقالت یا رسول الله ارأیت احدانا اذا اصاب ثوبها الدم من الحیضة کیف تصنع فقال رسول الله اذا اصاب ثوب احداکن الدم من الحیضة فلتقرصه ثم لتنضحه بماء ثم لتصل فیه. (بخاری شریف، باب غسل دم المحیض ص ۴۵ نمبر ۳۰۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی غسل دم المحیض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸)اس حدیث میں ہے کہ حیض کا خون لگ جائے تو دھوء اور یہ تفصیل نہیں ہے کہ کم لگے تو مت دھوؤ اور زیادہ لگے تو دھوؤ، اسلئے کم زیادہ ہر حال میں دھونا واجب ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ تھوڑی نجاست سے بچنا ممکن نہیں ہے اسلئے اسکو معاف قرار دیا گیا۔

۳؎ وقدرناه بقدر الدرهم آخذا عن موضع الاستنجاء ۴؎ ثم يروى اعتبار الدرهم من حيث المساحة وهو قدر عرض الكف، في الصحيح

ترجمہ: ۳؎ اور ہمنے اسکو متعین کیا درھم کی مقدار استنجاء کی جگہ سے لیتے ہوئے۔

تشریح: ایک درھم تک نجاست غلیظہ معاف ہے اوراس سے زیادہ دھونا پڑے گا، تو ایک درھم کے تعین کی وجہ بتا رہے ہیں۔کہ ابھی حدیث کے اندر گزرا کہ پتھر سے پیخانے کے مقام کو صاف کرے تو جائز ہے اور پیخانے کے مقام کی لمبائی چوڑائی تقریبا ایک درھم ہوتی ہے اس سے ہم متعین کرتے ہیں کہ ایک درھم کی مقدار نجاست معاف ہے۔(۲) دوسری حدیث میں درھم کی مقدار کی صراحت ہے اس سے بھی درھم کی مقدار لی جاتی ہے، حدیث یہ ہے ۔**عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ اذا كان فى الثوب قدر الدرهم من الدم غسل الثوب و أعيدت الصلاة** (دار قطنی، باب قدر النجاسة التي تبطل الصلوة ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۸۰ سنن للبیھقی، باب ما یجب غسلہ من الدم، ج اول، ص ۵۶۶، نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث میں ہے کہ درھم کے برابر نجاست ہو تو نماز لوٹائے گا، ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۴؎ پھر روایت کیا درھم کا اعتبار مساحت کے اعتبار سے اور وہ ہتھیلی کی چوڑائی کی مقدار ہے صحیح روایت میں۔

تشریح: نجاست کی معافی کے لئے درھم کا اعتبار کیا، تو درھم کی دو حیثیتیں ہیں ایک اسکی چوڑائی کا اعتبار، اور ایک اسکے وزن کا اعتبار۔تو فرماتے ہیں کہ صحیح روایت یہ ہے کہ درھم کی چوڑائی کا اعتبار ہے۔ ہتھیلی کے درمیان میں جو چوڑا حصہ ہے وہ درھم کے برابر ہے اسی کا اعتبار ہے۔مفتی رشید صاحب لدھیانویؒ نے احسن الفتاوی میں لکھا ہے کہ۔حضرات فقہاءؒ نے ہتھیلی کے گہراوءکی وسعت کو معلوم کرنے کے لئے یہ طریقہ لکھا ہے کہ چلو میں پانی بھر کر ہتھیلی کو پھیلا دیا جائے، جتنی جگہ میں پانی ٹھرا رہے اتنی وسعت مراد ہے اکابر نے اسکی مقدار ایک روپئے کے برابر تحریر فرمائی ہے، مگر آج کل دھات کا روپیہ بالکل غائب ہو چکا ہے، اور ہتھیلی کی پیائش آسان نہیں اسلئے اسکی پیائش کو ضبط کرنے کی ضرورت کو محسوس کر کے بندہ نے بطریق مذکور متعدد بار احتیاط سے پیائش کی تو قطر =1.1 انچ، یا 2.75 سینٹی میٹر ہوا، اس کے بعد اتفاق سے ایک روپیہ دھات کا مل گیا تو اسکا قطر بھی اسکے مطابق پایا۔(احسن الفتاوی، باب نجاست غلیظہ کی قدر عفو کی تحقیق، ج دوم، ص ۸۹) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نجاست پتلی ہو اور اور گولائی میں لگی تو اسکے درمیان کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہو، اور نجاست کی گولائی 8.6394 سینٹی میٹر ہو، یا قطر 1.1 انچ ہو اور نجاست کی گولائی 3.4557 انچ ہو تو وہ ایک درھم کے برابر ہے، یا ہتھیلی کے برابر ہے اسلئے اسکا دھونا ضروری ہے۔

نوٹ: درھم کے مساحت کے بارے میں کوئی اور تفصیل نہیں ملی اسلئے احسن الفتاوی کے قول پر حساب کی بنیاد رکھ دی، برطانیہ میں پچاس پینس کا جو سکہ ہوتا ہے وہ بھی اوپر والے درھم کے برابر ہی ہوتا ہے

۵ؒ و یروی من حیث الوزن و هو الدرهم الکبیر المثقال : و هو ما یبلغ وزنه مثقالاً، ۶ؒ و قیل فی التوفیق بینهما ان الاولی فی الرقیق و الثانیة فی الکثیف

ترجمہ: ۵ؒ اور روایت کیا ہے وزن کے اعتبار سے وہ بڑا مثقال والا درھم ہے جسکا وزن ایک مثقال پہنچتا ہو۔

تشریح : اگر درھم کے وزن کا اعتبار کیا جائے تو اس درھم کا اعتبار ہوگا جو بڑا درھم ہے اور اسکا وزن ایک مثقال ہے۔ جو 4.375 گرام کا ہوتا ہے۔ یہ حساب احسن الفتاوی، ج رابع، ص ۴۱۶۔ سے لیا گیا ہے

﴿درھم کی قسمیں تین ہیں﴾

(ا) ایک بڑا درھم جسکا وزن ایک مثقال ہوتا ہے، یا20 قیراط ہے، یا0.375 تولہ، یا4.375 گرام کا ہوتا ہے۔

(۲) دوسرا درھم اس سے چھوٹا ہوتا ہے جسکا وزن 0.7 مثقال، یا 14 قیراط، 0.262 تولہ، یا 3.061 گرام ہوتا ہے۔ ابھی اسی درھم سے زکوۃ کا حساب کرتے ہیں۔ نیچے سارا حساب اسی درھم کا دیا ہے، کیونکہ اسی کا اعتبار ہے اس درھم کو وزن سبعہ کہتے ہیں

(۳) ایک تیسرا درھم اس سے چھوٹا ہوتا تھا جسکا وزن 0,5 مثقال، یا10 قیراط، یا0.1875 تولہ، یا2.1875 گرام وزن ہوتا ہے۔ یہ درھم اور بڑا درہم اب نہیں ہیں اسکو حضرت عمرؓ نے ختم فرما دیا تھا۔

ترجمہ: ۶ؒ اور کہا گیا ہے کہ دونوں کے درمیان ترتیب یہ ہے کہ پہلی یعنی مساحت والی پتلی نجاست میں ہے اور دوسری یعنی وزن والی گاڑھی نجاست میں ہے۔

تشریح : اوپر درھم کے بارے میں دو قسم کی باتیں آئیں، ایک یہ کہ اسکے وزن کا اعتبار کیا جائے اور دوسری یہ کہ اسکی مساحت یعنی رقبے کا اعتبار کیا جائے تو دونوں قولوں میں ترتیب یہ دے رہے ہیں کہ جس قول میں مساحت کا اعتبار کیا گیا ہے وہ پتلی نجاست کے بارے میں ہے۔ کہ پتلی نجاست ہو تو درھم کے رقبے کا اعتبار کیا جائے اور 2.75 سینٹی میٹر نجاست ہو تو جگہ ناپاک ہوگی، اور جس قول میں وزن کا اعتبار ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ نجاست گاڑھی ہو تو درھم کے وزن کا اعتبار کیا جائے اور 4.374 گرام وزن نجاست ہو تو جگہ ناپاک قرار دیا جائے چاہے رقبے کے اعتبار سے 2.75 سینٹی میٹر سے کم رقبے پر ہی نجاست لگی ہو

﴿درھم کا حساب﴾

نوٹ : باب احکام المیاہ مسئلہ نمبر ۴۶، کے تحت ناپ کا فارمولہ مذکور ہے اور وہیں پائی 3.1416 یا22بٹہ 7 یعنی 22 کو 7 سے تقسیم دیں اسکو پائی کہتے ہیں جو کسی گول چیز کو ناپنے کے لئے بہت ضروری ہے

حساب: کسی بھی گول چیز کی درمیانی قطر کو ناپ لیں پھر اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو اس چیز کی گولائی معلوم ہو جائے گی۔

اب درھم کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہے تو اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو درھم کی گولائی 8.6394 سینٹی میٹر نکل آئے گی۔
اور درھم کا قطر 1.1 انچ کو پائی 3.1416 سے ضرب دیں تو درھم کی گولائی 3.4557 انچ نکل آئے گی۔ یہ درھم کی گولائی ہوگی۔
اور اگر درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ناپنا ہو تو درھم کے قطر کو قطر سے ضرب دیں، جو حاصل ضرب ہو اسکو پائی سے ضرب دیں اور اس حاصل ضرب کو چار سے تقسیم کر دیں تو جو حاصل تقسیم ہوگا وہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہوگا۔ مثال مذکور میں درھم کا قطر 2.75 سینٹی میٹر ہے اسلئے 2.75 کو 2.75 سے ضرب دیں حاصل ضرب 7.5625 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں، حاصل ضرب 23.7583 مربع سینٹی میٹر ہوگا، پھر اسکو 4 سے تقسیم دے دیں حاصل تقسیم 5.93958 مربع سینٹی میٹر ہوگا، یہ درھم کی پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہے
اور انچ کے اعتبار سے درھم کا قطر 1.1 انچ ہے اسلئے 1.1 کو 1.1 سے ضرب دیں حاصل ضرب 1.21 مربع انچ ہوگا اسکو پائی 3.1416 سے ضرب دیں حاصل ضرب 3.80133 مربع انچ ہوگا اسکو 4 سے تقسیم دیں تو حاصل تقسیم 0.95 مربع انچ ہوگا جو درھم کہ پیٹھ، یا پیٹ کا رقبہ ہوگا۔

(نصاب اور اوزان کی تفصیل ملاحظہ کیجئے۔)

نصاب اور اوزان ایک نظر میں

کتنے	برابر	کتنے		کتنے	برابر	کتنے
فارمولہ				فارمولہ		
8 رتی	=	ایک ماشہ		1000 گرام	=	ایک کیلو
12 ماشہ	=	ایک تولہ		3.061 گرام	=	ایک درہم
11.664 گرام	=	ایک تولہ		612.36 گرام	=	نصاب چاندی
0.218 گرام	=	ایک قیراط		4.374 گرام	=	ایک دینار
4.374 گرام	=	ایک مثقال		87.48 گرام	=	نصاب سونا
442.25 گرام	=	ایک رطل		ایک درھم	=	سینٹی میٹر قطر
3538 گرام	=	ایک صاع		ایک درھم	=	1.1 انچ قطر

ﮯ و انما كانت نجاسة هذه الاشياء مغلظة لانها ثبتت بدليل مقطوع به (۱۷۰) و ان كانت مخففة كبول مايوئكل لحمه جازت الصلوة معه حتى يبلغ ربع الثوب ﴾

1769 گرام = آدھا صاع

(چھوٹا، بڑا درھم)

درہم	مثقال	قیراط	تولہ	گرام	کتنی زکوۃ ہوگی
1 بڑا درہم	1 مثقال	20	0.375	4.375	....
1 مروج درہم	0.7	40	0.262	3.061	....
200 درہم	140	2800	52.50	612.36	15.309 گرام

ترجمہ: ﮯ ان چیزوں کی نجاست مغلظہ اسلئے ہوئی کہ یقینی دلیل سے ثابت ہوئی ہے

تشریح : اس عبارت میں نجاست کے غلیظہ اور خفیفہ ہونے کا معیار بتا رہے ہیں کہ جس نجاست کی ناپاکی دلیل قطعی سے ثابت ہوا سکو نجاست غلیظہ کہتے ہیں، اور جو دلیل ظنی سے ثابت ہو وہ نجاست خفیفہ ہے

دوسری روایت یہ ہے کہ جس میں ایک ہی قسم کی دلیل ہو وہ نجاست غلیظہ ہے اور جس نجاست کی ناپاکی کے بارے میں دونوں قسم کے احادیث ہوں وہ نجاست خففیہ ہے ۔

تیسری روایت یہ ہے کہ جس نجاست کے بارے میں ائمہ کا اتفاق ہو وہ نجاست غلیظہ ہے اور جس نجاست کی ناپاکی کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو وہ نجاست خفیفہ ہے۔

لغت : خرء : بیٹ، خرء الدجاج ،مرغی کی بیٹ۔التحرج: بچنا۔المساحة: لمبائی چوڑائی ناپنے کے حساب کو مساحت کہتے ہیں رقیق: پتلا۔کثیف: گاڑھا۔دلیل مقطوع: قطعی دلیل، یقینی دلیل۔

ترجمہ: (۱۷۰) اور اگر کپڑے یا بدن کو نجاست خفیفہ لگ جائے جیسے گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب تو اس کے ساتھ نماز جائز ہے جب تک چوتھائی کپڑے کو نہ پہنچ جائے۔

تشریح: نجاست خفیفہ اس کو کہتے ہیں جس کے پاک ہونے اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کے دلائل ہوں، یا علماء میں اختلاف ہو۔ جیسے ان جانوروں کا پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے کہ ان کے پاک اور ناپاک ہونے میں دونوں قسم کی احادیث ہیں۔ پاک ہونے کی دلیل یہ ہے حدیث میں ہے(۱)عن انس ان ناسا من عرينة قدموا المدينة فاجتووها فبعثهم

رسول الله ﷺ فی ابل الصدقة وقال اشربوا من البانها وابوالها ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمہ ص ۲۱ نمبر ۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲) عن البراء قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ببول ما اکل لحمه ۔(دار قطنی ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأ کول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱) عن ابن عباس... فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدهما لا یستتر من بوله وکان الآخر یمشی بالنمیمة ۔(بخاری شریف، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص ۳۵ نمبر ۲۱۶ رترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص ۱۳ نمبر ۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔اس لئے وہ ناپاک ہے (۲) عن انس قال قال رسول الله ﷺ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه ۔(دار قطنی ، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۵ نمبر ۴۵۳) یہ دونوں قسم کی احادیث مأ کول اللحم کے بارے میں ہیں۔اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہوگیا۔اس لئے اس کا پیشاب امام ابوحنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے اور دوسرے جانور یا انسان کے بارے میں پاکی کی احادیث نہیں ہیں اس لئے ان کا پیشاب نجاست غلیظہ ہے۔

نجاست خفیفہ کے بارے میں اصل روایت یہ ہے کہ اتنا لگ جائے کہ لوگ اس کو کثیر اور زیادہ سمجھیں تو کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔دوسری روایت ہے کہ کپڑے کی چوتھائی ہو تو وہ گویا کہ کثیر ہوگیا اور کپڑا ناپاک ہوگا۔کیونکہ ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم مقام ہے۔احرام کی حالت میں سر منڈوانے میں چوتھائی سر منڈوائے تو کل سر منڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہوجائے گا۔

وجہ : گائے، بھینس کے چرواہے کے لئے ان کے پیشاب سے بچنا بہت مشکل ہوتا ہے۔اگر چوتھائی کپڑے میں پیشاب لگنے اور کیچڑ لگنے کو معاف نہ کیا جائے تو ان کے لئے حرج ہو جائے گا۔اس لئے امام ابوحنیفہ نے فرمایا کہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو اس میں نماز جائز ہوگی اگر چہ دھو لینا چاہئے۔اس سہولت کی وجہ یہ حدیث ہے۔قلت لام سلمة ان امرأة اطيل ذیلی وامشی فی المکان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ یطهره ما بعده (۲) وعن عبد الله ابن مسعود قال کنا نصلی مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطی (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳ رابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) دامن میں تھوڑی بہت ناپاکی لگ جائے اور بعد کے مکان اس کو جھاڑ دے تو نماز ہو جائے گی۔اس سے اشارہ ملتا ہے کہ نجاست غلیظہ ایک درہم سے کم ہو یا خفیفہ چوتھائی کپڑے سے کم ہو تو معفو عنہ ہیں ورنہ حرج ہوگا۔

فائدہ: امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بنا پر مأ کول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔(۱) حدیث عرینہ اوپر ترمذی شریف، نمبر ۷۲

ا؎ یروی ذالک عن ابی حنیفۃؒ ، لان التقدیر فیه بالکثیر الفاحش و الربع ملحق بالکل فی بعض الاحکام ۲؎ و عنه ربع ادنی ثوب تجوز فیه الصلوۃ کالمیزر ۳؎ و قیل ربع الموضع الذی اصابه کالذیل و الدخریص ۴؎ وعن ابی یوسفؒ شبر فی شبر

کی حدیث گزری، (۲) اور دار قطنی نمبر۴۵۴ کی حدیث گزری جس کی بنا پر گوشت کھائے جانے والے جانور کا پیشاب پاک کہتے ہیں ۔(۳) اور یہ اثر بھی ہے عن جعفر عن أبیه و نافع قال : کانا لا یریان بأسا ببول البعیر ، قال : و أصابني فلم یریابه بأسا . (مصنف ابن ابی شیبۃ، باب ۱۴۱) فی بول البعیر والشاۃ یصیب الثوب، ج اول، ص ۱۰۹، نمبر ۱۲۳۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اونٹ یعنی ماکول اللحم کے پیشاب میں کوئی حرج نہیں ہے ۔یعنی وہ پاک ہے۔

ترجمه: ا؎ یہ روایت امام ابوحنیفہؒ کا ہے اسلئے کہ اندازہ اس میں کثیر فاحش کا ہے اور چوتھائی کل کے ساتھ ملحق ہے بعض احکام میں

تشریح : نجاست خفیفہ کتنی معاف ہے اس بارے میں کئی اقوال ہیں، امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول تو اوپر گزرا کہ پورے کپڑے کی چوتھائی سے کم ہو تو نجاست خفیفہ معاف ہے اور چوتھائی ہو تو دھونا پڑے گا۔ کیونکہ اصل قاعدہ یہ ہے کہ دیکھنے والا اسکو بہت زیادہ سمجھے تو وہ کثیر فاحش ہے۔ اور یہ نجاست خفیفہ معاف نہیں، اور چوتھائی چیز بعض احکام میں کل کے قائم مقام ہے اسلئے وہ کثیر فاحش ہو گیا اسلئے چوتھائی کپڑا معاف نہیں۔ جیسے ستر کھلنے میں چوتھائی ستر کھل جائے تو وہ کل ستر کھلنے کے قائم مقام ہے۔ احرام کی حالت میں سر منڈوانے میں چوتھائی سر منڈوائے تو کل سر منڈوانے کے قائم مقام ہے اسی طرح یہاں بھی چوتھائی کپڑے پر لگ جائے تو پورے کپڑے میں لگنے کے قائم مقام ہوگا اور کپڑا ناپاک ہو جائے گا۔

ترجمه: ۲؎ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت ہے کہ ادنی کپڑا جس میں نماز جائز ہو جیسے لنگی۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی یہ دوسری روایت ہے کہ کم سے کم جتنے کپڑے میں مرد کی نماز جائز ہو جاتی ہے اتنے کپڑے کی چوتھائی میں نجاست خفیفہ معاف ہے، جیسے لنگی اور تہ بند کہ اس سے مرد کا اتنا ستر ڈھک جاتا ہے کہ اس میں نماز جائز ہو جاتی ہے اب لنگی کی چوتھائی سے کم نجاست خفیفہ لگ جائے تو نماز جائز ہے۔

ترجمه: ۳؎ اور کہا گیا ہے کہ اس جگہ کی چوتھائی جہاں نجاست لگی ہو، جیسے دامن اور کلی۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی تیسری روایت یہ ہے کہ کپڑے کے جس حصے میں نجاست لگی ہو اسکی چوتھائی مراد ہے جیسے کرتے کی کلی میں نجاست لگی تو کلی کی چوتھائی مراد ہے، یا کرتے کے دامن میں نجاست لگی ہو تو اسکی چوتھائی معاف ہے اور اس سے زیادہ ہو تو دھونا پڑے گا۔

۵؎ وانما کان مخففا عند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ لمکان الاختلاف فی نجاستہ، اولتعارض النصین علی اختلاف الاصلین (۱۷۱) و اذا اصاب الثوب من الروث، اومن اخثاء البقر اکثر من قدر الدرھم لم تجز الصلوۃ فیہ عند ابی حنیفۃؒ ۱؎ لان النص الوارد فی نجاستہ، وھوماروی انہ علیہ السلام: رمی بالروثۃ و قال : ھذا رجس، او رکس، و لم یعارضہ غیرہ، و بھذا یثبت التغلیظ عندہ و التخفیف بالتعارض

ترجمہ: ۴؎ اورامام ابو یوسفؒ سے روایت ہے ایک بالشت لمبی اور ایک بالشت چوڑی معاف ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی چوتھی روایت ہے جو امام ابو یوسفؒ سے ہے کہ ایک بالشت لمبی اور ایک بالشت چوڑی سے کم نجاست لگی ہو تو معاف ہے۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب نجاست خفیفہ ہے نجاست میں اختلاف ہونے کی وجہ سے ، یا دونصوں کے تعارض ہونے کی وجہ سے، دونوں کے اصول کے اختلاف کی بنیاد پر ۔

تشریح : جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب نجاست خفیفہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تو اسلئے کہ اسکی نجاست کے بارے میں دوقسم کے نص ہیں جو اوپر گزر گئے ایک سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پیشاب ناپاک ہے اور دوسرے حدیث عرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکا پیشاب پاک ہے ان دونوں حدیثوں کے تعارض کی بنا پر اسکا پیشاب نجاست غلیظہ کے بجائے نجاست خفیفہ ہو گیا۔

اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ اسلئے ہو گیا کہ اس میں مجتہدین کا اختلاف ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ماکول اللحم کا پیشاب ناپاک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی بنا پر پاک ہے اسلئے اسکی نجاست میں تخفیف آ گئی۔

اصول : دونصوں کا تعارض ہو تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہو جاتی ہے۔ اور دو مجتہد کا اختلاف ہو تو امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہو جاتی ہے۔

لغت: مخففۃ: ہلکی نجاست۔ میزر: تہبند، لنگی۔ الذیل: دامن۔ الدخریص: کلی۔ شبر: بالشت۔

ترجمہ: (۱۷۱) اگر کپڑے کو لید یا گائے کا گوبر درھم کی مقدار سے زیادہ لگ جائے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں نماز جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ نص اسکی نجاست کے بارے میں وارد ہوئی اور وہ روایت ہے کہ حضور ﷺ نے لید کو پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ رجس، یا رکس یعنی ناپاک ہے اور اسکے معارض کوئی حدیث نہیں اور اس سے انکے نزدیک تغلیظ ثابت ہوتی ہے، اور تخفیف

۲؎ وقالا یجزیه حتی یفحش لان للاجتهاد فیه مساغاً، وبهذا یثبت التخفیف عندهما

تعارض نصین کی بنا پر ہوتی ہے ۔

تشریح : کپڑے پر ایک درھم سے زیادہ لید لگ جائے، یا گائے کا گوبر لگ جائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک اس سے نماز پڑھنا جائز نہیں، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ نجاست غلیظہ ہے، اور نجاست غلیظہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے لید پھینک دیا اور فرمایا کہ یہ ناپاک ہے، حدیث یہ ہے **انه سمع عبد الله يقول : أتى النبي ﷺ الغائط فأمرني ان أتيه بثلاثة احجار فوجدت حجرين و التمست الثالث فلم أجد ، فأخذت روثة فأتيته بها فأخذالحجرين و ألقى الروثة و قال هذا ركس** ۔(بخاری شریف، باب لا یستنجی بروث، ص ۲۷، نمبر ۱۵۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستنجاء بالحجرین، ص ۱۰، نمبر ۱۷) اس حدیث میں ہے کہ لید ناپاک ہے اسلئے وہ نجاست غلیظہ ہوگا کیونکہ اسکے مخالف کوئی اور نص نہیں ہے۔ اور گوبر کے سلسلے میں یہ حدیث ہے۔ **عن سلمانؓ قال قيل له لقد علمكم نبيكم كل شيء حتى الخراء ة...و ان لا يستنجي أحدنا بأقل من ثلاثة أحجار ، أو نستنجي برجيع أو عظم** . (ابوداود شریف، باب کراھیۃ استقبال القبلۃ عند قضاء الحاجۃ، ص ۳، نمبر ۷ ترمذی شریف، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ص ۱۰، نمبر ۱۶) اس میں ہے کہ گوبر سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا اور اسکی وجہ یہ ہے کہ گوبر نجاست ہے اور اسکے مخالف کوئی دلیل نہیں ہے اسلئے یہ نجاست غلیظہ ہوگا

ترجمہ: ۲؎ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ انسان کو کافی ہوگا یہاں تک کہ بہت زیادہ ہو جائے اسلئے کہ اجتہاد کی اس میں گنجائش ہے، اور اتنے ہی سے صاحبین کے نزدیک تخفیف ثابت ہو جاتی ہے۔

تشریح : امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ ماکول اللحم کا پیخانہ جب تک بہت زیادہ نہ لگ جائے تب تک کپڑے کو پاک سمجھا جائے ،اسکی وجہ یہ ہے کہ جب ماکول اللحم کے پیشاب میں نص کی وجہ سے اختلاف ہے اور اجتہاد کی گنجائش ہے تو اسی پیٹ سے پیخانہ بھی نکلتا ہے اسلئے اس پر قیاس کر کے اسکا پیخانہ بھی نجاست خفیفہ ہونا چاہئے ۔ کیونکہ جس میں بھی تعارض نص ہو، یا اجتہاد کی گنجائش ہو صاحبین کے نزدیک اس میں تخفیف ہو جاتی ہے اور وہ نجاست خفیفہ ہو جاتی ہے ۔(۲) اس حدیث کے مفہوم سے بھی یہ ٹپکتا ہے کہ ماکول اللحم کا پیخانہ نجاست خفیفہ ہے۔ **قلت لام سلمة ان امرأة اطيل ذيلي وامشي في المكان القذر؟ فقالت قال رسول الله ﷺ يطهره ما بعده** (۳) **وعن عبد الله ابن مسعود قال كنا نصلي مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطى** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳ / ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) اس حدیث میں ہے کہ روندی ہوئی چیز سے وضو نہیں کرتے تھے، اور روندی ہوئی چیز ماکول اللحم کا پیخانہ بھی ہو سکتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماکو اللحم کا پیخانہ نجاست خفیفہ ہے۔ (۴) اسکے لئے اثر بھی ہے . **عن قتادة قال : كا ن لا يرى بأرواث الدواب شيئاً** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب أبوال الدواب وروثہا، ج اول، ص ۳۷۷، نمبر ۱۴۷۸) اس

۳ ولان فیه ضرورة لامتلاء الطرق بها و هی موء ثرة فی التخفیف، ۴ بخلاف بول الحمار لان الارض تنشفه ۵ قلنا: الضرورة فی النعال و قد اثرت فی التخفیف مرة حتی تطهر بالمسح فتكفی موء نتها ۶ و لا فرق بین مأكول اللحم و غیر ما كول اللحم،

اثر میں ہے کہ جانوروں کے پیخانہ سے کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ نجاست خفیفہ ہے۔

ترجمہ: ۳ اور اسلئے کہ اس میں ضرورت ہے اس سے راستہ بھر جانے کی وجہ سے اور یہ تخفیف میں اثر انداز ہوتا ہے۔

تشریح : گوبر اور لید نجاست خفیفہ ہے اسکے لئے یہ بھی دلیل ہے کہ گوبر اور لید کو نجاست خفیفہ قرار دینے کی سخت ضرورت ہے، کیونکہ گوبر اور لید سے راستے بھرے ہوتے ہیں اور چلتے وقت وہ لگتے بھی ہیں اور عموم بلوی بھی ہے، اور ضرورت اور عموم بلوی سے تخفیف آتی ہے اسلئے اس میں بھی تخفیف آنی چاہئے۔ یہ پانچویں دلیل ہے۔

ترجمہ: ۴ بخلاف گدھے کے پیشاب کے اسلئے کہ زمین اسکو چوس لیتی ہے۔

تشریح : صاحبین کی جانب سے یہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ گدھے کے پیشاب کو حضرات صاحبین بھی اوپر نجاست غلیظہ کہہ آئے ہیں، حالانکہ اس سے بھی تو راستے بھرے ہوتے ہیں اور عموم بلوی بھی ہے تو اسکو نجاست خفیفہ کیوں قرار نہیں دیتے! تو اسکا جوب دے رہے ہیں کہ پیشاب میں جرم نہیں ہوتا وہ پتلا ہوتا ہے اسلئے زمین اسکو چوس لیتی ہے، اور اس سے راستہ بھرا نہیں ہوتا اسلئے اسکو نجاست خفیفہ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اور لید اور گوبر جسم والے ہیں وہ راستے میں ہفتوں موجود ہوتے ہیں اسلئے ان میں تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔ تخفیف کی اصل وجہ تو اوپر کی حدیث ہے۔

ترجمہ: ۵ ہم کہتے ہیں کہ کہ ضرورت جوتے میں ہے اور اس میں ایک مرتبہ تخفیف اثر انداز ہو چکی ہے یہی وجہ ہے کہ جوتا رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے، بس اتنا ہی تخفیف کافی ہے۔

تشریح : یہ امام ابو حنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے۔ کہ ٹھیک ہے کہ لید اور گوبر سے راستے بھرے ہوتے ہیں لیکن اسکے لئے تخفیف کی ضرورت کپڑے میں نہیں ہے بلکہ اسکے لئے جوتے میں سہولت دینے کی ضرورت ہے کیونکہ راستے کی لید اور گوبر جوتے میں لگتے ہے، اور جوتے میں یہ سہولت دی جا چکی ہے کہ اسکو زمین سے رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے، اور اتنا ہی کافی ہے اسلئے لید اور گوبر کو نجاست خفیفہ قرار دینے کی ضرورت نہیں ہے ۔

ترجمہ: ۶ اور جن جانوروں کا گوشت کھایا جاتا ہو اور جن جانوں کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو ان میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح : جن جانور کا گوشت کھایا جاتا ہو اور جن جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو دونوں کا پاخانہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ نہیں ہے کہ جنکا گوشت کھایا جاتا ہو اسکا پاخانہ نجاست خفیفہ ہو اور جسکا گوشت نہیں

ے و زفرؒ فرق بینهما فوافق ابا حنیفةؒ فی غیر ماکول اللحم، ووافقهما فی الماکول، ۸ وعن محمدؒ انه لما دخل الریّ و رأی البلوی افتی ان الکثیر الفاحش لا یمنع ایضاً، ۹ وقاسوا علیها طین بخاراوعندذالک رجوعه فی الخف یروی

کھایا جاتا ہواسکا نجاست غلیظہ ہوا ایسا نہیں ہے۔اور صاحبین کے نزدیک دونوں کا پاخانہ نجاست خفیفہ ہے، دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

ترجمه: ے اورزفرؒ نے فرق کیا دونوں کے درمیان پس غیر ماکول اللحم میں امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کی، اور ماکول اللحم میں صاحبین کی موافقت کی۔

تشریح : امام زفرؒ نے گوشت نہ کھائے جانے والے جانور میں امام ابوحنیفہؒ کی موافقت کی اور فرمایا کہ غیر ماکول اللحم کا پاخانہ نجاست غلیظہ ہے۔اور ماکول اللحم کے بارے میں صاحبین کی موافقت کی اور فرمایا گوشت کھائے جانے والے جانور کا پاخانہ نجاست خفیفہ ہے ۔

ترجمه: ۸ اورامام محمدؒ سے منقول ہے کہ جب وہ ری تشریف لے گئے اور بلوی عام دیکھا تو فتوی دیا کہ کثیر فاحش بھی نماز سے نہیں روکے گا۔

تشریح : امام محمدؒ جب ریّ تشریف لے گئے اور راستوں کو دیکھا کہ گوبر اور لید سے بھرے ہوئے ہیں اور بلوی عام میں لوگ مبتلا ہیں تو یہ فتوی دینے لگے کہ مٹی میں ملے ہوئے گوبر اور لید کتنے ہی لگ جائے پھر بھی نماز جائز ہے، شاید انہوں نے اس حدیث اور اثر سے استدلال فرمایا جس میں ہے کہ روندنے والی گندگی سے ہم لوگ وضو نہیں کرتے ۔یا اثر میں ہے کہ جانور کی لید سے حضرت قتادہ نماز کو ممنوع نہیں سمجھتے، حدیث اور اثر یہ ہیں۔**وعن عبد الله ابن مسعود قال کنا نصلی مع رسول الله ﷺ ولا نتوضأ من الموطی** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوضوء من الموطی ص ۳۶ نمبر ۱۴۳/ ابوداؤد شریف، باب فی الرجل یطأ الاذی برجلہ ص ۳۰ نمبر ۲۰۴) اس حدیث میں ہے کہ روندی ہوئی چیز سے وضو نہیں کرتے تھے، اور روندی ہوئی چیز ماکول اللحم کا پیخانہ بھی ہوسکتا ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ماکو اللحم کا پیخانہ نجاست خفیفہ ہے۔(۴) اسکے لئے اثر بھی ہے .**عن قتادة قال : کا ن لا یری بأرواث الدواب شیئاً** ۔(مصنف عبد الرزاق، باب أبوال الدواب وروثها، ج اول، ص ۳۷۷، نمبر ۱۴۷۸) اس اثر میں ہے کہ جانور کے پیخانے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

ترجمه: ۹ اور اس پر بخارا کی مٹی کو قیاس کیا، اور اسی وقت موزے کے بارے میں ان سے رجوع ثابت ہے۔

تشریح : بخارا کی مٹی میں بھی گوبر اور لید ملی ہوئی ہوتی ہے اسلئے بخارا کی مٹی کو بھی ریّ کے راستے پر قیاس کیا کہ وہ بھی کثیر فاحش

(۱۷۲)واصابه بول الفرس لم یفسده حتی یفحش عندابی حنیفةؒ وابی یوسفؒ وعندمحمدؒلاتمنع وان فحش ﴿۱﴾لان بول ما یوء کل لحمه طاهر عنده مخفف نجاسته عند ابی یوسفؒ، و لحمه ماکول عندهما

لگ جائے تب بھی اس میں نماز جائز ہے۔غالبا پہلے امام محمدؒفرمایا کرتے تھے کہ رگڑنے سے موزہ پاک نہیں ہوگا لیکن جب رئ تشریف لے گئے اور وہاں کے بلوی عام کو دیکھا تو اس سے رجوع کر گئے اور فرمایا کہ موزے پر نجاست لگ جائے تو اسکو رگڑنے پاک ہو جائیگا۔

لغت : . روث:لید۔ اخثاء: گوبر۔رکس: ناپاکی۔یفحش: اتنا زیادہ لگ جائے کہ لوگ سمجھے کہ یہ واقعی زیادہ ہے،دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ چوتھائی کپڑے کو فاحش کہتے ہیں۔امتلاء: ملء سے مشتق ہے بھرنا۔ تنشف :چوس لینا۔ مئونة : کارگزاری،محنت۔ الری: پچھلے زمانے میں مشہور شہر رہا ہے جہاں حضرت امام محمدؒ کی وفات ہوئی ہے،اس وقت یہ شہر روس میں ہے۔بلوی:جس کام میں لوگ بہت مبتلا ہوں اسکو بلوی کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۱۷۲) اور اگر کپڑے کو گھوڑے کا پیشاب لگ گیا تو امام ابو حنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ناپاک نہیں کرے گا یہاں تک کہ فاحش ہو جائے ،اور امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک نہیں کرے گا چاہے فاحش ہو جائے۔

تشریح : گھوڑے کا گوشت حلال ہے لیکن جہاد کی وجہ سے منع فرمایا ہے اسلئے اور ماکول اللحم جانور کی طرح اسکے دونوں نصوص میں تعارض ہو گیا،اور تعارض نصین کی وجہ سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہو جاتی ہے اسلئے گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہے۔گھوڑے کے بارے میں دونوں قسم کی احادیث یہ ہیں۔حرمت کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن خالد بن ولید انه سمع رسول الله ﷺ یقول لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر** ۔(نسائی شریف،باب تحریم اکل لحوم الخیل ص۶۰۲ نمبر ۴۳۳۶/ابن ماجہ شریف،باب لحوم البغال ص۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑا کھانا حرام ہے۔

حلت کی حدیث یہ ہے۔**عن جابر بن عبد الله قال نهی النبی ﷺ یوم خیبر عن لحوم الحمر ورخص فی لحوم الخیل** ۔(بخاری شریف،باب لحوم الخیل ص۸۲۹ نمبر ۵۵۲۰/مسلم شریف،باب اباحۃ اکل لحوم الخیل ص۱۵۰ نمبر ۱۹۴۱)اسی کی دوسری روایت میں یہ بھی ہے۔**سمع جابر بن عبد الله یقول اکلنا زمن خیبر الخیل وحمر الوحش**.(مسلم شریف،نمبر ۱۹۴۱/۵۰۲۳/بخاری شریف،نمبر ۵۵۱۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھوڑے کا گوشت کھانا حلال ہے۔

ترجمہ: ﴿۱﴾ اسلئے کہ جس جانور کا گوشت کھایا جاتا ہے اسکا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہے،اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے،اور گھوڑے کا گوشت دونوں کے نزدیک کھایا جائے گا۔

۲ و اما عند ابی حنیفۃؒ فالتخفیف لتعارض الآثار (۱۷۳)و ان اصابه خرء مالا یو کل لحمه من الطیور اکثر من قدر الدرهم اجزأت الصلوة فیه عندابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ ، و قال محمدؒ لا یجوز﴾

تشریح : یہاں دو باتیں عرض کر رہے ہیں، ایک تو یہ کہ امام محمدؒ کے نزدیک گھوڑے کا گوشت حلال ہے چاہے اس وقت نہ کھاتے ہوں۔ اور جب گوشت حلال ہے تو اوپر کی احادیث کی وجہ سے حلال جانور کا پیشاب امام محمدؒ کے نزدیک حدیث عرینہ کی وجہ سے پاک ہے اسلئے گھوڑے کا پیشاب کتنا ہی لگ جائے امام محمد کے نزدیک کپڑا پاک رہے گا۔ گھوڑے کا حلال ہونے کی دلیل اوپر حدیث گزر گئی۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ امام محمدؒ اور امام ابو حنیفہؒ کے درمیان اختلاف ہو گیا، اور مجتہدین میں اختلاف کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تخفیف ہو جاتی ہے اسلئے گھوڑے کا پیشاب نجاست خفیفہ ہوگا۔

ترجمہ : ۲ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف احادیث کے تعارض کی بنا پر ہوگی۔

تشریح : اوپر قاعدہ گزرا کہ ایک چیز کے بارے میں دو قسم کے احادیث آجائے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تخفیف ہو جاتی ہے، اور اوپر گھوڑے کے گوشت کے بارے میں دونوں قسم کی احادیث آگئیں اسلئے نجاست خفیفہ ہو جائے گا۔ پھر حلال جانور کے پیشاب کے بارے میں دو قسم کی احادیث گزری اسلئے وہ نجاست خفیفہ ہوگا۔ دونوں احادیث یہ ہیں ۔ پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) **عن انس ان ناسا من عرینة قدموا المدینة فاجتووها فبعثهم رسول الله ﷺ فی ابل الصدقة وقال اشربوا من البانها و ابوالها** ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی بول مایؤکل لحمہ ص۲۱ نمبر ۷۲) آپؐ نے اہل عرینہ کو اونٹ کا پیشاب پینے کا حکم دیا۔ وہ پاک ہوگا تب ہی تو پیشاب پینے کا حکم دیا ہوگا؟ (۲) **عن البراء قال قال رسول الله ﷺ لا بأس ببول ما اکل لحمه** ۔ (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ والحکم فی بول مایؤکل لحمہ ص۱۳۵ نمبر ۴۵۴) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مأکول اللحم کا پیشاب پاک ہے۔ پیشاب کے ناپاک ہونے کی دلیل (۱) **عن ابن عباس ... فقال النبی ﷺ یعذبان وما یعذبان فی کبیر ثم قال بلی کان احدهما لا یستتر من بوله و کان الآخر یمشی بالنمیمة** ۔ (بخاری شریف، باب من الکبائر ان لا یستتر من بولہ ص۳۵ نمبر ۲۲۶ رترمذی شریف، باب التشدید فی البول ص۳۱ نمبر ۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی بھی پیشاب لگنا گناہ کبیرہ ہے۔ اس لئے وہ ناپاک ہے (۲) **عن انس قال قال رسول الله ﷺ تنزهوا من البول فان عامة عذاب القبر منه** ۔ (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص۱۳۵ نمبر ۴۵۳) یہ دونوں قسم کی احادیث مأکول اللحم کے پیشاب کے بارے میں ہیں۔ اس لئے اس کے پیشاب کے بارے میں ائمہ کا اختلاف ہو گیا۔ اس لئے اس کا پیشاب امام ابو حنیفہ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے۔

۱؎ فقدقیل ان الاختلاف فی النجاسة، و قد قیل فی المقدار و هو الاصح

ترجمہ: (۱۷۳) اور اگر کپڑے کو گوشت نہ کھائے جانے والے پرندے کی بیٹ درھم کی مقدار سے زیادہ لگ گئی تب بھی اس میں امام ابوحنیفہ اور امام یوسفؒ کے نزدیک نماز جائز ہو جائے گی، اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ نماز جائز نہیں ہوگی۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے پرندے کی بیٹ نجاست خفیفہ ہے جسکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ پرندہ اڑتے ہوئے اوپر سے آدمی پر بیٹ کر دیتا ہے، یہ مجبوری ہے اسلئے ایک درھم سے زیادہ بھی ہو تو نماز جائز ہو جائے گی (۲) عن الحسن قال : سقطت هائمة علی الحسن فذرقت علیه فقال له بعض القوم : نأتیک بماء تغسله فقال: لا، و جعل یمسحه عنه ۔(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۴۵ الذی یصلی وفی ثوبہ خرء الطیر ، ج اول، ص ۱۰۱، نمبر ۱۲۵۶ / مصنف عبد الرزاق، باب خرء الدجاج وطین المطر ، ج اول، ص ۳۷۶، نمبر ۱۴۷۴) اس اثر میں ہے کہ پرندے کی بیٹ پاک ہے، یا نجاست خفیفہ ہے۔

اور امام محمدؒ کے نزدیک پرندے کی بیٹ درھم کی مقدار سے زائد لگ جائے تو اس میں نماز جائز نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ انکے یہاں یہ نجاست غلیظہ ہے۔اور نجاست غلیظہ ہونے کی دلیل (۱) ایک تو یہ ہے کہ اسکا گوشت نہیں کھایا جاتا ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ جس جانور کا گوشت نہیں کھایا جاتا ہو اسکا پیخانہ نجاست غلیظہ ہے اسلئے اسکا پیخانہ بھی نجاست غلیظہ ہونا چاہئے (۲) پرندے بلی کی طرح گھر میں نہیں رہتے اور ہر وقت برتن میں منہ نہیں ڈالتے یہ تو کبھی کبھار اوپر سے پیخانہ کر دیتے ہیں اسلئے اس میں اتنی مجبوری نہیں ہے کہ اسکے پیخانہ کو نجاست غلیظہ کے بجائے نجاست خفیفہ قرار دیا جائے، اسلئے اسکا پیخانہ نجاست غلیظہ ہی رہے گا۔(۳) اسکے لئے اثر بھی ہے عن اسرائیل بن موسی قال : کنت مع ابن سیرین فسقط علیه بول الخفاش فنضحه ، وقال : ما کنت اری النضح شیئا حتی بلغنی عن ستة من أصحاب محمد ﷺ ۔(مصنف عبد الرزاق، باب بول الخفاش، ج اول ص ۳۷۶، نمبر ۱۴۷۲) اس اثر میں چمگادڑ کا پیشاب دھویا گیا جو پرندے کی قسم میں سے ہے جس سے معلوم ہوا کہ پرندے کی بیٹ نجاست غلیظہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ بعض لوگوں نے کہا کہ اختلاف نجاست کے بارے میں ہے۔اور کہا گیا کہ اختلاف مقدار میں ہے اور وہی صحیح ہے۔

تشریح : امام کرخیؒ سے منقول ہے کہ ان دونوں حضرات کے درمیان اختلاف نجاست اور عدم نجاست کے بارے میں ہے، یعنی امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک پرندے کی بیٹ پاک ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک ناپاک ہے۔لیکن صحیح بات یہ ہے کہ تینوں حضرات کے یہاں پرندے کی بیٹ ناپاک ہے، البتہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک نجاست خفیفہ ہے جس کی بنا پر

۲ھو یقول ان التخفیف للضرورة و لا ضرورة لعدم المخالطة فلا یخفف، ۳ و لھما انھا تذرق من الھواء و التحامی عنه متعذر فتحققت الضرورة، ۴ و لو وقع فی الاناء قیل یفسد و قیل لا یفسد لتعذر صون الاوانی عنه، (۱۷۴) و ان اصابه من دم السمک،او من لعاب البغل،او الحمار اکثر من قدرالدرھم اجزأت الصلوة فیه﴾

درھم کی مقدار سے زیادہ بھی لگ جائے تو ناپاک نہیں کیونکہ نجاست خفیفہ چوتھائی کپڑے تک معاف ہے۔اور امام محمدؒ کے نزدیک نجاست غلیظہ ہے اسلئے درھم کی مقدار لگ جائے تو معاف نہیں دھونا پڑے گا ۔

ترجمہ: ۲ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تخفیف ضرورت کی بنا پر ہوتی ہے اور یہاں کوئی ضرورت نہیں ہے اختلاط نہ ہونے کی وجہ سے اسلئے تخفیف نہیں کی۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ یہ پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے پیخانہ کرتے ہیں اور اس سے بچنا مشکل ہے اسلئے ضرورت متحقق ہوگئی۔

تشریح :یہ دونوں حضرات یہ فرماتے ہیں کہ پرندے ہوا میں اڑتے ہوئے لوگوں پر بیٹ کر دیتے ہیں اور اس سے بچنا مشکل ہے اسلئے ضرورت متحقق ہوگئی،اور اسکی نجاست میں تخفیف کرنے کی ضرورت ہے۔اسلئے یہ نجاست خفیفہ ہوگی۔باقی دلائل اوپر گزر گئے۔

ترجمہ: ۴ اور اگر بیٹ برتن میں گر گئی تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکو ناپاک کر دے گی،اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اسکو ناپاک نہیں کرے گی،اسلئے کہ برتنوں کو بھی اس سے بچانا مشکل ہے۔

ان اقوال کا مدار اس بات پر ہے کہ برتن کو پرندے کی بیٹ سے بچانا متعذر رہے یا نہیں۔امام ابو بکر اعمشؒ نے فرمایا کہ برتن گھر کے اندر محفوظ رہتا ہے اس میں اڑتے ہوئے پرندے بیٹ نہیں کر سکتے اور اسکو بیٹ سے بچانا بہت آسان ہے اسلئے اس میں تخفیف کی ضرورت نہیں،اگر برتن میں بیٹ کر دے تو برتن ناپاک ہو جائے گا۔اور امام کرخیؒ نے فرمایا کہ برتن کو بھی بیٹ سے نہیں بچا سکتے اسلئے اس میں بھی تخفیف کی ضرورت ہے،اگر برتن میں بیٹ کر دیا تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔اسلئے کہ برتن کو بچانا متعذر رہے۔

لغت: خرء:پرندے کی بیٹ۔المخالطة:اختلاط سے مشتق ہے:گھل مل جانا۔تذرق: بیٹ کرنا،اڑتے ہوئے بیٹ کرنے کو تذرق کہتے ہیں۔التحامی :بچنا۔صون:بچنا،محفوظ رکھنا۔اوانی : آنیة سے مشتق ہے،برتن۔

ترجمہ: (۱۷۴) اگر کسی کو درھم کی مقدار سے زیادہ مچھلی کا خون لگ گیا،یا خچر کا تھوک لگ گیا،یا گدھے کا تھوک لگ گیا تو اس میں نماز جائز ہے۔

تشریح : اس مسئلے کا مدار اس بات پر ہے کہ مچھلی کا خون پاک ہے،اور گدھے اور خچر کا لعاب یا تو پاک ہے،یا مشکوک ہے اسلئے

درھم سے زیادہ بھی لگ جائے تو کپڑا پاک رہے گا اور اس میں نماز پڑھنا جائز رہے گا۔
مچھلی کا خون اسلئے پاک ہے کہ مچھلی کو بغیر ذبح کئے ہوئے بھی کھانا حلال ہے ۔اور بغیر ذبح کے کھائے گا تو خون بھی اسکے ساتھ کھائے گا تو جب تک اسکا خون پاک نہیں ہے تو کھائے گا کیسے! اسلئے مچھلی کا خون پاک ہے اور کپڑے میں لگ جائے تو وہ ناپاک نہیں ہوگا۔بغیر ذبح کے کھانا حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی ھریرۃ قال رسول اللہ ﷺ ھو الطھور ماء ہ الحل میتتہ** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ماء البحر انہ طھور ص ۲۱ نمبر ۶۹ /ابوداود، باب الوضوء بماء البحر، ص ۱۳ نمبر ۸۳)اس حدیث میں ہے کہ مردہ یعنی مچھلی حلال ہے۔(۲) حدیث میں ہے۔**عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال احلت لنا میتتان الحوت والجراد** ۔(ابن ماجہ شریف، باب صید الحیتان والجراد ص ۴۶۷ نمبر ۳۲۱۸ /دار قطنی ، کتاب الاشربۃ ج رابع ص ۱۸۴ نمبر ۴۶۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مچھلی بغیر ذبح کے حلال ہے اسلئے اسکا خون بھی پاک ہوگا ۔
اور گدھے اور خچر کا لعاب پاک ہے اسلئے کہ اسکا گوشت پاک اور حلال ہے۔اسکے گوشت حلال ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن غالب ابن أبجر قال : أصابتنا سنة .....فقالؐ: أطعم أھلک من سمین حمرک فانما حرمتھا من أجل جوال القریة ، یعنی الجلالة** ۔(ابوداود شریف، باب فی أکل لحوم الحمر الاھلیۃ ص ۵۴۳ ،نمبر ۳۸۰۹)اس حدیث میں ہے کہ گدھے کا گوشت اصل کے اعتبار سے حلال ہے صرف گندگی پر پھرنے کی وجہ سے حرام کیا ہے اسلئے اسکا تھوک پاک ہوگا۔اور یہی حال خچر کا بھی ہوگا کیونکہ وہ بھی گدھے کی ہی نسل ہے۔
یا زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اسکا لعاب مشکوک ہے کیونکہ لعاب گوشت سے پیدا ہوتا ہے گوشت کے سلسلے میں جہاں حلال کی حدیث ہے وہاں حرام ہونے کی بھی حدیث ہے، وہ یہ ہے ۔**عن ابن عمرؓ نھی النبی ﷺ عن لحوم الحمر الاھلیة یوم خیبر** . (بخاری شریف، باب لحوم الحمر الانسیۃ ص ۸۲۹ نمبر ۵۵۲۱ /مسلم شریف، باب تحریم اکل لحم الحمر الانسیۃ ،ص ۱۴۹، نمبر ۱۹۳۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گھریلو گدھے کا گوشت حلال نہیں ہے۔ پہلے جائز تھا، جنگ خیبر میں حرام ہوگیا۔اور خچر کا گوشت حرام ہے اس کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن خالد بن الولید ان رسول اللہ ﷺ نھی عن اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر وکل ذی ناب من السباع** . (نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۷ /ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا خچر کا گوشت حلال نہیں ہے(۲) **عن خالد بن ولید انہ سمع رسول اللہ ﷺ یقول لا یحل اکل لحوم الخیل والبغال والحمیر** ۔(نسائی شریف، باب تحریم اکل لحوم الخیل ص ۶۰۲ نمبر ۴۳۳۶ /ابن ماجہ شریف، باب لحوم البغال ص ۴۶۴ نمبر ۳۱۹۸)ان دونوں حدیثوں کو ملانے سے یہ ہوتا ہے کہ گدھے اور خچر کا گوشت مکروہ ہے اور اصل کے اعتبار سے اسکا گوشت حلال ہے اسلئے زیادہ سے زیادہ اسکا لعاب مشکوک ہے اسلئے کپڑے پر لگنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہو

ا اما دم السمک فلانہ لیس بدم علی التحقیق فلا یکون نجساً، ۲ و عن ابی یوسفؒ انہ اعتبر فیہ الکثیر الفاحش فاعتبرہ نجساً ۳ و اما لعاب البغل و الحمار فلانہ مشکوک فیہ فلا یتنجس بہ الطاہر

گا۔

ترجمہ: ا بہرحال مچھلی کا خون تو تحقیق یہ ہے کہ وہ خون ہی نہیں ہے اسلئے وہ نجس نہیں ہے۔

تشریح : خون کی خاصیت یہ ہے کہ دھوپ میں رکھنے سے کالا ہو جاتا ہے اور مچھلی کے خون کو دھوپ میں رکھیں تو وہ کالا نہیں ہوگا بلکہ سفید مائل ہو جائے گا جس سے معلوم ہوا کہ وہ خون نہیں ہے ، دوسری بات یہ ہے کہ خون والا جانور پانی میں نہیں رہ سکتا، اور مچھلی پانی میں رہتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ مچھلی میں خون نہیں ہوتا۔ اور جب خون نہیں ہے تو اس سے کپڑا ناپاک نہیں ہوگا۔ باقی دلائل اوپر گزرے۔

ترجمہ: ۲ امام ابو یوسفؒ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے اس میں کثیر فاحش کا اعتبار کیا ہے، تو گویا کہ انہوں نے اسکو ناپاک قرار دیا۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بہت زیادہ ہو تو اسکو دھونا چاہئے، انکا مستدل یہ اثر ہے۔ عن الحسن قال : لا بأس بدم السمک الا ان یقذر۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۳۰ فی دم السمک، ج اول، ص ۱۷۵، نمبر ۲۰۲۴) اس اثر میں ہے کہ عام حالات میں مچھلی کے خون سے کوئی حرج نہیں ہے البتہ بہت زیادہ ہو جائے تو دھونا چاہئے۔ اس مسلک کا حاصل یہ ہوگا کہ کسی نہ کسی درجے میں مچھلی کا خون ناپاک ہے۔

ترجمہ: ۳ بہرحال خچر اور گدھے کا تھوک تو وہ مشکوک ہے تو اس سے پاک چیز ناپاک نہیں ہوگی۔

تشریح: گدھے اور خچر کے تھوک کے بارے میں ابھی حدیث گزری کہ وہ مشکوک ہے اسلئے وہ پاک کپڑے پر لگ جائے تو چونکہ وہ یقینی طور پر پاک ہے اسلئے ایک مشکوک چیز پاک چیز کو ناپاک نہیں کرے گی۔ اس اثر میں اسکا ثبوت ہے عن عطاء أنہ کان لا یری بأ سا بسور الحمار (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۲ من قال: لا بأ س بسوء ر الحمار، ج اول، ص ۳۵، نمبر ۳۱۲) اس اثر میں ہے کہ گدھے کے جوٹھے سے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔ اور مکروہ ہونے کی دلیل یہ اثر ہے عن ابن عمر أنہ کان یکرہ سور الحمار (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۱ فی الوضوء بسور الحمار والکلب، من کرھہ ، ج اول، ص ۳۵، نمبر ۳۰۴) اس اثر میں گدھے کے جوٹھے کو مکروہ قرار دیا ہے۔ اور دونوں اثروں کو ملا کر تھوک مشکوک ہوگا۔

خچر کے بارے میں یہ اثر ہے۔ عن ابی عامر قال : لا بأس بسور البغل (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۲ من قال: لا بأ س بسوء ر

(۱۷۵)فان انتضح علیه البول مثل رؤوس الابر فذالک لیس بشیء﴾ ۱؎ لانه لایستطاع الامتناع عنه

الحمار، ج اول،ص ۳۵،نمبر ۳۱۶)اس اثر میں ہے کہ خچر کے جوٹھے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور دوسرا اثر یہ ہے۔عن ابراهیم قال کان یکره سور البغل و الحمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ،۳۱ فی الوضوء بسوء الحمار والکلب ،من کرهه ،ج اول،ص ۳۵، نمبر ۳۰۷) اس اثر میں ہے کہ خچر کا جوٹھا مکروہ سمجھتے تھے۔دونوں کو ملا کر خچر کا جوٹھا مشکوک ہوا۔

ترجمہ: (۱۷۵) اگر انسان پر پیشاب کا چھینٹا پڑ جائے سوئی کے ناکے کے برابر تو یہ کوئی چیز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اس سے بچنا ممکن نہیں۔

تشریح : انسان کے کپڑے یا بدن پر پیشاب کے بہت سے چھینٹے پڑ گئے تو اس سے نماز جائز ہو جائے گی بشرطیکہ کثیر فاحش نہ ہو جائے ،یا ایک درھم کے برابر نہ ہو جائے۔

وجہ: اسکی وجہ یہ ہے کہ پیشاب کا باریک باریک چھینٹا نظر نہیں آتا اسلئے اسکو بار بار دھونے میں مشقت شدیدہ ہے اور اس میں حرج ہے اسلئے وہ معاف ہے۔

(۲)اس اثر سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔عن ابی جعفر و عطاء أنهما لم یریا بدم البراغیث و البعوض بأسا (مصنف ابن ابی شیبۃ،۲۲۹ فی دم البراغیث والذباب، ج اول،ص ۱۷۵،نمبر ۲۰۱۹)اس اثر میں ہے کہ مکھی کے خون سے کوئی حرج نہیں سمجھتے تھے اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ اسکا خون باریک باریک چھینٹے کی طرح ہوتا ہے اسلئے یہ معاف ہے(۳)عن ابراهیم قال : لا بأس بأبوال البهائم الا المستنقع .ای المجتمع ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ابوال الدواب وروثها، ج اول،ص ۳۷۷،نمبر ۱۴۸۰)اس اثر میں ہے کہ جانور کے پیشاب کے چھینٹے پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے البتہ بہت زیادہ ہو جائے تو پھر دھویا جائے گا ۔(۴)سألت الزهری عن رجل یغتسل من الجنابة فینتضح فی الاناء من جلده ، فقال : لا بأس به (مصنف عبد الرزاق، باب الماء یمسه الجنب أو یدخله، ج اول،ص ۹۲،نمبر ۳۱۱)اس اثر میں ہے کہ جنبی کے غسل کا چھینٹا پڑ جائے تو کوئی حرج نہیں

Documents\3) JPEG CLIPART\bot006.JPEG.jpg not found.

(۱۷۶)والنجاسة ضربان، مرئية، وغير مرئية، فما كان منها مرئياًفطهارتها بزوال عينها ﴾

ہے۔

﴿ نجاست پاک کرنے کا طریقہ ﴾

ترجمه: (۱۷۶) نجاست کی دو قسمیں ہیں(۱) نظر آنے والی (۲) اور نظر نہ آنے والی، پس جو نظر آنے والی ہے تو اسکی طہارت عین کے زائل کرنے سے ہو جائے گی

تشریح: نجاست کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تو نظر آنے والی اور دوسری نظر نہ آنے والی۔ پس جو نظر آنے والی ہے اسکو پاک کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ عین نجاست کو دھو کر زائل کر دے وہ جگہ پاک ہو جائیگی چاہے ایک مرتبہ میں دھولے چاہے پانچ مرتبہ میں۔ پھر اگر اسکا رنگ وغیرہ باقی رہ جائے تب بھی کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ اسکا زائل کرنا بعض مرتبہ مشکل ہوتا ہے۔

وجه: (۱) نجاست مرئیہ کے عین کے زائل ہونے سے پاک ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے عن اسماء بنت ابی بکر انها قالت سمعت امرأة تسأل رسول الله ﷺ كيف تصنع احدانا بثوبها اذا رأت الطهر اتصلى فيه قال تنظر فان رأت فيه دما فلتقرصه بشیء من ماء ولتنضح ما لم ترى وتصلى فيه (ج) (ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۸ نمبر ۳۶۱) اس حدیث میں ہے کہ پانی ڈالو جب تک کہ نجاست نظر آئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ زائل ہونے تک دھویا جائے گا (۲) مستحاضہ کے سلسلے میں یہ حدیث ہے عن عائشة قالت جائت فاطمة بنت ابی حبیش ... فاذا ادبرت فاغسلی عنک الدم و صلی. (مسلم شریف، باب المستحاضہ وغسلها وصلواتها ص ۱۵۱ نمبر ۳۳۳) اس میں یہ بتایا کہ خون کو دھوؤ اور نماز پڑھو۔ کتنی مرتبہ دھوؤ یہ نہیں بتایا جس کا مطلب یہ ہے کہ نجاست مرئیہ کے زائل ہونے تک دھوؤ۔

نجاست زائل ہو جائے مگر اس کی رنگت زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت کرنے پڑے تو اس کی چنداں ضرورت نہیں ہے کپڑا پھر بھی پاک ہو جائے گا۔ جیسے گوبر لگنے کے بعد عام پانی سے دھونے سے گوبر زائل ہو جاتا ہے لیکن اس کا داغ باقی رہتا ہے تو اس کے زائل کرنے کے لئے صابون وغیرہ کی زحمت ضروری نہیں ہے۔ عن ابی هريرة .....قالؐ : اذا طهرت فاغسليه ثم صلی فیه . فقالت : فان لم يخرج الدم ؟ قال : يكفيك غسل الدم و لا يضرك أثره (ابوداؤد شریف، باب المرأة تغسل ثوبها الذی تلبسه فی حیضها ص ۵۸ نمبر ۳۶۵ رمسند امام احمد۔ مسند ابی ہریرۃ، ج ثالث، ص ۵۲، نمبر ۸۵۴۹) اس حدیث میں ہے ولا یضرک اثرہ، جس سے معلوم ہوا کہ اثر باقی رہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے (۲) یہ حدیث بھی ہے۔ سألت عائشة عن الحائض يصيب ثوبها الدم؟ قالت تغسله فان لم يذهب اثره فلتغيره بشیء من صفرة (ابوداؤد شریف، باب

[۱] لان النجاسة حلت المحل باعتبار العين فتزول بزواله [۲] الا ان يبقى من اثرها مايشق ازالته لان الحرج مدفوع، [۳] و هذا يشير الى انه لايشترط الغسل بعد زوال العين وان زال بالغسل مرة واحدة، وفيه كلام (۱۷۶) ومالیس بمرئی فطهارتها ان يغسل حتى يغلب على ظن الغاسل انه قد طهر ﴾

المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۵۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ داغ اور رنگت نہ جائے تو کوئی حرج نہیں ہے اس کو صفرہ سے بدل دیا جائے (۲) شریعت یوں بھی مشقت شدیدہ کی مکلف نہیں بناتی۔

ترجمہ: [۱] اسلئے کہ نجاست عین کے اعتبار سے محل میں گھس چکی ہے اسلئے عین کو زائل کرنے سے نجاست زائل ہو جائے گی۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے کہ نجاست لگی ہوئی جگہ پر گویا کہ عین کے اعتبار سے گھس چکی ہے اسلئے عین نجاست کو زائل کر دیں تو نجاست زائل ہو جائے گی اور عین نجاست کے زائل ہونے سے جگہ پاک ہو جائے گی۔ اوپر حدیث میں ۔ یکفیک غسل الدم و لا یضرک أثرہ (ابوداؤد شریف نمبر ۶۵) تھا جسکا مطلب تھا کہ عین خون کا زائل ہونا طہارت کے لئے کافی۔

ترجمہ: [۲] مگر یہ کہ اسکا اثر باقی رہے جسکا زائل کرنا مشکل ہو کیونکہ حرج شریعت میں دور کیا گیا ہے۔

تشریح: ابھی اوپر گزرا کہ عین نجاست زائل ہو جائے لیکن رنگت اور داغ زائل نہ ہوتے ہوں تو کوئی حرج کی بات نہیں ہے اسلئے اسکے زائل کرنے میں مشقت شدیدہ ہے اور شریعت میں حرج سے بچنے کے لئے کہا گیا ہے اسلئے کپڑا اور جگہ رنگ کے باوجود بھی پاک ہو جائے گی۔

ترجمہ: [۳] یہ عبارت اس بات کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ عین نجاست کے زائل ہونے کے بعد پھر دھونے کی ضرورت نہیں چاہے ایک ہی مرتبہ دھونے سے زائل ہو جائے، اور اس میں کلام ہے۔

تشریح: اوپر یہ عبارت گزری کہ عین کا زائل ہونا کافی ہے یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اگر ایک مرتبہ دھونے سے نجاست زائل ہو گئی تو پاک ہو گیا دوبارہ دھونے کی ضرورت نہیں ہے۔ فقیہ ابو جعفرؒ نے فرمایا کہ عین نجاست کے زائل ہونے کے بعد دو مرتبہ مزید دھوئے، کیونکہ عین زائل ہونے کے بعد گویا کہ وہ غیر مرئی نجاست ہو گئی اور غیر مرئی نجاست کو تین مرتبہ دھوتے ہیں اسلئے اسکو بھی دو مرتبہ دھو دے تاکہ ملا کر تین مرتبہ ہو جائے۔

ترجمہ: (۱۷۶) جو نجاست نظر نہیں آتی اس کی طہارت کا طریقہ یہ ہے کہ دھوتے رہے یہاں تک کہ دھونے والے کو غالب گمان ہو جائے کہ وہ پاک ہو گیا ہوگا۔

تشریح: جو ناپاکی خشک ہونے کے بعد نظر نہ آتی ہو جیسے پیشاب، شراب اس کو اتنی مرتبہ دھوئے اور ہر مرتبہ نچوڑے کہ دھونے والے کو گمان ہونے لگے کہ تمام نجاست نکل کر اب کپڑا پاک ہو گیا ہے۔

ل ان التکرار لابد منه للاستخراج ولایقطع بزواله فاعتبر غالب الظن کما فی امر القبلة، ۲ وانما قدروا بالثلاث لان غالب الظن یحصل عنده فاقیم السبب الظاهر مقامه تیسیراً، و یتأید ذالک بحدیث المستیقظ من منامه

وجه: دھونے کی تکرار سے نجاست نکلتی چلی جائے گی اور آخر تمام نجاست نکل جائے گی اور زیلان نجاست ہی سے کپڑا یا بدن پاک ہوجاتا ہے (۲) علماء نے کہا ہے کہ تین مرتبہ دھویا جائے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومه فلا یغمس یده فی الاناء حتی یغسلها ثلاثا فانه لا یدری این باتت یده۔ (مسلم شریف، باب کراھۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸) یہاں نجاست غیر مرئیہ ہے تو تین مرتبہ دھونے کے لئے کہا گیا تو اور نجاست غیر مرئیہ میں بھی تین مرتبہ دھویا جائے۔ (۲) عن ابی ھریرۃ قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاھرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دار قطنی، باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص ۶۶ نمبر ۱۹۳ر مصنف عبد الرزاق، باب الکلب یلغ فی الاناء، ج اول ص ۹۷ نمبر ۳۳۶) اس حدیث میں کتے کا جوٹھا غیر مرئی نجاست ہے جسکو تین مرتبہ دھونے سے پاک قرار دیا اس سے استدلال کیا کہ کسی بھی غیر مرئی نجاست کو تین مرتبہ دھونے سے پاک ہوجائے گا۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ کپڑے سے نجاست نکالنے کے لئے تکرار ضروری ہے اور زائل ہونے کا یقین نہیں کیا جاسکتا اسلئے گمان غالب کا اعتبار کیا جائے گا، جیسے قبلے کے معاملے میں ہے۔

تشریح: جو نجاست نظر نہیں آتی ہو اسکو دھونے کے لئے تکرار ضروری ہے تا کہ آہستہ آہستہ نجاست نکلتی جائے کیونکہ ایک مرتبہ دھونے سے پوری نجاست نہیں نکلے گی اسلئے بار بار دھونا ضروری ہے اور وہ تین مرتبہ ہے۔ پھر کئی بار دھونے سے واقعی تمام نجاست نکل ہی گئی یہ یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، اسلئے گمان غالب کا اعتبار کیا جائے گا، کہ گمان غالب ہوجائے کہ نجاست نکل گئی اتنا ہی کافی ہے۔ جیسے دور والے بالکل عین قبلہ کی طرف منہ کرلے یہ ضروری نہیں ہے صرف گمان غالب ہوجائے کہ سمت قبلہ کی طرف منہ کرلیا ہے اتنا ہی کافی ہے۔

ترجمہ: ۲ فقہاء نے تین مرتبہ کے ساتھ متعین کیا اسلئے دھل جانے کا غالب گمان اسی سے حاصل ہوتا ہے اسلئے آسانی کے لئے سبب ظاہر کو گمان غالب کے قائم مقام قرار دیا اور اسکی تائید نیند سے بیدار ہونے والی حدیث ہے۔

تشریح: اصل مقصد تو یہ تھا کہ اتنی بار دھوئے کہ غالب گمان ہوجائے کہ نجاست زائل ہوچکی ہوگی، تو پھر تین مرتبہ دھونے کو کیوں متعین کیا؟ تو اسکی وجہ بتا رہے ہیں کہ تین مرتبہ میں گمان غالب ہوجاتا ہے کہ نجاست زائل ہوچکی ہوگی، اسلئے ظاہری سبب تین

۳؎ ثم لا بد من العصر فی کل مرۃ فی ظاھر الروایۃ لانہ ھو المستخرج

مرتبہ دھونے کو گمان غالب کے قائم مقام کر دیا۔اور اسکی تائید اوپر کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں ہے کہ بیدار ہونے والا اپنے ہاتھ کو پانی میں نہ ڈالے جب تک اسکو تین مرتبہ نہ دھو ڈالے۔حدیث یہ گزری۔عن ابی ھریرۃ ان النبی ﷺ قال اذا استیقظ احدکم من نومہ فلا یغمس یدہ فی الاناء حتی یغسلھا ثلاثا فانہ لا یدری این باتت یدہ۔(مسلم شریف، باب کراھۃ غمس المتوضی وغیرہ یدہ المشکوک فی نجاستھا فی الاناء قبل غسلھا ثلاثا ص ۱۳۶ نمبر ۲۷۸)

ترجمہ: ۳؎ پھر ظاہر روایت میں یہ ہے کہ ہر مرتبہ نچوڑے، کیونکہ وہی نجاست کو نکالنے والا ہے۔

تشریح : ظاہر روایت میں یہ ہے کہ جب جب پانی ڈالے تو ہر بار اسکو نچوڑے، کیونکہ نچوڑنے سے ہی نجاست نکلے گی، ورنہ صرف پانی ڈالنے سے نجاست نہیں نکلے گی اسلئے نچوڑنا بھی ضروری ہے۔اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔عن اسماء قالت : جائت امرأۃ الی النبی ﷺ فقالت احدانا یصیب ثوبھا من دم الحیضۃ ، کیف تصنع بہ ؟ قال : تحتہ ، ثم تقرصہ بالماء ثم تنضحہ ثم تصلی فیہ ۔(مسلم شریف، باب نجاسۃ الدم وکیفیۃ غسلہ، ص ۱۴۰، نمبر ۶۷۵/۲۹۱ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی غسل دم الحیض من الثوب، ص ۳۵، نمبر ۱۳۸) اس حدیث میں حیض کے خون کو پانی سے رگڑنے کا ذکر ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نجاست کو نکالنے کے لئے نچوڑنا پڑے گا تا کہ پورے طور پر نجاست نکل جائے۔

﴿فصل فی الاستنجاء﴾

(۱۷۷) الاستنجاء سنة لان النبی علیه السلام واظب علیه، و یجوز فیه الحجر و ما قام مقامه یمسحه حتی ینقیه﴾

﴿ استنجاء کا بیان ﴾

ضروری نوٹ : استنجاء: نجو سے مشتق ہے، اسکا ترجمہ ہے پاخانہ اور باب استفعال میں جا کر اسکا ترجمہ ہو گیا پاخانہ صاف کرنا۔ پاخانہ یا پیشاب پانی سے بھی صاف کیا جا سکتا ہے اور ڈھیلے سے بھی، البتہ ڈھیلے سے صاف کرنے کے بعد پانی سے صاف کرنا زیادہ بہتر ہے، اور دونوں کو نہ ملا سکے تو پانی سے صاف کرنا بہتر ہے، اور پانی سے بھی صاف نہ کر سکے تو پھر ڈھیلا سے صاف کرے۔ اگر نجاست درھم کی مقدار سے زیادہ پھیل گئی ہو تو اب ڈھیلے سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا پانی سے دھونا ہوگا، کیونکہ درھم کی مقدار تو معاف ہے اس سے زیادہ نہیں۔ درھم کی مقدار معاف ہونے کی دلیل یہ ہے ۔عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال : تعاد الصلوۃ من قدر الدرھم من الدم (دار قطنی، باب قدر النجاسۃ التی تبطل الصلوۃ ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۷۹ / سنن للبیھقی، باب ما یجب غسلہ من الدم، ج اول، ص ۵۶۶، نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ درہم سے کم ہو تو معاف ہے اور درہم یا اس سے زیادہ ہو تو نماز جائز نہیں ہے۔

پانی سے صاف کرنا زیادہ بہتر ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے کہ اھل قباء پانی سے دھوتے تھے تو انکی تعریف میں یہ آیت اتری۔ عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ قال: نزلت ھذہ الآیۃ فی اھل قباء ﴿فیه رجال یحبون أن یتطھروا﴾ آیت ۱۰۸ سورۃ التوبۃ ۹) قال کانوا یستنجون بالماء فنزلت فیھم ھذہ الآیۃ ۔(ابوداود شریف، باب فی الاستنجاء بالماء، ص ۷، نمبر ۴۴ / سنن للبیھقی، باب الاستنجاء بالماء، ج اول ص ۱۷۰، نمبر ۵۱۱) اس حدیث میں ہے کہ پانی سے استنجاء کرنے کی وجہ سے اھل قبا کی اللہ تعالی نے تعریف کی ہے۔ اسلئے پانی سے دھونا زیادہ بہتر ہے۔ لیکن چونکہ جنگل اور صحراوں میں انسان کی مجبوری ہوتی ہے اسلئے پتھر سے بھی صاف کرے تو جائز ہے۔ استنجاء صحیح ہونے کے لئے تین پتھر ہونا واجب نہیں ہے اس سے کم میں بھی جائز ہو جائے گا، البتہ حدیث کی وجہ سے تین پتھر لینا سنت ہے۔

ترجمہ: (۱۷۷) استنجاء سنت ہے اسلئے کہ نبی علیہ السلام اس پر ہمیشگی کی ہے اور اس میں پتھر بھی جائز ہے اور جو اسکے قائم مقام ہو اسکو اتنا پونچھے کہ مقام صاف کر دے۔

تشریح: اس عبارت میں تین باتیں بتائیں، ایک تو یہ کہ استنجاء سنت ہے اور اسکی وجہ یہ ہے کہ حضورؐ نے اس پر ہمیشگی کی ہے اور ہمیشگی کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عائشۃ قالت: ما رأیت رسول اللہ ﷺ خرج من غائط قط الا مس ماء۔ (ابن ماجہ شریف، باب الاستنجاء

۱؎ لان المقصود هو الانقاء فيعتبر ما هو المقصود (١٧٨)و ليس فيه عدد مسنون ﴾

بالماء،ص۵۳،نمبر۳۵۴)اس حدیث میں ہے کہ پیخانہ کے بعد آپؐ نے مقعد کو ہمیشہ پانی سے دھویا۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ پتھر سے بھی صفائی ہو جائے گی اور اسکے قائم مقام جو چیز بھی ہو مثلا ڈھیلا ،لکڑی وغیرہ اس سے بھی استنجاء ہو جائے گا۔اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن عبد الله قال : خرجت مع رسول الله ﷺ لحاجته فقال: ايتنى بشیء استنجى به و لا تقربنى حائلاً و لا رجيعاً ۔(سنن للبیہقی باب الاستنجاء بما یقوم مقام الحجارة فی الانقاء دون ما نھی عن الاستنجاء بہ، ج اول،ص ۱۷۵،نمبر ۵۲۷) اس حدیث میں ہے کہ کوئی بھی ایسی چیز لاو جس سے میں استنجاء کر سکوں جس سے معلوم ہوا کہ پتھر کی طرح کسی بھی چیز سے استنجاء ہو سکتا ہے(۲) اثر میں ہے عن طاوس قال : الاستنجاء بثلاثة أحجار أو بثلاثة أعواد قلت : فان لم أجد ؟ قال : ثلاث حفنات من التراب ۔(سنن للبیہقی باب ماورد فی الاستنجاء بالتراب،ج اول ص ۱۷۸،نمبر ۵۳۷) اس اثر میں ہے کہ پتھر نہ ملے تو لکڑی سے بھی استنجاء ہو جائے گا،اور وہ بھی نہ ہو تو تین مٹھی مٹی سے بھی استنجاء ہو جائے گا۔

اور تیسری بات یہ کہی کہ اتنی مرتبہ پونچھے کہ مقام صاف ہو جائے، کیونکہ اصل مقصود مقام صاف کرنا ہے، چاہے تین مرتبہ میں ہو یا اس سے زیادہ میں ہو جائے۔اسکی دلیل یہ حدیث ہے عن عائشة قالت ان رسول الله قال: اذا ذهب احدكم الى الغائط فليذهب معه بثلثة احجار يستطيب بهن فانها تجزئ عنه ۔(ابوداؤد شریف، باب الاستنجاء بالاحجار ص ۷ نمبر ۴۰) حدیث سے یہ بات معلوم ہوئی کہ پتھر اور ڈھیلا استنجاء کے لئے کافی ہے۔یہ بھی معلوم ہوا کہ تین پتھر اس لئے ہونا چاہئے کہ ان سے عموما پاکی ہو جاتی ہے۔اسی لئے کہا فانها تجزئ عنها.

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ مقصود مقام کو صاف کرنا ہے تو اسکا اعتبار کیا جائے گا جو مقصود ہے۔

تشریح : اصل مقصود مقام کو صاف کرنا ہے اسلئے جب وہ صاف ہو گیا تو مقصود حاصل ہو گیا۔

ترجمہ: (١٧٨) اور اس میں عدد مسنون نہیں ہے۔

تشریح : استنجاء کرنے کے لئے تین پتھر ہونا کوئی ضروری نہیں ہے اس سے کم سے بھی صفائی ہو جائے تو استنجاء ہو جائے گا۔البتہ حدیث کی وجہ سے تین پتھر لینا بہتر ہے۔اور اگر تین سے بھی صاف نہیں ہوا تو جتنے میں صاف ہو جائے اتنا پتھر استعمال کرنا ہوگا۔(۱) عن ابى هريرة عن النبى ﷺ قال... ومن استجمر فليوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (ابوداؤد شریف، باب الاستتار فی الخلاء ص ۶ نمبر ۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جتنے پتھر سے صاف ہو جائے اتنے سے صاف کرے۔(۲)عن عبد الله قال : خرج النبى ﷺ لحاجته فقال : التمس لى ثلاثة أحجار ،قال: فأتيته

ل و قال الشافعيؒ : لا بد من الثلث لقوله عليه السلام : و ليستنج منكم بثلاثة احجار، ٢ و لنا قوله عليه السلام : من استجمر فليوتر، فمن فعل فحسن و من لا فلا حرج، ٣ و ما رواه متروك الظاهر، فانه لو استنجى بحجر له ثلاثة احرف جاز بالاجماع،

بحجرين و روثة ، فأخذ الحجرين و ألقى الروثة وقال انها ركس ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستنجاء بالحجرین ص١٠، نمبر١٧؍بخاری شریف، باب: لا یستنجی بروث، ص٢٧، نمبر١٥٦) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے صرف دو پتھروں سے استنجاء فرمایا اور گوبر کو پھینک دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تین پتھر ہونا ضروری نہیں ہے ورنہ ضرور تیسرے پتھر کو تلاش کرواتے۔ پھر امام ترمذیؒ نے الاستنجاء بالحجرین، باب باندھ کر کے یہ اشارہ فرمایا کہ دو پتھر سے بھی استنجاء ہوسکتا ہے تین پتھر ضروری نہیں ہے۔

فائدة ترجمه: ل اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ تین پتھر ضروری ہیں۔ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ تمکو تین پتھر سے استنجاء کرنا چاہئے۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ اگر تین پتھر سے کم میں مقام صاف ہوجائے پھر بھی تین پتھر پورا کرے کیونکہ حدیث میں تین پتھر کا حکم ہے، موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعيؒ : فمن تخلى أو بال ، لم يجزه الا ان يتمسح بثلاثة احجار ثلاث مرات ۔(موسوعۃ للامام الشافعی، باب فی الاستنجاء، ج اول، ص٩٥، نمبر٣٤٢) اس عبارت میں ہے کہ تین پتھر سے استنجاء کرے۔

وجه : اسکے لئے حدیث یہ ہے۔ عن سلمان قال قيل له قد علمكم بينكم صلى الله عليه وسلم كل شيء حتى الخراءة قال فقال اجل لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجي باليمين او ان نستنجي باقل من ثلثة احجار او ان نستنجي برجيع او بعظم ۔(مسلم شریف، باب الاستطابۃ ص١٣٠ نمبر٢٦٢ / ٦٠٦ ؍ترمذی شریف ، باب الاستنجاء بالحجارۃ، ص١٠، نمبر١٦) اس حدیث میں استنجا کرنے کے بہت سے آداب مذکور ہیں۔ ساتھ ہی یہ ہے کہ تین پتھر سے کم سے استنجاء نہ کرے۔

ترجمه : ٢ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول: جو استنجاء کرے تو طاق پتھر سے کرے جس نے ایسا کیا تو اچھا کیا اور جس نے نہیں کیا تو کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی. عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال... ومن استجمر فليوتر من فعل فقد احسن ومن لا فلا حرج (ابوداؤد شریف، باب الاستتار فی الخلاء ص٦ نمبر٣٥؍ابن ماجۃ، باب الارتیاد للغائط و البول، ص٥١، نمبر٣٣٧) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین پتھر ضروری نہیں ہے البتہ دوسری حدیث کی وجہ سے مستحب ہے۔

ترجمه: ٣ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کیا ہے ظاہر اعتبار سے وہ متروک ہے اسلئے کہ کسی نے تین کونے والے سے استنجاء کر

(۱۷۹)و غسله بالماء افضل ﴾ ۱؎ لقوله تعالی : فیه رجال یحبون ان یتطهروا انزلت فی اقوام کانوا یتبعون الحجارة الماء، ۲؎ ثم هو ادب، و قیل: سنة فی زماننا

لیا تو بالا جماع جائز ہو جائے گا۔ حالانکہ وہ ایک ہی پتھر ہے۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو عقلی جواب ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ تین پتھر ہونا چاہئے حالانکہ اگر ایک ہی پتھر ہو اور اسکے تین کونے ہوں اور تینوں کونوں سے مقام صاف کر لے تو آپ کے یہاں بھی استنجاء ہو جاتا ہے، حالانکہ پتھر تو ایک ہی ہے تین تو نہیں ہے، اس سے معلوم ہوا کہ آپ کے یہاں بھی ظاہری حدیث پر عمل نہیں ہے۔

لغت : المدر : ڈھیلا، ینقیہ : صاف کر دے۔ استجمر : جمر سے مشتق ہے پتھر سے مقام صاف کرنا۔ یوتر: طاق مرتبہ کسی کام کو کرنا۔ احرف: حرف سے مشتق ہے کنارہ۔ استنجاء: نجو سے مشتق ہے، نجو کا معنی ہے پیخانہ اور باب استفعال میں جا کر استنجاء کا ترجمہ ہے پیخانہ، یا پیشاب صاف کرنا۔

ترجمہ: (۱۷۹) مقام کو پانی کے ساتھ دھونا افضل ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ صحابہ میں کچھ لوگ ہیں جو بہت زیادہ پاکی کو پسند کرتے ہیں۔ یہ آیت ایسے حضرات کی شان میں نازل ہوئی ہے جو پتھر کے بعد پانی استعمال کرتے تھے۔

وجہ : (۱) اوپر کی آیت یہ ہے۔ ﴿فیہ رجال یحبون أن یتطھروا و اللہ یحب المطھرین ﴾آیت ۱۰۸ سورة التوبة ۹)(۲) اور حدیث یہ ہے .عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال:نزلت ھذه الآیة فی اھل قباء ﴿فیہ رجال یحبون أن یتطھروا ﴾آیت ۱۰۸ سورة التوبة ۹)قال کانوا یستنجون بالماء فنزلت فیھم ھذه الآیة۔(ابوداود شریف، باب فی الاستنجاء بالماء، ص ۷، نمبر ۴۴ رسنن للبیھقی ، باب الاستنجاء بالماء، ج اول ص ۱۷۰، نمبر ۵۱۱) اس آیت اور حدیث میں اہل قباء کی تعریف کی گئی ہے جو استنجاء کے لئے پتھر کے بعد پانی بھی استعمال کیا کرتے تھے۔(۳) یہ حدیث بھی ہے۔ سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا خرج لحاجته اجیء انا و غلام معنا اداوة من ماء یعنی یستنجی بہ۔ (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالماء ص ۲۷ نمبر ۱۵۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستنجاء بالماء، ص ۱۱، نمبر ۱۹)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ پانی استعمال کرتے تھے۔ اور یہ افضل ہے۔

ترجمہ: ۲؎ پھر دھونا ادب ہے۔ اور کہا گیا کہ ہمارے زمانے میں سنت ہے۔

تشریح: پتھر سے بھی استنجاء ہو جائے گا لیکن پانی سے دھونا ادب ہے۔ اور علماء نے فرمایا کہ اس زمانے میں سنت ہے، کیونکہ حضورؐ کے زمانے میں لوگ عموما کھجور استعمال کرتے تھے یا خشک غذا استعمال کرتے تھے جسکی وجہ سے پیخانہ خشک ہوتا تھا اور پتھر سے تقریبا پورا صاف ہو جاتا تھا لیکن ہمارے زمانے میں لوگ تر غذائیں استعمال کرتے ہیں اسلئے پتھر سے پورا صاف نہیں ہوگا اسلئے پانی کا

۳؎ و یستعمل الماء الی ان یقع فی غالب ظنه انه قد طهر،ولا یقدربالمرات الا اذا کان موسوساً فیقدر بالثلاث فی حقه، وقیل بالسبع (۱۸۰) و لو جاوزت النجاسة مخرجها لم یجز الا الماء ﴾

استعمال کرنا سنت ہے،اسکے لئے یہ اثر دلیل ہے۔قال علی بن ابی طالب انهم کانوا یبعرون بعرا و انتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارة الماء ۔(سنن للبیھقی ،باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء،ج اول،ص۱۷۲،نمبر۵۱۷)اس اثر میں ہے کہ تم لوگ پتلا پیخانہ کرتے ہواسلئے پانی سے دھویا کرو۔

ترجمہ: ۳؎ اوراس وقت تک پانی استعمال کرتا رہے کہ غالب گمان ہوجائے کہ وہ پاک ہو چکا ہے۔کتنی مرتبہ دھوئے اسکو متعین نہیں کیا گیا،مگر وسوسہ والا ہوتو اسکے حق میں تین کے ساتھ متعین کیا،اور بعض حضرات نے کہا کہ سات کے ساتھ۔

تشریح: پانی استعمال کرنے کے لئے کوئی متعین تعداد سنت نہیں ہے،بس اتنی بار دھوئے کہ ظن غالب ہوجائے کہ مقام پاک ہو گیا ہوگا۔

حدیث میں ہے کہ نجاست زائل کرو۔عن اسماء بنت أبی بکر الصدیق : أن امرأة سألت النبی ﷺ عن الثوب یصیبه الدم من الخیضة ؟ فقال رسول الله ﷺ : حتیه ، ثم اقرصیه بالماء ثم رشیه ، و صلی فیه ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی غسل دم الحیض من الثوب،ص۳۵،نمبر۱۳۸) اس حدیث میں ہے کہ کوشش کر کے خون زائل کرواور پانی کی تعداد نہیں بتائی اسلئے تعداد ضروری نہیں صرف نجاست کا زائل ہونا کافی ہے۔

البتہ اگر وسوسہ اور شک والا ہوتو اسکو کہا جائے کہ تین مرتبہ دھولیں،کیونکہ کئی احادیث میں اعضاء کو تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ گزر چکا ہے۔

اس حدیث میں ہے کہ آپؐ تین مرتبہ استنجاء کے لئے پانی لیتے تھے۔عن عائشة أن النبی ﷺ کان یغسل مقعدته ثلاثا،قال ابن عمر: فعلناه فوجدناه دواء وطهورا۔(ابن ماجہ شریف،باب الاستنجاء بالماء،ص۵۳،نمبر۳۵۶)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ اپنے مقعد کو تین مرتبہ دھوتے تھے۔(۲)دوسری حدیث میں بھی اسکا تذکرہ ہے ۔عن ابی هریرة قال اذا ولغ الکلب فی الاناء فاهرقه ثم اغسله ثلاث مرات (دارقطنی،باب ولوغ الکلب فی الاناء ج اول ص۶۶ نمبر۱۹۳/مصنف عبدالرزاق،باب الکلب یلغ فی الاناء ،ج اول ص۹۷ نمبر۳۳۶)اس حدیث میں تین مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے۔اور بعض حضرات نے فرمایا کہ وسوسہ والے سات مرتبہ دھوئے،انکا استدلال یہ ہے کہ کتے کے جوٹھے میں سات مرتبہ دھونے کا تذکرہ ہے۔

ترجمہ: (۱۸۰) اگر نجاست مخرج سے زیادہ پھیل جائے تو اس میں جائز نہیں ہے مگر پانی ،

تشریح: شیخین کے نزدیک مخرج کے علاوہ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے اورامام محمدؒ کے نزدیک مخرج کے

ـلٖو فـی بـعـض الـنسخ الا المائع، و هذا يحقق اختلاف الروايتين فی تطهير العضو بغير الماء علی ما بينا

ساتھ ایک درہم کی مقدار سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہے۔اب پتھر سے صاف کرنا کافی نہیں ہوگا

وجـــــہ: (۱)مخرج کو مجبوری کے درجہ میں پتھر سے صاف کرنا کافی قرار دیا اس لئے اس سے زیادہ پھیل جائے تو پانی سے دھونا ضروری ہوگا (۲) حضرت علیؓ کے قول سے تائید ہوتی ہے۔ **قـال عـلـی بـن ابـی طـالـب انهـم كـانـوا يبعرون بعرا وانتم تثلطون ثلطا فاتبعوا الحجارة الماء** ۔(سنن للبیھقی، باب الجمع فی الاستنجاء بین المسح بالاحجار والغسل بالماء، ج اول، ص۱۷۲، نمبر ۵۱۷)اس سے معلوم ہوا کہ پتھراس وقت کافی ہوگا جب نجاست مخرج تک ہو جیسا کہ صحابہ خشک پاخانہ کرتے تھے تو مخرج تک ہوتا تھا ۔لیکن مخرج سے زیادہ ہو تو پانی استعمال کرنا ہوگا ۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ درھم کی مقدار سے زیادہ ہو تو نماز لوٹانی ہوگی اسلئے پیخانہ نکلنے کے مخرج سے زیادہ ہو تو وہ درھم کی مقدار سے زیادہ ہو جائے گا اسلئے اب پانی سے دھونا ہوگا، حدیث یہ ہے۔**عـــن ابـــی هرير ة قـال : قـال رسـول الله ﷺ اذا كان فی الثوب قدر الدرهم من الدم غسل الثوب و أعيدت الصلاة** (دار قطنی، باب قدر النجاسۃ التی تبطل الصلوۃ ص ۳۸۵ نمبر ۱۴۸۰ رسنن للبیھقی، باب ما یجب غسلہ من الدم، ج اول، ص ۵۶۶، نمبر ۴۰۹۳) اس حدیث میں ہے کہ درھم کے برابر نجاست ہو تو نماز لوٹائے گا، اسلئے یہاں بھی مخرج سے زیادہ نجاست پھیل جائے تو وہ درھم سے زیادہ ہو جائے گا اسلئے پانی سے دھونا ہوگا۔

تـرجـمـہ: ۱ اور بعض نسخے میں ہے مگر بہنے والی چیز۔ یہ دو روایتوں کا اختلاف ہے عضو کے پاک کرنے کے بارے میں، جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔

تشریح : پیخانہ کے مقام کو پانی سے دھو سکتے ہیں، اور بعض روایت میں ہے کہ ہر اس بہنے والی چیز سے دھو سکتے ہیں جو نجاست کو زائل کردے، مسئلہ نمبر ۱۶۱ میں یہ بحث گزر چکی ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک پانی کے علاوہ بہنے والی نجاست کو اکھیڑنے اور زائل کر نے والی ہو تو اس سے نجاست پاک کرنا جائز ہے۔اسی طرح اس سے پاخانہ کا مقام دھونا بھی جائز ہے۔انکا استدلال اس حدیث سے ہے۔**قالت عائشة ما كان لاحد انا الا ثوب واحد تحيض فيه فاذا اصابه شیء من دم قالت بريقها فقصعته بـظـفرهـا** . (بخاری شریف، باب ھل تصلی المرأۃ فی ثوب حاضت فیہ ص ۴۵ نمبر ۳۱۲ رابوداؤد شریف، باب المرأۃ تغسل ثوبھا الذی تلبسہ فی حیضھا ص ۵۸ نمبر ۳۶۴) اس حدیث میں ہے کہ حیض کا خون تھوک سے پاک کیا کرتیں تھیں اور تھوک پانی نہیں ہے، جس سے معلوم ہوا کہ پانی کے علاوہ سے بھی نجاست پاک کی جا سکتی ہے۔

اسی دونوں روایتوں کی بنیاد پر بعض نسخے میں صرف ماء، کا لفظ ہے اور بعض نسخے میں ماء کے ساتھ مائع، یعنی ہر وہ بہنے والی چیز بھی ہے۔

۲؎ و هذا لان المسح غير مزيل الا انه اكتفى به في موضع الاستنجاء فلا يتعداه ۳؎ ثم يعتبر بالمقدار المانع وراء موضع الاستنجاء عند ابی حنيفةؒ وابی يوسفؒ لسقوط اعتبار ذالک الموضع، ۴؎ و عند محمدؒ مع موضع الاستنجاء اعتباراً بسائر المواضع (۱۸۱) ولا يستنجی بعظم ولا بروث﴾ ۱؎ لان النبی ﷺ نهى عن ذالک

ترجمہ: ۲؎ مخرج سے زیادہ میں دھونے کی ضرورت اسلئے ہے کہ پونچھنا نجاست کو زائل کرنے والا نہیں ہے مگر یہ کہ اسکے ذریعہ سے استنجاء کی جگہ میں اکتفاء کیا پس اس سے متعدی نہیں ہوگا۔

تشریح: پیخانہ نکلنے کی جگہ سے زیادہ نجاست لگ جائے تو اسکو دھونے کا حکم ہے اسکی وجہ بیان کر رہے ہیں۔ کہ پتھر سے پونچھنے سے نجاست مکمل طور پر ختم نہیں ہوگی، کچھ نہ کچھ باقی ہی رہ جائے گی، اسلئے پیخانہ نکلنے کی جگہ کو معاف کر دیا گیا کہ اتنا پیخانہ لگ جائے تو دھونے کی ضرورت نہیں کیونکہ ابھی حدیث گزری کہ درھم کے برابر معاف ہے اور اس سے زیادہ لگے تو دھونا پڑے گا۔

ترجمہ: ۳؎ پھر معاف کی ہوئی مقدار کا اعتبار کیا جائے گا استنجاء کی جگہ کے علاوہ کے ساتھ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس جگہ کے اعتبار کے ساقط ہونے کی وجہ سے۔

تشریح: امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے یہ ہے کہ پیخانہ نکلنے کی جو جگہ ہے اس پر لگے اور اسکے علاوہ ایک درھم کے برابر لگ جائے تو بھی معاف ہے تو گویا کہ تقریباً دو درھم کے برابر معاف ہوا یعنی پیخانہ نکلنے کی جگہ میں نجاست لگ جائے اور اسکے علاوہ ایک درھم اور کے برابر پیخانہ لگ جائے اور اسکو پتھر سے پونچھ لے تب بھی نماز جائز ہے دھونے کی ضرورت نہیں، اس سے زیادہ لگے گی تو دھونے کی ضرورت ہوگی ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پیخانہ کی جگہ شریعت نے حدیث استنجاء کی وجہ سے ساقط کر دی اسلئے درھم والی حدیث کی وجہ سے درھم کی مقدار اسکے علاوہ ہوگی۔ گویا کہ انکے یہاں سہولت زیادہ ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک استنجاء کی جگہ کے ساتھ ہے دوسری جگہ پر قیاس کرتے ہوئے ۔

تشریح: امام محمدؒ فرماتے ہیں پیخانہ کی جگہ کے ساتھ کل ایک درھم معاف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پیخانہ کے علاوہ دوسری جگہ نجاست لگ جائے تو کل ایک درھم معاف ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی پیخانہ کی جگہ کے ساتھ کل ایک درھم ہی معاف ہے۔ یہ حدیث گزر چکی ہے۔

ترجمہ: (۱۸۱) نہ استنجا کرے ہڈی سے، نہ لید سے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐ نے اس سے منع فرمایا ہے۔

وجہ : (۱) یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز جو خود ناپاک ہو جیسے لید، سوکھا گوبر تو وہ دوسرے کو کیسے پاک کرے گی۔ اس لئے ناپاک چیز سے

۲؎ و لو فعل یجزیه لحصول المقصود، ۳؎ و معنی النهی فی الروث النجاسة، و فی العظم کونه زاد الجن (۱۸۲) ولا بطعام ۱؎ لانه اضاعة و اسراف

استنجا کرنا جائز نہیں ہے (۲) ایسی چیز جو چکنی ہو جیسے ہڈی اس سے مقام صاف نہیں ہوگا صرف نجاست مزید پھیل جائے گی اس لئے اس سے بھی استنجا جائز نہیں ہے (۳) اسکے لئے حدیث یہ ہے عن ابی هريرة قال: اتبعت النبی ﷺ و خرج لحاجته فكان لا يلتفت ، فدنوت منه فقال : ((ابغنی احجاراً أستنفض بها ، او نحوه . و لا تأتینی بعظم و لا روث)) ۔ (بخاری شریف، باب الاستنجاء بالحجارة ص ۲۷، نمبر ۱۵۵ / مسلم شریف، باب الاستطابة ص ۱۳۰ نمبر ۲۶۲ / ۶۰۷) اس حدیث میں ہے کہ ہڈی اور لید نہ لانا اس سے معلوم ہوا کہ لید اور ہڈی سے استنجاء کرنا صحیح نہیں ہے۔

ترجمه: ۲؎ اور اگر استنجاء کر لیا تو کافی ہو جائے گا مقصود حاصل ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : ہڈی اور لید سے استنجاء کرنا اچھا نہیں ہے لیکن اگر کر لیا تو استنجاء ہو جائے گا اسلئے کہ اس سے صفائی کرنے سے صفائی ہو جائے گی، اور مقصود حاصل ہو جائے گا۔

ترجمه: ۳؎ لید کے بارے میں روکنے کی وجہ نجاست ہے، اور ہڈی کے بارے میں یہ ہے کہ جنات کی خوراک ہے۔

تشریح : لید سے استنجاء کرنے سے اسلئے منع فرمایا کہ وہ ناپاک چیز ہے، اور ناپاک چیز تو اور مقام کو ناپاک کرے گی اسلئے اس سے استنجاء کرنا اچھا نہیں۔ حدیث میں اسکا ثبوت ہے، حدیث یہ ہے . انه سمع عبد الله يقول : أتى النبی ﷺ الغائط فأمرنی ان أتيه بثلاثة احجار فوجدت حجرين و التمست الثالث فلم أجد ، فأخذت روثة فأتيته بها فأخذ الحجرين و ألقى الروثة و قال هذا ركس ۔ (بخاری شریف، باب لا یستنجی بروث، ص ۲۷، نمبر ۱۵۶ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاستنجاء بالحجرین، ص ۱۰، نمبر ۱۷) اس حدیث میں ہے کہ لید ناپاک ہے۔

اور ہڈی ایک تو چکنی ہوتی ہے اس سے پونچھے گا تو نجاست اور پھیل جائے گی، اور دوسری بات یہ ہے کہ وہ جنات کی خوراک ہے اور حضورؐ نے اس سے استنجاء کرنے سے منع فرمایا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن مسعود قال : قال رسول الله ﷺ : لا تستنجو بالروث و لا بالعظام فانه زاد اخوانكم من الجن ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراهیة ما یستنجی بہ، ص ۱۱، نمبر ۱۸ / بخاری شریف، باب ذکر الجن، ص ۶۴۷، نمبر ۳۸۶۰) اس حدیث میں ہے کہ ہڈی جن کی خوراک ہے۔

ترجمه: (۱۸۲) اور نہ کھانے سے استنجاء صحیح ہے۔

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ اس میں مال کو ضائع کرنا ہے اور اسراف کرنا ہے۔

تشریح : کھانے کی چیز مثلا روٹی سے استنجاء کرنا اچھا نہیں ہے۔ ایک وجہ یہ ہے کہ وہ محترم چیز ہے اور محترم چیز کو استنجاء صاف

(۱۸۳) ولابیمینه ﴾ ۱؎ لان النبی علیه السلام نهی عن الاستنجاء بالیمین.

کے لئے استعمال کرنا اچھانہیں ہے۔اوردوسری وجہ صاحب ھدایہ نے بیان کی کہ اس میں کھانے کوضائع کرنا ہے اوراسکا اسراف کرنا ہے(۲)اوپرحدیث گزری کہ جنات کا کھاناہڈی سے بھی استنجاءنہ کروتوانسان کے کھانے سے استنجاءکرنا کیسے جائز ہوگا!حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن مسعود قال : قال رسول الله ﷺ : لا تستنجو بالروث و لا بالعظام فانه زاد اخونکم من الجن** ۔(ترمذی شریف،باب ماجاءفی کراھیۃ ما یستنجی بہ،ص۱۱،نمبر۱۸/بخاری شریف،باب ذکرالجن،ص۶۴۷،نمبر۳۸۶۰) ہڈی جن کا کھاناہےاس سےاستنجاءجائزنہیں توانسان کےکھانے سے کیسے جائز ہوگا۔

ترجمه: (۱۸۳) اوردائیں ہاتھ سےاستنجاءکرناجائزنہیں۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضورؐنےدائیں ہاتھ سےاستنجاءکرنےسےمنع فرمایاہے۔

تشریح؛ دائیں ہاتھ سےآدمی کھاناکھاتاہےاب اس سےاستنجابھی صاف کرےیہ اچھانہیں ہےالبتہ مجبوری ہوتواور بات ہے۔ اسکےلئےحدیث یہ ہے۔ **عن سلمان ... لقد نهانا ان نستقبل القبلة لغائط او بول او ان نستنجی بالیمین او ان نستنجی باقل من ثلاثة احجار او ان نستنجی برجیع او بعظم** (مسلم شریف،باب الاستطابۃ،ص۱۳۰،نمبر۲۶۲/۶۰۶/ ترمذی شریف،باب الاستنجاءبالحجارۃ،ص۱۰،نمبر۱۶)اس حدیث میں دائیں ہاتھ سےاورلید سےاور ہڈی سےاستنجا کرنے سےمنع فرمایاہے۔

Documents\3) JPEG CLIPART\rose_sketch.jpg not found.

﴿کتاب الصلوۃ﴾

﴿باب المواقیت﴾

(۱۸۴) اوّل وقت الفجر اذطلع الفجر الثانی وھوالمعترض فی الافق واٰخروقتھا مالم تطلع

﴿ کتاب الصلوۃ ﴾

ضروری نوٹ: صلوۃ کےلغوی معنی دعا ہے۔شریعت میں ارکان معہودہ کوصلوۃ کہتے ہیں۔صلوۃ کےفرض ہونے کی دلیل قرآن کی بہت سی آیتیں ہیں۔مثلاان الصلوۃ کانت علی المؤمنین کتابا موقوتا. (آیت۱۰۳سورۃالنساء۴)(۲)نماز فرض ہونے کی دلیل حدیث میں یہ ہے۔کان ابو ذر یحدث أن رسول اللہ ﷺ قال فرج عن سقف بیتی و أنا بمکۃ .....قال النبی ﷺ : ففرض اللہ علی امتی خمسین صلاۃ فرجعت بذالک حتی مررت علی موسیٰ ....قال : ھن خمس و ھن خمسون ، لا یبدل القول لدیّ۔(بخاری شریف،باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء،ص ۵۰،نمبر۳۴۹) اس حدیث میں ہے کہ پانچوں نمازیں کیسے فرض ہوئیں

نوٹ : نمازاہم عبادت ہےاورطہارت اس کے لئے شرط ہے۔اس لئے طہارت کومقدم کیا۔اب طہارت کےابحاث ختم ہونے کے بعدنماز کےمسائل کوشروع فرمایا

وقت : وقت نماز کے لئے شرط ہےاگروقت نہ ہواہوتونماز ہی واجب نہیں ہوتی۔وقت آنے پر ہی نماز واجب ہوتی ہے۔وجوب کی اصل وجہ تو اللہ کا حکم ہے لیکن ہم اللہ کے ہر وقت کے حکم کونہیں سن پاتے اس لئے علامت کےطور پر وقت کو رکھ دیا کہ جب وقت آئےتوسمجھ لوکہ حکم آگیااورنمازشروع کرو۔وقت کی دلیل اوپر کی آیت ہے۔

ترجمہ: (۱۸۴) فجر کااول وقت جب کہ صبح صادق طلوع ہوجائے،فجر ثانی وہ افق میں پھیلی ہوئی سفید روشنی ہےاورفجر کا آخری وقت جب تک کہ سورج طلوع نہ ہوجائے۔

تشریح :اوپر کی آیت سے پتہ چلا کہ پانچوں نمازیں وقت کےساتھ فرض ہیں اسلئے وقت کی بحث کولا رہے ہیں اور پانچوں اوقات کاتعین کررہے ہیں۔ان میں سےسب سے پہلے فجر کے وقت کو بتا رہے ہیں کہ جب صبح صادق شروع ہوجائے اس وقت سے فجر کاوقت شروع ہوتا ہےاور جب سورج نکل جائےتواسکاوقت ختم ہوجاتا ہے

وجہ : فجر کی نماز فرض ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وسبح بحمدک ربک قبل طلوع الشمس و قبل غروبھا ومن اٰناء اللیل فسبح واطرافھا النھار لعلک ترضی (آیت۱۳۰سورہ طہ۲۰) بلکہ اس آیت میں تمام نمازوں کےاوقت کی طرف اشارہ ہوگیا۔اورنماز فجر کےوقت کی طرف بھی اشارہ ہوگیا۔باقی دلیل آگےآرہی ہے۔

الشمس ﴿۱﴾ لحدیث امامة جبریل علیہ السلام انه امّ رسولَ اللّٰہ ﷺ فیها فی الیوم الاوّل حین طلع الفجر وفی الیوم الثانی حین اَسفر جداو کادت الشمس تطلع ثم قال فی اٰخر الحدیث مابین هذین الوقتین وقتٌ لک ولامتک ۲؎ ولا معتبر بالفجر الکاذب وهو البیاض الذی یبدُو طولاثم یعقبه الظّلامُ لقوله

ترجمہ: ۱؎ جبریل علیہ السلام کی حدیث کی بناء پر کہ انہوں نے رسول اللہ علیہ السلام کی فجر میں امامت کی، پہلے دن میں جس وقت فجر طلوع ہوا اور دوسرے دن میں جس وقت بہت اسفار ہو گیا اور سورج طلوع ہونے کے قریب ہو گیا، پھر اس حدیث کے آخیر میں فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان آپ کا اور آپ کی امت کا وقت ہے۔

تشریح: حضرت جبرائیل علیہ السلام حضورؐ کے پاس تشریف لائے اور دو دن تک حضورؐ کی امامت فرماتے رہے اور پانچوں نمازوں کا وقت بتاتے رہے، پہلے دن میں تمام نمازیں اول وقت میں پڑھی اور دوسرے دن میں تمام نمازیں اخیر وقت میں پڑھی اور اسکے آخیر میں فرمایا کہ ان دونوں وقتوں کے درمیان آپ کے لئے اور آپکی امت کے لئے وقت ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ پہلے دن میں فجر کی نماز صبح صادق کے وقت پڑھی اور دوسرے دن میں اسفار کے وقت پڑھی، حدیث یہ ہے۔اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الاولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانیة الظهر حین کان ظل کل شیء مثله لوقت العصر بالامس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیه ثم صلی المغرب لوقته الاول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ پہلے دن میں فجر کی نماز صبح صادق کے وقت پڑھی، اور دوسرے دن میں اسفار کے وقت فجر کی نماز پڑھی۔

ترجمہ: ۲؎ اور فجر کاذب کا اعتبار نہیں ہے، اور وہ سفیدی ہے جو لمبائی میں ظاہر ہوتی ہے پھر اسکے بعد اندھیرا ہوتا ہے۔حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ تمکو حضرت بلال کی اذان دھوکے میں نہ ڈالے اور نہ لمبی فجر صرف افق میں پھیلی ہوئی فجر، یعنی منتشر فجر کا اعتبار ہے۔

تشریح: فجر کی دو قسمیں ہیں (۱) صبح کاذب (۲) صبح صادق۔صبح کاذب: مشرقی افق میں بھیڑئے کی دم کی طرح لمبی سی روشنی

علیہ السلام لا یغرنکم اذان بلالؓ ولا الفجر المستطیل وانما الفجر المستطیر فی الافق ای المنتشر فیھا

(۱۸۵) واوّل وقت الظھر اذا ازالت الشمس ؒ ل لا مامة جبریل علیہ السلام فی الیوم حین زالت الشمس

(۱۸۶) واٰخر وقتھا عند ابی حنیفةؒ اذا صار ظل کل شیئ مثلیه سوی فیئ الزوال وقالا اذا صار الظل مثله وھو روایة عن ابی حنیفةؒ

ہوتی ہے جو بہت مشکل سے نظر آتی ہے حدیث میں اسی کو فجر مستطیل کہتے ہیں۔اس کے تھوڑی دیر کے بعد محرابی شکل میں پھیلی ہوئی روشنی ہوتی ہے جس کو صبح صادق کہتے ہیں۔بعض ماہرین فلکیات اس کو اٹھارہ ڈگری پر بتاتے ہیں اور بعض پندرہ ڈگری پر بتاتے ہیں۔دلائل دونوں طرف ہیں۔اسی صبح صادق کے وقت فجر کی نماز واجب ہوتی ہے۔اسی کی طرف مصنفؒ نے البیاض المعترض کہ کر اشارہ کیا ہے۔حدیث میں اس کی دلیل یہ ہے **عن سمرة بن جندبؓ قال قال رسول الله ﷺ لا یغرنکم من سحورکم اذان بلال ولا بیاض الافق المستطیل ھکذا حتی یستطیر ھکذا** (مسلم شریف، باب بیان ان الدخول فی الصوم یحصل بطلوع الفجر، کتاب الصوم ص ۳۵۰ نمبر ۱۰۹۴/۲۵۴۶ رابوداؤد شریف، باب وقت السحور ص ۳۴۱ نمبر ۲۳۴۶ رترمذی شریف، باب ما جاء فی بیان الفجر، ص ۱۷۹، نمبر ۷۰۵) حدیث سے پتہ چلا کہ روشنی جو لمبائی میں ہو وہ صبح صادق نہیں ہے۔ بلکہ **یستطیر** یعنی افق میں پھیلی ہوئی روشنی صبح صادق ہے۔(۲) آیت میں بھی اس طرف اشارہ ہے **وکلوا واشربوا حتی یتبین لکم الخیط الابیض من الخیط الاسود من الفجر** (آیت ۱۸۷ سورۃ البقرۃ ۲) تبین سے مراد فجر کا خوب واضح ہونا ہے جو صبح صادق کے وقت ہوتا ہے۔

لغت: **معترض** : اعترض سے مشتق ہے پھیلی ہوئی۔**اسفر**: صبح کا بہت واضح ہونا۔ **کاذب** : جھوٹا۔صبح کی پہلی روشنی،جس سے دھوکا ہوتا ہے کہ شاید یہ صبح صادق ہو۔ **یبدو** : ظاہر ہوتا ہے۔ **یعقبه** : عقب سے مشتق ہے،اسکے بعد آتا ہے. **یغرنکم** : غر سے مشتق ہے،دھوکا دے. **مستطیر** : طار سے مشتق ہے پھیلا ہوا ہونا،متفرق ہونا۔**منتشر** : انتشر سے مشتق ہے پھیلا ہوا ہونا۔

ترجمه: (۱۸۵) ظہر کا اول وقت جب سورج ڈھل جائے۔

ترجمه: ل جبریل علیہ السلام کی پہلے دن میں امامت کی وجہ سے جب سورج ڈھل گیا)

ترجمه: (۱۸۶) اور اس کا آخری وقت امام ابوحنیفہ کے نزدیک جب ہر چیز کا سایہ دو مثل ہو جائے سایہ اصلی کے علاوہ۔اور صاحبین کے نزدیک جب کہ ہر چیز کا سایہ ایک مثل ہو جائے۔امام ابوحنیفہؒ کی بھی ایک روایت یہی ہے

تشریح : ظہر کا اول وقت زوال کے فوراً بعد سے شروع ہوتا ہے۔اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔البتہ اس کے آخری وقت

۱؎ وفىء الزوال هو الفئ الذى يكون للاشياء وقت الزوال ۲؎ لهما امامة جبريل فى اليوم الاوّل للعصر فى هذا الوقت

کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ سایہ اصلی کے علاوہ دو مثل تک رہتا ہے۔اوراس کے بعد عصر کا وقت شروع ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے

وجه : (۱) **عن ابی ذر قال کنا مع رسول الله ﷺ فی سفر فاراد المؤذن ان یؤذن للظهر فقال النبی ﷺ ابرد، ثم اراد ان یؤذن فقال له ابرد،حتی رأینا فیء التلول فقال النبی ﷺ ان شدة الحر من فیح جهنم فاذا اشتد الحر فابردوا بالصلوة** . (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی السفر ص ۷۷ نمبر ۵۳۹ / ابو داود شریف، باب وقت صلاة الظہر ،ص ۶۴، نمبر ۴۰۱) ٹیلہ پستہ قد ہوتا ہے اس کا سایہ نیچے نظر آنے لگے یہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب ہر چیز کا سایہ ایک مثل سے زیادہ ہو چکا ہو۔اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز ایک مثل کے بعد پڑھی گئی ہے۔اس لئے ظہر کا وقت دو مثل تک ہے (۲) **عن عبد الله بن عمر أنهما حدثاه عن رسول الله ﷺ أنه قال : اذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوة ، فان شدة الحر من فیح جهنم** . (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدة الحر، ص ۷۷ نمبر ۵۳۳ / ابو داود شریف، باب وقت صلاة الظہر ،ص ۶۴، نمبر ۴۰۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ گرمی میں ظہر کی تاخیر کی ،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ظہر کی نماز دو مثل پر پڑھی ہوگی کیونکہ عرب میں دو مثل تک گرمی رہتی ہے۔

ترجمه: ۱؎ اور فیء زوال وہ سایہ ہے جو چیزوں کا زوال کے وقت میں ہوتا ہے۔

تشریح : جب سورج دو پہر کے وقت سر پر آ جائے ،اور پورب اور پچھم کے درمیان ٹھیک اتر یا دکھن کی طرف سورج ہوتو اس وقت کے سایہ کو فیء زوال، یا سایہ اصلی کہتے ہیں۔اس سے تھوڑا سا ہٹ جائے تو وہ وقت زوال ہے اور اس وقت سے تمام ائمہ کے نزدیک ظہر کی نماز کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

ترجمه : ۲؎ اور صاحبین کی دلیل حضرت جبرائیل کی امامت والی حدیث ہے، پہلے دن میں عصر کے لئے اسی وقت میں۔

تشریح :صاحبین فرماتے ہیں کہ جب سایہ ایک مثل ہو جائے تو ظہر کا وقت ختم ہو جاتا ہے،اور عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ حضرت جبرائیل نے پہلے دن میں حضورؐ کی عصر کی امامت ایک مثل پر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ایک مثل پر عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے،اور دوسرے دن ظہر کی امامت ایک مثل پر کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ ظہر کا وقت ایک مثل پر ختم ہو جاتا ہے ۔حدیث یہ ہے۔ **اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین فصلی الظهر فی الاولی منهما حین کان الفیء مثل الشراک ثم صلی العصر حین کان کل شیء مثل ظله ثم صلی المغرب حین**

۳؎ ولابی حنیفةؒ قول النبی ﷺ ابردوابالظهر فان شدة الحرمن فیح جهنم واشد الحر فی دیارهم فی هذا الوقت ۴؎ واذا تعارضت الاٰثار لاینقضی الوقت بالشک

وجبت الشمس وافطر الصائم ثم صلی العشاء حین غاب الشفق ثم صلی الفجر حین برق الفجر وحرم الطعام علی الصائم وصلی المرة الثانیة الظهر حین کان ظل کل شیء مثله لوقت العصر بالامس ثم صلی العصر حین کان ظل کل شیء مثلیه ثم صلی المغرب لوقته الاول ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۱۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹ ر ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں تمام نماز کے اوقات بیان کئے گئے ہیں۔ اورظہر کا آخری وقت ایک مثل بتایا گیا ہے۔ اور ایک مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔ اسی حدیث کی بنا پر صاحبین بھی اس طرف گئے ہیں کہ ایک مثل تک ظہر کا وقت رہتا ہے۔ تاہم احتیاط اسی میں ہے کہ ایک مثل کے بعد ظہر نہ پڑھے اور دو مثل سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے کیونکہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت بھی صاحبین کے مطابق ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اورابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھو اسلئے کہ گرمی کی شدت جہنم کی گرمی میں سے ہے ، اورعرب میں گرمی کی شدت ایک مثل پر بہت ہوتی ہے۔

تشریح: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر أنهما حدثاه عن رسول الله ﷺ أنه قال : اذا اشتد الحر فأبردوا بالصلوة ، فان شدة الحر من فیح جهنم . (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدۃ الحر، ص ۷۷ نمبر ۵۳۳ ر ابوداود شریف، باب وقت صلاۃ الظہر ، ۶۴، نمبر ۴۰۲) اس حدیث میں ہے کہ نماز کو ٹھنڈا کر کے پڑھو، اورعرب میں ایک مثل پر گرمی بہت زیادہ ہوتی ہے اسلئے ٹھنڈا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ایک مثل کے بعد نماز پڑھو اسلئے اشارۃ النص سے پتہ چلا کہ دو مثل تک ظہر کا وقت ہونا چاہئے۔

ترجمہ: ۴؎ اور جب دونوں حدیثیں متعارض ہوگئیں تو شک کی وجہ سے وقت ختم نہیں ہوگا۔

تشریح :۔ حضرت جبریلؑ کی امامت والی حدیث اور ٹھنڈا کر کے نماز پڑھنے والی حدیث متعارض ہوگئیں، تو شک ہوگیا کہ نماز کا وقت نکلا یا نہیں! اور پہلے سے ظہر کا وقت چل رہا تھا اسلئے شک کی بنا پر ظہر کا وقت ختم نہیں ہوگا بلکہ دو مثل تک باقی رہے گا۔

لغت : فئ الزوال : ٹھیک دو پہر کے وقت جب سورج سر پر ہو تو اس وقت جو تھوڑا سا سایہ ہوتا ہے اس کو سایہ اصلی اور فئ الزوال کہتے ہیں۔ اس کو چھوڑ کر ہر چیز کا سایہ اس کے قد کے برابر ہو تو وہ ایک مثل سایہ کہلاتا ہے۔ مثلا ایک آدمی کا قد ساڑھے پانچ فٹ

(۱۸۷)واول وقت العصر اذا خرج وقت الظهر علی القولین واٰخروقتها ما لم تغرب الشمس ﴾

لـ لقوله علیہ السلام من ادرک رکعةً من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرکها

ہے۔تو سایہ اصلی کے علاوہ سایہ ساڑھے پانچ فٹ تک چلا جائے تو ایک مثل ہو گیا۔اور سایہ اصلی کے علاوہ گیارہ فٹ تک سایہ لمبا ہو گیا تو دو مثل ہو گیا۔فیح : گرمی کی شدت۔لاینقضی: ختم نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۱۸۷) عصر کا اول وقت جب کہ ظہر کا وقت نکل جائے دونوں قول پر۔اوراس کا آخری وقت جب تک سورج غروب نہ ہو جائے۔

ترجمه: لـ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جس نے عصر کی ایک رکعت پائی تو اس نے عصر پالی۔

تشریح: صاحبین کے قول کے مطابق مثل اول کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔اورامام ابوحنیفہ کے قول کے مطابق دو مثل کے بعد عصر کا وقت شروع ہوگا۔اور بعض ائمہ نے دونوں حدیثوں کو دیکھتے ہوئے فرمایا کہ ایک مثل کے بعد اور دو مثل سے پہلے وقت مہمل ہے یعنی نہ ظہر کا وقت ہے اور نہ عصر کا وقت ہے۔

نوٹ : احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر کے بعد فوراعصر کا وقت شروع ہوتا ہے نہ دونوں کے درمیان وقت مہمل ہے اور نہ مشترک ہے۔پہلی حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عصر کی آخری نماز دو مثل پر پڑھی گئی لیکن دوسری حدیث میں موجود ہے کہ غروب آفتاب تک عصر کا وقت موجود ہے۔البتہ آفتاب زرد ہونے کے بعد نماز مکروہ ہونے لگتی ہے۔اس لئے آفتاب زرد ہونے سے پہلے عصر کی نماز پڑھنی چاہئے۔تاہم غروب سے پہلے عصر کی نماز پڑھیگا تو ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی۔کیونکہ ابھی وقت باقی ہے۔غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کے وقت ہونے کی دلیل۔

وجه: (۱) **وسبح بحمد ربک قبل طلوع الشمس وقبل غروبها** (آیت ۱۳۰سورۂ طہ ۲۰) غروب سے پہلے نماز پڑھنے کا مطلب یہ ہے کہ نماز عصر کا وقت سورج غروب ہونے سے پہلے تک ہے (۲) حدیث میں ہے **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعة قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرک العصر** (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعة، ص ۸۲، نمبر ۵۷۹ رترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعة من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶) سورج غروب ہونے سے پہلے عصر کی ایک رکعت پالے تو گویا کہ پوری عصر کی نماز پالی۔اس کا مطلب یہ ہے کہ غروب آفتاب سے پہلے تک عصر کا وقت ہے آفتاب زرد ہونے کے بعد نماز عصر ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی،اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔**قال : دخلنا علی انس بن مالک بعد الظهر فقام يصلی العصر ....تلک صلوة المنافقين ، يجلس أحدهم حتی اذا اصفرت الشمس ،**

(۱۸۸)واول وقت المغرب اذا غربت الشمس وآخروقتها مالم يغب الشفق ﴿ ١وقال الشافعي مقدارمايصلى فيه ثلث ركعات لان جبريل عليه السلام اَمَّ في يومين في وقت واحد.

فكانت بين قرني شيطان أو على قرني الشيطان ، قام فنقر أربعا لا يذكر الله عز وجل فيها الا قليلا ً۔(ابوداود شریف، باب وقت العصر،ص ۶۴،نمبر ۴۱۳) اس حدیث میں ہے کہ سورج زرد ہو جائے تو اس وقت منافق کی نماز ہوتی ہے اسلئے سورج زرد ہوتے وقت نماز مکروہ ہے۔ البتہ نماز ہو جائے گی۔اسلئے کہ ابھی وقت ہے۔دوسری حدیث بھی ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صليتم الفجر ... فاذا صليتم العصر فانه وقت الى أن تصفر الشمس (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص ۲۲۲ نمبر ۶۱۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ص ۴۰ نمبر ۱۵۱) اس حدیث میں سورج زرد ہونے تک مستحب وقت بتایا ہے۔

ترجمه: (۱۸۸) مغرب کا اول وقت جب سورج ڈوب جائے اور اس کا آخر وقت جب تک کہ شفق غائب نہ ہو جائے۔

تشریح : مغرب کے اول وقت کے بارے میں حدیث گزر چکی ہے۔اور حضرت جبرئیل علیہ السلام نے مغرب کی نماز دونوں دن سورج غروب ہونے کے بعد ہی پڑھائی اس لئے کہ مستحب وقت وہی ہے۔لیکن مغرب کا آخری وقت حقیقت میں شفق کے غروب ہونے تک ہے۔

وجه : اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صليتم الفجر ... فاذا صليتم المغرب فانه وقت الى ان يسقط الشفق (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص ۲۲۲ نمبر ۶۱۲/۱۳۸۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ص ۴۰ نمبر ۱۵۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کا وقت شفق کے غروب ہونے تک رہتا ہے۔شفق کی دو قسمیں ہیں۔شفق احمر۔اور شفق ابیض۔یہاں شفق سے کون سی شفق مراد ہے اسکی تفصیل آگے آرہی ہے۔

ترجمه: ١ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ مغرب کا وقت اتنی مقدار ہے جس میں تین رکعت پڑھ سکے۔اسلئے کہ حضرت جبریلؑ نے دونوں دنوں میں مغرب کی امامت ایک ہی وقت میں کی ہے۔

تشریح : چونکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دنوں میں ایک ہی وقت میں مغرب کی امامت کی ہے اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک مغرب کا وقت صرف اتنا ہے کہ آدمی صرف مغرب کی تین رکعتیں پڑھ سکے۔موسوعۃ میں ہے۔قال الشافعیؒ : لا وقت للمغرب الا واحد ، و ذالک حين تجب الشمس ، و ذالک بين في حديث امامة جبريل النبي ﷺ و في غيره ۔(موسوعۃ، باب وقت المغرب، ج ثانی ص ۲۹، نمبر ۱۰۰۱) حدیث یہ ہے۔عن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئيل عند البيت مرتين .... ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم ..... ثم صلى المغرب

۲ ولناوقوله ﷺ اوّل وقت المغرب حين تغرب الشمس واٰخروقته حين يغيب الشفق ۳ و ما رواه كان للتحرز عن الكراهية

لوقته الاول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الى جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ دوسرے دن مغرب کی نماز اس وقت پڑھی جس وقت پہلے دن پڑھی تھی۔ اسلئے مغرب کا وقت ایک ہی رہے گا۔ (۲) عن سلمة قال كنا نصلى مع النبى ﷺ المغرب اذا توارت بالحجاب ۔ (بخاری شریف، باب وقت المغرب، ص۷۹، نمبر ۵۶۱/ابوداود شریف، باب وقت المغرب، ص۶۴، ۴۱۷) اس حدیث میں ہے کہ سورج ڈوبتے ہی نماز پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ سورج ڈوبنے کے فورا بعد مغرب کا وقت ہے۔

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول کہ مغرب کا اول وقت جب سورج ڈوب جائے، اور اسکا آخر وقت جب شفق غائب ہوجائے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابى هريرة قال : قال رسول الله ﷺ ان للصلاة أولا و آخراً ....و ان اول وقت المغرب حين تغرب الشمس و ان آخر وقتها حين يغيب الشفق ۔ (ترمذی شریف، باب منہ (یعنی ماجاء فی مواقیت الصلوۃ) ص ۳۸، نمبر ۱۵۱/مسلم شریف، باب اوقات الصلوۃ الخمس، ص۲۲۱، نمبر ۶۱۲/ ۱۳۸۹) اس حدیث میں ہے کہ مغرب کا وقت شفق غائب ہونے تک ہے۔

ترجمه: ۳ اور جو روایت کی ہے وہ کراہیت سے بچنے کے لئے ہے۔

تشریح : ہم یہ کہتے ہیں کہ مغرب کا اصلی وقت تو شفق ڈوبنے تک ہے، یعنی شفق ڈبنے تک بھی پڑھے گا تو ادا ہوگی قضا نہیں ہوگی البتہ بغیر عذر کے موخر کرنے سے مکروہ ہوگا، اسلئے امامت جبریلؑ میں موخر اسلئے نہیں کیا کہ مکروہ نہ ہو۔ موخر کرنے سے مکروہ ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے۔ قدم علينا ابو ايوب غازيا و عقبه عامر يومئذ على مصر ، فأخر المغرب فقام اليه ابو ايوب فقال : أما سمعت رسول الله ﷺ يقول : لا تزال أمتى بخير ، أو قال : على الفطرة ، ما لم يو ء خر واالمغرب الى أن تشتبك النجوم ۔ (ابوداود شریف، باب وقت المغرب، ص۶۴، نمبر ۴۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کی نماز موءخر کرنا مکروہ ہے۔

(۱۸۹)ثم الشفق هو البياض الذى فى الافق بعدالحمرة عندابى حنيفة وعندهما هو الحمرة ﴾
لے وهو رواية عن ابى حنيفة وهو قول الشافعي لقوله عليه السلام الشفق الحمرة

﴿شفق ابیض یا شفق احمر﴾

ترجمه: (۱۸۹) شفق وہ سفید روشنی ہے جو افق میں سرخی کے بعد دیکھی جاتی ہے امام ابوحنیفہ کے نزدیک۔اور صاحبین کے نزدیک شفق وہ سرخی ہے۔

ترجمه:لے اور یہی ایک روایت امام ابوابوحنیفہؒ کا ہے،اور یہی قول امام شافعیؒ کا ہے حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ شفق وہ سرخی ہے۔

تشریح : آفتاب ڈوبنے کے بعد پہلے سرخی آتی ہے پھر سفید روشنی پھیلی ہوئی ہوتی ہے۔پھر سفید روشنی لمبی سی ہوتی ہے جس کو بیاض مستطیر اور پھر بیاض مستطیل کہتے ہیں۔اس کے بعد افق پر مکمل اندھیرا چھا جاتا ہے۔امام ابوحنیفہ کے نزدیک سرخی کے بعد جو بیاض مستطیر ہوتی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔اس کے بعد عشا کا وقت شروع ہوتا ہے

شفق کیا ہے:۔افق کے قریب بھاپ اور نمی بہت ہوتی ہے،سورج جب ڈوب جاتا ہے تو اسکی روشنی بھاپ اور نمی سے گزر کر ہماری طرف آنے لگتی ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ بھاپ کے درمیان سے گزر کر روشنی آئے تو وہ لال نظر آتی ہے اور تھوڑی پھیلی ہوئی نظر آتی ہے، اسی لئے سورج ڈوبنے کے بعد جو روشنی نظر آتی ہے وہ لال ہوتی ہے جسکو شفق احمر کہتے ہیں۔لیکن سورج جب بارہ ڈگری نیچے چلا جاتا ہے تو افق کے پاس جو بھاپ اور نمی ہے اس سے گزر کر روشنی نہیں آتی بلکہ سورج کی روشنی آسمان کی طرف لمبی ہوتی ہوئی نظر آتی ہے، چونکہ وہ بھاپ اور نمی سے گزر کر نہیں آتی اسلئے وہ روشنی سفید نظر آتی ہے،اور بہت ہلکی ہوتی ہے شفق احمر کے بعد مسلسل دیکھتے رہیں تب اس کا پتہ چلے گا ورنہ جلدی پتہ نہیں چلتا۔اسی کو شفق ابیض کہتے ہیں۔

وجه : (۱) فجر میں بیاض مستطیر فجر کا وقت ہے۔اسی طرح بیاض مستطیر مغرب کا وقت ہونا چاہئے۔کیونکہ دونوں ایک ہی طرح ہیں(۲) حدیث میں ہے **سمعت ابا مسعود الانصارى يقول ... ويصلى المغرب حين تسقط الشمس ويصلى العشاء حين يسود الافق وربما اخرها حتى يجتمع الناس** ۔(ابوداؤد شریف، باب فی المواقیت ص۶۲/۶۳ نمبر ۳۹۴)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ عشا کی نماز افق کالا ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔ اور افق مکمل کالا اس وقت ہوگا جب سفید شفق بھی باقی نہ رہے،جس کا مطلب یہ ہے کہ بیاض مستطیر تک مغرب کا وقت ہے۔جو سرخی کے بعد آتی ہے۔کیونکہ افق کالا سفیدی غائب ہونے کے بعد ہی ہوگا۔(۳) اس کی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔**كتب عمر بن عبد العزيز ان صلوا صلوة العشاء اذا ذهب بياض الافق فيما بينكم و بين ثلث الليل** (مصنف عبدالرزاق، باب وقت العشاء الاخرة، ج اول،ص ۵۵۶،نمبر

۲؎ ولابی حنیفۃؒ قولہ علیہ السلام واٰخر وقت المغرب اذا اسودّ الافق ۳؎ وما رواہ موقوف علی ابن عمرؓ ذکرہ

۲۱۱۰) اس اثر سے معلوم ہوا کہ افق کے بیاض جانے یعنی شفق ابیض کے ڈوبنے کے بعد نماز عشاء کا وقت ہوتا ہے۔(۴) اس آیت کے کنایہ سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ أقم الصلوۃ پڑھو جس سے کنایہ ہے کہ شفق ابیض ڈوبنے کے بعد جب مکمل اندھیرا ہو جائے وہاں سے عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

فائدہ : صاحبین اور جمہور ائمہ کے نزدیک بیض مستطیر کے پہلے جو سرخی ہے وہاں تک مغرب کا وقت ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ: الشفق الحمرۃ ،فاذا غاب الشفق وجبت الصلوۃ . (دار قطنی ،باب فی صفۃ المغرب والصبح ،ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۴ رسنن للبیھقی ،باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ،ج اول ،ص ۵۴۸ ،نمبر ۱۷۴۴) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سرخ شفق تک مغرب کا وقت ہے اس کے غروب ہونے کے بعد عشا کا وقت شروع ہوجاتا ہے۔(۲) اثر میں ہے۔عن ابن عمر قال : الشفق الحمرۃ ۔(دار قطنی ،باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۵ رسنن للبیھقی ،باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ،ج اول ،ص ۵۴۸ ،نمبر ۱۷۴۲) اس اثر میں بھی ہے کہ شفق وہ سرخی ہے۔

ترجمہ :۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول مغرب کا آخر وقت جبکہ افق کالا ہوجائے۔

تشریح : اس معنی کی روایت اوپر گزری۔سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ویصلی المغرب حین تسقط الشمس ویصلی العشاء حین یسود الافق وربما اخرھا حتی یجتمع الناس ۔(ابوداؤد شریف ،باب فی المواقیت ص ۶۲ ر۶۳ نمبر ۳۹۴) اس حدیث میں ہے کہ افق کالا ہونے کے بعد عشاء کی نماز پڑھتے تھے اور مکمل کالا اسی وقت ہوگا جب شفق ابیض بھی ڈوب جائے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ شفق ابیض تک مغرب کا وقت ہے اور شفق ابیض ڈوبنے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور صاحبین نے جس حدیث کو روایت کی وہ حضرت ابن عمرؓ پر موقوف ہے حضرت امام مالکؒ نے اپنے موطاء میں ذکر کی ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے کہ الشفق الحمرۃ ،کا جملہ حضرت ابن عمرؓ کا قول ہے اسلئے اس پر شفق احمر کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا۔قول یہ ہے۔ عن ابن عمر قال : الشفق الحمرۃ ۔(دار قطنی ،باب فی صفۃ المغرب والصبح ج اول ص ۲۷۶ نمبر ۱۰۴۵ رسنن للبیھقی ،باب دخول وقت العشاء بغیبوبۃ الشفق ،ج اول ،ص ۵۴۸ ،نمبر ۱۷۴۲) یہ دار قطنی اور بیہقی میں ہے۔اور موطاء امام مالک میں عبارت اس طرح ہے قال مالک : الشفق الحمرۃ التی فی المغرب فاذا ذھبت الحمرۃ فقد وجبت صلوۃ العشاء ، و

مالک فی الموطأ ۲۴ وفیه اختلاف الصحابة (۱۹۰) واوّل وقت العشاء اذا غاب الشفق وآخر وقتها مالم یطلع الفجر ﴾

خرجت من وقت المغرب ۔(موطاء امام مالک، باب جامع الوقوت، ص ۸) موطاء میں حضرت ابن عمر کے بجائے خود حضرت امام مالکؒ کا قول ہے۔البتہ اس عبارت کے ساتھ اوپر حدیث بھی گزر گئی۔

ترجمه: ۲۴ شفق کے سلسلے میں صحابہ کرام کا بھی اختلاف ہے۔

ترجمه: (۱۹۰) عشا کا اول وقت جب شفق غائب ہو جائے اوراس کا آخر وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہو جائے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک شفق ابیض غائب ہونے کے بعد اور صاحبین کے نزدیک شفق احمر غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے، اور اسکا آخری وقت صبح صادق طلوع ہونے سے پہلے تک ہے۔

وجه: شفق کے غائب ہونے کے بعد عشاء کا وقت شروع ہوتا ہے اسکی دلیل یہ ہے۔ عن عباس ان النبی ﷺ قال امنی جبرئیل عند البیت مرتین ....ثم صلی العشاء حین غاب الشفق .... ثم صلی العشاء الآخرة حین ذهب ثلث اللیل ثم صلی الصبح حین اسفرت الارض ثم التفت الی جبرئیل فقال یا محمد هذا وقت الانبیاء من قبلک والوقت فیما بین هذین الوقتین. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ عشاء کی نماز شفق غائب ہونے کے بعد پڑھی (۲) عن ابی هریرة قال : قال رسول الله ﷺ ان للصلاة أولا و آخراً ....و ان أول وقت العشاء الآخرة حین یغیب الافق ، و ان آخر وقتها حین ینتصف اللیل ۔(ترمذی شریف، باب منہ (یعنی ماجاء فی مواقیت الصلوۃ) ص ۳۸، نمبر ۱۵۱/ مسلم شریف، باب اوقات الصلوۃ الخمس ،ص ۲۲۱، نمبر ۶۱۴/۱۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ عشاء کا وقت افق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے یعنی شفق غائب ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے۔

اور آخر وقت صبح صادق سے پہلے تک ہے اسکی دلیل اس حدیث کا اشارہ ہے۔ عن عائشة قالت اعتم النبی ﷺ ذات لیلة حتی ذهب عامة اللیل وحتی نام اهل المسجد (مسلم شریف، باب وقت العشاء وتاخیرھا ص ۲۲۹ نمبر ۶۳۸/۱۴۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عامة اللیل رات کا ایک بڑا حصہ چلا گیا۔ دوسری حدیث میں ہے کہ آدھی رات چلی گئی تھی۔اس لئے آدھی رات تک نماز پڑھنے کا ثبوت صحیح حدیث سے ثابت ہے۔(۲) اور آخر رات تک عشا کے وقت ہونے کی دلیل صحابہ کا قول ہے ۔روینا عن ابن عباس انه قال : وقت العشاء الی الفجر۔ و عن عبد الرحمن بن عوف فی امرأة تطهر قبل طلوع الفجر صلت المغرب والعشاء ۔قال لابی هریرة ما افراط صلوة العشاء؟ قال طلوع الفجر (السنن

۱ لقوله عليه السلام واٰخر وقت العشاء حين لم يطلع الفجر۲ وهو حجة على الشافعیؒ فی تقديره بذهاب ثلث الليل (۱۹۱) واول وقت الوتر بعدالعشاء واٰخره مالم يطلع الفجر ۱ لقوله عليه السلام فی الوتر فصلوها مابين العشاء الٰی طلوع الفجر

للبیھقی، باب آخر وقت الجواز لصلوۃ العشاء، ج اول، ص ۵۵۳، نمبر ۱۷۶۳) صحابی کے اس قول سے معلوم ہوا کہ عشا کا وقت طلوع فجر سے پہلے تک ہے۔ تمام ائمہ کا یہی مسلک ہے۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے عشاء کا آخری وقت جب تک کہ فجر نہ طلوع ہو جائے۔

تشریح: یہ عبداللہ ابن عباس کا قول ہے رويـنـا عـن ابـن عباس انه قال : وقت العشاء الى الفجر۔ (السنن للبیھقی، باب آخر وقت الجواز لصلوۃ العشاء، ج اول، ص ۵۵۳، نمبر ۱۷۶۳) اس اثر میں ہے کہ عشاء کا وقت فجر تک ہے۔

ترجمہ: ۲ یہ اثر امام شافعیؒ پر حجت ہے کہ انہوں نے تہائی رات جانے تک عشاء کا وقت متعین فرمایا۔

تشریح: امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ صرف تہائی رات تک عشاء کا وقت ہے۔ موسوعة میں ہے۔ و آخـر وقتها الى أن يمضى ثـلـث الـلـيـل (موسوعة للامام الشافعی، باب وقت العشاء، ج الثانی، ص ۳۲، نمبر ۱۰۱۰) اس عبارت میں ہے کہ عشاء کا وقت تہائی رات تک ہے۔ انکی دلیل یہ حدیث ہے (۱) عـن ابـى هـريـرة قـال قـال رسـول الـلـه ﷺ لو لا ان اشق على امتى لامـرتهم ان يؤخروا العشاء الى ثلث الليل او نصفه۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر العشاء الآخرۃ ص ۴۲ نمبر ۱۶۷/ ابوداؤد شریف، باب ماوقت العشاء الآخرۃ ص ۶۶ نمبر ۴۲۲) (۲) عباس ان النبی ﷺ قـال امنى جبرئيل عند البيت مـرتين .... ثـم صـلـى العشاء حين غاب الشفق .... ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الى جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلك والوقت فيما بيـن هـذيـن الوقتين. (ترمذی شریف، باب ماجاء مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ عشاء کا وقت تہائی رات تک ہے۔

ترجمہ: (۱۹۱) وتر کا اول وقت عشا کے بعد ہے اور اس کا آخر وقت جب تک صبح صادق طلوع نہ ہو۔

ترجمہ: ۱ وتر کے بارے میں حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، اسکو عشاء اور صبح صادق کے درمیان پڑھو۔

وجہ: اوپر کی حدیث یہ ہے (۱) عـن خـارجـة بـن حـذافة انـه قـال خـرج علينا رسول الله ﷺ فقال ان الله امـدكـم بصلوة هى خير لكم من حمر النعم الوتر جعله الله لكم فيما بين صلوة العشاء الى ان يطلع الفجر۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲/ ابوداؤد شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس

۲ قال هذا عندهما ۳ وعندابی حنیفةؒ وقته وقت العشاء الا انه لایقدم علیه عند التذکیر للترتیب

سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز کا وقت عشا کے بعد سے لیکر صبح صادق طلوع ہونے تک ہے۔ اور حدیث میں امدکم یعنی ایک نماز زیادہ کی اس سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز واجب ہے۔ تب ہی تو پانچ نماز پر زیادتی ہوگی۔ ایک اور حدیث ہے **عن مسروق انه سأل عائشة عن وتر النبی ﷺ فقالت من کل اللیل قد اوتر اوله واوسطه وآخره فانتهی وتره حین مات فی وجه السحر** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوتر اول اللیل وآخرہ ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر کی نماز اول، اوسط اور آخر رات میں پڑھی جاسکتی ہے۔

ترجمہ: ۲ فرمایا یہ صاحبین کے نزدیک ہے۔

تشریح : صاحبین کے نزدیک یہ ہے کہ وتر کا وقت عشاء کی نماز کے بعد ہے کیونکہ اوپر کی حدیث میں فرمایا کہ عشاء کی نماز کے بعد فجر تک حدیث یہ گزری۔ **فیما بین صلوة العشاء الی ان یطلع الفجر** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص ۱۰۳ نمبر ۴۵۲ / ابو داؤد شریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس حدیث میں ہے کہ عشاء اور فجر کے درمیان وتر پڑھو، جسکا مطلب یہ ہوا کہ عشاء کے بعد وتر کا وقت ہے۔ چنانچہ اگر بھول کر یا جان کر وتر عشاء سے پہلے پڑھ لی تو وتر لوٹانی ہوگی، کیونکہ اسکا وقت عشاء کی نماز کے بعد شروع ہوتا ہے، دوسری بات یہ ہے کہ صاحبین کے نزدیک وتر عشاء کے بعد کی سنت ہے اسلئے اسکے تابع کر کے پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: ۳ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک وتر کا وقت وہی ہے جو عشاء کا وقت ہے، لیکن یاد کے وقت ترتیب کی وجہ سے عشاء پر مقدم نہ کرے۔

تشریح : جو وقت عشاء کا ہے وہی وقت وتر کا بھی ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اگر یاد ہو کہ عشاء کی نماز نہیں پڑھی ہے تو عشاء سے پہلے وتر نہیں چاہئے تاکہ عشاء اور وتر کے درمیان ترتیب باقی رہے، چنانچہ اگر جان کر وتر عشاء سے پہلے پڑھ لی تو عشاء کے بعد وتر دوبارہ پڑھنی ہوگی کیونکہ ترتیب واجب ہے، اور بھول کر وتر پہلے پڑھ لی تو وتر کو لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

وتر واجب ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبد الله بن بریدة عن ابیه قال : سمعت رسول الله ﷺ یقول : الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا ، الوتر حق فمن لم یوتر فلیس منا** (ابو داود شریف، باب فیمن لم یوتر، ص ۲۱۲، نمبر ۱۴۱۹) اس حدیث میں ہے کہ وتر حق ہے اور جو وتر نہ پڑھے وہ ہم میں سے نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وتر واجب ہے۔ (۲) ایک حدیث اوپر بھی گزری۔ **عن خارجة بن حذافة انه قال خرج علینا رسول الله ﷺ فقال ان الله امدکم بصلوة هی خیر لکم من حمر النعم الوتر جعله الله لکم فیما بین صلوة العشاء الی**

﴿ فصل اوقات مستحب ﴾

(۱۹۲) ویستحب الاسفار بالفجر ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر ۲؎ وقال الشافعیؒ یستحب التعجیل فی کل صلوٰۃ والحجة علیه مارویناہ وما نرویه

ان یطلع الفجر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی فضل الوتر ص۱۰۳ نمبر۴۵۲/ابوداؤدشریف، ابواب الوتر، باب استحباب الوتر ص ۲۰۸ نمبر ۱۴۱۸) اس حدیث میں ہے کہ فرض نماز پر ایک اور نماز کا اضافہ کیا اور وہ وتر ہے، تو یقینی بات ہے کہ وہ بھی فرض ہی ہوگی، جسکو ہم واجب کہتے ہیں۔اسلئے وتر ہمارے نزدیک واجب ہے۔

﴿ فصل اوقات مستحب ﴾

ترجمه: (۱۹۲) فجر میں اسفار کرنا مستحب ہے۔

ترجمه: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ: فجر کو اسفار کر کے پڑھو اسلئے کہ اس میں اجر زیادہ ہے۔

تشریح : فجر کا اصل وقت تو طلوع صبح صادق سے شروع ہوجاتا ہے۔لیکن مستحب یہ ہے کہ اسفار کر کے فجر کی نماز شروع کرے۔

وجه: (۱)اوپر کی حدیث یہ ہے۔عن رافع بن خدیج قال سمعت رسول الله یقول اسفروا بالفجر فانه اعظم للاجر . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الاسفار بالفجر ص۴۰ نمبر۱۵۴/ابوداؤدشریف، باب وقت الصبح ص ۶۷ نمبر ۴۲۴)اس میں الفاظ یوں ہیں اصبحوا بالصبح اس سے معلوم ہوا کہ فجر کو اسفار کر کے پڑھنا مستحب ہے۔(۲) جماعت بڑی ہوگی ورنہ لوگ غلس اور اندھیرے میں کم آئیں گے اور جماعت کی قلت ہوگی۔

ترجمه: ۲؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ ہر نماز میں جلدی کرنا مستحب ہے۔اوران پر وہ حدیث حجت ہے جو ہمنے روایت کی اور جو روایت کریں گے۔

فائده: امام شافعی اور دیگر ائمہ کے نزدیک ہر نماز کو اول وقت میں پڑھنا مستحب ہے۔اور فجر کو غلس اور اندھیرے میں پڑھنا مستحب ہے۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے ان عائشة اخبرته قالت کن نساء المؤمنات یشهدن مع رسول الله ﷺ صلوة الفجر متلفعات بمروطهن ثم ینقلن الی بیوتهن حین یقضین الصلوة لا یعرفهن احد من الغلس.

(۱۹۳) والابرادبالظهر فی الصیف وتقدیمه فی الشتاء ﴾ ۱؎ لما رویناولروایة انسؓ قال کان رسول اللّٰه ﷺ اذا کان فی الشتاء بکّر بالظهر و اذا کان فی الصیف ابردبها

(بخاری شریف، باب وقت الفجرص ۸۲ نمبر ۵۷۸؍مسلم شریف، باب استحباب التبکیر بالصبح ص ۲۳۰ نمبر ۱۴۵۸؍۶۴۵) اس حدیث میں دیکھئے غلس اوراندھیرے میں نماز پڑھی گئی۔(۲) اور ہر نماز کواول وقت میں پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن ام فروة قالت : سئل رسول الله ﷺ ای الاعمال أفضل ؟ قال : الصلوة فی اول وقتها ۔(ابوداود شریف، باب المحافظة علی الصلوات، ص ۶۷، نمبر ۴۲۶؍ترمذی شریف، باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل، ص ۴۲ نمبر ۱۷۰) اس حدیث میں ہے کہ تمام نمازیں اول وقت میں پڑھنا افضل ہے۔

ہمارا جواب یہ ہے کہ اوپر حدیث میں ہے کہ فجر کی نماز اسفار کر کے پڑھو،(۲) اور آگے دوسری حدیث آرہی ہے کہ ٹھنڈی میں نماز جلدی پڑھتے اور گرمی میں نماز ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔ سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة یعنی الجمعة .(بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعة ص ۱۲۴ کتاب الجمعة نمبر ۹۰۶) اس سے معلوم ہوا کہ تمام نمازیں بالکل اول وقت میں پڑھنا مستحب نہیں ہے بلکہ بعض نماز عذر کی وجہ سے تاخیر کر کے پڑھنا بھی افضل ہے۔ وما نرویه سے یہی حدیث مراد ہے۔(۳) ہاں اگر مدینہ طیبہ کی طرح لوگ غلس میں مسجد میں آجاتے ہوں جیسے رمضان میں آجاتے ہیں تو غلس میں مستحب ہے اور اگر لوگ سوئے رہتے ہوں تو اسفار مستحب ہے۔

ترجمه: (۱۹۳) مستحب ہے گرمی میں ظہر کو ٹھنڈا کر کے پڑھنا اور سردی میں اس کو مقدم کرنا۔

ترجمه : ۱؎ اس حدیث کی بنا پر جو ہمنے پہلے روایت کی۔ اور حضرت انس کی روایت کی بنا پر کہ رسول اللہ ﷺ جب سردی ہوتی تو ظہر کو جلدی پڑھتے، اور جب گرمی ہوتی ظہر کی نماز ٹھنڈا کر کے پڑھتے۔

تشریح : گرمی میں ظہر کی نماز اس وقت پڑھے جب دھوپ کم ہو جائے اور تھوڑی ٹھنڈی ہو جائے کیونکہ آدمی کو گرمی میں پریشان کرنا اچھا نہیں ہے اور جب سردی کا موسم ہو تو جلدی پڑھ لے کیونکہ اس میں آدمی کو کوئی تکلیف نہیں، اور تاخیر کرنے سے ممکن ہے کہ ظہر کا وقت نکل جائے۔ ماقبل کی روایت اور حضرت انسؓ کی روایت یہ ہیں۔

وجه: (۱) ماقبل کی روایت یہ ہے) عن عبد الله بن عمر حدثاه عن رسول الله ﷺ انه قال اذا اشتد الحر فابردوا بالصلوه فان شدة الحر من فیح جهنم (بخاری شریف، باب الابراد بالظہر فی شدة الحر ص ۷۶ نمبر ۵۳۳؍ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر الظہر فی شدة الحر، ص ۴۰، نمبر ۱۵۷) حدیث سے معلوم ہوا کہ گرمی ہو تو ظہر کی نماز مؤخر کر کے پڑھنا مستحب ہے

(۱۹۴)وتاخير العصر مالم تتغير الشمس فى الصيف والشتاء ﴾ ل لما فيه من تكثير النوافل لكراهتها بعده

---

(۲)حضرت انس کی روایت یہ ہے۔ سمعت انس بن مالک يقول كان النبى ﷺ اذا اشتد البرد بكر بالصلوة واذا اشتد الحر ابرد بالصلوة يعنى الجمعة . (بخاری شریف، باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ کتاب الجمعۃ نمبر ۹۰۶)
اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔
(۳)سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اسکے لئے ایک روایت یہ بھی ہے۔ عن انس بن مالک ان رسول الله ﷺ خرج حين زاغت الشمس فصلى الظهر . (بخاری شریف، باب وقت الظہر عند الزوال ص ۷۷ نمبر ۵۴۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی ہو تو نماز جلدی پڑھی جائے۔

ترجمه: (۱۹۴) عصر مؤخر کرے جب تک سورج میں زردی نہ آجائے۔ چاہے گرمی میں ہو چاہے سردی میں۔

وجه: (۱)حدیث میں ہے عن علی بن شیبان قال قدمنا علی رسول الله ﷺ الى المدينة فكان يؤخر العصر مادامت الشمس بيضاء نقية (ابوداؤد شریف، باب فی وقت صلوۃ العصر ص ۶۵ نمبر ۴۰۸)(۲)دوسری حدیث میں ہے سمعت ابا مسعود الانصارى يقول ... ورأيته يصلى العصر والشمس مرتفعة بيضاء قبل ان تدخلها الصفرة ۔(دار قطنی، باب ذکر بیان المواقیت واختلاف الروایات فی ذلک ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷۵)ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔

ترجمه: ل اسلئے کہ اس صورت میں نوافل کی کثرت ہے، اسلئے کہ نوافل اسکے بعد مکروہ ہے۔

تشريح: عصر کو موءخر کر کے پڑھنے کی وجہ بتا رہے ہیں کہ عصر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے، اسلئے عصر کو موءخر کر کے پڑھے تا کہ اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ سکے۔ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابى هريرة قال : نهى رسول الله ﷺ عن صلاتين : بعد الفجر حتى تطلع الشمس ، و بعد العصر حتى تغرب ۔(بخاری شریف، باب لا تتحری الصلاۃ قبل غروب الشمس، ص ۸۲، نمبر ۵۸۸ / مسلم شریف، باب الاوقات التی نہی عن الصلوۃ فیھا، ص ۳۳۳ نمبر ۸۲۵ / ۱۹۲۰)اس حدیث میں ہے کہ عصر کے بعد نوافل مکروہ ہے۔ اسلئے عصر تاخیر سے پڑھے تا کہ اس سے پہلے زیادہ سے زیادہ نوافل پڑھ سکے۔ تا کہ عصر سے پہلے سنن اور نوافل پڑھ سکے۔ کیونکہ عصر کی نماز کے بعد نوافل نہیں پڑھ سکیں گے۔

۲ والمعتبر تغير القُرص وهوان يصير بحال لاتحار فيه الاعيُن هو الصحيح والتاخير اليه مكروه

(۱۹۵) ويستحب تعجيل المغرب

ترجمه : ۲ اور اعتبار ٹکیے کا بدلنا ہے۔اور وہ یہ ہے کہ اس حال میں ہو کہ آنکھیں اس پر نہ چوندھیاویں، یہی صحیح ہے، اور وہاں تک تاخیر مکروہ ہے۔

تشریح : عصر کو موءخر کرنا افضل تو ہے لیکن اتنی تاخیر افضل ہے کہ سورج کے ٹکیہ پر زردی نہ آجائے وہاں تک موءخر کرنا افضل ہے لیکن اگر سورج کے ٹکیے پر زردی آ گئی، اور اس پر نظر جمائیں تو اب آنکھیں نہ چوندھیائیں تو یہاں تک موءخر کرنا مکروہ ہے صحیح یہی ہے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔

وجه: (۱) سمعت ابا مسعود الانصاری یقول ... ورأيته يصلى العصر والشمس مرتفعة بيضاء قبل ان تدخلها الصفرة ۔(دار قطنی، باب ذکر بیان المواقیت واختلاف الروایات فی ذلک ج اول ص ۲۵۹ نمبر ۹۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آفتاب زرد ہونے سے پہلے تک عصر کی نماز مؤخر کرنا مستحب ہے۔(۲) قال : دخلنا على انس بن مالک بعد الظهر فقام يصلى العصر .... تلک صلوة المنافقين ، يجلس أحدهم حتى اذا اصفرت الشمس ، فكانت بين قرنى شيطان أو على قرنى الشيطان ، قام فنقر أربعا لا يذكر الله عز وجل فيها الا قليلاً ۔(ابوداود شریف، باب وقت العصر، ص ۶۴، نمبر ۴۱۳) اس حدیث میں ہے کہ سورج زرد ہو جائے تو اس وقت منافق کی نماز ہوتی ہے اسلئے سورج زرد ہوتے وقت نماز مکروہ ہے۔ البتہ نماز ہو جائے گی۔اسلئے کہ ابھی وقت ہے۔(۳) دوسری حدیث بھی ہے عن عبد الله بن عمران النبی ﷺ قال اذا صليتم الفجر ... فاذا صليتم العصر فانه وقت الى أن تصفر الشمس (مسلم شریف، باب اوقات الصلوات الخمس ص ۲۲۲ نمبر ۶۱۲ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی مواقیت الصلوۃ ص ۴۰ نمبر ۱۵۱) اس حدیث میں سورج زرد ہونے تک مستحب وقت بتایا ہے۔

ترجمه: (۱۹۵) مغرب کو جلدی پڑھنا (مستحب ہے)۔

وجه: (۱) اوپر کی حدیث میں دیکھا کہ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے دونوں دن ایک ہی وقت میں مغرب کی نماز پڑھائی اس کا مطلب یہ ہے کہ اول وقت میں مغرب کی نماز پڑھنا مستحب ہے اخبرنی ابن عباس ان النبی ﷺ قال امنى جبرئيل عند البيت مرتين .... ثم صلى المغرب حين وجبت الشمس وافطر الصائم .... ثم صلى المغرب لوقته الاول ثم صلى العشاء الآخرة حين ذهب ثلث الليل ثم صلى الصبح حين اسفرت الارض ثم التفت الى جبرئيل فقال يا محمد هذا وقت الانبياء من قبلك والوقت فيما بين هذين الوقتين. (ترمذی شریف، باب ماجاء

۱ لان تاخيرهامكروه لمافيه من التشبه باليهود ۲ وقال عليه السلام لا تزال امتى بخير ماعجلوا المغرب واخروا العشاء (۱۹۶)وتاخير العشاء الى ماقبل ثلث الليل ۱ لقوله عليه السلام لولا ان اشُقّ علىٰ امتى لاخرت العشاء الى ثلث الليل ۲ ولان فيه قطع السمر المنهى عنه بعده

مواقیت الصلوۃ عن النبی ﷺ ص ۳۸ ابواب الصلوۃ نمبر ۱۴۹/ابوداؤد شریف، باب المواقیت، ص ۶۲، نمبر ۳۹۳) اس حدیث میں ہے کہ مغرب کی نماز سورج ڈوبتے ہی پڑھے۔(۲) حدیث میں ہے فقام اليه ابو ايوبؓ ... وقال اما سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تزال امتى بخير او قال على الفطرة مالم يؤخروا المغرب الى ان تشتبک النجوم ۔(ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸/ابن ماجہ، باب وقت صلاۃ المغرب، ص ۹۷، نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔

لغت: قرص: سورج کا ٹکیہ۔ تحار: آنکھ کا چوندھیانا، حیران سے مشتق ہے۔ اعین: عین کی جمع ہے۔ آنکھ

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ مغرب کا موخر کرنا مکروہ ہے ،اسلئے کہ اس میں یہود کے ساتھ مشابہ ہے۔

تشریح : یہود تاخیر کر کے عبادت کرتے ہیں، اسلئے اگر ہم بھی تاخیر کر کے مغرب کی نماز پڑھیں تو یہود کے ساتھ مشابہت ہو جائے گی اسلئے جلدی سے مغرب کی نماز پڑھنی چاہئے۔ یہ دلیل عقلی ہے۔

ترجمہ: ۲ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میری امت اس وقت تک خیر پر رہے گی جب تک مغرب جلدی پڑھتی رہے گی، اور عشاء موخر کر کے پڑھتی رہے گی۔۔ یہ حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمہ :(۱۹۶) عشاء کو تہائی رات سے پہلے پہلے تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ، اگر امت پر مشقت کا خوف نہ ہوتا تو عشاء کو تہائی رات تک موخر کرتا ۔

وجه : اوپر کی حدیث یہ ہے عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ لو لا ان اشق على امتى لامرتهم ان يؤخروا العشاء الى ثلث الليل او نصفه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی تاخیر العشاء الآخرۃ ص ۴۲ نمبر ۱۶۷/ابوداؤد شریف، باب ما وقت العشاء الآخرۃ ص ۶۶ نمبر ۴۲۲) اس سے معلوم ہوا کہ عشا کی نماز کو تہائی رات تک مؤخر کرنا مستحب ہے۔ عام حالات میں تہائی رات، رات کا دس بجے گا، دیہات کے لوگ اس وقت سونا چاہتے ہیں۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے کہ اس صورت میں گپ شپ کو منقطع کرنا ہے جو عشاء کے بعد روکا گیا ہے۔

حدیث یہ ہے۔ عن ابى برزة أن رسول الله ﷺ كان يكره النوم قبل العشاء و الحديث بعدها . (بخاری شریف ، باب ما یکرہ من النوم قبل العشاء، ص ۸۰، نمبر ۵۶۸/ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراھیۃ النوم قبل العشاء والسمر بعدھا، ص ۴۲ نمبر

۳؎ وقیل فی الصیف تعجل کیلاتتقلل الجماعة ۴؎ والتاخیر الیٰ نصف اللیل مباح لان دلیل الکراهة وهو تقلیل الجماعة عارضۂ دلیل الندب وهو قطع السمر بواحد فیثبت الاباحة الی النصف

---

۱۶۸)اس حدیث میں ہے کہ عشاء کے بعد گپ شپ کرنا مکروہ ہے اسلئے عشاء کو موءخر کر کے پڑھے تا کہ عشاء کے بعد فورا سو جائے اور گپ شپ کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔

ترجمہ: ۳؎ اور یہ بھی کہا گیا کہ گرمی میں جلدی کرے تا کہ جماعت کی قلت نہ ہو۔

تشریح : گرمی میں سورج دیر سے ڈبتا ہے اور آدمی جلدی سونا چاہتا ہے۔اب اگر عشاء کی نماز کافی دیر کر کے پڑھے تو جماعت میں لوگ کم شریک ہونگے ،اسلئے بعض حضرات فرماتے ہیں کہ گرمی کے زمانے میں عشاء کی نماز تھوڑی جلدی کر کے پڑھے۔اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔**سألنا جابر بن عبد الله عن صلوة النبی ﷺ فقال : کان النبی ﷺ یصلی الظهر بالهاجرة ، و العصر و الشمس حیة ، و المغرب اذا وجبت ، و العشاء اذا کثر الناس عجل ، و اذا قلوا تأخر ، و الصبح بغلس** ۔(بخاری شریف، باب وقت العشاء اذا اجتمع الناس أو تأخروا،ص ۸۰،نمبر ۵۶۵) اس حدیث میں ہے کہ لوگ زیادہ جمع ہو جاتے تو عشاء جلدی پڑھتے ،اور کم ہوتے تو تاخیر کرتے تا کہ لوگ کثرت سے جمع ہو جائے ،اس سے معلوم ہوا کہ نماز تھوڑی مقدم یا موءخر کرنے میں لوگوں کے جمع ہونے کا بھی اعتبار کیا جائے گا۔بشرطیکہ مکروہ وقت میں نہ چلا جائے۔

ترجمہ: ۴؎ اور آدھی رات تک موءخر کرنا مباح ہے،اسلئے کہ مکروہ ہونے کی دلیل جماعت کا کم ہونا ہے۔اور آدھی رات تک مستحب ہونے کی دلیل اسکے معارض ہے،اور وہ ہے کہ بالکلیہ گپ شپ بند ہو جائے ،اسلئے آدھی رات تک موءخر کرنا مباح ثابت ہوا۔

تشریح : تہائی رات تک عشاء کی نماز موءخر کرنا مستحب ہے اور آدھی رات تک موءخر کرنا مباح ہے، یہاں دو قسم کی دلیلیں ہیں ۔آدھی رات تک موءخر کرے گا تو رات کے دس بجے اور بارہ بجے کے درمیان ہوگا اسلئے اسکے بعد گپ شپ کا کوئی موقع نہیں رہے گا ہر آدمی سونا چاہے گا ،اسلئے گپ شپ مکمل ختم کرنے کے لئے آدھی رات تک موءخر کرنا مستحب ہونا چاہئے ۔لیکن اس وقت کافی آدمی سو چکے ہونگے اسلئے جماعت میں بہت کمی واقع ہو جائے گی ،اور اتنی تاخیر جس سے جماعت میں انتہائی کمی واقع ہو جائے مکروہ ہے۔اب مکروہ اور مستحب دونوں ایک دوسرے کے مقابل ہو گئے ،اسلئے مستحب کے بجائے آدھی رات تک یعنی دس بجے کے بعد اور بارہ بجے سے پہلے پہلے تک موءخر کرنا مباح رہ گیا۔یہ دلیل عقلی ہے۔(۲) آدھی رات موءخر کرنے کے لئے حدیث یہ ہے۔**عن انس قال : أخر النبی ﷺ صلاة العشاء الی نصف اللیل ،ثم صلی ، ثم قال : قد صلی الناس و ناموا ، أما**

ﮥ والی النصف الاخیر مکروہ لما فیه تقلیل الجماعة وقد انقطع السمر قبله (۱۹۷)ویستحب فی الوتر لمن یألف صلوٰۃ اللیل اٰخراللیل فان لم یَثق بالانتباہ اوتر قبل النوم ﴾ لـ لقوله علیه السلام من خاف ان لایقوم اٰخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع ان یقوم اٰخر اللیل فلیوتر اٰخر اللیل

انکم فی صلوۃ ما انتظر تموها ۔(بخاری شریف، باب وقت العشاء الی نصف اللیل،ص ۸۱،نمبر ۵۷۲ رمسلم شریف،باب وقت العشاء وتاخیرها،ص ۲۲۸،نمبر ۶۴۰/۱۴۴۹) اس حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے آدھی رات تک عشاء موءخر کی، پھر آپ ؐ نے نماز کے بعد جو معذرت پیش کی کہ لوگ سو گئے اور تم لوگ ابھی نماز میں ہو، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آدھی رات تک موءخر کرنا صرف مباح ہے مستحب نہیں ہے، پھر اس کو مستحب قرار دیں تو بارہ بجے تک کون جگے گا!

ترجمه: ﮥ اور نصف آخیر تک موءخر کرنا مکروہ ہے اسلئے کہ اس میں جماعت کا کم ہونا ہے، اور گپ شپ کرنا تو اس سے بہت پہلے ختم ہو چکا ہے۔

تشریح : نصف آخیر رات کے بارہ بجے کے بعد سے شروع ہوگا، اس وقت نماز عشاء پڑھے گا تو بہت کم لوگ شریک ہو سکیں گے جو مکرہ ہے، اور گپ شپ کرنا تو بہت پہلے ختم ہو چکا ہے، اسلئے بارہ بجے کے بعد نماز عشاء پڑھنا مکروہ ہے، البتہ چونکہ وقت باقی ہے اسلئے نماز ادا ہی ہوگی

لغت : ثلث اللیل: تہائی رات، پوری رات کو بارہ گھنٹہ مانیں تو تہائی رات مغرب کے بعد چار گھنٹہ ہوگا، اور تقریبا دس بجے رات ہوگی۔ السمر :رات میں گپ شپ لگانا۔ ندب: مستحب، افضل۔ مباح: جائز تو ہو لیکن افضل نہیں۔

ترجمه: (۱۹۷) وتر میں مستحب اس شخص کے لئے جس کو تہجد پڑھنے کا شوق ہو یہ ہے کہ موءخر کرے رات کے اخیر حصہ تک، اور اگر اعتماد نہ ہو جاگنے پر تو وتر پڑھے سونے سے پہلے۔

ترجمه: لـ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جسکو خوف ہو کہ آخیر رات میں نہ اٹھ سکے تو وہ شروع رات میں وتر پڑھ لے، اور جسکو امید ہو کہ آخیر رات میں اٹھ جائے گا تو آخیر رات میں وتر پڑھے۔

تشریح : جس کو تہجد پڑھنے کا شوق اور عادت ہو وہ وتر رات کے اخیر حصہ میں پڑھے۔ اور جسکو جاگنے پر اعتماد نہ ہو تو اس کو سونے سے پہلے وتر پڑھ لینا چاہئے۔

وجه: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر قال رسول الله ﷺ من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اوله ومن طمع ان یقوم آخره فلیوتر آخر اللیل فان صلوۃ آخر اللیل مشهودة و ذلک افضل. (مسلم شریف، باب من خاف ان لا یقوم من آخر اللیل فلیوتر اوله،ص ۲۵۸،نمبر ۷۵۵/۱۷۶۶/ابن ماجه، باب ما جاء فی الوتر آخر اللیل،ص ۱۶۶،نمبر

(۱۹۸)واذا کان یوم غیم فالمستحب فی الفجر والظھر والمغرب تاخیرھا فی العصر والعشاء تعجیلھا ﴿ ۱ لان فی تاخیر العشاء تقلیل الجماعۃ علیٰ اعتبار المطروفی تاخیر العصر توھم الوقوع فی الوقت المکروہ ولا توھم فی الفجر لان تلک المدۃ مدیدۃ

۱۱۸۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وتر اخیر میں پڑھنا چاہئے۔لیکن اگر سوجانے کا خطرہ ہوتو سونے سے پہلے پڑھ لینا چاہئے۔

لغت: یثق بالانتباہ : جاگنے پر اعتماد ہو۔یأ لف:جسکو الفت ہو،امید ہو۔طمع:لالچ ہو،امید ہو۔

ترجمہ : (۱۹۸) اگر بادل کا دن ہوتو فجر،اور ظہر اور مغرب میں مستحب ہے کہ اسکو موءخر کرے،اور عصر اور عشاء میں اسکو جلدی کرے۔

تشریح :اس مسئلے کا تعلق اس بات پر ہے کہ جن عذروں سے جماعت میں کمی واقع ہوتی ہو وہ موجود ہوں تو وقت کے اندر رہتے ہوئے تاخیر کے ساتھ یا جلدی نماز پڑھنا مستحب ہے تا کہ جماعت میں مصلی کی کثرت ہو۔اب بادل کا دن ہوتو فجر اور ظہر،اور مغرب میں تاخیر کر کے نماز پڑھے تا کہ بارش کے باوجود زیادہ سے زیادہ لوگ جماعت میں شریک ہو سکے

وجہ : اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے (۱)**عن جابر قال : کنا مع النبی ﷺ فی سفر فأصابنا مطر فقال النبی ﷺ : من شاء فلیصل فی رحلہ** ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء اذا کان المطر فالصلاۃ فی الرحال،ص۹۴،نمبر ۴۰۹) اس حدیث میں بارش کی وجہ سے اپنی منزل پر نماز پڑھنے کے لئے کہا تو جماعت کی کمی کی وجہ سے مقدم موءخر بھی کیا جا سکتا ہے۔(۲) **سمعت انس بن مالک یقول کان النبی ﷺ اذا اشتد البرد بکر بالصلوۃ واذا اشتد الحر ابرد بالصلوۃ یعنی الجمعۃ** . (بخاری شریف،باب اذا اشتد الحر یوم الجمعۃ ص ۱۲۴ کتاب الجمعۃ نمبر ۹۰۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سردی میں ظہر کی نماز جلدی پڑھے اور گرمی میں دیر کر کے پڑھے۔اسی سے یہ قاعدہ نکلا کہ جس وقت میں جماعت زیادہ ہو اس وقت میں نماز پڑھے۔ اور عصر اور عشاء میں جلدی کر کے نماز پڑھے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ عشاء میں تاخیر کرے گا تو بارش کی وجہ سے لوگ نہیں آئیں گے اسلئے عشاء میں جلدی کرے۔اور عصر میں جلدی اسلئے کرے کہ تاخیر کرنے سے کہیں مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے اور بادل کی وجہ سے آدمی کو پتہ بھی نہ چلے۔حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔**عن بریدۃ الاسلمی قال : کنا مع رسول اللہ ﷺ فی غزوۃ فقال : بکروا بالصلوۃ فی الیوم الغیم فانہ من فاتتہ صلاۃ العصر حبط عملہ** ۔(ابن ماجہ شریف،باب میقات الصلاۃ فی الغیم،ص ۹۸،نمبر ۶۹۴)اس حدیث میں ہے کہ بادل کے دن عصر کی نماز جلدی پڑھنی چاہئے،تاخیر کی وجہ سے کہیں نماز فوت ہی نہ ہو جائے،یا مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ عشاء کو موءخر کرنے میں جماعت کی کمی ہوگی بارش کی وجہ سے،اور عصر کو موءخر کرنے میں مکروہ وقت میں

۲؎وعن ابی حنیفةؒ التاخیر فی الکل للاحتیاط الا تری انه یجوز الا داء بعد الوقت لاقبل

داخل ہونے کا وھم ہے،اور فجر میں کوئی وھم نہیں ہے اسلئے کہ یہاں وقت لمبا ہے۔

تشریح : یہ نماز موءخر اور مقدم کرنے کی دلیل ہے۔کہ عشاء کوموءخر کریں تو بارش کی وجہ سے جماعت میں کمی واقع ہوگی اسلئے بادل کے دن عشاء کوجلدی پڑھیں۔اور عصر کو جلدی اسلئے کریں کہ کہیں مکروہ وقت نہ داخل ہو جائے۔اور فجر کا وقت لمبا ہے اسلئے موءخر کرنے سے مکروہ وقت میں داخل ہونے کا خطرہ کم ہے۔

ترجمه: ۲؎ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ احتیاط کے لئے تمام نمازوں میں تاخیر مستحب ہے،کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ وقت کے بعد ادا جائز ہے اس سے پہلے نہیں۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ بادل کے دن تمام نمازوں کوموءخر کر کے پڑھے،اسکی وجہ یہ ہے کہ جلدی کرنے میں جماعت کی کمی ہوگی،زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ بادل کی وجہ سے وقت نکل جائے گا اور آدمی کو پتہ نہیں چلے گا۔لیکن اس میں کوئی حرج نہیں ہے،کیونکہ وقت نکلے گا تو نماز قضا ہو جائے گی،اور مان لیا جائے کہ بادل کی وجہ سے وقت سے پہلے پڑھ لیا تو نماز ہی نہیں ہوگی،اسلئے تمام نمازوں میں موءخر کرنا مستحب ہے۔

﴿فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلوٰۃ﴾

(۱۹۹) لا تجوز الصلوٰۃ عند طلوع الشمس ولا عندقیامہا فی الظھیرۃ ولاعند غروبہا ﴾ ۱؎ لحدیث عقبۃبن عامرؓ قال ثلثۃ اوقات نہانارسول اللّٰہ علیہ السلام ان نصلی وان نقبر فیہا موتاناعندطلوع الشمس حتی ترتفع وعندزوالہاحتی تزول وحین تضیّف للغروب حتی تغرب ۲؎ والمراد بقولہٖ وان نقبر صلوٰۃ الجنازۃ لان الدفن غیر مکروہ

﴿فصل فی الاوقات التی تکرہ فیہا الصلوۃ﴾

ترجمہ: (۱۹۹) نماز جائز نہیں ہے آفتاب کے طلوع ہوتے وقت، اور نہ ٹھیک دوپہر کے وقت، اور نہ اسکے غروب ہوتے وقت۔

ترجمہ: ۱؎ عقبہ بن عامر کی حدیث کی وجہ سے فرمایا کہ تین اوقات میں ہمیں رسول اللہؐ نے روکا ہے کہ ہم اس میں نماز پڑھیں اور اپنے مردے کا نماز جنازہ پڑھیں: سورج طلوع ہوتے وقت، یہاں تک کہ بلند ہو جائے، اور ٹھیک دوپہر کے وقت میں یہاں تک کہ سورج ڈھل جائے، اور غروب کے لئے جائے، جب تک کہ غروب نہ ہو جائے۔

تشریح: ان تین اوقات میں نماز پڑھنا بھی مکروہ ہے اور نماز جنازہ پڑھنا بھی مکروہ ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں ان اوقات میں نماز پڑھنے سے روکا ہے۔

وجہ: حدیث یہ ہے۔ سمعت عقبۃ بن عامر الجھنی یقول: ثلاث ساعات کان رسول اللہ ﷺ ینہانا أن نصلی فیھن، أو أن نقبر فیھن موتانا: حین تطلع الشمس بازغۃ حتی ترتفع، و حین یقوم قائم الظھیرۃ حتی تمیل الشمس، و حین تضیّف الشمس للغروب حتی تغرب (مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ، ص ۳۳۴، نمبر ۱۹۲۹/۸۳۱/ ابوداود شریف، باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبہا، ص ۴۶۶، نمبر ۳۱۹۲/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراھیۃ الصلوۃ علی الجنازۃ، ص ۲۴۹، نمبر ۱۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ تین اوقات میں نماز پڑھنا مکروہ ہے۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ ان اوقات میں کفار سورج کی پوجا کرتے ہیں، اگر مسلمان نماز پڑھے تو شبہ ہو سکتا ہے کہ مسلمان بھی سورج کی پوجا کر رہے ہیں اسلئے مسلمانوں کو ان اوقات میں نماز پڑھنے سے روک دیا گیا۔

ترجمہ: ۲؎ اور حدیث میں ان نقبر فیھن موتانا، سے مراد نماز جنازہ ہے، اسلئے کہ دفن کرنا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح: اوپر حدیث میں ان نقبر فیھن موتانا ہے، اس کا ترجمہ تو یہ ہوتا ہے کہ ان تین اوقات میں مردے کو دفن کرنا بھی مکروہ ہے۔ اسلئے اس حدیث کا مطلب بیان فرما رہے ہیں کہ، اسکا مطلب یہ ہے کہ ان اوقات میں نماز جنازہ نہیں پڑھ سکتے، کیونکہ

۳؎ والحديث باطلاقه حجة على الشافعیؒ فی تخصیص الفرائض بمکۃ ۴؎ وحجة علیٰ ابی یوسفؒ فی اباحة النفل یوم الجمعة وقت الزوال (۲۰۰) قالو لاصلوٰۃ جنازۃ﴾ ۱؎ لما روینا

وہ بھی نماز ہے، باقی مردے کو تو دفن کر سکتے ہیں۔ و قال ابن المبارک : معنی هذا الحديث أن نقبر فيهن موتانا ، یعنی الصلاة على الجنازة و کره الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس و عند غروبها . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراهية الصلاة على الجنازة عند طلوع الشمس وعند غروبها، ص ۲۴۹، نمبر ۱۰۳۰) اس اثر میں ہے کہ تقبر کا مطلب جنازے پر نماز پڑھنا مکروہ ہے

ترجمہ: ۳؎ اور حدیث اپنے مطلق ہونے کی وجہ سے امام شافعیؒ پر حجت ہے فرض کے خاص کرنے میں مکہ مکرمہ میں۔

تشریح : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں اوقات مکروہ میں بھی فرض پڑھ سکتا ہے۔

وجہ :انکی دلیل یہ حدیث ہے۔عن جبیر بن مطعم : أن النبی ﷺ قال : یا بنی عبد مناف ! لا تمنعوا أحداً طاف بهذ البیت و صلی أیة ساعة شاء من لیل و نهار ۔(سنن نسائی، باب اباحۃ الصلاۃ فی الساعات کلھا بمکۃ، ص ۸۰، نمبر ۵۸۶) اس حدیث میں ہے کہ مکہ مکرمہ میں کسی وقت میں بھی نماز پڑھ سکتا ہے اسلئے اوقات مکروہ میں فرض بھی پڑھ سکتا ہے۔۔اوپر کی حدیث انکے خلاف حجت ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اور امام ابو یوسفؒ پر حجت ہے نفل کے مباح قرار دینے میں جمعہ کے دن زوال کے وقت میں۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن نفل ٹھیک دوپہر کے وقت بھی پڑھ سکتا ہے۔انکا استدلال اس حدیث سے ہے۔عن جابر بن عبد الله قال : كنا نصلی مع رسول الله ﷺ الجمعة ثم نرجع فنریح نواضحنا قلت : اية ساعة ؟ قال : زوال الشمس ۔(سنن نسائی، باب وقت الجمعۃ، ص ۱۹۷، نمبر ۱۳۹۱) اس حدیث میں ہے کہ زوال کے وقت جمعہ پڑھتے تھے تو جمعہ کے دن زوال کے وقت نفل بھی پڑھنا جائز ہے۔(۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن ابی قتادة أن النبی ﷺ نهی عن الصلاة نصف النهار الا یوم الجمعة لان جهنم تسعر كل یوم الا یوم الجمعة ۔(سنن بیہقی ، باب الصلاۃ یوم الجمعۃ نصف النہار الخ، ج الثالث، ص ۲۷۴، نمبر ۵۶۸۸) اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن ٹھیک دوپہر کو نماز پڑھ سکتا ہے۔۔اوپر کی حدیث انکے خلاف بھی حجت ہے۔

ترجمہ :(۲۰۰) ان تین اوقات میں نماز جنازہ بھی جائز نہیں۔

ترجمہ: ۱؎ اس حدیث کی بنا پر جو ہمنے روایت کی۔

تشریح : ان تین اوقات مکروہ میں نماز جنازہ جائز نہیں ہے، کیونکہ یہ حدیث اوپر گزر گئی ہے۔ سمعت عقبة بن عامر

(۲۰۱) ولا سجدة تلاوة ﴾ ل لانها في معنى الصلوٰة (۲۰۲) الا عصر يومه عند الغروب ﴾

الجهني يقول : ثلاث ساعات كان رسول الله ﷺ ينهانا أن نصلي فيهن ، أو أن نقبر فيهن موتانا : حين تطلع الشمس بازغة حتى ترتفع ، و حين يقوم قائم الظهيرة حتى تميل الشمس ،و حين تضيّف الشمس للغروب حتى تغرب (مسلم شریف، باب الاوقات التی نھی عن الصلاۃ ص ۳۳۴، نمبر ۱۹۲۹/۸۳۱ /ابوداود شریف، باب الدفن عند طلوع الشمس وغروبہا، ص ۴۶۶، نمبر ۳۱۹۲/ ترمذی شریف، باب ما جاء فی کراہیۃ الصلوۃ علی الجنازۃ، ص ۲۴۹، نمبر ۱۰۳۰) اس حدیث میں ہے کہ وقت مکروہ میں قبر میں دفن نہ کریں، یعنی نماز جنازہ نہ پڑھیں۔ لیکن اگر ان وقتوں میں نماز جنازہ پڑھ لی تو ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی۔

ترجمہ: (۲۰۱) ان وقتوں میں سجدہ تلاوت بھی نہ کرے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ یہ بھی نماز کے معنی میں ہے۔

وجہ :ان وقتوں میں سجدہ تلاوت بھی نہ کرے اسکی اصل وجہ یہ ہے کہ ان وقتوں میں کفار سورج کی پوجا کرتے ہیں اور شیطان اسکے سامنے کھڑا ہو جاتا ہے۔ اسلئے اگر مسلمان ان وقتوں میں سجدہ تلاوت کرے تو چونکہ سجدہ ہے اسلئے ایسا محسوس ہو سکتا ہے کہ سورج کو سجدہ کر رہا ہے، اسلئے ان وقتوں میں سجدہ تلاوت سے بھی منع فرمایا (۲) اس لمبی حدیث کے ٹکڑے میں اسکا ثبوت ہے۔ قال عمرو بن عبسة السلمي ....فقلت : يا نبي الله !أخبرني عما علمك الله و أجهله ، أخبرني عن الصلاة ؟ قال : صل صلاة الصبح ، ثم اقصر عن الصلاة حتى تطلع الشمس حتى ترتفع ، فانها تطلع حين تطلع بين قرني شيطان ، و حينئذ يسجد لها الكفار ، ثم صل ، فان الصلاة مشهودة محضورة ، حتى يستقل الظل بالرمح ، ثم أقصر عن الصلاة فان حينئذ تسجر جهنم ، فاذا اقبل الفيء فصل ، فان الصلاة مشهودة محضورة حتى تصلي العصر ، ثم اقصر عن الصلاة حتى تغرب الشمس فانها تغرب بين قرني الشيطان و حينئذ يسجد لها الكفار۔ (مسلم شریف، باب اسلام عمرو بن عبسۃ۔ ابواب صلاۃ المسافرین، ص ۳۳۴، نمبر ۱۹۳۰/۸۳۲ / سنن نسائی، باب النھی عن الصلاۃ بعد العصر، ص ۹۷، نمبر ۵۷۳) اس حدیث میں ہے کہ اس وقت کفار سورج کو سجدہ کرتے ہیں اسلئے مسلمانوں کو سجدہ نہیں کرنا چاہئے، چاہے سجدہ تلاوت ہی کیوں نہ ہو۔

ترجمہ: (۲۰۲) مگر اس دن کی عصر سورج غروب ہوتے وقت۔

تشریح : سورج غروب ہوتے وقت کوئی بھی نماز پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اسی دن کی عصر ابھی نہیں پڑھی ہے تو آفتاب کے غروب کے وقت بھی پڑھ سکتا ہے، نماز ہو جائے گی البتہ چونکہ مکروہ وقت میں پڑھ رہا ہے اسلئے مکروہ ہوگی۔

لے لان السبب ھو الجزء القائم من الوقت لانہ لوتعلق بالکل لوجب الاداء بعدہ ولوتعلق بالجزء

وجہ : (١)حدیث میں ہے کہ غروب سے پہلے ایک رکعت بھی پایا تو گویا کہ نماز عصر پالی،اور یہ یقینی بات ہے کہ ایک رکعت کے بعد جب مزید تین رکعتیں پڑھنے جائے گا تو آفتاب غروب ہو چکا ہوگا،تو اسکا مطلب یہ نکلا کہ عصر کی باقی تین رکعتیں غروب کے وقت پڑھنا جائز ہے،اسلئے اس حدیث کے اشارے سے معلوم ہوا کہ اس دن کی عصر سورج کے غروب کے وقت بھی پڑھنا جائز ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرک العصر (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ،ص ٨٢، نمبر ٥٧٩/ترمذی شریف، باب ماجاء فیمن ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ٤٥ نمبر ١٨٦) اس حدیث میں ہے کہ غروب سے پہلے ایک رکعت پالے تو عصر پالی،جس سے پتہ چلتا ہے کہ غروب کے وقت عصر پڑھنا جائز ہے(٢) قال : دخلنا علی انس بن مالک بعد الظھر فقام یصلی العصر ....تلک صلوۃ المنافقین ، یجلس أحدھم حتی اذا اصفرت الشمس ، فکانت بین قرنی شیطان أو علی قرنی الشیطان ، قام فنقر أربعا لا یذکر اللہ عز و جل فیھا الا قلیلاً ۔(ابوداود شریف،باب وقت العصر،ص ٦٤،نمبر ٤١٣) اس حدیث میں ہے کہ سورج شیطان کے سینگ کے درمیان ہوتا ہے اور منافق عصر کی نماز پڑھتا ہے،اس سے اشارہ ہوتا ہے کہ سورج ڈوبنے جا رہا ہے، کیونکہ ڈوبنے کے وقت ہی سورج شیطان کے سینگ کے درمیان ہوتا ہے،اور اس وقت منافق کی نماز ہو جاتی ہے،جس سے اشارہ ہوتا ہے کہ اس دن کی عصر غروب کے وقت بھی ہو جائے گی۔البتہ یہ منافق کی نماز ہے اور وقت مکروہ میں ہے اسلئے نماز بہر حال مکروہ ہوگی۔

ایک بات اور یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ اس حدیث سے پتہ چلا کہ عصر کی نماز میں آخیر میں مکروہ وقت ہوتا ہے اور یہی وقت نماز کا سبب بنا،تو چونکہ مکروہ وقت نماز کا سبب بنا اسلئے غروب کے وقت مکروہ نماز پڑھی تو نماز ہو جائے گی۔

نوٹ : اس دن کی عصر کی نماز کے علاوہ کوئی اور نماز غروب کے وقت پڑھے گا تو روکنے والی حدیث کی وجہ سے فاسد ہو جائے گی۔

چونکہ اس حدیث سے اوپر کی حدیث۔من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقدادرک العصر (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ،ص ٨٢،نمبر ٥٧٩/ کی تائید ہوتی ہے کہ عصر کی نماز ہو جائے گی اسلئے حنفیہ عصر کی نماز کے بارے میں قائل ہوئے کہ ہو جائے گی ،اور فجر کے بارے میں کوئی تائید نہیں ہوئی اسلئے فجر کے بارے میں یہ ہے کہ آفتاب کے طلوع کے وقت اسی دن کی فجر پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ نماز کا سبب وقت کا وہ جز ہے جو ابھی موجود ہے،اسلئے کہ اگر سبب پورے وقت کے ساتھ متعلق ہو تو ادا کرنا

الماضی فالمؤدی فی اٰخر الوقت قاض واذا کان کذلک فقد اداھا کما وجبت

وقت کے بعد واجب ہونا چاہئے ،اور اگر گزرے ہوئے وقت کے ساتھ سبب متعلق ہو تو جو آخری وقت میں ادا کرنے والا ہوگا وہ قضا کرنے والا ہوگا ۔اور جب ایسا ہے تو جیسا واجب ہوا ویسا ادا کر دیا۔

تشریح : غروب کے وقت میں اس دن کی عصر ادا کرے تو وہ ادا ہو جائے گی اسکی یہ دلیل عقلی ہے۔عصر میں تین قسم کا وقت ہے (۱) سورج کے زرد ہونے سے پہلے پہلے تک بہتر اور افضل وقت ہے (۲) اور سورج کے زرد ہونے کے بعد سے غروب ہونے سے پہلے پہلے تک مکروہ وقت ہے، (۳) اور سورج غروب ہونے کے وقت فساد کا وقت ہے۔

ایک اور قاعدہ یاد رکھنے کی ہے۔کہ نماز واجب ہونے کا سبب نماز شروع کرنے سے پہلے جو اس سے متصل وقت ہے وہ اسکا سبب ہے ۔اگر وہ وقت مکروہ ہو، تو مکروہ واجب ہوگا اور مکروہ ہی ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔پورا وقت وہ بھی سبب نہیں ہے۔اور نماز سے دس منٹ پہلے جو وقت ہے وہ بھی سبب نہیں ہے۔۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر پورا وقت سبب ہو تو پورا وقت گزرنے کے بعد ہمیشہ نماز پڑھنی چاہئے ، کیونکہ سبب آنے کے بعد ہی مسبب واجب ہوتا ہے، حالانکہ لوگ وقت کے بعد نماز نہیں پڑھتے بلکہ وقت کے درمیان ہی نماز پڑھتے ہیں۔اسلئے پورا وقت نماز کا سبب نہیں ہے۔اور نماز سے دس منٹ پہلے جو وقت گزر گیا ہے وہ وقت بھی سبب نہیں ہے، اسلئے کہ مثلا تین بجے ظہر کا وقت ختم ہو رہا ہو اور کسی نے دو بجکر پچپن منٹ پر نماز شروع کی تو وہ نماز ادا نہیں قضا ہونی چاہئے کیونکہ سبب پانچ منٹ پہلے گزر چکا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے وہ ادا ہی ہے اس سے معلوم ہوا کہ نماز پہلے جو وقت گزر گیا ہے وہ بھی اسکا سبب نہیں ہے، بلکہ نماز سے جو وقت متصل ہے وہ اسکا سبب ہے۔۔اور جب نماز پہلے جو متصل وقت ہے وہ اسکا سبب ہے، تو سورج کے غروب سے پہلے مکروہ وقت ہے، وہ مکروہ وقت نماز عصر کے واجب ہونے کا سبب بنا، اور مکروہ وقت سبب بنا اسلئے مکروہ اور فساد کے وقت، یعنی غروب کے وقت میں ادا کر دیا تو نماز عصر ادا ہوگئی۔اسلئے اس دن کی عصر غروب کے وقت ادا کرے گا تو نماز ہو جائے گی۔۔اصل تو اوپر کی حدیث ہے جس سے نماز ادا ہوئی۔

نوٹ : فجر کا پورا وقت کامل ہے، اسکے آخیر میں مکروہ وقت نہیں ہے اسلئے اگر چہ یہ حدیث ہے کہ جس نے فجر کی ایک رکعت سورج کے طلوع سے پہلے پایا اس نے فجر پالی اسکے باوجود سورج نکلتے وقت فجر پڑھے گا تو فجر فاسد ہو جائے گی، اسلئے کہ اسکا پورا وقت کامل ہے اسلئے کامل ہی ادا کرنا ہوگا۔پھر عصر کی نماز صحیح ہونے میں جو اوپر حدیث گزری وہ فجر کی نماز کے بارے میں نہیں ہے اسلئے یہاں فاسد ہو جائے گی۔فجر کے سلسلے میں یہ حدیث گزری. **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال من ادرک من الصبح رکعۃ قبل ان تطلع الشمس فقد ادرک الصبح و من ادرک رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس فقد ادرک العصر** (بخاری شریف، باب من ادرک من الفجر رکعۃ،ص ۸۲، نمبر ۵۷۹ /ترمذی شریف، باب ما جاء فیمن ادرک

۲ بخلاف غیرھا من الصلوات لانھا وجبت کاملة فلا تتأدّی بالناقص ۳ قالؒ والمراد بالنفی المذکور فی صلوٰۃ الجنازۃ وسجدۃ التلاوۃ الکراھۃ حتی لو صلاھا فیہ او تلا سجدۃ فیہ وسجدھا جاز لانھا ادیت ناقصة کما وجبت اذ الوجوب بحضور الجنازۃ والتلاوۃ

رکعۃ من العصر قبل ان تغرب الشمس ص ۴۵ نمبر ۱۸۶) فجر کے سلسلے میں اس حدیث کا مطلب یہ ہوگا سورج کے طلوع ہونے سے کوئی بالغ ہوا، یا حائضہ پاک ہوئی تو ان پر فجر کی نماز واجب ہو جائے گی

ترجمہ: ۲ بخلاف اسکے علاوہ اور نمازوں کے اسلئے کہ وہ کامل واجب ہوئی ہے تو ناقص کے ذریعہ ادا نہیں کی جائے گی۔

تشریح: عصر کے علاوہ جتنی نمازیں ہیں ان سبھوں کا وقت پورا پورا کامل ہے، اسلئے کامل ہی ادا کرنا ہوگا مکروہ وقت میں ادا کرے گا تو ادا نہیں ہوگا۔ مثلا فجر کا وقت پورا کامل ہے اسلئے سبب کامل ہوا، اسلئے ناقص وقت میں، یعنی سورج کے طلوع ہوتے وقت میں نماز پڑھے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی، ادا نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳ مصنف نے فرمایا کہ نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت کے بارے میں جو اوپر نفی مذکور ہوئی اس سے مراد کراہیت ہے، یہاں تک کہ اگر اس وقت میں نماز جنازہ پڑھ لیا، یا سجدے کی آیت اس وقت میں تلاوت کی اور اسی میں سجدہ کرلیا تو جائز ہے، اسلئے کہ ناقص ادا کی جیسا کہ ناقص واجب ہوا تھا۔ اسلئے کہ نماز واجب ہوتی ہے جنازے کے حاضر ہونے سے، اور سجدہ واجب ہوتا ہے تلاوت کرنے سے۔

تشریح: اوپر گزرا کہ ان اوقات مکروہ میں نماز جنازہ جائز نہیں ہے اور نہ سجدہ تلاوت جائز ہے، اور اسکے لئے حدیث پیش کی، تو اسکا مطلب بتلاتے ہیں کہ جائز نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مکروہ ہیں، چنانچہ اگر کسی نے اوقات مکرہ میں نماز جنازہ پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی البتہ مکروہ ہوگی، یا اوقات مکروہ میں آیت سجدہ تلاوت کی اور اسی وقت مکروہ میں سجدہ بھی کرلیا تو سجدہ ہو جائے گا البتہ مکروہ ہوگا۔

وجہ: نماز جنازہ اور سجدہ تلاوت ہو جانے کی وجہ یہ ہے کہ جب جنازہ آجاتا ہے تب نماز جنازہ واجب ہوتی ہے اور وہ آیا کروہ وقت میں تو مکروہ وقت نماز کا سبب بنا اسلئے مکروہ وقت ہی میں ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا، کیونکہ ناقص واجب ہو تو ناقص ادا کر دینے سے ادا ہو جاتا ہے۔ (۲) حدیث میں اسکی تاکید ہے کہ جنازہ تیار ہو جائے تو جلدی نماز پڑھ کر دفن کرو اسلئے مکروہ وقت میں جنازہ آگیا تو مکروہ وقت ہی میں نماز پڑھ کر دفن کر دینا جائز ہوگا۔ حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ بن أبی طالب، أن النبی ﷺ قال له : یا علی ، ثلاث لا

(۲۰۳)ویکرہ ان یتنفل بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب﴾ ۱؎ لما روی انه علیه السلام نهی عن ذلک (۲۰۴)ولا بأس بان یصلی فی هذین الوقتین الفوائت ویسجد للتلاوة ویصلی علی الجنازة﴾

توخر ها : الصلاة اذا آنت ، و الجنازة اذا حضرت ، و الایم اذا وجدت لها کفو اً۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، ص۴۲، نمبر۱۷۱)اس حدیث میں ہے کہ جنازہ آجائے تو جلدی نماز پڑھ دو۔

اسی طرح سجدہ تلاوت کا سبب آیت سجدہ کا تلاوت کرنا ہے۔ پس اگر مکروہ وقت میں تلاوت کی تو مکرہ وقت ہی سبب بنا اسلئے مکروہ وقت میں ادا کر دیا تو ادا ہو جائے گا۔ البتہ مکروہ ہوگا۔(۲) پھر یہ کہ آیت سجدہ مکمل نماز نہیں ہے اسلئے بھی سجدہ کرنا جائز ہوگا۔

اصول : مکروہ وقت سبب بنے تو مکروہ وقت میں ادا کی جاسکتی ہے۔۔اور صحیح وقت سبب بنے تو صحیح وقت میں ہی ادا کرنا ہوگا۔

ترجمہ : (۲۰۳) اور مکروہ ہے کہ فجر کی نماز کے بعد نفل پڑھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اور عصر کی نماز کے بعد یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ اس نماز سے روکا ہے۔

تشریح : صبح کے فرض کے بعد سورج طلوع ہونے تک نفل نماز مکروہ ہے اسی طرح عصر کے فرض کے بعد سورج غروب ہونے تک نفل نماز مکروہ ہے۔ اسلئے کہ حضور ﷺ نے اس سے روکا ہے۔ حدیث یہ ہے۔

وجہ : عن ابن عباس....أن النبی ﷺ نهی عن الصلاة بعد الصبح حتی تشرق الشمس ، و بعد العصر حتی تغرب (بخاری شریف، باب الصلاة بعد الفجر حتی ترتفع الشمس، ص۸۲، نمبر۵۸۱ رمسلم شریف، باب اسلام عمرو بن عبسة، ص ۳۳۴، نمبر۸۳۲/۱۹۳۰) اس حدیث میں ہے کہ صبح کی فرض نماز کے بعد نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ سورج طلوع ہو جائے، اور عصر کی فرض کے بعد نماز نہ پڑھے یہاں تک کہ سورج ڈوب جائے۔

ترجمہ: (۲۰۴) اور کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں وقتوں میں فوت شدہ نماز پڑھیں، اور سجدہ تلاوت کریں، اور جنازے پر نماز پڑھیں۔

تشریح : اوپر بتایا کہ ان دو وقتوں میں نوافل پڑھنا مکروہ ہے، لیکن اگر پہلے کے فرائض قضا ہوں، یا نماز جنازہ ہو، یا کوئی واجب نماز ہو، یا سجدہ تلاوت ہو، یا کوئی ایسی نماز ہو جسکا سبب واجب ہو، جیسے نذر کی نماز، یا طواف ختم کرنے کی وجہ سے رکعت طواف جو واجب ہے۔ تو ان تمام نمازوں کو فجر کے فرض کے بعد، اور عصر کے فرض کے بعد پڑھ سکتا ہے۔

وجہ :(۱) حدیث میں ہے کہ ظہر کے بعد جو دو رکعت سنت پڑھتے تھے وہ چھوٹ گئی تو آپ ؐ نے اسکو عصر کے بعد پڑھی کیونکہ ظہر

۱؎ لان الکراهة كانت لحق الفرض ليصير الوقت كالمشغول به لالمعنى فى الوقت ۲؎ فلم تظهر فى حق الفرائض وفيها وجب لعينه كسجدة التلاوة، وظهر فى حق المنذور لانه تعلق وجوبه بسبب من جهته وفى حق ركعتى الطواف وفى الذى شرع فيه ثم افسده لان الوجوب لغيره وهو ختم الطواف وصيانة المؤدّى عن البطلان

کی سنت کی اہمیت تھی تو اسکو عصر کے بعد پڑھی، جس سے معلوم ہوا کہ اہم اور واجب نماز فجر اور عصر کے بعد پڑھی جاسکتی ہے۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ عن كريب مولى ابن عباس .... قالتؓ : يا ابنة أبى أمية ! سألت عن الركعتين بعد العصر ، انه أتانى أناس من بنى عبد القيس بالاسلام من قومهم ، فشغلونى عن الركعتين اللتين بعد الظهر ، فهما هاتان ۔ (مسلم شریف، باب معرفة الرکعتین اللتین کان یصلیهما النبی ﷺ بعد العصر، ص ۳۳۶، نمبر ۸۳۴/۱۹۳۳/ بخاری شریف ، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوها، ص ۸۳، نمبر ۵۹۰) اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی سنت قضا کے طور پر آپؐ نے عصر کے بعد پڑھی ہے۔ جس سے اندازہ ہوا کہ فرائض اور واجبات فجر اور عصر کے بعد پڑھی جاسکتی ہے۔ (۲) ایک اور حدیث ہے عن عائشة قالت : ما ترک رسول الله ﷺ ركعتين بعد العصر عندى قط (مسلم شریف، باب معرفة الرکعتین اللتین کان یصلیهما النبی ﷺ بعد العصر، ص ۳۳۶، نمبر ۸۳۴/ ۱۹۳۵/ بخاری شریف، باب ما یصلی بعد العصر من الفوائت ونحوها، ص ۸۳، نمبر ۵۹۱) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ عصر کے بعد نماز پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ اسباب واجبہ والی نماز عصر کے بعد پڑھی جاسکتی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ کراہیت فرض کے حق کے لئے ہے تا کہ وقت فرض کے ساتھ مشغول کی طرح ہو جائے، وقت میں کسی کراہیت کے معنی کی وجہ سے نہیں ۔

تشریح : عصر اور فجر کے بعد نوافل پڑھنا مکروہ ہے اور فرائض اور واجبات مکروہ نہیں ہیں اسکی یہ دلیل عقلی ہے ۔ قاعدہ یہ ہے کہ فرض پڑھنے کے بعد کوئی نماز نہ پڑھے تو ایسا سمجھو کہ وہ ابھی بھی فرض پڑھنے میں ہی مشغول ہے، اور فرض پڑھنے میں مشغول ہونا یہ اعلی درجہ ہے۔ اب اگر نفل پڑھنے میں مشغول ہو گیا تو گویا کہ ادنی درجہ میں مشغول ہو گیا، اسلئے ادنی درجہ میں مشغول ہونے سے روکا گیا ہے اور مکروہ قرار دیا گیا ہے۔ لیکن اگر واجبات اور فرائض میں مشغول ہوا تو یہ بھی اعلی درجہ ہی ہوا اسلئے واجبات اور فرائض میں مشغول ہو سکتا اس میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔ تا ہم خود وقت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے فرض کے حق میں نہیں ظاہر ہوگا، اور اس میں بھی ظاہر نہیں ہوگا جو واجب لعینہ ہو جیسے سجدہ تلاوت، اور ظاہر ہوگا (۱) نذر کے حق میں، اسلئے کہ اسکے وجوب کا تعلق ایسے سبب سے ہے جو اپنی جانب سے ہے، (۲) طواف کے دو رکعت کے حق

میں،(۳)اوراس نفل میں جوشروع کیا ہو پھر اسکو فاسد کر دیا ہو اسلئے کہ وجوب غیر کی وجہ سے ہے،اور وہ ہے طواف کو ختم کرنا،اور ادا کئے ہوئے کو باطل ہونے سے بچانا۔

تشریح : یہاں سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ وجوب بھی دو قسم کے ہیں،ایک تو وہ جو شریعت کی جانب سے واجب ہوا ہو جیسے فرائض ،واجبات،نماز جنازہ،کہ جنازہ آنے کی وجہ سے شریعت نے واجب کی کہ نماز جنازہ پڑھو،یا سجدہ تلاوت،کہ تلاوت کرنے کی وجہ سے شریعت نے سجدہ واجب کیا،تو ایسی چیز جو شریعت نے واجب کی ہو فجر اور عصر کے بعد ادا کرنا مکروہ نہیں ہے ۔لیکن ایسی عبادت جو اپنی طرف سے واجب کیا ہو اسکو فجر اور عصر کے بعد ادا کرنا مکروہ ہوگا،کیونکہ یہ وجوب شریعت کی جانب سے نہیں ہے اپنی جانب سے ہے جو حقیقت میں نفل کے درجے میں ہے۔مثلا(۱) نذر مانی کہ عصر کے بعد،یا فجر کے بعد دو رکعت پڑھونگا،اب نذر ماننے کی وجہ سے یہ دو رکعتیں واجب ہیں،لیکن اسکا پڑھنا مکروہ ہوگا،اسلئے کہ حقیقت میں وہ دو رکعتیں نفل تھیں،اسکے نذر ماننے کی وجہ سے واجب ہوئی۔(۲) یا طواف عصر کی نماز کے بعد ختم کیا ،تو اس پر طواف کی دو رکعت واجب ہوئی،لیکن عصر کے بعد اسکا پڑھنا مکروہ ہو گا،اسلئے وہ دو رکعتیں حقیقت میں نفل ہیں اسکے طواف کی وجہ سے واجب ہوئی ہے ،یہ وجوب شریعت کی جانب سے نہیں ہے بلکہ خود اپنی جانب سے ہے،(۳) یا عصر کے بعد،یا فجر کے بعد نفل شروع کی پھر اسکو توڑ دیا،تو اب ٹوٹے ہوئے نماز کو ادا کرنا واجب ہو گیا،اسکو عصر کے بعد یا فجر کے بعد ادا کرنا مکروہ ہوگا،اسلئے کہ یہ حقیقت میں نفل ہے،نماز توڑ کر اپنی جانب سے اسکو واجب کیا ہے اسلئے عصر اور فجر کے بعد اسکا ادا کرنا مکروہ ہے۔

اصول : شریعت کی جانب سے وجوب تو عصر اور فجر کے بعد اسکا ادا کرنا مکروہ نہیں،اور اپنی جانب سے وجوب ہو تو اسکا ادا کرنا مکروہ ہے۔

لغت: لالمعنی فی الوقت: خود وقت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔وجب لعینہ: وہ وجوب جو خود ہو،یعنی شریعت کی جانب سے ہو،اپنی جانب سے واجب نہ کیا ہو،جیسے سجدہ تلاوت۔تعلق وجوبہ بسبب من جھتہ: وہ عبادت جسکو اپنی جانب سے واجب کیا ہو،جیسے نماز کی نذر مانی ہو۔رکعتی الطّواف: طواف پوری کرنے کے بعد دو رکعت پڑھنا واجب ہوتا ہے اسکو رکعتی الطّواف، کہتے ہیں۔یہ خود طواف کرنے والے کی جانب سے واجب ہوتی ہے۔شرع فیہ ثم افسد: نفل نماز شروع کی پھر اسکو توڑ دیا،تو اسکا ادا کرنا واجب ہوتا ہے،لیکن اسکا سبب بھی اپنی جانب سے ہے۔وجوب لغیرہ: شریعت کی جانب سے واجب نہ ہو بلکہ اپنی جانب سے واجب کیا ہو،جیسے نذر ماننا ۔صیانۃ المودی عن البطلان :ادا کئے ہوئے کو باطل ہونے سے بچانا۔مثلا نفل نماز کو شروع کیا پھر اسکو توڑ دیا،تو اسکو باطل ہونے سے بچانے کے لئے پھر سے پڑھنے کو صیانۃ المودی عن البطلان، کہتے ہیں۔

(۲۰۵)ویکرہ ان یتنفل بعد طلوع الفجر باکثر من رکعتی الفجر﴾ ۱؎ لانہ علیہ السلام لم یزد علیھما مع حرصہ علی الصلوۃ(۲۰۶)ولا یتنفل بعد الغروب قبل الفرض ﴾ ۱؎ لما فیہ من تاخیر المغرب

ترجمہ: (۲۰۵) صبح صادق کے بعد فجر کی دوسنتوں کے علاوہ پڑھنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضور علیہ السلام ان دونوں سے زیادہ نہیں پڑھی نماز پر حریص ہونے کے باوجود۔

وجہ : عن ابن عمر أن رسول اللہ ﷺ قال : لا صلاۃ بعد الفجر الا سجدتین ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء لا صلاۃ بعد طلوع الفجر الا رکعتین ،ص ۹۵، نمبر ۴۱۹/ مسلم شریف ، باب استحباب رکعتی سنۃ الفجر الخ ،ص ۲۹۳، نمبر ۷۲۳/ ۱۶۷۸/ابوداود شریف، باب من رخص فیھما اذا کانت الشمس مرتفعۃ ،ص ۱۹۱، نمبر ۱۲۷۸) اس حدیث میں ہے کہ صبح صادق کے بعد دوسنتوں سے زیادہ نہ پڑھے، اسلئے دوسنتوں کے علاوہ نفل پڑھنا مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۲۰۶) اور غروب کے بعد مغرب کے فرض سے پہلے نفل نہ پڑھے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اس میں مغرب کو موءخر کرنا ہے۔

تشریح : آفتاب کے غروب ہونے کے بعد اور فرض نماز سے پہلے نفل جائز تو ہے، لیکن نہ پڑھے۔ اسکی وجہ یہ ہے

وجہ : (۱) حدیث گزری کی حضرت جبریلؑ نے مغرب کی نماز اول وقت میں پڑھائی اب اگر نفل پڑھیں گے تو فرض نماز موءخر ہو گی اسلئے نفل نہ پڑھے (۲) یہ بھی حدیث گزری کہ ہماری امت اس وقت خیر میں ہوگی جب تک مغرب کو اول وقت میں پڑھتی رہے، اسلئے بھی نفل میں مشغول ہو کر فرض کو موءخر نہیں کرنا چاہئے۔ حدیث یہ ہے۔ فقام الیہ ابو ایوبؓ ... وقال اما سمعت رسول اللہ ﷺ یقول لا تزال امتی بخیر او قال علی الفطرۃ مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم ۔(ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸/ابن ماجہ، باب وقت صلاۃ المغرب، ص ۹۷، نمبر ۶۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کو جلدی پڑھنا خیر کی چیز ہے۔ (۳) حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے زمانے میں صحابہ مغرب کے بعد اور فرض سے پہلے نفل نہیں پڑھتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ سئل ابن عمر عن الرکعتین قبل المغرب فقال : ما رأیت أحدا علی عھد رسول اللہ ﷺ یصلیھما ، و رخص فی الرکعتین بعد العصر ۔(ابوداود شریف، باب الصلاۃ قبل المغرب، ص ۱۹۲، نمبر ۱۲۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب سے پہلے نفل نہ پڑھے۔ لیکن اگر پڑھ لیا تو جائز ہے کیونکہ حدیث میں اسکا ثبوت ہے ۔حدیث یہ ہے۔ عن عبد اللہ المزنی قال : قال رسول اللہ ﷺ : صلوا قبل المغرب رکعتین ، ثم قال : صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء . خشیۃ أن یتخذھا الناس سنۃ ۔(ابوداود شریف، باب الصلاۃ قبل المغرب، ص ۱۹۲،

(۲۰۷) ولا اذا خرج الامام للخطبة يوم الجمعة الٰى ان يفرغ من خطبته ﴾ لـ لما فيه من الاشتغال عن استماع الخطبة.

نمبر۱۲۸۱) اس حدیث میں ہے کہ کوئی پڑھنا چاہے تو پڑھے۔

ترجمه :(۲۰۷) اور نہ نفل پڑھے جب امام جمعہ کے دن خطبے کے لئے نکل جائے یہاں تک کہ اپنے خطبے سے فارغ ہو جائے۔

تشريح : جمعہ کے دن امام خطبہ کے لئے نکل جائے تو اس وقت بھی نفل نہ پڑھے۔

وجه : آیت میں ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اسکو کان لگا کر سنو اور چپ رہو اور خطبے کے وقت بھی قرآن پڑھا جاتا ہے اسلئے اس وقت بھی کان لگا کر سننا ہوگا اور چپ رہنا ہوگا ، اور نماز بھی نہیں پڑھنا ہوگا ، کیونکہ نماز پڑھے گا تو نہ چپ رہ سکے گا اور نہ سن سکے گا۔ آیت یہ ہے۔اذا قرء القرآن فاستمعوا له و انصتوا لعلكم ترحمون ۔(آیت ۲۰،سورۃ الاعراف ۷) (۲)حدیث میں ہے کہ امام خطبے کے لئے نکل جائے تو کلام اور نماز دونوں منقطع ہو جاتی ہے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : خروج الامام يوم الجمعة للصلاة يعنى يقطع الصلاة و كلامه يقطع الكلام ۔(سنن بیہقی، باب الصلاۃ یوم الجمعۃ نصف النہار وقبلہ وبعدہ حتی یخرج الامام ، ج ثالث ، ص ۲۷۴،نمبر ۵۶۸۷) اس حدیث میں ہے کہ امام کا نکلنا کلام اور نماز دونوں کو منقطع کر دیتا ہے۔اسلئے اس وقت نماز بھی نہ پڑھے۔

تاہم اگر پڑھ لیا تو جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔سمع جابر قال دخل رجل يوم الجمعة والنبى ﷺ يخطب فقال اصليت؟ قال لا! قال ثم فصل ركعتين . (بخاری شریف، باب من جاء والامام یخطب صلی رکعتین خفیفتین ص ۱۲۷ نمبر ۹۳۱)مسلم شریف اور ابوداؤد کی روایت میں اس طرح حدیث ہے سمعت جابر بن عبد الله ان النبى ﷺ خطب فقال اذا جاء احدكم يوم الجمعة وقد خرج الامام فليصل ركعتين ۔(مسلم شریف، فصل من دخل المسجد والامام تخطب فلیصل رکعتین ص ۲۸۷ نمبر ۸۷۵ /۲۰۲۲/ ابوداؤد شریف، باب اذا دخل والامام یخطب ص ۱۶۶ نمبر ۱۱۱۷) اس حدیث میں ہے کہ امام خطبہ دے رہے ہوں اور سنت نہ پڑھی ہو تو دو رکعت پڑھ لے، اسلئے پڑھنا جائز تو ہے البتہ نہ پڑھے اچھا نہیں ہے۔

ترجمه: لـ اسلئے کہ نفل میں مشغول ہونے سے خطبہ نہیں سن سکے گا۔

تشريح : یہ دلیل عقلی ہے کہ نفل اور سنت میں مشغول ہوگا تو خطبہ نہیں سن سکے گا اسلئے خطبہ کے وقت نفل نہ پڑھے۔

﴿باب الاذان﴾

(۲۰۸) الاذان سنة للصلوات الخمس والجمعة لاسواها ﴾ ۱؎ للنقل المتواتر ۲؎ وصفة الاذان معروفة وهو كما اذَّن الملك النازل من السماء

﴿ باب الاذان ﴾

ضروری نوٹ: الاذان کے معنی اعلان کے ہیں، اذان میں نماز کا اعلان کیا جاتا ہے اس لئے اس کو اذان کہتے ہیں۔ اس کا ثبوت اس آیت سے ہے یایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر الله. (آیت ۹ سورة الجمعة ۶۲)

ترجمه: (۲۰۸) اذان سنت ہے پانچوں نمازوں کے لئے اور جمعہ کے لئے، نہ اس کے علاوہ کے لئے۔

ترجمه: ۱؎ احادیث متواترہ کی وجہ سے۔

تشریح: پانچوں نمازوں اور جمعہ کے علاوہ اذان سنت نہ ہونے کا مطلب یہ ہے کہ (۱) وتر (۲) عیدین (۳) جنازہ (۴) کسوف (۵) استسقاء (۶) تراویح (۷) سنن زوائد کے لئے اذان دینا سنت نہیں ہے۔

وجه: اذان سنت ہونے کے لئے احادیث متواترہ یہ ہیں۔ عن ابن عمر کان یقول کان المسلمون حین قدموا المدینة یجتمعون فیتحینون الصلوة لیس ینادی لها فتکلموا یوما فی ذلک فقال بعضهم اتخذوا ناقوسا مثل ناقوس النصاری وقال بعضهم بل بوقا مثل قرن الیهود فقال عمر اولا تبعثون رجلا ینادی بالصلوة؟ فقال رسول الله یا بلال! قم فناد بالصلوة. (بخاری شریف، باب بدأ الاذان ص ۸۵ نمبر ۶۰۴ رمسلم شریف، باب بداء الاذان ص ۱۶۴ نمبر ۳۷۷/۸۳۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے لئے اذان دینا سنت ہے۔

ترجمه: ۲؎ آذان کی صفت مشہور ہے جیسا کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے آذان دی۔

آسمان سے اترنے والے فرشتے نے جو آذان دی ہے اسکی حدیث یہ ہے۔ حدثنی ابی عبد الله بن زید قال: لما امر رسول الله ﷺ بالناقوس یعمل لیضرب به للناس لجمع الصلوة ، طاف بی ، و أنا نائم ، رجل یحمل ناقوساً فی یده ، فقلت : یا عبد الله ! أتبیع الناقوس ؟ قال : ما تصنع به ؟ فقلت : ندعو به الی الصلوة ، قال : افلا أدلک علی ما هو خیر من ذالک؟ فقلت له بلی ، قال : فقال تقول : الله اکبر ، الله اکبر : الله اکبر ، الله اکبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حی علی الصلاة ، ، حی علی الصلاة ،حی علی الفلاح ،حی علی الفلاح ،الله اکبر ، الله اکبر

(۲۰۹)ولا ترجيع فيه ﴾ ۱؎وهو ان يُرجّع فيرفع صوته بالشهادتين بعدما خفض بهما ۲؎ وقال الشافعي فيه ذٰلك لحديث ابی محذورةؓ ان النبی علیه السلام امره بالترجيع

، لا الـه الا اللـه. (ابوداود شریف، باب کیف الاذان ،ص ۸۷،نمبر ۴۹۹ رابن ماجہ شریف، باب بدء الاذان ،ص ۱۰۰،نمبر ۷۰۶) اس حدیث میں ہے کہ فرشتے نے آذان کے کلمات سکھلائے ،اوراس آذان میں ترجیع بھی نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۰۹) اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ دوبارہ شھادتین کہے،اسکے بعد کہ اسکو آہستہ سے کہا ہو۔

تشریح: ترجیع کا مطلب یہ ہے کہ اشهد ان لا اله الا الله اور اشهد ان محمدا رسول الله کو دو دو مرتبہ آہستہ آہستہ کہے پھر ان دونوں کلمات کو دو دو مرتبہ زور زور سے کہے۔تو ان دونوں کلمات کو دوبارہ لوٹانا ہے اس لئے اس کو ترجیع کہتے ہیں۔حنفیہ کے نزدیک اذان میں ترجیع نہیں ہے۔

وجہ: (۱)عبداللہ بن زید جس نے فرشتے کو خواب میں اذان دیتے ہوئے دیکھا اور حضرت بلال کو اذان کے کلمات کی تلقین کی اس میں ترجیع نہیں ہے۔حدیث یہ ہے۔حدثنی ابی عبد الله بن زيد قال: لما امر رسول الله ﷺ بالناقوس يعمل ليضرب به للناس لجمع الصلوة ، طاف بی ، و أنا نائم ، رجل يحمل ناقوساً في يده ، فقلت : يا عبد الله ! أتبيع الناقوس ؟ قال : ما تصنع به ؟ فقلت : ندعو به الى الصلوة ، قال : افلا أدلك على ما هو خير من ذالك؟ فقلت له بلى ، قال : فقال تقول : الله اكبر ، الله اكبر : الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حی على الصلاة ، ، حی على الصلاة ،حی علی الفلاح ،حی علی الفلاح ،الله اكبر ، الله اكبر ، لا اله الا الله. (ابوداود شریف، باب کیف الاذان ،ص ۸۷،نمبر ۴۹۹ رابن ماجہ شریف، باب بدء الاذان ،ص ۱۰۰،نمبر ۷۰۶) اس حدیث میں ہے کہ فرشتے نے آذان کے کلمات سکھلائے ،اوراس آذان میں ترجیع بھی نہیں ہے۔

(۲)عن عبد الله بن زيد قال كان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا فی الاذان والاقامة ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی ان الاقامۃ مثنی مثنی ص ۴۸ نمبر ۱۹۴ رابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص ۸۷ نمبر ۴۹۹) اس حدیث میں بھی ترجیع کا تذکرہ نہیں ہے اسلئے ترجیع نہیں ہے۔

ترجمہ : ۲؎ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ آذان میں ترجیع ہے حضرت ابومحذورہؓ کی حدیث کی بنا پر کہ نبی علیہ السلام نے انکو ترجیع کا حکم دیا۔حدیث یہ ہے ان ابا محذورة قال : خرجت فی نفر فكنا ببعض الطريق ، فأذن موء ذن رسول الله

۳؎ ولنا انه لاترجيع في المشاهير وكان مارواه تعلما فظنه ترجيعا (۲۱۰)ويزيد في اذان الفجر بعد الفلاح الصلوٰة خير من النوم مرتين﴾

ﷺ بالصلاة عند رسول الله ﷺ فسمعنا صوت المؤذن و نحن عنه متنكبون ، فصرخنا نحكيه ، نهزأ به ، فسمع رسول الله ﷺ فأرسل الينا قوما ً فأقعدونا بين يديه ، فقال : ايكم الذى سمعت صوته قد ارتفع ؟ فأشار الى القوم كلهم ، و صدقوا فأرسل كلهم و حبسني، و قال : لى قم فأذن ، فقمت ، و لا شيء أكره الى من رسول الله ﷺ و لا مما يأمرني به ، فقمت بين يدى رسول الله ﷺ فألقى على رسول الله ﷺ التأذين هو بنفسه فقال : قال : الله اكبر ، الله اكبر : الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ،ثم قال لى : ارفع من صوتك اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حى على الصلاة ، ، حى على الصلاة ،حى على الفلاح ،حى على الفلاح ،الله اكبر ، الله اكبر ، لا اله الا الله))(ابن ماجہ شریف ، باب الترجیع فی الآذان ،ص ۱۰۱ ،نمبر ۷۰۸ ر مسلم شریف ، باب صفۃ الاذان ص ۱۶۵ نمبر ۳۷۹ / ۸۴۲ ر ترمذی شریف ، باب ماجاء فی الترجیع فی الاذان ص ۴۸ نمبر ۱۹۲) اس حدیث میں ہے کہ آپ ؐ نے ترجیع سکھایا ،جس سے استدلال کرتے ہیں کہ آذان میں ترجیع ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور ہمارا جواب یہ ہے کہ مشہور حدیث میں ترجیع نہیں ہے۔اور حضرت ابومحذورہ سے جو کچھ روایت ہے وہ تعلیم کے لئے تھی جسکو انہوں نے ترجیع سمجھا۔

اوپر حضرت عبداللہ بن زید کی حدیث میں ترجیع نہیں تھی جس سے معلوم ہوا کہ مشہور حدیثوں میں ترجیع کا تذکرہ نہیں ہے۔اسلئے یہی کہا جاسکتا ہے کہ حضرت ابومحذورہؓ کو ترجیع سکھائی ہے وہ صرف اسلئے تھی کہ وہ دھیمی آواز میں شہادتین بول رہے تھے تو انکو زور سے بولنے کی تعلیم دی جسکو انہوں نے ترجیع سمجھا ،حالانکہ وہ صرف تعلیم کے لئے تھی۔دار قطنی میں حضرت ابومحذورہؓ کی بعض حدیث بھی ترجیع نہیں ہے۔(دار قطنی ، باب فی ذکر اذان ابی محذورۃ واختلاف الروایات فیہ ص ۲۴۱ نمبر ۸۹۲)اس حدیث میں ترجیع کے کلمات نہیں ہیں۔

نوٹ: تطویل کی وجہ سے حدیث نقل نہیں کر رہا ہوں۔تاہم کوئی ترجیع والی آذان دے دے تو حدیث کی بناپر مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۱۰) فجر کی اذان میں حی علی الفلاح کے بعد دومرتبہ الصلوۃ خیر من النوم زیادہ کریں۔

وجہ : حدیث میں ہے عن بلال قال قال رسول اللہ ﷺ لا تثوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوة

لے لان بلالاً قال الصلوٰة خير من النوم حين وجد النبی علیہ السلام راقدا فقال علیہ السلام ما احسن هٰذا يا بلال اجعله فی اذانک ۲ے وخص الفجر به لانه وقت نوم وغفلة،(۲۱۱)والاقامة مثل الاذان الاانه يزيد فيها بعدالفلاح قدقامت الصلوٰة مرتين ﴾ لے هٰكذافعل الملک النازل من السماء وهو المشهور

الفجر . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر ص۴۹ نمبر ۱۹۸)اوردارقطنی میں سمعت ابا محذورة يقول كنت غلاما صبيا فاذنت بين يدى رسول الله ﷺ الفجر يوم حنين فلما بلغت حى على الصلوة،حى على الفلاح قال رسولً الله الحق فيها الصلوة خير من النوم ۔(دارقطنی، باب ذکر الاقامة واختلاف الروایات فیھا ص۲۴۴ نمبر ۸۹۹) اس سے معلوم ہوا کہ صبح کی نماز میں الصلوۃ خیر من النوم کہنا چاہئے ۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ حضرت بلال نے کہا الصلوة خير من النوم جس وقت حضور ﷺ کو سویا ہوا پایا،تو حضورؐ نے فرمایا: یہ کلمے کتنے اچھے ہیں! اے بلال اسکو اپنی اذان میں داخل کردو۔

حدیث یہ ہے۔عن بلال أنه اتى النبى ﷺ يوذنه بصلاة الفجر ، فقيل : هو نائم ، فقال : الصلاة خير من النوم ، الصلاة خير من النوم ، فأقرت فى تأذين الفجر فثبت الامر على ذالک ،(ابن ماجۃ شریف، باب السنۃ فی الاذان ،ص۱۰۳، نمبر ۷۱۶،سنن بیھقی ، باب التثویب فی اذان الصبح ، ج اول ،ص ۶۲۳ ،نمبر۱۹۸۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت بلالؓ کو الصلاۃ خیر من النوم، کہنے کے لئے کہا اور یہ ہمیشہ کے لئے ہو گیا۔

ترجمہ: ۲ے اور فجر کو اسلئے خاص کیا کہ وہ وقت نینداور غفلت کا ہے۔

ترجمہ: (۲۱۱) اقامت اذان کی طرح ہے مگر یہ کہ زیادہ کیا جائے گا حی علی الفلاح کے بعد قد قامت الصلوۃ دو مرتبہ۔

ترجمہ: لے آسمان سے اترنے والے فرشتے نے ایسے ہی اذان کہلایا،اور یہی مشہور ہے۔۔

تشریح :حنفیہ کے نزدیک اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی یعنی دو دو مرتبہ ہے۔ایک ایک مرتبہ نہیں ہے۔

وجہ : (۱)اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن زيد قال كان اذان رسول الله ﷺ شفعا شفعا فى الاذان والاقـــــامة ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ان الاقامۃ مثنی مثنی ص۴۸ نمبر ۱۹۴) اس حدیث میں ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنی مثنی ہے(۲)ابوداؤد میں ابن ابی لیلۃ کی لمبی حدیث نقل کی ہے اس کے درمیان یہ لفظ ہے ۔ سمعت ابن ابى ليلى .... فاذن ثم قعد قعدة ثم قام فقال مثلها الا انه يقول قد قامت الصلوة (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۱ نمبر ۵۰۶)(۳)ایک تیسری حدیث ہے عن ابن ابى ليلة عن معاذ بن جبل ....ثم امهل هنية ثم قام فقال مثلها الا انه قال: زاد ـ بعد ماقال : حى على الفلاح ـ قد قامت الصلوة ، قد قامت الصلوة ، قال : فقال رسول الله

۲ثم هو حجة على الشافعیؒ فی قوله انها فرادی فرادی الاقوله قدقامت الصلوٰة (۲۱۲)ویترسَّلُ فی الاذان ویحدرفی الاقامة ﴿ ۱لقوله علیہ السلام اذا اذّنتَ فترسَّلْ واذا قمتَ فاحدُروهذا بیان الاستحباب

صلی اللہ علیہ وسلم : لقنها بلال . ۔(ابوداؤدشریف،باب کیف الاذان ص۸۲نمبر۵۰۷)ابومحذورۃ کی حدیث میں اقامت مثنیٰ مثنیٰ ہے۔: ان ابا محذورة حدثه : أن رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم علمه الاذان تسع عشرة كلمة ، و الاقامة سبع عشرة كلمة ....و الاقامة : الله اكبر ، الله اكبر : الله اكبر ، الله اكبر ، اشهد ان لا اله الا الله ، اشهد ان لا اله الا الله ،اشهد ان محمدا رسول الله، اشهد ان محمدا رسول الله ، حی علی الصلاة ، ، حی علی الصلاة ،حی علی الفلاح ،حی علی الفلاح ، قد قامت الصلوة، قد قامت الصلوة ، الله اكبر ، الله اكبر ، لا اله الا الله. (ابوداود شریف، باب کیف الاذان ،ص۷۹،نمبر۵۰۲)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنیٰ مثنیٰ ہے۔کیونکہ مثلھا کا مطلب ہے کہ اذان کی طرح اقامت بھی مثنیٰ مثنیٰ ہو۔

ترجمہ : ۲ پھر وہ امام شافعیؒ پر حجت ہے اس بارے میں کہ اقامت فرادی فرادی ہو،سوائے قد قامت الصلوۃ، کے قول کے۔

فائدہ: امام شافعی اور دوسرے ائمہ کے نزدیک اقامت فرادی فرادی یعنی ایک ایک مرتبہ تمام کلمات ہیں سوائے قد قامت الصلوۃ کے۔ان کی دلیل بہت سی احادیث ہیں۔مثلا عن انس قال امر بلال ان یشفع الاذان و ان یوتر الاقامة الا الاقامة ۔(بخاری شریف، باب الاقامۃ واحدۃ الاقولہ قد قامت الصلوۃ ص۸۵نمبر۶۰۷رمسلم شریف، باب الامر بشفع الاذان وایتار الاقامۃ ص۱۶۴نمبر ۸۳۸/۳۷۸)ان احادیث کی وجہ سے جمہور ائمہ اقامت کے فرادی فرادی کے استحباب کے قائل ہیں۔حنفیہ کے یہاں بھی اگر اقامت فرادی دے دے تو اقامت میں کوئی کراہیت نہیں ہے۔صرف افضلیت کا فرق ہے۔ ۔اور اوپر کی حدیث ان پر حجت ہے۔

ترجمہ: (۲۱۲) ٹھہر ٹھہر کر کرے اذان میں اور جلدی کرے اقامت میں۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جب اذان دو تو ٹھہر ٹھہر کر دو،اور جب اقامت کہو تو جلدی کہو۔اور یہ استحباب کا بیان ہے۔

تشریح :اذان دے تو ٹھہر ٹھہر کر دے،تاکہ دور کے لوگ سن لے،اور اقامت کہے تو تھوڑی جلدی کرے ،اور ایسا کرنا مستحب ہے،اگر کسی نے جلدی سے اذان دے دی تب بھی ہو جائے گی۔

وجہ: (۱)اذان میں آواز دور تک پہنچانا ہے اس لئے تھوڑا ٹھہر ٹھہر کر کلمات ادا کرے اور اقامت میں مسجد تک آواز پہنچانا ہے اس لئے مسلسل کہتا چلا جائے ٹھہر ٹھہر کر نہ کہے(۲) اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن جابر ان رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم قال لبلال یا بلال!

(۲۱۳)ویستقبل بهما القبلة ﴾ لـ لان النـازل من السماء اذن مستقبل القبلةولوترک الاستقبال جاز لحصول المقصود ویکره لمخالفة السنة، (۲۱۴) ویحوّل وجهه للصلوٰة والفلاح یمنة ویسرة ﴾

اذااذنـت فتـرسـل فـی ذلک واذا اقمت فاحدر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاءفی الترسل فی الاذان ص ۴۸ نمبر ۱۹۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اذان ٹھہر ٹھہر کر دے اور اقامت میں جلدی کرے۔ یہ مستحب ہے۔

لغت: ترسل : ٹھہر ٹھہر کر بات کرنا، یحدر : مسلسل بات کہے جانا۔

ترجمہ: (۲۱۳) اذان اور اقامت کہتے وقت قبلہ کا استقبال کرے۔

ترجمہ: لـ اسلئے کہ آسمان سے اترنے والے فرشتے نے قبلے کی طرف استقبال کر کے اذان دی ۔اور اگر استقبال قبلہ کو چھوڑ دیا پھر بھی جائز ہے مقصود کے حاصل ہونے کی وجہ سے، اور مکروہ ہے سنت کی مخالفت کی وجہ سے۔

تشریح : اذان اور اقامت کہتے وقت قبلے کا استقبال کرنا سنت ہے۔لیکن اگر اس کے خلاف کیا تو اذان اور اقامت کی ادائیگی ہو جائے گی۔البتہ سنت کی مخالفت ہوگی۔

وجہ :(۱) حدیث میں اس کا ثبوت ہے ابوداؤد میں معاذ بن جبل کی لمبی حدیث ہے اس میں ایک عبارت اس طرح ہے فـجـاء عبـد الله بن زیدالی رجل من الانصار وقال فیه فاستقبل القبلة،قال : الله اکبر (ابوداؤدشریف، باب کیف الاذان ص ۸۲ نمبر ۵۰۷ سنن بیھقی ، باب استقبال القبلۃ بالاذان والاقامۃ ، ج اول، ص ۵۷۶، نمبر ۱۸۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فرشتے نے استقبال قبلہ کر کے اذان دی تھی اس لئے استقبال قبلہ کر کے اذان واقامت کہنا سنت ہے۔

ترجمہ: (۲۱۴) پس جب کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح پر پہنچے تو اپنے چہرے کو دائیں اور بائیں پھیرے۔

تشریح: حی علی الصلوۃ میں دائیں جانب چہرہ پھیرے تاکہ دائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے اور حی علی الفلاح میں بائیں طرف چہرہ پھیرے تاکہ بائیں جانب والوں کو اذان کی خبر پہنچ جائے۔

وجہ : اس کی وجہ حدیث میں یہ ہے(۱)عـن عـون بـن جـحـیـفة عـن ابیه قال اتیت النبی ﷺ بمکة وهو فی قبة حـمراء من ادم فخرج بلال فاذن فکنت اتتبع فمه ههنا و ههنا... فلما بلغ حی علی الصلوة حی علی الفلاح لـوی عـنـقـه یـمینا و شمالا ولم یستدر ۔(ابوداؤدشریف، باب فی المؤذن یستدیر فی اذانہ ص ۸۴ نمبر ۵۲۰ سنن بیھقی ، باب الالتواء فی حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، ج اول، ص ۵۸۰، نمبر ۱۸۵۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حی علی الصلوۃ اور حی علی الفلاح میں چہرہ دائیں اور بائیں پھرانا چاہئے۔

لے لانه خطاب للقوم فيواجههم (٢١٥)وان استدار فی صومعته فحسن ﴾ لے ومراده اذا لم يستطع تحوّل الوجه يميناوشمالامع ثبات قدميه مكانهماكماهو السنةبان كانت الصومعة متسعةفامامن غير حاجة فلا (٢١٦)والافضل للمؤذّن ان يجعل اصبعيه فی اذنيه ﴾

ترجمه: لے اسلئے بھی کہ خطاب قوم سے ہے اسلئے انکی جانب مخاطب ہونا چاہئے۔

ترجمه: (٢١٥) اگرموءذن اپنے صومعہ میں گھوم گیا تو اچھا ہے۔

تشریح :اذان گاہ کے اوپر چھوٹا سا گول کمرہ ہوتا ہے اسکو صومعہ کہتے ہیں، وہ تھوڑا سا بڑا ہو اور دائیں، بائیں منہ کرنے سے آواز باہر نہ جاتی ہو جسکی بنا پر تھوڑا سا گھومنا پڑے تو گھوم جانا بہتر ہے، تاکہ آواز باہر چلی جائے، اس صورت میں قدم کو بھی اپنی جگہ سے ہٹانا پڑے تو ہٹا سکتا ہے۔ لیکن بغیر ضرورت کے ایسا نہ کرے، کیونکہ اوپر کی حدیث میں ہے کہ حضرت بلال دائیں بائیں منہ کرتے تو تھے لیکن گھومتے نہیں تھے۔ عن عون بن جحيفة عن ابيه قال اتيت النبی ﷺ بمكة وهو فی قبة حمراء من ادم فخرج بلال فاذن فكنت اتتبع فمه ههنا و ههنا... فلما بلغ حی على الصلوة حی على الفلاح لوى عنقه يمينا و شمالا ولم يستدر ۔(ابوداؤد شریف، باب فی المؤذن یستدیر فی اذانہ ص۸۴ نمبر ۵۲۰ رسنن بیھقی، باب الالتواء فی حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، ج اول ص ۵۸۰، نمبر ۱۸۵۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ گھومتے نہیں تھے۔

لیکن اگر آواز دور تک پہونچانے کے لئے گھومنے کی ضرورت پڑ جائے تو گھوم سکتا ہے۔ اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عون بن ابی جحيفة وعن ابيه قال :رأيت بلالا يوء ذن و يدور و يتبع فاه هاهنا ، ها هنا ، و اصبعاه فی أذنيه ، و رسول الله ﷺ فی قبة حمراء (ترمذی شریف، باب ماجاء فی ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان، ص۴۹، نمبر ۱۹۷ ابن ماجہ شریف، باب السنۃ فی الاذان، ص۱۰۲، نمبر ۷۱۱ رسنن بیھقی، باب الالتواء فی حی علی الصلاۃ، حی علی الفلاح، ج اول، ص ۵۸۰، نمبر ۱۸۵۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت بلالؓ گھومتے تھے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر گھوم سکتا ہے۔

ترجمه: لے گھومنے کا مطلب یہ ہے کہ قدم کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے دائیں بائیں جانب نہیں گھوم سکتا ہو، جیسا کہ سنت ہے اس طرح کہ صومعہ بڑا ہو تو گھوم سکتا ہے، بہر حال بغیر کسی ضرورت کے تو گھومنا اچھا نہیں ہے۔ جیسا کہ اوپر کی حدیث میں گزرا۔

تشریح : موءذن اپنے قدم کو اپنی جگہ پر رکھتے ہوئے دائیں بائیں جانب نہیں گھوم سکتا ہو تو ایسی صورت میں آواز دور تک پہونچانے کے لئے وہ صومعہ میں گھوم جائے تو کوئی حرج نہیں ہے، جیسا کہ حدیث میں گزرا، البتہ بغیر کسی ضرورت کے تو اچھا نہیں ہے۔

ترجمه: (٢١٦) موءذن کے لئے افضل یہ ہے کہ اپنی دونوں انگلیوں کو کان میں کرے۔

۱؎ بذلک امر النبی علیہ السلام بلالاً ولانه ۲؎ ابلغ فی الاعــلام (۲۱۷) وان لم یفعل فحسن ﴾ ۱؎ الانهـا لیست بسنة اصلیـة (۲۱۸) والتثـویب فی الفجر حیّ علی الصلٰوة حیّ علی الفلاح مرتین بین الاذان والاقامة حسن لانه وقت نوم وغفلة وکره فی سائر الصلوات ﴾

ترجمه: ۱؎ حضرت بلالؓ کو نبی علیہ السلام نے اسی کا حکم فرمایا تھا ۲؎ اور یہ اعلان پہونچانے میں زیادہ بلیغ ہے ۔

تشریح : اذان کا مقصد لوگوں تک آواز پہونچانا ہے اور کان میں انگلی ڈالنے سے آواز کان میں کم جاتی ہے اسلئے آدمی اور زور سے آواز نکالتا ہے اسلئے کان میں انگلی ڈالنا زیادہ بہتر ہے ۔اسکے لئے اوپر کی حدیث ہے۔

وجه : عمار بن سعد ....أن رسول الله ﷺ أمر بلالا أن یجعل اصبعیه فی أذنیه ، و قال : انه ارفع لصوتک (ابن ماجہ شریف، باب السنۃ فی الاذان، ص۱۰۲، نمبر۷۱۰/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی ادخال الاصبع فی الاذن عند الاذان، ص۴۹، نمبر۱۹۷) اس حدیث میں آپ ؐ نے حضرت بلالؓ کو کان میں انگلی ڈالنے کا حکم فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس سے آواز زیادہ ہوگی۔

ترجمه: (۲۱۷) اور اگر کان میں انگلی نہ ڈالی تو بھی ٹھیک ہے۔

ترجمه: ۱؎ اس لئے کہ یہ سنت اصلیہ نہیں ہے۔

وجه :اگر کان میں انگلی نہ ڈالی تب بھی اذان ہو جائے گی، اور یہ بھی ٹھیک ہے، اسلئے حضرت زیدؓ اور حضرت محذورہؓ کی حدیث میں کان میں انگلی ڈالنے کا تذکرہ نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اصلی سنت نہیں ہے ورنہ ضرور ان حضرات کی حدیث میں اسکا تذکرہ ہوتا۔ (۲) اوپر کی حدیث میں کان میں انگلی ڈالنے کے لئے حضرت بلال کو فرمایا تو یہ بھی فرمایا کہ اس سے آواز بلند ہوگی جس علت سے معلوم ہوا کہ یہ آواز بلند کرنے کے لئے ہے، اذان کی سنت اصلی نہیں ہے۔ اسلئے کرلے تو بہتر ہے۔

ترجمه: (۲۱۸) اور فجر میں حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، دو مرتبہ کہنا اذان اور اقامت کے درمیان بہتر ہے، اسلئے کہ یہ نیند اور غفلت کا وقت ہے، اور باقی نمازوں میں مکروہ ہے۔

تشریح : فجر کا وقت نیند اور غفلت کا وقت ہے اسلئے اذان کے بعد اور اقامت سے پہلے نیند سے بیدار کرنے کے لئے دو مرتبہ اور حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، کی آواز لگائے تاکہ مصلی اٹھ جائے، اسی کو تثویب، کہتے ہیں۔ باقی نمازوں میں لوگ بیدار ہوتے ہیں اسلئے ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور آگے بعض ائمہ نے جائز بھی قرار دیا ہے۔

وجه :یہ حدیث ہے۔ عن بلال قال : قال لی رسول الله ﷺ : لا تثوبن فی شیء من الصلوات الا فی صلوۃ الفجر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التثویب فی الفجر، ص۴۹، نمبر۱۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر میں تثویب بہتر ہے، اور

۱؎ ومعناه العود الى الاعلام وهو على حسب ماتعارفوه ۲؎ وهذا تثويب احدثه علماء الكوفة بعد عهد الصحابةؓ لتغير احوال الناس وخصوا الفجر به لماذكرناه ۳؎ والمتاخرون استحسنوه فی الصلوٰة كلها لظهور التّوانی فی الامور الدينية ۴؎ وقال ابو يوسفؒ لااری بأسًا ان يقول المؤذن

اسی حدیث سے معلوم ہوا کہ باقی نمازوں میں اچھا نہیں ہے۔

(۲) باقی نماز میں تثویب مکروہ ہونے کی دلیل یہ اثر بھی ہے۔ **عن مجاهد قال : كنت مع ابن عمر فثوب رجل في الظهر أو العصر ، قال : اخرج بنا فان هذه بدعة** ۔(ابوداود شریف، باب فی التثویب، ص ۸٦، نمبر ۵۳۸) اس اثر میں حضرت ابن عمر نے ظہر یا عصر میں تثویب کو بدعت فرمایا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ تثویب کا مطلب یہ ہے کہ نماز پڑھنے کی دوبارہ یاد دہانی کرائے۔ وہ لوگوں میں جیسا متعارف ہے اسکے مطابق کرے۔

تشریح : تثویب: ثوب سے مشتق ہے، جسکا ترجمہ ہے لوٹنا۔ تثویب کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ فجر کی اذان میں الصلوۃ خیر من النوم، کہا ہی، اب دوبارہ لوگوں کو نماز کی یاد دہانی کرائے۔ اور یہ کوئی ضروری نہیں ہے کہ حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، ہی کہے بلکہ لوگوں کے بیدار ہونے کے لئے وہاں کے محاورے میں جو جملے متعارف ہو اس جملے سے آواز لگائے۔ جیسے لڑکو اٹھ جاوء۔ اسی کو تثویب کہتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اس تثویب کو صحابہ کے زمانے کے بعد علمائے کوفہ نے ایجاد کیا ہے، کیونکہ لوگوں کے احوال بدل گئے۔ اور فجر میں اسکو غفلت کی وجہ سے خاص کیا۔

تشریح : صحیح بات یہ ہے کہ خود حدیث میں فجر میں تثویب کا تذکرہ ہے۔ جو اوپر گزر گئی۔ (۲) دوسری حدیث میں واضح ہے کہ حضرت بلال اذان کے بعد حضورؐ کو **الصلاة خير من النوم ، الصلاة خير من النوم** ، کہہ کر بیدار کرنے کے لئے گئے تھے جس سے بھی تثویب ثابت ہوتی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن بلال أنه اتى 'النبى ﷺ يوذنه بصلاة الفجر ، فقيل : هو نائم ، فقال : الصلاة خير من النوم ، الصلاة خير من النوم ، فأقرت فى تأذين الفجر فثبت الامر على ذالك** ،(ابن ماجۃ شریف، باب السنۃ فی الاذان، ص ۱۰۳، نمبر ۷۱٦ رسنن بیہقی، باب التثویب فی اذان الصبح، ج اول، ص ٦۲۳، نمبر ۱۹۸۳) اس حدیث میں تثویب کا تذکرہ ہے

ترجمہ: ۳؎ متأخرین علماء نے تثویب کو تمام نمازوں میں اچھا سمجھا امور دینیہ میں سستی کے ظاہر ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : بعد کے علماء نے دیکھا کہ دینی معاملات میں بہت سستی آگئی ہے اسلئے تمام نمازوں میں ہی تثویب کرلے تو اچھا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں کوئی حرج نہیں سمجھتا ہوں کہ موءذن ہر نماز میں امیر سے کہے، السلام علیکم ایھا الامیر

لـلامیـر فـی الـصلوٰۃ کلھا السلام علیک ایھا الامیر ورحمۃ اللّٰہ وبرکاتہ حیّ علی الصلوٰۃ حیّ علی الـفـلاح الصلوٰۃ یرحمک اللّٰہ ۵؎ واستبـعـدہ مـحـمدؒ لان الناس سواسیۃفی امر الجماعۃ ٦؎ وابویوسفؒ خـصـھـم بذلک لزیادۃ اشتغالھم بامور المسلمین کیلا تفوتھم الجماعۃ وعلی ھذا القاضی والمفتی (۲۱۹) ویجلس بین الاذان والاقامۃ الافی المغرب﴾ ۱؎ وھذا عند ابی حنیفۃؒ

،ورحمۃ اللہ، وبرکاتہ، حی علی الصلوۃ، حی علی الفلاح، الصلوۃ، یرحمک اللہ۔

تشریح: حضرت امام ابو یوسفؒ قاضی تھے، کام میں بہت مشغول رہتے تھے اسلئے نماز کے وقت میں موءذن یہ چند جملے کہہ کر نماز کی طرف توجہ دلائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ تاکہ وہ نماز میں شریک ہو جائے ۔ یہ عبارت جامع صغیر، باب الاذان ص۸۳۔ کی ہے۔

ترجمہ: ۵؎ اور امام محمدؒ نے اسکو مستبعد سمجھا اسلئے کہ جماعت کے معاملے میں سب لوگ برابر ہیں۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے امیر کو خاص کیا کہ اسکو ہر نماز میں یاد دہانی کرائے، اس بات کو امام محمدؒ نے اچھا نہیں سمجھا، کیونکہ ہر آدمی کا حق برابر ہے اسلئے امیر کو خاص کرنا اچھا نہیں معلوم ہوتا۔

ترجمہ: ٦؎ امام ابو یوسفؒ امیر کو یاد دہانی کے ساتھ اسلئے خاص فرمایا کہ وہ مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتے ہیں تاکہ ان سے جماعت نہ فوت ہو جائے، اور یہی یاد دہانی کرائی جائے قاضی اور مفتی کو بھی۔

تشریح: امام ابو یوسفؒ نے امیر، اور قاضی، اور مفتی کو تثویب کے ساتھ اسلئے خاص کیا کہ وہ ہمہ وقت مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتے ہیں دوسرے لوگ نہیں رہتے اسلئے ان لوگوں کو یاد دہانی کرائی جائے۔ اسی قاعدے پر ہر وہ آدمی جو مسلمانوں کے کام میں مشغول رہتے ہیں انکو بھی نماز کی یاد دہانی کرائی جا سکتی ہے۔ اس سب کی دلیل یہ اثر ہے۔ عـن ابـراھیم قال : کانوا یثوبون فـی الـعـتـمۃ و الـفـجـر ، و کان موءذن ابراھیم یثوب فی الظھر و العصر فلا ینھاہ ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ٦ فی التثویب فی ای صلاۃ ھو؟، ج اول ص ۱۹۰، نمبر ۲۱۷۵ رمصنف عبد الرزاق، باب التثویب فی الاذان والاقامۃ، ج اول ص ۴۷۵، نمبر ۱۸۳۱) اس اثر میں ہے کہ دوسری نمازوں میں بھی یاد دہانی کرواتے تھے۔ اسلئے اس دور میں وقت ضرورت یہ مستحسن ہے۔ خاص طور پر مدرسے کے طلبہ جلدی مسجد میں نہیں جاتے اسلئے انکے لئے ضروری ہے۔

ترجمہ: (۲۱۹) اذان اور اقامت کے درمیان بیٹھے مگر مغرب میں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہے۔

وجہ: عـن ابـی بن کعب قال : قال رسول اللہ ﷺ : یا بلال اجعل بین اذانک و اقامتک نفسا یفرغ الآ

۲؎وقالا يجلس فی المغرب ايضًاجلسة خفيفة لانه لابد من الفصل اذا لوصل مكروه ولايقع الفصل بالسكتة لوجودها بين كلمات الاذان فيفصل بالجلسة كما بين الخطبتين

کل من طعامه فی مهل ، و يقضی المتوضی حاجته فی مهل ۔(مسند احمد،حدیث المشائخ عن ابی بن کعب،ج سادس، ۱۷۳،نمبر۲۰۷۷۸) اس حدیث میں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان فصل کرنا چاہئے ۔(۲) ایک دوسری حدیث میں ہے کہ اترنے والے فرشتے نے اذان کے بعد تھوڑی دیر کی اسکے بعد اقامت کہی ۔حدیث یہ ہے ۔فجاء عبد الله بن زيد الى رجل من الانصار وقال فيه فاستقبل القبلة،قال : الله اكبر ....ثم امهل هنية ، ثم قام فقال مثلها . (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۲ نمبر ۵۰۷ سنن بیہقی ، باب استقبال القبلة بالاذان والاقامة ، ج اول ،ص ۵۷۶،نمبر ۱۸۳۸) اس حدیث میں ہے کہ اذان کے بعد تھوڑی دیر رک کر اقامت کہی۔

البتہ مغرب کی نماز چونکہ ایک ہی وقت میں پڑھنی ہے اور تاخیر اچھی نہیں ہے اسلئے مغرب میں اذان اور اقامت کے درمیان فصل نہ کرے، اذان کے بعد جب مصلی کی طرف آئے گا بس اتنا ہی فصل کافی ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور صاحبین نے فرمایا کہ مغرب میں تھوڑی دیر بیٹھے اسلئے کہ فصل ضروری ہے اسلئے کہ وصل مکروہ ہے۔اور سکتے سے فصل نہیں ہوگا اسلئے کہ اتنا تو اذان کے جملون میں بھی پایا جاتا ہے اسلئے بیٹھ کر فصل کیا جائے گا جیسے کہ دو خطبے کے درمیان کیا جاتا ہے۔

تشریح :صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ مغرب میں بھی تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرے۔ جیسے کے جمعے کے دو خطبوں کے درمیان بیٹھ کر فصل کرتے ہیں۔اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان صرف تھوڑی دیر چپ رہ کر فصل کرنا کافی نہیں ہے اسلئے کہ اتنا فصل تو خود اذان کے جملوں کے درمیان بھی ہوجاتا ہے، اسلئے تھوڑی دیر بیٹھ جائے اور فصل کرے۔

وجہ :(۱) حدیث میں اسکا ثبوت ہے کہ اترنے والے فرشتے نے اذان دی پھر تھوڑی دیر بیٹھا اسکے بعد اقامت کہی۔حدیث یہ ہے۔

۔سمعت ابن ابی ليلی رأيت رجلا كأن عليه ثوبين أخضرين فقام علی المسجد فأذن ثم قعد قعدة ثم قام فقال مثلها . (ابوداؤد شریف، باب کیف الاذان ص۸۲ نمبر ۵۰۶) اس حدیث میں ہے کہ اذان کے بعد تھوڑی دیر بیٹھے پھر اقامت کہی۔اور یہ چونکہ تمام نمازوں میں ہے اسلئے مغرب کی نماز میں بھی تھوڑی دیر بیٹھے۔ (۲) اوپر مسند احمد کی حدیث میں بھی ہے کہ اذان اور اقامت میں فصل کرے ۔عن ابی بن كعب قال : قال رسول الله ﷺ : يا بلال اجعل بين اذانک و اقامتک نفسا يفرغ الآ كل من طعامه فی مهل ، و يقضی المتوضی حاجته فی مهل ۔(مسند احمد،حدیث

۳؎ ولابی حنفیةؒ ان التاخیرمکروہ فیکتفی بادنی الفصل احترازًاعنه ۴؎ والمکان فی مسألتنا مختلف وکذا النغمة فیقع الفصل بالسکتةولاکذلک الخطبة ۵؎ وقال الشافعی یفصل برکعتین اعتبارا بسائر الصلوٰة والفرق قد ذکرناه

المشائخ عن ابی بن کعب، ج سادس،۱۷۳، نمبر۲۰۷۷۸ر) اسلئے تھوڑی دیر بیٹھ کر فصل کرے۔

ترجمه: ۳؎ اورامام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ مغرب میں تاخیر مکروہ ہے اسلئے ادنی فصل پر اکتفا کیا جائے گا،کراہیت سے بچنے کے لئے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اوپر گزر چکا کہ مغرب کی نماز جلدی پڑھنی چاہئے ،اسلئے تاخیر مکروہ ہے اسلئے تھوڑا سا چپ رہ کر جو فصل ہوگا اتنا ہی کافی ہے تا کہ تاخیر کرنے کی کراہیت نہ ہو۔حدیث یہ ہے۔فقام الیه ابو ایوبؓ ... وقال اما سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تزال امتی بخیر او قال علی الفطرة مالم یؤخروا المغرب الی ان تشتبک النجوم ۔(ابوداؤد شریف، باب فی وقت المغرب ص ۶۶ نمبر ۴۱۸ /ابن ماجہ، باب وقت صلاۃ المغرب،ص ۹۷،نمبر ۶۸۹)اس حدیث میں ہے کہ مغرب کی نماز میں تاخیر مکروہ ہے۔

ترجمه: ۴؎ اورمکان ہمارے مسئلے میں مختلف ہے،اور ایسے ہی اقامت کہنے کا اسلوب بھی مختلف ہے،اسلئے سکتہ ہی سے فصل ہوجائے گا۔اور خطبے میں ایسا نہیں ہے۔

تشریح : یہاں سے امام صاحبین کوامام ابوحنیفہؒ کی جانب سے جواب ہے ۔فرماتے ہیں کہ خطبہ اوراقامت کے درمیان دوفرق ہیں ۔ایک فرق یہ ہے کہ دونوں خطبوں کا مقام ایک ہی ہے۔جبکہ اذان کی جگہ مسجد سے باہر ہے،اوراقامت کی جگہ مسجد کے اندر ہے،تو دوجگہ ہونے کی وجہ سے فصل ہو گیا۔دوسرا فرق یہ ہے کہ دونوں خطبوں کے پڑھنے کا انداز ایک ہی ہے،اسلئے درمیان میں بیٹھ کر فصل کرے،اوراذان پڑھنے کا انداز زورزور سے ہےاورآہستہ آہستہ ہے،جبکہ اقامت کہنے کا انداز جلدی جلدی ہےاورکم آواز سے ہے،اسلئے اس طرح بھی فصل ہوجائے گا،اوراتنا ہی فصل کافی ہے۔نغمہ کا ترجمہ ہے ،بولنے کا انداز، بولنے کا اسلوب۔

ترجمه: ۵؎ اورامام شافعیؒ نے فرمایا کہ دورکعت پڑھ کر فصل کرے اورنمازوں پر قیاس کرتے ہوئے۔اور دونوں کے درمیان جو فرق ہے وہ میں نے بیان کردیا۔

تشریح :امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ دورکعت نفل پڑھ کر فصل کرے ،جس طرح اورنمازوں میں نفل پڑھ کر فصل کرتے ہیں۔

وجه :(۱) مغرب کی اذان کے بعد نفل پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے۱۔عن عبد الله المزنی قال : قال رسول الله ﷺ : صلوا قبل المغرب رکعتین ، ثم قال : صلوا قبل المغرب رکعتین لمن شاء . خشیة أن یتخذھا الناس

۶ قال يعقوب رأيت ابا حنيفةؒ يؤذن فی المغرب ويقيم ولايجلس بين الاذان والاقامة وهذا يفيد ما قلناه ۷ وان المستحب كون المؤذن عالما بالسنة لقوله علیہ السلام ويؤذن لكم خياركم (۲۲۰) ويؤذن للفائتة ويقيم ﴿ ۱ لانه علیہ السلام قضى الفجر غداة ليلة التعريس باذان واقامة ۲ وهو حجة على الشافعی

سنة ۔(ابوداودشریف، باب الصلاۃ قبل المغرب، ص۱۹۲، نمبر۱۲۸۱ ربخاری شریف، باب کم بین الاذان والاقامۃ ومن ینتظر اقامۃ الصلاۃ، ص۸۷، نمبر۶۲۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغرب کی اذان کے بعد نفل پڑھے (۲) حدیث میں ہے۔ عن عبد الله بن مغفل عن النبی ﷺ قال : بين كل اذانين صلوة لمن شاء ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی الصلوۃ قبل المغرب، ص۴۵، نمبر۱۸۵) اس حدیث میں ہے کہ اذان اور اقامت کے درمیان نفل ہے اسلئے نفل پڑھ کر فصل کرے۔

ترجمہ: ۶ یعقوب یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ میں نے امام ابوحنیفہؒ کو دیکھا کہ مغرب کی اذان دیتے اور اقامت کہتے اور اذان اور اقامت کے درمیان نہیں بیٹھتے، اور یہ وہی بات ہے جو امام ابوحنیفہؒ نے اوپر کہی۔ یہ عبارت جامع صغیر، باب الاذان، ص۸۴، کی ہے

ترجمہ: ۷ اور مستحب یہ ہے کہ موءذن سنت کو جاننے والا ہو۔ حضور کے قول کی وجہ سے کہ تمہارے لئے تم میں سے اچھا آدمی اذان دے۔

تشریح : اذان کے سنتوں اور مسائل سے واقف ہوا ایسا آدمی اذان دے تو بہتر اور مستحب ہے۔ اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ تم سے جو دین کے اعتبار سے اچھا آدمی ہو وہ آذان دے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس قال : قال رسول الله ﷺ : ليوء ذن لكم خياركم و ليوء مكم قراوء كم ۔(ابوداودشریف، باب من أحق بالامامۃ، ص۹۴، نمبر۵۹۰ رابن ماجہ شریف، باب فضل الاذان وثواب الموءذنین، ص۱۰۴، نمبر۷۲۶) اس حدیث میں ہے کہ تم میں سے جو اچھا ہو وہ اذان دے۔

ترجمہ: (۲۲۰) اذان دے گا فوت شدہ نماز کے لئے اور اقامت کہے گا۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے لیلۃ التعریس کی صبح کو فجر قضا کی اذان اور اقامت کے ساتھ۔

تشریح : نماز فوت ہو جائے تو جب اسکو ادا کرے گا تو اذان بھی دے گا اور اقامت بھی کہے گا۔ حدیث یہ ہے۔ عن أبی هريرة فی هذا الخبر قال : فقال رسول الله ﷺ : تحولوا عن مكانكم الذى أصابتكم فيه الغفلة ، قال فأمر بلالا فأذن و أقام و صلى ۔(ابوداودشریف، باب فی من نام عن صلوۃ أو نسیھا، ص۶۹، نمبر۴۳۶) غزوہ خیبر میں فجر کی نماز قضا ہو گئی تھی جس میں حضرت بلال کو اذان اور اقامت کا حکم دیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ فوت شدہ نماز کے لئے اذان بھی دے گا اور اقامت بھی کہے گا۔

فی اکتفائه بالاقامة (۲۲۱) فان فاتته صلوٰت اذن للاولیٰ واقام ﴾لِ لما روینا (۲۲۲) وکان مخیّرًا فی الباقی ان شاء اذن واقام (لِ لیکون القضاء علی حسب الاداء) وان شاء اقتصر علی الاقامة ﴾

وجه : تعریس: کا ترجمہ ہے مسافر کا رات کے آخیر میں آرام کے لئے اترنا، لیلۃ التعریس کا ترجمہ ہوگا مسافر جو رات کے آخیر میں آرام کے لئے اترے تھے اسکا واقعہ۔ یہ غزوہ خیبر میں پیش آیا تھا۔

ترجمہ : ۲ؔ اور یہ امام شافعیؒ پر حجت ہے صرف اقامت پر اکتفاء کرنے کے سلسلے میں۔

امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ فوت شدہ نماز کے لئے صرف اقامت کہی جائے گی، اور اذان نہیں کہی جائے گی۔

وجه : انکی دلیل یہ حدیث ہے جس میں فوت شدہ نماز کے لئے صرف اقامت کہی گئی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن ابی هريرة حين قفل من غزوة خيبر سار ليلة ......ثم توضأ رسول الله ﷺ ، و امر بلالا فأقام الصلوة فصلى بهم الصبح** ۔ (مسلم شریف، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ واستحباب تعجیل قضائھا ص ۲۳۸، نمبر ۶۸۰/۱۵۶۰) اس حدیث میں صرف اقامت کا تذکرہ ہے اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک فائتہ نماز کے لئے صرف اقامت کہی جائے گی۔۔ ہماری اوپر کی حدیث انکے خلاف حجت ہے۔

ترجمہ: (۲۲۱) بہت سی فائتہ نمازوں میں پہلی کے لئے اذان دے اور اقامت کہے۔

ترجمہ: لِ اس حدیث کی بنا پر جو میں نے پہلے روایت کی۔

تشریح: اور اگر بہت سی نمازیں ہوں تو اختیار ہے چاہے ہر ایک کے لئے اذان دے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے اور چاہے تو صرف پہلی کے لئے اذان دے اور باقی ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔

وجه: اوپر کی حدیث یہ ہے۔ **قال عبد الله ان المشركين شغلوا رسول الله ﷺ عن اربع صلوات يوم الخندق حتى ذهب من الليل ماشاء الله فامر بلالا فاذن ثم اقام فصلى الظهر ثم اقام فصلى العصر ثم اقام فصلى المغرب ثم اقام فصلى العشاء** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل تفوتہ الصلوات بایتھن یبدأ ص ۴۳ نمبر ۱۷۹/ نسائی شریف، باب کیف یقضی الفوائت من الصلوۃ ص ۲ے نمبر ۶۲۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ اذان دے اور باقی کے لئے اقامت کہے۔

(۲) اذان کا مقصد لوگوں کو باہر سے بلانا ہے اور ہر ایک اذان میں سب جمع ہو چکے ہیں اس لئے باقی نمازوں کے لئے اذان دینے کی چنداں حاجت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۲۲) اور اختیار ہے باقی میں چاہے تو اذان دے اور اقامت کہے (لِ تا کہ قضا ادا کے مطابق ہو جائے) اور

۱ لان الاذان للاستحضاروهم حضور ۲ قالؒ وعن محمدؒ انه يقام لما بعدها قالوا يجوز ان يكون هذا قولهم جميعا، (۲۲۳) وينبغي ان يؤذن ويقيم علىٰ طهر فان اذن على غير وضوء جاز﴾

چاہےتو اقامت پر اکتفاء کرے

تشریح : بہت سی نمازفوت ہوگئی ہوں تو دوقسم کے اختیار ہیں، ایک تو ہر ایک کے لئے اذان دے اور ہر ایک کے لئے اقامت کہے، اور یہ بھی ہے کہ پہلی کے لئے اذان دے اور باقی ہر ایک کے لئے اقامت کہے۔

وجہ : ہر ایک کے لئے اذان دینے کی وجہ یہ بتائی کہ ادا نماز میں ہر ایک کیلئے اذان دیتے ہیں تو قضا نماز میں بھی ہر ایک کے لئے اذان دے تا کہ قضا نماز ادا کے مطابق ہو جائے۔

اور پہلی نماز کے لئے اذان دے اور باقی کے لئے صرف اقامت کہے، اسکی وجہ اوپر حدیث گزر چکی کہ غزوہ خندق کے موقع پر ایک نماز کے لئے اذان دی اور باقی کے لئے اقامت کہی۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ اذان لوگوں کو حاضر کرنے لئے ہے، اور یہاں سب لوگ حاضر ہی ہیں۔ (اسلئے دوبارہ اذان دینے کی ضرورت نہیں۔)

ترجمہ: ۲ اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ باقی کے لئے بھی صرف اقامت ہی کہی جائے گی۔ علماء فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ سبھی ائمہ کا قول ہو۔

تشریح : امام محمدؒ سے روایت ہے کہ صرف پہلی کے لئے اذان دی جائے اور باقی ہر ایک کے لئے صرف اقامت کہی جائے۔

امام ابو بکر رازیؒ نے فرمایا کہ حنفیہ کے تینوں اماموں کا قول یہی ہے۔ اور اسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسکے مطابق اوپر کی حدیث بھی ہے۔

ترجمہ : (۲۲۳) مناسب ہے کہ اذان اور اقامت وضو کے ساتھ کہے۔ پس اگر اذان بغیر وضو کے دیدی تو جائز ہے۔

وجہ : (۱) اذان میں نماز کی طرف بلانا ہے اور ذکر ہے اس لئے وضو کے ساتھ اذان کہے۔ اور اقامت کے بعد تو نماز ہی پڑھنا ہے تو دوسرے لوگ نماز میں مشغول ہوں اور خود نماز کی طرف بلانے والا وضو کرنے جائے تو کتنا برا معلوم ہوگا! ۔ اس لئے اقامت بغیر وضو کے کہنا مکروہ ہے۔ البتہ اگر کہہ دیا تو اقامت ادا ہو جائے گی (۲) حدیث میں ہے عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال لا يؤذن الا متوضئ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاذان بغیر وضوء ص ۵۰ نمبر ۲۰۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر وضو کے اذان اور اقامت کہنا اچھا نہیں۔ (۲) اور اذان دینا جائز ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے. عن ابراهيم قال : لا بأس أن يوء ذن على غير وضوء ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۹ فی الموءذن یوءذن وھو علی غیر وضوء، ج اول، ص ۱۹۱، نمبر ۲۱۸۹) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اذان بغیر وضو کے دے تو جائز ہے۔

لِ لانہ ذکر ولیس بصلوٰۃ فکان الوضوء فیہ استحبابا کما فی القراءۃ (۲۲۴) ویکرہ ان یقیم علی غیر وضوء ﴾ لِ لما فیہ من الفصل بین الاقامۃ والصلوٰۃ ۲؎ ویروی انہ لاتکرہ الاقامۃ ایضًا لانہ احدالاذانین ۳؎ ویروی انہ یکرہ الاذان ایضا لانہ یصیر داعیًا الٰی مالا یجیب بنفسہٖ،

ترجمہ: لِ اسلئے کہ اذان ذکر ہے نماز نہیں ہے اسلئے وضواس میں مستحب ہے، جیسے کہ قرآن پڑھنے میں وضو مستحب ہے۔

ترجمہ (۲۲۴) اورمکروہ ہے کہ اقامت کہے بغیر وضو کے۔

تشریح : حدث کی حالت ہلکی ناپاکی ہے اسلئے اذان میں اتنا حرج نہیں، کیونکہ اسکے بعد جاکر وضو کرسکتا ہے۔لیکن اقامت کے بعد فورا نماز ہے اسلئے اقامت بغیر وضو کے مکروہ ہوگی، البتہ ہوجائے گی۔اور جنابت کی حالت غلیظ ناپاکی ہے اسلئے اذان مکروہ ہوگی، اور اقامت تو کچھ زیادہ ہی مکروہ ہوگی، تاہم اگر نہیں لوٹایا تو نماز بہر حال ہوجائے گی کیونکہ نماز بغیر اذان اور اقامت کے بھی ہوجاتی ہے۔اسی قاعدے پر آگے کے مسئلوں کی تفصیل ہے۔

وجہ : (۱) اوپر گزر چکی ہے کہ دوسروں کو نماز کی طرف بلائے اور خود نماز چھوڑ کر وضو کے لئے جائے تو کتنی بری بات ہے؟ (۲) اقامت بھی اذان کا ہی حصہ ہے اور جب اذان بغیر وضو کے نہ دے تو اقامت تو بدرجہ اولی بغیر وضو کے نہ دے، اسکے لئے حدیث یہ گزری۔ عن ابی ہریرۃ عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیۃ الاذان بغیر وضوء ص ۵۰ نمبر ۲۰۰)

ترجمہ: لِ اسلئے کہ وضو نہ کرنے کی صورت میں اقامت اور نماز کے درمیان فصل پیدا ہوگا۔

تشریح : اقامت بغیر وضو کے کہے گا تو اسکے بعد وضو کرنے جائے گا تو اقامت اور نماز کے درمیان کافی فاصلہ ہوجائے گا جو اچھی بات نہیں ہے، اسلئے اقامت بغیر وضو کے ہو تو جائے گی البتہ مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اور روایت یہ بھی ہے کہ کہ اقامت بھی مکروہ نہیں ہے، اسلئے کہ وہ بھی دو اذان میں سے ایک ہے۔

تشریح : ایک روایت یہ بھی ہے کہ جس طرح بغیر وضو کے اذان دینا مکروہ نہیں، البتہ اچھا نہیں ہے اسی طرح بغیر وضو کے اقامت کہنا مکروہ نہیں ہے البتہ اچھا نہیں ہے۔اور اسکی وجہ یہ بتاتے ہیں کہ وہ بھی ایک قسم کی اذان ہی ہے، اور اذان مکروہ نہیں تو یہ بھی مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ :۳؎ اور یہ بھی روایت ہے کہ اذان بھی مکروہ ہے، اسلئے کہ وہ ایسی چیز کی طرف بلانے والا ہوگا جو وہ خود نہیں کر رہا ہے۔

تشریح : اس روایت میں یہ ہے کہ اذان بھی بغیر وضو دینا مکروہ ہے۔ (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اذان کے ذریعہ لوگوں کو بلا رہا ہے اور خود وضو کرنے جا رہا ہے، اسلئے مکروہ ہے۔(۲) اثر میں ہے۔۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۰ من کرہ اٴن یوذن وھو غیر طاھر، ج اول

(۲۲۵) ویکرہ ان یؤذن وھو جنب ۱؎ روایةً واحدة ۲؎ ووجہ الفرق علیٰ احدی الروایتین ھوان للاذان شبھا بالصلوٰة فیشترط الطھارة عن اغلظ الحدیث دون اخفھما عملاً بالشبھین ۳؎ وفی الجامع الصغیر اذا اذن علیٰ غیر وضوء واقام لایعید والجنب احب الیّ ان یعیدوان لم یعد اجزاہ

ص ۱۹۲، نمبر ۲۱۹۶ عن عطاء أنه كره أن يوء ذن الرجل و هو على غير وضوء رمصنف عبدالرزاق، باب الاذان علی غیر وضوء، ج اول، ص ۴۶۵، نمبر ۱۷۹۹) اس اثر میں ہے کہ بغیر وضو کے اذان مکروہ ہے۔ (۳) اور حدیث بھی گزر چکی کہ بغیر وضو کے اذان نہ دے۔ عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیة الاذان بغیر وضوء ص ۵۰ نمبر ۲۰۰) اسلئے مکروہ ہے۔

ترجمہ: (۲۲۵) اور مکروہ ہے کہ جنابت کی حالت میں اذان دے۔

ترجمہ: ۱؎ یہ ایک روایت ہے۔

وجہ: جب بغیر وضو کے اذان دینا مکروہ ہے تو جنابت کی حالت میں اذان دینا بدرجۂ اولی مکروہ ہوگا (۲) عن ابی ھریرة عن النبی ﷺ قال لا یؤذن الا متوضئ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی کراہیة الاذان بغیر وضوء ص ۵۰ نمبر ۲۰۰) اسلئے جنابت کی حالت میں بدرجہ اولی مکروہ ہوگا۔

ترجمہ: ۲؎ دو روایتوں میں سے ایک کے مطابق فرق کی وجہ یہ ہے کہ اذان کو نماز کی بھی مشابہت ہے اسلئے دو حدثوں میں سے اغلظ سے پاکی کی شرط لگائی جائے گی نہ کہ اخف کی دونوں مشابہتوں پر عمل کرتے ہوئے۔

تشریح: اوپر وضو کے بارے میں دو روایتیں گزریں، ایک تو یہ کہ بغیر وضو کے اذان میں کوئی حرج نہیں، البتہ اچھا نہیں ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ بغیر وضو کے اذان مکروہ ہے، جس میں ہے کہ کوئی حرج نہیں اس روایت کے سلسلے میں یہ فرق بتا رہے ہیں کہ بغیر وضو کے اذان کیوں جائز ہے اور جنابت کی حالت میں مکروہ کیوں ہے؟ فرماتے ہیں۔ اذان کی دو حیثیتیں ہیں۔ (۱) ایک تو یہ کہ یہ حقیقت میں نماز نہیں ہے اسلئے اس میں اخف طھارت یعنی وضو کی ضرورت نہیں۔ اور دوسری حیثیت یہ ہے کہ یہ نماز کے مشابہ ہے کیونکہ اس میں تکبیر وغیرہ ہے اسلئے اغلظ طھارت یعنی جنابت سے پاک ہونا چاہئے۔ اس طرح اذان عملا دونوں کے مشابہ ہو گیا، یعنی نماز ہے بھی اور نہیں بھی ہے۔ یہ دلیل عقلی ہے، اصل تو اوپر کی حدیث اور اثر ہے جس سے جنابت کی حالت میں اذان مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ اگر بغیر وضو کے اذان دی اور اقامت کہی تو نہ لوٹائے، اور جنابت کی حالت میں اذان یا اقامت کہی تو پسندیدہ یہ ہے کہ لوٹالے۔ پھر بھی اگر نہیں لوٹایا تو کافی ہے۔

تشریح: جامع صغیر میں عبارت یہ ہے۔ موء ذن أذن على غير وضوء و أقام قال : لا يعيد ، و الجنب أحب الى

٤ اما الاول فلخفة الحدث، ٥ واما الثاني ففي الاعادة بسبب الجنابة روايتان ٦ والاشبه ان يعاد الاذان دون الاقامة لان تكرار الاذان مشروع دون الاقامة ٧ وقوله ان لم يعد اجزاه يعني الصلوٰة لانها جائزة بدون الاذان والاقامة، (٢٢٦) قال: وكذلك المرأة تؤذن ١ معناه يستحب ان يعاد

أن يعيد. (جامع صغير باب الاذان، ص ٨٤،) اسکا حاصل یہ ہے کہ بغیر وضو کے اذان دی، یا اقامت کہی تو اذان اور اقامت ہوگئی ،اسلئے دوبارہ لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔ کیونکہ بغیر کراہیت کے ہوگئی ہے لیکن جنابت کی حالت میں اذان، یا اقامت کہی تو کراہیت کے ساتھ ہوئی، اسلئے بہتر یہ ہے کہ دونوں کو لوٹالے، کیونکہ کراہیت کے ساتھ ہوئی ہے۔ تاہم اگر نہیں لوٹائی تو ہوگئی ہے اسلئے کافی ہوجائے گی۔

ترجمہ : ٤ بہر حال پہلا یعنی وضو، تو حدث کے ہلکے ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : پہلے سے مراد ہے کہ بغیر وضو کے اذان، یا اقامت کہی تو لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے کہ یہ حدث شدید نہیں ہے خفیف ہے۔

ترجمہ : ٥ بہر حال دوسرا، تو جنابت کے سبب سے لوٹانے میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح : دوسرا سے مطلب یہ ہے کہ جنابت کی حالت میں اذان، یا اقامت کہی تو دونوں کو لوٹائے یا نہیں اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ظاہری روایت یہ ہے کہ لوٹانا مستحب ہے اور امام کرخیؒ کی روایت میں ہے کہ لوٹانا واجب ہے۔

ترجمہ: ٦ فقہ سے لگتی ہوئی بات یہ ہے کہ اذان لوٹائے، اقامت نہ لوٹائے، اسلئے کہ اذان میں تکرار مشروع ہے اقامت میں نہیں۔

تشریح : جنابت کی حالت میں اذان، یا اقامت کہہ دی تو مکروہ تو دونوں ہوئے، البتہ فقہ سے مناسب بات یہ ہے کہ اذان دہرا لے، کیونکہ اذان میں تکرار مشروع ہے۔ کیونکہ جمعہ میں دو مرتبہ اذان دی جاتی ہے تو اس پر قیاس کرتے ہوئے یہاں بھی دو مرتبہ اذان ہوجائے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ لیکن اقامت نہ دہرائے، کیونکہ ایک ہی نماز میں دو مرتبہ اقامت کہنے کی مثال نہیں ہے۔

ترجمہ : ٧ اور جامع صغیر کا یہ قول ۔ وان لم یعد اجزاہ۔ کہ اذان، یا اقامت نہ لوٹائے تب بھی کافی ہے، کا مطلب یہ ہے کہ نماز جائز ہوجائے گی۔ اسلئے نماز بغیر اذان اور اقامت کے بھی جائز ہوجاتی ہے۔

تشریح : اتنی سی بات ہے کہ بغیر اذان، اور بغیر اقامت کے نماز پڑھے گا تو خلاف سنت ہوگی۔ اسلئے نماز جائز ہوجائے گی۔

ترجمہ: (٢٢٦) جامع صغیر میں فرمایا کہ ایسے ہی عورت اذان دے تو لوٹائی جائے گی۔

ترجمہ: ١ اسکا معنی یہ ہے کہ مستحب یہ ہے کہ لوٹالے تاکہ اذان سنت کے طریقے پر واقع ہو۔

ليقع علىٰ وجه السنة(۲۲۷) ولا يؤذن لصلوٰة قبل دخول وقتها ويعاد فى الوقت﴾

تشریح:۔عورت اپنے لئے اذان دے تو بعض ائمہ کے یہاں گنجائش ہے۔انکی دلیل یہ اثر ہے۔عن عائشة أنها كانت تؤذن و تقيم و تؤم النساء و تقوم وسطهن ۔(سنن بیہقی، باب أذان المرأة واقامتها لنفسها وصواحبتها، ج اول،ص ۶۰۰،نمبر ۱۹۲۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ،۳۳ من قال علیھن أن یوءذن ویقمن ، ج اول ،ص ۲۰۲،نمبر ۲۳۲۲)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے اذان، اور اقامت کہنے کی گنجائش ہے۔لیکن مرد کے ہوتے ہوئے عورت اذان کہے تو بہتر نہیں ہے اسلئے اسکو دہرا لے تو مستحب ہے۔

وجه : یہ حدیث ہے۔عن أسماء قالت قال رسول الله ﷺ : ليس على النساء أذان و لا اقامة و لا جمعة و لا اغتسال جمعة و لا تقدمهن امرأة و لكن تقوم وسطهن ۔(سنن بیہقی، باب لیس علی النساء أذان ولا اقامة، ج اول ،ص ۶۰۰ ،نمبر ۱۹۲۱ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۳۲ فی النساء من قال لیس علیھن اذان ولا اقامۃ ، ج اول ،ص ۲۰۲ ،نمبر ۲۳۱۳) اس حدیث میں ہے کہ عورتوں پر اذان نہیں ہے اسلئے اسکی اذان مردوں کے لئے مکروہ ہے اسلئے لوٹا لے تو بہتر ہے۔

ترجمه :(۲۲۷) نہیں اذان دی جائے نماز کے لئے اس کے وقت سے پہلے، اور وقت آنے پر لوٹائی جائے۔

تشریح :امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ کسی بھی نماز میں وقت سے پہلے اذان صحیح نہیں ہے۔اور اگر اذان دے دی تو دوبارہ لوٹائی جائیگی۔

وجــه: (۱)اذان دینے کا مقصد وقت بتانا ہے۔لیکن وقت سے پہلے اذان دینے سے وقت کی تجہیل ہوگی۔اس لئے وقت سے پہلے اذان نہ دی جائے (۲) مدینہ طیبہ میں فجر کی اذان وقت سے پہلے دی جاتی تھی وہ تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے اور جو تہجد پڑھ چکے ہیں ان کو آرام کرنے کی اطلاع دینے کے لئے تھی۔چنانچہ مدینہ طیبہ اور مکہ مکرمہ کی طرح تہجد پڑھنے والے کثرت سے ہوں تو ان کو بیدار کرنے کے لئے اذان دی جاسکتی ہے۔یہی وجہ ہے کہ فجر کی نماز کے لئے عبد اللہ بن مکتوم دوسری اذان دیا کرتے تھے۔ حدیث میں ہے عن عبد الله بن مسعود عن النبى ﷺ قال لايمنعن احدكم او احدا منكم اذان بلال من سحوره فانه يؤذن او ينادى بليل ليرجع قائمكم و لينبه نائمكم ۔ (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ۸۷ نمبر ۶۲۱ رنسائی شریف، باب الاذان فی غیر وقت الصلوۃ ص ۷۵ نمبر ۶۴۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات میں حضرت بلال کی اذان فجر کی نماز کے لئے نہیں تھی، تہجد والوں کو بیدار کرنے کے لئے تھی۔اسی لئے نماز کے وقت حضرت عبد اللہ ابن مکتوب دوبارہ اذان دیا کرتے تھے۔حدیث میں ہے(۳)عن عائشة عن النبى ﷺ انه قال ان بلالا يؤذن بليل فكلوا و اشربوا حتى يؤذن ابن ام مكتوم. (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر ص ۸۷ نمبر ۶۲۲ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الاذان باللیل ص ۵۰ نمبر ۲۰۳)(۴)وقت سے پہلے اذان دینے سے اذان لوٹانی پڑے گی حدیث میں ہے عن ابن عمر ان بلالا اذن بليل

ا لان الاذان للاعلام وقبل الوقت تجهيل ٢ وقال ابويوسفؒ وهو قول الشافعیؒ یجوز للفجر فی النصف الاخیر من اللیل لتوارث اهل الحرمین ٣ والحجة علی الکل قوله علیه السلام لبلالؓ لاتؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا ومدیدیه عرضًا،

فامره النبی ﷺ ان ینادی ان العبد قد نام۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاذان باللیل ص ۵۰ نمبر ۲۰۳ / ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وقت سے پہلے حضرت بلال نے اذان دی تو حضورؐ نے ان کو لوگوں کے سامنے معذرت کرنے کے لئے کہا کہ 'ان العبد قد نام' کہو (۵) ان رسول الله ﷺ قال له لا تؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا ومد یدیه عرضا. (ابوداؤد شریف، باب فی الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۴) اس حدیث میں ہے کہ جب تک فجر پھیل کر ظاہر نہ ہو جائے اذان نہ دے، اس سے معلوم ہوا کہ فجر میں بھی وقت سے پہلے اذان نہ دے۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ اذان اطلاع دینے کے لئے ہے اور وقت سے پہلے اذان دینے سے لوگوں کو جہالت میں ڈالنا ہے۔

تشریح: وقت سے پہلے اذان نہ دینے کی یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ اذان اسلئے ہے کہ لوگوں کو اطلاع ہو جائے کہ اب نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ اور وقت سے پہلے اذان دینے سے لوگ شبہ میں پڑ جائیں گے اور جہالت ہوگی، اسلئے وقت سے پہلے اذان دینا اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ اور امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ فجر کے لئے رات کے نصف آخیر میں اذان دینا جائز ہے، اہل حرمین کے توارث کی وجہ سے حضورؐ کے زمانے سے آج تک اہل حرمین صبح صادق سے پہلے اذان دیتے ہیں، اس توارث کی وجہ سے امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ کی رائے ہے کہ رات کے دوسرے حصے میں فجر کی اذان دے سکتا ہے۔ (۲) حدیث میں بھی ہے کہ حضرت بلال صبح صادق سے پہلے اذان دیتے تھے، حدیث یہ گزر گئی ۔ عن عائشة عن النبی ﷺ أنه قال : ان بلالا یوء ذن بلیل فکلوا و اشربوا حتی یوء ذ ن ابن أم مکتوم ۔ (بخاری شریف، باب الاذان قبل الفجر، ص ۸۲، نمبر ۶۲۳) اس حدیث میں ہے کہ فجر سے پہلے اذان دینا جائز ہے۔

ترجمہ: ٣ اور کل پر حجت حضرت بلال کو حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ اذان نہ دو یہاں تک کہ فجر اس طرح واضح ہو جائے، اور حضورؐ نے اپنے ہاتھ کو چوڑائی میں پھیلایا۔

تشریح: اوپر حدیث گزر گئی ہے کہ جب تک صبح صادق خوب واضح نہ ہو جائے فجر کی اذان نہ دے۔ حدیث یہ ہے ۔ ان رسول الله ﷺ قال له لا تؤذن حتی یستبین لک الفجر هکذا ومد یدیه عرضا. (ابوداؤد شریف، باب فی

(۲۲۸) والمسافر يؤذن ويقيم ﴾ ۱؎ لقوله عليه السلام لابنى ابى مليكة اذا سافرتما فاذّنا واقيما،
(۲۲۹) فان تركهما جميعًا يكره ﴾ ۱؎ ولو اكتفى بالاقامة جاز

الاذان قبل دخول الوقت ص ۸۶ نمبر ۵۳۴) اس حدیث میں ہے کہ جب تک صبح صادق پھیل نہ جائے اذان نہ دو ۔

ترجمہ (۲۲۸) اور مسافر اذان بھی دے گا اور اقامت بھی کہے گا۔

ترجمہ: ۱؎ ابی ملیکہ کے دو بیٹوں سے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جب تم سفر کرو تو دونوں اذان دو اور اقامت کہو۔

تشریح: جس طرح مقیم آدمی اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے گا، اسی طرح مسافر بھی اذان اور اقامت کہہ کر نماز پڑھے گا۔

وجہ: (۱) اوپر کی حدیث یہ ہے۔ عن مالک بن الحويرث قال : أتى رجلان النبى ﷺ يريدان السفر فقال النبى ﷺ : اذا انتما خرجتما فأذنا ثم ليوء مكما أكبر كما ۔ (بخاری شریف، باب الاذان للمسافرین اذا کانوا جماعۃ الخ، ص ۸۷، نمبر ۶۳۰ / ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاذان فی السفر، ص ۵۰ نمبر ۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسافر اذان دے اور اقامت کہے۔ (۲) غزوہ خیبر والے سفر میں تھے اور نماز قضا ہوگئی تو بھی آپ نے اذان دلوائی اور اقامت کہلوائی۔ حدیث یہ ہے۔ عن أبى هريرة فى هذا الخبر قال : فقال رسول الله ﷺ : تحولوا عن مكانكم الذى أصابتكم فيه الغفلة ، قال فأمر بلالا فأذن و أقام و صلى ۔ (ابوداود شریف، باب فی من نام عن صلوۃ أو نسیھا، ص ۶۹، نمبر ۴۳۶) اس حدیث میں سفر میں اذان اور اقامت کہی گئی ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ سفر میں بھی اذان اور اقامت کہی جائے گی۔

ترجمہ: (۲۲۹) پس اگر اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو مکروہ ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور اگر اقامت پر اکتفاء کیا تب بھی جائز ہے۔

تشریح: اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دے تو مکروہ ہے۔ اسکی وجہ اوپر کی حدیث ہے جس میں باضابطہ صحابیؓ کو حکم فرمایا کہ سفر کرو تو اذان اور اقامت کہہ لیا کرو۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی الاذان فی السفر، ص ۵۰ نمبر ۲۰۵) اور اگر اذان تو نہیں دی البتہ اقامت کہہ لی تو چل جائے گا اور جائز ہے۔

وجہ: (۱) اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ سفر میں صرف اقامت پر اکتفاء کرتے تھے اور صبح کی نماز میں اذان بھی دیتے تھے۔ اثر یہ ہے۔ أن ابن عمر كان لا يزيد على الاقامة فى السفر فى الصلاة الا فى الصبح ، فانه كان يوء ذن فيها و يقيم و يقول : انما الاذان للامام الذى يجتمع اليه الناس ۔ (سنن بیہقی، باب باب قول من اقتصر علی الاقامۃ فی السفر، ج اول، ص ۶۰۶، نمبر ۱۹۴۴ / مصنف ابن ابی شیبۃ، ۲۳، فی المسافرین یوء ذنون أو تجزئھم الاقامۃ؟، ج اول، ص ۱۹۷، نمبر ۲۲۵۸)

۲ لان الاذان لاستحضار الغائبين والرفقة حاضرون والاقامة لاعلام الافتتاح وهم اليه محتاجون،
(۲۳۰) فان صلى في بيته في المصر يصلى باذان واقامة﴾ ۱ ليكون الاداء علىٰ هيأة الجماعة
۲ وان تركهما جاز لقول ابن مسعودؓ اذان الحيّ يكفينا.

اس اثر میں ہے کہ صرف صبح کی نماز میں اذان دی جاتی تھی، باقی میں اقامت پر اکتفاء کرتے تھے، اسلئے اقامت کو بھی چھوڑ دینا مکروہ ہے۔

ترجمہ : ۲ اسلئے کہ اذان غائب لوگوں کو حاضر کرنے کے لئے ہے، اور ساتھی لوگ حاضر ہیں۔ اور اقامت نماز شروع کرنے کی اطلاع کے لئے ہے، اور ان لوگوں کو اسکی ضرورت ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے جو اوپر اثر میں اسکا تذکرہ تھا۔ کہ اذان کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ غائب ہیں انکو اذان دیکر حاضر کیا جائے، اور یہاں تو تمام رفیق سفر حاضر ہی ہیں اسلئے اذان کی چنداں ضرورت نہیں ہے۔ اور اقامت کا مقصد یہ ہے کہ مصلیوں کو اسکی اطلاع دی جائے کہ نماز شروع ہو رہی ہے۔ اور رفیق سفر کو بھی اسکی ضرورت ہے کہ انکو نماز شروع ہونے کی اطلاع دی جائے اسلئے اقامت کی ضرورت باقی ہے اسلئے اقامت کہی جائے۔ جیسا کہ اثر میں تھا۔

ترجمہ : (۲۳۰) پس اگر شہر میں اپنے گھر میں نماز پڑھی تو اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھے۔

ترجمہ: ۱ تا کہ ادا جماعت کی ترتیب پر ہو جائے۔

وجہ : (۱) شہر کی مسجد میں اذان اور اقامت ہو چکی ہے اب یہ گھر میں نماز پڑھ رہا ہے، اسلئے کسی کو بلانے کی ضرورت نہیں ہے اسلئے اذان دینے کی اتنی ضرورت نہیں ہے، تاہم اذان دے دے تو اچھا ہے تا کہ جس طرح مسجد میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ہوتی ہے اسی طرح گھر میں بھی اذان اور اقامت کے ساتھ نماز ہو جائے۔ (۲) حدیث میں ہے۔ عن ام ورقة الانصارى أن رسول الله ﷺ كان يقول : انطلقوا بنا الى الشهدة فنزورها ،فأمر أن يوء ذن لها و يقام و يوء م اهل دارها في الفرائض ۔ (سنن بیہقی ، باب سنة الاذان والاقامة في البيوت وغيرها، ج اول، ص ۵۹۷، نمبر ۱۹۰۹ رمصنف ابن ابی شيبة ، ۲۶ في الرجل يصلي في بيته يوءذن ويقيم أم لا ، ج اول، ص ۱۹۹، نمبر ۲۲۸۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے گھر میں اذان اور اقامت کے ساتھ نماز پڑھی۔

ترجمہ: ۲ اور اگر اذان اور اقامت دونوں کو چھوڑ دیا تو جائز ہے۔ حضرت ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ گاؤں کی اذان ہمیں کافی ہے۔

وجہ: (۱) حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کا عمل اس طرح ہے عن الاسود وعلقمة قالا أتينا عبد الله بن مسعود في فقال: أصلى هوءلاء خلفكم ؟

فقلنا : لا ، قال : فقوموا فصلوا ، فلم یأ مرنا بأ ذان ولا اقامة ۔ (مسلم شریف ، باب الندب الی وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ، ونسخ التطبیق ، ص ۲۰۱ ، نمبر ۵۳۴/۱۱۹۱) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے بغیر اذان اور اقامت کے نماز پڑھی ۔ (۲) صاحب ھدایہ نے جو اثر پیش کی اسکی عبارت اس طرح ہے ۔ عن عکرمة قال : اذا صلیت فی منزلک أجزأک موء ذن الحی . (مصنف ابن ابی شیبة ، من کان یقول یجزءان یصلی بغیر أذان ولا اقامة ، ج اول ، ص ۲۰۰ ، نمبر ۲۲۹۱) اس اثر میں ہے کہ گاؤں کی اذان تمکو کافی ہے ۔

﴿ باب شروط الصلوة التی تتقدمها ﴾

(۲۳۱)یجب علی المصلی ان یقدم الطهارة من الاحداث والانجاس ﴾ لعلی ماقدمناه قال اللہ تعالیٰ وثیابک فطهّر ۲ وقال اللہ تعالیٰ وان کنتم جنبًافاطهروا (۲۳۲)ویستر عورته﴾

﴿باب شروط الصَّلٰوۃ التی تتقدمہا﴾

ضروری نوٹ: شروط : شرط کی جمع ہے۔وہ فرائض جونماز سے پہلے ادا کئے جائیں۔جوفرائض نماز کے اندرلازم ہیں ان کو ارکان کہتے ہیں۔جیسے مصلی کا بدن پاک ہونا۔یہ شروط چھ ہیں (۱) بدن پاک ہونا حدث اورنجس دونوں سے (۲) جگہ پاک ہونا (۳) سترعورت ہونا(۴) کپڑا پاک ہونا(۵) نماز کی نیت کرنا(۶) قبلہ کی طرف متوجہ ہونا۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

﴿(۱) بدن پاک ہو(۲) جگہ پاک ہو﴾

ترجمہ: (۲۳۱) واجب ہےنماز پڑھنے والے پر کہ پہلے پاکی حاصل کرے حدث سےاورنجس سے۔جیسا کہ پہلے ہم نے بیان کیا۔

تشریح : حدث کی دوقسمیں ہیں۔حدث اصغر جیسے وضوکرنے کی ضرورت ہواور حدث اکبر جیسے غسل کرنے کی ضرورت ہو جیسے جنابت ہو یا حیض یا نفاس سے پاک ہوئی ہو۔تو مصلی کو ان دونوں حدثوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔حدث اصغر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے واذا قمتم الی الصلوة فاغسلوا وجوهكم وایدیكم الی المرافق الخ (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اورحدث اکبر سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وان کنتم جنبا فاطهروا (آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵)اورنجس سے پاک ہونے کی دلیل یہ آیت ہے وثیابک فطهر (آیت ۴ سورۃ المدثر ۷۴) ظاہر ہے کہ کپڑے میں نجس لگی ہوتی ہے اس لئے نجس سے پاک ہونے کی دلیل اس آیت میں موجود ہے۔اس حدیث سے بھی اس کا پتہ چلتا ہے یا عمار انما یغسل الثوب من خمس من الغائط والبول والقیء والدم والمنی (دار قطنی، باب نجاسۃ البول والامر بالتنزہ منہ ج اول ص ۱۳۴ نمبر ۴۵۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بدن، کپڑا اور مکان ان نجاستوں سے پاک ہونا ضروری ہے۔باقی تفصیل باب الانجاس میں دیکھیں۔

ترجمہ: ا اللہ تعالی نے فرمایا، کہ اے رسول اللہ ﷺ اپنے کپڑے کو پاک کرو۔

ترجمہ: ۲ اوراللہ تعالی نے فرمایا، کہ اگر تم جنبی ہوتو خوب خوب پاکی حاصل کرو۔۔دونوں آیتیں اوپر گزر گئیں۔

﴿(۳) سترعورت ہو﴾

ترجمہ :(۲۳۲) مصلی اپنا سترعورت کرے۔

مرد یا عورت کا جو جو عضوعورت ہےنماز کی حالت میں انکا چھپانا ضروری ہے ورنہ نماز نہیں ہوگی۔عضو کی تفصیل آگے ہے۔

۱؎ لقولہ تعالیٰ خذوا زینتکم عند کل مسجد ای مایواری عورتکم عند کل صلوٰۃ ۲؎ وقال علیہ السلام لا صلوٰۃ لحائض الا بخمار ای لبالغۃ (۲۳۳) وعورۃ الرجل ماتحت السّرّۃ الی الرکبۃ

وجہ : آیت میں ہے یا بنی آدم خذ وا زینکم عند کل مسجد. (آیت ۳۱ سورۃ الاعراف ۷) اور حدیث میں ہے عائشۃ قال رسول اللہ ﷺ لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقبل صلوۃ المرأۃ الحائض الا بخمار ص ۸۶ نمبر ۳۷۷ ابواب الصلوۃ/ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نمازی کو ستر ڈھانکنا ضروری ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اللہ تعالی کا قول، ہر نماز کے وقت میں زینت اختیار کرو۔یعنی نماز کے وقت اتنا کپڑا پہنو جو تمہاری ستر ڈھانک دے۔

تشریح : یا بنی آدم خذ وازینکم عند کل مسجد. (آیت ۳۱ سورۃ الاعراف ۷) اس آیت کا ظاہری مطلب یہ ہے کہ مسجد کے وقت زینت اختیار کرو۔ اسلئے اسکی تفسیر بتاتے ہیں کہ مسجد سے نماز مراد ہے، کہ نماز کے وقت زینت اختیار کرو یعنی اتنا کپڑا پہنو جو ستر ڈھانک دے۔

ترجمہ: ۲؎ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ حائضہ ،یعنی بالغہ عورت کی نماز نہیں ہوتی مگر دوپٹے سے۔

تشریح : اوپر کی حدیث یہ ہے۔عن عائشۃ قالت:قال رسول اللہ ﷺ :لا تقبل صلوۃ حائض الا بخمار ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء لاتقبل صلوۃ المرأۃ الحائض الا بخمار ص ۸۶ نمبر ۳۷۷ ابواب الصلوۃ/ابوداؤد شریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار ص ۱۰۱ کتاب الصلوۃ نمبر ۶۴۱) یعنی آزاد عورت کا سر بھی عورت ہے اسلئے دوپٹہ اوڑھے گی تو نماز ہوگی ورنہ نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۲۳۳) مرد کا ستر ناف کے نیچے سے گھٹنے تک ہے۔

تشریح: گھٹنا ستر میں داخل ہے اور ناف ستر میں داخل نہیں ہے اس لئے نماز میں ناف کھل جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔لیکن اگر گھٹنا کا چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ ناف ستر میں نہیں ہے اور گھٹنا ستر میں داخل ہے۔ سمعت علیا یقول قال رسول اللہ ﷺ الرکبۃ من العورۃ . (دارقطنی، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیہا وحد العورۃ التی یجب سترھا ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۳ نمبر ۸۷۸)(۲)عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ قال قال رسول اللہ ﷺ مرو صبیانکم بالصلوۃ فی سبع سنین واضربوھم علیہا فی عشر و فرقوا بینھم فی المضاجع واذا زوج احدکم خادمہ من عبدہ او اجیرہ فلا ینظرون الی شیء من عورتہ فان کل شیء اسفل من سرتہ الی رکبتہ من عورتہ. (سنن للبیہقی، باب

۱؎ لقوله ﷺ عورة الرجل ما بين سرته الىٰ ركبته ويروى مادون سرته حتى تجاوز ركبته وبهذايتبين ان السرة ليست من العورة ۲؎ خلافًا لمايقول الشافعیؒ

عورة الرجل ج ثانی ص۳۲۴ نمبر۳۲۳۵ ردارقطنی ، باب الامر بتعلیم الصلوة والضرب علیها وحد العورة التی یجب سترها ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶) حضرت علیؓ کی حدیث میں تھا کہ گھٹنا ستر ہے۔اس لئے ابن شعیب کی حدیث میں الی رکبته کا ترجمہ گھٹنا سمیت کیا ہے۔ جیسے کہ وایدیکم الی المرافق کا ترجمہ کہنیوں سمیت کیا تھا۔اس لئے گھٹنا ستر میں داخل ہوگا۔اور عمر ابن شعیب کی حدیث اسفل من سرته ہے۔جس کا مطلب یہ ہے کہ ناف سے نیچے نیچے ستر ہے ناف ستر میں داخل نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ مرد کا ستر عورت ناف سے لیکر گھٹنے تک ہے۔اور یہ بھی روایت کی جاتی ہے کہ ناف کے نیچے سے لیکر یہاں تک کہ دونوں گھٹنے تجاوز کر جائے۔اس سے ظاہر ہوا کہ ناف ستر عورت میں سے نہیں ہے۔

تشریح : یہ دونوں حدیثیں کئی حدیثوں کا مجموعہ ہیں۔اوپر وہ حدیثیں گزر گئیں۔مثلا ناف کے نیچے سے ستر شروع ہوتا ہے، اور خود ناف ستر میں سے نہیں ہے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ... فلا ينظر الى مادون السرة و فوق الركبة فان ما تحت السرة الى الركبة من العورة . (دارقطنی، باب الامر بتعلیم الصلوات والضرب علیها وحد العورة التی یجب سترها ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶ رابوداؤد شریف، باب متی یؤمر الغلام بالصلوة ص ۷۸ نمبر ۴۹۶) اس حدیث میں ہے کہ ناف ستر نہیں ہے۔البتہ اس حدیث میں یہ بھی ہے کہ گھٹنے سے اوپر ستر ہے، خود گھٹنہ ستر عورت نہیں ہے۔

اور گھٹنہ ستر عورت ہے اسکے لئے یہ حدیث گزری۔ سمعت عليا يقول قال رسول الله ﷺ الركبة من العورة . (دار قطنی، باب الامر بتعلیم الصلوة والضرب علیها وحد العورة التی یجب سترها ج اول کتاب الصلوة ص ۲۳ نمبر ۸۷۸) اس حدیث میں ہے کہ گھٹنہ ستر عورت میں سے ہے۔(۲) مسند احمد میں عبارت یہ ہے۔عن عمر و بن شعيب ....فلا ينظرن الى شيء من عورته ، فانما أسفل من سرته الى ركبتيه من عورته ۔(مسند احمد، مسند عبداللہ بن عمرو، ج ثانی ص ۳۸۷، نمبر ۶۷۱۷) اس حدیث میں ہے کہ ناف کے نیچے سے ستر ہے اور گھٹنے تک ہے، یعنی گھٹنے سمیت ہے۔

فائدہ ترجمہ: ۲؎ خلاف اسکے جو امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔

تشریح : یعنی امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ناف ستر ہے۔ممکن ہے کہ امام شافعیؒ کا یہ بھی ایک قول ہو۔ورنہ انکا اصل قول یہ ہے کہ ناف ستر عورت نہیں ہے۔موسوعة میں عبارت یہ ہے۔قال الشافعیؒ : و عورة الرجل ما دون سرته الى ركبتيه ، ليس سرته و لا ركبتاه من عورته . (موسوعة للامام شافعیؒ، باب جماع لبس المصلی، ج ثانی، ص ۸۴، نمبر ۱۱۵۷) اس عبارت سے

۳؎ والركبة من العورة خلافاله ايضًا ۴؎ وكلمة الٰى نحملها علىٰ كلمة مع عملا بكلمة حتى وعملابقوله عليه السلام:الركبة من العورة

معلوم ہوا کہ انکے یہاں نہ ناف ستر ہےاور نہ گھٹنہ ستر ہے۔۔اگر ناف ستر ہوتو یہ اثر دلیل بن سکتی ہے۔عن ابی العلاء مولی الاسلمیین ، قال : رأيت علياً ؓ يتزر فوق السرة ۔(سنن بیہقی ،باب عورۃ الرجل،ج ثانی،۳۲۸،نمبر۳۲۴۹)اس اثر میں ہے کہ حضرت علیؓ ناف کے اوپر ازار باندھتے تھے،جسکا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ ناف ستر عورت ہے۔۔اوپر کی حدیث انکے خلاف ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور گھٹنا ستر عورت ہے،اسکے خلاف بھی امام شافعیؒ ہیں۔

تشریح : اوپر گزرا کہ حنفیہ کے نزدیک گھٹنہ ستر عورت ہے،اسکی دلیل اوپر گزرگئی۔اور امام شافعیؒ کے نزدیک گھٹنہ ستر عورت نہیں ہے۔

وجہ :ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله ﷺ ... فلا ينظر الى مادون السرة و فوق الركبة فان ما تحت السرة الى الركبة من العورة . (دار قطنی،باب الامر بتعلیم الصلوات والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ص ۲۳۷ نمبر ۸۷۶) (۲)ابوداود میں عبارت یہ ہے۔عن عمرو بن شعيب .... فلا ينظر الى ما دون السرة و فوق الركبة ۔(ابوداؤد شریف،باب متی یؤمر الغلام بالصلوۃ ص ۸۷ نمبر ۴۹۶)اس حدیث میں گھٹنا سے اوپر ستر کہا گیا ہے۔اس لئے ان کے یہاں گھٹنا ستر نہیں ہے۔(۲)دوسری حدیث میں ہے کہ حضورؐ کی ران کھلی ہوئی نظر آرہی تھی جسکا مطلب یہ ہوا کہ ران ستر عورت نہیں ہے تو گھٹنہ بدرجہ اولی ستر نہیں ہوگا، لمبی حدیث کاٹکڑا یہ ہے۔عن انس بن مالك ان رسول الله ﷺ غزا خيبر ....و ان ركبتى لتمس فخذ نبى الله ﷺ ثم حسر الازار عن فخذه حتى انى انظر الى بياض فخذنبى الله ﷺ ۔(بخاری شریف،باب مایذکر فی الفخذ،ص ۵۳،نمبر ۳۷۱ رمسلم،باب غزوۃ خیبر ،ص ۸۰۳،نمبر ۱۳۶۵/۴۶۶۵)اس حدیث میں ہے حضورؐ کی ران نظر آرہی تھی تو گھٹنہ اس سے نیچے ہوتا ہےاسلئے وہ بدجہ اولی کھلا رہا ہوگا جس سے معلوم ہوا کہ گھٹنہ ستر نہیں ہے۔۔ہمارا جواب اوپر کی حدیث ہے الركبة من العورة . (دار قطنی،نمبر ۸۷۸)

ترجمہ : ۴؎ اور کلمہ۔الی۔کوکلمہ۔مع۔پرحمل کریں گےکلمہ۔حتی۔پرعمل کرتے ہوئے،اور حضور علیہ السلام کا قول:((الركبة من العورة)).پرعمل کرتے ہوئے۔

تشریح :ضرور صاحب ھدایہ کے ذہن میں مسند احمد،اور سنن بیہقی کی حدیث ہے جس میں الی رکبتہ،کالفظ ہے۔عن عمر وبن شعيب ....فلا ينظرن الى شيء من عورته ، فانما أسفل من سرته الى ركبتيه من عورته ۔(مسند احمد،مسند

(۲۳۴) وبدن الحرة كلها عورة الاوجهها وكفيها ۞ لقوله علیہ السلام: المرأة عورة مستورة،

عبداللہ بن عمرو، ج ثانی،ص ۳۸۷،نمبر ۶۷۱۷) اس حدیث میں الی رکبتہ ، ہے،مصنف اس ۔الی ۔کا ترجمہ۔مع ۔کر رہے ہیں یعنی گھٹنے کے ساتھ ستر عورت ہے، کیونکہ حضرت علیؓ کی حدیث میں ہے کہ گھٹنہ بھی عورت ہے۔ سمعت عليا يقول قال رسول الله ﷺ الركبة من العورة . (دار قطنی ، باب الامر بتعلیم الصلوۃ والضرب علیھا وحد العورۃ التی یجب سترھا ج اول کتاب الصلوۃ ص ۲۳ نمبر ۸۷۸) اسلئے ۔الی ۔مع ۔کے معنی میں ہوسکتا ہے۔۔البتہ حتی تجاوز رکبتیہ ۔کا جملہ مجھے نہیں ملا۔

نوٹ: ان احادیث کی وجہ سے حنفیہ کے بعض حضرات کا قول ہے کہ گھٹنا نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔ یہ بھی فرمایا کہ گھٹنا کا ستر ہلکا ہے اور ران کا اس سے زیادہ سخت ہے اور شرمگاہ کا ستر اس سے بھی زیادہ سخت ہے۔

لغت : السرۃ : ناف، الرکبۃ : گھٹنا۔

ترجمہ: (۲۳۴) آزاد عورت کا بدن کل کا کل ستر ہے سوائے اس کے چہرے اور اس کی دونوں ہتھیلیاں۔

تشریح : آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہے۔یعنی اگر یہ نماز میں کھل جائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ: آیت میں ہے ولا يبدين زينتهن الا ما ظهر منها ۔(آیت ۳۱ سورۃ النور ۲۴) آیت کا مطلب یہ ہے کہ عورتیں اپنی زینت کو ظاہر نہ کریں لیکن جو زینت خود بخود ظاہر ہو جائے اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ چہرہ اور ہاتھ خود بخود ظاہر ہو جاتے ہیں اس لئے وہ ستر نہیں ہیں۔عن ابن عباس في قوله ولا يبدين زينتهن الا ماظهر ،الآية قال الكحل والخاتم (سنن للبیہقی ، باب عورۃ المرأۃ الحرۃ ، ج ثانی ،ص ۳۱۹،نمبر ۳۲۱۶) اس اثر میں الکحل سے مراد سرمہ لگانے کی جگہ یعنی چہرہ ہے اور خاتم انگوٹھی پہننے کی جگہ یعنی ہاتھ مراد ہے۔کہ ہاتھ اور چہرہ کھلے ہوں تو یہ ستر نہیں ہیں (۲) ان دونوں کے ظاہر کرنے میں ضرورت بھی ہے اس لئے نماز میں یہ دونوں ستر نہیں ہیں (۲) حدیث میں ہے عن عائشة ... قال رسول الله ﷺ يا اسماء ان المرأة اذا بلغت المحيض لم يصلح لها ان يرى منها الا هذا وهذا واشار الى وجهه وكفيه. (ابوداؤد شریف، باب فی ما تبدی المرأۃ من زینتھا ج ثانی ص ۱۲۳ نمبر ۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزاد عورت کا چہرہ اور ہتھیلی ستر نہیں ہیں۔

ترجمہ : ۱ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ عورت چھپی ہوئی ستر ہے۔

تشریح :اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ آزاد عورت کا پورا بدن ستر ہے ۔حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله عن النبي ﷺ قال : المرأة عورة ، فاذا خرجت استشرفها الشيطان ۔(ترمذی شریف، باستشراف الشیطان المرأۃ اذا خرجت، ص ۲۸۴،نمبر ۱۱۷۳) اس حدیث میں ہے کہ عورت ستر عورت ہے۔

۲؎ واستثناء العضوین للابتلاء بابدائهما ۳؎ قالؓ: وهذا تنصیص علی ان القدم عورة ویروی انها لیست بعورة، وهو الاصح (۲۳۵) فان صلت وربع ساقها مکشوف او ثلثها تعید الصلوٰة ﴾ ۱؎ عند ابی حنیفة ومحمد وان کان اقل من الربع لا تعید

ترجمہ: ۲؎ اور دونوں عضو (ہاتھ اور چہرہ) کا استثناء ظاہر کرنے کی مجبوری کی وجہ سے ہے۔

تشریح : اوپر کی حدیث کہ عورت چھپا ہوا ستر ہے اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا پورا عضو ستر ہے لیکن ہاتھ اور چہرے کو کھولنے کی مجبوری ہے، کیونکہ ہاتھ سے پکڑے گی اور چہرے سے دیکھے گی اسلئے ان دونوں کو کھولنے کی اجازت دی۔ اسکے لئے اوپر حدیث اور آیت گزر گئی۔

ترجمہ: ۳؎ مصنف فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر نص ہے کہ قدم ستر عورت ہے۔ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ عورت کا قدم ستر عورت نہیں ہے، اور صحیح یہی ہے۔

تشریح : عورت کا قدم نماز میں ستر ہے یا نہیں اس میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ قدم کو ہتھیلی سے زیادہ کھولنے کی ضرورت ہے اس لئے ہتھیلی ستر نہیں ہے تو قدم بھی ستر نہیں ہونا چاہئے، پھر قدم بھی مقام زینت ہے۔ لیکن بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ قدم ستر ہے اور وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عن ام سلمة انها سألت النبی ﷺ اتصلی المرأة فی درع وخمار لیس علیها ازار؟ قال اذا کان الدرع سابغا یغطی ظهور قدمیها . (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأة ص ۱۰۱ کتاب الصلوة نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کے دونوں قدم چھپے ہوئے ہوں تب ہی نماز جائز ہے۔ اس لئے عورت کے دونوں قدم ستر ہیں۔ (۲) اس اثر میں اسکی پوری وضاحت ہے۔ عن محمد ابن زید بن قنفذ ، عن امه أنها سألت أم سلمة : ماذا تصلی فیه المرأة من الثیاب ؟ فقالت : تصلی فی الخمار والدرع السابغ الذی یغیب ظهور قدمیها . (ابوداؤد شریف، باب فی کم تصلی المرأة ص ۱۰۱ کتاب الصلوة نمبر ۶۳۹) اس اثر میں ہے کہ عورت کے قدم کا اوپر کا حصہ چھپ جائے جسکا مطلب ہے کہ قدم کے اوپر کا حصہ ستر عورت ہے۔

نوٹ: ان احادیث اور ضرورت کی وجہ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نماز میں ستر ہیں لیکن باہر ستر نہیں ہیں۔

ترجمہ: (۲۳۵) پس اگر اس حال میں نماز پڑھی کہ عورت کی چوتھائی پنڈلی کھلی ہوئی تھی، یا ایک تہائی کھلی ہوئی تھی تو نماز لوٹائی گی۔

ترجمہ: ۱؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک، اور اگر چوتھائی سے کم ہو تو نہیں لوٹائے گی۔ (یہ عبارت جامع صغیر، باب فی صلوة المرأة وربع ساقیها مکشوف، ص ۸۲، کی ہے)

۲ وقال ابویوسفؒ لاتعید. ان کان اقل من النصف لان الشیٔ انما یوصف بالکثرۃ اذا کان مایقابله اقل منه اذهما من اسماء المقابلۃ

تشریح : عورت کی پنڈلی ستر عورت ہے۔اسلئے اگر اسکی چوتھائی، یا تہائی کھل گئی تو نماز نہیں ہوئی اسلئے نماز دوبارہ پڑھے گی۔اور اگر چوتھائی سے کم کھلی تو نماز ہو جائے گی، اتنا معاف ہے۔

وجه : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ ستر عورت کثیر کھل جائے تو نماز نہیں ہوگی دہرانی پڑے گی۔

پھر کثیر ہونے میں چار اقوال ہیں (۱) چوتھائی عضو کثیر ہے۔اور اس حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال فرمایا کہ چوتھائی سر مسح کرنے کو پورا سر کافی سمجھا گیا۔حدیث یہ ہے۔عن عروۃ بن المغیرۃ بن شعبۃ ،عن ابیه قال : تخلف رسول الله ﷺ و تخلفت معه،فلما قضی حاجته .....ومسح بناصیته ،و علی العمامة ،و علی خفیه ،(مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ ، والعمامۃ ،ص ۱۳۴ نمبر ۲۷۴ / ۶۳۳ ،ابوداود شریف باب المسح علی الخفین ،ص ۲۲ نمبر ۱۵۰) اس حدیث میں پورے سر کے بجائے پیشانی کی مقدار، یعنی چوتھائی سر مسح کر لینا کافی قرار دیا۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چار مقامات پر چوتھائی کو کل کے درجے میں رکھا گیا ہے (۱) ستر عورت، (۲) سر کے مسح ، (۳) اور احرام کی حالت میں سر کے حلق کرانے میں چوتھائی عضو پورے عضو کے درجے میں ہے۔چنانچہ احرام کی حالت میں چوتھائی سر منڈوالیا تو گویا کہ پورا سر منڈوالیا، اور پورے سر کا دم دینا پڑے گا۔ (۴) چوتھائی کپڑا پاک ہے اور تین چوتھائی ناپاک ہے اور دوسرا کپڑا نہیں ہے تو چوتھائی پاک کو پورا کپڑا پاک مانا جائے گا، اور اس کپڑے کو پہن کر نماز پڑھنی ہوگی۔

(۲) تہائی عضو کھل جائے تو یہ کثیر ہے۔اور استدلال اس حدیث سے فرمایا کہ: تہائی مال وصیت کرے تو اسکو حدیث میں کثیر فرمایا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تہائی بھی کثیر ہے اسلئے تہائی عضو کے کھلنے سے نماز لوٹائی جائے گی۔حدیث یہ ہے۔عن عامر بن سعد عن ابیه قال : مرض مرضا ....قال : الثلث ، قالؐ :((الثلث، الثلث کثیر))(ابوداود شریف، باب ماجاء فیما یجوز للموصی فی ماله ،ص ۴۱۶ ،نمبر ۲۸۶۴) اس حدیث میں تہائی کو کثیر کہا ہے اسلئے تہائی عضو کے کھلنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نماز نہیں ہوگی۔

اصول : ستر عورت میں چوتھائی عضو پورے عضو کے درجے میں ہے۔یا تہائی عضو پورے عضو کے درجے میں ہے۔

(۳) تیسرا قول امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ آدھا کثیر ہے، کیونکہ برابر ہو گیا تو وہ قلیل کی حد سے نکل گیا تو گویا کہ کثیر ہو گیا۔

(۴) چوتھا قول بھی امام ابو یوسفؒ کا ہے کہ آدھا سے زیادہ ہو گیا تو اب کثیر ہو گیا۔کیونکہ کھلا ہوا حصہ آدھا سے زیادہ ہو گیا تو چھپا ہوا حصہ کم رہ گیا، اسلئے کھلا ہوا حصہ کثیر ہو گیا۔

ترجمه : ۲ اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ اگر آدھے سے کم ہو تو نماز نہیں لوٹائے گی۔کیونکہ کسی چیز کو زیادہ بیان کرتے ہیں

۳؎ وفی النصف عنه روايتان فاعتبر الخروج عن حدالقلة ۴؎ اوعدم الدخول فی ضده ۵؎ ولهما الربع يحكی حكاية الكمال كما فی مسح الراس والحلق فی الاحرام ومن رأی وجه غيره يخبر عن رؤيته وان لم يرالاّاحد جوانبه الاربعة

جبکہ اسکے مقابلے میں اس سے کم ہو۔ اسلئے کہ کم، اور زیادہ مقابلہ کے ناموں میں سے ہیں۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ آدھی پنڈلی سے کچھ کم کھلی ہوئی ہو تو نماز ہو جائے گی، لوٹانے کی ضرورت نہیں، انکا اصول یہ ہے کہ کثیر کھلے تب نماز نہیں ہوگی، اور کثیر اس وقت کہتے ہیں جب آدھے سے زیادہ ہو، اگر دونوں طرف آدھا آدھا ہے تو برابر ہوا، تو کم سے کم برابر ہو تو نماز ٹوٹے گی، اسلئے آدھے سے کم پنڈلی کھلی تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ کیونکہ کثیر اور قلیل یہ ایک دوسرے کے مقابلے کی چیز ہے۔

ترجمہ : ۳؎ اور آدھے کے کھلنے میں حضرت امام ابو یوسفؒ سے دو روایتیں ہیں۔ پس اعتبار کیا نکلنے کا قلت کی حد سے۔

تشریح : آدھا عضو کھل گیا تو امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ نماز ٹوٹ گئی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ جب دونوں طرف برابر برابر ہیں تو کھلا ہوا حصہ قلیل نہیں رہا، وہ قلت کی حد سے نکل گیا، اور جب قلت کی حد سے نکل گیا تو گویا کہ وہ کثیر ہو گیا۔ تو اس صورت میں امام ابو یوسفؒ نے قلت کی حد سے نکلنے کا اعتبار کر کے کثیر کہہ دیا۔ (**فاعتبر الخروج عن حد القلة**) کا یہی مطلب ہے، کہ جب کھلا ہوا حصہ آدھا ہو گیا تو وہ اب قلیل نہیں رہا، قلیل کے حد سے نکل کر گویا کہ کثیر کی حد میں آ گیا۔

ترجمہ : ۴؎ یا اسکی ضد میں داخل نہ ہونے کا اعتبار کیا۔

تشریح : اور دوسری روایت یہ ہے کہ آدھا عضو کے کھلنے سے نماز نہیں ٹوٹے گی، کیونکہ ابھی تو دونوں طرف برابر برابر ہوئے، کثیر کہاں ہوا اس سے تھوڑا سا زیادہ کھلے گا تب نماز ٹوٹے گی۔ کیونکہ جب آدھا سے زیادہ کھلے گا تو چھپا ہوا حصہ آدھا سے کم رہ جائے گا اس وقت کھلا ہوا حصہ کثیر ہوا اب نماز ٹوٹے گی۔ تو برابر، برابر ہونے سے قلیل کی ضد کثیر میں داخل نہیں ہوا، جب آدھا سے زیادہ ہو جائے گا تب قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل ہوگا (**او عدم الدخول فی ضده**) کا یہی مطلب ہے۔ کہ جب تک برابر، برابر ہے تو قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل نہیں ہوا، اور جب کثیر نہیں ہوا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور جب آدھے سے زیادہ کھلے گا تب قلیل کی ضد یعنی کثیر میں داخل ہوگا اور تب جا کر نماز ٹوٹے گی۔

اصول : (۱) نصف کثیر ہے۔ (۲) نصف سے زیادہ ہو تب کثیر ہے۔

ترجمہ : ۵؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ چوتھائی بھی کبھی پورا مانا جاتا ہے، جیسے (۱) سر کے مسح میں، (۲) احرام کی حالت میں سر منڈوانے میں، (۳) کسی نے دوسرے کے چہرے کو دیکھا تو اسکے بارے میں بتاتے ہیں کہ پورے آدمی کو دیکھا،

(۲۳۶) والشعر، والبطن، والفخذ کذالک ﴾ ۱؎ یعنی علیٰ ھٰذا الاختلاف لان کل واحد عضو علی حدۃ

حالانکہ چار جانب میں سے صرف ایک ہی جانب کو دیکھا ہے۔

تشریح : یہاں تین مثالیں ہیں جہاں جو حکم کل کا ہے وہی حکم چوتھائی کا ہے (۱) سر کے مسح میں چوتھائی سر کا مسح کرلیں تو پورے کا مسح شمار کیا جاتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ چوتھائی کا حکم کل کا حکم ہے۔ (۲) احرام کی حالت میں پورا سر منڈوائیں تب بھی ایک دم یعنی ایک بکرا دینا پڑتا ہے، اور چوتھائی سر منڈوائیں تب بھی ایک ہی دم دینا پڑتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ یہاں بھی چوتھائی کل کے حکم میں ہے۔ (۳) آدمی کے چہرے کے چار جانب ہوتے ہیں۔ دائیں، بائیں، سامنے کا حصہ، اور ٹھوڑی سے نیچے کا حصہ۔ لیکن ان چاروں جانب میں سے ایک جانب کو دیکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ پورے چہرے کو دیکھا، جس سے معلوم ہوا کہ ایک جانب جو پورے چہرے کی چوتھائی ہے پورے چہرے کے درجے میں ہے۔ اسی طرح ستر عورت میں چوتھائی ستر کا کھلنا پورے ستر کے کھلنے کے درجے میں ہے۔ یعنی چوتھائی ستر کے کھلنے سے ہی نماز ٹوٹ جائے گی۔

لغت : ساق: پنڈلی۔ مکشوف: کھلا ہوا۔ تعید: عاد سے مشتق ہے، لوٹانا۔ الربع یحکی حکایۃ الکمال: چوتھائی پورے کی حکایت کرتی ہے، یعنی چوتھائی ہی کو کل مان لیتے ہیں۔ الحلق: سر منڈوانا۔

ترجمہ: (۲۳۶) اور بال اور پیٹ اور ران کے بارے میں بھی اسی طرح اختلاف ہے۔۔ یہ عبارت جامع صغیر، باب فی صلوۃ المرأۃ وربع ساقھا مکشوف، ص۸۲، کی ہے۔

ترجمہ: ۱؎ یعنی اسی اختلاف پر ہے کیونکہ یہ عضو بھی الگ الگ ہیں۔

تشریح : یہ تو طے ہے کہ آزاد عورت کا بال، اور پیٹ، اور ران ستر عورت ہے اور اسکے کھلنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے، البتہ کتنا کھلنے سے نماز ٹوٹے گی اس بارے میں اوپر والا اختلاف ہے۔ یعنی امام ابو حنیفہؒ، اور امام محمدؒ کے نزدیک بال، یا پیٹ، یا ران کی چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی، یا تہائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھا، یا آدھا سے زیادہ کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اور بال اور پیٹ، اور ران الگ الگ عضو ہیں، اسلئے بال کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ اسی طرح پیٹ کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی، اسی طرح ران کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

آزاد عورت کی ہتھیلی اور چہرے کے علاوہ پورا بدن ستر عورت ہے اسکی دلیل یہ حدیث گزر چکی ہے۔ **عن عائشۃ ... قال رسول اللہ ﷺ یا اسماء ان المرأۃ اذا بلغت المحیض لم یصلح لھا ان یری منھا الا ھذا وھذا واشار الی وجھہ**

۲ والمراد به النازل من الرأس، هو الصحیح ۳ وانما وضع غسله فی الجنابة لمکان الحرج

و کفیه. (ابوداؤدشریف، باب فی ماتبدی المرأۃ من زینتھا ج ثانی ص۲۳ ۱نمبر۴۱۰۴ کتاب اللباس) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آزادعورت کا چہرہ اور ہتھیلی کے علاوہ پورا بدن ستر عورت ہے، اور پیٹ بھی ستر عورت ہے۔

اور بال ستر عورت ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے(۱)۔عن عائشة عن النبی ﷺ أنه قال : لا یقبل الله صلاة حائض الا بخمار ابوداودشریف، باب المرأۃ تصلی بغیر خمار، ص۱۰۱، نمبر۶۴۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغیر اوڑھنی کے نماز جائز نہیں، اسکا مطلب یہ ہے کہ سر اور بال ستر ہے۔(۲) عن أم سلمة قالت : لما نزلت ﴿یدنین علیھن من جلا بیبھن﴾ خرج نساء الانصار کأن علی روء سھن الغربان من الاکسیة۔(ابوداودشریف، باب فی قول اللہ تعالی یدنین علیھن من جلا بیبھن، ص۵۶۶، نمبر۴۱۰۱) اس حدیث میں ہے کہ انصار کی عورتیں سر پر اتنا کپڑا باندھتی تھیں کہ کوا سا بیٹھا معلوم ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ سر اور بال ستر عورت ہے۔

اور ران ستر عورت ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے ۔ کان جرھد ھذا من أصحاب الصفة أنه قال : جلس رسول الله ﷺ عند نا و فخذی منکشفة فقال : أما علمت أن الفخذ عورة . (ابوداودشریف، باب النھی عن التعری، ص۵۶۷، نمبر۴۰۱۳ر بخاری شریف، باب مایذکر فی الفخذ، ص۵۳، نمبر۳۷۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ران ستر عورت ہے۔

ترجمه: ۲ اور بالوں سے مراد وہ ہیں جو سر سے نیچے لٹکتے ہوئے ہوں، صحیح یہی ہے۔

تشریح :جو بال سر کے ساتھ ہے وہ تو ستر عورت ہے ہی، لیکن جو بال سر سے نیچے لٹک رہا ہے وہ بھی ستر عورت ہے، اور اسکی بھی چوتھائی کھل جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے۔ یہ اثر اسکی دلیل ہے۔عن عکرمة قال : لو أخذت المرأة ثوبا فتقنعت به حتی لا یری من شعرھا شیء أجزأ عنھا مکان الخمار ۔(مصنف عبدالرزاق، باب فی کم تصلی المرأۃ من الثیاب، ج ثالث، ص۱۲۹، نمبر۵۰۳۳) اس اثر میں ہے کہ پورا بال چھپ جائے تب نماز جائز ہے، جس سے معلوم ہوا کہ لٹکتا ہوا بال بھی ستر عورت ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سر کے ساتھ جو لگا ہوا بال ہے وہ ستر عورت ہے، اور جو بال سر سے نیچے لٹکا ہوا ہے اسکے بارے میں دو روایتیں ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ وہ ستر عورت نہیں ہے۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ وہ ستر عورت ہے۔

ترجمه: ۳ اور جنابت میں اسکا دھونا ساقط کیا گیا ہے حرج کی وجہ سے۔

تشریح : یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ لٹکتا ہوا بال ستر عورت ہے اور جسم کا حصہ ہے تو عورت کو کیوں کہا گیا کہ جنابت کے غسل میں اسکو نہ بھی دھو تو غسل ہو جائے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہ ستر ہے اور نہ وہ جسم کا حصہ شمار کیا گیا ہے۔ اسکا جواب یہ ہے کہ وہ جسم کا حصہ ہے لیکن اسکو بار بار دھونے میں عورت پر حرج ہے اسلئے جنابت میں اسکا دھونا ساقط کر دیا گیا ہے

۴ والعورة الغليظة علىٰ هٰذا الاختلاف ۵ والذكر يعتبر بانفراده وكذا الانثيان، وهذا هو الصحيح دون الضم (۲۳۷) وما كان عورة من الرجل فهو عورة من الامة وبطنها وظهرها عورة وما سوى ذٰلک من بدنها ليس بعورة

ترجمه: ۴ پیشاب اور پیخانے کا مقام بھی اسی اختلاف پر ہے۔

تشریح : عورت غلیظہ سے مراد پیشاب اور پیخانے کا مقام ہے۔ یہ دونوں بھی الگ الگ ستر ہیں۔ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چوتھائی کھلنے سے نماز ٹوٹ جائے گی، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک آدھا، یا آدھا سے زاید کھلنے سے نماز ٹوٹے گی۔

ترجمه: ۵ ذکر کا اعتبار الگ ہے، اور ایسے ہی دونوں خصیوں کا اعتبار الگ ہے۔ یہی صحیح ہے۔ دونوں کو ملا کر ایک عضو نہیں ہے۔

تشریح : عضو تناسل اور دونوں خصیوں کو ملا کر ایک عضو شمار نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ عضو تناسل الگ عضو ہے۔ اور اسکی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی، اور دونوں خصیے ملا کر الگ عضو ہے، ان دونوں کی چوتھائی کھلے گی تو نماز ٹوٹ جائے گی۔ صحیح بات یہی ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ تینوں کو ملا کر ایک عضو ہے، یہ بات صحیح نہیں ہے۔

ترجمه : (۲۳۷) مرد کے جتنے اعضاء ستر ہیں وہ باندی کے بھی ستر ہیں اور اس کا پیٹ اور اس کی پیٹھ ستر ہیں اور اس کے علاوہ اس کے بدن میں سے ستر نہیں ہے۔

تشریح : باندی کے کندھے سے لیکر گھٹنے تک ستر ہیں۔ لیکن سر، گردن، بازو، پنڈلی اور پاؤں ستر نہیں ہیں۔

وجه : باندی مولی کے کام کے لئے باہر نکلتی ہے اس لئے ان اعضاء کو ستر قرار دینے سے حرج لازم ہوگا۔ اس لئے یہ اعضاء ستر نہیں ہیں۔ نماز میں یہ اعضاء کھل جائیں تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) ان صفية بنت ابی عبيد حدثته قالت خرجت امرأة مختمرة متجلببة فقال عمر من هذه المرأة فقيل له هذه جارية لفلان رجل من بنيه فارسل الى حفصة فقال ما حملک على ان تخمری هذه الامة و تجلببيها تشبهيها بالمحصنات حتى هممت ان اقع بها لا احسبها الا من المحصنات لاتشبهوا الاماء بالمحصنات (سنن للبیہقی، باب عورۃ الامۃ، ج ثانی، ص ۳۲۰، نمبر ۳۲۲۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ باندی کا ستر اتنا نہیں ہے جتنا آزاد عورت کا ہے۔ لیکن پستان اور سینہ موضع شہوت ہیں اس لئے وہ تمام جگہیں ستر میں شامل ہونگی۔ (۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ باندی کا سر ستر عورت نہیں ہے۔ عن الشعبی عن شريح قال : تصلی الامة بغير خمار، تصلى كما تخرج۔ (مصنف عبد الرزاق، باب الخمار، ج الثالث، ص ۱۳۵، نمبر ۵۰۵۶) اس اثر میں ہے کہ بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھ سکتی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ اسکا سر ستر عورت نہیں ہے۔

۱؎ لقوله عمرؓ الق عنک الخمار یاد فارُاتتشبهين بالحرائر ۲؎ ولانها تخرج لحاجة مولاها فی ثیاب مهنتها عادة فاعتبر حالها بذوات المحارم فی حق جمیع الرجال دفعًا للحرج

ترجمہ : ۱؎ حضرت عمرؓ کے قول کی وجہ سے اے گندی اپنے سے اوڑھنی ہٹادے، کیا تو آزاد عورتوں کے ساتھ مشابہت کرنا چاہتی ہے۔

تشریح : اثر یہ ہے۔عن انس أن عمر ضرب أمة لآل انس رآها متقنعة ، قال : اکشفی رأسک لا تشبهین بالحرائر ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخمار، ج الثالث،ص ۱۳۶،نمبر ۵۰۶۴) اس اثر میں ہے کہ سر پر کپڑا اڈالنے سے حضرت عمرؓ باندیوں کو روکتے تھے، جس سے معلوم ہوا کہ اسکا سر ستر عورت نہیں ہے۔

باندی کا سر ستر عورت تو نہیں ہے پھر بھی سر پر کپڑا رکھ کر نماز پڑھنی چاہئے ۔حضورؐ کے زمانے میں باندیاں سر پر کپڑا رکھ کر نماز پڑھا کرتی تھیں ۔اثر یہ ہے۔عن ابن جریج قال : قلت لعطاء : أتصلی المرأة فی درّاعة ؟ قال : نعم ! أخبرت أن الاماء علی عهد رسول الله ﷺ و بعده کن لا یصلین حتی تجعل احداهن أزارها علی رأسها متقنعة ، أو خمارا ، أو خرقة یغیب فیها رأسها ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخمار، ج الثالث،ص ۱۳۶،نمبر ۵۰۶۴) اس اثر میں ہے کہ باندی بغیر کپڑا سر پر لئے نماز نہیں پڑھتی تھی ۔۔ یہ تو جاسوسی نہ کرے اور آزاد عورتوں کا تشبہ اختیار نہ کرے اسلئے حضرت عمرؓ روکتے تھے۔

باندی کو مارنے کی وجہ : حضرت عمرؓ باندیوں کو بے پردہ کرنا نہیں چاہتے تھے لیکن جو باندیاں آزاد عورت کی طرح چادر میں اپنے آپ کو چھپا کر آزاد عورت کی مشابہت اختیار کرتی تھی اس مشابہت سے باندیوں کو روکتے تھے، یا ڈانٹتے تھے، خصوصا اگر باندی غیر مسلمہ ہو اور آزاد عورت کی طرح باہر نکلے تو لوگ اسکو سلام کریں گے اور اسلامی آداب بجالائیں گے جو اسلامی حکومت میں صحیح نہیں ہے اسلئے حضرت عمر روکتے تھے ۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ بعض مرتبہ غیر مسلمہ باندی آزاد عورت کا لباس پہن کر امہات المؤمنین کے گھروں میں آتی اور جاسوسی کرتی تھی ، اور یہ سمجھ کر کہ یہ آزاد عورت ہے کوئی اسکو روکتا نہیں تھا اسلئے حضرت عمرؓ نے باندیوں کو آزاد کی طرح کپڑا پہننے سے منع فرمایا۔ لمبے اثر کا ٹکڑا یہ ہے۔أن صفیة بنت ابی عبید حدثته أن عمر رأی ۔ هو یخطب الناس ۔ أمة خرجت من بیت حفصة تجوس الناس ملتبسة لباس الحرائر ....فقد دخلت علیک و لا أراها الا حرة فأردت أن أعاقبها ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الخمار، ج الثالث،ص ۱۳۶،نمبر ۵۰۶۲) اس اثر میں ہے کہ باندی آزاد کا لباس پہن کر جاسوسی کرتی تھی اسلئے آزاد کا لباس پہننے سے منع فرمایا انکا مقصد باندیوں کو بے پردہ کرنا نہیں تھا۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ وہ اپنے آقا کی خدمت کے لئے عام طور پر خدمتی کپڑے میں نکلے گی اسلئے اسکا حال تمام مردوں کے حق میں ذی رحم محرم کا اعتبار کیا گیا، حرج کو دفع کرنے لئے۔

(۲۳۸) قال ولو لم یجد ما یزیل بہ النجاسۃ صلی معہا ولم یُعد ﴿ ۱؎ وھٰذا علیٰ وجھین ۲؎ ان کان ربع الثوب او اکثر منہ طاھرًا یصلی فیہ ولو صلی عریانا لایجزیہ لان ربع الشیٔ یقوم مقام کلہ

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ باندی آقا کی ضرورت کے لئے عموما خدمتی کپڑے میں باہر نکلتی ہے اور خدمتی کپڑا کندھے سے لیکر گھٹنے تک ہوتا ہے تو جس طرح بار بار ذی رحم محرم مردوں کے سامنے آنے کی وجہ سے ذی رحم محرم عورتوں کا ستر کندھے سے لیکر گھٹنے تک قرار دیا،اسی طرح بار بار بازار جانے کی وجہ سے باندی کا ستر اجنبی مردوں کے سامنے کندھے سے لیکر گھٹنے تک قرار دیا تا کہ باندیوں کو آقا کی خدمت کے لئے بازار جانے میں حرج نہ ہو۔

نوٹ: خالص باندی : مدبرہ،ام ولد سب خالص باندی میں شامل ہیں۔

﴿(۴) کپڑا پاک ہو﴾

ترجمہ: (۲۳۸) اگر کوئی ایسی چیز نہ پائے جس سے نجاست زائل کر سکے تو ایسی نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھے گا اور بعد میں نہیں لوٹائے گا۔

تشریح: کپڑے پر یا جسم پر نجاست لگی ہوئی ہے لیکن نجاست کو زائل کرنے کے لئے اور اس کو دھونے کے لئے اس کے پاس پانی یا بہنے والی چیز نہیں ہے تو وہ اس کپڑے میں اور اسی جسم کے ساتھ نماز پڑھ لے گا۔

وجہ: اس کی طاقت میں اس سے زائد نہیں ہے اور شریعت طاقت سے زیادہ مکلّف نہین بناتی۔اس لئے اس کی نماز جائز ہو جائے گی۔لوٹانے کی ضرورت نہین ہوگی۔(۲) آیت تیمّم میں ہے کہ بیوی سے صحبت کرے اور پانی نہ پائے تو تیمّم کرے،ظاہر ہے کہ نجاست تو اسکے جسم پر لگی رہی لیکن پانی نہ ہونے کی وجہ سے نجاست کے ساتھ ہی نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا۔اسی طرح کپڑا دھونے کے لئے پانی نہ ہو،اور کوئی دوسرا کپڑا بھی نہ ہو تو اسی کپڑے کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہوگا۔آیت تیمّم یہ ہے۔ **و ان کنتم جنبا فاطھروا و ان کنتم مرضیٰ أو علی سفر أو جاء أحد منکم من الغائط او لٰمستم النساء فلم تجدو ماء فتیمموا صعیدا طیبا فامسحوا بوجوھکم وایدیکم منہ ما یرید اللہ لیجعل علیکم من حرج و لکن یرید لیطھر کم و لیتم نعمتہ علیکم لعلکم تشکرون** ۔(آیت ۶ سورۃ المائدۃ ۵) اس آیت میں حرج کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔۔ اور نماز لوٹانے کی ضرورت اسلئے نہیں ہے کہ جس وقت میں جو حکم تھا وہی اس نے پورا کر دیا اسلئے نماز دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمہ : ۱؎ کپڑا ناپاک ہونے کی دو صورتیں ہیں۔

تشریح : کپڑا کتنی مقدار ناپاک ہے اسکی دو صورتیں ہیں۔(۱) چوتھائی کپڑا،یا اس سے زیادہ پاک ہو،اور باقی ناپاک ہو اس صورت میں کپڑا پہن کر نماز پڑھنا ہوگا،ننگا ہو کر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔(۲) دوسری صورت یہ ہے کہ چوتھائی سے کم پاک ہے اور

۳؎ وان كـان الـطـاهر اقل من الربع فكذلک عند محمدؒ وهو احد قولی الشافعیؒ لان فی الصلوٰة فيه تـرک فـرض واحدوفی الصلوٰةعريانا ترک الفروض ۴؎وعـندابی حنيفةؒ وابی يوسفؒ يتخيربين ان

تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہے، اس صورت میں امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے نزدیک کپڑا پہن کر ہی نماز پڑھے، اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اختیار ہے چاہے کپڑا پہن کر نماز پڑھے، اور چاہے تو ننگا نماز پڑھے۔۔تفصیل آگے ہے۔

(ب) اگر چوتھائی کپڑا، یا اس سے زیادہ پاک ہے تو اسی میں نماز پڑھے، اور اگر ننگا ہو کر نماز پڑھی تو اسکو کافی نہیں ہوگی، اسلئے کہ چوتھائی چیز کل کے قائم مقام ہے۔

تشــریح :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ چوتھائی چیز کل کے درجے میں ہے۔ اسلئے چوتھائی کپڑا پاک ہے تو گویا کہ پورا کپڑا پاک ہے اسلئے اسکے بغیر ننگا ہو کر نماز پڑھے گا تو نماز نہیں ہوگی۔ چوتھائی کپڑا پاک ہے تو گویا کہ پورا کپڑا پاک ہے۔ اس حدیث کے اشارۃ النص سے استدلال فرمایا کہ چوتھائی سر مسح کرنے کو پورا سر کافی سمجھا گیا۔ حدیث یہ ہے۔ عـن عروة بن المغيرة بن شعبة ،عن ابيه قال : تخلف رسول الله ﷺ و تخلفت معه،فلما قضى حاجته .....ومسح بناصيته ،و على العمامة ،و عـلـى خفيه ، (مسلم شریف، باب المسح علی الناصیۃ ،والعمامۃ ،ص ۱۳۴ نمبر ۶۳۳/۲۷۴ ،ابوداؤد شریف باب المسح علی الخفین ،ص ۲۲ نمبر ۱۵۰) اس حدیث میں پورے سر کے بجائے پیشانی کی مقدار، یعنی چوتھائی سر مسح کر لینا کافی قرار دیا۔ اس لئے چوتھائی کپڑا پاک ہے تو گویا کہ پورا کپڑا پاک ہے، اسلئے اس کے بغیر نماز پڑھنا کافی نہیں ہے۔

تـرجـمـه: ۳؎ اور اگر چوتھائی سے کم پاک ہو تو ایسے ہی کپڑا پہننا پڑے گا امام محمدؒ، اور امام شافعیؒ کے دو قول میں سے ایک میں، اسلئے کہ ناپاک کپڑے میں نماز کی صورت میں ایک فرض (طہارت) کو چھوڑنا ہے، اور ننگے نماز پڑھنے میں بہت سے فرضوں کو چھوڑنا ہے۔

تشــریح :اگر چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہے پھر بھی امام محمدؒ اور امام شافعیؒ کے ایک قول میں یہی ہے کہ یہ ناپاک کپڑا پہن کر ہی نماز پڑھنی ہوگی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھتے ہیں تو صرف ایک فرض چھوٹے گا کہ پاکی نہیں ہوگی۔ اور ننگا نماز پڑھے گا تو چار فرض چھوڑنا ہوگا (۱) قیام چھوڑے گا کیونکہ ننگا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا، کیونکہ قیام کرے گا آگے پیچھے سب کو نظر آئے گا (۲) رکوع چھوڑے گا کیونکہ ننگا آدمی رکوع کا اشارہ کر کے نماز پڑھے گا، (۳) سجدہ چھوڑے گا کیونکہ ننگا آدمی سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھے گا، کیونکہ اگر سجدے میں گیا تو اسکا پچھلا حصہ سب کو نظر آئے گا، (۴) خود ستر عورت کو چھوڑا کیونکہ ننگا ہو کر نماز پڑھ رہا ہے۔ اسلئے چار فرضوں کو چھوڑنے کے بجائے صرف طہارت کو چھوڑے اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھ لے۔

تـرجـمـه: ۴؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اختیار ہے چاہے ننگا نماز پڑھے، اور چاہے تو اس ناپاک کپڑے

یصلی عریاناوبین ان یصلی فیه وهوالافضل ۵؎ لان کل واحدمنهما مانع جواز الصلوٰۃ حالۃالاختیار ویستویان فی حق المقدار فیستویان فی حکم الصلوٰۃ ۶؎ وترک الشئ خلف لایکون ترکا

میں نماز پڑھے،اور ناپاک کپڑے میں نماز پڑھناافضل ہے۔

وجه :**ترجمه** : ۵؎ اسلئے کہ اختیار کی حالت میں کپڑے کا ناپاک ہونااور ستر عورت کا کھلنادونوں نماز کو روکنے والے ہیں۔ اور مقدار کے حق میں بھی برابر ہیں اسلئے نماز کے حکم بھی برابر ہونگے۔

تشریح : اوپر گزرا کہ چوتھائی کپڑے سے کم پاک ہوتو ننگا ہوکر نماز پڑھنے کا بھی اختیار ہے اور کپڑا پہن کر بھی نماز پڑھنے کا اختیار ہے اسکی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ کپڑا پاک کرنے کا موقع ہو پھر بھی ناپاک کپڑے سے نماز پڑھے تو جائز نہیں ۔اسی طرح ستر چھپانے کا موقع ہو پھر بھی ننگا نماز پڑھے تو جائز نہیں ہے،اس سے معلوم ہوا کہ ستر عورت اور نجاست دونوں کا درجہ برابر ہے۔اسی طرح مقدار کے سلسلے میں بھی دونوں ایک ہیں۔کہ قلیل نجاست معاف ہے،مثلا ایک درھم کی مقدار معاف ہے، یا نجاست خفیفہ میں چوتھائی ناپاک ہوتو معاف ہے، اور کثیر نجاست مانع نماز ہے۔اسی طرح قلیل ستر عورت چوتھائی عضو سے کم ہوتو معاف ہے اور اسکے ساتھ نماز پڑھ سکتا ہے،اور کثیر ستر عورت چوتھائی عضو سے زیادہ ہوتو نماز کو روکتا ہے اور مانع نماز ہے،اس سے بھی معلوم ہوا کہ نجاست اور ستر عورت دونوں کا حکم برابر درجے کا ہے۔

اب یہاں دونوں میں سے ایک کو لیتے ہیں تو دوسرا چھوٹ جاتا ہے۔اگر ستر چھپاتے ہیں تو پاکی چھوٹ جاتی ہے،ناپاک کپڑا پہننا پڑتا ہے، کیونکہ اسکے علاوہ کوئی کپڑا ہی نہیں ہے۔اور اگر پاکی پر عمل کرتے ہیں اور ناپاک کپڑا نہیں پہنتے ہیں تو ستر چھوٹ جاتا ہے ننگا ہوکر نماز پڑھنی پڑتی ہے ۔اور ابھی بتایا کہ ستر عورت اور نجاست سے پاکی دونوں کا درجہ برابر ہے اسلئے نمازی کو یہاں دونوں میں سے ایک کو لینے کا اختیار ہوگا۔اور دونوں صورتوں میں نماز ہوجائے گی،البتہ افضل یہ ہے کہ ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھے، کیونکہ ننگا نماز پڑھنا اچھا نہیں ہے۔

ترجمه : ۶؎ کسی چیز کو اسکا خلیفہ بنا کر چھوڑنا گویا کہ اسکو چھوڑنا نہیں۔

تشریح : یہ امام محمد اور امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھیں تو صرف ایک فرض پاکی کو چھوڑنا پڑتا ہے،اور ننگا ہوکر نماز پڑھے تو چار فرض چھوڑنا پڑتا ہے: قیام،رکوع،سجدہ،اور ستر عورت۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ قیام،رکوع،اور سجدہ کا خلیفہ موجود ہے یعنی قیام کا اشارہ،اور رکوع کا اشارہ،اور سجدے کا اشارہ،پس جب خلیفہ موجود ہے تو اس عمل کو چھوڑنا کہاں ہوا! بس ایک فرض ستر عورت کو چھوڑنا ہوا،اور اسکے مقابلے میں طہارت کو چھوڑنا ہوتا ہے اسلئے دونوں میں سے کوئی ایک اختیار کرلے۔

ے والافضليةُ لعدم اختصاص الستر بالصلوٰة واختصاص الطهارة بها (۲۳۹) ومن لم يجد ثوباً صلّى عرياناً قاعدا يؤمی بالركوع والسجود ﴾ ا هكذا فعله اصحاب رسول الله ﷺ (۲۴۰) فان صلى قائمًا اجزاه﴾

ترجمہ: ے اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا افضل ہے، اسلئے کہ ستر چھپانا نماز کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور پاک کپڑا پہننا تو نماز کے ساتھ خاص ہے۔

تشریح : اوپر فرمایا کہ ننگا نماز پڑھنا اور ناپاک کپڑا پہن کر نماز پڑھنا دونوں کا اختیار ہے لیکن افضل یہ ہے کہ کپڑا پہن کر نماز پڑھے، اس افضل کی وجہ بتا رہے ہیں کہ ستر کو چھپانا نماز میں بھی ضروری ہے اور نماز سے باہر بھی ضروری ہے ننگا رہنا کوئی بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ اسلئے کپڑا پہننا افضل ہے۔ اور پاک رہنا، یا پاک کپڑا پہننا صرف نماز میں ضروری ہے، نماز سے باہر ناپاک رہے، یا ناپاک کپڑا پہنے تو کوئی حرج نہیں ہے، اسلئے طہارت ہونا ستر عورت سے افضل نہیں ہے۔

لغت :یعد : عاد سے مشتق ہے، لوٹانا۔ عریان : ننگا ہونا۔ یستویان : سوی سے مشتق ہے، برابر ہے۔

ترجمہ: (۲۳۹) جو کپڑا نہ پائے تو ننگا ہی نماز پڑھے گا۔ بیٹھ کر رکوع اور سجدہ کا اشارہ کرے گا۔

وجہ: ان کے پاس بالکل کپڑا نہیں ہے یا کپڑا ہے لیکن تین چوتھائی سے زیادہ ناپاک ہے تو گویا کہ اس کے پاس کپڑا ہے ہی نہیں۔ اس لئے وہ ننگا ہو کر نماز پڑھے گا۔ البتہ کھڑا ہونے میں ستر دور تک نظر آئے گا اور برا معلوم ہوگا اس لئے قیام چھوڑے گا اور بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔ اور رکوع اور سجدے کے لئے اشارہ کرے گا۔ کیونکہ یہی اس کے بس میں ہے (۲) عن ابن عباس قال الذی يصلی فی السفينة والذی يصلی عريانا يصلی جالسا ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی مجبوری کہ وجہ سے بیٹھ کر نماز فرض ادا کرے گا اور اس سے قیام ساقط ہو جائے گا۔

ترجمہ: ا اسی طرح اصحاب رسول اللہ ﷺ نے کیا۔

تشریح : اس کے قریب یہ اثر ہے۔ عن قتادہ قال ۔ اذا خرج ناس من البحر عراة فأمهم أحدهم صلوا قعودا ، و كان امامهم معهم فی الصف و يومئون ايماءً ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا اور اشارہ سے نماز پڑھے گا، اور صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔

لغت: یؤمی : اشارہ کرے گا۔

ترجمہ : (۲۴۰) پس اگر ننگے نے کھڑے ہو کر نماز پڑھی تو کافی ہو جائے گی۔

وجہ : مرض کی مجبوری کے وقت کھڑے ہونے کا نائب بیٹھنا ہے اور رکوع اور سجدے کا نائب ان کو اشارہ سے ادا کرنا ہے۔ اس

لے لان فی القعود ستر العورة الغليظة وفی القيام اداء هذه الاركان فيميل الٰی ايهما شاء (۲۴۱) الا ان الاوّل افضل﴾ لے لان الستر وجب لحق الصلوٰة وحق الناس ولانه لا خلف له والايماء خلف عن الاركان (۲۴۲) قال وينوی الصلوٰة التی يدخل فيها بنية لا يفصل بينها وبين التحريمة بعمل ﴾

لئے ان سب ارکان کا نائب ہو گیا۔لیکن کھڑے ہونے میں ستر کھلنے کی بدنمائی واضح ہے اس کا کوئی نائب بھی نہیں ہوا اس لئے بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے تاکہ عند اللہ اور عند الناس بدنمائی سے بچ جائے۔تاہم کھڑے ہو کر نماز پڑھے گا تو نماز ادا ہو جائے گی۔کیونکہ یہ مجبور ہے (۲) اثر میں ہے۔عن ميمون بن مهران قال سئل علیؓ عن صلوة العريان فقال ان كان حيث يراه الناس صلی جالسا، وان كان حيث لايراه الناس صلی قائما (مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان، ج ثانی، ص ۵۸۴، نمبر ۴۵۶۶) اس اثر سے کھڑے ہو کر نماز پڑھنے کی گنجائش معلوم ہوتی ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ بیٹھنے میں عورت غلیظہ کا ستر ہے۔اور کھڑے ہونے میں ان ارکان کو ادا کرنا ہے، اسلئے دونوں میں سے جدھر چاہے مائل ہو جائے۔

تشریح : ننگے آدمی کو بیٹھ کر بھی نماز پڑھنے کا اختیار ہے اور کھڑا ہو کر بھی نماز پڑھنے کا اختیار ہے۔کیونکہ دونوں میں کچھ کچھ فائدے ہیں۔بیٹھ کر نماز پڑھے گا تو آگے اور پیچھے کی عورت غلیظہ چھپی رہے گی اسلئے بیٹھ کر پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اور کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا تو عورت غلیظہ کھلے گی، لیکن قیام، رکوع، اور سجدہ پورے طور پر ادا کر سکے گا۔اسلئے دونوں کا اختیار ہے۔

ترجمہ: (۲۴۱) لیکن پہلا افضل ہے (یعنی بیٹھ کر نماز پڑھنا)

وجہ: ترجمہ: لے اسلئے کہ ستر واجب ہے نماز کے حق کے لئے بھی اور لوگوں کے حق کے لئے بھی۔اور اسلئے بھی کہ اسکا کوئی خلیفہ نہیں ہے اور ارکان کا خلیفہ اشارہ ہے۔

تشریح : بیٹھ کر نماز پڑھنا افضل ہے اسکی دو دلیل عقلی ہیں۔(۱) ایک تو یہ کہ ستر کو چھپانا صرف نماز کا ہی حق نہیں ہے عام انسانوں کا بھی حق ہے کہ ان سے ستر غلیظہ کو چھپایا جائے، اسلئے بیٹھ کر نماز پڑھی جائے۔دوسری وجہ یہ ہے کہ بیٹھنے میں قیام، رکوع، سجدہ چھوٹیں گے لیکن انکا خلیفہ اشارہ موجود ہے اسلئے گویا کہ وہ ارکان نہیں چھوٹے، اسلئے بیٹھنا بہتر ہے۔(۳) اصل تو حضرت عبد اللہ ابن عباس کا قول ہے۔عن ابن عباس قال الذی يصلی فی السفينة والذی يصلی عريانا يصلی جالسا۔(مصنف عبد الرزاق، باب صلوۃ العریان ج ثانی ص ۵۸۴ نمبر ۴۵۶۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ ننگا آدمی بیٹھ کر نماز پڑھے گا۔

﴿(۵) نماز کی نیت کرے﴾

ترجمہ: (۲۴۲) اس نماز کی نیت کرے جس میں داخل ہو رہا ہے ایسی نیت کہ اس کے درمیان اور تحریمہ کے درمیان کسی عمل

۱؎ والاصل فيه قوله علیہ السلام : الاعمال بالنيات ۲؎ ولان ابتداء الصلوة بالقيام وهو متردد بين العادة والعبادة ولا يقع التميز الابالنية ۳؎ والمتقدم على التكبير كالقائم عنده اذالم يوجد ما يقطعه وهو

سے فصل نہ ہو۔

ترجمہ: ۱؎ اصل اس میں حضور علیہ السلام کا قول، کہ عملوں کا مدار نیتوں پر ہے۔

نوٹ : مصنف اس شرح میں چار باتیں بیان کرنا چاہتے ہیں۔ (۱) نیت کس حدیث سے فرض ہے۔اسکے لئے آگے والی حدیث ہے۔(۲) نیت کس وقت کرے۔تو فرماتے ہیں کہ تحریمہ سے پہلے، تحریمہ کے بعد کافی نہیں ہے۔(۳) نیت کیا چیز ہے!، تو فرماتے ہیں کہ ارادے کا نام نیت ہے(۴) نیت کی کیفیت کیا ہے۔یعنی نفل کی نیت ہے یا فرض کی۔پھر امام کی اقتداء میں ہے یا تنہا نماز پڑھ رہا ہے۔چونکہ ہر ایک کی نیت الگ الگ طور پر ہے اسلئے مصنف اسکی بھی کیفیت بتائیں گے۔

تشریح :(۱) نیت کیوں فرض ہے اسکو بیان کررہے ہیں۔نیت ارادے کا نام ہے۔تحریمہ کے ساتھ ساتھ ارادہ ہو کہ میں فلاں نماز پڑھ رہا ہوں۔اگر دل کے ارادہ کے بغیر نماز پڑھ لی یا تحریمہ باندھ لیا تو نماز نہیں ہوگی اگر نیت کی پھر کوئی عمل کیا اور عمل کے بعد دو بارہ نیت کئے بغیر احرام باندھ لیا تو چونکہ احرام کے وقت نیت نہیں تھی احرام اور نیت کے درمیان فصل ہو گیا اس لئے احرام نہیں ہوا۔

وجہ: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ سمعت عمر بن خطاب على المنبر يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول انما الاعمال بالنيات ۔(بخاری شریف، باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ ص ۲ نمبر ۱/ مسلم شریف، باب قولہ انما الاعمال بالنیۃ الخ، ص ۸۵۳ نمبر ۱۹۰۷/ ۴۹۲۷) اس حدیث میں ہے کہ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اسلئے نماز میں داخل ہونے کی نیت کرے گا تو نماز ہوگی ورنہ نہیں۔(۲) اس اثر میں بھی اسکا ثبوت ہے۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال : تعودوا الخير فانما الخير بالعادة ، و حافظوا على نياتكم في الصلوة ۔(الطبرانی فی الکبیر، ج تاسع، نمبر ۸۷۵۵/ اعلاء السنن، باب اشتراط النیۃ للصلاۃ، ج الثانی، ص ۱۶۳، نمبر ۶۴۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ نماز میں نیت ضروری ہے۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ نماز کی ابتداء قیام سے ہے اور وہ عادت اور عبادت دونوں میں ہے، اسلئے نیت کے بغیر تمیز نہیں ہوگی۔

تشریح : نماز میں نیت فرض ہونے کی یہ دلیل عقلی ہے۔کہ نماز جب شروع کریں گے تو کھڑے ہونے سے شروع ہوگی، اور کھڑا ہونا کھانے پینے کے لئے بھی ہوتا ہے اور نماز کے لئے بھی ہوتا ہے۔اب نیت کے بغیر تو پتہ ہی نہیں چلے گا کہ یہ کھڑا ہونا کھانے پینے کے لئے ہے، یا نماز کے لئے ہے، اب نماز کی نیت کرے گا تب پتہ چلے گا کہ یہ کھڑا ہونا نماز کے لئے تھا اسلئے نماز کے شروع میں نیت فرض ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جو نیت تکبیر تحریمہ سے پہلے ہو وہ ایسا کہ تکبیر کے ساتھ ہی قائم ہو، جب کہ کوئی ایسا عمل نہ پایا گیا ہو جو نیت کو

عمل لا يليق بالصلوٰة ۴؂ ولامعتبر بالمتأخرة منها عنه لان مامضى لا يقع عبادة لعدم النية ۵؂ وفى الصوم جوزت للضرورة

قطع کردے، اور وہ ایسا عمل ہے جو نماز کے مناسب نہ ہو۔

تشریح : (۲) یہاں سے بتاتے ہیں کہ کس وقت نیت کرے گا تو کافی ہوگی۔ نیت کرنے کا تین وقت ہے، (۱) تکبیر تحریمہ سے بہت پہلے (۲) تکبیر تحریمہ کے ساتھ، (۳) تکبیر تحریمہ کے بعد نیت کرے۔

(۱) تکبیر تحریمہ سے بہت پہلے نماز پڑھنے کی نیت کرے۔ لیکن نیت اور تحریمہ کے درمیان کوئی ایسا عمل نہ کرلے جو نماز کے منافی ہو تو اس نیت سے بھی نماز ہو جائے گی۔ وہ نیت ایسا سمجھو کہ تکبیر کے ساتھ ہی قائم ہے۔ مثلا وضو کرتے وقت نماز کی نیت کی پھر دس منٹ تک تسبیح وغیرہ پڑھتا رہا پھر بغیر نیت کئے ہوئے نماز کی تکبیر کہہ لی تو نماز ہو جائے گی، دس منٹ پہلے والی نیت کافی ہے اسلئے کہ درمیان میں تسبیح وغیرہ پڑھنا منافی نماز عمل نہیں ہے، تو گویا کہ نیت تکبیر کے ساتھ متصل اور قائم ہے۔ لیکن اگر وضو کے بعد کھانا کھالیا، یا پانی پی لیا تو اب وضو کے وقت کی نیت سے نماز نہیں پڑھ سکتا، کیونکہ کھانا پینا منافی نماز عمل ہے جو کرلیا، اسلئے نیت منقطع ہوگئی، تکبیر کے ساتھ دوبارہ نیت کرنی ہوگی۔

(۲) اور تکبیر کے ساتھ نیت کرے گا تو نماز ہوگی ہی۔

ترجمہ : ۴؂ (۳) اور اس نیت کا اعتبار نہیں جو تکبیر کے بعد ہو۔ اسلئے کہ نماز کا جو جز گزر چکا ہے وہ نیت نہ ہونے کی وجہ سے عبادت نہیں ہوئی (اسلئے اسکے بعد جو اس پر بناء کر کے آئے گا وہ بھی عبادت نہیں ہوگی۔

تشریح : تیسری صورت یہ ہے کہ تکبیر تحریمہ کے بعد نماز کی نیت کرے، اس نیت سے نماز نہیں ہوگی، نماز باطل ہو جائے گی۔ اسکی (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ نیت سے پہلے تکبیر تحریمہ گزر گئی جو فرض ہے، اور بغیر نیت کے گزری اسلئے وہ ہوئی ہی نہیں اسلئے ایک فرض چھوٹنے کی وجہ سے نماز باطل ہوگی۔ (۲) دوسری وجہ صاحب ھدایہ نے بیان کی ہے۔ کہ نماز کا جو حصہ گزر گیا نیت نہ ہونے کی وجہ سے وہ عبادت نہیں بنی، اب نماز کا جو حصہ نیت کرنے کے بعد آئے گا اسکی بنیاد پہلے حصے پر ہوگی جو عبادت نہیں ہے اسلئے بعد والا حصہ بھی عبادت نہیں ہوگی، کیونکہ بعد والے کی بنا پہلے والے پر ہے، اور پہلے والا باطل ہے اسلئے بعد والا بھی باطل ہو جائے گا، اسلئے پوری نماز باطل ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۵؂ اور روزے میں ضرورت کی بنا پر جائز کر دی گئی ہے۔

تشریح : یہ جملہ ایک اشکال کا جواب ہے۔ اشکال یہ ہے کہ روزے میں دو پہر سے پہلے پہلے نیت کریگا تب بھی روزہ ہو جاتا ہے، حالانکہ صبح صادق سے لیکر گیارہ بجے تک بغیر نیت کے گزرا اور بعد کا وقت پہلے پر بنا ہوگا پھر بھی روزہ درست ہے؟ اسکا جواب دیتے

۳ والنية هى الارادة والشرط ان يعلم بقلبه اى صلوٰة يصلى اماالذكر باللسان فلامعتبر به ويحسن ذٰلک لاجتماع عزيمته ۴ ثم ان كانت الصلوة نفلا يكفيه مطلق النية، وكذا اذاكانت سنة فى الصحيح، وان كانت فرضًا فلا بدمن تعين فرض كالظهر مثلاً لاختلاف الفروض

ہیں کہ روزے میں صبح صادق کا وقت نینداور غفلت کا ہے اسلئے اول وقت میں نیت کرنا فرض قرار نہیں دیا، اسلئے کہ وہاں مجبوری اور ضرورت ہے۔ اور نماز میں تحریمہ سے پہلے بیداری کا وقت ہے اسلئے یہاں تحریمہ سے پہلے نیت کرنا فرض قرار دیا، یہاں کوئی مجبوری نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳ (۳) نیت ارادہ کرنے کا نام ہے۔ اور شرط یہ ہے کہ دل سے یہ جان لے کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ بہر حال زبان سے ذکر کر لینا تو اسکا اعتبار نہیں ہے، البتہ یہ اچھا ہے اسکا پختہ ارادہ کے جمع ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہاں سے بتا رہے ہیں کہ خود نیت کا کیا معنی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ارادہ کرنے کا نام نیت ہے، اور دل جانتا ہو کہ کون سی نماز پڑھ رہا ہے۔ مثلا اچانک کوئی پوچھے کہ کون سی نماز پڑھ رہے ہو؟ تو بتا دے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں، اسی کا نام نیت ہے۔ زبان سے نیت کرنا، اور بولنا کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں کوئی ضروری نہیں ہے۔ البتہ اگر بول بھی لے کہ فلاں نماز پڑھ رہا ہوں تو اچھا ہے، تا کہ دل کا پختہ ارادہ اور زبان کا بول دونوں جمع ہو جائے، اور بات پکی ہو جائے۔

ترجمہ: ۴ (۴) پھر اگر نماز نفل ہو تو مطلق نماز کی نیت کافی ہے، ایسے ہی اگر سنت ہو تو صحیح روایت یہی ہے۔ اور اگر فرض ہو تو فرض کا تعین ضروری ہے، جیسے مثلا ظہر، کیوں کہ فرض مختلف ہیں۔

تشریح : یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ کس نماز کے لئے کس طرح نیت کی جائے گی! اسکی کیفیت کیا ہوگی! کیونکہ نماز فرض بھی ہے اور نفل بھی۔ پھر فرض تنہا پڑھ رہا ہو تو اسکے لئے الگ نیت ہے اور امام کے پیچھے پڑھ رہا ہو تو امام کی اقتداء کی نیت ضروری ہے۔

فرماتے ہیں کہ اگر نماز نفل ہو تو صرف اتنی نیت کر لینا کافی ہے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں، اس میں نفل کا تعین کرنا ضروری نہیں ہے، کیونکہ مطلق نماز سے نفل نماز ہی مراد ہوتی ہے۔ ۔ اور ظہر یا عصر وغیرہ کی سنت نماز پڑھنی ہو تو اس میں بھی صرف نماز کی نیت کرنا کافی ہے، سنت رسول اللہ، لگانے کی ضرورت نہیں ہے، اسلئے کہ مطلق نماز کی نیت سے سنت نماز مراد ہو جاتی ہے۔ صحیح روایت یہی ہے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ سنت میں نفل سے زائد صفت ہے، اور وہ نفل سے تھوڑا اہم ہے اسلئے سنت رسول اللہؐ کی نیت کرے گا تب سنت نماز ہوگی۔ لیکن یہ اصح روایت نہیں ہے۔

اور اگر فرض نماز پڑھنی ہو تو نماز کے ساتھ فرض کی نیت کرنی پڑے گی اور یہ بھی تعین کرنا ہوگا کہ کون سا فرض پڑھ رہا ہے، ظہر کا یا عصر کا ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ فرض کی بہت اہمیت ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ دن میں پانچ فرض ہیں، تو یہ تعین کرے کہ کون سے وقت کا فرض پڑھ

(۲۴۳) وان كـان مقتديا بغيره ينوى الصلوٰة ومتابعته ﴾ لانه يلزمه فساد الصلوة من جهته فلا بد من التزامه (۲۴۴) قال ويستقبل القبلة﴾ لقوله تعالىٰ: فولّوا وجوهكم شطره.

رہا ہے، کیونکہ اسکے بغیر اس وقت کے فرض کی ادیئگی کیسے ہوگی! ۔اس ادائیگی کے لئے بھی وقت کا تعین کرنا ضروری ہے ۔

ترجمه :(۲۴۳) اور اگر دوسرے کا مقتدی ہو تو نماز کی بھی نیت کرے اور امام کی متابعت کی بھی نیت کرے۔

تشریح : اگر امام کی اقتدا کر رہا ہو تو فرض نماز کی نیت کے ساتھ یہ بھی نیت کرنی پڑے گی کہ میں اس امام کی اقتدا میں نماز پڑھ رہا ہوں ۔کیونکہ مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ متضمن ہے۔

وجه: عن ابى هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليؤتم به فلا تختلفوا عليه فاذا كبر فكبرو . (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ،ص ۱۷۷، کتاب الصلوۃ ،نمبر ۹۳۰/۴۱۴ بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی کو امام کی مکمل اقتدا کرنی چاہئے ۔اور اس سے انحراف نہیں کرنا چاہئے ۔اس لئے امام کی اقتدا کی نیت ضروری ہے ۔عن ابى هرير ة قال قال رسول الله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷) جب امام ضامن ہوا تو اس کی اقتدا کی نیت بھی کرنی چاہئے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ مقتدی کو امام کی جانب سے نماز کا فساد ہوتا ہے، اسلئے متابعت کا التزام ضروری ہے۔

تشریح : امام کی نماز فاسد ہو تو اسکی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جاتی ہے، اسلئے مقتدی کو چاہئے کہ امام کی اتباع اپنے اوپر لازم کرے، تاکہ اس اتباع کی وجہ سے امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی نماز فاسد ہو۔ اتباع کی نیت کے لئے یہ دلیل عقلی ہے۔

﴿(۶) قبلہ کا استقبال کرے﴾

ترجمه : (۲۴۴) نماز میں قبلہ کا استقبال کرے۔

ترجمه: ۱؎ اللہ تعالیٰ کا قول: فولوا وجوهكم شطره) نماز میں اپنے چہرے کو قبلے کی طرف پھیرو، کی وجہ سے۔

وجه : آیت میں ہے۔ فول وجهک شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ۔(آیت ۱۴۴ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قبلہ کی طرف چہرہ کرنا چاہئے ۔(۲) حدیث یہ ہے۔عن عبدالله بن عمر قال : بينا الناس بقباء فى صلاة الصبح اذ جائهم آت فقال :ان رسول ا لله ﷺ قد انزل عليه الليلة قرآن ، قد أمر أن يستقبل الكعبة ، فاستقبلوها ، و كانت وجوههم الى الشام فاستداروا الى الكعبة ۔بخاری شریف، باب ماجاء فی القبلة ،الخ ،ص ۵۷ ،نمبر ۴۰۳) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں قبلہ کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔

۲ ثم من كان بمكة ففرضه اصابة عينها ۳ ومن كان غائبا ففرضه اصابة جهتها، هو الصحيح، لان التكليف بحسب الوسع

ترجمه: ۲ پھر جو مکہ مکرمہ میں ہو اسکا فرض عین بیت اللہ کی طرف چہرہ کرنا ہے۔

تشریح: جس آدمی کو بیت اللہ نظر آرہا ہو اسلئے فرض یہ ہے کہ عین بیت اللہ کی طرف چہرہ کرے۔(۱) کیونکہ اسکو بیت اللہ نظر آرہا ہے اسلئے عین بیت اللہ کی طرف رخ کرنے میں حرج نہیں ہے۔حدیث میں ہے کہ حضورؐ مسجد حرام میں تشریف رکھتے تھے تو عین بیت اللہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھی، حدیث یہ ہے۔قال أتي ابن عمر فقيل له : هذا رسول الله ﷺ دخل الكعبة، ...ثم خرج فصلى في وجه الكعبة ركعتين ۔(بخاری شریف، باب قولہ تعالی﴿و اتخذوا من مقام ابراهيم مصلى﴾ آیت ۱۲۵، سورۃ البقرۃ ۲)ص ۵۷، نمبر ۳۹۷) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے عین کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔

ترجمه: ۳ اور جو کعبہ سے دور ہو اسکا فرض کعبہ کی جانب چہرہ کرنا ہے، صحیح یہی ہے، اسلئے کہ تکلیف طاقت کے مطابق ہوتی ہے۔

تشریح: جسکو بیت اللہ نظر نہ آتا ہو اس سے دور ہو تو اسکے لئے فرض یہ ہے کہ بیت اللہ کی جانب رخ کر لے، چاہے بالکل کعبہ کے طرف رخ ہو جائے تب بھی نماز درست ہے، اور چاہے اس سے تھوڑا دائیں، یا بائیں ہو جائے تب بھی نماز ہو جائے گی۔

وجه: (۱) اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ دور ہونے کی وجہ سے اسکی طاقت میں عین کعبہ کی طرف توجہ کرنا ممکن نہیں ہے، اور شریعت کی تکلیف طاقت کے مطابق ہوتی ہے اسلئے عین کعبہ کی طرف توجہ اس پر شرط نہیں ہے۔(۲) آیت میں ہے کہ مسجد حرام کی جانب چہرہ کرلو تب بھی نماز ہو جائے گی، آیت یہ ہے۔ فول وجهك شطر المسجد الحرام وحيث ما كنتم فولوا وجوهكم شطره ۔(آیت ۱۴۴ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ مسجد حرام کی طرف چہرہ پھیرو۔فلکیات والے کہتے ہیں کہ چار اطراف ہیں۔(۱) مشرق (۲) مغرب (۳) شمال (۴) اور جنوب۔اور ہر جہت 90 ڈگری کا ہوتا ہے، اس اعتبار سے چار طرفوں کا مجموعہ 360 ڈگری ہوئے۔اب مسجد حرام کی طرف رخ کرے گا تو 90 ڈگری چوڑائی تک قبلہ ہوگا، اور عین کعبہ سے 45 ڈگری دائیں اور 45 ڈگری بائیں تک انحراف کرے گا اور مائل ہوگا تب بھی نماز جائز ہو جائے گی۔شطر المسجد الحرام، سے اسکا اشارہ ملتا ہے۔(۳) اس حدیث میں بھی اسکا اشارہ ہے، عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : ما بين المشرق و المغرب قبلة ۔(ترمذی شریف، باب ما جاء ما بین المشرق والمغرب قبلۃ، ص ۷۹، نمبر ۳۴۲) اس حدیث میں ہے کہ اھل مدینہ کے لئے مشرق اور مغرب کے درمیان قبلہ ہے، اور مشرق اور مغرب کے درمیان جنوب ہوتا ہے، اسلئے جنوب کی 90 ڈگری قبلہ ہوگا اور عین کعبہ سے 45 ڈگری دائیں، اور 45 ڈگری بائیں تک انحراف ہو جائے تب بھی نماز جائز ہو جائے گی (۴) اس

(۲۴۵) ومن كان خائفا يصلي الى اى جهة قدر﴾ ۱؎ لتحقق العذر فاشبه حالة الاشتباه

(۲۴۶) فان اشتبهت عليه القبلة وليس بحضرته من يسأله عنها اجتهد﴾

حدیث سے اسکی تائید ہوتی ہے۔عن ابن عباس أن رسول الله ﷺ قال : البيت قبلة لاهل المسجد ، و المسجد قبلة لأهل الحرم ، و الحرم قبلة لأهل الارض فى مشارقها و مغربها من أمتى ۔(سنن بیہقی ، باب من طلب باجتهاد وجهة الكعبة ، ج ثانی ، ص ۱۶، نمبر ۲۲۳۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مکہ مکرمہ کے ارد گرد جہاں شکار کرنا حرام ہے جسکو حرم کہتے ہیں اسکی جہت کر لینا بھی دور والوں کے لئے کافی ہے۔۔(45 ڈگری کی بحث کے لئے احسن الفتاوی جلد دوم ، رسالہ المشر فی علی الشرقی ، ص ۳۲۴، دیکھیں)

ترجمہ: (۲۴۵) اور جسکو خوف ہو وہ جس جانب قدرت رکھتا ہو ادھر ہی نماز پڑھے۔

وجہ:۔اور خوف کے وقت جدھر ممکن ہو اس طرف چہرہ کرنے سے نماز ادا ہو جائے گی ۔(۱) اس کی دلیل یہ آیت ہے ۔ولله المشرق والمغرب فاينما تولو فثم وجه الله ۔(آیت ۱۱۵ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے معلوم ہوا کہ مجبوری کے موقع پر کسی اور طرف توجہ کر کے نماز پڑھ لی تو نماز ہو جائے گی۔ کیونکہ وہاں اللہ کا چہرہ ہے۔(۲) اس اثر میں ہے۔أن عبد الله بن عمر كان اذا سئل عن صلوة الخوف قال ....فان كان خوف هو اشد من ذالك صلوا رجالا قياما على اقدامهم ، أو ركبانا مستقبلى القبلة أو غير مستقبليها ۔(بخاری شریف، کتاب التفسیر، باب قوله فان خفتم فرجالا أو ركبانا ، ص ۷۷۱، نمبر ۴۵۳۵) اس اثر میں ہے کہ خوف زیادہ ہو تو قبلہ کے علاوہ کی طرف بھی نماز پڑھے گا تو نماز جائز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ عذر کے متحقق ہونے کی وجہ سے تو قبلہ مشتبہ ہونے کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ خوف بہت زیادہ ہے اس عذر کی بنا پر قبلہ کی طرف متوجہ نہیں ہو سکتا، تو ایسا ہوا کہ قبلہ مشتبہ ہو گیا اور جس پر قبلہ مشتبہ ہو گیا ہو وہ جدھر نماز پڑھے جائز ہے۔ دلیل اوپر بھی گزر گئی اور قبلہ مشتبہ ہونے کی دلیل آگے آ رہی ہے۔

ترجمہ: (۲۴۶) اگر نماز پڑھنے والوں پر قبلہ مشتبہ ہو جائے اور وہاں کوئی موجود نہیں ہے جس سے اس کے بارے میں پوچھ سکے تو اجتہاد کریگا ۔

تشریح: قبلہ کا پتہ نہ چلے اور کوئی آدمی بھی نہ ہو کہ اس سے پوچھ سکے تو تحری کرے گا اور جدھر دل کا رجحان ہو اسی طرف نماز پڑھ لیگا۔اور نماز کے بعد معلوم ہوا کہ غلط جہت میں نماز پڑھی ہے تب بھی نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے نماز ہو گئی۔اس لئے کہ اس کی وسعت میں جتنا تھا وہ کر گزرا۔

وجہ: (۱) حدیث میں ہے۔عن جابر قال كنا مع النبى ﷺ فى مسير او سرية فاصابنا غيم فتحرينا واختلفنا

۱؎لان الصحابة تحرواوصلوا ولم ینکر علیهم رسول الله ﷺ ۲؎ولان العمل بالدلیل الظاهر واجب عند انعدام دلیل فوقه والاستخبار فوق التحری (۲۴۷) فان علم انه اخطأبعد ماصلی لا یعیدها﴾

فی القبلة فصلی کل رجل منا علی حدة فجعل احدنا یخط بین یدیه لنعلم امکنتنا فلما اصبحنا نظرناه فاذا نحن قد صلینا علی غیر القبلة فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال قد اجزأت صلواتکم ۔(سنن للبیہقی ،باب الاختلاف فی القبلۃ عند التحری ،ج ثانی ،ص ۱۶،نمبر ۲۲۳۵ /ترمذی شریف ،باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلۃ فی الغیم ،ص ۸۰ نمبر ۳۴۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے نماز پڑھی تو قبلہ غلط بھی ہو جائے تو نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں ہے۔اس لئے کہ تحری ہی اس کا قبلہ ہو گیا۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ صحابہؓ نے تحری فرمائی اور نماز پڑھی اور حضور ﷺ نے ان پر انکار نہیں فرمایا۔ حدیث یہ ہے ۔عن عبد الله بن عامر بن ربیعة عن أبیه قال : کنا مع النبی ﷺ فی سفر فی لیلة مظلمة ، فلم ندر أین القبلة فصلی کل رجل منا علی حیاله ، فلما أصبحنا ذکرنا ذالک للنبی ﷺ فنزل : ﴿فأینما تولوا فثم وجه الله ﴾آیت ۱۱۵،سورۃ البقرۃ ۲)(ترمذی شریف ،باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلۃ فی الغیم ،ص ۸۰ نمبر ۳۴۵ /ابن ماجہ شریف ،باب من یصلی لغیر القبلۃ وھولا یعلم ،ص ۱۴۳،نمبر ۱۰۲۰)اس حدیث میں ہے کہ اندھیری رات میں قبلہ مشتبہ ہو گیا اور قبلے کا کچھ پتہ نہیں چلا تو صحابہ نے تحری کر کے نماز پڑھی تو آپؐ نے انکار نہیں فرمایا بلکہ اسکے ٹھیک ہونے پر آیت نازل ہوئی ،جس سے معلوم ہوا کہ اشتباہ کے وقت تحری ہی قبلہ ہے۔ البتہ اگر تحری کئے بغیر نماز پڑھ لی تو نماز نہیں ہوگی ،نماز لوٹانی ہوگی۔

ترجمہ : ۲؎ اسلئے کہ دلیل ظاہر پر عمل کرنا اس وقت واجب ہے جبکہ اس سے اوپر کی دلیل نہ ہو۔اور لوگوں سے قبلہ کی خبر معلوم کرنا تحری سے اوپر ہے۔

تشریح :یہ جملہ(لیس بحضرته من یسأله عنها اجتهد) کی تفسیر ہے۔تحری کر کے نماز پڑھنا یہ دلیل ظاہر ہے۔اور یہ کم درجے کی ہے۔اور کسی سے صحیح قبلہ کی خبر معلوم کرنا یہ دلیل ظاہر یعنی تحری سے اوپر کی چیز ہے۔کہنا یہ چاہتے ہیں کہ قبلہ معلوم کرنے کی کوئی صورت نہ ہو اور نہ کوئی آدمی ہو جس سے قبلہ کے بارے میں پوچھ سکیں تب جا کر تحری سے نماز پڑھنا جائز ہوگی۔

ترجمہ: (۲۴۷) پس اگر نماز پڑھنے کے بعد جانا کہ غلطی ہوگئی ہے تو نماز کو نہیں لوٹائے گا۔

تشریح : تحری کر کے نماز پڑھی تھی بعد میں معلوم ہوا کہ قبلہ کسی اور جانب تھا اور نماز دوسری جانب پڑھ لی ہے تو نماز کو دہرانے کی ضرورت نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ اوپر ترمذی شریف کی حدیث میں صحابہؓ نے غلط قبلے کی طرف نماز پڑھی لیکن نماز نہیں لوٹائی ۔حدیث یہ ہے۔ عن جابر قال کنا مع النبی ﷺ فی مسیر او سریة فاصابنا غیم فتحرینا واختلفنا فی القبلة

۱؎ وقال الشافعیؒ یعیدها اذا استدبر لتیقنه بالخطا ۲؎ ونحن نقول لیس فی وسعه الا التوجه الی جهة التحری والتکلیف مقید بالوسع (۲۴۸) وان علم ذلک فی الصلوٰة استدار الی القبلة

فصلی کل رجل منا علی حدة فجعل احدنا یخط بین یدیه لنعلم امکنتنا فلما اصبحنا نظرناه فاذا نحن قد صلینا علی غیر القبلة فذکرنا ذلک للنبی ﷺ فقال قد اجزأت صلواتکم ۔(سنن للبیھقی ، باب الاختلاف فی القبلة عند التحری ، ج ثانی ، ص ۱۶ ، نمبر ۲۲۳۵ رترمذی شریف ، باب ماجاء فی الرجل یصلی لغیر القبلة فی الغیم ، ص ۸۰ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں غلط قبلے کی طرف نماز پڑھی لیکن نہیں لوٹائی ۔

فائدہ :ترجمہ: ۱؎ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اگر قبلہ بالکل ہی پیچھے ہوگیا تو نماز لوٹائے گا، غلطی کے یقینی ہونے کی وجہ سے ۔

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک یہ ہے کہ اگر عین قبلہ سے دائیں ، یا بائیں انحراف ہوا تو اس خطاء کے باوجود نماز جائز ہو جائے گی ۔لیکن اگر خطاء یقینی ہو یعنی بالکل الٹ جانب نماز پڑھ لی ہو تو معلوم ہونے کے بعد نماز دہرانی ہوگی ۔عبارت یہ ہے ۔ قال : ولو افتتح الصلاة علی اجتهاده ، ثم رأی القبلة فی غیره. (موسوعة للامام الشافعیؒ ، باب فی من استبان الخطاء بعد الاجتھاد ، ج ثانی ، ص ۱۰۶ ، نمبر ۱۲۰۶) انکا استدلال یہ حدیث ہے ۔ عن عبد الله بن عمر قال بین الناس بقباء فی صلوة الصبح اذ جاء هم آت فقال ان رسول الله ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوها وکانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة (بخاری شریف ، باب ماجاء و من لم یر الاعادة علی من سہی فصلی الی غیر القبلة ص ۵۸ کتاب الصلوۃ نمبر ۴۰۳ رمسلم شریف ، باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة ، ص ۲۰۱ ، نمبر ۱۱۷۸/۵۲۶) اس حدیث میں ہے کہ اھل مدینہ کا قبلہ پہلے بیت المقدس تھا ، جو مدینہ طیبہ سے شمال جانب ہے ، درمیان نماز میں قبلہ تبدل ہو کر بیت اللہ ہو گیا جو مدینہ طیبہ سے جنوب کی جانب ہے ، تو چونکہ قبلہ بالکل الٹ جانب ہو گیا اسی لئے وہ حضرات نماز ہی میں گھوم گئے ، اگر صرف دائیں یا بائیں جانب تھوڑا سا انحراف ہوتا تو وہ حضرات نماز میں نہ گھومتے ، اس سے معلوم ہوا کہ قبلہ بالکل الٹ جانب ہو تو نماز دہرانی ہوگی ۔

ترجمہ : ۲؎ ہم کہتے ہیں کہ اسکی وسعت میں تحری کی جانب متوجہ ہونے کے علاوہ کچھ اور نہیں ہے ۔اور تکلیف وسعت کے ساتھ مقید ہے ۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے ۔، کہ اللہ کی جانب سے وسعت اور طاقت کے مطابق مکلّف بنایا جاتا ہے اور اس نمازی کے پاس تحری کر کے نماز پڑھنے کے علاوہ کوئی اور صورت نہیں ہے اتنا ہی اسکی طاقت میں ہے اسلئے تحری ہی کا مکلّف ہوگا ، پس جب تحری کر کے نماز پڑھ لی نماز ہوگئی اب غلطی جاننے کے بعد دہرانے کی ضرورت نہیں ہے ۔۔اصل تو اوپر کی ترمذی والی حدیث ہے ۔

ترجمہ : (۲۴۸) اور اگر نماز میں ہی غلطی کا علم ہو گیا تو قبلے کی طرف گھوم جائے ۔

۱؎ لان اهل قباء لما سمعوا بتحول القبلة استداروا کهیأتهم فی الصلوة واستحسنها النبی علیہ السلام

۲؎ وکذا اذا تحول رأیه الی جهة اخری توجه الیها لوجوب العمل بالاجتهاد فیما یستقبل من غیر نقض المؤدّی قبله (۲۴۹) ومن امّ قومًا فی لیلة مظلمة فتحری القبلة وصلی الی المشرق وتحری من خلفه فصلی کل واحد منهم الی جهة وکلهم خلفه ولا یعلمون ماصنع الامام اجزاهم ﴾

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ اہل قباء نے جب قبلے کی تبدیل کے بارے میں سنا تو وہ اسی حال میں نماز ہی میں گھوم گئے، اور بنی علیہ السلام نے اسکو اچھا قرار دیا۔

وجه: صحابہ بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے تھے۔سولہ یا سترہ ماہ کے بعد قبلہ بدل گیا۔کچھ صحابہ نماز میں تھے اور اطلاع دی گئی کہ قبلہ بدل گیا ہے تو وہ لوگ نماز کے درمیان ہی گھوم گئے۔اور نماز پر بنا کی اور نماز پڑھتے رہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔

عن عبد الله بن عمر قال بین الناس بقباء فی صلوة الصبح اذ جاء هم آت فقال ان رسول الله ﷺ قد انزل علیه اللیلة قرآن وقد امر ان یستقبل الکعبة فاستقبلوها وکانت وجوههم الی الشام فاستداروا الی الکعبة (بخاری شریف، باب ماجاء ومن لم یرالاعادة علی من سہی فصلی الی غیر القبلة ص ۵۸ کتاب الصلوة نمبر ۴۰۳ رمسلم شریف، باب تحویل القبلة من القدس الی الکعبة، ص ۲۰۱، نمبر ۱۱۷۸/۵۲۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحری کر کے غیر قبلہ کی طرف نماز پڑھ رہا ہو اور درمیان میں صحیح قبلہ کا علم ہو گیا تو اس طرف پھر جائے اور پہلی نماز پر بنا کرے۔پہلی نماز بھی تحری کی بنا پر صحیح ہے۔

ترجمه: ۲؎ ایسے ہی اگر اسکی رائے بدل گئی دوسری جانب تو اسکی طرف توجہ کرے گا اگلے اجتہاد پر عمل واجب ہونے کی وجہ سے اس سے پہلے ادا کئے ہوئے کو توڑے بغیر۔

تشریح : قبلہ معلوم نہیں تھا اسلئے تحری سے نماز پڑھ رہا تھا، اب دو رکعت کے بعد اسکا اجتہاد بدل گیا اور خیال آیا کہ دوسری جانب قبلہ ہے تو اسی وقت دوسری جانب گھوم جائے، اور پہلے جو دو رکعت پڑھی ہے اسی پر بنا کر لے، کیونکہ پہلی دو رکعت بھی صحیح ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے اس پر تحری لازم تھی اسلئے تحری ہی کر کے نماز پڑھ رہا تھا اسلئے وہ نماز بھی صحیح تھی اسکو توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، اب اسکی تحری بدل گئی اسلئے یہ نماز بھی صحیح، اور اس نماز کی بنا پہلی نماز پر بھی صحیح ہے

لغت: استدار: گھوم جائے، مشتق دور سے ہے۔تحول: بدل جائے، گھوم جائے. **کھیئتھم**: اپنی پہلی ہیئت اور حالت پر رہتے ہوئے۔بنی : بنا کرے۔غیر نقض المودی: ادا کئے ہوئے نماز کو توڑے بغیر۔

ترجمه: (۲۴۹) کسی نے اندھیری رات میں ایک قوم کی امامت کی پس قبلے کی تحری کی اور نماز مشرق کی طرف پڑھی، اور اسکے پیچھے والے نے تحری کی اور ہر ایک نے اپنی اپنی جہت کی طرف نماز پڑھ لی، لیکن سبھی امام کے پیچھے تھے، اور یہ انکو پتہ نہیں تھا کہ امام

۱؎ لوجود التوجه الی جهة التحری ۲؎ وهذه المخالفة غير مانعة كما فی جوف الكعبة (۲۵۰) ومن علم منهم بحال امامه تفسد صلاته﴾ ۱؎ لانه اعتقدا مامه علی الخطا

نے کیا کیا توسب کی نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ تحری کی جانب توجہ ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ امام سے آگے نماز پڑھی تو نماز نہیں ہوگی، کیونکہ امام سے آگے بڑھ گیا۔اسی طرح نماز پڑھتے وقت مقتدی کو امام کی غلطی کا یقین ہے تو اس مقتدی کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ اپنے اعتقاد میں امام کو غلط مان رہا ہے۔۔اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ کچھ لوگ اندھیری رات میں نماز پڑھ رہے تھے، قبلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہر ایک نے اپنی اپنی جہت میں نماز پڑھی، اور امام نے امامت کروائی۔تو جو لوگ امام سے پیچھے رہے اسکی نماز ہو جائے گی، لیکن جو لوگ امام سے آگے رہے اسکی نماز نہیں ہوگی، اسکی وجہ یہ ہے کہ مقتدی کا فرض امام سے پیچھے رہنا تھا، اس نے فرض چھوڑ دیا اور امام سے آگے ہو گیا اسلئے اسکی نماز نہیں ہوگی۔اسی طرح جسکو یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ امام غلط رخ پر نماز پڑھ رہے ہیں اسکی بھی نماز نہیں ہوگی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کو خطا پر یقین کرنے سے اسکی اقتداء نہیں ہوئی اسلئے اسکی نماز بھی نہیں ہوگی۔اور دوسروں کی نماز اسلئے ہو جائے گی کہ انکے ذمے تحری کرنا تھا اور وہ کر لیا چاہے جدھر توجہ ہو اسلئے انکی نماز ہو جائے گی۔اور امام کی غلطی کا پتہ نہیں ہے اسلئے انکی اقتداء بھی درست ہے، اور ہر ایک کی جہت مختلف ہونے کے باوجود بھی نماز اسلئے ہو جائے گی، کہ کعبہ کے اندر ہر ایک کی توجہ الگ الگ ہو تب بھی نماز ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں بھی ہر ایک کی توجہ الگ الگ ہو تب بھی نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ اور یہ مخالفت مانع نماز نہیں ہے جیسے کعبہ کے اندر نماز۔

تشریح : اندھیری رات میں ہر ایک کی جہت الگ الگ ہوگئی تو اس مخالفت سے بھی نماز ہو جائے گی کوئی مانع نہیں ہے اسلئے کہ مجبوری کی وجہ سے کی ہے، اور تحری کا حکم تھا وہ کر لیا ہے اسلئے ہر ایک کی نماز ہو جائے گی۔باقی رہی جہت میں مخالفت تو اسکی مثال موجود ہے کہ کعبہ کے اندر ہر ایک کی جہت الگ الگ ہوتی ہے پھر بھی سب کی نماز ہو جاتی ہے۔

ترجمہ : (۲۵۰) مقتدیوں میں سے جس نے امام کی حالت جان لی اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ :۱؎ اسلئے کہ امام کو غلطی پر ہونے کا اعتقاد کیا۔

تشریح :مقتدی میں سے کسی نے امام کی حالت جان لی کہ وہ خطاء پر ہے تو اسکی نماز نہیں ہوگی، اسلئے کہ امام کو غلط سمجھا اسلئے اسکی اقتدا ہی صحیح نہیں ہوئی اسلئے اس مقتدی کی نماز صحیح نہیں ہوئی۔

(۲۵۱) وكذالو كان متقدما على الامام ﴾ لـ لتركه فرض المقام

ترجمہ: (۲۵۱) ایسے ہی نماز نہیں ہوگی اگر امام سے آگے بڑھ گیا۔

ترجمہ: لـ اسلئے کہ اپنے مقام کے فرض کو چھوڑ دیا۔

تشریح : اندھیری رات میں جو مقتدی امام سے آگے کھڑا ہو گیا اسکی بھی نماز نہیں ہوگی، کیوں کہ اسکا فرض امام کے پیچھے کھڑا ہونا تھا، اس نے اپنے فرض کو چھوڑ دیا اسلئے اسکی بھی نماز نہیں ہوگی۔

Settings\Administrator.USER\My Documents\3) JPEG CLIPART\191_Tree_of_life.jpg not found.

﴿باب صفة الصلوة﴾

(۲۵۲)فرائض الصلوٰة ستة التحريمة﴾ ل لقوله تعالىٰ (وربّک فكبر) ٢ والمراد به تكبيرة الافتتاح

(۲۵۳) والقيام﴾ ل لقوله تعالىٰ ((وقوموا للّٰه قانتين))

﴿ باب صفة الصلوة ﴾

ضروری نوٹ: صفۃ الصلوۃ سے مراد نماز کی ہیئت ہے کہ نماز کس طرح پڑھی جائے اور اس میں کیا کیا ہو۔

نماز کے فرائض چھ ہیں [۱] تکبیر تحریمہ کہنا، [۲] کھڑا ہونا، [۳] قرأت کرنا، [۴] رکوع کرنا، [۵] سجدہ کرنا، [۶] قاعدہ آخیرہ۔

ترجمہ: (۲۵۲) [ا] تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے۔

ترجمہ: ل اللہ تعالی کا قول ((وربک کبر)) کی وجہ سے۔

وجہ: (۱) تکبیر تحریمہ فرض ہے اسکی دلیل یہ آیت ہے وربک کبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) کہ اپنے رب کی بڑائی بیان کیجئے۔ (۲) حدیث میں ہے عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلو ة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فى فريضة او غيرها. (ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ رابو داؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع کرنے کے لئے تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے۔ آیت میں ہے وذکر اسم ربہ فصلی (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت سے بھی تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے کہ اس ذکر سے مراد تحریمہ باندھنے کی تکبیر ہے۔ (۳) اس اثر میں ہے۔ عن ابراهيم قال : اذا نسى تكبيرة الافتتاح استأنف ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۸ فی الرجل ینسی تکبیرۃ الافتتاح، ج اول ص ۲۱۵، نمبر ۲۴۶۵ رمصنف عبد الرزاق، باب من نسی تکبیرۃ الافتتاح، ج ثانی ص ۷۲، نمبر ۲۵۳۷) اس اثر میں ہے کہ تکبیر افتتاح بھول جائے تو نماز دہرائے جس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ فرض ہے

ترجمہ: ٢ آیت میں تکبیر سے مراد شروع نماز کی تکبیر ہے۔ یعنی جسکو تکبیر تحریمہ کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۵۳) [۲] کھڑا ہونا۔ اسکو عربی میں قیام کہتے ہیں۔

وجہ ترجمہ: ل (۱) کھڑا ہونے کی دلیل یہ آیت ہے۔ وقوموا لله قانتين. (آیت ۲۳۸ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت سے نماز میں چپ چاپ کھڑے ہو، جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیام فرض ہے۔ (۲) حدیث میں قیام کا ثبوت ہے، حدیث یہ ہے۔ أن ابن عمر قال : كان رسول الله ﷺ ، اذا قام للصلوة رفع يديه حتى تكونا بحذو منكبيه ثم كبر ۔ (مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام، ص ۱۶۶ نمبر ۳۹۰ / ۸۶۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز کے

(۲۵۴) والقراءة ﴾ لقوله تعالیٰ ((فاقرء وا ماتیسرمن القراٰن)) (۲۵۵) والرکوع﴾
(۲۵۶) والسجود﴾ لقوله تعالیٰ ((فارکعوا واسجدوا)) (۲۵۷) والقعدة فی اٰخر الصلوٰة مقدار التشهد﴾

لئے کھڑا ہو۔

ترجمه: (۲۵۴) [۳]قرأت کرنا فرض ہے۔

ترجمه: لے اللہ تعالی کا قول ((فأقرء وا ما تیسر من القرء ان)) کی وجہ سے۔

وجه : (۱) فاقرء وا ما تیسر منه واقیموا لصلوة واتوالزکوة (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳)اس آیت سے معلوم ہوا کہ نماز میں قرأت پڑھنا فرض ہے (۲) اس حدیث میں بھی ہے کہ قرأت کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فی فريضة او غيرها. (ترمذی شریف،باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ رابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ قرأت کئے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۲۵۵) [۴]رکوع فرض ہے

ترجمه: (۲۵۶) [۵]سجدہ فرض ہے۔

وجه ترجمه: لے دونوں کی دلیل یہ آیت ہے يا ايها الذين آمنوا اركعوا واسجدوا واعبدوا ربكم. (آیت ۷۷ سورۃ الحج ۲۲)اور واقیموا الصلوة وآتوالزکوة وارکعوا مع الراکعین (آیت ۴۳ سورۃ البقرۃ ۲)اس آیت سے معلوم ہوا کہ رکوع،اور سجدہ فرض ہیں۔

ترجمه :(۲۵۷) [۶]اور قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار (فرض ہے)

تشريح : تشہد پڑھنا تو واجب ہے لیکن تشہد کی مقدار قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے۔

وجه: (۱)عن ابن مسعود قال : كنا نقول قبل أن يفرض التشهد ، السلام على الله ، السلام على جبرئيل و ميكائيل الخ ۔(سنن بیہقی ،باب مبدأ فرض التشہد ،ج ثانی،ص ۱۹۸،نمبر ۲۸۱۹)اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے فرض ہونے سے پہلے یہ کہتے تھے،اسکا مطلب یہ نکلا کہ بعد میں تشہد فرض ہوگیا۔(۲) یہ حدیث ہے وہ صحابی جس نے نماز جلدی جلدی پوری کی اور تین مرتبہ حضورؐ کی خدمت میں آئے ان کو آپؐ نے نماز پڑھنے کا طریقہ بتایا۔اس حدیث کے آخر میں آپؐ نے چار کام کرنے پر زور دیا ہے۔ان میں سے تین کام تو آیت کی وجہ سے فرض ہیں۔اس لئے چوتھا کام بھی فرض ہی ہونا چاہئے۔حدیث میں ہے عن

۱ لقوله عليه السلام لابن مسعودؓ حين علّمه التشهد اذاقلت هذا او فعلت هٰذا فقد تمت صلاتک
۲ علّق التمام بالفعل قرأ اولم يقرأ

رفاعة بن رافع ان رسول الله ﷺ بينما هو جالس فی المسجد يوما ... فان كان كان معک قرآن فاقرء والا فاحمد الله وكبره وهلله ثم اركع فاطمئن راكعا ثم اعتدل قائما ثم اسجد فاعتدل ساجدا ثم اجلس فاطمئن جالسا ثم قم فاذا فعلت ذلک فقد تمت صلوتک وان انتقصت منه شيئا انتقصت من صلوتک۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) اس حدیث میں (۱) قرأت (۲) رکوع (۳) سجدہ (۴) اور تشہد میں بیٹھنے کے لئے کہا گیا ہے۔ پھر یہ بھی کہا کہ ان میں سے کسی چیز کی کمی رہ گئی تو تمہاری نماز میں کمی رہ گئی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں کمی رہ گئی تو نما میں کمی رہ گئی تو نماز میں کمی رہ جائے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قعدۂ اخیرہ تشہد کی مقدار فرض ہے (۳) ترمذی کے اسی باب میں حضرت ابو ہریرہ کی حدیث ہے جس کے اخیر میں یہ جملہ ہے ثم ارفع حتی تطمئن جالسا وافعل ذلک فی صلوتک كلما۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء وصف الصلوۃ ص ۶۷ نمبر ۳۰۳) اس سے بھی معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھنا فرض ہے (۴) آپؐ نے کوئی بھی نماز بغیر تشہد کی مقدار بیٹھے ہوئے پوری نہیں کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے (۵) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس حدیث میں ہے کہ بیٹھنے کے بعد حدث ہوا ہو تو نماز پوری ہوگئی، جس سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے وہ کرلیا تو گویا کہ فرض پورا کرلیا اسلئے اسکے بعد حدث ہوا تو نماز پوری ہوگئی۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام جب حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کو تشہد سکھا رہے تھے تو فرمایا کہ اس تشہد کو کہہ لوگے، یا کرلوگے تو تمہاری نماز پوری ہوگئی۔

تشریح : (۱) عبد اللہ بن مسعود کی حدیث یہ ہے۔ وان رسول الله ﷺ اخذ بيد عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوة فذكر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذا اوقضيت هذا فقد قضيت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھے گا تو نماز پوری ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمہ: ۲ تشہد کے کرنے پر نماز کے پورے ہونے کو معلق کیا، چاہے تشہد پڑھے یا نہ پڑھے۔

تشریح : یہ جملہ ابوداؤد والی اس حدیث کی تشریح ہے۔ (اذا قلت هذا اوقضيت هذا فقد قضيت صلوتک) اس میں ہے کہ آپ تشہد کہہ لیں، یا پوری کرلیں تو آپ کی نماز پوری ہوگئی، تشہد کہے گا تو بیٹھ کر پوری کرے گا، اسلئے اس حدیث کے

(۲۵۸) قال وما سوی ذٰلک فھو سنة ﴾ ۱؎ اطلق اسم السنة وفیھا واجبات کقراء ةالفاتحة وضم السورة معھا ومراعات الترتیب فیما شرع مکررا من الافعال والقعدة الاولیٰ وقراء ة التشھد فی الاخیرة والقنوت فی الوتر وتکبیرات العیدین والجھر فیما یجھرفیه والمخافتة فیما تخافت فیه ولھذا یجب علیه سجدتا السھوبترکھا ھٰذا ھو الصحیح وتسمیتھا سنة فی الکتاب لما انه ثبت وجوبھا بالسنة (۲۵۹)واذا شرع فی الصلوٰة کبَّر﴾ ۱؎ لماتلونا

اشارۃ النص سے تشہد میں بیٹھنا ثابت ہوا، اسلئے تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے۔

ترجمہ :(۲۵۸) اور جو ان سے زیادہ ہو وہ سنتیں ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ ان تمام پر سنت کا نام استعمال کیا، حالانکہ ان میں واجبات بھی ہیں، جیسے سورہ فاتحہ کا پڑھنا، اسکے ساتھ سورت ملانا، جو مکرر افعال مشروع ہیں ان میں ترتیب کی رعایت رکھنا، قاعدہ اولی، قاعدہ آخیرہ میں تشہد پڑھنا، وتر میں دعاء قنوت پڑھنا، عیدین میں تکبرات زائدہ پڑھنا، جس رکعت میں قرأت جہری ہو اس میں جہری کرنا، اور جس میں قرأت سری ہو اس میں سری کرنا، اسی لئے اسکو چھوڑنے سے سجدہ سہو واجب ہوتا ہے، یہی صحیح ہے، لیکن اسکا نام سنت رکھنا اسلئے ہے کہ وہ سب واجب حدیث سے ثابت ہیں۔

تشریح : مصنف نے ان کے علاوہ کو سنت کہا ہے حالانکہ نماز میں کچھ چیزیں واجب بھی ہیں۔ لیکن سب کو سنت اس لئے کہا کہ وہ سنت اور حدیث سے ثابت ہیں۔ اس لئے ان کو سنت کہا ہے۔ ورنہ اس میں کچھ واجبات بھی ہیں۔ مثلا (۱) قرأت فاتحہ (۲) سورۃ ملانا (۳) مکرر افعال میں ترتیب کی رعایت رکھنا (۴) قعدۂ اولی (۵) قعدۂ اخیرہ میں تشہد پڑھنا (۶) جن رکعتوں میں قرأت جہری ہے اس کو جہری پڑھنا اور جن رکعتوں میں سری ہے اس کو سری پڑھنا (۷) وتر میں دعائے قنوت پڑھنا (۸) تکبیرات عیدین، یہ سب واجبات ہیں۔

﴿ترتیب نماز﴾

ترجمہ : (۲۵۹) اگر آدمی نماز میں داخل ہو تو تکبیر کہے۔

ترجمہ: ۱؎ اس آیت کی وجہ سے جو میں نے تلاوت کی۔

تشریح : آدمی جب نماز شروع کرے تو تکبیر تحریمہ کہے اور تحریمہ باندھتے وقت، تکبیر تحریمہ کہنے کی دلیل یہ آیت ہے ۔(۱) کیونکہ آیت میں ہے وربک فکبر (آیت ۳ سورۃ المدثر ۷۴) اس لئے تحریمہ کے ساتھ ہی تکبیر کہے۔ (۲) اس آیت میں ہے کہ اللہ کا ذکر کرو، یعنی تکبیر کہو، جس سے تکبیر تحریمہ ثابت ہوتا ہے۔ آیت یہ ہے۔ وذکر اسم ربه فصلی . (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) اس آیت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو یعنی تکبیر کہو۔ (۳) حدیث آگے آرہی ہے۔

۲ وقال علیہ السلام :تحريمها التكبير ۳ وهو شرط عندنا خلافا للشافعيؒ حتى ان من يحرم للفرض كان له ان يؤدى بها التطوع ۴ وهو يقول انه يشترط لها مايشترط لسائر الاركان وهذا اية الركنية

ترجمہ: ۲ اورحضورعلیہ السلام کےقول کی وجہ سے کہ نماز کا تحریمہ باندھنا تکبیر کی وجہ سے ہوگا۔

تشریح : اس تکبیر کوتکبیر تحریمہ اسلئے کہتے ہیں کہ اس تکبیر کے بعد نماز کا تحریمہ باندھتے ہیں،اوردنیاوی تمام باتیں حرام ہوجاتیں ہیں۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابی سعید قال قال رسولؐ الله مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم ولاصلوة لمن لم يقرأ بالحمد وسورة فى فريضة او غيرها.** (ترمذی شریف،باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ ابوداؤدشریف، باب الامام یحدث بعد مایرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸)
اس حدیث میں ہے کہ نماز کا تحریمہ باندھنا تکبیر تحریمہ سے ہوتا ہے۔

ترجمہ: ۳ تکبیر تحریمہ ہمارے یہاں شرط ہے،خلاف امام شافعیؒ کے، یہاں تک کہ کوئی فرض کا احرام باندھے تو جائز ہے کہ اس سے نفل ادا کرے۔

تشریح : رکن اورشرط میں فرق یہ ہے کہ نماز میں رکن اس فرض کو کہتے ہیں جو نماز کے اندر ہو۔اورشرط اس فرض کو کہتے ہیں جو ہو تو ضروری لیکن نماز سے باہر ہو۔۔امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک تکبیر تحریمہ شرط ہےاور نماز سے باہر ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی آدمی فرض نماز کے لئے تکبیر تحریمہ کہےاوراس سے نفل نماز پڑھنا چاہےتو پڑھ سکتا ہے،اسکی وجہ یہ ہے کہ تکبیر کہنے کی وجہ سے وہ نماز کے اندر داخل نہیں ہوا اسلئے تبدیل کرسکتا ہے۔اورامام شافعیؒ کے یہاں تکبیر تحریمہ نماز کا رکن ہےاور نماز کے اندر داخل ہے اسلئے کوئی فرض کا تحریمہ باندھےاوراس سے نفل پڑھنا چاہےتو نہیں پڑھ سکتا ، اسلئے کہ وہ نماز میں داخل ہوگیا ، اسلئے اب تبدیل کرنا چاہےتو نہیں کرسکتا ۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔**قال الشافعیؒ : فمن أحسن التكبير لم يكن داخلا فى الصلوة الا بالتكبير نفسه ۔** (موسوعۃ للامام الشافعی، باب مایدخل بہ فی الصلوۃ من التکبیر ،ج ثانی،ص ۱۲۵،نمبر ۱۲۶۲)اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تکبیر کہنے سے نماز میں داخل ہوجائے گا۔

وجہ : انکی دلیل یہ ہے کہ اوپر کی حدیث میں((**تحريمها التكبير**)) ۔(ترمذی شریف،نمبر ۲۳۸ ابوداؤدشریف، نمبر ۶۱۸) ہے،جسکا مطلب یہ ہے کہ تکبیر کہنے سے نماز کا تحریمہ بندھ جائے گا اور نماز شروع ہوجائے گی ،اور جب نماز شروع ہوگئی تو معلوم ہوا کہ تحریمہ نماز کے اندرداخل ہےاوراسکا رکن ہے۔

ترجمہ: ۴ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ تحریمہ کے لئے بھی وہی شرطیں ہیں جو باقی رکنوں کے لئے شرطیں ہیں اور یہ رکن ہو نے کی دلیل ہے۔

۵؎ ولنا انه عطف الصّلوة عليه في قوله تعالىٰ وذكر اسم ربه فصلى ومقتضاه المغايرة ۶؎ ولهٰذا لا يتكرر كتكرار الاركان ۷؎ ومراعاة الشرائط لما يتصل به من القيام (۲۶۰) ويرفع يديه مع التكبير ﴾

تشریح : یہ امام شافعیؒ کی دلیل عقلی ہے کہ پاک ہونا ستر عورت ہونا وغیرہ جو شرطیں رکوع، سجدے وغیرہ رکن کے لئے ہیں وہی شرطیں تحریمہ کے لئے بھی ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ تحریمہ بھی نماز کا رکن ہے اور نماز میں داخل ہے۔

ترجمہ: ۵؎ ہماری دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا قول ((وذكر اسم ربه فصلى)). (آیت ۱۵ سورۃ الاعلی ۸۷) میں نماز کا عطف اللہ کے ذکر پر کیا جسکا تقاضا مغایرت ہے، اسی لئے اور ارکان کی طرح مکرر نہیں ہے۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اوپر کی آیت میں فصلی ہے جسکا عطف اللہ کے ذکر پر ہے جس کا مطلب یہ ہوا کہ پہلے اللہ کا ذکر کرو پھر نماز پڑھو، اسلئے اللہ کا ذکر یعنی تکبیر پہلے ہوئی اور نماز بعد میں شروع ہوئی، اسلئے تکبیر نماز میں داخل نہیں ہے اور اسکا رکن بھی نہیں ہے، بلکہ شرط ہے اور نماز سے باہر ہے۔

لغت : مقتضاه المغايرة :- اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ عطف کا قاعدہ یہ ہے کہ جس پر عطف کیا جاتا ہے وہ اور چیز ہوتی ہے اور جس چیز کا عطف کیا جاتا ہے وہ دوسری چیز ہوتی ہے اس سے مغائر ہوتی ہے، آیت مذکورہ میں صلی کا عطف ذکر اسم ربہ پر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ ذکر اسم اور چیز ہے جو صلی سے باہر ہے اور صلی دوسری چیز ہے جو ذکر اسم سے مغایر ہے اسلئے وہ صلی سے باہر ہوگا، اور رکن نہیں شرط ہوگا۔ مقتضاه المغائرة، کا یہی معنی ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اسی لئے اور ارکان کی طرح مکرر نہیں ہوتا۔

تشریح : نماز میں جتنے رکن ہیں، مثلا قیام، رکوع، سجدہ قرأت یہ سب مکرر ہوتے ہیں، اور تکبیر تحریمہ شروع میں ایک بار ہی ہوتا ہے، اگر یہ رکن ہوتا تو یہ بھی مکرر ہوتا، لیکن ایک ہی بار ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ رکن نہیں ہے، شرط ہے۔

ترجمہ: ۷؎ اور نماز کی ساری شرطوں کی رعایت اس وجہ سے ہے کہ وہ قیام سے متصل ہے۔

تشریح : یہ جملہ حضرت امام شافعیؒ کو جواب ہے، انکی دلیل یہ تھی کہ طہارت وغیرہ جو شرطیں رکن کے لئے وہی شرطیں تکبیر تحریمہ کے لئے بھی ہیں، یہ رکن ہونے کی دلیل ہے، اسکا جواب یہ ہے کہ طہارت وغیرہ تکبیر کے لئے شرط نہیں ہے، بلکہ تکبیر قیام سے متصل ہے اور یہ ساری شرطیں قیام کے لئے ہے اسلئے تکبیر کے لئے بھی یہ شرطیں ہو جاتیں ہیں، حقیقت میں تکبیر کے لئے یہ شرطیں نہیں ہیں، اسلئے طہارت، ستر عورت وغیرہ شرطوں کا پایا جانا رکن ہونے کی دلیل نہیں ہے۔

ترجمہ : (۲۶۰) دونوں ہاتھوں کو تکبیر کے ساتھ اٹھائے۔

تشریح: تکبیر کہنے کے ساتھ دونوں ہاتھوں کو اتنا اٹھائے کہ دونوں انگوٹھے کان کی لو کے برابر ہو جائے۔

ل وهو سنة لان النبی ﷺ واظب علیه ٢ وهذا اللفظ یشیر الیٰ اشتراط المقارنة وهو المروی عن ابی یوسفؒ والمحکی عن الطحاوی

وجه : حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھایا کرتے تھے۔حدیث یہ ہے۔(۱) أن ابن عمرؓ کان اذا دخل فی الصلوة کبر و رفع یدیه ....و رفع ذالک ابن عمر الی النبی ﷺ۔(بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ،ص۱۰۲،نمبر ۷۳۹رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرة الاحرام ،ص۱۶۶،نمبر ۸۶۵/۳۹۱رابو داؤد شریف ، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۳) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھاتے تھے ۔(۲) اس حدیث میں اسکی صراحت ہے۔حدثنی أهل بیتی عن أبی أنه حدثهم أنه رأی رسول الله ﷺ یرفع یدیه مع التکبیر ۔(ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۵)اس حدیث میں صراحت ہے کہ ہاتھ اٹھانے کے ساتھ تکبیر کہتے تھے۔

حدیث میں دوسرے دو طریقے بھی ہیں یعنی پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے اور یہ بھی ہے کہ پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے۔حنفیہ کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے تاکہ عمل سے بھی اللہ کے علاوہ کا انکار ہو جائے پھر تکبیر کہے تاکہ اللہ کی وحدانیت کا اقرار ہو جائے۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے ان ابن عمر قال: کان رسول الله ﷺ اذا قام للصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه ثم کبر . (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرة الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۲/۳۹۰ ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے تو بہتر ہے۔اور اگر پہلے تکبیر کہے پھر ہاتھ اٹھائے تب بھی کچھ حرج نہیں ہے۔حدیث میں اس کا بھی ذکر ہے۔ انه رأی مالک بن الحویرث اذا صلی کبر ثم رفع یدیه ... وحدث ان رسول الله ﷺ کان یفعل هکذا (مسلم شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرة الاحرام ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۴/۳۹۱ رابوداؤد شریف، باب رفع الیدین فی الصلوة ص ۱۱۱ نمبر ۷۲۶)اس حدیث میں پہلے تکبیر کہی پھر ہاتھ اٹھائے۔

ترجمه: ل تکبیر کے ساتھ ہاتھ اٹھانا سنت ہے اسلئے کہ حضورؐ نے اس پر ہمیشگی کی ہے۔

تشریح : تکبیر تحریمہ کہنا فرض ہے جیسا کہ اوپر گزرا،اور تکبیر کے ساتھ یا بعد میں ہاتھ اٹھانا سنت ہے کوئی نہیں اٹھائے گا تب بھی نماز ہو جائے گی،البتہ سنت چھوٹ جائے گی۔کیونکہ حضورؐ نے ہمیشہ تکبیر کے وقت اٹھایا ہے۔دلیل اوپر حدیث گزر گئی۔

ترجمه : ٢ یہ لفظ،مع التکبیر ،مقارنت کی شرط کی طرف اشارہ ہے،اور یہی روایت ہے حضرت امام ابو یوسفؒ سے اور حضرت طحاویؒ سے بھی حکایت ہے۔

٣ والاصح انه يرفع يديه اولاثم يكبر لان فعله نفی الکبریاء عن غیر الله تعالٰی والنفی مقدم

(٢٦١) ویرفع یدیه حتی یحاذی بابهامیه شحمة اذنیه

تشریح : متن میں ،یرفع یدیه مع التکبیر ، ہےاسلئے مع کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھانا مستحب ہے ،چنانچہ حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام طحاویؒ سے بھی یہی روایت ہے۔دلیل یہ حدیث ہے۔أن ابن عمرؓ کان اذا دخل فی الصلوة کبر و رفع یدیه ....و رفع ذالک ابن عمر الی النبی ﷺ ۔(بخاری شریف،باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ،ص۱۰۲،نمبر ۷۳۹ رمسلم شریف،باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام،ص۱۶۶،نمبر ۸۶۵/۳۹۱رابوداؤد شریف،باب رفع الیدین ص۱۱۱نمبر ۷۲۳) اس حدیث میں ہے کہ حضور تکبیر کے ساتھ ہی ہاتھ اٹھاتے تھے۔

نوٹ : طحاوی شریف میں یہ بحث تو ہے کہ ہاتھ کندھے تک اٹھائے یا کان تک اٹھائے ،اور باب یہ باندھا ہے(باب رفع الیدین فی افتتاح الصلوۃ الی این یبلغ بھا،ص۱۴۳) لیکن یہ بحث نہیں ہے کہ ہاتھ کب اٹھائے تکبیر کے ساتھ ،یا تکبیر سے پہلے ،یا تکبیر کے بعد۔

ترجمہ: ٣ صحیح بات یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو پہلے اٹھائے پھر تکبیر کہے،اسلئے کہ اسکا ایسا کرنا اللہ کے علاوہ سے بڑائی کی نفی کرنا ہے،اور نفی مقدم ہوتا ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔فرماتے ہیں کہ بہتر یہ ہے کہ پہلے ہاتھ اٹھائے پھر تکبیر کہے ،کیونکہ ہاتھ اٹھانے کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے علاوہ سے بڑائی کی نفی کرتا ہوں ،اور اسکے بعد اللہ اکبر کا مطلب یہ ہوگا ،بس صرف اللہ کی بڑائی بیان کرتا ہوں ،اور نفی پہلے ہوتا ہے،اسلئے ہاتھ کا اٹھانا پہلے ہونا چاہئے۔(۲) حدیث اوپر گزر گئی رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه ثم کبر . (مسلم شریف،نمبر ۸۶۲/۳۹۰رابوداؤد شریف،نمبر ۷۲۲)

لغت : واظب :ہمیشہ فرمایا۔مقارنۃ: ساتھ ساتھ۔محکی :بیان کیا گیا ہے۔کبریاء:بڑائی۔

ترجمہ :(۲۶۱) دونوں ہاتھوں کو اٹھائے یہاں تک کہ دونوں انگوٹھوں کو دونوں کانوں کی لو کے مدمقابل کردے۔

تشریح : ہاتھ کان کی لو تک اٹھائے اس طرح کہ انگلیاں کان کی لو کے مدمقابل ہوں اور باقی ہاتھ گلے اور مونڈھے کے قریب ہوتا کہ تمام احادیث پر عمل ہوجائے۔

وجه : (ا)عن عبد الجبار بن وائل عن ابیه : أنه أبصر النبی ﷺ حین قام الی الصلاة رفع یدیه حتی کانتابحیال منکبیه و حاذی بابهامیه أذنیه ثم کبر . (ابوداودشریف،باب رفع الیدین فی الصلوۃ،ص۱۱۳،نمبر ۷۲۴)اس حدیث میں ہے کہ ہتھیلی مونڈھے کے پاس ہو اور انگوٹھے کان کے پاس ہو اس طرح ہاتھ اٹھائے ،اسی پر حنفیہ عمل کرتے ہیں تا کہ

ل وعـنـدالشـافعیؒ يرفع الی منكبيه،وعلیٰ تكبيرة القنوت، والاعياد، والجنازة له حديث ابی حُميد الساعدیؓ قال كان النبی ﷺ: اذا كبر رفع يديه الی منكبيه

تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔ (۲) کان کی لو تک انگلیاں رکھنے کی دلیل یہ حدیث ہے **عن مالک بن الحوريث ان رسول الله ﷺ كان اذا كبر رفع يديه حتى يحاذی بهما اذنيه** ۔(مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص۱۶۸ نمبر ۸۶۵/۳۹۱)(۳) اسی کے آگے حدیث میں ہے **عن قتادة بهذا الاسناد انه رأی نبی الله ﷺ وقال حتى يحاذی بهما فروع اذنيه** ۔(مسلم شریف ص۱۶۸ نمبر ۸۶۶/۳۹۱)(۴) **عن وائل بن حجر قال رأيت النبی ﷺ حين افتتح الصلوة رفع يديه حيال اذنيه** ۔(ابوداؤد شریف، باب رفع الیدین کی آخری حدیث ہے ص۱۱۲ نمبر ۷۲۸)ان سب احادیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر کے وقت ہاتھ کان کی لو تک مرد اٹھائے گا۔(۵) مونڈھے تک اٹھانے کی جو حدیث ہے ہم کہتے ہیں کہ وہ عورتوں کے لئے ہے۔اور اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ يا ابن حجر اذا صليت فاجعل يديک حذاء اذنيک والمرأة تجعلی يديها حذاء ثدييها** (رواہ الطبرانی، اعلاء السنن، باب افتراض التحریمہ وسننها ج ثانی ص ۱۷۱، نمبر ۶۵۶) اس حدیث میں عورتوں کے بارے میں آیا کہ وہ اپنے پستان تک ہاتھ اٹھائے۔کیونکہ اس کے لئے یہی زیادہ ستر کی چیز ہے۔

فائدہ: ترجمہ: ل اور امام شافعیؒ کے نزدیک اپنے مونڈھے تک اٹھائے گا، اور اسی طرح قنوت کی تکبیر میں، اور عیدین کی تکبیر میں، اور نماز جنازہ کی تکبیر میں۔انکی دلیل ابو حمید ساعدیؓ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں مونڈھے تک اٹھاتے۔

تشریح :امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے نزدیک تکبیر تحریمہ میں، اور دعاء قنوت، اور عیدین کی تکبیر، اور نماز جنازہ میں بھی ہاتھ مونڈھے تک اٹھائیں گے۔ان کی دلیل یہ احادیث ہیں۔**عن محمد بن عمرو بن عطاء أنه كان جالسا في نفر من أصحاب النبی ﷺ فقال ابو حميد الساعدی : أنا كنت أحفظكم لصلاة رسول الله ﷺ ، رأيته اذا كبر جعل يديه حذو منكبيه** ۔(بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشھد، ص۱۱۴، نمبر ۸۲۸/مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص۱۶۸ نمبر ۸۶۱/۳۹۰/ابوداود شریف، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ص۱۱۳، نمبر ۷۲۲)(۲) **عن سالم بن عبد الله عن ابيه ان رسول الله و كان يرفع يديه حذو منكبيه اذا افتتح الصلوة** (بخاری شریف، باب رفع الیدین فی التکبیرۃ الاولی ص۱۰۲ نمبر ۷۳۵/مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین ص ۱۶۸ نمبر ۳۹۰)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھاتے تھے۔حنفیہ اس طرح عمل کرتے ہیں کہ تمام احادیث پر عمل ہو جائے۔

۲ ولنا رواية وائل بن حجر والبراء وانسؓ ان النبی علیہ السلام کان اذا کبر رفع یدیه حذاء اذنیه ۳ ولان رفع الید لاعلام الاصم وهو بما قلناه ۴ وما رواه یحمل علی حالة العذر

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل وائل ابن حجر، اور براء بن عاذب، اور انسؓ کی حدیث ہے کہ نبی علیہ السلام جب تکبیر کہتے تو اپنے دونوں ہاتھوں کو کان تک اٹھاتے۔۔ یہ احادیث اوپر گزر چکیں ہیں۔

ترجمه: ۳ اور اسلئے کہ ہاتھ کا اٹھانا بہرے کو بتلانے کے لئے ہے اور وہ اسی صورت میں ہوگا جو ہمنے کہا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ تحریمہ میں ہاتھ اٹھانا اسلئے بھی ہے کہ بہرے کو بھی پتہ چل جائے کہ نماز شروع ہو رہی ہے، اسکے لئے کان تک اٹھائے تب ہی اچھی طرح پتہ چلے گا اسلئے کان تک اٹھانا ہی بہتر ہوگا۔۔ اصل تو اوپر کی حدیث ہے۔

ترجمه : ۴ اور جو امام شافعیؒ نے حدیث روایت کی وہ عذر کی حالت پر محمول کی جائے گی۔

تشریح: یہ بھی عذر ہوسکتا ہے کہ سردی تھی اور کپڑے اوڑھے ہوئے تھے اسلئے ہاتھ کچھ کم اٹھائے، اسکا ثبوت حدیث میں ہے۔ عن وائل ابن حجر قال رأیت النبی ﷺ حین افتتح الصلوة رفع یدیه حیال اذنیه ، قال : ثم أتیتهم فرأیتهم یرفعون ایدیهم الی صدور هم فی افتتاح الصلوة و علیهم برانس و أکسیة ۔(ابوداود شریف، باب رفع الیدین فی الصلاۃ، ص ۱۱۳، نمبر ۷۲۸)اس حدیث میں ہے کہ پہلے ہاتھ کان تک اٹھاتے تھے لیکن سردی میں واپس گیا تو دیکھا کہ کپڑے کی وجہ سے ہاتھ سینے تک اٹھاتے ہیں۔

لغت :یحاذی: سامنے ہوجائے، برابر میں ہوجائے۔ ابهام : انگوٹھا، شحمة کان کا نرما، کان کی لو۔ منکب: مونڈھا۔ اصم: بہرا

نوٹ: رکوع کے وقت میں ہاتھ اٹھانا جائز ہے۔ احادیث سے ثابت ہے۔ البتہ حنفیہ اس پر عمل اس لئے نہیں کرتے ہیں کہ اس کے خلاف حدیث موجود ہے۔ (۱)اور اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظم کی نگاہ قوموا لله قانتین کی طرف گئی ہے۔اس لئے دوسری احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے(۲)قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة . (ترمذی شریف، باب ان النبی لم یرفع الا فی اول مرۃ، ص ۵۹ نمبر ۲۵۷)(۳) عن البراء ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلو ة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود . (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ص ۱۱۶ نمبر ۷۴۹، نسائی شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع والرخصة فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت رفع یدی کے چھوڑنے کی گنجائش ہے

فائده : امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن عمر قال رأیت رسول الله ﷺ اذا قام فی الصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه

(۲۶۲)والمرأة ترفع يديها حذاء منكبيها ﴾ ۱هو الصحيح لانه استرلها (۲۶۳) فان قال بدل التكبير، اللّٰه اجل، اواعظم، اوالرحمن اكبر، اولا اله اِلّا اللّٰه، اوغيره من اسماء اللّٰه تعالى اجزاه عند ابى حنيفةؒ ومحمدؒ، وقال ابويوسفؒ ان كان يحسن التكبير لم يجز الاقوله اللّٰه اكبر، او اللّٰه

و كان يفعل ذلک حين يكبر للركوع و يفعل ذلک اذا رفع رأسه من الركوع ويقول سمع الله لمن حمده ولا يفعل ذلک فى السجود (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا کبر واذا رکع واذا رفع ص۱۰۲ نمبر ۷۳۶ رمسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع وفی الرفع من الرکوع وانہ لا یفعلہ اذا رفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۲/۳۹۰)اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

ترجمہ : (۲۶۲) اورعورت اپنے ہاتھ کو مونڈھے تک اٹھائے۔

ترجمہ: ۱ صحیح یہی ہے اسلئے کہ یہ اسکے لئے ستر کی چیز ہے۔

تشریح :عورت ستر ہے اسلئے اسکے لئے مناسب یہی ہے کہ ہاتھ کانوں تک نہ اٹھائے بلکہ مونڈھے تک ہی اٹھائے یہی ستر کے مناسب ہے۔

وجہ : (۱)ایک تو اوپر والی حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور مونڈھے تک ہاتھ اٹھاتے تھے، یہ اگر چہ دوسرے ائمہ کے یہاں مردوں کے لئے ہے لیکن ہمارے یہاں اس حدیث پر عورت عمل کرے گی **رأيت رسول الله ﷺ اذا قام فى الصلوة رفع يديه حتى تكونا حذو منكبيه** (بخاری شریف، نمبر ۷۳۶ رمسلم شریف، نمبر ۸۶۲/۳۹۰)اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ مونڈھے تک اٹھائے۔(۲) اوراس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن وائل بن حجر قال قال رسول الله ﷺ يا ابن حجر اذا صليت فاجعل يديک حذاء اذنيک والمرأة تجعلى يديها حذاء ثدييها** (رواہ الطبرانی، اعلاء السنن، باب افتراض التحریمہ وسننھا ج ثانی ص ۱۷۱، نمبر ۶۵۶) اس حدیث میں ہے کہ عورتیں مونڈھے تک بلکہ پستان تک ہاتھ اٹھائے ۔(۳) اثر میں ہے۔**عن الزهرى قال : ترفع يديها حذو منكبيها** ۔مصنف ابن ابی شیبۃ، ۹ فی المرأۃ اذا افتتحت الصلوۃ الی این ترفع یدیھا، ج اول، ص ۲۱۶، نمبر ۲۴۷۲)اس اثر میں ہے کہ عورت مونڈھے تک اپنے ہاتھوں کو اٹھائے گی۔

ترجمہ : (۲۶۳) اگر اللہ اکبر کے بجائے اللہ اجل کہا یا اللہ اعظم کہا یا الرحمٰن الاکبر کہا یا لا الہ الا اللہ کہا، یا اسکے علاوہ اللہ کے ناموں میں سے کوئی اور کہا تو امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔اور امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر وہ اچھی طرح تکبیر کہہ سکتا ہے تو جائز نہیں ہے مگر یہ کہ **الله اكبر** اور **الله الاكبر** اور **الله الكبير**، کہے۔

الاكبر، اوالله الكبير ﴾ ١ وقال الشافعیؒ لایجوزالابالاوّلین وقال مالکؒ لایجوزالابالاوّل لانه هوالمنقول والاصل فيه التوقيف

تشریح: امام طرفین کے نزدیک تکبیر تحریمہ کے وقت اللہ کی تعظیم کا کوئی بھی کلمہ کہے گا اور تحریمہ باندھے گا تو کافی ہو جائے گا بشرطیکہ تعظیم کا کلمہ ہو۔ استغفار وغیرہ نہ ہو۔ البتہ تکبیر کے علاوہ کسی اور کلمہ سے تحریمہ باندھنا مکروہ ہے۔

وجه: آیت میں ہے وذکر اسم ربه فصلی (آیت ۱۵ سورة الاعلی ۸۷) آیت سے معلوم ہوا کہ نماز سے پہلے اللہ کا کوئی بھی نام لے، چاہے وہ تکبیر ہو یا تعظیم کا کوئی کلمہ (۲) آیت میں ہے وربک فکبر. (آیت ۳ سورة المدثر ۷۴) اس آیت سے بھی معلوم ہوا کہ اصل مقصود اللہ کی تعظیم کرنا ہے چاہے کوئی بھی کلمہ ہو (۳) حدیث میں ہے عن ابی سعید خدری قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوة باللیل کبر ۔(ترمذی شریف، باب مایقول عندافتتاح الصلوة ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تحریمہ کے وقت تکبیر کہے۔ اس لئے کسی بھی کلمات سے تعظیم کرنا کافی ہوگا۔ (۴) اثر میں ہے۔ عن الشعبی قال : بأی أسماء الله افتتحت الصلوة أجزاک ۔(مصنف ابن ابی شیبة، ۷ ما یجزی من افتتاح الصلوة، ج اول، ص ۲۱۵، نمبر ۲۴۶۴) اس اثر میں ہے کہ اللہ کے کسی نام سے بھی تکبیر شروع کرے گا تو تکبیر ہو جائے گی۔

فائده: امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اللہ اکبر اچھی طرح کہہ سکتا ہو تو خاص طور پر الله اکبر، اور الله الاکبر، اور الله الکبیر، کہنا ضروری ہوگا۔ اور اگر اچھی طرح نہیں کہہ سکتا ہو تو اسکے لئے اللہ کے دوسرے ناموں سے تکبیر شروع کرنا جائز ہے۔

وجه: اس لئے کہ یہی کلمات حدیث میں تکبیر تحریمہ کے لئے آئے ہیں۔ سمعت ابا حمید الساعدی یقول کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوة استقبل القبلة ورفع یدیه وقال :الله اکبر، (ابن ماجہ شریف، باب افتتاح الصلوة، ص ۱۱۴، نمبر ۸۰۳، ابواب اقامة الصلوة / ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوة، باب منہ ص ۶۶ نمبر ۳۰۴) اس حدیث میں خاص اللہ اکبر کا ذکر ہے۔ اس لئے اس کلمہ کے ساتھ تکبیر تحریمہ ہوگا۔ اللہ الاکبر میں اور اللہ الکبیر میں زیادہ مبالغہ ہے اس لئے ان دونوں کلمے سے بھی تحریمہ ادا ہو جائے گا۔

ترجمه: ١ اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ نہیں جائز ہے مگر پہلے دو یعنی , الله اکبر ، اور الله الاکبر ، سے۔ اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ صرف اللہ اکبر تکبیر جائز ہے اسلئے کہ حدیث میں یہی منقول ہے۔ اور اصل اس میں حدیث اور قرآن کی معلومات ہی ہے۔

تشریح: امام شافعیؒ کے نزدیک صرف اللہ اکبر، سے تکبیر ہو سکتی ہے البتہ ,اللہ الاکبر، (الف لام کے ساتھ) سے معنی بدلتا نہیں ہے بلکہ الف لام کی زیادتی سے معنی میں مبالغہ ہو جاتا ہے اسلئے ,اللہ الاکبر، سے بھی تکبیر ہو جائے گی۔ موسوعة میں عبارت یہ ہے۔ ولو قال : الله اکبر ، الله العظیم ، أو الله الجلیل ، أو الحمدلله، أو سبحان الله ، أو ما ذکر الله به .لم یکن

۲؎ والشافعیؒ یقول ادخال الالف واللام ابلغ فی الثناء فقام مقامه ۳؎ وابویوسفؒ یقول ان افعل وفعیلافی صفات اللّٰه تعالیٰ سواء ۴؎ بخلاف ما اذا کان لایحسن لانه لایقدر الا علی المعنی

داخلاً فی الصلوة الا بالتکبیر نفسه ، و هو : الله أکبر ....و کذالک ان قال : الله الاکبر و هکذا التکبیر ، و زیادة الالف و اللام لا تحیل معنی التکبیر ۔(موسوعۃ للامام الشافعیؒ، باب مایدخل بہ فی الصلاۃ من التکبیر ،ج ثانی،ص ۱۲۶،نمبر۱۲۶۳؍۱۲۶۴)اس عبارت میں ہے کہ صرف اللہ اکبر سے تکبیر ہوگی ،اوراللہ الاکبر میں معنی نہیں بدلتا ہے اسلئے اس سے بھی ہوجائے گی ،البتہ دوسرے الفاظ سے تکبیر کی ادائیگی نہیں ہوگی۔ اورامام مالکؒ کے نزدیک بھی صرف اللہ اکبر سے ہی تکبیر ہوگی۔

وجہ: اسکی وجہ اوپر کی حدیث ہے جس میں صرف اللہ اکبر سے تکبیر کہنے کا ذکر ہے وقال :الله اکبر (ابن ماجہ شریف،نمبر۸۰۳؍ ترمذی شریف،نمبر۳۰۴) اس حدیث میں ہے کہ اللہ اکبر کہہ کرنماز شروع کرے۔اوراصل قاعدہ یہ ہے کہ جوالفاظ حدیث اور قرآن سے معلوم ہواسی کواستعمال کرسکتے ہیں،اورحدیث سے پتہ چلتا ہے کہ آپؐ نے صرف اللہ اکبر سے نماز شروع کی ہے اسلئے صرف اللہ اکبر سے ہی تکبیر کہی جاسکتی ہے۔۔توقیف کا ترجمہ ہے،جوحدیث اورقرآن سے معلوم ہو۔

ترجمہ : ۲؎ اورامام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ الف اورلام تعریف کرنے میں زیادہ مبالغہ کرتے ہیں اسلئے اللہ الاکبراللہ اکبر کے قائم مقام ہوگیا۔

تشریح : حدیث سے پتہ چلا کہ صرف اللہ اکبر سے تکبیر کہے لیکن امام شافعیؒ کے یہاں اللہ الاکبر سے بھی تکبیر اسلئے ہوجائے گی کہ الف لام سے تعریف میں زیادہ مبالغہ ہوتا ہے اسلئے گویا کہ اللہ الاکبر بھی اللہ اکبر کی طرح ہوگیا۔

ترجمہ: ۳؎ اورامام ابویوسفؒ فرماتے ہیں افعل کا وزن اورفعیل کا وزن اللہ کی صفات میں برابر ہیں۔

تشریح : امام ابویوسفؒ کے یہاں اللہ اکبر،اوراللہ الاکبر سے تکبیر ہوجاتی ہے اسکی دلیل تو اوپر امام شافعیؒ کی دلیل میں گزری، اوراللہ الکبیر سے تکبیر ہوجاتی ہے اسکی دلیل یہ ہے، کہ اکبرافعل کے وزن پراورکبیرفعیل کے وزن پراللہ کی صفات بیان کرنے میں اور مبالغہ ہونے میں دونوں کا ترجمہ ایک ہی ہے اسلئے جس طرح سے اللہ اکبر سے تکبیر ہوجائے گی اللہ الکبیر سے بھی تکبیر ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۴؎ بخلاف جبکہ اچھی طرح اللہ اکبرنہیں کہہ سکتا ہو،اسلئے کہ وہ معنی کے سوا کسی اور چیز پرقدرت نہیں رکھتا۔

تشریح : جوآدمی کسی وجہ سے اللہ اکبرنہیں بول سکتا ہوتو اسکے لئے گنجائش ہے کہ اللہ اکبر،اللہ الاکبر،اللہ الکبیر کےعلاوہ کسی اورلفظ سے تکبیر کہہ لےتو ہوجائے گی۔کیونکہ وہ صرف اللہ اکبر کے معنی پرقدرت رکھتا ہے اسلئے وہ مجبور ہے اسلئے اورالفاظ جوتعظیم پردلالت کرتے ہوں ان سے بھی تکبیر ہوجائے گی۔

۵ ولهما ان التكبير هو التعظيم لغة وهو حاصل (۲۶۴) فان افتتح الصلوٰة بالفارسية، اوقرأ فيها بالفارسية، او ذبح وسمّٰى بالفارسية وهو يحسن العربية اجزاه عند ابى حنيفةؒ، وقالا: لا يجزيه الا فى الذبيحة وان لم يحسن العربية اجزاه﴾

ترجمہ: ۵ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ تکبیر کا ترجمہ لغت میں تعظیم ہے، اور وہ دوسرے الفاظ سے بھی حاصل ہے اسلئے دوسرے الفاظ سے بھی تکبیر ہو جائے گی۔

تشریح :ان دونوں حضرات کی دلیل گزر چکی کہ تکبیر کا مطلب اللہ کی تعظیم کرنا ہے اسلئے جن الفاظ سے تعظیم ہو جائے ان سے تکبیر بھی ہو جائے گی۔ باقی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ : (۲۶۴) پس اگر نماز فارسی زبان میں شروع کی، یا نماز میں فارسی زبان سے قرأت کی، یا ذبح کیا اور فارسی میں بسم اللہ پڑھی حالانکہ وہ عربی اچھا جانتا ہے تب بھی امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گا۔ اور صاحبین فرماتے ہیں کہ کافی نہیں ہوگا مگر صرف ذبح کرنے میں۔ اور اگر عربی اچھا نہیں جانتا ہو تو بالاتفاق جائز ہے۔

تشریح :یہاں چھ مسئلے کے بارے میں تفصیل ہے (۱) تکبیر تحریمہ فارسی زبان میں کہی، یا عربی کے علاوہ کسی اور زبان میں کہی تو تکبیر تحریمہ ہو جائے گی یا نہیں۔ (۲) نماز میں سورتوں کی قرأت فارسی زبان میں کی تو قرأت ہو جائے گی اور نماز ہو جائے گی یا نہیں۔ (۳) ذبح کرتے وقت بسم اللہ فارسی زبان میں پڑھی تو جانور حلال ہو جائے گا یا نہیں۔ ان تینوں کا تذکرہ متن میں ہے۔ (۴) جمعہ کا خطبہ فارسی زبان یا کسی دوسری زبان میں دیا تو خطبہ ادا ہو جائے گا، یا نہیں۔ (۵) نماز میں تشہد فارسی زبان میں پڑھی تو نماز ہو جائے گی یا نہیں (۶) اذان فارسی زبان میں دی تو اذان ہو جائے گی یا نہیں! تفصیل آگے دیکھیں۔

اصول :عربی اچھی نہ آتی ہو تب تو بالاتفاق نماز ہو جائے گی۔ لیکن اگر عربی اچھی آتی ہو تو اختلاف ہے کہ یہ سب ہو جائے گی یا نہیں۔ اختلاف کا مدار اس بات پر ہے کہ آیت کا معنی کسی دوسری زبان میں ادا کر دیا جائے تو آیت کی ادائیگی ہوگئی یا نہیں! امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک دوسری زبان میں معنی ادا کر دیا جائے تو ادائیگی ہو جائے گی البتہ سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار ہوگا۔

وجہ: (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ عربی زبان کی اہمیت ضرور ہے لیکن آیت کا معنی اصل ہے جو کسی بھی زبان میں ادا ہو جائے کافی ہے (۲) کیونکہ بہت سی سورتیں دوسری کتاب تورات اور انجیل اور صحف ابراہیم میں تھیں جو عربی کے علاوہ دوسری زبان میں تھیں اور اس امت کے لوگ اسی کو اپنی نماز میں پڑھتے تھے جسکا مطلب یہ ہوا کہ دوسری زبان میں سورت پڑھ دینا جائز ہے۔ اس آیت میں اسکا ذکر ہے۔ و انه لفى زبر الاولين (آیت ۱۹۶، سورۃ الشعراء ۲۶) اس آیت میں ہے کہ آیت پہلے کتابوں میں تھی، (۲) اس آیت میں بھی ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں تھا۔ ان هذا لفى الصحف الاولى صحف ابراهيم و موسى . (آیت ۱۹، سورۃ

الاعلی ۸۷)اس آیت میں ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں تھا (۳) حدیث میں ہے۔عن معقل بن یسارؓ قال : قال رسول الله ﷺ : ....و انی أعطیت سورة البقرة من الذکر الاول و أعطیت طه ، و طواسین ،و الحوامین من الواح موسی، و اعطیت فاتحة الکتاب من تحت العرش ۔(مستدرک للحاکم ،باب ذکر فضائل سور وآی متفرقة ،ج اول ،ص ۷۵۷،نمبر ۲۰۸۷)اس حدیث میں ہے کہ یہ سورتیں پہلی کتابوں میں تھیں ۔اور ظاہر ہے کہ وہ دوسری زبان میں ہی ہوگی اسلئے دوسری زبان میں آیت پڑھنا جائز ہوگا۔

اور صاحبین کا اصول یہ ہے کہ معنی کے ساتھ عربی کے الفاظ بھی ضروری ہیں ،انکے یہاں معنی اور لفظ دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔

وجه : (۱)انکی دلیل یہ ہے کہ آیت میں عربی الفاظ کو قرآن کہا ہے،آیت یہ ہے۔ انا أنزلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔(آیت ۲،سورة یوسف ۱۲) ،و کذالک أنزلناه قرآنا عربیا و صرفنا فیه من الوعید ۔(آیت ۱۳،سورة طه ۲۰) ، انا جعلناه قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔(آیت ۳،سورة الزخرف ۴۳)ان آیتوں میں قرآن کو عربی کہا ہے اسلئے عربی لفظ اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے ۔اسلئے جنکو عربی اچھی آتی ہو وہ دوسری زبان میں آیت کا معنی پڑھے گا تو جائز نہیں ہوگا (۲) آیت میں ہے. و رتل القرآن ترتیلا۔(آیت ۴،سورة المزمل ۷۳) کہ قرآن کو ترتیل سے پڑھو اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے جبکہ عربی میں ہو اسلئے قرآن عربی الفاظ کا نام ہے ۔(۳) حدیث میں ہے کہ آپؐ نے اجازت مانگی تو عرب کے صرف سات لغت میں قرآن پڑھنے کی اجازت دی ،اس سے معلوم ہوا کہ انکے علاوہ دوسری زبان میں قرآن پڑھنا جائز نہیں ہوگا۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن ابی بن کعب أن النبی ﷺ کان عند أضاة بنی غفار قال : فأتاه جبریل علیه السلام فقال : ان الله یأمرک أن تقرأ أمتک القرآن علی حرف ....ان الله یأمرک أن تقرأ أمتک القرآن علی سبعة احرف ، فأیما حرف قرأوا علیه ، فقد أصابوا ۔(مسلم شریف ،باب بیان أن القرآن أنزل علی سبعة أحرف و بیان معناها ،ص ۳۲۹ ،نمبر ۸۲۱/۱۹۰۶ر بخاری شریف ، باب أنزل القرآن علی سبعة أحرف ،ص ۸۹۵ ،نمبر ۴۹۹۱)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عرب کے سات لغات پر ہی پڑھنا جائز ہوگا ،اسکے علاوہ پر نہیں۔

اصول :امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک معنی کا نام قرآن ہے ۔۔صاحبین کے نزدیک عربی عبارت اور معنی دونوں کے مجموعے کا نام قرآن ہے۔

البتہ اگر عربی نہیں آتی ہو تو اب مجبوری ہے اسلئے دوسری زبان میں آیت کا معنی پڑھ دے تو نماز ہو جائے گی۔

وجه : حدیث میں ہے کہ قرآن نہ پڑھ سکتا ہو تو تکبیر اور لا الہ الا اللہ ،اور سبحان اللہ پڑھنے سے بھی نماز ہو جائے گی ،لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔عن رفاعة بن رافع : أن رسول الله ﷺ بینما جالس فی المسجد ....فان کان معک قرآن

ا اما الكلام فی الافتتاح فمحمدؒ مع ابی حنیفةؒ فی العربیة ومع ابی یوسف فی الفارسیة لان لغة العرب لها من المزیّة مالیس لغیرها ٢ واما الکلام فی القراء ة فوجه قولهما ان القراٰن اسم لمنظوم عربی کمانطق به النص الا ان عند العجز یکتفی بالمعنی کالایماء

فاقرأ ، و الا فاحمد الله و کبره و هلله . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ،٦٦،نمبر٣٠٢رمستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول،ص٣٦٧،نمبر٨٨٠رابوداود شریف، باب مایجزیء الامی والاعجمی من القرائۃ،ص١٢٨،نمبر٨٣٢) اس حدیث میں ہے کہ قرآن نہ پڑھ سکتا ہوتو تکبیر اور تہلیل پڑھ لےتو نماز ہو جائے گی،اور جب تکبیر وغیرہ کہنے سے نماز ہو جائے گی تو اسکے اشارۃ النص سے معلوم ہوا کہ دوسری زبان میں قرآن پڑھ لےتو نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: ا بہر حال نماز شروع کرنے کے بارے میں جو کلام ہے تو امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہے،اور فارسی کے بارے میں امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے،اسلئے کہ عربی زبان کی ایک اہمیت ہے جو دوسرے کی نہیں ہے۔

تشریح : افتتاح کا معنی ہے تکبیر تحریمہ۔۔تکبیر تحریمہ عربی میں کہے لیکن اللہ اکبر کے بجائے اسکی تعظیم کے دوسرے الفاظ سے تکبیر شروع کرے تو امام ابوحنیفہؒ کی طرح امام محمدؒ بھی فرماتے ہیں کہ جائز ہو جائے گی،اور اس سلسلے میں امام محمدؒ امام ابوحنیفہؒ کے ساتھ ہیں۔لیکن اگر تکبیر تحریمہ فارسی میں کہے تو امام محمدؒ امام ابو یوسفؒ کے ساتھ ہے کہ تکبیر نہیں ہوگی۔اسلئے کہ عربی زبان کی ایک اہمیت ہے جو دوسری زبان کی نہیں ہے۔۔دلیل اوپر گزر گئی کہ عربی الفاظ بھی قرآن میں شامل ہے،اسکے لئے آیت یہ ہے۔ انا جعلناہ قرآنا عربیا لعلکم تعقلون ۔(آیت٣،سورۃ الزخرف٤٣)اس آیت میں ہے کہ عربی میں قرآن ہے۔

ترجمہ : ٢ بہر حال کلام نماز میں قرأت کرنے کے بارے میں تو صاحبین کے قول کی وجہ یہ ہے کہ قرآن عربی عبارت کا نام ہے۔جیسا کہ آیت سے پتہ چلتا ہے۔مگر عاجزی کے وقت میں معنی پر اکتفاء کیا جائے گا،جیسے کے سجدے سے عاجزی کے وقت اسکے اشارے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

تشریح: یہ دوسری بحث نماز میں قرأت کے سلسلے میں ہے۔ ۔کہ عربی پر قادر ہے پھر بھی قرآن کے معنی کی قرأت فارسی زبان میں یا کسی اور زبان میں کرلے تو صاحبین کے نزدیک نماز جائز نہیں ہوگی۔اسکی وجہ گزر گئی ہے کہ انکے یہاں معنی کے ساتھ عربی عبارت کا نام بھی قرآن ہے ،اور اسنے عربی عبارت نہیں پڑھی تو گویا کہ قرآن نہیں پڑھا اسلئے نماز نہیں ہوگی۔البتہ اگر عربی نہیں آتی ہو اور مجبور ہو تو کسی زبان میں آیت کا معنی پڑھ لے تو کافی ہو جائے گا۔جیسے کہ کوئی رکوع اور سجدہ کرنے پر قدرت نہ رکھتا ہو تو اسکا اشارہ کرلے تو نماز ہو جاتی ہے اسی طرح یہاں آیت کا معنی کسی زبان میں پڑھ لے تو نماز ہو جائے گی۔۔اسکی دلیل اوپر گزر چکی ہے۔عن رفاعة بن رافع : أن رسول الله ﷺ بینما جالس فی المسجد ....فان کان معک قرآن فاقرأ ، و

۳؎ بخلاف التسمية لان الذكر يحصل بكل لسان ۴؎ ولابی حنيفةؒ قوله تعالٰی ﴿انه لفی زبر الاوّلين﴾ ولم يكن فيها بهٰذه اللغة ولهٰذا يجوز عند العجز الا انه يصير مسيألمخالفة السنة المتوارثة ۵؎ ويجوز بایّ لسان كان سوى الفارسية، هو الصحيح لماتلونا، والمعنى لايختلف باختلاف اللغات

الا فاحمد الله و كبره و هلله . (ترمذی شریف، باب ما جاء فی وصف الصلوۃ، ۶۶، نمبر ۳۰۲ رمستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول، ص ۳۶۷، نمبر ۸۸۰ ر ابوداود شریف، باب ما یجزی ء الامی والاعجمی من القرائۃ، ص ۱۲۸، نمبر ۸۳۲) جب تکبیر اور تہلیل سے نماز ہوجائے گی تو قرآن کے معنی پڑھنے سے بھی نماز ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ بخلاف ذبح کے وقت بسم اللہ، کے اسلئے کہ ذکر ہر زبان میں حاصل ہوجاتا ہے۔

تشریح : ذبح کرتے وقت عربی میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پڑھنے کے بجائے اسکا ترجمہ کسی اور زبان میں پڑھ دیا تو صاحبینؒ کے نزدیک بھی ذبح درست ہوجائے گا، اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں ہے . و لا تأكلوا مما لم يذكر أسم الله عليه و انه لفسق ۔(آیت ۱۲۱، سورۃ الانعام ۶) کہ جس پر اللہ کا نام نہ ذکر کیا جائے اسکو مت کھاوء، اور اللہ کا نام کسی زبان میں بھی ہوسکتا ہے اسلئے کسی زبان میں بھی اللہ کا نام لے کر ذبح کرے گا تو جانور حلال ہوجائے گا۔

ترجمہ : ۴؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا قول ((و انه لفی زبر الاولین)) (آیت ۱۹۶، سورۃ الشعراء ۲۶) کہ قرآن پہلی کتابوں میں تھا اور وہ عربی زبان میں نہیں تھا۔ اسی لئے عاجزی کے وقت میں جائز ہے لیکن سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے گنہگار رہوگا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دوسری زبانوں میں قرأت جائز ہے اسکی یہ دلیل ہے، کہ آیت میں ہے کہ قرآن پچھلی کتابوں میں تھا، اور ظاہر ہے کہ پچھلی کتابوں کی زبان عربی نہیں ہے اسلئے قرآن عربی میں نہیں تھا، اور پچھلی امتیں نماز پڑھتی تھیں اس سے معلوم ہوا کہ دوسری زبان میں قرآن پڑھنا جائز ہے۔۔ یہی وجہ ہے کہ عربی نہ آتی ہو مجبوری اور عاجزی کے وقت دوسری زبان میں صاحبین کے یہاں بھی پڑھنا جائز ہے۔ اسلئے بغیر عاجزی اور مجبوری کے بھی جائز ہوجائے گا۔۔ البتہ چونکہ اسکا رواج نہیں ہے اسلئے سنت متوارثہ کی مخالفت کی وجہ سے برا ہوگا۔

ترجمہ: ۵؎ اور جائز ہے کہ فارسی کے علاوہ بھی کسی زبان میں ہو، صحیح یہی ہے اس آیت کی وجہ سے جو میں نے تلاوت کی، اور معنی زبان کے بدلنے سے نہیں بدلتا۔

تشریح :ابوسعید نے فرمایا کہ امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ صرف فارسی زبان میں آیت کا مفہوم پڑھنا جائز ہے دوسری

۶ والخلاف فی الاعتدادو لا خلاف فی انه لافساد ۷ ویروی رجوعه فی اصل المسألة الی قولهما وعلیه الاعتماد ۸ والخطبة والتشهد علی هذا الاختلاف ۹ وفی الاذان یعتبر التعارف

زبان میں نہیں، اسلئے فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کی صحیح روایت یہ ہے کہ کسی بھی زبان میں آیت کا مفہوم پڑھنا جائز ہے۔۔اسکی ایک وجہ یہ ہے کہ آیت (و انہ لفی زبر الاولین) (آیت ۱۹۶، سورۃ الشعراء ۲۶) سے پتہ چلتا ہے کہ قرآن پہلی کتابوں میں تھا، اور یقینی بات ہے کہ وہ فارسی میں نہیں تھا دوسری زبانوں میں تھا اسلئے دوسری زبانوں میں بھی قرآن پڑھنا جائز ہوگا۔۔اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زبان کے بدلنے سے مفہوم نہیں بدلے گا مفہوم تو قرآن ہی کا رہے گا اسلئے دوسری زبانوں میں پڑھنا جائز ہوگا۔

ترجمہ : ۶ اختلاف شمار کرنے میں ہے۔اس بات میں اختلاف نہیں ہے کہ نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح :۔امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کے درمیان یہ اختلاف ہے کہ کسی دوسری زبان میں قرأت کر دی تو یہ قرأت کافی ہو جائے گی یا نہیں! امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گی اور صاحبین کے نزدیک کافی نہیں ہوگی۔۔البتہ اس بارے میں تینوں متفق ہیں کہ دوسری زبان میں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، نماز باقی رہے گی۔

ترجمہ: ۷ اصل مسئلہ میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع منقول ہے، اور اسی پر اعتماد ہے۔

تشریح : نوح بن ابی مریم سے منقول ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ نے آخیر وقت میں صاحبین کے قول کی طرف رجوع کیا کہ دوسری زبان میں قرأت کرے گا تو کافی نہیں ہوگا، اور اسی پر فتوی ہے، البتہ عربی نہ جاننے کی شکل میں بالاتفاق جائز ہے۔

ترجمہ: ۸ خطبہ اور تشہد اسی اختلاف پر ہے۔

وجہ: یعنی جمعہ کا خطبہ، اور نماز میں التحیات دوسری زبان میں پڑھ دے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہو جائے گا اور صاحبین کے نزدیک نہیں ہوگا۔

ترجمہ: ۹ اور آذان میں تعارف کا اعتبار کیا جائے گا۔

تشریح :اذان چونکہ نماز نہیں ہے، صرف اعلان نماز ہے۔اسلئے جس زبان میں لوگ سمجھتے ہوں کہ یہ اذان ہے اور نماز کے لئے بلایا جا رہا ہے اسی زبان میں اذان دے دینے سے اذان ہو جائے گی۔البتہ مروج اذان نہ ہونے کی وجہ سے اچھا نہیں ہے۔

لغت : افتتح: فتح سے مشتق ہے، شروع کیا، تکبیر تحریمہ کہا۔سمی: بسم اللہ پڑھا۔اجزاہ: کافی ہو گیا، جائز ہو گیا۔المزیۃ: اہمیت، خصوصیت۔منظوم: نظم سے مشتق ہے، عبارت، الفاظ۔النص: قرآن اور حدیث کو نص کہتے ہیں۔ایماء: اشارہ۔تسمیہ: بسم اللہ پڑھنا۔زبر: کتاب، صحیفہ۔مسیئ: برا، گنہگار ہوگا۔السنۃ المتوارثۃ: جو سنت اب تک آ رہی ہے۔اعتداد: شمار کرنا۔التعارف: لوگوں میں جو متعارف ہو۔

(۲۶۵) وان افتتح الصّلوة باللهم اغفرلی لاتجوز﴾ ١؎ لانه مشوب بحاجته فلم یکن تعظیما خالصًا ٢؎ وان افتتح بقوله: اللهم، فقد قیل: یجزیه لان معناه یا اللّٰه، وقد قیل: لایجزیه لان معناه یا اللّٰه اٰمنا بخیر فکان سوالا (۲۶۶) قال ویعتمدبیده الیمنی علی الیسری تحت السرة﴾

ترجمه: (۲۶۵) اگرنماز اللهم اغفرلی سےشروع کی توجائزنہیں ہے۔

ترجمه: ١؎ اسلئے کہ اس میں ضرورت شامل ہے،خالص تعظیم نہیں ہے۔

تشریح : اگرکسی نےنماز اللهم اغفرلی سےشروع کی تو نماز جائزنہیں ہوگی،اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ اللہ کی تعظیم سےتکبیرشروع کرے، آیت یہ ہے۔ وربک فکبر. (آیت۳سورۃالمدثر۷۴) اور اللهم اغفرلی میں خالص تعظیم نہیں ہے، بلکہ اس میں تو مانگنا اورسوال کرنا ہے اسلئے اس سے تکبیرتحریمہ نہیں ہوگی ۔

ترجمه : ٢؎ اوراگر اللهم ،کے ذریعہ نمازشروع کی تو بعض حضرات نے فرمایا کہ ہوجائے گی،اسلئے کہ اسکا معنی ہے اے اللہ اوربعض حضرات نے فرمایا کہ نمازنہیں ہوگی اسکا معنی ہے یا الله آمنا بخیر : (اے اللہ مجھے خیریت سے رکھ) توسوال ہوگیا۔ اسلئے نمازنہیں ہوگی۔

تشریح :یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اگرتعظیم کے الفاظ سے تکبیر کہی توتکبیر ہوجائے گی۔اوراگرسوال کے الفاظ سے تکبیر کہی تو تکبیر نہیں ہوگی۔اب اللھم کے دومعنی ہیں۔جن حضرات نے اللھم کا معنی یااللہ لیا،انکے یہاں تکبیرتحریمہ ہوجائے گی اسلئے کہ یااللہ تعظیم کا لفظ ہوا۔اورجن حضرات نے اللھم کا ترجمہ یااللہ آمنا بخیر،(اے اللہ مجھے خیریت سے رکھ)لیا توانکے یہاں تکبیرنہیں ہوگی اسلئے کہ یہ سوال کا لفظ ہوگیا۔

(۲۶۶)اورپکڑے دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ پرناف کے نیچے۔

اس مسئلے میں چاربحثیں ہیں[١] ہاتھ باندھے،یا چھوڑ دے۔[٢] کس طرح باندھے۔[٣] کہاں باندھے،ناف کے نیچے،یا سینے پر ۔[۴]قرأت کےوقت،یاتکبیر کے بعد ہی سے۔۔چاروں کی تفصیل آگے دیکھیں۔

تشریح: حدیث میں یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے۔اور یہ بھی ہے کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑ لے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک سنت طریقہ یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کے انگوٹھے اور چھوٹی انگلی سے بائیں ہاتھ کی کلائی کو پکڑلے اور باقی تین انگلیوں کو بائیں ہاتھ کی کلائی پر رکھے۔تاکہ دونوں حدیثوں پرعمل ہوجائے۔ اور رکھنا اور پکڑنا دونوں ہوجائے۔

وجه :(١)عن وائل بن حجر انه رأی النبی ﷺ ... ثم وضع یده الیمنی علی الیسری. (مسلم شریف،باب وضع یده الیمنی علی الیسری ص۱۷۳نمبر ۴۰۱/۸۹۶/ابوداؤدشریف ،باب وضع الیمنی علی الیسری ص۱۱۷نمبر ۷۵۵/بخاری شریف

۱؎ لقوله عليه السلام: ان من السنة وضع اليمين على الشمال تحت السرة ۲؎ وهو حجة على مالک في الارسال وعلى الشافعيؒ في الوضع على الصدر

، باب وضع اليمنى على اليسرى فى الصلوة نمبر ۷۴۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر رکھے (۲) قبيصة بن هلب عن ابيه قال كان رسول الله ﷺ يؤمنا فيأخذ شماله بيمينه ۔ (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲ / نسائی شریف، باب وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ، ص ۱۲۳، نمبر ۸۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دائیں ہاتھ سے بائیں ہاتھ کو پکڑنا چاہئے ۔ اس لئے حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل کیا۔

ترجمہ: ۱؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ سنت میں سے یہ ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں پر ناف کے نیچے رکھے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث مرسل یہ ہے (۳) عن علیؓ قال ان من السنة في الصلوة وضع الكف على الكف في الصلوة تحت السرة. (ابوداؤد شریف باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ ص ۱۱۷ نمبر ۷۵۶ / دار قطنی، باب فی اخذ الشمال بالیمین فی الصلوۃ ج اول ص ۲۸۹ نمبر ۱۰۸۹ / سنن للبیھقی، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ ج ثانی ص ۴۸، نمبر ۲۳۴۱) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ ہاتھ ناف کے نیچے رکھنا چاہئے۔

فائدہ : **ترجمہ** ۲؎ یہ حدیث امام مالکؒ پر حجت ہے ارسال کرنے میں اور امام شافعیؒ پر ہاتھ سینے پر رکھنے کے بارے میں۔

تشریح : امام مالکؒ کے یہاں تکبیر تحریمہ کے بعد ہاتھ چھوڑ دینا رخصت ہے اور ہاتھ کو باندھنا عزیمت ہے۔ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ہاتھ سینے پر باندھنا سنت ہے۔

وجه : ان کی دلیل یہ حدیث ہے ۔ عن طاوس قال : كان رسول الله ﷺ يضع يده اليمنى على يده اليسرى ثم يشد بينهما على صدره و هو في الصلوة . (ابوداؤد شریف، باب وضع الیمنی علی الیسری فی الصلوۃ، ص ۱۱۷، ۷۵۹ / سنن للبیھقی، باب وضع الیدین علی الصدر فی الصلوۃ من السنۃ، ج ثانی ص ۴۶، نمبر ۲۳۳۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سینے پر رکھنا چاہئے۔

نوٹ: امام ترمذیؒ نے بہترین فیصلہ فرمایا ہے کہ دونوں کی گنجائش ہے۔ ورأى بعضهم ان يضعها فوق السرة ورأى بعضهم ان يضعها تحت السرة و كل ذلك واسع عندهم . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وضع الیمین علی الشمال فی الصلوۃ ص ۵۹ نمبر ۲۵۲)

۳؎ ولان الوضع تحت السرة اقرب الی التعظيم وهو المقصود ۴؎ ثم الاعتماد سنة القيام عندابی حنفيةؒ وابی يوسفؒ حتی لايرسل حالة الثناء ۵؎ والاصل: ان كل قيام فيه ذكر مسنون يعتمد فيه ومالا فلا. هو الصحيح، فيعتمد فی حالة القنوت، وصلوة الجنازة، ويرسل فی القومة، وبين تكبيرات الاعياد (۲۶۷) ثم يقول: سبحانک اللّٰهم وبحمدک، الیٰ اٰخره ﴾

ترجمه: ۳؎ اوراسلئے کہ ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا تعظیم کے زیادہ قریب ہے،اور تعظیم ہی مقصود ہے۔۔اسلئے ناف کے نیچے ہاتھ رکھنا بہتر ہے۔

ترجمه: ۴؎ پھر ہاتھ باندھناامام ابوحنیفہؒ اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک قیام کی سنت ہے،اسلئے ثناء پڑھتے وقت بھی ہاتھ چھوڑانہیں جائے گا۔

تشریح: امام محمدؒ کی ایک رویت یہ ہے کہ ہاتھ باندھنا قرأت کی سنت ہے اسلئے جس وقت قرأت کرے اسی وقت ہاتھ باندھے،اسکا حاصل یہ ہوگا کہ ثناء پڑھتے وقت ہاتھ چھوڑ دے کیونکہ وہ قرأت نہیں ہے۔اورامام ابوحنیفہؒ اورامام ابویوسفؒ کے نزدیک ہاتھ باندھنا قیام کی سنت ہے اسلئے تکبیر تحریمہ کے بعد سے رکوع میں جانے تک ہاتھ باندھے رہے گا۔۔باندھنے کی دلیل تو اوپر گزرچکی ہے۔

ترجمه: ۵؎ اصل قاعدہ یہ ہے کہ ہروہ قیام جس میں ذکر مسنون ہے اس میں ہاتھ باندھا جائے گا۔اور جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں نہیں باندھا جائے گا۔صحیح یہی ہے۔چنانچہ دعاء قنوت کی حالت میں،اورنماز جنازہ میں ہاتھ باندھا جائے گا۔اورقومہ میں اورعیدین کی تکبیرات کے درمیان چھوڑ دیا جائے گا۔

تشریح: شیخین یہ قاعدہ بیان فرمارہے ہیں کہ قیام کے جن جن مقامات پرذکرمسنون ہے وہاں ہاتھ کو باندھنا مسنون ہے اور جہاں ذکر مسنون نہیں ہے وہاں ہاتھ کوچھوڑ دینا مسنون ہے۔چنانچہ دعاء قنوت کی حالت میں اورنماز جنازہ میں ذکر ہے اسلئے وہاں ہاتھ باندھنا مسنون ہے اورقومہ،یعنی رکوع سے اٹھتے وقت میں اورعیدین کی تکبیرات زوائد کے درمیان کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اسلئے وہاں ہاتھ کوچھوڑ دینا مسنون ہے۔

لغت: يعتمد : پکڑیگا، اليسری: بائیں۔ السرة : ناف۔ارسال: چھوڑنا،ہاتھ نہ باندھنے کوارسال کہتے ہیں۔

ترجمه: (۲۶۷) تحریمہ باندھنے کے بعد پڑھے سبحانک اللهم وبحمدک، الی آخره.

تشریح: تحریمہ باندھنے کے بعداور بھی بہت سی دعائیں منقول ہیں۔لیکن حنفیہ کے نزدیک سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غيرک. پڑھنا زیادہ بہتر ہے

۱؎ وعن ابی یوسفؒ انہ یضم الیه قوله:انی وجهت وجهی الی اٰخره، لروایة علیؓ ان النبی علیه السلام کان یقول ذٰلک ۲؎ ولهما روایة انسؓ،ان النبی علیه السلام کان اذا افتتح الصلوة کبروقرأ سبحانک اللهم وبحمدک الی اٰخره ولم یزد علیٰ هٰذا

وجه: یہ حدیث ہے عن ابی سعید الخدری قال کان رسول الله ﷺ اذا قام الی الصلوة باللیل کبر ثم یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک. (ترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲ / ابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبحانک اللھم الخ پڑھنا چاہئے۔

فائدہ: ترجمہ: ۱؎ اور امام ابویوسفؒ سے روایت ہے کہ سبحانک اللھم، الخ کے ساتھ اللهم انی وجهت وجهی ، الی آخره، بھی ملائے حضرت علیؓ کی روایت کی وجہ سے کہ نبی علیہ السلام یہ دعاء کہا کرتے تھے۔

تشریح : حضرت ابو یوسفؒ کی روایت یہ بھی ہے کہ حضرت علیؓ کی روایت کی وجہ سے سبحانک اللھم کے ساتھ اللھم وجھت وجھی الخ بھی پڑھے تا کہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ امام شافعیؒ کی روایت یہ ہے کہ اللھم وجھت وجھی الخ پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ أنه کان اذا قام الی الصلوة قال وجهت وجهی للذی فطر السماوات و الارض حنیفاً و ما انا من المشرکین ان صلاتی ونسکی و محیای و مماتی لله رب العالمین لا شریک له و بذالک أمرت و أنا من المسلمین . (مسلم شریف، باب صلاۃ النبی ﷺ ودعاۂ باللیل ،ص ۲۶۰ ،نمبر ۱۸۱۲/۷۷۱ / ابوداؤد شریف، باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء ص ۱۱۷ نمبر ۷۶۰ / نسائی شریف ،نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ وبین القرأۃ ،ص ۱۲۵ ،نمبر ۸۹۸) امام ابو یوسف ان دونوں احادیث کی وجہ سے دونوں دعاؤں کے ملانے کے قائل ہیں۔(۲) آیت میں بھی اسکا اشارہ ہے کہ اسکو پڑھنا چاہئے۔انی وجهت وجهی للذی فطر السماوات و الارض حنیفاً و ما انا من المشرکین ۔(آیت ۷۹ سورۃ الانعام ۶)

ترجمہ : ۲؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ نبی علیہ السلام جب نماز شروع کرتے تکبیر کہتے اور سبحانک اللھم وبحمدک، الی آخرہ پڑھتے اور اس سے زیادہ نہیں پڑھتے ۔۔اسلئے یہی دعاء پڑھنی چاہئے۔

تشریح : طرفین حضرت انسؓ کی حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ تکبیر تحریمہ کے بعد صرف سبحانک اللھم الخ پڑھنا چاہئے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن انس قال کان رسول الله ﷺ اذا افتتح الصلوة کبر.... ثم یقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالی جدک ولا اله غیرک. (دارقطنی ،باب دعاء الاستفتاح بعد التکبیر ،ج

۳؎ وما رواه محمول على التهجد ۴؎ وقوله﴿ وجلَّ ثناؤک ﴾لم يذكر فى المشاهير فلا ياتى به فى الفرائض ۵؎ والاولىٰ ان لا يأتى بالتوجه قبل التكبير ليتصل النية به، هو الصحيح

اول،ص ۳۰۰،نمبر ۱۱۳۵) ترمذی شریف نمبر ۲۴۲،اور ابوداود شریف نمبر ۷۷۵ میں یہ حدیث حضرت ابوسعد خدری سے مروی ہے۔ اس میں بھی اس سے زیادہ نہیں ہے اسلئے اس سے زیادہ پڑھنا بہتر نہیں ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور جو روایت کی ہے وہ تہجد پر محمول ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے جو روایت کی ہے ہم یہ کہتے ہیں کہ آپؐ وجهت وجهی والی دعاء تہجد کی نماز میں پڑھتے تھے، اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ اپنی نفل نماز میں جتنی دعائیں کرے کرسکتا ہے۔ چنانچہ حضرت امام مسلم نے اس دعاء کو تہجد کے باب میں نقل فرمایا ہے۔باب یہ ہے **عن علی بن ابی طالب عن رسول الله ﷺ أنه كان اذا قام الى الصلوة قال وجهت وجهى للذى فطر السماوات و الارض حنيفاً و ما انا من المشركين ان صلاتى ونسكى و محياى و مماتى لله رب العالمين لا شريک له و بذالک أمرت و أنا من المسلمين .** (مسلم شریف،باب صلاۃ النبی ﷺ ودعاۂ باللیل،ص ۲۶۰،نمبر ۱۸۱۲/۷۷۱ رنسائی شریف،نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ وبین القرأۃ،ص ۱۲۵،نمبر ۸۹۸) مسلم شریف اور نسائی شریف کے باب سے معلوم ہوا کہ یہ دعاء تہجد کی ہے فرض نماز کی نہیں ہے۔

ترجمہ: ۴؎ اور اسکا قول ((و جل ثنائک)) مشہور حدیث میں نہیں ہے اسلئے اسکو فرض نماز میں نہ پڑھے۔

تشریح : ناچیز نے بھی اس جملے کو بہت تلاش کیا مجھے بھی نہیں ملا،اسلئے اسکو نوافل میں پڑھنا چاہے تو پڑھے،فرض نماز میں نہ پڑھے۔

ترجمہ: ۵؎ اور زیادہ بہتر یہ ہے کہ , وجهت وجهى ،الخ ،تکبیر تحریمہ سے پہلے نہ پڑھے تا کہ نیت تحریمہ کے ساتھ متصل ہو جائے،صحیح یہی ہے۔

تشریح : بعض حضرات کی رائے ہے کہ تکبیر تحریمہ سے پہلے وجهت وجهی الخ، پڑھی جائے پھر تکبیر کہے،انکا استدلال یہ ہے کہ حدیث میں ہے کہ جب نماز میں کھڑا ہو تو یہ پڑھے جسکا مطلب یہ لیتے ہیں کہ کھڑا ہونے کے بعد تکبیر تحریمہ سے پہلے پڑھے۔ **أنه كان اذا قام الى الصلوة قال وجهت وجهى للذى فطر السماوات و الارض حنيفاً** (مسلم شریف ۱۸۱۲) اس حدیث میں ہے،**اذا قام الى الصلوة**، کہ جب نماز کے لئے کھڑا ہو تو وجهت وجهی الخ پڑھے۔لیکن دوسری حدیث میں تصریح ہے کہ تکبیر کے بعد آپؐ نے پڑھی ہے ۔حدیث یہ ہے۔**عن على بن طالب قال كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة كبر ثم قال : وجهت وجهى الخ** (ابوداؤد شریف،باب ما یستفتح بہ الصلوۃ من الدعاء ص ۱۱۷،نمبر ۷۶۰ رنسائی شریف

(٢٦٨) ويستعيذ بالله من الشيطن الرجيم ﴿ ﴾ ١؎ لقوله تعالىٰ فاذا قرأت القراٰن فاستعذ بالله من الشيطن الرجيم ٢؎ معناه اذا اردت قراءة القراٰن

،نوع آخر من الذکر بین افتتاح الصلاۃ و بین القرأۃ ،ص ۱۲۵،نمبر ۸۹۸) اس حدیث میں ہے کہ تکبیر کے بعد وجھت وجھی الخ پڑھی۔اسلئے تکبیر سے پہلے نہ پڑھے۔اور دوسری دلیل عقلی یہ ہے کہ تا کہ نیت اور تکبیر تحریمہ ایک ساتھ ہو جائے اور درمیان میں وجھت وجھی الخ، نہ آئے۔

ترجمہ: (۲۶۸) اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، پڑھے۔

ترجمہ: ١؎ اللہ تعالی کے قول کی وجہ سے کہ جب قرآن پڑھا کرو تو مردود شیطان سے پناہ مانگ لیا کرو۔

تشریح : اعوذ باللہ، الخ۔کے بارے میں تین بحثیں ہیں۔[١] اعوذ باللہ پڑھنا واجب ہے، یا سنت، یا مستحب۔[۲] اعوذ باللہ کب پڑھے قرأت سے پہلے، یا قرأت کے بعد۔[۳] اسکے الفاظ کیا ہوں۔اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم۔ہو، یا قرآن کریم کے جواب میں استعیذ باللہ من الشیطان الرجیم، ہو۔تفصیل آگے دیکھیں۔۔ہمارے یہاں اعوذ باللہ پڑھنا حدیث کی بناء پر سنت ہے۔

وجہ :(١) آیت یہ ہے۔فاذا قرأت القرآن فاستعذ بالله من الشيطان الرجيم ۔(آیت ۹۸ سورۃ النحل ۱۶) اس آیت سے معلوم ہوا کہ قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے، ثناء کے تابع نہیں ہے (۲) حدیث میں ہے کہ قرأت کرنا ہو تو پہلے اعوذ باللہ الخ پڑھے۔حدیث یہ ہے۔عن ابی سعید الخدری قال كان رسول الله ﷺ اذا قام من الليل كبر ثم يقول سبحانک اللهم وبحمدک وتبارک اسمک وتعالى جدک ولا اله غيرک.ثم يقول لا اله الا الله ، ثلاثا ثم يقول : الله اكبر كبيراً ثلاثا ، اعوذ بالله السميع العليم من الشيطان الرجيم من همزه و نفخه و نفثه ثم يقرأ (ابوداؤد شریف، باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص ۱۱۹ نمبر ۷۷۵ رترمذی شریف، باب مایقول عند افتتاح الصلوۃ ص ۵۷ نمبر ۲۴۲) اس حدیث میں ہے کہ سبحانک الخ پڑھنے کے بعد اللہ اکبر کبیرا پڑھتے اسکے بعد اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم الخ پڑھتے پھر قرأت فرماتے۔اس لئے حنفیہ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت قرآن کی سنت ہے۔ثنا کی سنت نہیں ہے کیونکہ حدیث میں اللہ اکبر کبیرا، کے بعد اعوذ باللہ الخ پڑھی ہے۔اور اعوذ باللہ کے بعد قرأت کی ہے۔اس لئے ہر رکعت میں قرأت قرآن سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھے جائیں گے۔

ترجمہ ٢؎ اور اس آیت کا معنی یہ ہے کہ جب قرآن پڑھنے کا ارادہ کرو۔تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔

تشریح : اصحاب ظواہر کے مذہب کا جواب ہے۔آیت میں فعل ماضی کا صیغہ ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ قرأت کر چکو تب اعوذ

۳ والاولی ان یقول: استعیذ باللہ لیوافق القراٰن ویقرب منہ، اعوذباللہ ۴ ثم التعوذ تبع للقراءۃ دون الثناء عند ابی حنیفۃؒ ومحمدؒ لما تلونا حتی یأتی بہ المسبوق دون المقتدی،ویؤخرعن تکبیرات العید

باللہ پڑھو۔آیت یہ ہے۔فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم۔(آیت ۹۸سورۃ النحل۱۶)چنانچہ اس آیت کی بناء پر اصحاب ظواہر کا مذہب یہ ہے کہ قرأت کے بعد اعوذ باللہ پڑھے۔لیکن دوسرے ائمہ کے نزدیک حدیث کی بناء پر قرأت کرنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے،اسلئے مصنفؒ نے آیت کا مفہوم بیان کیا کہ قرأت کا ترجمہ قرأت کر چکے فعل ماضی نہیں ہے بلکہ جب قرأت کرنے کا ارادہ ہو ہے ۔

ترجمہ : ۳ زیادہ بہتر یہ ہے کہ((استعیذُ باللہ من الشیطان الرجیم)کہے تا کہ قرآن کے موافق ہوجائے۔اوراس سے قریب اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، ہے۔

تشریح : قرآن میں استعذ باللہ،امر کا صیغہ ہے کہ اللہ سے پناہ مانگو،تو اسکے جواب میں استعیذ باللہ،کہنا زیادہ بہتر ہے،کہ میں پناہ مانگتا ہوں لیکن اگر حدیث کے الفاظ کے مطابق اعوذ باللہ الخ کہہ لے تو بھی آیت کے قریب ہوجائے گا۔حدیث کا جملہ یہ گزر گیا۔ اعوذباللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم (ابوداؤدشریف،نمبر۷۷۵رترمذی شریف،نمبر۲۴۲)اس حدیث میں اعوذ باللہ ہے۔

ترجمہ: ۴ پھر اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں ہے امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد کے نزدیک،اس آیت کی بناء پر جو ہمنے ابھی تلاوت کی۔یہی وجہ ہے کہ مسبوق اسکو کہے گا،مقتدی اسکونہیں کہے گا،اور عیدین کی تکبیرات سے موءخر کرے گا۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے ثناء کے تابع نہیں ہے چنانچہ جہاں جہاں قرأت ہوگی اسکے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا مسنون ہے اور جہاں قرأت نہیں ہے دوسری دعائیں ہیں وہاں اعوذ باللہ پڑھنا مسنون نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں یہ ہے کہ جب قرآن پڑھو تو اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو۔یہ آیت گزرگئی۔فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللہ من الشیطان الرجیم ۔(آیت ۹۸سورۃ النحل۱۶) اس آیت میں ہے کہ جب قرآن پڑھو تو اس سے پہلے اعوذ باللہ پڑھ لیا کرو(۱) حدیث میں ہے کہ پہلے اعوذ باللہ پڑھا پھر قرأت کی جس سے معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے۔حدیث یہ ہے عن ابی سعید الخدری قال کان رسول اللہ ﷺ.... اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم من همزہ و نفخہ و نفثہ ثم یقرأ (ابوداؤدشریف،باب من رأی الاستفتاح بسبحانک ص۱۱۹نمبر۷۷۵) اس حدیث میں ہے کہ اعوذ باللہ کے بعد قرأت کی۔اسلئے اعوذ باللہ قرأت کے تابع ہے ثناء تابع نہیں ہے

۵؎ خلافا لابی یوسفؒ (۲۶۹) ويقرأ: بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؎ ۱؎ هكذا نُقل فی المشاهير (۲۷۰) ويُسِرُّ بهما

مسبوق، جسکی نماز چھوٹ گئی ہے وہ اپنی نماز پوری کرتے وقت قرأت کرے گا اسلئے وہ قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے گا، اور امام کے پیچھے جو مقتدی ہے وہ حنفیہ کے نزدیک قرأت نہیں کرے گا اسلئے وہ اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا۔۔ عید کی تکبیرات زوائد سے پہلے قرأت نہیں ہے اسلئے تکبیرات سے پہلے اعوذ باللہ نہیں پڑھے گا۔ تکبیرات کے بعد قرأت ہے اسلئے تکبیرات کے بعد قرأت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھے گا۔

ترجمه: ۵؎ خلاف حضرت امام ابو یوسفؒ کے۔

تشریح :امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ اعوذ باللہ ثناء کا تابع ہے قرأت کا تابع نہیں۔ اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ (۱) یہ بھی ثناء کی طرح دعاء ہے اسلئے اسکو ثناء کے تابع ہونا چاہئے، (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ ثناء کے بعد پڑھتے ہیں اسلئے اسکو ثناء کے تابع ہونا چاہئے۔

ترجمه: (۲۶۹) اور بسم الرحمٰن الرحیم پڑھے۔

ترجمه: ۱؎ مشہور حدیث میں اسی طرح نقل کیا گیا ہے۔

وجه : بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ يفتتح صلواته ببسم الله الرحمن الرحيم. (ترمذی شریف، باب من رأی الجهر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۵ رنسائی شریف، باب قرأت (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) ص ۱۲۶، نمبر ۹۰۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنا چاہئے۔

ترجمه: (۲۷۰) اعوذ باللہ، اور بسم اللہ الخ کو آہستہ پڑھے۔

تشریح : اس بارے میں اختلاف ہے کہ جہری نماز میں بسم اللہ آہستہ پڑھے یا زور سے پڑھے ۔ دوسرا اختلاف یہ بھی ہے کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے یا نہیں۔ تیسرا اختلاف یہ ہے کہ تمام سورتوں کا جز ہے یا صرف الحمد کا جز ہے۔۔ حنفیہ کے نزدیک بسم اللہ آہستہ پڑھے گا کیونکہ وہ کسی سورۃ کا جز نہیں ہے، البتہ چونکہ حدیث سے اسکا پڑھنا ثابت ہے اسلئے قرأت شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ ،اور بسم اللہ کو آہستہ پڑھے گا۔

وجه: (۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد الله بن مغفل قال سمعنی ابی و انا فی الصلوة اقول بسم الله الرحمن الرحيم فقال لی ای بنی محدث اياک والحدث ... وقال وقد صليت مع النبی ﷺ و مع ابی بكر و عمر و مع عثمان فلم اسمع احدا منهم يقولها فلا تقلها ،اذا انت صليت فقل الحمد لله رب العالمين ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی ترک الجهر بسم اللہ الرحمان الرحیم ص ۵۷ نمبر ۲۴۴ ربخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر ص ۱۰۳

ل لقول ابن مسعودؓ: اربع يخفيهن الامام وذكر من جملتها التعوذ، والتسمية، وآمين ٢ وقال الشافعيؒ: يجهر بالتسمية عند الجهر بالقراءة لما روى ان النبی علیه السلام جهر فی صلاته بالستمية

نمبر ۳۴۳/مسلم شریف، باب حجۃ من قال لا تجھر بالبسملۃ ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۹/۸۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہؓ بسم اللہ نہیں پڑھتے تھے، اور اوپر کی حدیث سے معلوم ہوا کہ پڑھتے تھے تو دونوں حدیثوں کو ملانے کے بعد یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ آہستہ پڑھتے تھے

ترجمہ : ل عبداللہ ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ امام چار دعاوں کو آہستہ پڑھے اور اس مجموعہ میں سے اعوذ باللہ، بسم اللہ، اور آمین فرمایا۔ یہ قول عبداللہ ابن مسعود کے بجائے حضرت ابراھیم نخعیؒ کا ملا۔ اثر آگے ہے۔

تشریح : (۲) صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ **عن ابراهيم قال : يخفى الامام: بسم الله الرحمن الرحيم، و الاستعاذة، و آمين، و ربنا لك الحمد** ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۹۳ من کان لا تجھر ببسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول، ص ۳۶۰، نمبر ۴۱۳۶/مصنف عبدالرزاق، باب ما تخفی الامام، ج ثانی، ص ۸۷، نمبر ۲۵۹۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ اعوذ باللہ، اور بسم اللہ آہستہ پڑھنا چاہئے۔

نوٹ: یہ بھی معلوم ہوا کہ بسم اللہ الحمد للہ یا دوسری سورتوں کا جز نہیں ہے ورنہ بسم اللہ زور سے پڑھتے۔

فائدہ ترجمہ : ٢ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرأت جہری پڑھتے وقت بسم اللہ جہری پڑھے، کیونکہ روایت کی گئی ہے کہ نبی علیہ السلام نماز میں بسم اللہ زور سے پڑھتے تھے۔

تشریح : امام شافعیؒ کے نزدیک بسم اللہ زور سے پڑھی جائے گی۔ کیوں کہ وہ بسم اللہ کو الحمد کا جز مانتے ہیں اور سورت کا بھی جز مانتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے (۱) **عن انس بن مالك قال بينا رسول الله ذات يوم بين اظهرنا اذا غفى اغفاءة ثم رفع رأسه متبسما فقلنا ما اضحكك يا رسول الله قال انزلت على انفا سورة فقرء بسم الله ارحمن الرحيم انا اعطيناك الكوثر الخ** ۔ (مسلم شریف، باب حجۃ من قال البسملۃ آیۃ من اول کل سورۃ سوی برائۃ ص ۱۷۲ نمبر ۴۰۰/ابوداؤد شریف، باب ما جاء من جھر بسم اللہ ص ۱۲۱ نمبر ۷۸۴) اس سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورۃ کا جز ہے۔ اس لئے اس کو جہری نماز میں جہر سے پڑھنا چاہئے۔ (۲) اس سے بھی واضح دلیل دار قطنی میں ہے **عن علیؓ قال : كان رسول الله ﷺ كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم فی سورتين جميعا** ۔ (دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۲ نمبر ۱۱۴۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ کو جہری نماز میں جہری پڑھنا چاہئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ تمام سورتوں کا جز ہے تب ہی تو دونوں سورتوں میں زور سے پڑھتے تھے۔ (۳) عن ابی هريرة **قال قال رسول الله ﷺ : اذا قرأتم**

۳؎ قلنا هو محمول على التعليم لان انسا اخبرانه عليه السلام كان لايجهر بها ۴؎ ثم عن ابى حنيفةؒ انه لايأتى بها فى اوّل كل ركعة كالتعوذ

الحمد لله فاقرئوابسم الله الرحمن الرحيم ، انها أم القرآن و أم الكتاب و السبع المثانى ، و بسم الله الرحمن الرحيم احداها ۔(دارقطنی ،باب وجوب قراءة بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص۳۰۲ نمبر ۱۱۷۷ رسنن بیہقی ، باب الدلیل علی ان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیۃ تامۃ من الفاتحۃ ، ج ثانی ،ص ۶۷ ،نمبر ۲۳۹۰)ان احادیث سے معلوم ہوا کہ بسم اللہ سورتوں کا جزہے۔

نوٹ: بسم اللہ ہرسورۃ سے پہلے آہستہ سے پڑھ لےتو بہتر ہے تا کہ اختلاف سے بچ جائے اوراحتیاط پرعمل ہوجائے۔

ترجمہ: ۳؎ ہم یہ کہتے ہیں کہ بسم اللہ زور سے پڑھنا تعلیم دینے پرمحمول ہے۔اسلئے کہ حضرت انسؓ نے خبر دی حضورعلیہ السلام زور سے نہیں پڑھتے تھے۔

تشریح : اوپر جوامام شافعیؒ کی جانب سے حدیث تھی جس میں تھا کہ بسم اللہ زور سے پڑھتے تھے۔اسکا جواب یہ دیتے ہیں کہ کبھی کبھار تعلیم دینے کے لئے ایسا کر دیا، ورنہ عام طور پر زور سے نہیں پڑھتے تھے آہستہ پڑھتے تھے جسکے ہم بھی قائل ہیں۔اوراسکی تائیداس بات سے ہوتی ہے کہ اوپر کی حدیث میں اورحضرت انسؓ کی حدیث میں ہے کہ حضورؐ اورصحابہ بسم اللہ زور سے نہیں پڑھتے تھے بلکہ حدیث کاانداز یہ ہے کہ پڑھتے ہی نہیں تھے۔صاحب ھدایہ والی حدیث یہ ہے۔عن انس بن مالک أنه حدثه قال : صليت خلف النبى ﷺ ، و ابى بكر ، وعمر ، وعثمان ، فكانوا يستفتحون بالحمد لله رب العالمين ، لا يذكرون بسم الله الرحمن الرحيم ، فى اول قراء ة ، و لا فى آخره ۔ (مسلم شریف،باب حجۃ من قال لا یجہر بالبسملۃ ص۱۷۲ نمبر ۸۹۲/۳۹۹ بخاری شریف، باب مایقول بعد التکبیر ص۱۰۳ نمبر ۷۴۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ اور صحابہ بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں تھے نہ شروع میں نہ آخر میں۔ہم دونون حدیثوں کوملاکر کہتے ہیں کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کے شروع میں پڑھے لیکن آہستہ پڑھے۔

ترجمہ: ۴؎ پھرامام ابوحنیفہؒ کے نزدیک یہ ہے کہ بسم اللہ ہر رکعت کے شروع میں نہ پڑھے، جیسے اعوذ باللہ نہیں پڑھتے ہیں۔

تشریح : بسم اللہ کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ نماز کے صرف پہلی رکعت میں بسم اللہ پڑھے،اور باقی رکعتوں میں بسم اللہ نہ پڑھے۔جیسے اعوذ باللہ صرف پہلی رکعت میں پڑھتے ہیں۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ مسلم شریف کی حدیث سے پتہ چلا کہ صحابہ جب بسم اللہ پڑھتے ہی نہیں تھے،اورنہ کسی سورۃ کا جز ہے تو دوسری حدیث کی وجہ سے صرف ایک مرتبہ پڑھنا کافی سمجھا گیا۔(۲)اثر میں ہے کہ صرف نماز کے شروع میں پڑھ لینا کافی ہوگا۔

۵ وعنه انه يأتی بها احتياطا وهو قولهما ٦ ولا يأتی بها بين السورة والفاتحة الاعند محمدؒ فانه يأتی بها فی صلوٰة المخافتة

اثر یہ ہے۔ عن ابراهيم أنه كان يقول : اذا قرأ الرجل فی صلوته مرة واحدة ﴿بسم الله الرحمن الرحيم﴾ اجزاه ذالک (۔مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵الرجل یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول، ص ۳۶۲، نمبر ۴۱۵۸ رمصنف عبد الرزاق ، باب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج ثانی، ص ۸۹، نمبر ۲۶۰۶)اس اثر میں ہے کہ بسم اللہ ایک مرتبہ یعنی شروع میں پڑھے۔

ترجمه : ۵ اور انہیں سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ احتیاطا ہر رکعت کے شروع میں پڑھے۔یہی قول صاحبین کا ہے۔

وجه : (۱) ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھنے کی دلیل یہ ہے کہ اوپر حدیث سے پتہ چلا کہ بسم اللہ سورۃ فاتحہ کا جز ہے،اور فاتحہ ہر رکعت میں پڑھتے ہیں اسلئے اس سے پہلے بسم اللہ بھی ہر رکعت میں پڑھا جائے گا عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : اذا قرأتم الحمد لله فاقرئوا بسم الله الرحمن الرحيم ، انها أم القرآن و أم الكتاب و السبع المثانی ، و بسم الله الرحمن الرحيم احداها ۔(دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۲ نمبر ۱۱۷۷ رسنن بیہقی، باب الدلیل علی ان بسم اللہ الرحمٰن الرحیم آیۃ تامۃ من الفاتحۃ، ج ثانی، ص ۶۷، نمبر ۲۳۹۰)اس حدیث میں ہے کہ بسم اللہ فاتحہ کا جز ہے، اسلئے فاتحہ کے ساتھ ہر رکعت میں بسم اللہ بھی پڑھا جائے گا۔(۲) اثر میں اسکی تائید ہے۔اثر یہ ہے۔ عن شعبة قال : سألت الحكم و حمادا و أبا اسحاق فقالوا اقرأ فی كل ركعة بسم الله الرحمن الرحيم ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۵ الرجل یقرأ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول، ص ۳۶۲، نمبر ۴۱۶۱ رمصنف عبد الرزاق، باب قرأۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج ثانی، ص ۹۱، نمبر ۲۶۱۴)اس اثر میں ہے کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے۔

ترجمه: ٦ اور بسم اللہ نہ پڑھے سورت اور سورہ فاتحہ کے درمیان، مگر امام محمدؒ کے نزدیک، اسلئے کہ انکے نزدیک بسم اللہ کو سری نماز میں پڑھے گا۔

تشريح :سورہ فاتحہ اور جو سورت ملائے گا اسکے درمیان ہمارے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھے گا۔اسکی وجہ یہ ہے کہ (۱) حدیث سے قرأت سے پہلے بسم اللہ پڑھنے کا پتہ چلتا ہے،اور سورہ فاتحہ سے پہلے بسم اللہ پڑھ لیا تو قرأت شروع کرنے سے پہلے ہوگیا اتنا ہی کافی ہے (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ مان لیا جائے کہ یہ سورہ فاتحہ کا جز ہے تو فاتحہ سے پہلے پڑھنا مسنون ہوگا، سورہ فاتحہ اور سورت کے درمیان پڑھنا مسنون نہیں (۳) اوپر اثر گزرا جس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت میں بسم اللہ پڑھے اور وہ فاتحہ سے پہلے ہوگیا، اسلئے درمیان میں پڑھنا مسنون نہیں ہوگا۔

امام محمدؒ کے یہاں دونوں سورتوں کے درمیان مسنون ہے۔اسکی وجہ (۱) یہ حدیث ہے ۔عن علیؓ قال : كان رسول الله

ﷺ **كان يجهر ببسم الله الرحمن الرحيم في سورتين جميعا** ۔(دار قطنی، باب وجوب قراءۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ج اول ص ۳۰۲ نمبر ۱۱۴۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ دونوں سورتوں میں زور سے بسم اللہ پڑھتے تھے۔(۲) جس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ بسم اللہ ہر سورت کا جز ہے تو ہر سورت پڑھنے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا مسنون ہوگا۔

(۲۷۱) ثم يقرأ فاتحة الكتاب وسورة او ثلث آيات من اى سورة شاء ﴿ ۱ فقراء ة الفاتحة لا تتعين

ترجمه: (۲۷۱) پھرسورۂ فاتحہ پڑھے۔ یا کوئی سورت پڑھے، یا کسی سورت کی تین آیتیں پڑھے۔

تشریح : حنفیہ کے نزدیک قرآن کی کسی جگہ سے ایک بڑی آیت یا تین چھوٹی آیتیں پڑھنا فرض ہے۔ اگر اتنا بھی نہیں پڑھیگا تو نماز نہیں ہوگی۔ البتہ اس پرسورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ اگر نہیں پڑھے گا تو کمی رہ جائے گی اور سجدۂ سہو کرنا پڑے گا۔

وجه : (۱) کہیں سے بھی قرآن پڑھنے کی فرضیت کی دلیل یہ آیت ہے فاقرئوا ما تيسر من القرآن (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) (۲) حدیث میں ہے عن ابن سعيد قال امرنا ان نقرء بفاتحة الكتاب وما تيسر۔ (ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ (الفاتحۃ) فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب، ص ۱۲۵ نمبر ۸۱۸ / نسائی شریف، باب ایجاب قراءۃ فاتحۃ الکتاب فی الصلوۃ ص ۱۰۵ نمبر ۹۱۲) (۳) بخاری شریف میں ہے آپؐ نے اس دیہاتی سے فرمایا جس نے جلدی جلدی نماز پڑھی ثم اقرء ما تيسر معك من القرآن (بخاری شریف، باب وجوب القرأۃ للامام والماموم فی الصلوۃ کلھا ص ۱۰۵ نمبر ۷۵۷ / مسلم شریف، باب وجوب قرائۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۷۰ نمبر ۳۹۷ / ۸۸۵) اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن میں سے جو آسان ہو اس کا پڑھنا فرض ہے۔ چاہے سورۂ فاتحہ کے علاوہ ہو۔ (۳) حدثنی ابو هريرة قال : قال لی رسول الله ﷺ اخرج فناد فی المدينة أنه لا صلوة الا بقرآن و لو بفاتحة الكتاب فما زاد۔ (ابوداود شریف، باب من ترک القرأۃ فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب، ص ۱۲۶، نمبر ۸۱۹) اس حدیث میں ہے کہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور آیت ہو اس سے نماز ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، البتہ واجب ہم بھی کہتے ہیں۔

سورۂ فاتحه واجب هونے کی دلیل: (۱) عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرأ بفاتحة الكتاب۔ (بخاری شریف، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوۃ کلھا ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ / مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴ / ۸۷۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سورۂ فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ نہیں پڑھیں گے تو کمی رہ جائے گی۔ حدیث میں ہے (۲) عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من صلی صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهی خداج ثلاثا غير تمام۔ (مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۵ / ۸۷۸ / ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ ص ۱۲۵ نمبر ۸۲۱) فهی خداج کا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ چھوڑنے سے نماز میں کمی رہ جائے گی اور اس کا اتمام سجدۂ سہو سے کرنا پڑے گا۔ اسی لئے حنفیہ کے یہاں سورہ فاتحہ پڑھنا واجب ہے، اور چھوڑنے سے نماز ہو جائے گی لیکن سجدہ سہو کرنا ہوگا۔

ترجمه: ۱ سورہ فاتحہ کا پڑھنا ہمارے نزدیک فرض کے طور پر متعین نہیں ہے۔ اسی طرح سورت ملانا بھی فرض نہیں ہے۔

رکنا عندنا و کذاضم السورة الیها ۲؎ خلافا للشافعیؒ فی الفاتحة ولما لکؒ فیهماله قوله علیه السلام :لا صلوٰة الابفاتحة الکتاب وسورة معها ۳؎ وللشافعیؒ قوله علیه السلام :لا صلوة الا بفاتحة الکتاب

تشریح : حنفیہ کے نزدیک نہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے اور نہ سورت ملانا فرض ہے، بلکہ دونوں واجب ہیں۔ دلائل اوپر گزر گئے۔

فائدہ :**ترجمہ**: ۲؎ امام شافعیؒ کا اختلاف ہے سورہ فاتحہ کے بارے میں اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے سورہ فاتحہ کے بارے میں بھی اور سورت ملانے کے بارے میں بھی، امام مالکؒ کی دلیل ہے۔ حضور علیہ السلام کا قول ﴿ لا صلوة الا بفاتحة الکتاب و سورة معها﴾

تشریح :قرأت کے بارے امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کا اختلاف ہے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ پڑھنا فرض ہے، اور امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ بھی فرض ہے اور اسکے ساتھ سورت ملانا بھی فرض ہے۔

وجه : (۱) امام مالک کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی سعیدقال قال رسول الله ﷺ ... ولا صلوة لمن لم یقرأ بالحمد و سورة فی فریضة او غیرها ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوة وتحلیلها ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ /ابن ماجة شریف ، باب القرأة خلف الامام، ص ۱۱۹، نمبر ۸۳۹)اس حدیث میں وسورة فی فریضة سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۂ فاتحہ کی طرح سورة ملانا بھی فرض ہے(۲) حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں حضورؐ نے سورت ملایا جس سے معلوم ہوا کہ سورت ملانا بھی فرض ہے۔ حدیث یہ ہے ۔عن عبد الله بن ابی قتادة عن أبیه ، قال : کان رسول الله ﷺ یقرأ فی الرکعتین الاولیین من صلوة الظهر بفاتحة الکتاب و سورتین یطول فی الاولی و یقصر فی الثانیة و یسمع الآیة احیانا ، و کان یقرأ فی العصر بفاتحة الکتاب و سورتین و کان یطوّل فی الاولی ، و کان یطوّل فی الرکعة الاولی من صلوة الصبح ، و یقصر فی الثانیة (بخاری شریف، باب القرأة فی الظهر ،ص ۱۰۵، نمبر ۷۵۹/ مسلم شریف، باب القرأة فی الظهر العصر، ص ۱۸۵، نمبر ۴۵۱/ ۱۰۱۲)اس حدیث میں ہے کہ ہر رکعت میں سورہ فاتحہ کے ساتھ سورت بھی ملاتے تھے، اس سے امام مالکؒ ثابت کرتے ہیں کہ سورت ملانا بھی فرض ہے۔ حنفیہ اسی حدیث سے سورت ملانا واجب قرار دیتے ہیں۔

ترجمہ: ۳؎ امام شافعیؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے :کہ نماز بغیر سورہ فاتحہ کے نہیں ہے

وجه : (۱)امام شافعیؒ کی دلیل اور صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب ۔(بخاری شریف، باب وجوب القراءة للامام والماموم فی الصلوة کلها ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ /

۴؎ ولنا قوله تعالىٰ فاقرء وا ما تيسر من القراٰن ۵؎ والزيادة عليه بخبر الواحد لايجوز لكنه يوجب العمل فقلنا بوجوبهما (۲۷۲) واذا قال الامام :ولا الضالين، قال: اٰمين، ويقولها: المؤتم

مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴/۸۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بغیر فاتحہ کے نماز ہی نہیں ہو گی، جسکا مطلب یہ ہے کہ فاتحہ فرض ہے (۲) دوسری حدیث میں ہے **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال من صلی صلوة لم يقرأ فيها بام القرآن فهی خداج ثلاثا غير تمام** ۔ (مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۵/۸۷۸/ابوداؤد شریف، باب من ترک القراءۃ فی صلوتہ ص ۱۲۵ نمبر ۸۲۱) امام شافعیؒ خداج کا ترجمہ کرتے ہیں کہ نماز ہوئی ہی نہیں، جسکا مطلب یہ ہوا کہ فاتحہ فرض ہے۔

ترجمه : ۴؎ اور ہماری دلیل اللہ تعالی کا قول۔ **فاقرئوا ما تيسر من القرآن** (آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو۔

تشريح : ہماری دلیل اوپر گزر چکی ہے کہ آیت میں ہے کہ قرآن میں سے جتنا آسان ہو اتنا پڑھو، اس میں سورہ فاتحہ کی قید نہیں ہے، اسلئے قرآن کے کسی حصے میں سے تین آیتیں پڑھ دینا فرض ہوگا، البتہ چونکہ حدیث میں فاتحہ کی تاکید ہے اسلئے فاتحہ پڑھنا واجب ہے۔ (۲) اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے کہ فاتحہ واجب ہے۔ **حدثنی ابو هريرة قال : قال لی رسول الله ﷺ اخرج فناد فی المدينة أنه لا صلوة الا بقرآن و لو بفاتحة الكتاب فما زاد** ۔ (ابوداود شریف، باب من ترک القرأۃ فی صلوتہ بفاتحۃ الکتاب، ص ۱۲۶، نمبر ۸۱۹) اس حدیث میں ہے کہ سورہ فاتحہ ہو یا کوئی اور آیت ہو اس سے نماز ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں ہے، البتہ واجب ہم بھی کہتے ہیں۔

ترجمه : ۵؎ اور آیت پر احادیث کے ذریعہ زیادتی کرنا جائز نہیں لیکن احادیث پر عمل کرنا پھر بھی واجب ہے اسلئے ہم نے دونوں کو واجب کہا۔

تشريح : یہ امام شافعیؒ اور امام مالکؒ کو عقلی جواب ہے۔ کہ سورہ فاتحہ اور سورت پڑھنا فرض نہ ہونے کے لئے آیت مذکورہ ہے، اور فرض ہونے لئے احادیث ہیں۔ اب احادیث کی بناء پر فرض قرار دے دیں تو احادیث کے ذریعہ آیت پر زیادتی کرنا لازم ہوگا جو خبر آحاد کے درجے میں ہیں، اسلئے ہم فرض قرار نہیں دیتے۔ البتہ چونکہ تاکیدی احادیث موجود ہیں اسلئے ہم ان پر بھی عمل کرتے ہیں اور فاتحہ پڑھنا اور سورت ملانا واجب قرار دیتے ہیں جو فرض کے قریب ہے۔

ترجمه: (۲۷۲) اور جب امام کہے ولا الضالین تو وہ آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔

ا لقوله عليه السلام: اذا امّن الامام فامِّنوا ۲ ولا متمسک لمالکؒ فی قوله عليه السلام اذا قال الامام ولاالضالين فقولوا اٰمين من حيث القسمة لانه قال فی اٰخره فان الامام يقولها

ترجمه : ا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جب امام آمین کہے تو تم مقتدی بھی آمین کہو ۔

تشریح : امام سورۂ فاتحہ پڑھ کر آمین کہے اور مقتدی بھی آمین کہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة ان النبی ﷺ قال : اذا امّن الامام فأمّنوا فانه من وافق تأمينه تأمين الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه وقال ابن شهاب وكان رسول الله ﷺ يقول آمين (بخاری شریف ، باب جھر الامام بالتأمین ص ۱۰۷ نمبر ۷۸۰ مسلم شریف ، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶ نمبر ۹۱۵/۴۱۰) اس حدیث سے معلوم ہوا امام اور مقتدی دونوں آمین کہے۔

ترجمه : ۲ حضور علیہ السلام کا قول ، جب امام ﴿ولا الضالین﴾ کہے تو تم مقتدی آمین کہو، اس حدیث میں امام مالکؒ کے لئے تقسیم کی دلیل نہیں ہے ، اسلئے کہ اسی حدیث کے آخیر میں ہے کہ امام بھی آمین کہتے ہیں۔

تشریح : حضرت امام مالکؒ کی ایک روایت ہے کہ امام صرف ولا الضالین ، پڑھے آمین نہ کہے ، اور مقتدی صرف آمین کہے۔ یعنی امام کے حصے میں ولا الضالین ہے ، اور مقتدی کے حصے میں آمین ہے انکے یہاں امام اور مقتدی کے درمیان اس بارے میں تقسیم ہے۔

وجه : انکی دلیل یہ ہے کہ ایک حدیث میں ہے کہ امام جب ولا الضالین کہے تو تم مقتدی آمین کہو۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هريرة : ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام ﴿غير المغضوب عليهم و لا الضالين﴾ فقولوا آمين فأنه من وافق قوله قول الملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه ۔(بخاری شریف ، باب جھر المأموم بالتأمین ص ۱۰۷ نمبر ۷۸۲ مسلم شریف ، باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶ نمبر ۹۲۰/۴۱۰) اس حدیث میں ہے کہ امام جب ولا الضالین کہے تو مقتدی آمین کہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ (۱) اوپر کی حدیث میں ہے کہ امام جب آمین کہے تو تم مقتدی آمین کہو، اس سے معلوم ہوا کہ امام بھی آمین کہے گا اذا امّن الامام فأمّنوا (بخاری شریف ، نمبر ۷۸۰ مسلم شریف ، نمبر ۹۱۵/۴۱۰)۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عن ابی هريرة : ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام ﴿غير المغضوب عليهم و لا الضالين﴾ فقولوا آمين فان الملائكة تقول آمين ، و ان الامام يقول : آمين فمن وافق تأمينه تأمينالملائكة غفر له ما تقدم من ذنبه . (مصنف عبد الرزاق ، باب آمین ، ج ثانی ، ص ۹۷ ، نمبر ۲۶۴۴) اس حدیث میں ہے (وان الامام یقول) کہ امام بھی آمین کہتے ہیں۔

(۲۷۳)قال: ویخفونها ﴾ ۱؎ لما روینا من حدیث ابن مسعودؓ ۲؎ ولانه دعاء فیکون مبناه علی الاخفاء

ترجمه: (۲۷۳) اورآمین کوآہستہ پڑھے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعود کی حدیث ہمنے روایت کی۔

وجه: (۱)صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔عن ابراھیم قال : یخفی الامام: بسم الله الرحمن الرحیم ، و الاستعاذة ، و آمین ، و ربنا لک الحمد ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹۳من کان لا یجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، ج اول،ص ۳۶۰،نمبر ۴۱۳۶/ مصنف عبدالرزاق ،باب ما تخفی الامام، ج ثانی،ص ۸۷،نمبر ۲۵۹۶)اس اثر سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ پڑھنا چاہئے ۔یہ حضرت ابراہیم نخعی کا اثر ہے

ترجمه: ۲؎ اوراس لئے بھی کہ آمین دعاء ہے،اسلئے اسکی بنیاد اخفاءاور پوشیدہ پر ہونی چاہئے۔

تشریح : (۲)حضرت امام اعظم کی نگاہ اس بات کی طرف گئی کہ آمین دعا ہے اورنماز میں قرأت کے علاوہ جتنی دعائیں کی جاتی ہیں سب آہستہ ہیں۔اس لئے آمین بھی آہستہ ہونی چاہئے۔چنانچہ حضرت نے آہستہ والی حدیث پرعمل کیا۔آداب دعا یہ ہیں کہ گڑ گڑا کرآہستہ کی جائے۔آیت یہ ہے ادعوا ربکم تضرعا و خفیة انه لا یحب المعتدین. (آیت ۵۵سورۃ الاعراف ۷)

(۳)حدیث میں بھی ہے عن علقمة بن وائل عن ابیه ان النبی ﷺ قرء غیر المغضوب علیهم ولا الضالین فقال آمین و خفض بها صوته ۔(ترمذی شریف،باب ماجاء فی التأمین ص ۵۸نمبر ۲۴۸/دار قطنی ،باب التأمین فی الصلوۃ بعد فاتحۃ الکتاب والجھر بہا، ج اول ،ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین آہستہ کہنا چاہئے۔بخاری،مسلم وغیرہ میں زور سے آمین کہنے کی باضابطہ حدیث نہیں ہے۔

فائده : امام شافعیؒ اورامام مالکؒ کے نزدیک آمین زور سے کہنا بہتر ہے۔ان کی دلیل (۱)اوپر کی حدیث سے امام بخاری اورامام مسلم نے استدلال کیا ہے کہ زور سے آمین کہے(اگر چہ اس میں زور کا لفظ نہیں ہے)حدیث یہ ہے۔عن ابی هریرة ان النبی ﷺ قال : اذا امّن الامام فأمّنوا فانه من وافق تأمینه تأمین الملائکة غفر له ما تقدم من ذنبه وقال ابن شهاب وکان رسول الله ﷺ یقول آمین (بخاری شریف،باب جھر الامام بالتأمین ص ۱۰۷نمبر ۷۸۰/مسلم شریف،باب التسمیع والتحمید والتأمین ص ۱۷۶نمبر ۹۱۵/۴۱۰)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ آمین کہتے تھے،زور سے کہتے ہونگے تب ہی تو راوی نے سنا ہو گا،اسلئے اس حدیث کے اشارۃ النص سے زور سے آمین کہنا ثابت ہوا۔(۲) اس حدیث میں زور سے آمین کہنے کی صراحت ہے۔ عن ابی هریرة قال ترک الناس التأمین وکان رسول الله اذا قال غیر المغضوب علیهم ولا الضالین قال آمین حتی یسمعها اهل الصف الاول فیرتج بها المسجد (ابن ماجہ شریف،باب الجھر بآمین ص ۱۲۱،نمبر ۸۵۳/دار

۳؎ والمد والقصر فيه وجهان والتشديد فيه خطأ فاحش (۲۷۴) قال ثم يكبر و يركع ﴾ ۱؎ وفي الجامع الصغير: ويكبر مع الانحطاط لان النبي عليه السلام يكبر عند كل خفض ورفع

قطنی، باب التأمین فی الصلوۃ ج اول ص ۳۲۸ نمبر ۱۲۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آمین زور سے کہنا چاہئے۔ لیکن خود ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ صحابہ نے زور سے آمین کہنا چھوڑ دیا تھا۔ عن ابی هريرة قال ﴿ ترک الناس التأمين ﴾ فرمایا

نوٹ : یہ استحباب کا اختلاف ہے۔ کوئی زور سے آمین کہتا ہو تو اس پر نکیر نہیں کرنا چاہئے۔ میرے استاذ حضرت مولانا انظر شاہ صاحب کشمیری کو دیکھا کہ وہ زور اور آہستہ کے درمیان میں آمین کہتے، جس سے صرف بغل والے سن لیتے تھے۔ تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔

ترجمہ : ۳؎ آمین کو مد کے ساتھ اور قصر کے ساتھ پڑھنا دونوں وجہیں ہیں، اور اسکو تشدید کے ساتھ پڑھنا بڑی غلطی ہے۔

تشریح : ﴿ آمین ﴾ کے الف کو مد کے ساتھ پڑھیں یہ بھی جائز ہے۔ اور الف کو قصر کے ساتھ ﴿ امین ﴾ پڑھیں یہ بھی جائز ہے۔ لیکن ﴿ امّین ﴾ میم کے تشدید کے ساتھ پڑھیں یہ غلط ہے، یہ کوئی لغت نہیں ہے۔

ترجمہ: (۲۷۴) پھر تکبیر کہے اور رکوع کرے۔

وجہ: حدیث میں ہے کہ آپؐ رکوع اور سجدے میں تکبیر کہتے سمع ابا هريرة يقول كان رسول الله ﷺ اذا اقام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع. (بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود ص ۱۰۹ نمبر ۷۸۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں جاتے ہوئے تکبیر کہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور جامع صغیر میں ہے کہ جھکنے کے ساتھ تکبیر کہے، اسلئے کہ نبی علیہ السلام ہر جھکتے اور سر اٹھاتے وقت تکبیر کہتے تھے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ عن ابی حنيفةؒ : يصلي و يكبر مع الانحطاط ۔ (جامع صغیر، باب فی تکبیر الرکوع و السجود، ص ۸۷)

تشریح : ایک شکل یہ ہے کہ پہلے تکبیر اللہ اکبر کہے اسکے بعد رکوع میں جائے، اور دوسری شکل یہ ہے کہ رکوع میں جا چکے اسکے بعد تکبیر کہے، اور تیسری شکل یہ ہے کہ رکوع کے لئے جھکتے ہوئے تکبیر کہے، مصنف فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے کہ رکوع کے لئے جھکتے ہوئے تکبیر کہے۔

وجہ : (۱) حدیث میں گزرا ۔ ثم يكبر حين يركع. (بخاری شریف، نمبر ۷۸۹) اس حدیث میں ہے کہ جب رکوع کے لئے جھکتے تو تکبیر کہتے (۲) صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن مسعودؓ قال : كان رسول الله ﷺ يكبر في كل خفض و رفع ، و قيام و قعود ، و أبو بكر و عمر ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود، ص ۵۹،

(۲۷۵) ویحذف التکبیر حذفا ﴾ ۱لان المد فی اوله خطأ من حیث الدین لکونه استفہا ما وفی اٰخرہ لحن من حیث اللغة (۲۷۶)ویعتمد بیدیه علٰی رکبتیه ویفرج بین اصابعه ﴾ ۱لقوله علیہ السلام لانس رضی اللہ عنہ

نمبر۲۵۳رنسائی شریف، باب التکبیر للسجود،ص۱۵۰،نمبر۱۰۸۴رابوداودشریف، باب تمام التکبیر ،ص۱۲۹،نمبر۸۳۶) اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں جاتے وقت آپؐ تکبیر کہتے۔اوراس سے اٹھتے وقت بھی تکبیر کہتے۔

ترجمه: (۲۷۵) تکبیراللہ اکبرکو پورے قصر کے ساتھ پڑھے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ شروع میں مد دین کے اعتبار سے غلط ہے،اسلئے کہ وہ جملہ استفہام بن جائے گا،اورآخیر میں مد عربی لغت کے اعتبار سے لحن ہوجائے گا ۔(اسلئے قصر پڑھے)

تشریح : اللہ سے پہلے مدوالا الف،لگائے،اور آاللہ. بولے تو یہ استفہام ہوجائے گا اور ترجمہ ہوجائے گا، کیا اللہ بڑا ہے؟ یہ اللہ کی بڑائی بیان کرنے کے بجائے سوال ہوجائے گا کہ کیا اللہ بڑا ہے؟ اسلئے مد کے بجائے قصر کے ساتھ،اللہ،بولے،اور اکبر کے آخیر میں الف بڑھائے گا تو،اکبار،ہوجائے گا،یہ لحن جلی ہے جو عربی لغت کے اعتبار سے ٹھیک نہیں ہے،اسلئے اکبر کے آخیر میں بھی الف مدہ نہ بڑھائے۔

ترجمه: (۲۷۶) دونوں ہاتھوں سے دونوں گھٹنے پر ٹیکے اور انگلیوں کو کشادہ رکھے۔

تشریح :رکوع میں ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے جیسے اس پر ٹیک لگائے ہوئے ہو۔اور انگلیوں کو گھٹنے پر پھیلائے ہوئے رکھے۔

وجه :(۱)یہ حدیث ہے فذکروا صلوة رسول الله ﷺ فقال ابو حمید انا اعلمکم بصلوة رسول الله ﷺ ان رسول الله ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کانه قابض علیهما و وتر یدیه فنحاهما عن جنبیه. (ترمذی شریف، باب ماجاء یجافی یدیہ عن جنبیہ فی الرکوع ص۶۰ نمبر۲۶۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ سے گھٹنوں کو اس طرح پکڑے کہ کمان کی رسی کی طرح معلوم ہو(۲) حدیث میں ہے۔قال : أتینا عقبة بن عمرو الانصاری أبا مسعود فقلنا له : حدثنا عن صلوة رسول الله ﷺ ، فقام بین ایدینا فی المسجد فکبر ، فلما رکع وضع یدیه علی رکبتیه و جعل أصابعه أسفل من ذالک و جافی بین مرفقیه حتی استقر کل شیء منه ۔(ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص۱۳۲ نمبر۸۶۳رنسائی شریف، باب مواضع أصابع الیدین فی الرکوع ص۱۴۳ نمبر۱۰۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رکوع میں دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر پھیلا کر رکھے۔

ترجمه: ۱ حضورؐ کا قول حضرت انسؓ کے لئے کہ جب تم رکوع کروتو اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے دونوں گھٹنوں پر رکھو،اور

اذا رکعت فضع یدیک علٰی رکبتیک وفرّج بین اصابعک ۲؎ ولاینـدب الی التفریح الافی ھٰذہ الحالة لیکون امکن من الاخذولا الی الضم الافی حالة السجود وفیماوراء ذٰلک یترک علی العادة

(۲۷۷) ویبسط ظھرہ ۱؎ لان النبی علیہ السلام کان اذا رکع بسط ظھرہ

انگلیوں کو کشادہ رکھو۔

تشـــریـــح : حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ رکوع میں تطبیق کیا جائے، تطبیق کا مطلب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں کے درمیان میں رکھا جائے، لیکن وہ منسوخ ہو گیا اور اب یہ ہے کہ دونوں ہاتھوں کو دونوں گھٹنوں پر اس طرح پھیلا کر رکھا جائے کہ گویا کہ گھٹنوں کو پکڑ رکھا ہو۔ اسکے ثبوت کے لئے اوپر کی حدیث ہے اور صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن عمر : أن رسـول الـله ﷺ قال لرجل : اذا قمت الی الصلوة فرکعت فضع یدیک علی رکبتیک ، و افرج بین أصـابـعک ارفع رأسک حتی یر جع کل عضو الی مفصله ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب کیف الرکوع والسجود، ج ثانی، ص ۱۵۱، نمبر ۲۸۵۹) اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں ہاتھ گھٹنے پر رکھو اور انگلیاں پھیلا کر رکھو۔

تـرجـمـه : ۲؎ اور انگلیاں پھیلا کر رکھنا اس حالت میں ہی مستحب ہے تا کہ گھٹنوں کو پکڑنا ممکن ہو سکے، اور نہ ملا کر رکھنا مستحب ہے مگر سجدے کی حالت میں، اور اسکے علاوہ میں اپنی عادت پر چھوڑ دی جائے۔

تشریح : رکوع کی حالت میں انگلیاں پھیلا کر رکھنا مستحب ہے تا کہ گھٹنوں کو پکڑنا ممکن ہو سکے، اور سجدے کی حالت میں انگلیاں ملا کر رکھنا مستحب ہے تا کہ تمام انگلیاں قبلے کی طرف ہو سکے۔ ان دونوں حالتوں کے علاوہ انگلیوں کو اپنی حالتوں پر چھوڑ دینا مستحب ہے۔

لغت : یحذف: حذف کرے، مدنہ کرے۔ استفہام: سوال کرنا۔ یعتمد: ٹیک لگائے۔ پکڑے۔ یفرج: پھیلا کر رکھے۔

ترجمه : (۲۷۷) اور پیٹھ کو برابر کرے۔

ترجمه : ۱؎ اسلئے کہ نبی علیہ السلام جب رکوع فرماتے تو پیٹھ کو ہموار کرتے

تشریح : رکوع میں سر کو نہ اٹھائے نہ زیادہ جھکائے، پیٹھ کو ہموار رکھے، اور برابر رکھے۔

وجه :(۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ قـال سـمعت وابصة بن معبد یقول : رأیت رسول الله ﷺ یصلی ، فکان اذا رکع سوّی ظھرہ ، حتی لو صب علیه الماء لاستقر ۔ (ابن ماجہ شریف، باب الرکوع فی الصلوۃ، ص ۱۲۳، نمبر ۸۶۹) اس حدیث میں ہے کہ رکوع میں پیٹھ برابر اور ہموار رکھے۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے۔ عـن ابـی حـمید الساعدی قـال کـان النبی ﷺ اذا رکع اعتدل فلم ینصب رأسه ولم یقنعه ووضع یدیه علی رکبتیه . (نسائی شریف، باب

(۲۷۸)ولا يرفع راسه ولا ينكسه ﴿ ۱ لان النبی علیہ السلام كان اذا ركع لا يصوّب رأسه ولايقنعه

(۲۷۹)ويقول سبحان ربي العظيم ثلثا وذلک ادناه ﴿ ۱ لقوله علیہ السلام اذا ركع احد كم فليقل فی ركوعه سبحان ربی العظيم ثلثا وذلک ادناه ۲ ای ادنی كمال الجمع

الاعتدال فی الرکوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰) اس حدیث میں ہے کہ سر نہ اونچا رکھے اور نہ جھکا کر رکھے، بلکہ ہموار رکھے۔

ترجمہ : (۲۷۸) اور رکوع میں سر کو نہ اٹھائے اور نہ جھکائے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ نبی علیہ السلام جب رکوع فرماتے تو نہ سر کو جھکاتے اور نہ اسکو اٹھاتے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی حميد الساعدی قال سمعت و هو فی عشرة من أصحاب النبی ﷺ ....و ركع ، ثم اعتدل ، فلم يصوب رأسه و لم يقنع ، ووضع يديه علی ركبتيه ۔(ترمذی شریف، باب منہ ،(ای ماجاء فی وصف الصلوۃ) ص ۶۶، نمبر ۳۰۴ رنسائی شریف، باب الاعتدال فی الرکوع ص ۱۱۸ نمبر ۱۰۴۰) اس حدیث میں ہے کہ سر نہ اونچا رکھے اور نہ جھکا کر رکھے، بلکہ ہموار رکھے۔

لغت : لاینکسہ : نہ زیادہ جھکائے۔صوب: سر کو جھکانا۔یقنعہ: قنع سے سر اٹھانا۔

ترجمہ : (۲۷۹) اور رکوع میں سبحان ربی العظیم تین مرتبہ کہے اور یہ اس کا ادنی درجہ ہے۔

ترجمہ : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جب تم میں سے کوئی رکوع کرے تو ﴿ سبحان ربی العظيم ﴾ تین مرتبہ کہے، اور یہ ادنی درجہ ہے۔

تشریح: کم سے کم تین مرتبہ سبحان ربی العظیم کہنا سنت ہے۔اس سے زیادہ پانچ، سات مرتبہ بھی کہہ سکتا ہے لیکن طاق مرتبہ کہنا افضل ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن مسعود قال : قال رسول الله ﷺ اذا ركع احدكم فليقل ثلاث مرات : سبحان ربی العظيم وذلک ادناه، فاذا سجد فليقل سبحان ربی الاعلی ثلاثا ، و ذالک ادناه . (ابوداؤد شریف، باب مقدار الرکوع والسجود ص ۱۳۴ نمبر ۸۸۶ رترمذی شریف، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص ۶۰ نمبر ۲۶۱) اس حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ سبحان ربی العظيم، کہے اور یہ ادنی مرتبہ ہے۔

ترجمہ: ۲ یعنی کمال جمع کا ادنی مرتبہ ہے۔

تشریح :۔اس عبارت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ کمال جمع پانچ مرتبہ، اور سات مرتبہ اور نو مرتبہ سبحان ربی العظيم، پڑھنا ہے۔اور تین مرتبہ پڑھنا اسکا کم سے کم درجہ ہے۔اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ جمع کے صیغے میں تو بہت ساری تعداد آتی ہے، لیکن تین

(۲۸۰) ثم يرفع راسه ويقول سمع الله لمن حمده ويقول المؤتم ربنا لک الحمد ولا يقولها الامام عند ابی حنيفةؒ وقالا يقولها فی نفسه ﴾ ۱لما روی ابوهريرةؓ ان النبی علیہ السلام كان يجمع بين الذكرين ۲ ولانه حرّض غيره فلاينسی نفسه

مرتبہ جمع کا کم سے کم درجہ ہے۔

ترجمہ : (۲۸۰) پھر اپنے سر کو اٹھائے اور کہے سمع اللہ لمن حمدہ، اور مقتدی کہے ربنا لک الحمد۔ اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ربنا لک الحمد امام نہیں کہے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک امام اسکو اپنے دل میں کہے گا۔

تشریح: امام ابو حنیفہ کے نزدیک امام صرف سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی صرف ربنا لک الحمد کہے۔ امام ربنا لک الحمد نہیں کہے گا، اور صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ امام بھی اپنے دل میں ربنا لک الحمد کہے گا۔

وجه : حدیث میں ہے عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لک الحمد (بخاری شریف، باب فضل اللھم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ رترمذی شریف، باب آخر و باب مایقول الرجل اذا رفع رأسہ ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام سمع اللہ لمن حمدہ کہے اور مقتدی ربنا لک الحمد کہے۔ البتہ منفرد ہو تو چونکہ وہ امام اور مقتدی دونوں ہے اس لئے وہ دونوں کہے گا۔

فائده ترجمه: ۱ اسلئے کہ حضرت ابو ھریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی علیہ السلام دونوں ذکروں کو جمع کیا کرتے تھے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے کہ حضورؐ ﴿سمع اللہ لمن حمدہ، اور ربنا لک الحمد﴾ دونوں ذکر کہا کرتے تھے اسلئے امام دونوں کہے۔ (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قال اللهم لک الحمد۔ (بخاری شریف، باب مایقول الامام ومن خلفہ اذا رفع رأسہ من الرکوع ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۵ رترمذی شریف، باب مایقول الرجل اذا رفع رأسہ من الرکوع ص ۶۱ نمبر ۲۶۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام تسمیع اور تحمید دونوں کہے گا (۲)۔ عن ابی اوفی قال : كان رسول الله ﷺ اذا رفع ظهره من الركوع قال : سمع الله لمن حمده ، اللهم ربنا ! لک الحمد ، ملء السماوات و ملء الارض ، و ملء ما شئت من شیء بعد ۔ (مسلم شریف، باب مایقول اذا رفع رأسہ من الرکوع ص ۱۹۰، نمبر ۴۷۶ / ۱۰۶۷) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ دونوں کہا کرتے تھے۔ اسلئے امام دونوں کہے۔

ترجمہ: ۲ اور اسلئے کہ دوسرے کو ترغیب دے تو اپنے کو نہیں بھولنا چاہئے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل عقلی ہے۔ کہ امام کو دونوں پڑھنا چاہئے۔ کیونکہ جب ﴿سمع اللہ لمن حمدہ﴾ کہہ کر مقتدی کو ربنا لک الحمد کہنے کی ترغیب دی تو خود کو بھی ربنا لک الحمد کہنا چاہئے۔ مقتدی کو ترغیب دیکر اپنے آپ کو بھلا نہیں دینا چاہئے۔ اسلئے امام کو بھی

۳؎ ولابی حنیفةؒ قوله ﷺ اذا قال الامام سمع اللّٰه لمن حمده قولوا ربنا لک الحمد هٰذه قسمة وانهاتنافی الشرکة ۴؎ ولهذا لایأتی المؤتم بالتسمیع عندنا خلافا للشافعیؒ ۵؎ ولانه یقع تحمیده بعد تحمید المقتدی وهو خلاف موضوع الامامة ۶؎ ومارواه محمول علی حالة الانفراد

ربنا لک الحمد، کہنا۔

ترجمہ : ۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ کی دلیل حضور علیہ السلام کا قول کہ امام جب سمع الله لمن حمده کہے، تو تم ربنا لک الحمد، کہو۔ اس حدیث میں تقسیم ہے، اور یہ حدیث شرکت کے منافی ہے۔

تشریح : اوپر کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام اور مقتدی کے درمیان تقسیم ہے امام مقتدی کے ذکر میں شریک نہیں ہے کیونکہ فرمایا کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو مقتدی کو کہا کہ تم ، اللهم ربنا لک الحمد، کہو اسلئے امام سمع الله لمن حمده، اور اللهم ربنا لک الحمد، دونوں نہیں کہیں گے اور دونوں ذکروں میں شرکت نہیں کریں گے، کیونکہ حدیث شرکت کے منافی ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرة ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قال الامام سمع الله لمن حمده فقولوا اللهم ربنا لک الحمد (بخاری شریف، باب فضل اللهم ربنا لک الحمد ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۶ رترمذی شریف، باب آخر وباب مایقول الرجل اذا رفع رأسه ص ۶۱ نمبر ۲۶۷) اس حدیث میں ہے کہ جب امام سمع الله لمن حمده کہے تو مقتدی ، اللهم ربنا لک الحمد، کہے

ترجمہ : ۴؎ اسی لئے ہمارے یہاں مقتدی، سمع الله لمن حمده، نہیں کہے گا۔ خلاف امام شافعیؒ کے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے، چونکہ حدیث میں شرکت نہیں ہے اسی لئے مقتدی سمع الله لمن حمده نہیں کہے گا۔ البتہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی بھی سمع الله لمن حمده، کہے گا۔

ترجمہ: ۵؎ اور اسلئے بھی کہ امام کا ، ربنا لک الحمد، مقتدی کے ، ربنا لک الحمد، کے بعد ہو جائے گا، اور یہ امامت کے موضوع کے خلاف ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دوسری دلیل عقلی ہے، کہ امام کے سمع الله لمن حمده کہنے کے فوراً بعد مقتدی ربنا لک الحمد، کہے گا اور امام مقتدی کے کہنے کے بعد ربنا لک الحمد، کہہ سکے گا تو امام مقتدی کے تابع ہو گیا۔ حالانکہ امام کو مقتدی سے پہلے ہونا چاہئے یہاں مقتدی پہلے ہو گیا اسلئے بھی امام ربنا لک الحمد، نہیں کہیں گے۔ یہ امام کے عہدے کے خلاف ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اور صاحبین نے جو روایت پیش کی ہے وہ منفرد ہونے کی حالت پر محمول ہے، اور منفرد دونوں ذکروں کو جمع کرے

والمنفرد يجمع بينهما في الاصح وان كان يروى الاكتفاء بالتسميع ۷ ويروى بالتحميد ۸ والامام بالدلالة عليه اتى به معنى (۲۸۱) قال ثم اذا استوى قائما كبّر وسجد

گا۔ صحیح روایت یہی ہے، اگر چہ یہ بھی روایت ہے کہ منفرد صرف سمع اللہ لمن حمدہ، پر اکتفاء کرے گا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبینؒ کو جواب ہے۔ صاحبین نے جو حدیث پیش کی جس میں ہے کہ امام تسمیہ اور تحمید دونوں کہے، تو اسکا جواب یہ ہے کہ وہ حدیث منفرد ہونے کی حالت کی ہے۔ اور یہ ہم بھی کہتے ہیں کہ آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو چونکہ وہ اپنے لئے امام بھی ہے اور مقتدی بھی ہے اسلئے وہ امام ہونے کی حیثیت سے سمع اللہ لمن حمدہ بھی کہے گا اور مقتدی ہونے کی حیثیت سے ربنا لک الحمد بھی کہے گا۔ اور یہ حدیث اسی منفرد ہونے کی حالت پر محمول ہے۔۔ اگر چہ ایک روایت یہ ہے کہ منفرد صرف سمع اللہ لمن حمدہ، کہے گا۔ اس روایت کے اعتبار سے یہ تاویل ممکن نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۷ اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ منفرد صرف ربنا لک الحمد کہے گا۔ سمع اللہ لمن حمدہ نہیں کہے گا ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ سمع اللہ لمن حمدہ کہتے ہوئے منفرد کھڑا ہوگا، اب ربنا لک الحمد کہنے جائے گا تو وہ سیدھا کھڑا ہو چکا ہوگا، اور سیدھے کھڑا ہوتے وقت کوئی ذکر مسنون نہیں ہے اسلئے بہتر یہ ہے کہ منفرد صرف ربنا لک الحمد کہے تا کہ یہ کہتے کہتے وہ سیدھے کھڑے ہونے تک چلا جائے۔ لیکن یہ روایت کمزور ہے اسلئے کہ سیدھا کھڑا ہو جانے پر ربنا لک الحمد پڑھنے کا ثبوت حدیث میں ہے۔ **سمع ابا هريرة يقول : كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة يكبر حين يقوم ثم يكبر حين يركع ، ثم يقول سمع الله لمن حمده ، حين يرفع صلبه من الركوع ، ثم يقول و هو قائم ربنا لك الحمد** ۔ (بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود، ص ۱۰۹، نمبر ۷۸۹) اس حدیث میں ہے کہ سیدھا کھڑا ہونے کے بعد ربنا لک الحمد کہا۔ صحیح بات یہ ہے کہ منفرد دونوں کہے گا۔

ترجمہ: ۸ اور امام نے ربنا لک الحمد پر رہنمائی کی تو گویا کہ اسکو معنوی طور پر لے آیا۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے صاحبین کو جواب ہے۔ انہوں نے کہا تھا امام مقتدی کو سمع اللہ لمن حمدہ، کہہ کر ربنا لک الحمد کی ترغیب دی اور خود ربنا لک الحمد نہ کہے تو یہ اچھا نہیں ہے۔ تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ جب امام نے ترغیب دے دی تو مقتدی کا ربنا لک الحمد کہنا گویا کہ امام کا بھی کہنا ہو گیا، اور معنوی طور پر امام نے بھی ربنا لک الحمد کہہ دیا، اسلئے اب امام کو ربنا لک الحمد کہنا ضروری نہیں رہا۔

لغت : موتم : مقتدی۔ فی نفسہ : دل دل میں کہے۔ حرض : دوسروں کو ترغیب دے۔ ینسی : بھول جائے۔ موضوع : مقام، عہدہ۔ تسمیع : سمع اللہ لمن حمدہ، کے مختصر کو تسمیع کہتے ہیں۔ تحمید : ربنا لک الحمد، کے مختصر کو تحمید کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۲۸۱) پس جب کہ سیدھا کھڑا ہو جائے تو تکبیر کہے اور سجدہ کرے۔

۱؎ اما التكبير والسجود فلما بينا ۲؎ واما الاستواء قائما فليس بفرض وكذا الجلسة بين السجدتين والطمانينة في الركوع والسجود وهذا عندابي حنيفةؒ ومحمدؒ

ترجمه: ۱؎ بہر حال تکبیر اور سجدہ کے مسئلے تو ہمنے پہلے بیان کیا ہے۔

تشریح: رکوع سے جب سیدھا کھڑا ہو جائے تو اللہ اکبر کہہ کر سجدے میں جائے۔ سجدے میں جاتے ہوئے تکبیر کہنے کی دلیل والی حدیث پہلے گزر چکی ہے (۱)۔عن عبد الله بن مسعودؓ قال : كان رسول الله ﷺ يكبر في كل خفض و رفع ، و قيام و قعود ، و أبو بكر و عمر ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التکبیر عندالرکوع والسجود، ص۵۹، نمبر۲۵۳ رنسائی شریف، باب التکبر للسجود، ص۱۵۰ ،نمبر۱۰۸۴ رابوداود شریف، باب تمام التکبیر ،ص۱۲۹، نمبر۸۳۶)۔اس حدیث میں ہے کہ ہر جھکتے وقت تکبیر کہے۔(۲)سمع ابا هريرة يقول : كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة يكبر حين يقوم ....ثم يكبر حين يهوى ، ثم يكبر حين يرفع رأسه ، ثم يكبر حين يسجد ، ثم يكبر حين يرفع رأسه ۔(بخاری شریف، باب التکبیر اذا قام من السجود، ص۱۰۹، نمبر۷۸۹)اس حدیث میں ہے کہ سجدہ میں جاتے وقت تکبیر کہے۔

اور سجدہ کرے اسکی دلیل یہ آیت ہے۔ يأ يها الذين آمنو اركعوا و اسجدوا و اعبدوا ربكم (آیت ۷۷، سورۃ الحج ۲۲) اس آیت میں ہے کہ سجدہ کرو۔

ترجمه: ۲؎ [۱] بہر حال قومہ میں سیدھا کھڑا ہونا تو فرض نہیں ہے۔[۲] ایسے ہی دو سجدوں کے درمیان جلسہ [۳] اور رکوع اور سجدے کو اطمینان سے کرنا فرض نہیں ہے، یہ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : رکوع سے سیدھا کھڑا ہونا جسکو قومہ کہتے ہیں اسکو اطمینان سے کرنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض نہیں ہے۔البتہ حدیث کی بنا پر سنت ہے۔[۲] اسی طرح دو سجدوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھنا جسکو جلسہ کہتے ہیں سنت ہے [۳] اور رکوع اور سجدے کو اطمینان سے کرنا جسکو تعدیل ارکان کہتے ہیں۔ یہ فرض نہیں ہیں ایک روایت میں واجب ہے اور دوسری روایت میں سنت ہے۔

وجه: (۱) آیت میں ہے کہ رکوع کرو اور سجدہ کرو اور صرف جھک جانے کو رکوع کہتے ہیں۔اسی طرح پیشانی کو صرف زمین پر رکھ دینے کو سجدہ کہتے ہیں ۔اسکے لئے یہ اثر ہے۔سألت عطاء عن ادنى ما يجوز من الركوع و السجود فقال : اذا وضع جبهته على الارض . ووضع يديه على ركبتيه . دوسرے اثر میں ہے۔ عن عمر قال اذا وضع الرجل جبهته بالارض أجزأه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹ فی أدنی مایجزی من الرکوع والسجود، ج اول، ص۲۲۶، نمبر۲۵۸۴ رنمبر۲۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ زمین پر پیشانی رکھ دی بس سجدے کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔اسی طرح گھٹنے پر ہاتھ رکھ دیا، رکوع کے لئے اتنا ہی کافی

۳؎ وقال ابويوسفؒ يفترض ذلک کلهٗ وهو قول الشافعیؒ لقوله علیه السلام قم فصلّ فانّک لم تصلّ قاله لاعرابی حین اخفّ الصّلوة

ہے۔اسلئے آیت کی بناپر اتنا ہی فرض ہوگا،اوراس سے جوزیادہ ہے حدیث کی بناپر وہ سنت ہوگا۔

البتہ حدیث کی بناپر تعدیل ارکان واجب ہوگا۔حدیث یہ ہے۔**عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوة لا یقیم الرجل فیها صلبه فی الرکوع و فی السجود** (ترمذی شریف،باب ماجاء فی من لایقیم صلبه فی الرکوع ولاالسجود ص۶۱ نمبر ۲۶۵ /ابوداؤدشریف،باب صلوة من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵/بخاری شریف،باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعه بالاعادة ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳)ان احادیث سے امام ابوحنیفہؒ تعدیل الارکان کوواجب قرار دیتے ہیں ۔کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں ہوگی۔(۲)**عن ابی هریرة عن النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فرد النبی ﷺ علیه السلام فقال: ارجع فصل فانک لم تصل ....ثم ارکع حتی تطمئن راکعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائما ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ، ثم افعل ذالک فی صلاتک کلها** ۔ (بخاری شریف،باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعه بالاعادة ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳/ترمذی شریف،باب ماجاء فی من لایقیم صلبه فی الرکوع ولاالسجود ص۶۱ نمبر ۲۶۵)ابوداودشریف میں اس حدیث کے آخر میں یہ بھی زیادہ ہے۔**و قال فی آخره : اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک ، و ما انتقصت مَن هذا شیئاً فانما انتقصته من صلاتک** .(ابوداؤدشریف،باب صلوة من لایقیم صلبه فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵/) اس حدیث میں تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔اس سے حنفیہ یہ ثابت کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان واجب ہے،اوراسی حدیث سے حضرت امام ابویوسفؒ اورامام شافعیؒ ثابت کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

ترجمہ: ۳؎ اورامام ابویوسفؒ نے فرمایا کہ یہ سب فرض ہیں اوریہی قول امام شافعیؒ کا ہے۔حضورؐ کے قول کی وجہ سے،کہ کھڑے ہواور دوبارہ نماز پڑھو،اسلئے کہ تم نے نماز نہیں پڑھی۔یہ بات حضورؐ نے ایک اعرابی سے فرمایا تھاجب انہوں نے تخفیف کے ساتھ نماز پڑھی۔

تشریح : حضرت امام ابویوسفؒ اورحضرت امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قومہ،جلسہ،کواطمینان کے ساتھ کرنا۔اوررکوع اورسجدے کو اطمینان کے ساتھ کرنا یہ سب فرض ہیں۔کیونکہ ایک دیہاتی مسجد میں تشریف لائے اورجلدی جلدی نماز پڑھی تو آپؐ نے تین مرتبہ انکوواپس فرمایا،اورفرمایا کہ جاؤ دوبارہ نماز پڑھو کیونکہ گویا کہ تم نے نماز ہی نہیں پڑھی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بغیر اطمینان کے نماز

۴؎ ولهما ان الركوع هو الانحناء والسجود هو الانخفاض لغةً فيتعلق الركنية بالادنى فيهما وكذا فى الانتقال اذهو غير مقصود ۵؎ وفى اٰخر ماروى تسميته اياه صلوٰة حيث قال وما نقصتَ من هٰذا شيئا

ہی نہیں ہوگی، کیونکہ وہ فرض ہے۔ حدیث اوپر گزر گئی۔ حضرت امام شافعیؒ کا مسلک موسوعۃ میں اس طرح ہے۔ قال الشافعیؒ : و لا يجزى مصليا قدر على أن يعتدل قائما اذا رفع رأسه من الركوع شيء دون أن يعتدل قائما ، اذا كان من قدر على القيام ، و ما كان من القيام دون الاعتدال لم يجزئه ۔(موسوعۃ امام شافعی، باب کیف القیام من الرکوع، ج ثانی، ص ۱۷۴، نمبر ۱۴۱۱) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان انکے یہاں فرض ہے۔

نوٹ : امام شافعیؒ کے یہاں فرض کے بعد سیدھا سنت کا درجہ ہے درمیان میں واجب کا درجہ نہیں ہے۔ اس لئے جب کسی حدیث میں تاکید ہوتی ہے تو سیدھا وہ اس کی فرضیت کی طرف جاتے ہیں۔ اور امام ابو حنیفہ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ ہے اس لئے بہت زیادہ تاکید ہوتی ہے تو فرض ہوتا ہے۔ اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو واجب ہوتا ہے۔ اور اس سے کم تاکید ہوتی ہے تو سنت ہوتا ہے۔ اسی اصولی فرق کی بنا پر امام ابو حنیفہ اور شافعیؒ کے درمیان اختلاف ہوا ہے۔

ترجمہ : ۴؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ رکوع لغت میں صرف جھکنے کا نام ہے، اور سجدہ صرف پست ہونے کا نام ہے، اسلئے فرض ان دونوں میں ادنی کے ساتھ تعلق رکھے گا، اور یہی حال ہے منتقل ہونے میں اسلئے کہ وہ مقصود نہیں ہے۔

تشریح : یہ طرفین کی دلیل ہے۔ کہ آیت میں وارکعوا : رکوع کرنے کے لئے کہا ہے اسلئے صرف رکوع کرنا فرض ہوگا۔ اور رکوع صرف جھک جانے کو کہتے ہیں عن مجاهد قال : اذا وضع يديه على ركبتيه أجزأه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹ فی أدنی ما یجزی من الرکوع والسجود، ج اول، ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ صرف ہاتھ گھٹنے پر رکھ دینے کو رکوع کہتے ہیں۔ اسلئے صرف جھک جانے سے رکوع ادا ہو جائے گا اور اتنا ہی فرض ہوگا۔ اس سے زیادہ واجب ہوگا۔ اسی طرح صرف پست ہونے کو سجدہ کہتے ہیں اسلئے آیت واسجدوا کے اعتبار سے صرف پست ہونے سے فرض ادا ہو جائے گا، اور اس سے زیادہ سنت ہوگا۔ اثر میں ہے۔ عن عمر قال اذا وضع الرجل جبهته بالارض أجزأه (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹ فی أدنی ما یجزی من الرکوع والسجود، ج اول، ص ۲۲۶، نمبر ۲۵۸۴ رنمبر ۲۵۸۰) اس اثر میں ہے کہ صرف پیشانی کو زمین پر رکھ دینے کو سجدہ کہتے ہیں۔ باقی رہا قومہ اور جلسہ کے لئے منتقل ہونا تو یہ اصل مقصود نہیں ہیں، یہ تو ایک فرض سے دوسرے فرض کی طرف منتقل ہونے کے لئے ہیں اسلئے یہ بھی فرض نہیں ہونگے۔

ترجمہ: ۵؎ اور امام شافعیؒ نے جو روایت کی اسکے آخر میں اسکو نماز کہا ہے .و ما انتقصت من هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتك .: اس میں سے جو کم کیا تو نماز میں سے کم کیا۔

فقد نقصت من صلاتک ٦ ثم القومة والجلسة سنة عندهما وكذا الطمانينة فى تخريج الجرجانىؒ ۷ وفى تخريج الكرخىؒ واجبة حتىٰ تجب سجدتا السهو بتركها عنده (۲۸۲) ويعتمد بيديه على الارض ﴾

تشـــريـح : یہ امام شافعیؒ کی حدیث کا جواب ہے۔کہ امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث میں اگر چہ آپ ﷺ نے نماز جلدی پڑھنے پر دیہاتی کو نماز لوٹانے کے لئے فرمایا، تاہم اسکو آپ ﷺ نے فرمایا کہ نماز، ہے، حدیث کا آخری ٹکڑا یہ ہے۔و ما انتقصت مِن هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتک . (ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵) اس حدیث میں اسکو نماز فرمایا، جس سے معلوم ہوا کہ بہر حال وہ نماز ہے، اسلئے اسکے اشارۃ النص سے معلوم ہوا کہ تعدیل ارکان فرض نہیں ہے۔

ترجمه : ٦ پھر قومہ اور جلسہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک سنت ہیں۔اور ایسے ہی اطمینان سے نماز پڑھنا حضرت ابو عبد اللہ جرجانی کی تخریج میں۔

تشريح : رکوع سے جب کھڑے ہوتے ہیں جسکو قومہ کہتے ہیں۔اور دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھتے ہیں جسکو جلسہ کہتے ہیں یہ دونون طرفین کے نزدیک سنت ہیں۔اسکی وجہ اوپر گزر چکی ہے کہ صرف جھک جانے کا نام رکوع ہے جو فرض ہے اور اس سے جو زیادہ ہے وہ حدیث کی بنا پر سنت ہوگی۔اسی طرح صرف زمین پر سر رکھ دینے کا نام سجدہ ہے جو فرض ہے اور اس سے جو زیادہ ہے وہ حدیث کی بنا پر سنت ہوگی۔

اور اطمینان سے رکوع سجدہ کرنا جسکو تعدیل ارکان کہتے ہیں، یہ حضرت ابو عبد اللہ جرجانی کی تخریج کے اعتبار سے سنت ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ حدیث سے ثابت ہے اسلئے اسکو سنت ہونا چاہئے۔

ترجمه : ۷ اور کرخیؒ کی تخریج میں تعدیل ارکان واجب ہے۔یہاں تک کہ اسکے چھوڑنے سے انکے یہاں سجدہ سہو واجب ہو گا۔

تشريح : رجحان یہی ہے کہ تعدیل ارکان واجب ہو اسلئے کہ اعرابی نے تعدیل ارکان نہیں کی تو انکو نماز لوٹانے کا حکم فرمایا۔

ترجمه: (۲۸۲) سجدہ میں دونوں ہاتھوں کے ذریعہ سے زمین پر ٹیکے۔

تشـــريـح : سجدہ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پیشانی اور ناک زمین پر رکھے اور دونوں ہاتھوں کو بھی زمین پر رکھے اس طرح کہ چہرہ دونوں ہتھیلیوں کے درمیان ہو اور سرین اونچا ہو۔

وجه : (۱) عن البراء قال قال رسول الله ﷺ اذا سجدت فضع كفيک وارفع مرفقيک (مسلم شریف،

ل لان وائل بن حجرؓ وصف صلوٰة رسول اللہ ﷺ فسجد وادّ عم على راحتيه ورفع عجيزته (۲۸۳) ووضع وجهه بين كفيه ويديه حذاء اذنيه ل لما روى انه علیہ السلام فعل كذٰلک

باب الاعتدال فی السجود وضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۴/۱۱۰۴) اس حدیث میں ہے کہ سجدہ کرے تو دونوں ہتھیلیوں کو زمین پر رکھے۔(۲) عن ابن عباسؓ قال قال النبی ﷺ : أمرت أن اسجد على سبعة أعظم على الجبهة۔و أشار بيده على أنفه۔و اليدين و الركبتين و أطراف القدمين ۔(بخاری شریف، باب السجود علی سبعۃ أعظم ص ۱۱۳ نمبر ۸۱۲) اس حدیث میں ہے کہ سات عضو پر سجدہ کرے اور ان میں سے دونوں ہاتھ بھی ہیں۔

ترجمه : ل اسلئے کہ حضرت وائل ابن حجر نے حضورؐ کی نماز کی صفت بیان کی کہ حضورؐ نے سجدہ فرمایا، اور اپنے دونوں ہتھیلیوں کو ٹیکا، اور سرین کو اونچا کیا۔

تشريح : اس حدیث کا مفہوم تو اوپر کی حدیث میں گزر گیا، البتہ ان الفاظ کے ساتھ دو حدیثوں کا مجموعہ ہے۔

حدیث یہ ۔عن ابن عمر قال :قال رسول الله ﷺ : لا تبسط ذراعيک و ادعم على راحتيک و تجاف عن ضبعيک ۔(مستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول، ص ۳۵۰، نمبر ۸۲۷/مصنف عبد الرزاق، باب السجود، ج ثانی، ص ۱۷۰، نمبر ۲۹۲۷) اس حدیث میں ہے وادعم علی راحتیک ۔کہ اپنے دونوں ہتھیلیوں پر ٹیک لگایا۔اور دوسرا ٹکڑا یہ ہے۔وصف لنا البراء ابن عاذب فوضع يديه و اعتمد على ركبتيه و رفع عجيزته و قال هكذا كان رسول الله ﷺ يسجد ۔(ابو داود شریف، باب صفۃ السجود، ص ۱۳۸، نمبر ۸۹۶) اس حدیث میں ہے ورفع عجيزته، کہ اپنے سرین کو بلند کیا۔اور ہاتھ زمین پر رکھنے کا بھی تذکرہ ہے۔

لغت : ادعم: اصل میں ادتعم ہے، ہتھیلی پر ٹیک لگانا۔راحۃ: ہتھیلی۔عجیزۃ: سرین، پچھلا حصہ۔

ترجمه: (۲۸۳) اور چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے اور دونوں ہاتھوں کو دونوں کانوں کے سامنے رکھے۔

ترجمه: ل اسلئے کہ روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایسا کیا ہے۔

وجه : (۱) حدیث میں ہے۔قلت للبراء بن عازب این کان النبی ﷺ يضع وجهه اذا سجد بين كفيه فقال بين كفيه (ترمذی شریف، باب ماجاء این وضع الرجل وجہہ اذا سجد ص ۶۲ نمبر ۲۷۱/مسلم شریف، باب وضع یدہ الیمنی علی الیسری بعد تکبیرۃ الاحرام، الخ ص ۱۷۳، نمبر ۸۹۶/۴۰۱) اس حدیث میں ہے کہ سجدے کے وقت چہرے کو دونوں ہتھیلیوں کے درمیان رکھے۔(۲) ابوداؤد شریف میں اس طرح ہے۔عن عبد الجبار بن وائل عن ابيه عن النبی ﷺ فلما سجد وضع جبهته بين كفيه و جافى عن ابطيه (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص ۱۱۴ نمبر ۷۳۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کے

(۲۸۴) قال وسجد على انفه ﴾ ل وجبهته لان النبى عليه السلام واظب عليه

(۲۸۵) فان اقتصر علىٰ احدهما جاز عند ابى حنيفة وقالا لايجوز الاقتصار على الانف الامن عذر ﴾

وقت چہرہ ہتھیلی کے درمیان رکھے۔اور ہاتھ کان کے سامنے رکھے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔عن وائل بن حجر قال : رمقت رسول الله ﷺ فلما سجد كانت يداه حذو أذنيه (مصنف عبدالرزاق، باب موضع الیدین، ج ثانی، ص ۱۷۵، نمبر ۲۹۴۸ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبھۃ والانف، ص ۶۳، نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ کان کے سامنے رکھے۔ اور ہتھیلی کو زمین پر رکھ کر دونوں کہنیوں کو زمین سے اونچی رکھیں اور بغل سے علیحدہ رکھیں۔اس کی دلیل یہ حدیث ہے عن البراء قال قال رسول الله ﷺ اذا سجدت فضع كفيك وارفع مرفقيك وفى حديث آخر اذا صلى فرج بين يديه حتى يبدو بياض ابطيه مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵ / ۱۱۰۴ / ۱۱۰۵ / بخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی فی السجود نمبر ۸۰۷) اس حدیث میں ہے کہ کہنیوں کو اونچا رکھے اور پہلو سے الگ رکھے۔

ترجمہ : (۲۸۴) اپنی ناک پر اور پیشانی پر سجدہ کرے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ نبی علیہ السلام نے ایسا کیا ہے۔

وجہ : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔(۱) عن ابى حميد الساعدى : أن النبى ﷺ كان اذا سجد أمكن أنفه و جبهته من الارض و نحى يديه عن جنبيه ، ووضع كفيه حذو منكبيه . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبھۃ والانف، ص ۶۳، نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔(۲) عن ابن عباس قال قال النبى ﷺ امرت ان اسجد على سبعة اعظم على الجبهة -واشار بيده على انفه -واليدين والركبتين واطراف القدمين (بخاری شریف، باب السجود علی الانف ص ۱۱۲ نمبر ۸۱۲ / مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کفی الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۴۹۰ / ۱۰۹۹) اس حدیث میں ہے کہ ناک اور پیشانی پر سجدہ کرے۔(۳) عن ابن عباس ، عن النبى ﷺ قال : لا صلوة لمن لم يضع أنفه على الارض . (دار قطنی، باب وجوب وضع الجبهة والانف، ج اول، ص ۳۴۱، نمبر ۱۳۰۳ / مستدرک للحاکم، کتاب الصلوۃ، ج اول، ص ۴۰۴، نمبر ۹۹۷) اس حدیث میں ہے کہ جب تک ناک زمین پر نہ لگائے نماز نہیں ہوگی۔

ترجمہ : (۲۸۵) پس اگر دونوں میں سے ایک پر اکتفا کر لیا تو جائز ہے ابو حنیفہؒ کے نزدیک۔اور صاحبین نے فرمایا کہ ناک پر اکتفاء کرنا جائز نہیں ہے مگر عذر کی بنا پر۔

تشریح: ناک اور پیشانی دونوں پر سجدہ کرنا چاہئے۔لیکن اگر دونوں میں سے کسی ایک پر یعنی صرف ناک پر یا صرف پیشانی پر اکتفا کیا تب بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔البتہ کمی رہ جائے گی۔لیکن امام صاحبین کے نزدیک پیشانی اصل ہے اس لئے صرف پیشانی پر

۱؎ وهو رواية عنه لقوله عليه السلام :امرت ان اسجد على سبعة اعظم، وعدمنها الجبهة

سجدہ کرلیا تو سجدہ ہو جائیگا۔اور اگر صرف ناک پر سجدہ کیا اور پیشانی پر کوئی عذر نہیں ہے تو سجدہ ادا نہیں ہوگا۔کیونکہ اس نے اصل پر سجدہ نہیں کیا۔

وجہ: امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے۔(۱) وہ فرماتے ہیں کہ چہرے کو رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا چاہے پیشانی ٹیکے یا ناک ٹیکے سر کا زمین پر رکھنا پایا گیا، چہرہ رکھنے سے سجدہ ادا ہوگا اسکی دلیل یہ حدیث ہے **قلت للبراء بن عازب این کان النبی ﷺ یضع وجهه اذا سجد فقال بین کفیه** (ترمذی شریف، باب ماجاء این وضع الرجل وجهه اذا سجد ص ۶۲ نمبر ۲۷۱/مسلم شریف، باب وضع یده الیمنی علی الیسری بعد تکبیرة الاحرام، الخ ص ۱۷۳، نمبر ۸۹۶/۴۰۱) (۲) **عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول الله ﷺ یقول : اذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب : وجهه و کفاه و رکبتاه و قدماه** ۔(ابوداود شریف، باب اعضاء السجود، ص ۱۳۷، نمبر ۸۹۱/ابن ماجة شریف، باب السجود، ص ۱۲۵، نمبر ۸۸۵) ان احادیث میں وجہ کا لفظ ہے جسکا مطلب ہوا کہ چہرہ رکھنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا، چاہے ناک رکھے یا پیشانی۔(۳) چنانچہ حدیث میں پیشانی اور ناک دونوں کے رکھنے کا تذکرہ موجود ہے۔حدیث میں ہے **عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی الجبهة۔ واشار بیده علی انفه ۔ والیدین والرکبتین واطراف القدمین** (بخاری شریف، باب السجود علی الانف ص ۱۱۲ نمبر ۸۱۲/مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنهی عن کفی الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۱۰۹۸/۴۹۰/ترمذی شریف، باب ماجاء فی السجود علی الجبهة والانف ص ۶۱ نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں سات عضو پر سجدہ کرنے کا حکم ہے، اب اگر پیشانی کو الگ عضو گنتے ہیں تو آٹھ عضو ہو جاتا ہے، اور حضورؐ نے پیشانی کا تذکرہ کرتے وقت ناک کی طرف اشارہ کیا جسکا مطلب یہ ہوا کہ ناک پیشانی کا بدل بن سکتی ہے، اسلئے اسکے اشارۃ النص سے ثابت ہوا کہ ناک، یا پیشانی دونوں میں سے کسی ایک پر بھی سجدہ کر لے تو سجدہ ہو جائے گا اگر چہ اچھا نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اور یہی ایک روایت حضرت امام ابوحنیفہؒ سے بھی ہے۔حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ مجھکو سات عضو پر سجدہ کرنے کا حکم دیا گیا اور ان میں سے ایک پیشانی کو بھی شمار کیا۔

تشریح : صاحبین کا قول یہ ہے کہ کہ عذر نہیں ہے پھر بھی صرف ناک پر سجدہ کیا تو سجدہ جائز نہیں ہوگا، اور یہی ایک قول امام ابوحنیفہؒ کا ہے۔

وجہ: صاحبین فرماتے ہیں کہ سجدہ میں اصل پیشانی ہے۔ناک فرع ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر نہیں ٹکایا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا (۱) انکی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابن عباس قال قال النبی ﷺ امرت ان اسجد علی سبعة اعظم علی**

۲ ولابی حنیفةؒ ان السجود یتحقق بوضع بعض الوجه وهو المأمور به الا ان الخد والذقن خارج بالاجماع ۳ والمذکور فیما روی الوجه فی المشهور ۴ ووضع الیدین والرکبتین سنة عندنا لتحقق السجود دونهما

الجبهة. (بخاری شریف، انمبر۸۱۲ر مسلم شریف، نمبر ۱۰۹۸/۴۹۰ر ترمذی شریف، نمبر ۲۷۰) اس حدیث میں ہے کہ پیشانی پر سجدہ کرو۔(۲) بعض حدیث میں صرف پیشانی کا تذکرہ ہے۔عن ابن عباس قال امر النبی علیہ ان یسجد علی سبعة اعضاء ولا یکف شعرا ولا ثوبا، الجبهة والیدین والرکبتین والرجلین (بخاری شریف، باب السجود علی سبعۃ اعظم ص۱۱۲ نمبر ۸۰۹ر مسلم شریف، باب اعضاء السجود والنھی عن کف الشعر ص ۱۹۳ نمبر ۱۰۹۹/۴۹۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پیشانی اصل ہے اس لئے بغیر عذر کے پیشانی پر سجدہ نہ کرنے سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔

ترجمه: ۲ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ سجدہ بعض چہرہ کے رکھنے سے متحقق ہو جاتا ہے، اور اسی کا آیت میں حکم دیا گیا ہے۔مگر یہ کہ گال اور ٹھوڑی بالاتفاق اس میں داخل نہیں ہے۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ آیت میں سجدے کا حکم دیا گیا ہے اور اوپر حدیث سے پتہ چلا کہ چہرہ زمین پر رکھ دینے سے سجدہ ادا ہو جائے گا اور چہرے کا تمام حصہ رکھنا ضروری نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ گال اور ٹھوڑی تمام ائمہ کے نزدیک سجدے میں داخل نہیں ہے، چنانچہ کوئی گال یا ٹھوڑی رکھے گا تو سجدہ ادا نہیں ہوگا، یہ بالاتفاق سے خارج ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ چہرے کا بعض حصہ ہی سجدے میں داخل ہے، اور جب کافی ہے تو ناک یا پیشانی کسی پر سجدہ کرلے گا تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔

ترجمه: ۳ اور جو کچھ صاحبین نے روایت کی ہے تو مشہور حدیث میں وجہ (چہرے) کا لفظ ہے۔

تشریح : صاحبینؒ نے حدیث پیش کی تھی کہ حدیث میں پیشانی رکھنے کا حکم ہے، تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ مشہور حدیث میں جبھۃ کا لفظ نہیں ہے، یہ بعض حدیث میں ہے، بلکہ مشہور حدیث میں وجـــه کا لفظ ہے، یعنی چہرے کا کوئی حصہ ناک، یا پیشانی رکھنے سے سجدہ ادا ہو جائے گا ۔حدیث یہ ہے۔ کان النبی علیہ یضع وجهه اذا سجد (ترمذی شریف، نمبر ۲۷۱ر مسلم شریف ا، نمبر ۸۹۶/۴۰۱)۔

ترجمه : ۴ سجدہ کے وقت دونوں ہاتھوں اور دونوں گھٹنوں کو رکھنا ہمارے نزدیک سنت ہے۔اسلئے کہ سجدہ انکو رکھے بغیر بھی متحقق ہو جائے گا۔

تشریح : سجدے کے وقت چہرہ رکھنا تو فرض ہے، لیکن دونوں ہاتھ اور دونوں گھٹنے زمین پر رکھنا سنت ہے، اگر کسی نے نہیں رکھا تو فرض کی ادائیگی ہو جائے گی البتہ سنت چھوڑنے کی وجہ سے کراہیت ہوگی۔

۵ واما وضع القدمين فقد ذكر القدوريؒ انه فريضة فى السجود (۲۸۶) فان سجدعلى كورعمامته اوفاضل ثوبه جاز ۞ لِ لان النبى عليه السلام كان يسجد على كورعما مته

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ آیت میں سجدہ کرنے کا حکم ہے، اوراثر میں ہے کہ زمین پر پیشانی رکھ دینے سے سجدہ ادا ہوجا تا ہے ، اثر یہ ہے۔ عن عمر قال اذا وضع الرجل جبهته بالارض أجزأه (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۹فی اُدنی مایجزی ءمن الرکوع والسجود ، ج اول ،ص ۲۲۶ ،نمبر۲۵۸۴ /نمبر ۲۵۸۰) ، اسلئے اس سے زیادہ جوحدیث سے ثابت ہے وہ سنت ہوگی ۔(۲) ۔اسلئے کہ کوئی ہاتھ اور گھٹنے زمین پر نہ رکھے تب بھی سجدہ کرناممکن ہے ، چونکہ ان دونوں کا رکھنا ضروری نہیں اسلئے یہ فرض بھی نہیں ہونگے ۔ (۳) حدیث کے انداز سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونوں سنت ہیں ، کیونکہ حدیث میں ہے جب سجدہ کرتے ہیں تو یہ اعضاء بھی سجدہ کرتے ہیں ،حدیث یہ ہے ۔عن العباس بن عبد المطلب أنه سمع رسول الله ﷺ يقول : اذا سجد العبد سجد معه سبعة آراب : وجهه ، و كفاه ، و ركبتاه ، و قدماه . (ابوداود شریف ،باب اُعضاء السجود ،ص ۱۳۷ ،نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ اور گھٹنے بھی سجدہ کرتے ہیں ، جس سے معلوم ہوا کہ انکا رکھنا فرض نہیں ہے ۔

ترجمہ : ۵ بہرحال دونوں قدموں کا رکھنا تو قدوری نے ذکر کیا ہے کہ وہ سجدے میں فرض ہے ۔

تشریح : دونوں قدموں کا زمین پر رکھنا فرض ہے قدوری میں نہیں ملا ۔ البتہ نورالایضاح میں ہے ،عبارت یہ ہے ۔وضع شیء من اصابع الرجلين حالة السجود على الارض ، و لا يكفى وضع ظاهر القدم ۔(نورالایضاح ،باب شروط الصلوۃ و ارکانھا ،ص ۸۷) اس عبارت میں ہے کہ قدم کی انگلیوں کو زمین پر رکھنا فرض ہے ۔اور امام کرخیؒ کا بھی مسلک یہی ہے ۔اسکی وجہ یہ ہے کہ گھٹنا یا قدم دونوں میں سے ایک کو رکھے بغیر سجدہ کرنا ناممکن ہے اسلئے جو سجدے کے لئے ضروری ہو وہ فرض ہوگا ، اور گھٹنے اور قدم میں سے قدم اصل ہے اور گھٹنا تابع ہے اسلئے قدم کا رکھنا فرض ہوا ۔ قاضی خاں اور تمرتاشیؒ نے فرمایا کہ جس طرح گھٹنا رکھنا سنت ہے اسی طرح قدم کا رکھنا بھی سنت ہے ۔ کیونکہ اوپر گزرا کہ سجدہ صرف چہرے کے رکھنے کا نام ہے ۔

لغت : جبھۃ : پیشانی ۔خد : گال ۔ ذقن : ٹھوڑی ۔ رکبۃ گھٹنا ۔

ترجمہ : (۲۸۶) اگر پگڑی کے کنارے پر یا کپڑے کے زائد حصے پر سجدہ کیا تو جائز ہے ۔

وجہ : حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال كنا نصلى مع النبى ﷺ فيضع احد نا طرف الثوب من شدة الحر فى مكان السجود ۔(بخاری شریف باب السجود علی الثوب فی شدۃ الحر ص ۵۶ نمبر ۳۸۵ /نسائی شریف ،باب السجود علی الثیاب ص ۱۲۵ نمبر ۱۱۱۷ /ابوداؤد شریف ، باب الرجل یسجد علی ثوبہ ص ۱۰۳ نمبر ۶۶۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عمامہ کے کنارے پر سجدہ کرنے سے سجدہ ادا ہوجائے گا ۔

ترجمہ : لِ اسلئے کہ حضورؐ عمامے کے کنارے پر سجدہ کیا کرتے تھے ۔حدیث یہ ہے ۔ أنه سمع ابا هريريقول : كان

۲ ویروی انه علیہ السلام صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض وبردها (۲۸۷) ویبدی ضبعیه ﴿ ا لقوله علیہ السلام وابد ضبعیک ۲ ویروی وابّد من الابداد وهو المدّ والاول من الابداء وهو

رسول الله ﷺ یسجد علی کور عمامته ۔ (مصنف عبدالرزاق، باب السجود علی العمامة، ج اول ص ۴۰۰، نمبر ۱۵۶۴)

ترجمه: ۲ روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ السلام ایک کپڑے میں نماز پڑھتے تھے اور اسکے باقی حصے سے زمین کی گرمی اور اسکی سردی سے بچتے تھے۔

تشریح :صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔ عن ابن عباس أن النبی ﷺ صلی فی ثوب واحد یتقی بفضوله حر الارض و بردها . (مصنف ابن ابی شیبة ،۲۴ فی الرجل یسجد علی ثوبہ من الحر والبرد، ج اول ص ۲۴۱، نمبر ۲۷۷۰ رمسند احمد، مسند عبداللہ بن عباس، ج اول، ص ۴۲۴، نمبر ۲۳۱۶) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ ایک کپڑے میں نماز پڑھتے اور اسکے بقایا سے زمین کی سردی اور گرمی سے بچتے تھے

لغت :کور :عمامہ کا پیچ، کنارہ ۔ یتقی: بچتا ہے ۔ فضول: باقی ماندہ ۔

ترجمه: (۲۸۷) دونوں بغلوں کو کشادہ رکھیں ۔

تشریح مرد اس طرح سجدہ کرے کہ بغل پیٹ سے دور رہے ۔ اور ران بھی پیٹ سے الگ رہے ۔

وجه : حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن مالک بن بحینة ان رسول الله ﷺ کان اذا صلی فرج بین یدیه حتی یبدو بیاض ابطیه . (بخاری شریف، باب یبدی ضبعیہ ویجافی جنبہ فی السجود ص ۵۶ نمبر ۸۰۷ رمسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود ووضع الکفین علی الارض ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بغل کو ران سے اور پیٹ سے اتنا الگ رکھے کہ آدمی پیچھے سے اس کی بغل کی سفیدی دیکھ سکے ۔

ترجمه : ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ بازو کو کشادہ کرو ۔

تشریح : سجدے کی حالت میں بازو کو بغل سے اتنا دور رکھے کہ بازو کشادہ معلوم ہو ۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔ قال رآنی ابن عمر و أنا اصلی ....و أبد ضبعیک فانک اذا فعلتَ ذالک سجد کل عضو منک ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب السجود، ج ثانی، ص ۱۷۰، نمبر ۲۹۲۷ رمستدرک للحاکم، کتاب الصلوة، ج اول، ص ۳۵۰، نمبر ۸۲۷) اس اثر میں اور مستدرک کے اعتبار سے حدیث میں ہے أبد ضبعیک ۔ کہ پہلو کو ہاتھ سے دور رکھو، یا پہلو کو ظاہر کرو ۔ اوپر کی حدیث سے بھی اسکی تائید ہو رہی ہے ۔

ترجمه: ۲ روایت کی گئی ہے ابدّ : ابداد سے، جسکا معنی ہے کھینچنا، اور پہلی روایت ہے ابداء، سے اسکا ترجمہ ہے ظاہر کرنا ۔

الاظهار (۲۸۸) ویجافی بطنه عن فخذیه ﴿ ا لانه علیه السلام کان اذا سجد جافی حتی ان بهمة لوارادت ان تمرّ بین یدیه لمرت ۲ وقیل اذا کان فی صف لایجا فی کیلا یؤذی جاره (۲۸۹) ویوجّه اصابع رجلیه نحو القبلة ﴿ ا لقوله علیه السلام اذا سجد المؤمن سجد کل عضو منه فلیوجه من اعضائه القبلة ما استطاع

تشریح : اوپر میں حدیث کا جو جملہ ہے، اُبدضبعیک، اسکے بارے میں لفظی تحقیق فرماتے ہیں کہ یہ اَبّد : ابداء سے مشتق ہے جسکا معنی ہے ظاہر کرنا۔ اورایک روایت میں ابدّ : ابداد سے مشتق آیا ہے، اسکا ترجمہ ہوگا مد، یعنی کھینچنا۔ اور دونوں کا مطلب ہے کہ بازو کو بغل سے دور رکھو۔

ترجمہ : (۲۸۸) اور پیٹ کو رانوں سے الگ رکھے۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ حضور علیہ السلام جب سجدہ کرتے تو ہاتھ کو ران سے کشادہ رکھتے یہاں تک کہ بکری کا بچہ ہاتھ کے درمیان سے گزرنا چاہے تو گزر جائے۔

تشریح : مرد سجدے کی حالت میں پیٹ کو ران سے دور رکھے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن میمونة : أن النبی ﷺ کان اذا سجد جافی بین یدیه حتی لو أن بهمة أرادت أن تمر تحت یدیه مرت** ۔(ابوداود شریف، باب صفة السجود، ص ۱۳۸، نمبر ۸۹۸/ مسلم شریف، باب الاعتدال فی السجود، ص ۱۹۳، نمبر ۴۹۶/۱۱۰۷) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ کو ران سے اتنا الگ رکھتے کہ بکری کا بچہ درمیان سے گزرنا چاہے تو گزر سکتا ہے۔ اور ہاتھ کو کتے کی طرح بچھا کر نہ رکھے۔

ترجمہ: ۲ کہا گیا ہے کہ اگر صف میں ہو تو بہت کشادہ نہ کرے تا کہ اپنے پڑوسی کو تکلیف نہ ہو۔

تشریح : اس حدیث سے استدلال کیا جا سکتا ہے۔ **عن أنس قال : اذا سجد قال النبی ﷺ : أعتدلوا فی سجودکم و لا یبسط أحدکم ذراعیه** ۔(مصنف ابن ابی شیبة، ۱۲۸ التجافی فی السجود، ج اول، ص ۲۳۲، نمبر ۲۶۵۵) اس حدیث میں ہے کہ بانہوں کو بہت نہ پھیلائے بلکہ درمیانی انداز میں رکھے، یہ صف کی حالت میں زیادہ بہتر ہے۔

لغت : ضبع : ضبع تثنیہ کا صیغہ ہے بغل، یجافی : دور رکھے۔ بھمة : بکرے کا بچہ۔ مر : گزرے۔ یوذی : تکلیف دے۔

ترجمہ: (۲۸۹) (سجدہ کی حالت میں) دونوں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ کرے۔

ترجمہ: ا حضورؐ کے قول کی وجہ سے، جب مومن سجدہ کرتا ہے تو اسکا ہر عضو سجدہ کرتا ہے اسلئے اپنے اعضاء کو جتنا ہو سکے قبلے کی طرف متوجہ کرے۔

تشریح : سجدے کی حالت میں پیر کی انگلیاں زمین پر ٹکی ہوں اور قبلے کی طرف متوجہ ہوں، کیونکہ حضورؐ ایسا کیا کرتے تھے۔

(۲۹۰) ویقول فی سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلثاً وذٰلک ادناه ﴾ ۱؎ لقوله علیه السلام واذا سجد احدکم فلیقل فی سجوده سبحان ربی الاعلیٰ ثلثا وذٰلک ادناه ای ادنی کمال الجمع ۲؎ ویستحب

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث کا مفہوم اس حدیث میں ہے۔(۱) یستقبل باطراف رجلیه القبلة قال ابو حمید عن النبی ﷺ . (بخاری شریف، باب یستقبل باطراف رجلیہ القبلۃ ص۱۱۲،نمبر۸۰۸) (۲) فقال ابو حمید الساعدیؓ انا کنت احفظکم لصلوة رسول الله ﷺ..... فاذا سجد وضع یدیه غیر مفترش ولا قابضهما واستقبل باطراف اصابع رجلیه القبلة . (بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشھد ص۱۱۴نمبر ۸۲۸رسنن للبیھقی ، باب ینصب قدمیہ و یستقبل باطراف اصابعھما القبلۃ ، ج ثانی ،ص ۱۶۷،نمبر۲۷۱۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سجدہ کی حالت میں پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف رکھنا چاہئے۔

ترجمه: (۲۹۰) سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہے اور یہ ادنی درجہ ہے۔

ترجمه: ۱؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے، کہ جب تم میں سے کوئی سجدہ کرے تو اپنے سجدے میں سبحان ربی الاعلی تین مرتبہ کہنا چاہئے ،اور یہ ادنی درجہ ہے۔یعنی جمع کے کمال کا ادنی درجہ ہے۔

تشریح : سجدے میں کم سے کم تین مرتبہ ،سبحان ربی الاعلی، کہنا چاہئے ،اس سے زیادہ پانچ مرتبہ، یا سات مرتبہ، یا نو مرتبہ کہے تو کہہ سکتا ہے البتہ اتنا خیال رکھے کہ طاق مرتبہ کہے، کیونکہ حضور کو یہی پسند تھا۔جمع کے کم سے کم درجے کا مطلب یہ ہے کہ پانچ مرتبہ اور سات مرتبہ اور نو مرتبہ بھی جائز ہے، جو جمع کا اونچا مرتبہ ہے، اسکے مقابلے پر تین مرتبہ ادنی مرتبہ ہے۔

وجه :صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابن مسعود ان النبی ﷺ قال ...اذا سجد فقال فی سجوده سبحان ربی الاعلی ثلث مرات فقد تم سجوده وذلک ادناه ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسبیح فی الرکوع والسجود ص۶۰ نمبر ۲۶۱رابوداؤد شریف، باب مایقول الرجل فی رکوعہ وسجودہ ص۱۳۳نمبر۸۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین مرتبہ سبحان ربی الاعلی کہنا چاہئے۔اور یہ ادنی مرتبہ ہے اس سے زیادہ کہے تو بہتر ہے، اسلئے کہ حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ کم سے کم درجہ ہے۔(۲) عن عقبه بن عامر قال: لما نزلت ﴿فسبح باسم ربک العظیم ﴾[آیت ۷۴ ،سورة الواقعة ۵۶]قال رسول الله ﷺ : اجعلوها فی رکوعکم) ، فلما نزلت ﴿سبح اسم ربک الاعلی ﴾[آیت ۱ ، سورة الاعلی۸۷]قال : اجعلوها فی سجودکم ۔(ابوداود شریف، باب مایقول فی رکوعہ وسجودہ،ص۱۳۴،نمبر۸۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں دعا آیت سے مستنبط ہیں۔

ترجمه : ۲؎ اور مستحب ہے کہ رکوع اور سجدے میں تین سے زیادہ مرتبہ تسبیح کہے،بس اتنی بات ہے کہ طاق پر ختم کرے۔

ان يـزيد على الثلث فى الركوع والسجود بعد ان يختم بالوتر ۳ لانه عليه السلام كان يختم بالوتر ۴ وان كـان امـامـا لايـزيـد عـلـىٰ وجـه يُمِلُّ القوم حتى لايُؤدِى الى التنفير ۵ ثـم تسبيـحات الركوع والسجود سنة لان النص تناولهما دون تسبيحاتهما فلا يزاد على النص

وجه : (۱) اوپر حدیث میں تھا, و ذلک ادناہ ۔(ترمذی شریف نمبر ۲۶۱) اس سے استدلال کرتے ہوئے فرمایا کہ تین سے زیادہ کہنا مستحب ہے (۲) اثر میں ہے ۔عن الحسن أنه كان يقول : التام من السجود قدر سبع تسبيحات ، و المجزى ثلاث . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۸ ما یقول الرجل فی رکوعہ، وسجودہ، ج اول، ص ۲۲۵، نمبر ۲۵۶۸) اس اثر سے معلوم ہوا کہ سات مرتبہ تسبیح پڑھنا مستحب ہے (۳) ایک اور اثر میں دس مرتبہ کا تذکرہ ہے ۔سمعت أنس بن مالك يقول : ما صليت وراء أحد بعد رسول الله ﷺ أشبه صلاة برسول الله ﷺ من هذا الفتى يعنى عمر بن عبد العزيز ، قال فحزرنا فى ركوعه عشر تسبيحات ، و فى سجوده عشر تسبيحات ۔(ابو داود شریف، باب مقدار الرکوع و السجود، ص ۱۳۷، نمبر ۸۸۸/ نسائی شریف، باب عدد التسبیح فی السجود، ص ۱۵۷، نمبر ۱۱۳۶) اس اثر میں ہے کہ دس مرتبہ تسبیح پڑھنا مستحب ہے۔

ترجمہ: ۳ اسلئے کہ حضورؐ طاق پر ختم فرماتے تھے۔۔یہ حدیث نہیں ملی ۔البتہ , عن عبد الله ، عن النبى ﷺ قال :ان الله وتر يحب الوتر فأوتروا يا أهل القرآن ۔(سنن بیہقی، باب ذکر البیان أن لا فرض فی الیوم واللیلۃ من الصلوات أكثر من خمس وأن الوتر تطوع، ج ثانی، ص ۶۵۷، نمبر ۴۴۵۵)، ہے کہ اللہ وتر ہے اور وتر کو پسند فرماتے ہیں، اسلئے وتر اور طاق پر ختم کرے۔

ترجمہ : ۴ اور اگر امام ہو تو اتنے مرتبہ سے زیادہ نہ کرے کہ لوگ اکتا جائیں تا کہ نفرت کا سبب نہ بنے۔

تشریح : اگر امام ہو تو اتنی مرتبہ تسبیح نہ پڑھے کہ مقتدی اکتا جائیں، اور نفرت کا سبب بنے، اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن ابى هريرة أن النبى ﷺ قال : اذا صلى أحدكم للناس فليخفف فان فيهم الضعيف ،و السقيم ، و الكبير ، و اذا صلى لنفسه فليطول ما شاء ۔(ابو داود شریف، باب تخفیف الصلوۃ، ص ۱۲۴، نمبر ۷۹۴) اس حدیث میں ہے کہ امام ہو تو نماز تخفیف کے ساتھ پڑھائے۔

ترجمہ: ۵ پھر رکوع اور سجدے کی تسبیحات سنت ہیں۔اسلئے کہ آیت صرف رکوع اور سجدے کو شامل ہے تسبیحات کو شامل نہیں ہے، اسلئے نص پر زیادہ نہیں کیا جائے گا۔

تشریح : آیت, وارکعوا واسجدوا، میں رکوع اور سجدہ کرنے کا حکم ہے، جو فرض ہے۔اور پہلے گزرا کہ صرف جھک جانے کا نام

(۲۹۱) والمرأة تنخفض فی سجودها وتلزق بطنها بفخذیها﴾ لـ لان ذلک استر لها (۲۹۲)قال ثم یرفع راسه ویکبر﴾ لـ لمارویناه

رکوع ہے، اسلئے صرف جھک جانا فرض ہوگا اور تسبیح پڑھنا حدیث کی بنا پر سنت ہوگا۔ اسی طرح زمین پر چہرہ رکھ دینے کا نام سجدہ ہے جو فرض ہے۔ اسلئے تسبیحات پڑھنا سنت ہوگا ۔ اسلئے کہ حدیث کے ذریعہ آیت پر زیادتی نہیں کی جا سکتی۔

ترجمہ : (۲۹۱) اور عورت اپنے سجدہ میں پست ہو کر رہے اور اپنے پیٹ کو اپنی ران سے ملائے

ترجمہ: لـ اسلئے کہ ایسا کرنا اسکے لئے زیادہ ستر ہے۔

تشریح : عورت چونکہ ستر ہے اسلئے وہ اپنے سجدے میں سکڑ کر رہے گی اور پیٹ کو ران سے ملائے رکھے گی، یہ اسکے ستر کے لئے بہتر ہے ۔

وجہ : (ا)اثر میں ہے۔ **عن علی قال : اذا سجدت المرأة فلتحتفر و لتضم فخذیها** ۲)**عن ابن عباس أنه سئل عن صلوة المرأة فقال : تجتمع و تحتفر** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ۴۳، المرأۃ کیف تکون فی سجودھا، ج اول ص ۲۴۲، نمبر ۲۷۷۷ /۲۷۷۸ رسنن بیھقی ، باب مایستحب للمرأۃ من ترک التجافی فی الرکوع والسجود ، ج ثانی ص ۳۱۴ ، نمبر ۳۱۹۷ /۳۱۹۸)اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت سجدے کے اندر سکڑ کر رہے اور پیٹ کو ران سے ملادے تاکہ زیادہ سے زیادہ ستر ہو سکے، یہی اسکے لئے بہتر ہے۔

لغت: تخفض : خفض سے مشتق ہے، پست ہوگی۔ تلزق :۔ لزق سے مشتق ہے، ملائے گی۔ فخذ : ران۔

ترجمہ: (۲۹۲) پھر سر اٹھائے اور تکبیر کہے۔

تشریح : سجدے سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہے۔

وجہ : **ترجمہ**: لـ (ا)حدیث میں ہے۔ **انه سمع أبا هريرة يقول كان رسول الله ﷺ اذا قام الى الصلوة يكبر ....ثم يكبر حين يسجد ، ثم يكبر حين يرفع رأسه** . (بخاری شریف باب التکبیر اذا قام من السجود ، ص ۱۰۹ ، نمبر ۷۸۹)اس حدیث میں ہے کہ جب سجدہ سے سر اٹھاتے تو تکبیر کہتے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن مسعودؓ قال : كان رسول الله ﷺ يكبر فی كل خفض و رفع ، و قيام و قعود ، و أبو بكر و عمر** ۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی التکبیر عند الرکوع والسجود، ص ۵۹ ، نمبر ۲۵۳ رنسائی شریف، باب التکبر للسجود، ص ۱۵۰، نمبر ۱۰۸۴ /ابوداود شریف، باب تمام التکبیر ،ص ۱۲۹، نمبر ۸۳۶) اس حدیث میں ہے کہ ہر جھکتے اور اٹھتے تکبیر کہتے ، اسلئے سجدہ سے سر اٹھاتے وقت بھی تکبیر ہوگی۔

(۲۹۳) فاذا اطمأنَّ جالسًا كبَّر وسجد ﴾ ا لقوله ﷺ فی حديث الاعرابی: ثم ارفع رأسک حتی تستوی جالسًا ۲ ولو لم يستو جالسًا وكبر وسجدا خری اجزاه عند ابی حنيفةؒ ومحمدؒ وقد ذكرناه

ترجمه : (۲۹۳) پس جب اطمینان سے بیٹھے تو تکبیر کہے اور دوسرا سجدہ کرے۔

تشریح: دونوں سجدوں کے درمیان میں بیٹھنا، جسکو جلسہ کہتے ہیں، مسئلہ نمبر ۲۸۱ میں گزر چکا ہے کہ سنت ہے۔ اور دلائل بھی گزر چکے ہیں۔

وجه: (۱) **عن انس ... كان رسول الله ﷺ اذا قال سمع الله لمن حمده قام حتی نقول قد اوهم ثم يسجد و يقعد بين السجدتين حتی نقول قد اوهم** (مسلم شریف، باب اعتدال ارکان الصلوۃ وتخفیفها فی تمام ص ۱۸۹ نمبر ۴۷۳) یعنی آپ دونوں سجدوں کے درمیان اتنی دیر تک بیٹھتے کہ لوگوں کو خیال ہوتا کہ شاید آپ بھول گئے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ قومہ اور جلسہ میں اطمینان سے بیٹھنا چاہئے۔ ان ہی احادیث کی وجہ سے بعض ائمہ کے نزدیک تعدیل ارکان واجب ہے۔ (۲) **عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ لا تجزئ صلوة لا يقيم الرجل فيها صلبه فی الركوع و فی السجود** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵ / بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ جلسہ میں اطمینان سے بیٹھنا سنت ہے۔

ترجمه: ا دیہاتی کی حدیث میں حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ اپنے سر کو اٹھاؤ یہاں تک کہ تم سیدھا بیٹھ جاؤ۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۳) **عن ابی هريرة عن النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فرد النبی ﷺ عليه السلام فقال: ارجع فصل فانک لم تصل .... ثم اركع حتی تطمئن راكعاً ثم ارفع حتی تعتدل قائما ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجداً ثم ارفع حتی تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ، ثم افعل ذالک فی صلاتک كلها** ۔ (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵) اعرابی کی اس حدیث میں ہے کہ جلسے میں سیدھا ہو کر بیٹھ جاؤ ۔

ترجمه: ۲ اور اگر سیدھا نہیں بیٹھا اور تکبیر کہہ کر دوسرے سجدے میں چلا گیا تب بھی امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک کافی ہو جائے گا، جسکو پہلے ہمنے بیان کیا ہے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس بات پر ہے کہ جلسہ کرنا اور جلسے میں اطمینان سے بیٹھنا ہمارے نزدیک سنت ہیں ، اور امام ابو یوسف کے

۳؎ وتكلموا في مقدار الرفع والاصح انه اذا كان الى السجود اقرب لايجوز لانه يعد ساجدا وان كان الى الجلوس اقرب جاز لانه يعدجالسًا فتحقق الثانية (۲۹۳) قال فاذا اطمأنَّ ساجدًا كبر﴾ ١؎ وقد ذكرناه (۲۹۴) واستوى قائما على صدور قدميه ولايقعد ولا يعتمد بيديه على الارض﴾

نزدیک فرض ہیں۔ چونکہ ہمارے نزدیک سنت ہیں اسلئے اگرانکو چھوڑ بھی دیا تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ دلائل مسئلہ نمبر۲۸۱ میں گزر چکے ہیں۔ تاہم ایک دلیل یہ بھی ہے کہ ابوداود شریف کی حدیث میں فرمایا کہ قومہ جلسے میں سے کچھ کم رہ جائے گا تو نماز میں کمی رہ جائے گی جسکا مطلب یہ ہوا کہ قومہ اور جلسہ سنت ہیں۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ و قال في آخره : اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک ، و ما انتقصت مَن هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتک . (ابوداوٗد شریف، باب صلوۃ من لایقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص۱۳۱ نمبر۸۵۵) اس حدیث میں ہے کہ قومہ اور جلسہ میں کمی رہ جائے تو نماز تو ہو جائے گی لیکن کمی رہ جائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ سجدے سے سر اٹھانے کی مقدار کے بارے میں مشائخ نے بات کی۔ صحیح بات یہ ہے کہ سجدے سے زیادہ قریب ہو تو جائز نہیں اسلئے کہ وہ سجدہ کرنے والا ہی سمجھا جائے گا، اور اگر بیٹھنے کے زیادہ قریب ہو تو جائز ہے، اسلئے کہ بیٹھنے والا شمار کیا جاتا ہے، تو دوسرا سجدہ متحقق ہو گیا۔

تشریح : سجدے سے کتنا اونچا سر کرے گا تو قومہ شمار کیا جائے گا اور دوسرا سجدہ کرنا جائز ہو جائے گا۔ اس بارے میں مشائخ نے بات کی ہے، اسکا حاصل یہ ہے کہ اگر پہلے سجدے سے اتنا سر اٹھایا کہ بیٹھنے کے قریب ہے تو سمجھو کہ وہ بیٹھ گیا اور اب دوسرا سجدہ کرے گا تو دوسرا سجدہ ہو جائے گا۔ اور اگر تھوڑا سا سر اٹھایا کہ سجدے سے زیادہ قریب ہے تو گویا کہ اسنے سر نہیں اٹھایا، اسلئے اگر اب دوسرا سجدہ کرے گا تو دوسرا سجدہ نہیں ہوگا۔

ترجمہ: (۲۹۳) پس جب اطمینان سے سجدہ کر لے تو تکبیر کہے۔

ترجمہ : ١؎ اور اسکو میں نے پہلے ذکر کیا۔

تشریح : دوسرے سجدے میں بھی اطمینان سے بیٹھے اور تکبیر کہتے ہوئے اس سے کھڑا ہو جائے۔

وجہ دوسرے سجدے کی دلیل بہت سی احادیث میں ہے مثلا۔ عن ابی هريرة ان النبي ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلى ... ثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم ارفع حتى تطمئن جالساثم اسجد حتى تطمئن ساجدا ثم افعل ذلک في صلوتک کلها (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لایتم رکوعہ بالاعادۃ ص۱۰۹ نمبر۷۹۳) اس حدیث میں غلطی کرنے والے صحابی کو دوسرا سجدہ کرنے کی بھی تلقین کی ہے۔ اس لئے دوسرا سجدہ بھی فرض ہے جس طرح پہلا سجدہ فرض ہے۔

ترجمہ :(۲۹۴) اور دونوں قدموں کے سینے کے بل سیدھا کھڑا ہو جائے۔ اور بیٹھے نہیں اور نہ دونوں ہاتھوں سے زمین کا

ل وقال الشافعیؒ یجلس جلسة خفیفة ثم ینهض معتمدا علی الارض لان النبیﷺ فعل ذٰلک

سہارا لے۔

تشـــریح : سجدہ سے کھڑے ہوتے وقت درمیان میں جلسۂ استراحت نہ کرے اور نہ زمین کا سہارا لے کر کھڑا ہو بلکہ دونوں ہاتھوں سے گھٹنے کا سہارا لے اور سیدھا کھڑا ہو جائے۔

وجه : (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے عن ابی هریرة قال کان النبی ﷺ ینهض فی الصلوة علی صدور قدمیه (ترمذی شریف، باب منه ایضا (کیف النھوض من السجود) ص ٦۴ نمبر ٢٨٨ رسنن للبیھقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ، ج ثانی، ص ١٧٩، نمبر ٢٧٦٣) اس سے معلوم ہوا کہ آپؐ بیٹھتے نہیں بلکہ پاؤں کے بل کھڑے ہو جاتے (٢) عن ابن عمر قال: نھی رسول اللہ ﷺ.... وقال ابن عبد الملک: نھی أن یعتمد الرجل علی یدیہ اذا نھض فی الصلوۃ۔ (ابوداود شریف، باب کراھیۃ الاعتماد علی الید فی الصلوۃ، ص ١۵١، نمبر ٩٩٢) اس حدیث میں تو اٹھتے وقت ٹیک لگانے سے منع فرمایا ہے۔ (٣) أنہ حدیث محمد بن جحادة: اذا نهض نهض علی رکبتیه واعتمد علی فخذیه۔ (ابوداؤد شریف، باب افتتاح الصلوۃ ص ١١۴ نمبر ٧٣٦) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ آپؐ سیدھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ (۴) فحدثت به عطیة العوفی فقال رأیت ابن عمر، و ابن عباس، و ابن الزبیر، و أبا سعید الخدریؓ یقومون علی صدور أقدامهم فی الصلوة۔ (سنن للبیھقی، باب من قال یرجع علی صدور قدمیہ، ج ثانی، ص ١٧٩، نمبر ٢٧٦٣ رمصنف عبد الرزاق، باب کیف النھوض من السجدۃ الآخرۃ ومن الرکعۃ الاولی والثانیۃ، ج ثانی، ص ١٧٩، نمبر ٢٩٦٧) اس اثر میں ہے کہ یہ صحابہ دوسری رکعت کے لئے اپنے قدموں پر زور دیکر اٹھتے تھے۔

فائدة :**ترجمه**: ل امام شافعیؒ نے فرمایا کہ دوسرے سجدے کے بعد تھوڑی دیر تک بیٹھے پھر زمین پر ٹیک لگا کر اٹھے، اسلئے کہ حضورؐ ایسا کرتے تھے۔

تشریح : جب دو سجدے کرنے کے بعد دوسری رکعت کے لئے کھڑے ہونے لگے تو فورا کھڑا نہ ہو جائے بلکہ تھوڑی دیر کے لئے بیٹھے جسکو جلسہ استراحت کہتے ہیں، اسکے بعد ہاتھ سے زمین پر ٹیکے اور ٹیک کر اٹھے۔ یہ امام شافعیؒ کے یہاں سنت ہے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ اخبرنی مالک بن الحویرث اللیثی انه رأی النبی ﷺ یصلی فاذا کان فی وتر من صلوته لم ینهض حتی یستوی قاعدا (بخاری شریف، من استوی قاعدا فی وتر من صلوتہ ثم نھض ص ١١٣ نمبر ٨٢٣ رترمذی شریف، باب کیف النھوض من السجود ص ٦۴ نمبر ٢٨٧) (٢) جاء نا مالک بن الحویرث ... واذا رفع رأسه عن السجدة الثانیة جلس واعتمد علی الارض ثم قام۔ (بخاری شریف، باب کیف یعتمد علی الارض اذا قام من الرکعۃ

۲ ولنا حديث ابی هريرةؓ ان النبی ﷺ كان ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه ۳ ومارواه محمول علیٰ حالة الكبر ۴ ولان هذه قعدة استراحة والصلوة ماوضعت لها (۲۹۵) ويفعل فی الركعة الثانية مثل مافعل فی الركعة الاولیٰ لانه تكرار الاركان الا انه لايستفتح ولا يتعوذ ۱ لانهما لم يشرعا الا مرة واحدة

ص۱۴۱نمبر۸۲۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جلسۂ استراحت سنت ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل حضرت ابوھریرہؓ کی حدیث ہے، کہ نبی علیہ السلام نماز میں پنجوں کے بل کھڑے ہوتے تھے۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے جواوپر گزر گئی۔ عن ابی هريرة قال كان النبی ﷺ ينهض فی الصلوة علی صدور قدميه (ترمذی شریف نمبر ۲۸۸ سنن للبیھقی، نمبر ۲۷۶۳)اس حدیث میں ہے کہ پنجوں کے بل کھڑا ہوتے تھے۔

ترجمہ :۳ جوحدیث امام شافعیؒ نے بیان کیا وہ بڑھاپے کی حالت پر محمول ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ کہ جوحدیث امام شافعیؒ نے روایت کی ہے وہ بڑھاپے کی حالت میں کی ہے کہ جب بوڑھے ہوگئے تو جلسہ استراحت بھی کی ہے اور زمین پر ہاتھ سے ٹیک لگا کر کھڑے ہوئے ہیں، ورنہ جوانی میں پنجوں کے بل کھڑے ہوا کرتے تھے۔

ترجمہ: ۴ اور اسلئے بھی کہ یہ جلسہ استراحت ہے، اور نماز اسکے لئے نہیں ہے۔

تشریح : نماز مشقت اٹھانے کی چیز ہے تاکہ ثواب زیادہ ملے، یہ آرام کی چیز نہیں ہے، اسلئے جلسہ استراحت سنت نہیں ہونا چاہئے۔ تاہم کوئی جلسۂ استراحت کرے گا تو سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا کیونکہ احادیث سے ثابت ہے۔

لغت :صدور قدمیہ : قدم کے اوپر کا حصہ جس کے بل پر آدمی کھڑا ہوتا ہے۔ جلسہ خفیفہ: ہلکا سا بیٹھنا۔ ینھض: سیدھا کھڑا ہو

ترجمہ : (۲۹۵) دوسری رکعت میں وہی کرے جو پہلی رکعت میں کیا جاتا ہے اسلئے کہ ارکان کا تکرار ہے۔ مگر یہ کہ ثنا نہ پڑھے اور اعوذ باللہ نہ پڑھے۔

تشریح : دوسری رکعت بھی پہلی رکعت کی طرح ہے اسلئے جو جو باتیں پہلی رکعت میں کرتے ہیں وہی دوسری رکعت میں کرے، البتہ دوسری رکعت میں سبحانک الخ ،اور اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم، نہ پڑھے اسلئے کہ یہ پوری نماز میں ایک ہی مرتبہ مشروع ہیں۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ سبحانک، اور اعوذ باللہ نماز میں ایک ہی مرتبہ مشروع ہیں۔

وجہ : ثنا صرف پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح اعوذ باللہ بھی پہلی رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس لئے دوسری رکعت میں یہ دونوں نہ پڑھے۔

(۲۹۶) ولا یرفع یدیه الا فی التکبیرۃ الاولی ﴾

نوٹ : دوسری رکعت میں بسم اللہ آہستہ سے پڑھے گا۔ کیونکہ قرأت سے پہلے بسم اللہ آہستہ سے پڑھنا مسنون ہے۔(۱) حدیث میں ہے عن ابن عباس قال کان النبی ﷺ یفتتح صلوته ببسم الله الرحمن الرحیم (ترمذی شریف، باب من رأی الجھر بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ص نمبر ۲۴۵) اس سے معلوم ہوا کہ ہر رکعت کو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے شروع کرنا چاہئے (۲) عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ : اذا قرأتم الحمد لله فأقرء وا , بسم الله الرحمن الرحیم ، انها ام القرآن و أم الكتاب و السبع المثانی ، و بسم الله الرحمن الرحیم احداها ۔(دار قطنی باب وجوب قرائۃ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم فی الصلوۃ، ج اول، ص ۳۱۰ نمبر ۱۱۷۷) اس حدیث میں تاکید ہے کہ جب جب الحمد پڑھے تو بسم اللہ پڑھے اسلئے بسم اللہ ہر رکعت میں آہستہ پڑھے۔

ترجمه : (۲۹۶) ہاتھ نہیں اٹھائے گا مگر تکبیر اولی کے وقت۔

تشـــريـح : حنفیہ کے نزدیک تکبیر اولی کے علاوہ میں ہاتھ اٹھانا مسنون نہیں ہے۔ نہ رکوع سے اٹھتے وقت اور نہ دوسری رکعت شروع کرتے وقت۔

ترجمه : (۱) اصل بات یہ ہے کہ حضرت امام اعظمؒ کی نگاہ آیت قوموا لله قانتین (آیت ۲۳۸، سورۃ البقرۃ) کی طرف گئی ہے، کہ نماز میں سکون سے کھڑے رہوا ور بار بار ہاتھ اٹھانا سکون کے خلاف ہے۔ اس لئے اس احادیث پر عمل کیا۔ حدیث یہ ہے (۲) قال عبد الله بن مسعود الا اصلی بکم صلوة رسول الله ﷺ فصلی فلم یرفع یدیه الا فی اول مرة .(ترمذی شریف، باب ان النبی لم یرفع الا فی اول مرة، ص ۵۹ نمبر ۲۵۷) (۳) عن البراء ان رسول الله ﷺ کان اذا افتتح الصلوة رفع یدیه الی قریب من اذنیه ثم لا یعود . (ابوداؤد شریف، باب من لم یذکر الرفع عند الرکوع ص ۱۱۶ نمبر ۷۴۹ رنسائی شریف، باب رفع الیدین حذو المنکبین عند الرفع من الرکوع والرخصۃ فی ترک ذلک ص ۱۲۰ نمبر ۱۰۵۹) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے۔(۴) عن جابر بن سمرة قال: خرج علینا رسول الله ﷺ فقال مالی اراکم رافعی ایدیکم کانها اذ ناب خیل شمس؟ اسکنوا فی الصلوة (مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید ص ۱۸۱ نمبر ۹۶۸/۴۳۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں سکون اور اطمینان مطلوب ہے۔ اور بار بار ہاتھ اٹھانے میں سکون نہیں ہے۔ اس لئے بھی رفع یدین نہیں ہونا چاہئے (۵) عن علقمة عن عبد الله قال صلیت مع النبی ﷺ ومع ابی بکر و مع عمر فلم یرفع ایدیهم الا عند التکبیرة الاولی فی افتتاح الصلوة (دار قطنی، باب ذکر التکبیر ورفع الیدین الخ، ج اول، ص ۲۹۶ نمبر ۱۱۲۰/ ترمذی شریف، باب ماجاء ان النبی ﷺ لم یرفع الا فی اول مرة، ج اول

۱ خلافا للشافعیؒ فی الرکوع ۲ وفی الرفع منه لقوله ﷺ لاترفع الایدی الافی سبع مواطن: تکبیرةالافتتاح، وتکبیرة القنوت، وتکبیرات العیدین، وذکرالاربع فی الحج

،ص ۵۰،نمبر ۲۵۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تکبیر اولی کے علاوہ کسی وقت بھی رفع یدین نہیں کرنا چاہئے۔

فائدہ : **ترجمہ**: ۱ خلاف امام شافعیؒ کے رکوع کے بارے میں۔

تشـــریــح : امام شافعیؒ اور دیگر ائمہ کے یہاں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت رفع یدین ہے۔(موسوعۃ للامام شافعیؒ، باب رفع الیدین فی التکبیر ۃ فی الصلوۃ ، ج ثانی ،ص ۱۳۶، نمبر ۱۲۹۶)اس باب میں رکوع وغیرہ میں رفع یدین کی پوری تفصیل ہے۔

وجه: (۱)ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن عبد اللہ بن عمر قال رأیت رسول الله ﷺ اذا قام فی الصلوة رفع یدیه حتی تکونا حذو منکبیه، وکان یفعل ذلک حین یکبر للرکوع ،و یفعل ذلک اذا رفع رأسه من الرکوع ویقول سمع الله لمن حمده ولا یفعل ذلک فی السجود (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا کبرواذا رکع واذا رفع ص ۱۰۲ نمبر ۷۳۶ر مسلم شریف، باب استحباب رفع الیدین حذو المنکبین مع تکبیرۃ الاحرام والرکوع وفی الرفع من الرکوع وانہ لایفعلہ اذا رفع من السجود ص ۱۶۸ نمبر ۸۶۲/۳۹۰)اس سے معلوم ہوا کہ رکوع کے وقت ہاتھ اٹھانا مستحب ہے۔

امام شافعیؒ دوسری رکعت کے شروع میں بھی رفع یدین کے قائل ہیں۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن نافع ان ابن عمر کان اذا دخل فی الصلوة ... واذا قام من الرکعتین رفع یدیه و رفع ذلک ابن عمر الی النبی ﷺ (بخاری شریف، باب رفع الیدین اذا قام من الرکعتین ص ۱۰۲، ۷۳۹)اس لئے امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری رکعت شروع کرتے وقت بھی رفع یدین ہے۔اور نہ کرنے کی بھی گنجائش ہے اس لئے اس مسئلہ پر جھگڑا نہیں کرنا چاہئے صرف استحباب کا اختلاف ہے۔

تــرجــمـه: ۲ رکوع میں ہاتھ اٹھانے کے بارے میں امام ابوحنیفہؒ کی جانب سے حضور علیہ السلام کا قول، ہاتھ مت اٹھاؤ مگر سات جگہوں میں [۱] نماز شروع کرتے وقت تکبیر کے وقت، [۲] دعاء قنوت کے وقت تکبیر کے وقت [۳] عیدین میں تکبیر زوائد کے وقت، [۴] اور چار جگہ ہاتھ اٹھانا ہے حج میں۔

تشـریـح : رکوع کی تکبیر کہتے وقت امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا اسکی دلیل یہ حدیث بھی ہے صرف سات جگہ تکبیر کے وقت ہاتھ اٹھایا جائے گا باقی کے وقت نہیں۔اس حدیث میں رکوع میں جاتے وقت اور رکوع سے اٹھتے وقت ہاتھ اٹھانا نہیں ہے اسلئے یہاں ہاتھ نہیں اٹھایا جائے گا۔اثر یہ ہے (سنن بیہقی میں یہ مرفوع حدیث ہے لیکن صرف سات کی قید نہیں ہے)۔

عن ابن عباس قال : لا ترفع الأیدی الا فی سبع مواطن : [اذا قام الی الصلوة [۲] و اذا رأی البیت [۳] و

۳؎ والذی یروی من الرفع محمول علی الابتداء کذا نقل عن ابن الزبیرؓ (۲۹۷) واذا رفع رأسه من السجدة الثانية فی الرکعة الثانية افترش رجله اليسریٰ فجلس عليها ونصب اليمنی نصبا ووجّه اصابعه نحو القبلة﴾

علی الصفا [۴] و المروة [۵] و فی عرفات [۶] و فی جمع [۷] و عند الجمار ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۵ من کان یرفع یدیہ فی اول تکبیرۃ ثم لا یعود، ج اول، ص ۲۱۴، نمبر ۲۴۵۰ رسنن بیہقی، باب رفع الیدین اذا رأی البیت، ج خامس، ص ۱۱۷، نمبر ۹۲۱۰) اس اثر میں ہے کہ سات جگہ تکبیر کہتے وقت ہاتھ اٹھایا جائے گا۔جس میں رکوع نہیں ہے۔

ترجمه : ۳؎ اور ہاتھ اٹھانیکی جو روایت کی گئی ہے وہ ابتداء اسلام پر محمول کی گئی ہے۔عبداللہ ابن زبیر سے ایسے ہی نقل کیا گیا ہے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، کہ انہوں نے جو حدیث پیش کی جس میں تھا کہ حضورؐ رکوع میں جاتے وقت اور اس سے سر اٹھاتے وقت ہاتھ اٹھاتے تھے۔کہ یہ حدیث شروع میں تھی بعد میں اس پر عمل نہیں کرتے تھے۔جیسا کہ عبداللہ ابن زبیر سے منقول ہے۔ یہ اثر مجھے نہیں ملا، البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اوپر کی حدیث کی بنا پر حنفیہ کے یہاں رکوع وغیرہ میں ہاتھ اٹھانا مستحب نہیں ہے۔

ترجمه : (۲۹۷) پس جبکہ سر دوسری رکعت میں دوسرے سجدے سے اٹھائے تو اپنے بائیں پاؤں کو بچھائے اور اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھے۔اور انگلیوں کو قبلے کی جانب متوجہ رکھے۔

تشریح : حنفیہ کے نزدیک دونوں تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا کرے گا اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھے گا۔اور اس درمیان پاؤں کی انگلیاں قبلے کی طرف متوجہ رکھے۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱) فقال ابو حميد الساعدی.... فاذا جلس فی الركعتين جلس علی رجله اليسری و نصب اليمنی واذا جلس فی الركعة الآخرة قدم رجله اليسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته ۔(بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸ رمسلم شریف، باب ما یجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص ۱۹۴ نمبر ۴۹۸ر۱۱۱۰) مسلم شریف میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے منقول ہے (۲) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لانظرن الی صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس يعنی للتشهد افترش رجله اليسری ووضع يده اليسری يعنی علی فخذه اليسری ونصب رجله اليمنی ۔(ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔اور دوسری حدیث میں قعدۂ اولی اور قعدۂ اخیرہ کی بھی قید نہیں ہے۔اس لئے دونوں قعدہ میں حنفیہ کے نزدیک ایک طرح بیٹھنا مسنون ہے۔ (۳) اس حدیث میں

لِ هكذا وصفت عائشةؓ قعود رسول الله ﷺ فی الصلوة (۲۹۸) ووضع يديه علیٰ فخذيه وبسط اصابعه وتشهد﴾ لِ يروی ذٰلک فی حديث وائلؓ

تورک سے روکا ہے۔ عن انسؓ بن مالک : ان رسول الله ﷺ نهى عن الاقعاء و التورک فی الصلوة .(مسند احمد، مسند انس بن مالک، ج رابع، ص۱۱۲، نمبر ۱۳۰۲۵) اس حدیث میں تورک سے منع فرمایا ہے اسلئے حنفیہ کے یہاں تورک مسنون نہیں ہے۔

فائدہ: امام مالکؒ کے نزدیک آخری تشہد میں تورک مسنون ہے۔ تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں پیچھے کر دے اور مقعد پر بیٹھے۔ ان کی دلیل بخاری والی اوپر کی حدیث ہے (۱) حدیث میں ہے فقال ابو حميد الساعدی.... واذا جلس فی الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته۔ (بخاری شریف، باب سنة الجلوس فی التشہد ص۱۱۴ نمبر ۸۲۸) (۲) حتى اذا كانت السجدة التی فيها التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعة ص۱۴۵ نمبر ۹۶۳ رمسلم شریف، باب صفة الجلوس فی الصلوة وکیفیة وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر ۵۷۹/۱۳۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔

ترجمہ: لِ اس طرح حضرت عائشہؓ نے نماز میں حضورؐ کے بیٹھنے کو ذکر فرمایا۔

تشریح : اوپر کے متن میں دو باتیں تھیں [۱] ایک تو دائیں پاؤں کو کھڑا کر کے بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا، اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی [۲] اور دوسری بات تھی کہ بیٹھنے کی حالت میں انگلیاں قبلے کی طرف متوجہ کرنا۔ اسکے لئے (۱) حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله بن عمر قال من سنة الصلوة ان تنصب القدم اليمنى استقباله باصابعها القبلة و الجلوس على اليسرى (نسائی شریف، باب الاستقبال باطراف اصابع القدم القبلة عند القعو دللتشہد، ص۱۶۱، نمبر ۱۱۵۹) (۲) واقبل بصدرة اليمنى على قبلته (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعة، نمبر ۹۶۷ اس باب کی آخری حدیث ہے) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں بیٹھتے وقت پاؤں کی انگلیاں قبلہ کی طرف ہونی چاہئے۔

ترجمہ : (۲۹۸) اور دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور انگلیوں کو پھیلائے اور تشہد پڑھے۔

ترجمہ: لِ حضرت وائل ابن حجر سے ایسی روایت ہے۔

تشریح : دونوں ہاتھوں کو رانوں پر رکھے یہ تو متفق علیہ ہے، البتہ ہاتھ کی تمام انگلیوں کو پھیلا کر رکھے یا انگوٹھے اور ابہام سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے۔ اس بارے میں صاحب ھدایہ یہ فرماتے ہیں کہ تمام انگلیوں کو پھیلا کر رکھے تا کہ انگلیاں قبلہ کی طرف متوجہ ہوں کیونکہ پچھلی کئی حدیثوں میں آیا کہ انگلیوں کو قبلے کی طرف رکھنا چاہئے۔ لیکن حنفیہ دونوں حدیثوں پر

۲؎ ولان فيه توجيه اصابع يديه الى القبلة

عمل کرتے ہیں کہ ہاتھ کی دس انگلیوں میں سے سات انگلیوں کو قبلے کی طرف پھیلا کر رکھتے ہیں، اور انگوٹھے اور ابہام سے حلقہ بناتے ہیں اور شہادت کی انگلیوں سے اشارہ کرتے ہیں، تاکہ دونوں حدیثوں پر عمل ہو جائے۔ اسکے لئے یہ حدیث ہے۔

وجہ :(۱) دونوں ہاتھوں کو دونوں رانوں پر رکھے اور سات انگلیوں کو پھیلا کر رکھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابن عمر : ان رسول الله ﷺ كان اذا جلس فى الصلوة وضع يديه على ركبتيه و رفع أصبعه التى تلى الابهام فدعا بها ، و يده اليسرى على ركبته باسطها عليها ۔(نسائی شریف، باب بسط اليسرى على الركبة، ص۱۷۶، نمبر ۱۲۷۰/ مسلم شریف، باب صفة الجلوس فى الصلوة، وكيفية وضع اليدين على الفخذين، ۲۱۷، نمبر ۱۳۰۹/۵۸۰) اس حدیث میں ہے کہ دائیں ہاتھ کی انگلی پھیلائی۔(۲) ہاتھوں کی انگلیوں کو رانوں پر رکھنے کی دلیل اور دائیں ہاتھ کی انگلیوں سے حلقہ بنا کر اشارہ کرنے کی دلیل اس حدیث میں ہے۔ صاحب ھدایہ نے بھی اسی حدیث کی طرف اشارہ کیا ہے۔ عن وائل بن حجر قال ... ثم جلس فافترش رجله اليسرى ووضع يده اليسرى على فخذه اليسرى وحد مرفقه الايمن على فخذه اليمنى وقبض ثنتين و حلق حلقة ورأيته يقول هكذا وحلق بشر الابهام والوسطى واشار بالسبابة (ابوداؤد شریف، باب كيف الجلوس فى التشهد ص ۱۴۵ نمبر ۹۵۷) اس حدیث میں ہے کہ انگوٹھے اور درمیان کی انگلی سے حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے اشارہ کرے (۳) عاصم بن كليب الجرمى عن ابيه عن جده قال دخلت على النبى ﷺ وهو يصلى وقد وضع يده اليسرى على فخذه اليسرى ووضع يده اليمنى على فخذه اليمنى وقبض اصابعه وبسط السبابة (ترمذی شریف، باب ابواب الدعاء ج ثانی ص ۱۹۹ نمبر ۳۵۸۷ ابواب المناقب سے دو صفحے پہلے ہے/ نسائی شریف ، باب قبض الثنتين من اصابع اليد اليمنى وعقد الوسطى ص ۴۲ نمبر ۱۲۶۹) اس حدیث میں بھی ہے کہ حلقہ بنائے اور شہادت کی انگلی سے لا الہ الا اللہ کے وقت اشارہ کرے۔

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ اس میں انگلیوں کو قبلے کی جانب متوجہ کرنا ہے۔

تشریح : یہ جملہ اس بات کی دلیل عقلی ہے کہ انگلیوں کو رانوں پر اس طرح رکھیں کہ انگلیوں کا سرا قبلے کی طرف متوجہ رہے، گھٹنوں کو پکڑ کر اس طرح نہ رکھیں کہ انگلیاں زمین کی طرف متوجہ ہو جائیں، ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ انگلیوں سے گھٹنوں کو پکڑ کر رکھے، اس صورت میں انگلیاں زمین کی طرف ہو جائیں گی، حدیث یہ ہے۔ عامر بن عبد الله بن زبير عن ابيه : أنه رأى النبى ﷺ يدعو كذالک ، يتحامل بيده اليسرى على رجله اليسرى . (نسائی شریف، باب بسط اليسرى على الركبة، ص ۱۷۷، نمبر ۱۲۷۱) اس حدیث میں ہے کہ ہاتھ سے گھٹنے کو پکڑ کر رکھے، اس صورت میں انگلیاں زمین کی طرف متوجہ ہو جائیں گی۔

(۲۹۹) وان كانت امرأة جلست علىٰ اليتها اليسرى واخرجت رجليها من الجانب الايمن﴾ لـ لانه استرلها(۳۰۰) والتشهد التحيات لِلّٰه والصلوات والطيبات السلام عليك ايها النبى الىٰ اٰخره﴾ لـ وهذا تشهد عبدالله بن مسعودؓ فانه قال اخذ رسول الله صلى الله عليه وعلى اله وسلم بيدى وعلّمنى التشهد كما كان يعلّمنى سورة من القراٰن وقال :قل: التحيات لِلّٰهِ الىٰ اٰخره، والاخذ بهٰذا

مصنف نے اسکی نفی کرتے ہوئے فرمایا کہ باقی انگلیاں قبلے کی طرف متوجہ ہوں۔۔تشہد پڑھنے کی دلیل آگے ہے۔

ترجمه : (۲۹۹)اوراگرعورت ہوتو وہ بائیں سرین پر بیٹھےاوراپنے پاؤں کو دائیں جانب نکال دے۔

ترجمه : لـ اسلئے کہ یہ اسکے لئے زیادہ ستر کی چیز ہے۔

تشـــريح : عورت سکڑ کر بیٹھے گی تو یہ اسکے لئے زیادہ ستر کی چیز ہےاس لئے وہ تورک کر کے بیٹھے۔اورتورک کی شکل یہی ہے کہ دونوں پاؤں کو پنڈلی کے نیچے سے دائیں جانب نکال دے،اور بائیں سرین پر بیٹھ جائے۔

وجـه : اوپرامام مالکؒ نے مرد کے بارے میں حدیث پیش کی تھی کہ تورک کرے ،حنفیہ اسکو عورتوں کے بارے میں مناسب سمجھتے ہیں۔حدیث یہ ہے۔فقال ابو حميد الساعدى....واذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته ۔(بخاری شریف،باب سنة الجلوس فی التشہد ص۱۴انمبر ۸۲۸)(۲)حتى اذا كانت السجدة التى فيهاالتسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر. (ابوداؤدشریف،باب من ذکر التورک فی الرابعة ص ۱۴۵ نمبر ۹۶۳ رمسلم شریف ، باب صفة الجلوس فی الصلوة وکیفیة وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر ۱۳۰۷/۵۷۹) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں عورت کے لئے تورک مسنون ہے۔(۳)اثر میں ہے۔قلت لعطاء تجلس المرأة فى مثنا على شقها الايسر ؟ قال : نعم ، قلت : هو احب اليك من الايمن ؟ قال : نعم ،قال: تجتمع جالسة ما استطاعت ، قلت : تجلس جلوس الرجل فى مثنا أو تخرج رجلها اليسرى من تحت اليتها ؟ قال : لا يضرها أى ذالك جلست اذا اجتمعت ۔(مصنف ابن ابی شیبة ۴۴،فی المرأة کیف تجلس فی الصلوة،ج اول،ص ۲۴۳،نمبر ۲۷۹۱) اس اثر میں ہے کہ عورت بائیں جانب بیٹھے گی،اسلئے کہ اس میں اسکو آسانی بھی ہےاورسہولت بھی ہے۔

ترجمه: (۳۰۰) اورتشہد:التحيات لله و الصلوات و الطيبات السلام عليك ايها النبى .الى آخره، ہے۔

تـرجمه: لـ یہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کا تشہد ہے،اسلئے کہ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرا ہاتھ پکڑا،اور مجھے اس طرح تشہد سکھلایا جس طرح مجھے قرآن کی سورت سکھلاتے تھے،اور فرمایا کہ کہو۔التحیات للہ،الی آخرہ۔ اوراس عبداللہ بن مسعودؓ کے تشہد کو لینا بہتر ہے عبداللہ ابن عباس کے تشہد لینے سے ۔

اولی من الاخذ بتشهد ابن عباسؓ ۲؎ وهو قوله: التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله سلام عليک ايهاالنبی ورحمة الله وبركاته سلام علينا الیٰ اٰخره

تشریح : حنفیہ کے یہاں حضرت عبداللہؓ ابن مسعود والا تحیات پڑھنا بہتر ہے، اسکی یہ وجہ ہیں [۱] اس میں امر کا صیغہ ہے جو کم سے کم استحباب پر دلالت کرتا ہے۔[۲] السلام علیک، میں الف لام ہے جو استغراق پر دلالت کرتا ہے۔[۳] جس طرح سورت سکھلاتے تھے اس طرح تشہد سکھلایا جس سے اسکی اہمیت کا پتہ چلا [۴] پھر ہاتھ پکڑ کر سکھلایا جس سے اور بھی اہمیت کا پتہ چلتا ہے، اسلئے یہ تشہد پڑھنا بہتر ہے۔

وجہ: یہ عبداللہ بن مسعودؓ کا تشہد ہے اور حنفیہ کے نزدیک اس کا پڑھنا افضل ہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث بھی یہی ہے۔ **قال عبد الله بن مسعود كنا اذا صلينا خلف النبی ﷺ قلنا السلام علی جبرائيل ومكائيل السلام علی فلان وفلان فالتفت الينا رسول الله ﷺ فقال ان الله هو السلام فاذا صلی احدكم فليقل اليتحيات لله ، و الصلوات و الطيبات ، السلام عليک أيها النبی و رحمة الله و بركاته ، السلام علينا ، و علی عبادالله الصالحين . الخ** ۔(بخاری شریف، باب التشہد فی الآخرۃ ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۱ مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۳ نمبر ۴۰۲/۸۹۷ ابوداود شریف، باب التشہد، ص ۱۴۷، نمبر ۹۶۸) اس حدیث میں , **فليقل** ، امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے اس لئے عبداللہ ابن مسعود کا تشہد ہمارے یہاں زیادہ بہتر ہے۔

(۲) مسلم کی حدیث میں یہ بھی ہے ۔**سمعت ابن مسعود يقول علمنی رسول الله ﷺ التشهد كفی بين كفيه كما علمنی السورة من القرآن** (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۴ نمبر ۴۰۲/۹۰۱ ترمذی شریف، باب ماجاء فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۸۹ نسائی شریف، باب تعلیم التشہد کتعلیم السورۃ، ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۷۹) اس حدیث سے اور زیادہ اہمیت ہوگئی ۔کیونکہ جس طرح قرآن سکھاتے تھے اس طرح عبداللہ بن مسعود کو حضورؐ نے تشہد سکھایا۔ پھر عبدا بن مسعودؓ کا ہاتھ حضورؐ کے ہاتھ میں تھا جس سے اور اہمیت ہوئی۔ اس لئے ہمارے یہاں یہی تشہد بہتر ہے۔

فائدہ : **ترجمہ**: ۲؎ حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کا تشہد یہ ہے۔ **التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله ، السلام عليک أيها النبی و رحمة الله و بركاته السلام علينا .الی آخره .**

تشریح :امام شافعیؒ کے یہاں عبداللہ بن عباس کا تشہد بہتر ہے۔حدیث یہ ہے۔**عن ابن عباس قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد كما يعلمنا القرآن، فكان يقول: التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله ،سلام عليک أيها النبی و رحمة الله و بركاته،سلام علينا و علی عبادالله الصالحين ، اشهد أن لا اله الا الله و**

۳؎ لان فيه الامر واقله الاستحباب والألف واللام وهما للاستغراق وزيادة الواو وهى لتجديد الكلام كما فى القسم وتاكيد التعليم (۳۰۱) ولا يزيد علىٰ هذا فى القعدة الاولىٰ

أشهد ان محمدا رسول الله . (ترمذی شریف، باب منہ، باب ماجاء فی التشہد ص ۶۵ نمبر ۲۹۰ رنسائی شریف ،نوع آخر من التشہد ،ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۵) اس حدیث میں ,سلام علیک، بغیر الف لام کے ہے، اسلئے وہ استغراق کے لئے نہیں ہوگا۔(۲) لیکن عبد اللہ ابن عباس کی حدیث جو مسلم شریف میں ہے اس میں ,السلام، الف لام کے ساتھ ہے، جو استغراق کے لئے ہو جائے گا اور سلام میں تمام لوگوں کو گھیر لیگا۔حدیث یہ ہے۔ عن ابن عباس انه قال كان رسول الله ﷺ يعلمنا التشهد كما يعلمنا السورة من القرآن فكان يقول: التحيات المباركات الصلوات الطيبات لله ، السلام عليك أيها النبى و رحمة الله و بركاته، السلام علينا و على عبادالله الصالحين ، اشهد أن لا اله الا الله و أشهد ان محمدا رسول الله . (مسلم شریف، باب التشہد فی الصلوۃ ص ۱۷۴ نمبر ۹۰۲/۴۰۳ رابوداود شریف، باب التشہد ،ص ۱۴۸، نمبر ۹۷۴) اس حدیث سے ان کے یہاں عبد اللہ بن عباسؓ والا تشہد مسنون ہے۔

ترجمه : ۳؎ [۱] اسلئے کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کے تحیات میں ,فلیقل ، امر کا صیغہ ہے، اور امر کا کم سے کم درجہ استحباب کا ہے۔[۲] اور ,السلام علیک، میں الف لام دونوں استغراق کے لئے ہیں۔[۳] اور ,والصلوات میں واو کی زیادتی ہے جو بات کو نیا کرنے کے لئے ہے۔جیسے کہ قسم میں نیا کرنے لئے ہوتا ہے [۴] اور اس تشہد کے تعلیم کی تاکید ہے۔

تشریح : حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ کا تشہد پڑھنا افضل ہے اسکے لئے مصنف چار وجہ بیان کر رہے ہیں جو پہلے بھی گزر چکی ہیں۔[۱] پہلی وجہ یہ ہے کہ اس تشہد میں امر کا صیغہ ,فلیقل ، جو کم سے کم استحباب دلالت کرتا ہے۔[۲] دوسری وجہ یہ ہے کہ عبد اللہ ابن عباس کی ترمذی والی حدیث میں ,سلام علیک، بغیر الف لام کے ہے اسلئے یہ تمام کو گھیرنے پر دلالت نہیں کرے گا جبکہ عبد اللہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں ,السلام علیک، الف لام کے ساتھ ہے جو تمام کو گھیرنے پر دلالت کرے گا اسلئے یہ بہتر ہے۔لیکن عبد اللہ ابن عباسؓ کا تشہد جو مسلم شریف میں ہے اس میں ,السلام علیک، الف لام کے ساتھ ہے اسلئے اس تشہد میں یہ علت نہیں چلے گی۔[۳] عبد اللہ ابن مسعود کے تشہد میں ,والصلوات ، واو کے ساتھ ہے جس سے کلام الگ ہو جاتا ہے، اور عبد اللہ ابن عباسؓ کے تشہد ,الصلوات ، بغیر واو کے جو کلام کو نیا نہیں کرتا۔[۴] اور حضورؐ نے اس تشہد کے سیکھنے پر تاکید کی اسلئے بھی یہ تشہد افضل ہے۔

نوٹ : تشہد پڑھنا واجب ہے چاہے کوئی بھی تشہد ہو۔ کیونکہ اوپر کی حدیث میں امر کا صیغہ ہے جس سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اور سورۃ کی طرح سکھانے سے بھی تاکید ہوتی ہے۔

ترجمه :(۳۰۱) قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔

لِ لقول ابن مسعودؓ : علّمنی رسول اللہ ﷺ التشھد فی وسط الصلوٰۃ واٰخرھا، فاذا کان وسط الصلوٰۃ نھض اذا فرغ من التشھد واذا کان اٰخر الصلوٰۃ دعا لنفسہ بما شاء

ترجمہ: لِ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کے قول کی وجہ سے کہ حضورؐ نے مجھکو تشھد وسط نماز میں سکھایا اور آخر نماز میں بھی، پس جب درمیان نماز میں ہو تو تشہد سے فارغ ہونے کے بعد کھڑے ہو جاؤ، اور جب آخر نماز ہو تو جو چاہے اپنے لئے دعا کرے۔

تشریح :اگر چار رکعت والی نماز ہو تو قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ درود شریف وغیرہ نہ پڑھے اتنا ہی پڑھ کر تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو جائے۔

وجہ : (۱) حدیث میں ہے۔عن عبد اللہ بن مسعود قال : علمنی رسول اللہ ﷺ التشھد فی وسط الصلوۃ و فی آخرھا ....قال : ثم ان کان فی وسط الصلوۃ نھض حین فرغ من تشھدہ ، و ان کان فی آخرھا دعا بعد تشھدہ بما شاء أن یدعو ، ثم یسلم ۔(مسند احمد، مسند عبد اللہ بن مسعود، ج ثانی ص ۴۴، نمبر ۴۳۶۹) اس حدیث میں ہے کہ قعد اولی میں تشھد سے زیادہ نہ پڑھے۔(۲) عن عبد اللہ بن مسعود قال کان النبی ﷺ فی الرکعتین کانہ علی الرضف قلت حتی یقوم قال ذلک یرید (نسائی شریف، باب التخفیف فی التشھد الاول، ص ۱۶۴، نمبر ۱۱۷۷/ ابو داؤد شریف، باب فی تخفیف القعود ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۵) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ قعدۂ اولی میں اتنی جلدی اٹھتے تھے جیسے آپ گرم پتھر پر ہوں۔اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اولی میں تشہد سے زیادہ نہ پڑھے۔

فائدہ : امام شافعیؒ کے نزدیک قعدۂ اولی میں بھی تشہد کے بعد درود پڑھے گا۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔و التشھد و الصلوۃ علی النبی ﷺ فی التشھد الاول فی کل صلوۃ . غیر. الصبح تشھدان ، تشھد اول ، و تشھد آخر، ان ترک التشھد الاول ، و الصلوۃ علی النبی ﷺ فی التشھد الاول ساھیا ، لا اعادۃ علیہ ، و علیہ سجدتا السھو لترکہ ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ، باب التشھد والصلوۃ علی النبی ﷺ، ج ثانی ص ۱۹۳، نمبر ۱۴۵۶) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ پہلے تشہد میں بھی درود شریف واجب ہے۔

وجہ : ان کی دلیل وہ آیت اور احادیث ہیں جن میں تشہد کے بعد درود شریف کی فضیلت آئی ہے۔(۱) دلیل یہ آیت ہے۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما. (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے عن کعب بن عجرۃ .... فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللھم صلی علی محمد الخ. (مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشھد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶/ ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشھد ص ۱۴۷ نمبر

(۳۰۲) ویقرأ فی الرکعتین الاخریین بفاتحة الکتاب وحدها ﴾ لحدیث ابی قتادةؓ ان النبی علیه السلام قرأ فی الاخریین بفاتحة الکتاب

۹۷۶)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے (۳) عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ قال لا صلوة لمن یصل علی نبیه ﷺ . (دار قطنی، باب ذکر وجوب الصلوة علی النبی فی التشهد ص ۳۴۷ نمبر ۱۳۲۷)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے۔اسلئے امام شافعیؒ کے نزدیک پہلے تشھد کے بعد بھی درود شریف پڑھنا واجب ہے۔

ترجمہ: (۳۰۲) اور دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھے گا خاص طور پر۔

ترجمہ: ۱ حضرت ابو قتادہؓ کی حدیث کی وجہ سے، کہ نبی علیہ السلام دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔

تشریح : ظہر اور عصر کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت فرض نہیں ہے اس لئے سورۂ فاتحہ پڑھے تو یہ بہتر ہے۔اور تسبیح پڑھے وہ بھی ٹھیک ہے۔

وجه: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عبد الله بن ابی قتادة عن ابیه ان النبی ﷺ کان یقرأ فی الظهر فی الاولیین بام الکتاب وسورتین و فی الرکعتین الاخریین بام الکتاب ویسمعنا الآیة و یطول فی الرکعة الاولی ما لا یطیل فی الرکعة الثانیة وهکذا فی العصر ۔(بخاری شریف، باب یقرأ فی الآخرین بفاتحة الکتاب ص ۱۰۷ نمبر ۷۷۶ رمسلم شریف، باب القرأة فی الظهر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱/۱۰۱۲ ابو داود شریف، باب القرأت فی الظهر ص ۱۲۴، نمبر ۷۹۸) اس حدیث میں ہے کہ فرض کی دوسری دو رکعتوں میں صرف سورہ فاتحہ پڑھتے تھے (۲)جابر بن سمرة قال قال عمر لسعد لقد شکوک فی کل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخرین ولا آلو ما اقتدیت به من صلوة رسول الله قال صدقت ذاک الظن بک ۔(بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الآخرین ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۰ رمسلم شریف، باب القرأة فی الظهر والعصر ص ۱۸۶ نمبر ۴۵۳/۱۰۱۸) پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا کافی ہے۔اور دوسری حدیث میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں اختصار کرتے تھے جس کا مطلب یہ ہوسکتا ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھتے تھے۔اس لئے دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا حنفیہ کے نزدیک بعض روایت میں واجب ہے اور بعض روایت میں مستحب ہے۔

فائدہ : امام شافعیؒ کے نزدیک دوسری دو رکعتوں میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے(۱)اوپر کی حدیث کی بنا پر(۲)اور لاصلوة الا بفاتحة الکتاب، کی حدیث کی بنا پر حوالہ گزر چکا ہے۔موسوعة میں عبارت یہ ہے۔و فی الأخریین أم القرآن و آیة ، و ما زاد کان احب الی ما لم یکن اما ما فیثقل علیه ۔(موسوعة، امام شافعیؒ، باب القراءة أم القرآن، ج ثانی، ص ۱۶۲، نمبر ۱۳۷۹) اس عبارت میں ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے، اور ایک آیت بھی پڑھنا ضروری ہے، اس سے زیادہ

۲؎ وهذا بيان الافضل هو الصحيح لان القراءة فرض فی الرکعتين علی ماياتيک من بعدان شاء اللّٰه

(۳۰۳) وجلس فی الاخيرة کماجلس فی الاولیٰ ۱؎ لماروينامن حديث وائل وعائشة

پڑھے تو بہتر ہے۔

ترجمه: ۲؎ یہ افضل کا بیان ہے، صحیح یہی ہے، اسلئے کہ قرأت پہلی دو رکعتوں میں فرض ہے۔۔اسکی بحث انشاءاللہ آگے آئے گی۔

تشریح : فرض کی دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھنا افضل ہے صحیح روایت یہی ہے، چنانچہ اگر کسی نے سورہ فاتحہ چھوڑ دی تو سجدہ سہو لازم نہیں ہوگا۔عن علی و عبد الله أنهما قالا : اقرأ فی الاولیین و سبح فی الاخریین۔(مصنف ابن شیبۃ ،نمبر ۳۷۴۲)

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلی ہی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے، دوسری دو رکعتوں میں فرض نہیں ہے اور نہ واجب ہے، اسکی بحث آگے آئے گی۔حضرت حسن ابن زیاد نے حضرت امام ابوحنیفہؒ سے دوسری روایت کی ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں بھی قرأت کرنا واجب ہے۔

ترجمه: (۳۰۳) آخری قعدہ میں ایسے ہی بیٹھے جیسے پہلے قعدہ میں بیٹھے تھے۔

تشریح قعدۂ اولی میں بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھتے ہیں اور دائیں پاؤں کو کھڑا رکھتے ہیں اسی طرح قعدۂ اخیرہ میں بھی بیٹھے گا۔تورک نہیں کرے گا۔

ترجمه: ۱؎ کیونکہ حضرت وائل بن حجرؓ اور حضرت عائشہؓ سے میں نے روایت پیش کی ہے۔(۱) حدیث یہ ہے۔فقال ابو حميد الساعدی.... فاذا جلس فی الرکعتين جلس علی رجله اليسری و نصب اليمنی واذا جلس فی الرکعة الآخرة قدم رجله اليسری ونصب الاخری وقعد علی مقعدته۔(بخاری شریف، باب سنۃ الجلوس فی التشہد ص۱۱۴ نمبر ۸۲۸ر مسلم شریف، باب ما تجمع صفۃ الصلوۃ وما یفتتح بہ ص۱۹۴ نمبر ۱۱۱۰/۴۹۸) مسلم شریف میں یہ حدیث حضرت عائشہؓ سے منقول ہے(۲) عن وائل بن حجر قال قدمت المدينة قلت لانظرن الی صلوة رسول الله ﷺ فلما جلس يعنی للتشهد افترش رجله اليسری ووضع يده اليسری يعنی علی فخذه اليسری ونصب رجله اليمنی۔ (ترمذی شریف، باب کیف الجلوس فی التشہد ص۶۵ نمبر ۲۹۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ تشہد میں دائیں پاؤں کو کھڑا رکھنا چاہئے اور بائیں پاؤں کو بچھا کر اس پر بیٹھنا چاہئے۔

۲؎ ولانها اشق على البدن فكان اولىٰ من التورك الذى يميل اليه مالكؒ ۳؎ والذى يروى انه عليه السلام قعد متوركًا ضعفه الطحاويؒ، اويحمل علىٰ حالة الكبر (۳۰۴) ويتشهد﴾

ترجمہ: ۲؎ اور اسلئے کہ یہ بیٹھنا بدن پر بھاری ہے اسلئے یہ تورک سے زیادہ اولی ہوگا، جسکی طرف حضرت مالکؒ مائل ہوئے ہیں۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ بائیں پاؤں بچھا کر اس پر بیٹھے اور دائیں پاؤں کھڑا رکھے اس میں تورک کی بنسبت مشقت زیادہ ہے اور نماز مشقت ہی کے لئے ہے کہ جتنی مشقت ہوگی اتنا ثواب زیادہ ہوگا اس لئے یہ بیٹھنا اولی ہوگا، اور امام مالکؒ نے جو تورک اختیار کیا وہ اولی نہیں ہوگا، تورک کا مطلب یہ ہے کہ دونوں پاؤں دائیں جانب ڈال دے اور بائیں سرین پر بیٹھ جائے۔

ترجمہ: ۳؎ اور وہ جو روایت کی ہے کہ حضورؐ متورک بیٹھے تھے، حضرت امام طحاویؒ نے اسکو کمزور قرار دیا ہے، یا بڑھاپے کی حالت پر محمول کیا جائے گا۔

تشریح: حضورؐ تورک بیٹھے تھے، حدیث یہ ہے (۱) فقال ابو حميد الساعدى....واذا جلس فى الركعة الآخرة قدم رجله اليسرى ونصب الاخرى وقعد على مقعدته ـ (بخاری شریف، باب سنة الجلوس فی التشہد ص ۱۱۴ نمبر ۸۲۸)(۲) حتى اذا كانت السجدة التى فيها التسليم اخر رجله اليسرى وقعد متوركا على شقه الايسر (ابوداؤد شریف، باب من ذکر التورک فی الرابعة ص ۱۴۵ نمبر ۹۶۳ رمسلم شریف، باب صفة الجلوس فی الصلوة وکیفیة وضع الیدین علی الفخذین (۲۱۶ نمبر ۵۷۹ / ۱۳۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوا کہ امام مالکؒ کے یہاں قعدۂ اخیرہ میں تورک مسنون ہے۔۔ ہم اسکا دو جواب دیتے ہیں [۱] ایک یہ کہ امام طحاویؒ نے اس حدیث کو کمزور قرار دیا ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ محمد ابن عمر اس میں غیر معروف ہے، اور دوسری بات یہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو حمید ساعدی کی اصل حدیث میں تورک کا تذکرہ نہیں ہے بلکہ اضجع رجلہ الیسری ونصب الیمنی علی صدور قدمیہ کا لفظ ہے، جس سے ہماری تائید ہوتی ہے۔ طحاوی کی عبارت یہ ہے۔ فاذا قعد للتشهد اضجع رجله اليسرى و نصب اليمنى على صدور قدميه و يتشهد .فهذا اصل حديث ابى حميدؓ ، هذا ليس فيه ذكر القعود الا على مثل ما فى حديث وائل . و الذى رواه محمد بن عمرو فغير معروف ، و لا متصل عندنا ـ(طحاوی شریف، باب صفة الجلوس فی الصلوة کیف ھو، ج اول، ص ۱۸۵) اس عبارت میں ہے کہ محمد ابن عمرو غیر معروف ہے۔ اسلئے حدیث کمزور ہے۔ اور اصل حدیث میں یہ ہے کہ بائیں پیر کو بچھا کر اس پر بیٹھے اور دائیں کو کھڑا رکھے۔ [۲] دوسرا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے بڑھاپے میں ایسا کیا ہے جو مجبوری کی وجہ سے ہے ورنہ اصل تو نصب الیمنی ہی ہے۔

ترجمہ: (۳۰۴) اور تشہد پڑھے۔

۱؎ وھو واجب عندنا (۳۰۵) وصلی علی النبی علیہ السلام

ترجمہ: ۱؎ اور یہ ہمارے نزدیک واجب ہے۔

تشریح: قاعدہ آخیرہ میں بیٹھنا یہ تو فرض ہے، لیکن اس میں تشہد پڑھنا ہمارے نزدیک واجب ہے۔

وجہ: (۱) واجب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے حضورؐ نے فرمایا تھا کہ اس تشہد کو کہو فلیقل، جوامر کا صیغہ ہے اور امر کے صیغہ سے وجوب ثابت ہوتا ہے اسلئے تشہد پڑھنا واجب ہوگا قال عبد اللہ بن مسعود کنا اذا صلینا خلف النبی ﷺ فقال ان اللہ ھو السلام فاذا صلی احدکم فلیقل التحیات للہ ۔ (بخاری شریف، باب التشہد فی الآخرۃ ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۱ / مسلم شریف، نمبر ۴۰۲ / ۸۹۷ / ابوداود شریف، باب التشہد، ص ۱۴۷، نمبر ۹۶۸) اس حدیث میں , فلیقل ،امر کا صیغہ ہے جو وجوب پر دلالت کرتا ہے (۲) حدیث میں ہے کہ تشہد کہہ لوگے تو نماز ہو جائے گی جس سے معلوم ہوا کہ تشہد واجب ہے ۔حدیث یہ ہے ۔وان رسول اللہ ﷺ اخذ بید عبد اللہ بن مسعود فعلمہ التشہد فی الصلوۃ فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت ھذا او قضیت ھذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ۔(ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث میں ہے کہ تشہد کہہ لوگے تو نماز پوری ہو جائے گی ۔جس سے معلوم ہوا کہ واجب ہے ۔(۳) آیت میں اسکا اشارہ ہے کہ تشہد پڑھنا چاہئے کیونکہ اس میں حضورؐ پر سلام ہے ۔آیت یہ ہے ۔ ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت میں سلموا تسلیما، سے تشہد پڑھنے کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ تشہد میں سلام ہوتا ہے ۔(۴) اثر میں ہے ۔عن عمر بن الخطاب قال :- لا تجوز الصلوۃ الا بتشھد ۔(مصنف عبدالرزاق، باب من نسی التشہد، ج ثانی، ص ۲۰۶، نمبر ۳۰۸۰) اس اثر میں ہے کہ بغیر تشہد کے نماز ہی نہیں ہوگی اسلئے تشہد واجب ہوگا۔

ترجمہ: (۳۰۵) اور حضورؐ پر درود شریف پڑھے۔

تشریح: قعدۂ اخیرہ میں تشہد کے بعد حضورؐ پر درود شریف پڑھے۔ درود پڑھنا سنت ہے اس کو پڑھنا چاہئے لیکن اگر نہیں پڑھے گا تب بھی سجدۂ سہو لازم نہیں ہوگا۔

وجہ: نماز میں درود سنت ہونے کی دلیل یہ آیت ہے ان اللہ و ملئکتہ یصلون علی النبی یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ و سلموا تسلیما (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳) اس آیت سے زندگی میں ایک مرتبہ درود پڑھنا فرض ہے اور نماز میں پڑھنا سنت ہے (۲) حدیث میں ہے عن کعب بن عجرۃ .... فقلنا قد عرفنا کیف نسلم علیک فکیف نصلی علیک؟ قال قولوا اللھم صلی علی محمد الخ ۔(مسلم شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشہد ص ۱۷۵ نمبر ۴۰۶ / ابو داؤد شریف، باب الصلوۃ علی النبی بعد التشہد ص ۱۴۷ نمبر ۹۷۶) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کے بعد حضورؐ پر درود پڑھنا چاہئے

۱؎ وهو ليس بفريضة عندنا خلافا للشافعیؒ فيهما

۔(۳) انه سمع فضالة ابن عبيد يقول : سمع النبی ﷺ رجلا يدعو فی صلوته فلم يصل علی النبی ﷺ فقال النبی ﷺ : عجل هذا ، ثم دعاه ، فقال له أو لغيره : اذا صلی أحدكم فليبدأ بتحميدالله و الثناء عليه ، ثم ليصل علی النبی ﷺ ثم ليدع بعد ما شاء ۔(ترمذی شریف، باب فی ایجاب الدعاء بتقدیم الحمد والثناء والصلوۃ علی النبی قبلہ،ص ۷۹۴،نمبر ۳۴۷۷)اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھے

ترجمہ: ۱؎ ہمارے نزدیک نماز میں درود شریف واجب نہیں ہے۔خلاف امام شافعیؒ کے تشہد اور درود شریف دونوں کے بارے میں۔

تشریح: ہمارے نزدیک نماز میں درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہے۔اسکے برخلاف امام شافعیؒ کے نزدیک درود شریف بھی فرض ہے اور تشہد پڑھنا بھی فرض ہے۔

وجہ: (۱) اما شافعیؒ کے یہاں تشہد فرض ہونے دلیل وہ ساری حدیثیں ہیں جن میں اوپر تشہد پڑھنے کی تاکید گزری، جنکی بنا پر حنفیہ کے نزدیک تشہد واجب ہوا (۲) اثر میں ہے۔عن عمر بن الخطاب قال ۔: لا تجوز الصلوة الا بتشهد ۔(مصنف عبد الرزاق، باب من نسی التشھد ، ج ثانی ،ص ۲۰۶، نمبر ۳۰۸۰)اس اثر میں ہے کہ بغیر تشہد کے نماز ہی نہیں ہوگی اسلئے تشہد فرض ہوگا۔(۳)عن ابن مسعود قال : كنا نقول قبل أن يفرض التشهد ، السلام علی الله ، السلام علی جبرئيل و ميكائيل الخ ۔(دار قطنی ، باب صفۃ التشھد ووجوبہ، ج اول ،ص ۳۴۳،نمبر ۱۳۱۲؍سنن بیہقی ، باب مبدأ فرض التشھد ، ج ثانی ،ص ۱۹۸، نمبر ۲۸۱۹)اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے فرض ہونے سے پہلے یہ کہتے تھے،اسکا مطلب یہ نکلا کہ بعد میں تشہد فرض ہوگیا۔ان دلائل کی وجہ سے امام شافعیؒ کے نزدیک تشہد فرض ہے۔

اور درود شریف فرض ہونے کی دلیل یہ ہے۔(۱) ان الله و ملئكته يصلون علی النبی يا ايها الذين آمنوا صلوا عليه و سلموا تسليما (آیت ۵۶ سورۃ الاحزاب ۳۳)اس آیت میں صلوا ،اور سلموا،امر کے صیغے ہیں اسلئے نماز میں تشہد بھی فرض ہوگا اور درود شریف بھی فرض ہوگا(۲) عن سهل بن سعد ان النبی ﷺ قال لا صلوة لمن يصل علی نبيه ﷺ . (دار قطنی ، باب ذکر وجوب الصلوۃ علی النبی فی التشھد ص ۳۴۷ نمبر ۱۳۲۷)اس حدیث میں ہے کہ بغیر درود کے نماز ہی نہیں ہوگی ،اسلئے درود شریف فرض ہے۔(۳)اوپر جتنی حدیثیں سنت کے لئے گزریں ان سب سے امام شافعیؒ فرض پر استدلال کرتے ہیں ۔۔ایک خاص بات یہ ہے کہ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں فرض اور سنت کے درمیان واجب کا درجہ نہیں ہے اسلئے احادیث میں تاکید آتی ہے تو وہ سیدھے فرض پر لے جاتے ہیں، واجب پر نہیں لاتے۔اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں واجب کا درجہ ہے اسلئے کم تاکید ہو تو وہ واجب

۲؎ لقوله ﷺ :اذا قلت هذا اوفعلت فقد تمت صلاتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ۳؎ والصلوة علی النبی ﷺ خارج الصلوة واجبة اما مرة واحدة کما قاله الکرخی او کلما ذکر النبی ﷺ کما اختاره الطحاوی فکفینا مؤنة الامر

پڑھے جاتے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ حضورؐ کے قول کی وجہ سے کہ جب تشہد کو کہہ دو، یا کرلو تو تمہاری نماز پوری ہوگئی، اب کھڑا ہونا چاہو تو کھڑے ہو جاؤ، اور بیٹھنا چاہو تو بیٹھ جاؤ

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل ہے کہ حدیث میں ہے تشہد پڑھ لو یا تشہد کی مقدار بیٹھ جاؤ تو نماز پوری ہوگئی۔ اور پہلے یہ گزر چکا ہے کہ کہ اس حدیث سے تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اسلئے تشہد پڑھنا فرض نہیں ہوگا اور نہ درود شریف پڑھنا فرض ہوگا۔ (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **وان رسول الله ﷺ اخذ بید عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حدیث الاعمش اذا قلت هذا اوقضیت هذا فقد قضیت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** ۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اسلئے نہ تشہد پڑھنا فرض ہوگا اور نہ درود شریف پڑھنا فرض ہوگا۔ (۲) اثر میں ہے کہ تشہد ہی میں درود آ گیا اسلئے الگ سے درود شریف پڑھنا فرض نہیں ہوگا بلکہ سنت کی ادائیگی ہوگئی۔ اثر یہ ہے۔ **عن ابراهیم قال : یجزیک التشهد من الصلوة علی النبی ﷺ** ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب القول بعد التشہد، ج ثانی، ص ۲۰۸، نمبر ۳۰۸۵) اس اثر میں ہے کہ تشہد میں درود آ گیا، اسلئے الگ سے درود شریف پڑھنا سنت ہوگا۔

ترجمہ: ۳؎ اور نبی علیہ السلام پر درود نماز سے باہر واجب ہے، یا ایک مرتبہ واجب ہے جیسا کہ امام کرخیؒ نے فرمایا، یا جب جب نبی علیہ السلام کا ذکر ہو، جیسا کہ امام طحاویؒ نے اختیار کیا، اسلئے آیت میں صیغہ امر کی بات ہمیں کافی ہوگئی۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے استدلال کیا تھا کہ آیت میں صلوا امر کا صیغہ ہے جسکی وجہ سے نماز میں درود شریف پڑھنا فرض ہوگا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ نماز میں درود پڑھنا ضروری نہیں ہے بلکہ آیت کی بنا پر زندگی میں ایک مرتبہ حضور پر درود شریف پڑھنا فرض ہے۔ حضرت امام کرخیؒ نے یہی فرمایا، اسلئے ہر نماز میں پڑھنا فرض نہیں ہوگا بلکہ سنت ہوگی۔ ۔ اور امام طحاویؒ نے فرمایا کہ جب جب حضورؐ کا نام آئے تو درود شریف پڑھے۔ آیت میں ,صیغہ امر، کا تقاضا اتنا ہی ہے اسلئے نماز میں اسکی فرضیت ثابت نہیں ہوتی۔

,تکفینا موء نة الامر، کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں ایک مرتبہ حضورؐ پر درود پڑھ لے تو امر کا تقاضا پورا ہو جاتا ہے۔

۴ والفرض المروی فی التشهد هو التقدیر (۳۰۶) قال ودعا بما یشبه الفاظ القرآن والادعیة الماثورة ﴾ لما روینا من حدیث ابن مسعودؓ قال له النبی علیہ السلام ثم اختر من الدعا اطیبها واعجبها

ترجمه: ۴ اورتشہد کے بارے میں جوفرض کی حدیث روایت کی گئی ہے اسکا معنی تقدیر اور متعین کرنے کے ہیں۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔ انہوں نے حدیث پیش کی تھی۔ عن ابن مسعود قال : کنا نقول قبل أن یفرض التشهد ، (دار قطنی ، نمبر ۱۳۱۲/سنن بیہقی ، نمبر ۲۸۱۹)اس حدیث میں ہے کہ تشہد فرض ہونے سے پہلے ہم یہ کہا کرتے تھے، جسکا یہ مطلب یہ ہوا کہ بعد میں تشہد فرض ہو گیا۔ اسکا جواب دیتے ہیں کہ اس حدیث میں فرض کا معنی فرض کے نہیں ہے، بلکہ تقدیر اور متعین کرنے کے ہے اسلئے اس حدیث سے تشہد فرض نہیں ہوگا۔

ترجمه: (۳۰۶) اورقرآن کے الفاظ کے مشابہ دعا کرے، اوروہ دعائیں جو حدیث میں منقول ہوں وہ دعا کرے۔

ترجمه: ا اسلئے کہ عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث میں میں نے روایت کی، کہ ان سے نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ پھر ایسی دعا منتخب کرو جو تمکو پاکیزہ لگے اوراچھی لگے۔

تشریح: درود کے بعد وہ دعا کرے جو قرآن میں ہو یا احادیث میں منقول ہو۔ کیونکہ حضورؐ نے حضرت ابن مسعودؓ سے فرمایا تھا کہ تشہد پڑھنے کے بعد اچھی اور پاکیزہ دعا کریں۔

وجه: (۱)انسانی کلام کی دعا کرے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس لئے ایسی دعا نہ کرے جو انسانی کلام کے مشابہ ہو۔ اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔ عن معاویة بن الحکم السلمی قال : بینا أنا اصلی مع رسول الله ﷺ ....قال : ان هذه الصلوة لا یصلح فیها شیء من کلام الناس ، انما هو التسبیح و التکبیر و قراء ة القرآن ۔(مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ،ص ۲۰۳،نمبر ۵۳۷/۱۱۹۹)اس حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام الناس نہ کرے۔ (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عبد الله قال اذا کنا مع النبی ﷺ فی الصلوة ... ثم لیتخیر من الدعاء اعجبه الیه فیدعو . (بخاری شریف، باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشهد ولیس بواجب ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۵/ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۶۸)(۳)عن عائشة زوج النبی ﷺ اخبرته ان رسول الله ﷺ کان یدعو فی الصلوة اللهم انی اعوذبک من عذاب القبر ، الخ ۔(بخاری شریف، باب الدعاء قبل السلام ص ۱۱۵ نمبر ۸۳۲)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام سے پہلے حدیث میں منقول دعائیں کرنی چاہئے۔(۴) عن ابراهیم قال : کان یستحب أن یدعو فی المکتوبة بدعاء القرآن .(۵)عن محمد قال : کان یکره أن یدعو فی الصلوة بشیء من أمر الدنیا ۔(مصنف ابن ابی شیبة ، باب ۲۷۳، من کان یستحب أن یدعو فی الفریضة بما فی القرآن ، ج اول ،ص ۲۶۵ ،نمبر ۳۰۴۴، نمبر ۳۰۳۹)اس اثر سے

اليک ٢ ويبدأ بالصلوة على النبى عليه السلام ليكون اقرب الى الاجابة (٣٠٧) ولا يدعو بمايشبه كلام الناس ١ تحرزا عن الفساد ولهذا ياتى بالماثور المحفوظ

معلوم ہوا کہ قرآن کے مطابق دعا کرنی چاہئے، اور دنیاوی دعانہیں کرنی چاہئے۔ لیکن یہ مسنون ہے واجب نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ دعا نبی علیہ السلام پر درود سے شروع کرے تا کہ قبول ہونے کے زیادہ قریب ہو۔

تشریح: پہلے گزر چکا ہے کہ پہلے تشہد پڑھے، پھر درود شریف پڑھے، پھر اپنے لئے دعا کرے۔ دعا سے پہلے حضور ﷺ پر درود اسلئے پڑھے تا کہ اسکے صدقے میں دعا قبول ہو جائے۔ اسکی ترتیب کے لئے یہ حدیث ہے۔

وجه: انہ سمع فضالة ابن عبيد يقول : سمع النبى ﷺ رجلا يدعو فى صلوته فلم يصل على النبى ﷺ فقال النبى ﷺ : عجل هذا ، ثم دعاه ، فقال له أو لغيره : اذا صلى أحدكم فليبدأ بتحميد الله و الثناء عليه ، ثم ليصل على النبى ﷺ ثم ليدع بعد ما شاء (ترمذى شريف، باب فى ايجاب الدعاء بتقديم الحمد والثناء و الصلوة على النبى قبله، ص ۷۹۴، نمبر ۳۴۷۷ رمستدرک للحاکم، باب التامين، ج اول، ص ۴۰۱، نمبر ۹۸۹) اس حدیث میں ہے کہ تشہد کے بعد درود شریف پڑھے پھر دعا کرے۔

لغت: الماثورة : جو احادیث میں یا قرآن میں منقول ہوں۔ اطیب: طیب سے مشتق ہے، پاکیزہ، اعجب: جو اچھا لگے۔ اجابة: قبول ہو۔

ترجمہ: (٣٠٧) اور وہ دعا نہ کرے جو لوگوں کے کلام کے مشابہ ہو۔

ترجمہ: ١ فساد سے بچنے کے لئے اسلئے وہ دعا پڑھے جو حدیث میں منقول ہے اور محفوظ ہے۔

تشریح: نماز میں اللہ سے ایسی چیز مانگنا جو عام انسانوں سے مانگی جاتی ہو ایسی دعا نہ کرے، یا جو دعائیں حدیث میں منقول نہ ہوں ایسی دعا بھی نہیں کرنی چاہئے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام الناس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسلئے ایسی دعا نہ کرے ایسی دعا کرے جو حدیث میں منقول ہے۔

وجه: عن معاوية بن الحكم السلمى قال : بينا أنا اصلى مع رسول الله ﷺ ....قال : ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شىء من كلام الناس ، انما هو التسبيح و التكبير و قراءة القرآن۔ (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوة ونسخ ما کان من اباحتہ، ص ۲۰۳، نمبر ۱۱۹۹/۵۳۷) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں کلام الناس نہ کرے۔ (۲) عن زيد ابن ارقم قال : كنا نتكلم فى الصلوة : يكلم الرجل صاحبه و هو الى جنبه فى الصلوة ، حتى نزلت ﴿و قوموا لله قانتين﴾ آیت ۲۳۸ سورة البقرة ۲) فأمرنا بالسكوت ، و نهينا عن الكلام ۔ (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی

۲؎ ومالا يستحيل سواله من العباد كقوله اللهم زوجني فلانة يشبه كلامهم ومايستحيل كقوله اللهم اغفرلي ليس من كلامهم وقوله اللهم ارزقني من قبيل الاول لاستعمالها فيمابين العباد يقال رزق الاميرُ الجيش (۳۰۸) ثم يُسلّم عن يمينه فيقول السلام عليكم ورحمة اللّٰه وعن يساره مثل ذٰلک ﴾ ۱؎ لماروى ابن مسعودؓ ان النبي ﷺ كان يسلم عن يمينه حتى يرى بياض خده الايمن وعن يساره

الصلوة ونسخ الكلام اباحته ،ص ۲۰۳ ،نمبر ۵۳۷/۱۱۹۹/ابوداود شریف ، باب النھی عن الکلام فی الصلوۃ ص ۱۴۴، نمبر ۹۴۹/ترمذی شریف ، باب فی نسخ اکلام فی الصلوۃ ص ۹۲ ،نمبر ۴۰۵) اس حدیث میں ہے کہ کلام کرنا ممنوع ہے اسلئے نماز میں کلام الناس کی دعا کرنے ست نماز فاسد ہوجائے گی اسلئے ایسی دعا نہ کرے۔

ترجمہ: ۲؎ انسان سے جس چیز کا مانگنا محال نہیں ہے ۔جیسے اے اللہ فلاں سے میری شادی کروادے۔ یہ کلام الناس کے مشابہ ہے۔اور جو انسان سے مانگنا محال ہے۔جیسے ائے اللہ مجھے معاف کردے۔ یہ کلام الناس نہیں ہے۔اور ائے اللہ مجھے روزی دے۔ اول یعنی کلام الناس کے قبیل سے ہے، اسلئے کہ یہ جملہ بندوں کے درمیان بھی استعمال ہوتا ہے، کیونکہ لوگ کہتے ہیں، امیر نے لشکر کو روزی دی۔

تشریح : یہاں سے یہ قاعدہ بتارہے ہیں کہ کس قسم کا جملہ کلام الناس ہے اور کس قسم کا جملہ کلام الناس نہیں ہے۔فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا سوال انسان سے کیا جا سکتا ہے وہ دعا کلام الناس ہے۔مثلا یہ کہے کہ ائے اللہ فلاں سے میری شادی کرادے، یہ کلام الناس ہے، کیونکہ لوگوں سے بھی کہتے ہیں کہ فلاں سے میری شادی کروادے۔اسلئے ایسی دعا نماز میں جائز نہیں ہے۔اور جن چیزوں کا انسان سے مانگنا محال ہے وہ دعا کلام الناس نہیں ہے، مثلا یہ کہے کہ ائے اللہ میری مغفرت کردے، تو یہ کلام الناس نہیں ہے اسلئے مغفرت اللہ کے علاوہ کسی سے مانگی نہیں جاتی۔ یہ دعا نماز میں بھی جائز ہے۔اور جو سوال انسان سے بھی کرتے ہیں، اور عموما اللہ سے کرتے ہیں وہ کلام الناس میں ہی شمار کیا جائے گا۔مثلا روزی عموما اللہ سے مانگی جاتی ہے، لیکن کبھی کبھار انسان کے لئے بھی استعمال ہوجاتا ہے تو وہ کلام الناس میں شمار کیا جائے گا۔

لوگ بولتے ہیں کہ امیر نے لشکر کو روزی دی۔اسلئے یہ دعا بھی نماز میں مانگنا اچھا نہیں ہے۔

اصول: جو چیز انسان سے مانگی جاتی ہے وہ کلام الناس ہے اور جو چیز انسان سے نہیں مانگی جاتی وہ کلام الناس نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۰۸) پھر سلام کرے دائیں جانب اور کہے السلام علیکم ورحمۃ اللہ اور سلام کرے بائیں جانب اسی طرح۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ حضرت عبد اللہ ابن مسعودؓ نے روایت کی ہے کہ نبی علیہ السلام دائیں جانب سلام کرتے یہاں تک کہ آپؐ کا دائیں گال کی سفیدی دیکھی جاتی، اور بائیں جانب سلام کرتے یہاں تک کہ بائیں گال کی سفیدی دیکھی جاتی تھی۔

حتی یری بیاض خده الایسر (۳۰۹) ونوی بالتسلیم الاولیٰ من علیٰ یمینه من الرجال والنساء والحفظة وکذلک فی الثانیة ﴿ لان الاعمال بالنیات ۲ ولاینوی النساء فی زماننا ولا من لاشرکة له فی صلاته هو الصحیح لان الخطاب حظُّ الحاضرین

تشریح : یعنی سلام پھیرتے وقت دونوں جانب منہ اتنا پھیراتے کہ گال کی سفیدی دیکھی جاسکتی تھی ۔

وجه: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱)عن عبد الله ان النبی ﷺ کان یسلم عن یمینه وعن شماله حتی یری بیاض خده، السلام علیکم ورحمة الله ،السلام علیکم ورحمة الله(ابوداؤد شریف، باب فی السلام ص ۱۵۰ نمبر ۹۹۶ / بخاری شریف، باب التسلیم ص ۱۱۶ نمبر ۸۳۷ / ترمذی شریف، باب ماجاء فی التسلیم فی الصلوۃ ص ۶۵ نمبر ۲۹۵)اس حدیث سے ثابت ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے اس طرح کہ کنارے والوں کو گال نظر آنے لگے (۲)عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم۔(ترمذی شریف، باب ماجاء فی تحریم الصلوۃ وتحلیلھا ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابوداؤد شریف نمبر ۶۱۸)اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ سلام پھیرنا چاہئے۔

ترجمه: (۳۰۹) اور پہلے سلام سے مردوں اور عورتوں میں ان مقتدیوں کی نیت کرے جو امام کے دائیں جانب ہیں، اور حفاظت کرنے والے فرشتے کی نیت کرے۔اور ایسے ہی دوسرے سلام میں بائیں والوں کی نیت کرے۔

وجه: (۱)حدیث میں ہے۔عن جابر بن سمرة .... انما یکفی احدکم أن یضع یده علی فخذه ، ثم یسلم علی أخیه من علی یمینه و شماله ۔(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید، ص ۱۸۱، نمبر ۴۳۱ / ۹۷۰ / ابوداود شریف، باب فی السلام، ص ۱۵۲، نمبر ۹۹۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام میں دائیں اور بائیں جانب مقتدی کی نیت کرے۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے۔

تشریح: چونکہ اعمال کا مدار نیتوں پر ہے اسلئے سلام میں مقتدیوں اور فرشتوں کی نیت کرے گا تو انکو ثواب ملے گا۔

ترجمه: ۲ اور ہمارے زمانے میں عورتوں کی نیت نہ کرے، اور نہ اسکی نیت جو نماز میں شریک نہیں ہیں صحیح یہی ہے اسلئے کہ خطاب حاضرین کو ہے۔

تشریح : یہاں دو باتیں کہی ہے [۱] ایک تو یہ کہ اس زمانے میں سلام کرتے وقت عورتوں کی نیت نہ کرے، اسکی وجہ یہ ہے کہ امام نماز میں عورتوں کی طرف دھیان کو متوجہ کرے یہ اچھا نہیں ہے، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس زمانے میں فساد کی وجہ سے عورتوں کو مسجد

(۳۱۰) ولا بدللمقتدی من نية امامه فان كان الامام من الجانب الايمن اوالا يسرنواه فيهم﴾ لےوان كان بحذائه نواه في الاولىٰ عندابی یوسفؒ ترجيحالجانب الايمن

میں جانا ہی نہیں چاہئے اسلئے اسکی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔فساد کی وجہ سے نہ جانے کی حدیث یہ ہے۔ أن عائشةؓ زوج النبي ﷺ قالت : لو أدرک رسول الله ﷺ ما أحدث النساء لمنعهن المسجد كما منعت نساء بنی اسرائیل . قال يحى : فقلت لعمرة : أمنعت نساء بنی اسرائیل ؟ قالت : نعم . (ابوداودشریف، باب التشدید فی ذالک (ای فی خروج النساء الی المسجد) ،ص ۹۱ ،نمبر ۵۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس زمانے میں عورتوں کو مسجد نہیں جانا چاہئے۔ اسلئے انکی نیت بھی نہ کرے۔[۲] اور دوسری بات یہ ہے کہ السلام علیکم میں خطاب حاضرین کو ہے اسلئے جو جماعت سے غائب ہے اسکی نیت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه: (۳۱۰) اور مقتدی کے لئے ضروری ہے کہ اپنے امام کی نیت کرے، پس اگر امام دائیں جانب ہیں تو دائیں جانب انکی نیت کرے ، یا بائیں جانب ہیں تو اس میں انکی نیت کرے۔

تشريح : جس طرح امام سلام پھیرتے وقت مقتدی کی نیت کرے اسی طرح مقتدی سلام پھیرتے وقت اپنے امام کی نیت کرے، پس اگر دائیں جانب ہوں تو دائیں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے، اور اگر امام اس سے بائیں جانب ہو تو بائیں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے، اور اگر امام سامنے ہو تو دونوں جانب سلام پھیرتے وقت امام کی نیت کرے کیونکہ امام گویا کہ دونوں جانب ہیں۔

وجه : (۱) دلیل یہ حدیث ہے۔عن سمرة بن جندب قال : أمرنا النبي ﷺ أن نرد على الامام، و أن نتحاب، و أن يسلم بعضنا على بعض ۔(ابوداودشریف، باب الرد علی الامام،ص ۱۵۲،نمبر ۱۰۰۱/ابن ماجہ شریف، باب رد السلام علی الامام،ص ۱۳۱،نمبر ۹۲۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنے امام کو بھی سلام کرنا چاہئے۔(۱) اثر میں ہے۔عن حماد قال : اذا كان الامام عن يمينک فسلمت عن يمينک ، و نويت الامام في ذالک ، و اذا كان عن يسارک سلمت و نويت الامام في ذالک ايضاً ، و اذا كان بين يديک فسلمت عليه في نفسک ، ثم سلمت عن يمينک و عن شمالک۔(مصنف عبد الرزاق، باب الرد علی الامام، ج ثانی،ص ۲۲۴،نمبر ۳۱۵۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ امام دائیں جانب ہو تو دائیں جانب اسکی نیت کرے، اور بائیں جانب ہو تو بائیں جانب اسکی نیت کرے۔

ترجمه: لے اور اگر امام اسکے سامنے ہو تو پہلی مرتبہ سلام کرنے میں اسکی نیت کرے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک دائیں جانب کو ترجیح دینے کے لئے

۲؎ وعند محمدؒ و هو رواية عن ابی حنيفةؒ نواه فيهما لانه ذوحظ من الجانبين (۳۱۱) والمنفرد ينوی الحفظة لاغير ﴾ ۱؎ لانه ليس معه سواهم (۳۱۲) والامام ينوی بالتسليمتين هو الصحيح ﴾ ۱؎ و لاينوی فی

تشریح : امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ دائیں جانب کو فضیلت ہے اسلئے دائیں جانب سلام کرتے وقت امام کی نیت کرے۔ دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عائشه قالت : كان النبی ﷺ يعجبه التيمن فی تنعله ، و ترجله ، و طهوره ، و فی شانه كله** ۔(بخاری شریف، باب التیمن فی الوضوء والغسل ،ص ۲۹،نمبر ۱۶۸) اس حدیث میں ہے کہ تمام چیزوں میں دائیں جانب پسند فرماتے تھے اسلئے دائیں جانب جب سلام کرے تو امام کی نیت کرے۔

ترجمه: ۲؎ اور امام محمدؒ کے نزدیک اور وہی امام ابو حنیفہؒ کی ایک روایت ہے کہ دونوں جانبوں میں امام کی نیت کرے اسلئے کہ یہ دونوں جانب کے حصے دار ہیں۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ دونوں جانب سلام کرتے وقت امام کی نیت کرے کیونکہ امام سامنے ہیں اسلئے گویا کہ دونوں جانب پڑ رہے ہیں۔ اسلئے دونوں جانب انکی نیت کرے۔

ترجمه: (۳۱۱) اور منفرد صرف حفاظت کرنے والے فرشتے کی نیت کرے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ اسکے ساتھ اسکے علاوہ کوئی نہیں ہے۔

تشریح : آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو دونوں سلاموں میں دونوں طرف حفاظت کرنے والے فرشتے کی نیت کرے، اسلئے کہ 'السلام علیکم، میں خطاب حاضرین کو ہے اور اسکے ساتھ فرشتوں کے علاوہ کوئی نہیں ہے اسلئے انہی کی نیت کرے۔

ترجمه: (۳۱۲) اور امام دونوں سلاموں میں مقتدی اور فرشتوں کی نیت کرے۔ صحیح یہی ہے۔

تشریح : صحیح یہ ہے کہ امام دونوں سلام کرتے وقت دونوں طرف کے فرشتے کی بھی نیت کرے گا اور مقتدیوں کی بھی نیت کرے گا، اسلئے کہ دونوں طرف فرشتے ہیں اور دونوں طرف مقتدی ہیں دلیل آگے کی حدیث ہے۔ بعض حضرات نے فرمایا کہ ایک طرف نیت کرنا کافی ہے۔

وجه : **عن جابر بن سمرة .... انما يكفی احدكم أن يضع يده علی فخذه ، ثم يسلم علی أخيه من علی يمينه و شماله** ۔(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنھی عن الاشارۃ بالید،ص ۱۸۱،نمبر ۴۳۱/۹۷۰/ ابو داود شریف، باب فی السلام ،ص ۱۵۲،نمبر ۹۹۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سلام میں دائیں اور بائیں جانب مقتدی کی نیت کرے۔ اور چونکہ فرشتے بھی ہیں اسلئے انکی بھی نیت کرے۔

ترجمه: ۱؎ فرشتے میں متعین تعداد کی نیت نہ کرے۔ اسلئے کہ انکی تعداد کے بارے میں احادیث مختلف ہیں تو انبیاء علیہم السلام

الملائكة عددامحصور الان الاخبار فی عددهم قد اختلف فاشبه الایمان بالانبیاء علیهم السلام ۲؎ ثم اصابة لفظة السلام واجبة عندنا ولیس بفرض خلافا للشافعیؒ هویتمسک بقوله علیه السلام تحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم ۳؎ ولنا ماروینا من حدیث ابن مسعودؓ التخییر ینا فی الفرضیة والوجوب الا انا اثبتنا الوجوب بمارواه احتیاطا وبمثله لایثبت الفرضیة واللّٰه اعلم

پر ایمان کے مشابہ ہو گیا۔

تشریح : ایک آدمی کے ساتھ کتنے فرشتے ہوتے ہیں اس بارے میں احادیث مختلف ہیں اسلئے کسی خاص تعداد کی نیت نہ کرے بلکہ سب فرشتوں کی نیت کر لے تاکہ جتنے بھی ہوں سب کی نیت ہو جائے۔ جیسے انبیاء علیہم السلام کی متعین تعداد معلوم نہیں اسلئے سب پر ایمان رکھنا ضروری ہے اسی طرح یہاں بھی سب کی نیت کر لیں۔

ترجمہ: ۲؎ پھر خاص لفظ سلام کا کہنا ہمارے نزدیک واجب ہے، اور فرض نہیں ہے خلاف امام شافعیؒ کے، وہ حضور علیہ السلام کے قول سے دلیل پکڑتے ہیں، کہ نماز کا تحریمہ تکبیر سے ہوتا ہے اور اسکا اختتام سلام سے ہوتا ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ، (یعنی کوئی بھی حرکت کر کے نماز کو پوری کرنا فرض ہے) البتہ لفظ سلام کر کے نکلنا فرض نہیں واجب ہے۔

فائدہ : امام شافعیؒ کے نزدیک آگے والی حدیث کی وجہ سے لفظ سلام کر کے نماز سے نکلنا فرض ہے۔ موسوعة میں عبارت یہ ہے۔ **و اقل ما یکفیه من تسلیمه أن یقول : السلام علیکم ، فان نقص من هذا حرفا ، عاد فسلم ، و ان لم یفعل حتی قام ، عاد فسجد للسهو ثم سلم .** (موسوعة امام شافعیؒ، باب السلام فی الصلوة، ج ثانی ص ۲۰۴، نمبر ۱۴۸۵) اس عبارت سے معلوم ہوا کہ انکے یہاں لفظ سلام سے نکلنا فرض ہے۔

وجہ: (۱) انکی دلیل وہ تمام احادیث ہیں جن میں سلام کر کے نماز پوری کی ہے۔ (۲) صاحب ھدایہ کی پیش کردہ یہ حدیث بھی ہے۔ **عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ مفتاح الصلوة الطهور وتحریمها التکبیر وتحلیلها التسلیم** ۔ (ترمذی شریف، باب ما جاء فی تحریم الصلوة وتحلیلها ص ۵۵ نمبر ۲۳۸ / ابوداؤد شریف نمبر ۶۱۸) اس حدیث میں ہے کہ سلام کر کے آدمی نماز سے نکلے گا۔

ترجمہ: ۳؎ اور ہماری دلیل جو ہمنے روایت کی عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث، جس میں اختیار دیا تھا، اور اختیار دینا فرض ہونے اور واجب ہونے کے منافی ہے، پھر بھی ہمنے اس روایت کی وجہ سے احتیاط کے طور پر وجوب ثابت کیا، اور اس قسم کی حدیث سے فرض ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

تشــــريح : اوپر حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ کی حدیث گزری تھی جس میں تھا کہ تشہد کی مقدار بیٹھ لو یا تشہد کہہ لو تو نماز پوری ہو جائے گی اسکے بعد چاہو تو بیٹھو، اور چاہو تو کھڑے ہو جاؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے سے یا تشہد کہنے سے نماز پوری ہو گئی اسلئے اب کوئی فرض باقی نہیں رہا، اسلئے امام شافعیؒ کی پیش کردہ حدیث , تحريمها التكبير و تحليلها التسليم ، سے ہم فرضیت ثابت نہیں کر سکتے، پھر بھی چونکہ حدیث پیش کی ہے اسلئے احتیاط کے لئے اس سے واجب ثابت کرتے ہیں۔

وجه: صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے (۱)۔ وان رسول الله ﷺ اخذ بيد عبد الله بن مسعود فعلمه التشهد في الصلوة فذكر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذا اوقضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶ نمبر ۹۷۰ رترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ ص ۶۶ نمبر ۳۰۲) تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ آگے سلام فرض نہیں ہے۔ (۲) اسی طرح طحاوی میں ہے عن عمر بن العاص ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة فقعد فاحدث هو واحد ممن اتم الصلوة معه قبل ان يسلم الامام فقدتمت صلاته فلايعود فيها (طحاوی شریف، باب السلام فی الصلوۃ ھل ھو من فروضھا او من سننھا ص ۱۹۴ رسنن للبیھقی، باب تحلیل الصلوۃ بالتسلیم ج ثانی ص ۲۵۰، نمبر ۲۹۷۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قعدۂ اخیرہ میں بیٹھ گیا اور حدث ہو گیا تو نماز پوری ہوگئی۔ چاہے سلام کرے یا نہ کرے تو معلوم ہوا کہ سلام کرنا فرض نہیں ہے۔ اگر سلام کرنا فرض ہوتا تو اس کی نماز پوری کیسے ہوتی۔ (۳) عن ابن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷) اس سے معلوم ہوا کہ سلام فرض نہیں ہے ورنہ حدث سے نماز کیسے پوری ہو جاتی! البتہ حدیث کی بنا پر احتیاط کے طور پر ہم سلام کہہ کر نماز سے نکلنا واجب کہتے ہیں.......... واللہ اعلم

﴿فصل فی القراء ۃ﴾

(۳۱۳)قال یجھر بالقراء ۃ فی الفجر والرکعتین الاوّلیین من المغرب والعشاء ان کان اماما ویخفی فی الاخریین﴾

﴿فصل فی القراء ۃ﴾

ترجمہ: (۳۱۳) جہری قرأت کرے فجر میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دونوں رکعتوں میں اگر امام ہو۔ اور قرأت پوشیدہ کرے گا پہلی دو کے بعد میں۔

تشریح: فجر کی دونوں رکعتوں میں، مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں اور عشا کی پہلی دو رکعتوں میں قرأت زور سے پڑھے گا۔ اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں قرأت آہستہ پڑھے گا۔

وجہ: (۱) عن انس أن جبرئیلؑ اتی النبی ﷺ بمکۃ حین زالت الشمس و أمرہ أن یوذن للناس بالصلوۃ حین فرضت علیھم ، فقام جبرئیلؑ امام النبی ﷺ و قامو الناس خلف رسول اللہ ﷺ قال : فصلی أربع رکعات لا یجھر فیھا بقرأۃ....ثم امھل حتی اذا دخل وقت العصر ، صلی بھم أربع رکعات لا یجھر فیھا بالقرأۃ ....ثم امھل حتی اذا وجبت الشمس صلی بھم ثلاث رکعات یجھر فی رکعتین بالقرأۃ و لا یجھر فی الثالثۃ ، ثم امھلہ حتی اذا ذھب ثلث اللیل صلی بھم أربع رکعات یجھر فی الاولیین بالقرأۃ ، و لا یجھر فی الاخریین بالقرأۃ ، ثم امھل حتی اذا طلع الفجر صلی بھم رکعتین یجھر فیھما بالقرأۃ ۔(دارقطنی ، باب امامۃ جبرئیل ، ص ۲۶۸ ، نمبر ۱۰۱۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فجر دونوں رکعتوں میں جہری قرأت کرے اور مغرب اور عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں جہری قرأت کرے اور مغرب کی تیسری رکعت میں اور عشا کی تیسری اور چوتھی رکعت میں سری قرأت کرے۔

(۲) حدیث میں عن ابن عباس قال انطلق النبی ﷺ... وھو یصلی باصحابہ صلوۃ الفجر فلما سمعوا القرآن استمعوا لہ. (بخاری شریف ، باب الجھر بقراءۃ صلوۃ الصبح ص ۱۰۶ نمبر ۷۷۳ رمسلم شریف ، باب الجھر بالقراءۃ فی الصبح والقراءۃ علی الجن ص ۱۸۴ نمبر ۴۴۹ / ۱۰۰۶) اس باب میں جنات کے سامنے فجر کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی کئی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں۔ جن سے معلوم ہوتا ہے کہ فجر کی نماز میں جہری قرأت ہے اگر خود امام ہو تو۔ (۳) مغرب میں جہری قرأت کی دلیل یہ ہے ۔جبیر بن مطعم عن ابیہ قال سمعت رسول اللہ ﷺ قرء فی المغرب بالطور . (بخاری شریف ، باب الجھر فی المغرب ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۵) سمعت کے لفظ سے پتہ چلا کہ آپؐ نے قرأت جہری کی ہے تب ہی تو راوی نے سورۂ طور سنی۔ (۴) عشا کی نماز میں جہری قرأت کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے سمعت البراء ان النبی ﷺ کان فی سفر فقرء فی

ﻟ هذا هو المتوارث (٣١٤) وان كان منفردا فهو مخيران شاء جهرواسمع نفسه ﴿ﻟ لانه امام فی حق نفسه وان شاء خافت لانه ليس خلفه من يسمعه

العشاء فی احدی الركعتين بالتين والزيتون ۔(بخاری شریف، باب الجہر فی العشاء ص ١٠٥ نمبر ٧٦٧ رمسلم شریف، باب القراءۃ فی العشاء ص ١٨٧ نمبر ٤٦٤) یہاں بھی سمعت کے لفظ سے معلوم ہوا کہ آپ نے عشا کی نماز میں قرأت جہری کی ہے۔

(١) عشا کی دوسری دو رکعتوں میں جہری قرأت نہ کرنے کی دلیل یہ حدیث ہے قال عمر لسعد شكوك فی كل شیء حتی الصلوة قال اما انا فامد فی الاولیین واحذف فی الآخريين. (بخاری شریف، باب یطول فی الاولیین ویحذف فی الاخریین ص ١٠٦ نمبر ٧٧٠) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت نہ کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ کیونکہ حذف کے ایک ہی معنی ہے قرأت چھوڑ دینا۔ اس لئے قرأت ہی نہیں کرتے تھے یا آہستہ کرتے تھے۔ اسی پر مغرب کی تیسری رکعت کو قیاس کرنا چاہئے۔ اور اس میں بھی یا قرأت نہیں ہے جیسا کہ پہلے گزرا یا قرأت آہستہ کرتے تھے۔

ترجمہ: ﻟ یہی متوارث ہے۔ یعنی یہی حضور پاکؐ اور صحابہؓ اور تابعین کے زمانے سے منقول ہوتا چلا آیا ہے۔

ترجمہ: (٣١٤) اور اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو اس کو اختیار ہے اگر چاہے تو زور سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے کیونکہ وہ اپنے نفس کے حق میں امام ہے اور اگر چاہے تو آہستہ پڑھے۔

ترجمہ: ﻟ اسلئے کہ اسکے پیچھے کوئی نہیں ہے جسکو وہ سنائے گا۔

تشریح: اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہے تو وہ اپنے لئے امام بھی ہے اس لئے جہری نماز میں زور سے پڑھ سکتا ہے اور اپنے آپ کو سنا سکتا ہے۔ لیکن اس کے پیچھے کوئی نہیں ہے جس کو سنائے اس لئے وہ آہستہ بھی پڑھ سکتا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ تھوڑا زور سے پڑھے تا کہ ہیئت جماعت پر نماز ادا ہو جائے۔

وجہ: (١) قلت لعطاء : ما يجهر به الصوت من القرأة من صلاة الليل و النهار من المكتوبة ؟ قال : الصبح و الاوليين العشاء ، و الاوليين المغرب ، و الجمعة اذا كانت فی جماعة ، فاما اذا كان المرأ وحده فلا ۔(مصنف عبد الرزاق، باب ما یجہر من القرأۃ فیہ من الصلوۃ، ج ثانی، ص ١٠٠، نمبر ٢٦٥٥) اس اثر میں ہے کہ آدمی جماعت کے ساتھ ہو تو جہر کرے اور تنہا ہو تو ضروری نہیں ہے اور زور سے پڑھے اور اپنے آپ کو سنائے (٢) اس کی دلیل یہ اثر بھی ہے عن نافع ان عبد الله بن عمر كان اذا فاته شیء من الصلوة مع الامام فيما جهر فيه الامام بالقراء ة انه اذا سلم الامام قام عبد الله فقرء لنفسه فيما يقضی و جهر (مؤطا امام مالک، باب العمل فی القراءۃ ص ٦٤) اس اثر سے معلوم ہوا کہ جہری نماز اکیلے پڑھتا ہو تو زور سے قرأت پڑھ سکتا ہے۔ کیونکہ عبداللہ بن عمر زور سے پڑھتے تھے۔

۲؎ والافضل هو الجهر ليكون الاداء علٰى هيأة الجماعة (۳۱۵) ويخفيها الامام فى الظهر والعصر وان كان بعرفة ﴾ ا؎ لقوله عليه السلام صلوة النهار عجماء اى ليست فيها قراء ة مسموعة ۲؎ وفى عرفة

ترجمه: ۲؎ اور افضل یہ ہے کہ زور سے پڑھے تا کہ ادا جماعت کے طور پر ہو جائے۔

تشریح: تنہا آدمی کے لئے فرض نماز میں آہستہ پڑھنا جائز تو ہے لیکن زور سے پڑھے تو افضل ہے تا کہ نماز جماعت کی ہیئت پر ہو جائے۔

ترجمه: (۳۱۵) امام ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ پڑھے چاہے عرفہ میں ہی کیوں نہ ہو۔

وجه: (۱) عن انس أن جبرئيل اتى النبى ﷺ بمكة حين زالت الشمس و أمره أن يوذن للناس بالصلوة حين فرضت عليهم ، فقام جبرئيل امام النبى ﷺ و قاموا الناس خلف رسول الله ﷺ قال : فصلى أربع ركعات لا يجهر فيها بقرأة....ثم امهل حتى اذا دخل وقت العصر ، صلى بهم أربع ركعات لا يجهر فيها بالقرأة ۔(دار قطنی ، باب امامة جبرئیل، ص ۲۶۸، نمبر ۱۰۱۱) اس حدیث میں ہے کہ ظہر اور عصر میں قرأت آہستہ کی۔(۲) عن ابى قتادة عن ابيه قال كان النبى ﷺ يقرأ فى الركعتين من الظهر والعصر بفاتحة الكتاب وسورة سورة ويسمعنا الآية احيانا (بخاری شریف، باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۰۵ نمبر ۷۶۲ر مسلم شریف، باب القراءۃ فی الظہر والعصر ص ۱۸۵ نمبر ۴۵۱) یسمعنا الآیۃ احیانا سے معلوم ہوا کہ آپ پہلی دونوں رکعتوں میں قرأت آہستہ کرتے تھے۔ لیکن کبھی کبھار ایک دو آیت سنا بھی دیتے تھے۔ اسی حدیث کے یقرأ فی الرکعتین سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں قرأت پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ کیونکہ آپ پہلی دو رکعتوں ہی میں قرأت کرتے تھے (۳) عن الزهرى قال عن رسول الله ﷺ ان يجهر بالقراء ة فى الفجر فى الركعتين وفى الاولیین من المغرب والعشاء ويسر فيما عدا ذلك (اخرجہ ابو داؤد فی مراسلہ درایۃ ص ۹۱ ر اعلاء السنن ج رابع ص ۶ ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۹ فی قراءۃ النہار کیف ھی فی الصلوۃ، ج اول، ص ۳۰۲، نمبر ۳۶۶۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ ظہر اور عصر میں قرأت سری ہونی چاہئے۔

ترجمه: ا؎ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ دن کی نماز گونگی ہے۔ یعنی اس میں ایسی قرأت نہیں ہے جسکو سن سکے۔

تشریح: اصل دلیل تو اوپر کی حدیث ہے۔ صاحب ھدایہ نے یہ اثر پیش کی ہے۔ عن الحسن قال : صلوة النهار عجماء و صلاة الليل تسمع اذنيك ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۳۹ فی قرأۃ النہار کیف ھی فی الصلوۃ، ج اول، ص ۳۲۰، نمبر ۳۶۶۴ ر مصنف عبد الرزاق باب قرأۃ النہار، ج ثانی، ص ۴۹۳، نمبر ۴۱۹۹) اس اثر میں ہے کہ دن کی نماز گونگی ہے۔

ترجمه: ۲؎ اور عرفہ کے بارے میں حضرت امام مالکؒ کا اختلاف ہے، اور انکے اوپر حجت وہ ہے جو ہمنے روایت کی۔

خلاف لمالکؒ والحجة عليه مارويناه (۳۱۶) ويجهر فی الجمعة والعيدين ﴾ ۱؎ لورود النقل المستفيض بالجهر ۲؎ وفی التطوع بالنهار يخافت وفی الليل يتخير اعتبارا بالفرض فی حق المنفرد

تشریح : حضرت امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ نویں ذی الحجہ کو مقام عرفہ میں ظہر اور عصر میں قرأت زور سے کرے گا۔ لیکن ہمنے جو اثر بیان کیا کہ دن کی نماز گونگی ہے وہ ان پر حجت ہے کہ عرفہ میں ظہر اور عصر کی نماز سری پڑھی جائیگی۔

ترجمه: (۳۱۶) اور زور سے قرأت پڑھی جائے گی جمعہ اور عیدین میں۔

ترجمه: ۱؎ زور سے پڑھنے کے بارے میں مشہور حدیث وارد ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : جمعہ اور عیدین میں بھی زور سے قرأت کی جائے گی، اسلئے کہ اسکے بارے میں بہت سی احادیث وارد ہیں۔

وجه : (۱) عن النعمان بن بشير قال : كان رسول الله ﷺ يقرأ فی العيدين و فی الجمعة ﴿سبح اسم ربک الاعلی﴾ و ﴿هل أتاک حديث الغاشية﴾ (مسلم شریف، باب مایقرأ فی الجمعة، ص ۳۵۱، نمبر ۸۷۸/۲۰۲۸/ ابوداود شریف، باب مایقرأ فی الجمعة، ص ۱۶۹، نمبر ۱۱۲۲) اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ عیدین میں اور جمعہ میں سبح اسم، اور ھل اتاک حدیث الغاشیہ پڑھتے تھے جس سے معلوم ہوا کہ اس میں قرأت زور سے کرتے تھے تب ہی تو صحابہ نے حضورؐ کی قرأت سنی۔

(۲) قلت لعطاء : ما يجهر به الصوت من القرأة من صلاة الليل و النهار من المكتوبة ؟ قال : الصبح و الاوليين العشاء، و الاوليين المغرب، و الجمعة اذا كانت فی جماعة، فاما اذا كان المرأ وحده فلا ۔ (مصنف عبد الرزاق، باب ما تجھر من القرأة فیہ من الصلوة، ج ثانی، ص ۱۰۰، نمبر ۲۶۵۵) اس اثر میں ہے کہ جمعہ میں بھی قرأت زور سے کی جائے گی، اور اسی پر عیدین کو قیاس کیا جائے گا۔

ترجمه: ۲؎ اور دن کے نفل میں آہستہ پڑھی جائے گی، اور رات کی نفل میں اختیار ہے منفرد کے حق میں فرض پر قیاس کرتے ہوئے۔

تشریح : دن میں نفل پڑھے تو قرأت آہستہ کرے گا، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ دن کی نماز گونگی ہے، اثر یہ گزرا۔ عن الحسن قال : صلوة النهار عجماء و صلاة الليل تسمع اذنيک ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۱۳۹ فی قرأة النهار کیف ھی فی الصلوة، ج اول، ص ۳۲۰، نمبر ۳۶۶۴/ مصنف عبد الرزاق باب قرأة النهار، ج ثانی، ص ۴۹۳، نمبر ۴۱۹۹)) اس اثر میں ہے کہ دن میں جو بھی نماز ہو اس میں آہستہ قرأت کی جائے گی۔ اور رات میں نفل پڑھے تو اسکو اختیار ہے چاہے زور سے پڑھے، چاہے آہستہ پڑھے۔

وجه: (۱) اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ کوئی تنہا آدمی رات میں فرض پڑھے تو اسکو زور سے اور آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے، اسی پر قیاس کر

۳؎ وھٰذا لانه مکمل له فیکون تبعا له (۳۱۷) ومن فاتته العشاء فصلا ھا بعدطلوع الشمس ان امّ فیھا جھر کما ﴿ ۱؎ فعل رسول اللهﷺ حین قضی الفجر غداة لیلة التعریس بجماعة

تے ہوئے کوئی تنہا آدمی نفل پڑھے تو اسکو زور سے اور آہستہ پڑھنے کا اختیار ہے (۲) حدیث میں زور سے پڑھنے کا اور اختیار کا ثبوت ہے۔ عن ابن عباس قال : کانت قراءۃ النبی ﷺ علی قدر ما یسمعه من فی الحجرة و ھو فی البیت . (ابو داود شریف، باب رفع الصوت بالقرأۃ فی صلوۃ اللیل، ص ۱۹۸، نمبر ۱۳۲۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رات کی نفل میں قرأت زور سے بھی پڑھی جا سکتی ہے۔ (۳) اور اس حدیث میں ہے کہ پڑھنے والے کو اختیار ہے۔ قال : سألت عائشة کیف کانت قرأۃ النبی ﷺ باللیل ؟ [أ کان یسر بالقرأۃ أم یجھر ؟] فقالت : کل ذالک قد کان یفعل ، ربما اسر بالقرأۃ و ربما جھر فقلت : الحمد لله الذی جعل فی الامر سعة . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی القرأۃ باللیل، ص ۱۰۰، نمبر ۴۴۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سری اور جہری دونوں قرأت کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳؎ اور یہ اسلئے ہے کہ نفل فرض کو مکمل کرنے والا ہے اسلئے نفل فرض کے تابع ہوگا۔

تشریح : نوافل فرض کو مکمل کرنے کے لئے ہیں اسلئے وہ فرض کے تابع ہونگے۔ اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے فلقی ابو ھریرة ......قال : انظرو ا ھل لعبدی من تطوع ، فان کان له تطوع قال : اتموا لعبدی فریضته من تطوعه ، ثم توخذ الاعمال علی ذالکم ۔(سنن بیہقی، باب ماروی فی اتمام الفریضۃ من التطوع فی الاخرۃ، ج ثانی، ص ۵۴۰، نمبر ۴۰۰۰) اس حدیث میں ہے کہ نوافل فرض کے مکمل کرنے کے لئے ہیں۔ اور دن کے فرض میں قرأت سری ہے اسلئے اسکے نفل میں بھی قرأت سری ہوگی، اور رات کے فرض میں قرأت جہری ہے اسلئے اسکے نفل میں بھی قرأت جہری کر سکتا ہے۔ اور سری کا بھی اختیار ہے۔

ترجمہ: (۳۱۷) کسی کی عشاء فوت ہو جائے اور وہ اسکو سورج طلوع ہونے کے بعد پڑھے، اگر اس میں امامت کر رہا ہو تو قرأت جہری کرے۔

ترجمہ: ۱؎ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے کیا جس وقت لیلۃ التعریس میں فجر جماعت کے ساتھ قضا کی۔

تشریح : کسی کی عشاء فوت ہو گئی اور اسکو رات کے بجائے دن میں ادا کر رہا ہے، تو اگر جماعت کے ساتھ ادا کر رہا ہے تو اس میں قرأت جہری کرے گا اور اگر اکیلا پڑھ رہا ہے تو قرأت سری کرے گا۔

وجہ : (۱) لیلۃ التعریس میں فجر قضا ہو گئی اور اسکو دن میں سورج نکلنے کے بعد ادا کیا تو قرأت جہری کی ہے جس سے معلوم ہوا کہ قرأت جہری کرے گا۔ لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے اور یہی صاحب ھدایہ کا مستدل حدیث ہے۔ عن ابی قتادہ قال : خطبنا

(۳۱۸) وان كان وحده خافت حتما ولا يتخير ﴾ لِهو الصحيح لان الجهر يختص أمابالجماعة حتما اوبالوقت في حق المنفرد على وجه التخيير ولم يوجد احدهما (۳۱۹)ومن قرأ في العشاء في الاوّليين السورة ولم يقرأ بفاتحة الكتاب لم يعد في الاخريين وان قرأ الفاتحة ولم يزد عليها قرأفي

رسول الله ﷺ ....فصلى رسول الله ﷺ ركعتين ، ثم صلى الغداة فصنع كما كان يصنع كل يو م ۔(مسلم شریف، باب قضاء الصلوۃ الفائتۃ واستحبا بتعجیل قضائھا ص۲۳۸،نمبر۶۸۱/۱۵۶۲)اس حدیث میں ,كما كان يصنع كل يوم ، کے اشارۃ النص سے استدلال فرمایا ہے کہ ہر دن فجر میں جہری قرأت کرتے تھےتو اس دن بھی سورج طلوع ہونے کے بعد بھی جہری قرأت ہی کی ہے،جس سے ثابت ہوا کہ رات کی نماز دن کو جماعت کے ساتھ قضا کرے تو جماعت کی ہیئت پر جہری قرأت کرے۔

ترجمہ: (۳۱۸) اور اگر اکیلا نماز پڑھ رہا ہو تو لازمی طور پر سری قرأت کرے اور اختیار نہیں ہوگا،صحیح یہی ہے۔

تشریح : رات کی نماز دن میں پڑھ رہا ہے،اور اکیلا پڑھ رہا ہے، جماعت کے ساتھ نہیں ہے تو یہ لازمی طور پر سری قرأت کرے۔ اگر وقت میں یعنی رات میں پڑھتا تو اسکو جہری اور سری دونوں قرأت کرنے کا اختیار ہوتا۔

هو الصحيح:. کہہ کر اس بات کی طرف اشارہ کیا کہ حضرت شمس الائمہ سرخسی نے فرمایا کہ اس تنہا پڑھنے والے کو بھی اختیار ہوگا کہ چاہے تو آہستہ قرأت کرے اور چاہے تو زور سے قرأت کرے۔جس طرح یہ رات میں تنہا نماز پڑھتا تو اسکو دونوں قرأت کا اختیار ہو تا۔

ترجمہ: لِ اسلئے کہ جہری قرأت یا تو صرف جماعت کے ساتھ خاص ہے یا منفرد کے حق میں اختیار کے ساتھ وقت کے ساتھ خاص ہے اور دونوں میں سے کوئی نہیں پایا گیا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے، پہلے یہ گزر چکا ہے کہ رات کی نماز وقت میں جماعت کے ساتھ پڑھ رہا ہو تو جہری قرأت کرنا واجب ہے،اور تنہا پڑھ رہا ہو تو اسکو اختیار ہے چاہے جہری پڑھے یا سری پڑھے،اس سے معلوم ہوا کہ جہری قرأت کرنے کی دو وجہ ہیں،یا تو جماعت ہو، یا وقت میں نماز پڑھ رہا ہو،اور یہاں آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہے،اسلئے جماعت بھی نہیں ہے اور رات کی نماز دن کو پڑھ رہا ہے اسلئے وقت بھی نہیں ہے،اسلئے دونوں میں سے کوئی وجہ نہیں ہے اسلئے یہ لازمی طور پر سری قرأت کرے گا۔

ترجمہ: (۳۱۹) کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں دوسری سورت تو پڑھی لیکن سورہ فاتحہ نہیں پڑھی،تو دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ نہیں لوٹائے گا۔اور اگر سورہ فاتحہ تو پڑھی لیکن دوسری سورت نہیں ملایا،تو دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھے گا اور اسکے بعد سورت ملائے گا۔

الاخريين الفاتحة والسورة وجهر ﴾ ١ وهذا عندابى حنيفة ومحمد ٢ وقال ابويوسف لايقضى واحدة منهمالان الواجب اذافات عن وقته لايقضى الابدليل

ترجمه: ١ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح: کسی نے عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں سورت تو ملایا لیکن سورہ فاتحہ نہیں پڑھی تو دوسری دو رکعتوں میں اس سورہ فاتحہ کی قضا نہیں کرے گا۔ البتہ استحبابی طور پر حنفیہ کے نزدیک سورہ فاتحہ پڑھنے کا حکم ہے وہ پڑھ سکتا ہے ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مشروع طریقہ یہ ہے کہ پہلے سورہ فاتحہ ہو پھر سورہ ملائی جائے، اور دوسری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ قضا کرنے سے صورت یہ ہو جائے گی کہ پہلے سورت ہو گی اور بعد میں سورہ فاتحہ ہو گی، اس صورت میں سورت ملانے کی ترتیب الٹ جائے گی۔ اسلئے بعد میں فاتحہ کی قضا نہ کرے۔ (۲) اسکے لئے اثر یہ ہے۔ عن الحسن فی رجل قرأ : ﴿ قل هو الله أحد ﴾ و نسی, فاتحة الكتاب، قال : يجزئه ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۲۰۱۷، ما قالو فیہ اذا نسی أن یقرأ بالحمد، ج اول، ص ۳۴۸، نمبر ۴۰۰۵) اس اثر میں ہے کہ فاتحہ بھول جائے تو نماز ہو جائے گی۔

اور اگر فاتحہ تو پہلی دو رکعتوں میں پڑھی، لیکن سورت نہیں ملائی تو دوسری دو رکعتوں میں سورت ملا سکتا ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ ہو گئی اور اسکے بعد سورت کا ملانا ہوا، تو مشروع ترتیب باقی رہی ، اسلئے یہ جائز ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں استحبابی طور پر سورہ فاتحہ پڑھے اور اسکے بعد قضا کے طور پر سورت ملائے، تو فاتحہ کے بعد سورت کا ملانا ہوا جو مشروع ہے۔ اور صحیح ہوگا۔

وجه : (۱) اثر میں ہے۔ عن عبد الله بن حنظلة بن الراهب قال : صلى بنا عمر بن الخطاب فنسى أن يقرأ فى الركعة الاولى فلما قام فى الركعة الثانية قرأ بفاتحة الكتاب مرتين و سورتين ، فلما قضى الصلاة سجد سجدتين . (ابن ابی شیبۃ، نمبر ۴۱۲۲) (۲) عن علیؓ قال : اذا نسى الرجل أن يقرأ فى الركعتين الاوليين من الظهر ، و العصر ، و العشاء فليقرأ فى الركعتين الاخريين و قد اجزأ عنه . (مصنف عبدالرزاق، باب من نسی القرأت، ج ثانی، ص ۱۲۳، نمبر ۲۷۵۱، نمبر ۲۷۵۶ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول : اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۳) ان دونوں اثروں میں ہے کہ پہلی میں بھول جائے تو دوسری رکعتوں میں قضا کرے۔

ترجمه: ٢ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ سورت اور سورہ فاتحہ کچھ بھی نہیں ملائے گا۔ اسلئے کہ واجب اپنے وقت سے فوت ہو جائے تو قضا کی دلیل کے بغیر قضا نہیں کیا جاتا۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں چاہے سورہ فاتحہ چھوڑ دے، یا سورت ملانا چھوڑ

۳؎ ولهما وهو الفرق بين الوجهين ان قراء ة الفاتحة شرعت علىٰ وجه يترتب عليها السورة فلو قضاها في الاخريين تترتب الفاتحة على السورة وهٰذا خلاف الموضوع ۴؎ بخلاف ما اذا ترك السورة لانه امكن قضاؤها على الوجه المشروع ۵؎ ثم ذكر ههنا مايدل على الوجوب وفي الاصل بلفظة الاستحباب لانها ان كانت مؤخرة فغير موصولة بالفاتحة فلم يمكن مراعاة موضوعها من كل وجه

دے انکو دوسری دو رکعتوں میں قضا نہیں کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اپنی جگہ سے فوت ہو گیا اسلئے جب تک حدیث سے قضا کرنے کا ثبوت نہ ہو قضا واجب نہیں ہوگی، اسلئے انکو دوسری دو رکعتوں میں قضا نہیں کریں گے۔

ترجمہ: ۳؎ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے۔ اور دونوں باتوں میں فرق کی وجہ بھی یہی ہے کہ فاتحہ کی قرأت اس طرح مشروع ہوئی ہے کہ اسکے بعد سورت کا ملانا ہو، پس اگر فاتحہ کو دوسری دو رکعتوں میں قضا کرے تو فاتحہ سورت کے بعد ہو جائے گا۔ اور یہ موضوع کے خلاف ہے۔

تشریح: طرفین کی دلیل اوپر گزر گئی کہ مشروع یہ ہے کہ سورہ فاتحہ پہلے ہو اور سورت کا ملانا اسکے بعد ہو، پس اگر فاتحہ کو دوسری دو رکعتوں میں قضا کریں تو فاتحہ سورت کے بعد ہو جائے گا، اور یہ خلاف مشروع ہے اسلئے فاتحہ چھوٹ جائے تو دوسری دو رکعتوں میں قضا نہیں کرے گا۔

ترجم: ۴؎ بخلاف جبکہ سورت چھوڑ دے، اسلئے کہ سورت کا قضا کرنا ممکن ہے مشروع طریقے پر۔

تشریح: عشاء کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ تو پڑھی لیکن سورت ملانا بھول گیا۔ تو دوسری دو رکعتوں میں قضا کرے گا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے فاتحہ پڑھ چکا ہے اسلئے اب سورت ملائے گا تو سورت کا ملانا فاتحہ کے بعد ہوگا، اور یہی مشروع ہے کہ سورت کا ملانا فاتحہ کے بعد ہو۔

ترجمہ: ۵؎ پھر یہاں [جامع صغیر میں] دلالت کرتا ہے وجوب پر، اور اصل [مبسوط] میں استحباب کے لفظ کے ساتھ ہے، اسلئے کہ سورت اگر چہ موخر ہے لیکن پہلے فاتحہ کے ساتھ متصل نہیں ہے، اسلئے ہر اعتبار سے ترتیب کی رعایت ممکن نہیں ہوئی۔

تشریح: فصل فی القرأت میں اکثر عبارت جامع صغیر کی ہے، اسلئے فرما رہے ہیں کہ یہاں یعنی جامع صغیر کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں سورت ملانا چھوٹ جائے تو دوسری دو رکعتوں میں سورت کا ملانا واجب ہے۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ رجل قرأ في العشاء في الاوليين سورة و لم يقرأ بفاتحة الكتاب لم يعد في الآخرين ، و ان قرأ في الاوليين بفاتحة الكتاب و لم يزد عليها ، قرأ في الآخرين بفاتحة الكتاب و سورة و جهر ۔ (جامع صغیر، باب فی القرأۃ فی الصلوۃ، ۹۶) اس عبارت میں ,قرأ في الآخرين، سے اشارہ ملتا ہے کہ سورت کی قضا ضروری ہے۔

(۳۲۰)ویجھر بھما﴾ ا؎ ھو الصحیح

وجہ : حضرت علیؓ کے قول میں ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں ضرور پڑھے، اسلئے قضا کرنا واجب ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن علیؓ قال : اذا نسی الرجل أن یقرأ فی الرکعتین الاولیین من الظھر ، و العصر ، و العشاء فلیقرأ فی الرکعتین الاخریین و قد اجزأ عنہ . (رمصنف عبد الرزاق، باب من نسی القرأت، ج ثانی ص ۱۲۳، نمبر ۲۷۵۱ رنمبر ۲۷۵۶ رمصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۳) اس اثر میں ہے فلیقرأ فی الرکعتین الاخریین، جس سے معلوم ہوا کہ دوسری دو رکعتوں میں ضرور پڑھے۔

لیکن اصل یعنی مبسوط کی عبارت میں ,احب ان یقضیھما ، ہے یعنی مستحب ہے کہ دوسری دو رکعتوں میں اسکو قضا کرے۔(۱)اور اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ یہاں سورت اگر چہ فاتحہ کے بعد ہے، لیکن پہلی دو رکعت کے فاتحہ کے بعد نہیں ہے، بلکہ دوسری دو رکعتوں میں جو فاتحہ پڑھنا مستحب ہے اسکے بعد سورت کا ملانا ہوا، حالانکہ مشروع یہ ہے کہ پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ کے فورا بعد سورت ملائے، اسلئے چونکہ پورے طور پر ترتیب پر عمل نہیں کر سکتے اسلئے سورت کی قضا کرنا واجب نہیں مستحب ہوگی۔ (۲) حضرت عمر کے اس قول میں ہے کہ انہوں نے دہرائی، جس سے استحباب ثابت ہوتا ہے اسلئے مبسوط کی عبارت میں لوٹانا مستحب ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن عبد اللہ بن حنظلۃ بن الراھب قال : صلی بنا عمر بن الخطاب فنسی أن یقرأ فی الرکعۃ الاولی فلما قام فی الرکعۃ الثانیۃ قرأ بفاتحۃ الکتاب مرتین و سورتین ، فلما قضی الصلاۃ سجد سجدتین . (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۲ رمصنف عبد الرزاق، باب من نسی القرأت، ج ثانی، ص ۱۲۳، نمبر ۲۷۵۱ رنمبر ۲۷۵۶)اس اثر میں ہے کہ حضرت عمر نے دہرائی جس سے مستحب ثابت ہوتا ہے۔

ترجمہ: (۳۲۰) اور فاتحہ اور سورت دونوں کو جہری پڑھے۔

ترجمہ: ا؎ صحیح روایت یہی ہے۔

تشریح : عشاء کی دوسری دو رکعتوں میں پہلی دو رکعتوں کی چھوٹی ہوئی سورت کی قضا کرے گا، تو سورہ فاتحہ بھی زور سے پڑھے گا اور سورت بھی زور سے پڑھے گا۔ صحیح روایت یہی ہے۔ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ دونوں کو سری پڑھے گا۔ اور تیسری روایت یہ ہے کہ فاتحہ کو سری پڑھے گا اور سورت کو جہری پڑھے گا۔ لیکن صحیح روایت پہلی ہے۔

وجہ : (۱)عن عبد اللہ بن حنظلۃ بن الراھب قال : صلی بنا عمر بن الخطاب فنسی أن یقرأ فی الرکعۃ الاولی فلما قام فی الرکعۃ الثانیۃ قرأ بفاتحۃ الکتاب مرتین و سورتین ، فلما قضی الصلاۃ سجد سجدتین ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۹۱ من کان یقول: اذا نسی القرأۃ فی الاولیین قرأ فی الاخریین، ج اول، ص ۳۵۹، نمبر ۴۱۲۲) اس اثر میں

۲؎ لان الجمع بین الجهر والمخافتة فی رکعة واحدة شنیع وتغیر النفل وهو الفاتحة اولی ۳؎ ثم المخافتة ان یُسْمِع نفسَه والجهر ان یُسمع غَیره وهٰذا عند الفقیه ابی جعفر الهندوانیؒ لان مجرد حرکة اللسان لایسمی قراء ۃ بدون الصوت

ہے کہ حضرت عمرؓ نے دوسری دو رکعتوں میں فاتحہ دو مرتبہ پڑھی اور سورت بھی دو مرتبہ پڑھی، اسکا مطلب یہ ہے کہ زور سے قرأت کی تب ہی تو راوی نے سنی ہوگی! اس سے ظاہر ہوا کہ فاتحہ اور سورت دونوں کو جہری پڑھے گا۔

ترجمہ: ۲؎ اسلئے کہ ایک ہی رکعت میں جہری اور پوشیدگی کو جمع کرنا اچھا نہیں ہے، اور فاتحہ جو نفل ہے اسکو بدل کر جہر کرنا بہتر ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ دوسری دو رکعتوں میں سری فاتحہ پڑھنا ہمارے یہاں مستحب ہے۔ اور سورت کو جہری پڑھنا واجب تھا، اسلئے اسکی قضا بھی جہری ہی کرنی چاہئے، اسلئے جب سورت جہری پڑھیں گے تو فاتحہ جو مستحب ہے اسکو سری سے بدل کر جہری کرنا اولی ہوگا، کیونکہ مستحب کو تبدیل کرنا واجب کو تبدیل کرنے کی بنسبت آسان ہے۔ اسلئے فاتحہ ہی کو سری سے جہری کی طرف تبدیل کر دیں، اور دونوں کو جہری پڑھیں۔ اور اگر ایک ہی رکعت میں فاتحہ کو سری پڑھیں اور سورت کو جہری پڑھیں تو یہ شنیع اور برا لگتا ہے اسلئے دونوں کو جہری ہی پڑھیں۔

﴿جہر اور سر کی تعریف﴾

ترجمہ: ۳؎ پھر سری قرأت یہ ہے کہ خود سنے، اور جہری یہ ہے کہ دوسرے کو سنائے۔ اور یہ فقیہ ابو جعفر ھندوانی کے نزدیک ہے۔ اسلئے کہ صرف زبان کی حرکت بغیر آواز کے اسکو قرأت کا نام نہیں دیا جا سکتا۔

تشریح: حضرت ابو جعفر ھندوانیؒ کے نزدیک سری قرأت اسکو کہیں گے کہ اتنا آہستہ ہو کہ خود سنے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس سے کم میں تو صرف زبان کی حرکت ہوگی اور آواز نہیں نکلے گی، عرف میں صرف زبان کی حرکت کو قرأت نہیں کہتے، اسلئے خود سننے کو سری قرأت کہیں گے۔

اور جہری قرأت اتنی زور سے ہو کہ دوسرے بھی سن لیں۔ کیونکہ دوسرے کے سننے کو جہر کہتے ہیں۔

وجہ: اس حدیث کے اشارے سے انکا استدلال ہے۔ سألنا خبابا، أکان النبی ﷺ یقرأ فی الظهر و العصر؟ قال: نعم قلنا: بأی شیء کنتم تعرفون ذالک؟ قال: باضطراب لحیته۔ (بخاری شریف، باب القرأۃ فی الظھر و العصر، ص ۱۰۵، نمبر ۷۶۰) اس حدیث میں ہے کہ سری قرأت کرتے ہوئے داڑھی ہلتی تھی، جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ قرأت

۴؎ وقال الکرخی ادنی الجهر ان یسمع نفسه وادنی المخافتة تصحیح الحروف لان القراء ة فعل اللسان دون الصماخ ۵؎ وفی لفظ الکتاب اشارة الیٰ هٰذا ۶؎ وعلیٰ هٰذا الاصل کل مایتعلق بالنطق کالطلاق والعتاق والاستثناء وغیر ذٰلک

کر کے خودکو سناتے تھے۔اسلئے یہ سر کا ادنی درجہ ہوا، پھر جہر کا ادنی درجہ یہ ہوگا کہ دوسروں کو سنائے۔

ترجمہ: ۴؎ اور حضرت کرخیؒ نے فرمایا کہ جہر کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود سنے، اور سری کا ادنی درجہ یہ ہے کہ حروف صحیح ہو جائے۔ اسلئے کہ قرأت زبان کا فعل ہے، کان کا فعل نہیں ہے۔

تشریح: حضرت امام کرخیؒ فرماتے ہیں کہ جہری قرأت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود سن سکے۔اور سری قرأت کا ادنی درجہ یہ ہے کہ جو قرأت کر رہے ہیں اسکے حروف صحیح نکلے۔اور اسکی وجہ یہ فرماتے ہیں کہ قرأت کرنا زبان کا کام ہے اسلئے زبان سے صحیح حروف نکل جائے تو سری قرأت ہوگئی۔کان سے سننا کوئی ضروری نہیں ہے، کیونکہ قرأت کرنا کان کا کام نہیں ہے۔

ترجمہ: ۵؎ اور متن کے لفظ میں اسی طرف اشارہ ہے۔

تشریح: اس کتاب کے متن میں مسئلہ نمبر ۳۱۴ پر قدوری کی عبارت یہ گزری, ان شاء جهر و اسمع نفسه، جس سے پتہ چلتا ہے کہ صاحب قدوری کے نزدیک بھی جہر کا ادنی درجہ یہ ہے کہ خود کو سنائے، تو سری کا ادنی درجہ یہ ہوگا کہ حروف صحیح ہو جائے، اس تعریف سے اشارہ ہوتا ہے کہ صاحب قدوری نے جہری اور سری کی تعریف میں امام کرخیؒ کی موافقت کی ہے۔

ترجمہ: ۶؎ اسی قاعدے پر ہر وہ چیز متفرع ہوگی جو بولنے سے تعلق رکھتی ہے، جیسے [طلاق] ہے، [آزاد کرنا] ہے، [استثناء کرنا] ہے، اور اسکے علاوہ۔

تشریح: جہر اور سر کے بارے میں جو دو اماموں کے قاعدے بیان کئے انہیں دو قاعدوں پر ان تمام امور کی بنیاد ہوگی جنکا تعلق بولنے سے ہے۔مثلا [طلاق] سری بولنے سے واقع ہوتی ہے اب کسی نے اتنا آہستہ سے انت طالق کہا کہ حروف کی تصحیح ہوگئی لیکن خود بھی نہ سن سکا، تو امام کرخیؒ کے نزدیک آہستہ بولنا پایا گیا، اسلئے انکے یہاں طلاق واقع ہو جائے گی۔لیکن امام جعفرؒ کے یہاں جب خود بھی نہیں سن پایا ہے تو سری بولنا نہیں پایا گیا اسلئے انکے یہاں طلاق واقع نہیں ہوگی۔

یا مثلا [غلام کو آزاد کیا] اور اتنا آہستہ بولا کہ خود بھی نہ سن سکا تو امام کرخیؒ کے نزدیک سری بولنا پایا گیا اسلئے غلام آزاد ہو جائے گا۔اور امام ابو جعفرؒ کے نزدیک سری بولنا بھی نہیں پایا گیا اسلئے غلام آزاد نہیں ہوگا۔

[یا استثناء کیا]، مثلا کہا کہ تمکو طلاق ہے، مگر ایک مہینے کے بعد۔اور [تمکو طلاق ہے] زور سے بولا، اور استثنا کا جملہ [مگر ایک مہینے کے بعد] اتنا آہستہ بولا کہ خود بھی نہ سن سکا، تو امام کرخیؒ کے نزدیک استثناء صحیح ہے کیونکہ سری بولنا پایا گیا، اسلئے ایک مہینے کے بعد طلاق

(۳۲۱) وادنی مایجزئ من القراءۃ فی الصلوٰۃ اٰیۃ عند ابی حنیفۃ وقالا ثلث اٰیات قصار اواٰیۃ طویلۃ ﴾ ل لانہ لایسمی قاریابدونہ فاشبہ قراءۃ مادون الاٰیۃ ۲ ولہ قولہ تعالیٰ فاقرء وا ماتسیر من القراٰن من غیر فصل

واقع ہوگی۔اورامام جعفر کے یہاں جب خود بھی نہیں سن سکا تو سری بولنا نہیں پایا گیا اوراستثناء درست نہیں ہوا، اسلئے استثناء [مگر ایک مہینے کے بعد] والا جملہ بیکار گیا اورصرف [تمکوطلاق ہے] رہ گیا، اسلئے اس سے فوراطلاق واقع ہوجائے گی۔

لغت : مخافتۃ: آہستہ بولنا، سری قرأت۔صوت: آواز۔ادنی: کم سے کم۔صماخ: کان۔نطق: بولنا۔استثناء: کوئی جملہ بول کراسکو کاٹنا۔یاکسی عددکو بول کراسے کچھ کم کردینا، اورنکال دینے کواستثنا کہتے ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۱) نماز میں کم سے کم قرأت جوکافی ہے وہ ایک آیت ہے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک۔اورصاحبینؒ نے فرمایا کہ چھوٹی تین آیتیں، یالمبی ایک آیت۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ اس سے کم میں اسکوقاری نہیں سمجھا جاتا تو ایسا ہوگیا کہ ایک آیت سے کم پڑھی ہو۔

تشریح : نماز میں سورہ فاتحہ پڑھنا اورسورت ملانا تو واجب ہے۔لیکن کم سے کم کتنی آیت پڑھے گا توفرض کی آدائیگی ہوجائے گی، اس بارے میں اختلاف ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ چھوٹی ایک آیت سے بھی فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، اورصاحبین فرماتے ہیں کہ چھوٹی تین آیتیں ہوں، یاایک آیت اتنی لمبی ہوکہ چھوٹی تین آیتوں کے برابر ہوتب فرض کی ادائیگی ہوگی۔

وجہ : (۱)وہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی سی ایک آیت پڑھنے سے یہ نہیں پتہ چلتا ہے کہ اس نے آیت پڑھی، مثلا ,صرف ,الرحمن ، یا صرف ,علم القرآن ، یاصرف ,طعام الاثیم ،آیت پڑھی توصرف اتنے سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ اس نے آیت پڑھی اسلئے یا تولمبی آیت ہو، یاپھر چھوٹی تین آیتیں ہوں (۲) اثر میں اسکا اشارہ ہے۔قال عمرؓ : لا تجزی ء صلوۃ لا یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب و آیتین فصاعدا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۳۴ من قال: لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب، ومن قال: وشیء معھا، ج اول، ص ۳۱۷، نمبر ۳۶۲۴) یہ معلوم ہے کہ سورت ملانا واجب ہے، اوراس اثر میں دوہی آیتوں کوسورت ملانے کے قائم مقام کردیا جس سے معلوم ہوا کہ دوآیت کافی ہے اوراحتیاطا تین آیتیں کردی۔

ترجمہ: ۲ اورامام ابوحنیفہؒ کی دلیل اللہ تعالی کا قول ﴿ فاقرئوا ما تیسر من القرآن ﴾ آیت ۲۰ سورۃ المزمل ۷۳) ہے بغیر کسی تفصیل کے۔

تشریح : آیت فاقروا ما تیسر من القرآن میں یہ کہا گیا ہے کہ جتنا آسان ہوا تنا پڑھ لینے سے فرض کی ادائیگی ہوجائے گی، اسلئے ایک آیت پڑھنے سے بھی فرض کی ادائیگی ہوجائے گی۔اورایک آیت سے کم ہوا گرچہ وہ بھی قرآن ہے لیکن اتنا پڑھنے سے

۳الا ان مادون الأية خارج والأية ليست فی معناه (۳۲۲) وفی السفر يقرأ بفاتحة الكتاب وایّ سورة شاء ۱لماروی ان النبیﷺقرأفی صلوٰة الفجرفی سفره بالمعوذتين

بالاتفاق نماز نہیں ہوگی اسلئے ایک آیت سے فرض کی ادائیگی ہو جائے گی البتہ واجب کی کمی رہنے سے سجدہ سہو لازم ہوگا۔(۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن جابر بن زيد أنه قرأ ﴿مدهامتان﴾ (آیت ۶۴ سورہ الرحمٰن ۵۵) ثم ركع ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۳۴ ۱۳من قال: لاصلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب، ومن قال: وشیء معھا، ج اول، ص ۳۱۷، نمبر ۳۶۳۱) اس اثر میں ہے کہ صرف چھوٹی سی آیت مدھامتان، پڑھی اور رکوع میں چلے گئے جسکا مطلب یہ ہے کہ ایک چھوٹی آیت سے بھی فرض پورا ہو جاتا ہے۔

ترجمہ: ۳ مگر ایک آیت سے کم یہ بالاتفاق خارج ہے۔اور پوری آیت آیت سے کم کے حکم میں نہیں ہے۔

تشریح : یہ جملہ صاحبین کو جواب ہے۔انہوں نے استدلال فرمایا تھا آیت سے کم میں فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی اسی طرح چھوٹی پوری آیت سے بھی فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی ۔تو اسکا جواب دے رہے ہیں کہ آیت سے کم کا پڑھنا حائضہ اور نفساء کے لئے جائز ہے، اور پوری آیت انکے لئے پڑھنا جائز نہیں، اس سے معلوم ہوا کہ پوری آیت چاہے چھوٹی ہو اسکا حکم کچھ اور ہے اور پوری آیت سے کم کا حکم کچھ اور ہے، اسلئے آیت سے کم پڑھنے سے بالاتفاق فرض کی ادائیگی نہیں ہوگی، اور پوری آیت پڑھنے سے ہو جائے گی۔

نوٹ: آیتوں کی قرأت کی پانچ قسمیں ہیں (۱) فرض، جس سے جواز متعلق ہے وہ امام صاحب کے نزدیک ایک آیت تامہ ہے۔اب اگر وہ دو کلموں پر مشتمل ہو جیسے ثم نظر تب تو جائز ہے، اور اگر صرف ایک کلمہ ہو جیسے مد ھامتان یا صرف ایک حرف ہو جیسے صٓ ، نٓ ، قٓ تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے۔اصح عدم جواز ہے (۲) واجب، قرأت فاتحہ اور قرأت سورۃ واجب ہیں (۳) مسنون، وہ فجر اور ظہر میں طوال مفصل ہے۔یعنی سورۂ حجرات ۴۹ سے سورۂ بروج ۸۵ تک، عصر اور عشاء میں اوساط مفصل یعنی سورۂ بروج ۸۵ سے سورۂ لم یکن سورہ البینہ ۹۸ تک، مغرب میں قصار مفصل یعنی سورۂ زلزال ۹۹ سے آخر قرآن تک ۱۱۴ (۴) مستحب، وہ فجر کی پہلی رکعت میں تیس آیتوں سے چالیس آیتوں تک اور دوسری رکعت میں بیس سے تیس آیتوں تک سورۂ فاتحہ کے علاوہ (۵) مکرو، وہ یہ ہے کہ صرف سورۂ فاتحہ پڑھے یا فاتحہ کے ساتھ ایک آدھ آیت ملائے یا سورۃ پڑھے اور فاتحہ نہ پڑھے یا پہلی رکعت میں ایک سورۃ پڑھے اور دوسری رکعت میں اس سے اوپر کی سورۃ پڑھے۔یہ سب صورتیں مکروہ کی ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۲) سفر میں سورہ فاتحہ پڑھے اور جو سورت چاہے پڑھے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ روایت کیا ہے کہ نبی علیہ السلام نے سفر میں فجر کی نماز میں قل اعوذ برب الفلق ، اور قل اعوذ برب الناس، پڑھی۔

۲؎ ولان للسفر اثرافی اسقاط شطر الصلوۃ فلان یؤثّرفی تخفیف القراء ۃ اولی ۳؎وھذا اذاکان علیٰ عجلۃ من السیر وان کان فی اَمَنۃ وقراریقرأ فی الفجر نحو سُورۃ البروج وانشقت لانہ یمکنہ مراعاۃ السنۃ مع التخفیف (۳۲۳) ویقرأ فی الحضر فی الفجر فی الرکعتین باربعین اٰیۃ اوخمسین اٰیۃ سوی فاتحۃ الکتاب ﴾

وجه : (۱)سفر میں مشقت ہوتی ہے،یہی وجہ ہے کہ چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے اسلئے لمبی قرأت جوحضر میں پڑھتے ہیں وہ بھی مختصر ہو جائے گی۔البتہ اگر سفر میں آرام ہو اور چین ہو تو حضر والی لمبی قرأت کرسکتا ہے۔(۲)سمعت البراء أن النبی ﷺ کان فی سفر ، فقرأ فی العشاء فی احدی الرکعتین ﴿والتین و الزیتون ﴾ (بخاری شریف،باب الجھر فی العشاء،ص۱۰۵،نمبر۷۶۷)اس حدیث میں ہے کہ عشاء میں اوساط مفصل کے بجائے سفر کی وجہ سے چھوٹی سورت ,والتین و الزیتون ،پڑھی(۳)صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن عقبۃ بن عامر قال : کنت أقود برسول اللہ ﷺ ناقتہ فی السفر فقال لی : یا عقبۃ ! ألا أعلمک خیر سورتین قرئتا ، فعلمنی ﴿قل أعوذ برب الفلق ﴾و ﴿قل اعوذ برب الناس ﴾قال : فلم یرنی سررت بھما جدا ، قال : فلما نزل لصلوۃ الصبح صلی بھما صلوۃ الصبح للناس ، فلما فرغ رسول اللہ ﷺ من الصلوۃ التفت الی فقال : یا عقبۃ کیف رأیتَ ۔(ابوداود شریف،باب فی المعوذتین،ص ۲۱۸،نمبر۱۴۶۲/نسائی شریف،کتاب الاستعاذہ،ص۷۴۰،نمبر۵۴۳۸)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سفر میں فجر میں بھی چھوٹی سورت پڑھی جاسکتی ہے۔

ترجمه: ۲؎ اسلئے کہ سفر کو نماز کے حصے کے ساقط کرنے میں اثر ہے اسلئے قرأت کی تخفیف کرنے میں بدرجہ اولی اثر انداز ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ سفر کی مشقت کی وجہ سے چار رکعت والی نماز دو رکعت ہو جاتی ہے تو قرأت کی سنت بدرجہ اولی ساقط ہو جائے گی۔

ترجمه: ۳؎ یہ چھوٹی سورتیں پڑھنا جب ہے کہ سفر کی جلدی ہو،اور اگر امن اور چین میں ہو تو فجر میں سورہ بروج،اوراذا السماء انشقت ،جیسی سورت پڑھے،اسلئے کہ تخفیف کے ساتھ سنت کی رعایت کرنا اسکو ممکن ہے۔

ترجمه: (۳۲۳) اور حضر میں فجر کی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ کے علاوہ چالیس آیت سے پچاس آیت تک پڑھے۔

وجه : آدمی اپنی جگہ پر مقیم ہو تو فجر کی نماز کی دو رکعتوں میں چالیس سے لیکر پچاس آیت تک پڑھنا سنت ہے اسکی وجہ یہ حدیث ہے۔عن جابر بن سمرۃ : أن النبی ﷺ کان یقرأ فی الفجر ﴿قٓ و القرآن المجید ﴾و کان صلوتہ بعد تخفیفا ۔(مسلم شریف،باب القرأۃ فی الصبح،۱۸۵،نمبر۴۵۸/۱۰۲۷)اس حدیث میں ہے صبح کی نماز میں سورہ قٓ پڑھتے تھے،

١ویروی من اربعین الی ستین ومن ستین الیٰ مائة وبکل ذٰلک ورد الاثر ٢ ووجه التوفیق انه یقرأ بالراغبین مائة وبالکسالی اربعین وبالاوساط ما بین خمسین الیٰ ستین، وقیل ینظرالی طول اللیالی وقصرها والیٰ کثرة الاَشْغَال وقلتها

اورسورہ قؔ میں ۴۵ آیتیں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ سورہ فاتحہ کے علاوہ چالیس سے لیکر پچاس آیتیں پڑھنی چاہئے، یہ سنت ہے۔

ترجمہ: ١ اورروایت ہے کہ چالیس سے لیکر ساٹھ تک، اور یہ بھی روایت ہے کہ ساٹھ سے لیکر سوتک، اور ہرایک روایت کے بارے میں حدیث ہے۔

تشریح : ایک روایت میں یہ ہے کہ چالیس سے لیکر پچاس تک پڑھے، دوسری روایت یہ ہے کہ چالیس سے لیکر ساٹھ تک پڑھے، اورتیسری روایت یہ ہے کہ ساٹھ سے لیکر سوتک آیت فجر کی دونوں رکعتوں میں پڑھے۔

وجہ : چالیس آیت سے پچاس تک پڑھنے کی دلیل تو اوپر کی حدیث گزر گئی۔(۲)اور ساٹھ سے لیکر سو آیت تک کی حدیث یہ ہے۔**عن ابی برزة أن رسول الله ﷺ کان یقرأ فی صلوة الغداة من الستین الی المأة** ۔ (مسلم شریف، باب القرأۃ فی الصبح، ۱۸۵، نمبر ۱۰۳۱/۴۶۱)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ صبح کی نماز میں ساٹھ سے لیکر سو آیتیں تک پڑھا کرتے تھے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ چالیس سے ساٹھ تک بھی پڑھنا سنت ہے۔(۴)اس اثر میں ہے کہ فجر میں طوال مفصل پڑھے۔**عن ابی هریرة قال ما صلیت وراء احد أشبه صلوة برسول الله ﷺ من فلان .....یقرأ فی المغرب بقصار المفصل ، و یقرأفی العشاء بوسط المفصل ، و یقرأ فی الصبح بطوال المفصل** ۔(نسائی شریف، باب تخفیف القیام والقرأۃ، ص ۱۳۷، نمبر ۹۸۳/ترمذی شریف، باب ماجاء فی القرأۃ فی صلوۃ الصبح، ۶۷، نمبر ۳۰۶)اس اثر میں ہے کہ فجر میں طوال مفصل پڑھے۔

ترجمہ: ٢ سب روایتوں کے درمیان ترتیب کا طریقہ یہ ہے کہ رغبت کرنے والے کے ساتھ سو آیتیں پڑھیں، اور سست لوگوں کے ساتھ چالیس آیتیں، اور درمیان والوں کے ساتھ پچاس سے ساٹھ آیتیں پڑھیں، اور فرمایا کہ یہ ترتیب بھی ہوسکتی ہے کہ لمبی رات اور چھوٹی رات کو دیکھ کر پڑھے تھے، پھر زیادہ مشغولیت اور کم مشغولیتوں کو بھی دیکھ کر پڑھے۔

تشریح : فجر میں کتنی آیتیں پڑھے اس بارے میں چار روایتیں آگئیں اسلئے ان سبھوں میں تین توفیق اور ترتیب یہ دی گئی ہیں۔کہ رغبت والے لوگ ہوں تو سو آیتیں پڑھے، اور اگر سست لوگ ہوں تو چالیس آیت پڑھے اور درمیان قسم کے لوگ ہوں تو پچاس یا ساٹھ آیت پڑھے، اسی طرح اگر سردی کی لمبی رات ہو تو لمبی قرأت کرے اور گرمی کی چھوٹی رات ہو تو کم آیتیں پڑھے، اسی طرح اگر مشغولیت کا زمانہ ہو تو کم قرأت کرے اور فرصت کا زمانہ ہو تو لمبی قرأت کرے۔یہی سب رعایت کر کے حضورؐ نے مختلف

(۳۲۴)قال وفی الظهر مثل ذلک ﴾ ١ لاستوائهما في سعة الوقت ٢ وقال فی الاصل اودونه لانه وقت الاشتغال فينقص عنه تحرزاعن الملال

زمانے میں کم بیش آیتیں پڑھی ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۴) اورظہر میں اسی طرح لمبی قرأت کرے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ دونوں کے وقت میں گنجائش ہے۔

تشریح: ظہر میں بھی فجر کی طرح لمبی قرأت کرے،(۱)اسکی ایک وجہ تو یہ بیان فرماتے ہیں کہ دونوں کا وقت لمبا ہے اسلئے دونوں کی قرأت یکساں ہونی چاہئے (۲) ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ ظہر میں حضورؐ نے ساٹھ آیتیں پڑھی،اوراوپر گزرا کہ اتنی فجر میں پڑھی جاتی ہے اسلئے دونوں کا حکم برابر ہوگیا۔حدیث یہ ہے۔ **عن ابی سعيد الخدری : أن النبی ﷺ كان يقرأ فی صلوة الظهر فی الركعتين الاوليين فی كل ركعة قدر ثلاثين آية ، و فی الاخريين قدر خمس عشرة آية ۔** (مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظہر والعصر،۱۸۵،نمبر۱۰۱۵/۴۵۲)اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی،اور دونوں ملکر ساٹھ آیتیں ہوئیں،اور یہی ساٹھ آیتیں فجر میں بھی ہیں،اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کا حکم بھی وہی ہے جو فجر کا ہے(۳) **عن ابی سعيد الخدری قال : كنا نحزر قيام رسول الله ﷺ فی الظهر و العصر ، فحزرنا قيامه فی الركعتين الاوليين من الظهر قدر قرأة ﴿آلم تنزيل ﴾ السجدة ۔**(مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظہر والعصر،۱۸۵،نمبر۱۰۱۴/۴۵۲)اس حدیث میں ہے کہ ہم نے آپؐ کے قیام کا اندازہ لگایا کہ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ سجدہ کے برابر تھا،اور سورہ سجدہ میں تیس آیتیں ہیں جس سے معلوم ہوا کہ ظہر فجر کے قریب قریب ہے۔

ترجمہ: ٢ اور مبسوط میں فرمایا کہ یا فجر سے تھوڑا کم پڑھے اسلئے کہ ظہر کا وقت مشغولیت کا وقت ہے تو فجر سے تھوڑا کم کرے اکتاہٹ سے بچنے کے لئے۔

تشریح: مبسوط میں امام محمدؒ نے یہ بھی فرمایا کہ فجر میں جتنی لمبی قرأت کرتے ہیں ظہر میں اس سے کم کرے،اسکی وجہ یہ ہے کہ ظہر کا وقت وسیع تو ہے لیکن یہ مشغولیت کا وقت ہے اسلئے فجر سے تھوڑا کم کرے،تا کہ لوگ اکتا نہ جائیں۔(۲) اوپر حدیث میں تھا کہ حضورؐ نے سورہ سجدہ کی مقدار ظہر میں پڑھی اور سورہ سجدہ میں تیس آیتیں ہیں،تو یوں بھی فجر سے کم کا ثبوت ہوگیا۔(۳)اس روایت کی تائید اس اثر سے بھی ہوتی ہے۔ **روی عن عمرؓ : أنه كتب الی ابی موسی , أن اقرأ فی الظهر بأوساط المفصل ۔**(ترمذی شریف، باب ماجاء فی القراءۃ فی الظہر والعصر،ص ۶۷،نمبر ۳۰۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ ظہر میں اوساط المفصل پڑھنا اچھا ہے۔

(۳۲۵)والعصر والعشاء سواء يقرأ فيهما باوساط المفصل وفی المغرب دون ذٰلک يقرأ فيها بقصَار المفصل ﴾ ۱ؔ والاصل فيه كتاب عمرؓ الی ابی موسی الاشعریؓ ان اقرأ فی الفجر والظهر بطوال المفصل وفی العصر والعشاء باوساط المفصل وفی المغرب بقصار المفصل

لغت : استوا: برابر۔ دون: تھوڑا کم۔ تحرز: بچنے کے لئے۔ ملال: رنجیدگی، اکتاہٹ۔

ترجمہ: (۳۲۵) اور عصر اور عشاء برابر ہیں، ان دونوں میں اوساط المفصل پڑھیں، اور مغرب میں اس سے کم اس میں قصار المفصل پڑھیں۔

وجہ : عشاء میں اوساط مفصل، اور مغرب میں قصار مفصل پڑھنے کی دلیل یہ حدیث ہے(۱)۔عن ابی هريرة قال ما صليت وراء احد أشبه صلوة برسول الله ﷺ من فلان ....يقرأ فی المغرب بقصار المفصل ، و يقرأفی العشاء بوسط المفصل ، و يقرأ فی الصبح بطوال المفصل ۔(نسائی شریف، باب تخفیف القیام والقرأۃ ص ۱۳۷، نمبر ۹۸۳/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی القرأۃ فی صلوۃ العشاء، وصلوۃ المغرب ، ۶۷، نمبر ۳۰۹ نمبر ۳۰۸)اس حدیث مرسل میں ہے کہ فجر میں طوال مفصل پڑھے۔

اور عصر میں اوساط مفصل پڑھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ابی سعيد الخدری : أن النبی ﷺ كان يقرأ فی صلوة الظهر فی الركعتين الاوليين فی كل ركعة قدر ثلاثين آية ، و فی الاخريين قدر خمس عشرة آية أو قال نصف ذالک ، و فی العصر فی الركعتين الاوليين فی كل ركعة قدر قرائة خمس عشرة آية ، و فی الاخريين قدر نصف ذالک . (مسلم شریف، باب القرائۃ فی الظہر والعصر، ۱۸۵، نمبر ۴۵۲/۱۰۱۵)اس حدیث میں ہے کہ عصر میں ظہر سے آدھی پندرہ آیت پڑھتے تھے، تو یہ اوساط مفصل ہوا۔

ترجمہ: ۱ؔ اور اس میں اصل ابوموسی اشعریؓ کو حضرت عمرؓ کا خط ہے، کہ فجر میں اور ظہر میں طوال مفصل پڑھو، اور عصر اور عشاء میں اوساط مفصل اور مغرب میں قصار مفصل پڑھو۔

تشریح: یہ اثر بالکل ان الفاظ کے ساتھ نہیں ہے، اسکے قریب قریب یہ ہے۔قال كتب عمرؓ الی أبی موسی أن اقرأ فی المغرب بقصار المفصل ، و فی العشاء بوسط المفصل ، و فی الصبح بطوال المفصل ۔(مصنف عبد الرزاق، باب مایقرأ فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۰۴، نمبر ۲۶۷۲/ ترمذی شریف، باب ماجاء فی القرأۃ فی صلوۃ الصبح نمبر ۳۰۶/ فی الظہر والعصر ، ۳۰۷/ فی المغرب، نمبر ۳۰۸) ترمذی شریف یہ اثر تین بابوں میں تھوڑا تھوڑا کر کے ذکر کیا ہے۔ (۲) اسکی تائید اس حدیث مرسل سے بھی ہوتی ہے۔عن ابی هريرة قال ما صليت وراء احد أشبه صلوة برسول الله ﷺ من فلان ....يقرأ فی

۲ ولان مبنی المغرب علی العجلۃ والتخفیف الیق بھا والعصر والعشاء یستحب فیھما التاخیر وقد یقعان بالتطویل فی وقت غیر مستحب فیوقّت فیھما بالاوساط (۳۲۶) ویطیل الرکعۃ الاولیٰ من الفجر علی الثانیۃ ﴾ ا اعانۃ للناس علیٰ ادراک الجماعات

المغرب بقصار المفصل ، و یقرأ فی العشاء بوسط المفصل ، و یقرأ فی الصبح بطوال المفصل ۔(نسائی شریف، باب تخفیف القیام والقرأۃ ،ص ۱۳۷،نمبر ۹۸۳)اس حدیث مرسل سے معلوم ہوتا ہے کہ صبح میں طوال مفصل ،عشاء میں اوساط مفصل،اور مغرب میں قصار مفصل پڑھے۔ظہراورعصر کی دلیل پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ۲ اوراس لئے کہ مغرب کا دارومدار جلدی پر ہے اسلئے اسکے ساتھ تخفیف زیادہ بہتر ہے،اور عصر اور عشاء میں موءخر کر نا مستحب ہے اسلئے لمبی قرأت کرنے سے غیر مستحب وقت میں پڑ جائیں گے اسلئے ان دونوں میں اوساط مفصل کے ساتھ متعین کیا جائے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے۔کہ مغرب کی نماز جلدی ختم کرنی چاہئے تا کہ یہ نماز تاخیر کے ساتھ ادا نہ ہو،اب اس میں لمبی قرأت کریں تو تاخیر ہوگی اسلئے چھوٹی سورتیں اور قصار مفصل اسکے زیادہ مناسب ہے۔اور عصر میں اور عشاء میں مستحب یہ ہے کہ تاخیر سے نماز پڑھے،اب اگر اس میں لمبی قرأت کرے تو ایسا ممکن ہے کہ مکروہ وقت تک نماز لمبی ہو جائے جو اچھی بات نہیں ہے اسلئے انکے مناسب یہی ہے کہ وسط مفصل قرأت کرے۔

﴿طوال مفصل،اوساط مفصل،اور قصار مفصل کیا ہیں﴾

سورہ حجرات ۴۹ سے لیکر سورہ بروج ۸۵ تک طوال مفصل ہے، کیونکہ یہ سورتیں لمبی لمبی ہیں،اور سورہ بروج ۸۵ سے لیکر سورہ البینۃ [لم یکن الذین کفرو] ۹۸ تک اوساط مفصل ہیں اسلئے کہ یہ سورتیں اوسط درجے کے ہیں نہ زیادہ لمبی ہیں اور نہ زیادہ چھوٹی ہیں،اور لم یکن الذین کفرو ۹۸ سے لیکر آخیر قرآن سورہ الناس ۱۱۴ تک قصار مفصل ہیں اسلئے کہ یہ سورتیں چھوٹی چھوٹی ہیں۔

ترجمہ: (۳۲۶) اور فجر کی پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبی کرے۔

ترجمہ: ا تا کہ لوگوں کو جماعت پانے پر اعانت ہوگی۔

تشریح: فجر کی پہلی رکعت میں دوسری رکعت کی بنسبت لمبی قرأت کرے،اسکا فائدہ یہ ہوگا کہ بعد میں آنے والے لوگوں کو جماعت مل جائے گی (ا)اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن عبد اللہ بن ابی قتادۃ ، عن ابیہ قال : کان رسول اللہ

(۳۲۷)قال ورکعتا الظهر سواء﴾ ۱؎وهٰذا عند ابی حنیفۃؒ وابی یوسفؒ

ﷺ یقرأ فی الرکعتین الاولیین من صلاۃ الظهر بفاتحۃالکتاب و سورتین ، یطول فی الاولی و یقصر فی الثانیۃ و یسمع الآیۃ احیانا ، و کان یقرأ فی العصر بفاتحۃ الکتاب و سورتین ، و کان یطول فی الاولی ، و کان یطول فی الرکعۃ الاولی من صلوۃ الصبح ، و یقصر فی الثانیۃ ۔(بخاری شریف،باب القرأۃ فی الظهر ،ص ۱۰۵، نمبر ۷۵۹مسلم شریف ، باب القرأۃ فی الظهر ،ص ۱۸۵،نمبر ۱۰۱۲/۴۵۱)اس حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت کولمبی کرتے اور دوسری رکعت کواس سے مختصر کرتے تھے۔ (۲)اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔قال صلیت خلف عمرؓ فقرأ فی الرکعۃ الاولی بسورۃ یوسف ، ثم قرأ فی الثانیۃ , بالنجم ، فسجد ثم قرأ : ﴿اذا زلزلت الارض ﴾آیت ا سورۃ نمبر ۹۹)ثم رکع ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۲۹، مایقرأ فی صلوۃ الفجر، ج اول،ص ۳۱۱،نمبر ۳۵۶۴)اس اثر میں حضرت عمرؓ نے فجر کی پہلی رکعت میں سورہ یوسف پڑھی جس میں ۱۱۱ آیتیں ہیں اور دوسری رکعت میں سورہ نجم پڑھی جس میں ۶۲ آیت ہیں اور پھر اذا زلزلت ،سورہ زلزلہ پڑھی جس میں ۸ آیتیں ہیں تو کل ملا کر ۷۰ آیتیں ہوئیں ،تاہم ۱۱۱ آیتوں سے کم ہیں ،جس سے پتہ چلا کہ دوسری رکعت میں پہلی رکعت سے کم پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: (۳۲۷) اور ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہیں۔

ترجمہ: ۱؎ یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت کی قرأت کو دوسری رکعت کی بنسبت لمبی کرنا مستحب نہیں ہے بلکہ دونوں رکعتیں قرأت کے اعتبار سے برابر ہوں۔

وجہ : (۱)اس حدیث میں ہے کہ پہلی دونوں رکعتوں کو ایک ہی طرح پڑھتے تھے ۔عن ابی سعید الخدری : أن النبی ﷺ کان یقرأ فی صلوۃ الظهر فی الرکعتین الاولیین فی کل رکعتین قدر ثلاثین آیۃ ، و فی الاخریین قدر خمس عشرۃ آیۃ ۔(مسلم شریف،باب القرائۃ فی الظهر والعصر،۱۸۵،نمبر ۱۰۱۵/۴۵۲)اس حدیث میں ہے کہ ظہر کی پہلی رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی اور دوسری رکعت میں بھی تیس آیتیں پڑھی ،تو دونوں رکعتیں ایک طرح کی ہوگئیں ۔(۲)اس حدیث میں بھی اسکا ثبوت ہے۔ قال عمرؓ لسعدؓ : قد شکوک الناس فی کل شیء حتی فی الصلوۃ .قال : أما انا فأمد فی الاولیین و أحذف فی الاخریین و ما آلو ما اقتدیتُ به من صلوۃ رسول الله ﷺ . قال: ذاک الظن بک ۔(ابوداود شریف، باب تخفیف الاخریین ،ص ۱۲۴،نمبر ۸۰۳/مسلم شریف، باب القرأۃ فی الظهر والعصر،ص ۱۸۵،نمبر ۴۵۳/ ۱۰۱۸) اس حدیث میں ہے کہ پہلی دو رکعتوں کو لمبی کرتا ہوں اور دوسری دو رکعتوں کو مختصر کرتا ہوں،اس سے معلوم ہوا کہ ظہر کی پہلی

۲؎وقال محمدؒ احبُّ الیّ ان یطیل الرکعة الاولیٰ علی الثانیة فی الصلوٰة کلها لما روی ان النبی علیه السلام کان یطیل الرکعة الاولیٰ علی غیرها فی الصلوات کلها ۳؎ ولهما ان الرکعتین استویا فی استحقاق القراء ة فیستویان فی المقدار بخلاف الفجر لانه وقت نوم وغفلة ۴؎والحدیث محمول علی الاطالةمن حیث الثناء والتعوذوالتسمیة

دونوں رکعتیں قرأت کے اعتبار سے ایک طرح ہوئیں۔

ترجمه: ۲؎ حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ مجھے یہ پسند ہے کہ تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری رکعت پر لمبی کرے ۔اسلئے کہ نبی علیہ السلام تمام نمازوں میں پہلی رکعت کو اسکے علاوہ پر لمبی کرتے تھے۔

وجه: امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ تمام ہی نمازوں میں پہلی رکعت کو دوسری پر لمبی کرے۔انکی دلیل یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے ۔عن عبد الله بن ابی قتادة ، عن ابیه قال : کان رسول الله ﷺ یقرأ فی الرکعتین الاولیین من صلاة الظهر بفاتحةالکتاب و سورتین ، یطول فی الاولی و یقصر فی الثانیة و یسمع الآیة احیانا ، و کان یقرأ فی العصر بفاتحة الکتاب و سورتین ، و کان یطول فی الاولی ، و کان یطول فی الرکعة الاولی من صلوة الصبح ، و یقصر فی الثانیة ۔(بخاری شریف، باب القرأة فی الظہر ،ص ۱۰۵،نمبر ۷۵۹ مسلم شریف، باب القرأة فی الظہر ،ص ۱۸۵،نمبر ۱۰۱۲/۴۵۱)اس حدیث میں ہے کہ پہلی رکعت کو لمبی کرتے اور دوسری رکعت کو اس سے مختصر کرتے تھے۔

ترجمه: ۳؎ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ دونوں رکعتیں قرأت کے استحقاق کے حق میں برابر ہیں تو مقدار میں بھی برابر ہونی چاہئے بخلاف فجر کے اسلئے کہ وہ سونے اور غفلت کا وقت ہے۔

تشریح: یہ دلیل عقلی ہے،طرفین فرماتے ہیں کہ ظہر کی دونوں رکعتوں کو حق ہے کہ ان میں قرأت کی جائے، جب دونوں کا حق برابر ہے تو آیت کی مقدار بھی برابر ہونی چاہئے۔باقی رہا کہ فجر کی پہلی رکعت میں لمبی قرأت کرنے کو مستحب کہا تو اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ وقت نینداور غفلت کا ہے اسلئے پہلی رکعت لمبی کرے گا تو لوگوں کو جماعت مل جائے گی۔اور ظہر کا وقت ایسا نہیں ہے اسلئے اسکی دونوں رکعتیں برابر ہونی چاہئے۔۔اسکے لئے حدیث اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمه: ۴؎ اور حدیث محمول ہے ثناء،اور اعوذ باللہ،اور بسم اللہ کی وجہ سے لمبی ہونے پر۔

تشریح: یہ امام محمدؒ کی حدیث کا جواب ہے۔انہوں نے اوپر بخاری شریف کی حدیث پیش کی تھی کہ حضورؐ ظہر کی پہلی رکعت کو لمبی کرتے تھے۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ دونوں رکعتیں قرأت کے اعتبار سے برابر ہوتیں تھی،البتہ پہلی رکعت میں ثناء بھی

۵ ولامعتبر بالزيادة والنقصان بمادون ثلث آيات لعدم امكان الاحتراز عنه من غير حرج (۳۲۸)وليس في شئ من الصلوات قراءة سورة بعينها لايجوز غيرها ﴿الاطلاق ماتلونا (۳۲۹)ويكره ان يوقت بشئ

ہے،اوراعوذ باللہ بھی ہے اور بسم اللہ بھی ہے انکی وجہ سے وہ لمبی معلوم ہوتی تھی ،ورنہ قرأت کے اعتبار دونوں برابر ہوتی تھیں ۔

ترجمه : ۵ اور تین آیتوں سے کم میں کمی زیادتی کا اعتبار نہیں ہے،اسلئے کہ بغیر حرج کے اس سے بچنا ممکن نہیں ہے۔

تشریح : اوپر یہ فرمایا کہ ظہر کی دونوں رکعتیں برابر ہوں۔اب یہ فرمارہے ہیں کہ کتنی کمی زیادتی معاف ہے! فرماتے ہیں کہ پہلی رکعت سے دوسری رکعت میں ایک ،یا دو آیت زیادہ ہو جائے تو یہ زیادہ نہیں سمجھا جائے گا برابر ہی سمجھا جائے گا ،ہاں تین آیت زیادہ ہو جائے تب زیادہ سمجھا جائے گا۔کیونکہ ایک دو آیت کو بھی زیادہ کہیں تو اس سے بچنا مشکل ہے اور حرج لازم آئے گا۔اسلئے تین آیت کو زیادتی کا معیار بنایا۔(۱) حدیث میں ہے کہ حضور نے فجر کی پہلی رکعت میں قل اعوذ برب الفلق ، پڑھی اور دوسری رکعت میں قل اعوذ برب الناس ، پھر بھی دونوں کو برابر سمجھا گیا ، حالانکہ قل اعوذ برب الفلق ، میں ۵ ہی آیتیں ہیں اور قل اعوذ برب الناس ، میں ۶ آیتیں ہیں یعنی ایک آیت زیادہ ہے،لیکن چونکہ تین آیتوں سے کم ہے اسلئے دونوں کو برابر سمجھا گیا۔حدیث یہ ہے ۔**عن عقبة بن عامر قال : كنت أقود برسول الله ﷺ ناقته في السفر فقال لي : يا عقبة ! ألا أعلمك خير سورتين قرئتا ، فعلمني ﴿قل أعوذ برب الفلق﴾و ﴿قل اعوذ برب الناس﴾قال : فلم يرني سررت بهما جدا ، قال : فلما نزل لصلوة الصبح صلى بهما صلوة الصبح للناس ، فلما فرغ رسول الله ﷺ من الصلوة التفت الي فقال : يا عقبة كيف رأيتَ** ۔(ابوداود شریف ،باب فی المعوذتین ،ص ۲۱۸ ،نمبر ۱۴۶۲ ۱ر نسائی شریف ،کتاب الاستعاذہ ،ص ۷۰۴ ،نمبر ۵۴۳۸)اس حدیث میں ہے کہ ایک میں ۵ اور دوسری میں ۶ آیتیں پڑھیں پھر بھی دونوں رکعتوں کو برابر سمجھا گیا۔

ترجمه : (۳۲۸) نماز میں کوئی ایسی متعین سورت پڑھنا ضروری نہیں ہے کہ اسکے علاوہ جائز نہ ہو۔

ترجمه : ۱ اس آیت کی وجہ سے جسکو میں نے پہلے تلاوت کی

تشریح : ایسا سمجھے کہ کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورت ہی ہے اسکے بغیر نماز ہوگی ہی نہیں ،ایسا نہیں ہے۔کسی بھی سورت ،یا کسی بھی آیت سے کوئی بھی نماز درست ہے ،کسی نماز کے لئے کوئی متعین سورت نہیں ہے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں ﴿فاقرؤا ما تیسر من القرآن﴾ کہ قرآن میں سے جو بھی آسان ہو وہ پڑھو تو خود قرآن نے فرمایا کہ کوئی آیت کسی نماز کے لئے متعین نہیں ہے جو بھی آسان ہو اسکو پڑھ کر نماز ادا کرلو۔

ترجمه: (۳۲۹)اور مکروہ ہے کہ قرآن کی کوئی آیت کسی خاص نماز کے لئے متعین کرے۔

من القرآن لشیٔ من الصلوات ﴾ ۱؎ لما فیه من هجر الباقی وایهام التفضیل (۳۳۰)ولا یقرأ المؤتم خلف الامام ﴾

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ اس میں باقی کو چھوڑنا ہے، اوراسکو فضیلت کا وہم ہے۔

تشریح : ایسا تو نہیں سمجھتا ہے کہ اس آیت کے بغیر نماز نہیں ہوگی۔

لیکن کسی آیت کو کسی نماز کے لئے خاص کرلے، اوراس نماز میں بار بار وہی آیت پڑھے تو یہ بھی مکروہ ہے۔ اسکی دو وجہ ہیں۔ ایک تو یہ کہ جب اس آیت کو ہمیشہ پڑھے گا تو باقی آیتوں کو ہمیشہ چھوڑ دے گا، ایسا کرنا مکروہ ہے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ لوگوں کو وھم ہوگا کہ یہی آیت افضل ہے اور دوسری آیتیں افضل نہیں ہیں، حالانکہ تمام آیتیں افضل ہیں۔ تو فضیلت کا وھم ڈالنا یہ بھی مکروہ ہے، اسلئے کسی خاص آیت یا سورت کو کسی خاص نماز کے لئے متعین نہ کرے۔ البتہ کسی فضیلت کی وجہ سے اکثر و بیشتر کسی نماز میں کسی سورت کو پڑھنا استحباب کے خلاف نہیں ہے کیونکہ حضورؐ جمعہ کی نماز میں , الم تنزیل ,السجدة ، اور هل أتی علی الانسان حین من الدهر ، پڑھا کرتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی هریرةؓ قال : کان النبی ﷺ یقرأ فی الفجر یوم الجمعة , ﴿ الم تنزیل ﴾ آیت ۱ . ۲ سورة السجدة ۳۲، اور ﴿هل أتی علی الانسان حین من الدهر ﴾ آیت ا سورة الانسان ۷۶)(بخاری شریف، باب مایقرأ فی صلوۃ الفجر یوم الجمعۃ ،ص ۱۲۱، نمبر ۸۹۱) اس حدیث میں ہے کہ جمعہ کے دن فجر کی نماز میں سورہ سجدہ اور سورہ انسان پڑھا کرتے تھے۔

﴿ قرأت خلف الامام ﴾

ترجمه :(۳۳۰) مقتدی امام کے پیچھے نہ پڑھے۔

تشریح : حنفیہ کے نزدیک مقتدی کو قرأت کرنا صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ ان کا کام ہے امام کی قرأت سننا اور خاموش رہنا۔ حضرت امام ابوحنیفہ کی نظر آیت اور نص قطعی کی طرف گئی ہے۔

وجه : (۱) آیت میں ہے واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتوا لعلکم ترحمون. (آیت ۲۰۴ سورة الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ اس لئے امام جب قرأت کرے گا تو مقتدی کا کام اس کو کان لگا کر سننا ہے اور سنائی نہ بھی دے تو چپ رہنا ہے۔ اس لئے قرأت خلف الامام صحیح نہیں ہے (۲) حدیث میں بھی ہے کہ امام قرأت کرے تو مقتدی کو چپ رہنا چاہئے۔ یہ صاحب ھدایہ کی بھی حدیث ہے۔ عن ابی هریرة قال قال رسول الله انما جعل الامام لیوتم به فاذا کبر فکبرو واذا قرأ فانصتوا. (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۴۶ /

لے خلافا للشافعیؒ فی الفاتحة له ان القراء ة رکن من الارکان فیشترکان فیه

نسائی شریف تاویل قولہ عز وجل واذا قرئ القرآن فاستمعوا لہ ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۲ / دار قطنی ، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹ / مسلم شریف ، باب التشہد فی الصلوۃ ، ص ۱۷۵ ، نمبر ۴۰۴ / ۹۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قرأت کے وقت مقتدی کو چپ رہنا چاہئے (۳) بلکہ قرأت کرنے والوں کو آپؐ نے منع فرمایا عن عمران بن حصین ان رسول الله ﷺ صلی الظهر فجعل رجل یقرء خلفه سبح اسم ربک الاعلی فلما انصرف قال ایکم قرء او ایکم القاری؟ قال رجل انا فقال قد ظننت ان بعضکم خالجنیها. (مسلم شریف ، باب نہی الماموم عن جہرہ بالقراءۃ خلف الامام ص ۱۷۲ نمبر ۳۹۸) ابوداؤد شریف کی حدیث میں ہے مالی انازع القرآن قال فانتهی الناس عن القراء ة مع رسول الله ﷺ فیما جهر فیه ۔ (ابوداؤد شریف ، باب من رأی القراءۃ اذا لم یجہر ، ص ۱۲۷ ، نمبر ۸۲۶ / ترمذی شریف ، باب ماجاء فی ترک القراءۃ خلف الامام اذا جہر الامام بالقرائۃ ص ۷۱ نمبر ۳۱۲ / دار قطنی ، باب ذکر قولہ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۲) ان احادیث سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام مناسب نہیں ہے ۔ آپؐ نے ناراضگی کا اظہار فرمایا ہے (۴) مقتدیوں کو قرأت کرنے کی ضرورت اس لئے بھی نہیں ہے کہ امام مقتدیوں کی جانب سے قرأت کر رہا ہے ۔ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے ۔ حدیث میں اس کا باضابطہ ذکر ہے ۔ یہ صاحب ھدایہ کی بھی حدیث ہے ۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من کان له امام فقراء ة الامام له قراء ة. (ابن ماجہ شریف ، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰ ، نمبر ۸۵۰ / دار قطنی ، باب ذکر قولہ من کان لہ امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام نے فاتحہ پڑھ لی تو گویا کہ مقتدی نے بھی پڑھ لی وہ بغیر فاتحہ کے نہ رہے (۵) عن ابی درداء سمعه یقول سئل رسول الله ﷺ ا فی کل صلوة قراء ة ؟قال نعم قال رجل من الانصار وجبت هذه؟ فالتفت الی وکنت اقرب القوم منه فقال ما اری الامام اذا ام القوم الا قد کفا هم ۔ (نسائی شریف ، باب اکتفاء الماموم بقراءۃ الامام ص ۱۰۷ نمبر ۹۲۴ / دار قطنی ص ۳۲۶ نمبر ۱۲۴۸) اس سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدیوں کو امام کی قرأت کافی ہے (۶) عن زید بن ثابت قال : من قرأ مع الامام فلا صلوة له ۔ (/ مصنف عبد الرزاق ، باب القرأۃ خلف الامام ، ج ثانی ، ص ۱۳۷ ، نمبر ۲۸۰۲ / مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۴۷ من کرہ القرأۃ خلف الامام ، ج اول ، ص ۳۳۰ ، نمبر ۳۷۸۳) اس قسم کی ۲۷ حدیثین اور آثار مصنف ابن ابی شیبہ نے نقل کی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرأت خلف الامام نہیں ہے ۷) مقتدی رکوع میں امام کے ساتھ ملے تو مقتدی کو وہ رکعت مل گئی ۔ لیکن فاتحہ پڑھنے کا موقع نہیں ملا تو گویا کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بھی اس صورت میں امام کا پڑھا ہوا فاتحہ مقتدی کے لئے کافی ہو گیا تو آخر ایک صورت میں وہ بھی حنفیوں کے ساتھ ہو گئے ۔

ترجمہ: لے خلاف امام شافعیؒ کے سورہ فاتحہ کے بارے میں ۔ انکی دلیل یہ ہے کہ قرأت رکنوں میں سے ایک رکن ہے تو اس

۲؎ ولنا قوله عليه السلام من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة وعليه اجماع الصحابةؓ

میں دونوں شریک ہوں۔

فائدہ: امام شافعیؒ، امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے گا۔ چاہے قرأت جہری کر رہا ہو یا سری۔ اور ایک روایت ہے کہ سری قرأت کر رہا ہو تو قرأت فاتحہ کرے گا اور جہری کر رہا ہو تو نہیں کرے گا۔ موسوعہ میں عبارت یہ ہے۔ قال الشافعیؒ : و سن رسول الله ﷺ أن يقرأ القارى فى الصلوة بأم القرآن ، و دل على أنها فرض على المصلى اذا كان يحسن يقرئوها ۔ (موسوعہ امام شافعیؒ، باب القرأۃ بعد التعوذ، ج ثانی، ص ۱۵۳، نمبر ۱۳۴۹) اس عبارت میں ہے کہ مصلی پر فاتحہ پڑھنا فرض ہے۔ چاہے امام ہو یا مقتدی۔

وجہ :(۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن عبادة بن صامت ان رسول الله ﷺ قال لا صلوة لمن لم يقرء بفاتحة الكتاب ۔ (بخاری شریف، باب وجوب القراءۃ للامام والماموم فی الصلوات کلھا فی الحضر والسفر وما یجہر فیھا وما یخافت ص ۱۰۴ نمبر ۷۵۶ / مسلم شریف، باب وجوب قراءۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ص ۱۶۹ نمبر ۳۹۴ / ابو داؤد شریف نمبر ۸۲۳) اس حدیث سے ثابت کرتے ہیں کہ مقتدی کے لئے بھی فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ (۲) صاحب ھدایہ نے یہ دلیل بیان کی ہے کہ حدیث کی وجہ سے قرأت ہر ایک پر فرض ہے، اسلئے امام اور مقتدی دونوں اس فرض میں شریک ہونگے، اور دونوں کو سورہ فاتحہ پڑھنا ہوگا۔ (۳) یہ اثر بھی ہے۔ قال سألت عمر بن الخطاب عن القرأة خلف الامام فقال لى : اقرأ ، قال : قلتُ : و ان كنتُ خلفك ؟ قال : و ان كنتَ خلفى ، قال : و ان قرأتَ ۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ من رخص فی القرأۃ خلف الامام، ج اول، ص ۳۲۷، نمبر ۳۷۴۸ / مصنف عبد الرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی، ص ۱۳۱، نمبر ۲۷۷۶) اس اثر سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ امام کے پیچھے بھی قرأت فاتحہ کی جائے گی۔ مصنف ابن ابی شیبۃ نے اس سلسلے میں ۱۲۹ ثار نقل فرمائے ہیں۔

ترجمہ: ۲؎ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے: جس کا امام ہو تو امام کی قرأت اس مقتدی کی قرأت ہے۔ اور اس پر صحابہ کا اجماع ہے۔

تشریح : یہ حدیث اوپر گزر گئی۔ حدیث یہ ہے عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراء ة الامام له قرأة . (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰ / دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جسکا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے کافی ہے۔ اور اس پر صحابہ کا اجماع تو نہیں کہہ سکتے کیونکہ بہت سارے صحابہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل ہیں، البتہ بہت سے صحابہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت کرنا اچھا نہیں۔ مصنف ابن ابی شیبۃ نے ۲۷ اثر نقل کئے ہیں کہ وہ صحابہ امام کے پیچھے قرأت کرنے کے قائل نہیں تھے۔ ایک اثر یہ بھی

۳؎ وھو رکن مشترک بینھما لکن حظ المقتدی الانصات والاستماع قال علیه السلام واذا قرأ فانصتوا ۴؎ ویستحسن علیٰ سبیل الاحتیاط فیما یروی عن محمدؒ ویکرہ

گزری۔عن زید بن ثابت قال : من قرأ مع الامام فلا صلوۃ له ۔(رمصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی ،ص ۱۳۷، نمبر ۲۸۰۲ رمصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۴۷ من کرہ القرأۃ خلف الامام، ج اول ،ص ۳۳۰، نمبر ۳۷۸۳) اس اثر میں ہے کہ جو امام کے پیچھے قرأت کرے اسکی نماز ہی نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳؎ قرأت کرنا امام اور مقتدی کے درمیان مشترک رکن ہے لیکن مقتدی کا حصہ چپ رہنا ہے اور سننا ہے۔حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب امام قرأت کرے تو تم چپ رہو۔

تشریح: یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے۔انہوں نے کہا تھا کہ قرأت مشترک رکن ہے اسلئے امام اور مقتدی دونوں کو اس رکن میں شریک ہونا چاہئے اور دونوں کو کم سے کم فاتحہ پڑھنا چاہئے۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ قرأت مشترک فرض ضرور ہے لیکن اس فرض میں امام کا کام قرأت کرنا ہے اور مقتدی کا کام اسکو سننا ہے اسی سے دونوں اس مشترک فرض میں شریک ہو جائیں گے اسلئے مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔حضورؐ کی یہ حدیث گزر چکی۔ **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ انما جعل الامام لیوتم بہ فاذا کبر فکبرو واذا قرأ فانصتوا.** (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۴۶ رنسائی شریف تاویل قولہ عز وجل واذا قریٔ القرآن فاستمعوا لہ ص ۱۰۷، نمبر ۹۲۲ ردار قطنی ، باب ذکر قولہ ﷺ من کان لہ امام فقراءۃ الامام قراءۃ ص ۳۲۳ نمبر ۱۲۲۹ رمسلم شریف، باب التشھد فی الصلوۃ ص ۱۷۵، نمبر ۴۰۴ ر ۹۰۵) اس حدیث میں ہے کہ امام جب قرأت کرے تو مقتدی چپ رہے۔(۲) آیت سے بھی یہ بات ثابت ہوئی کہ جب قرآن پڑھا جائے تو تم کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔ **واذا قریٔ القرآن فاستمعوا له وانصتو لعلکم ترحمون.** (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو۔

ترجمہ: ۴؎ اور احتیاط کے طور پر قرأت کرنا اچھا سمجھا گیا ہے جیسا کہ امام محمدؒ سے روایت ہے۔

تشریح : امام شافعیؒ کی دلائل کی وجہ سے امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ احتیاط کے طور پر امام کے پیچھے سورہ فاتحہ پڑھ لے۔

نوٹ : بعض حضرات کی رائے ہے کہ سری نماز ہو تو امام کے پیچھے قرأت کر لے اور جہری ہو تو نہ کرے۔انکی دلیل یہ اثر ہے۔ **عن الحکم قال اقرأ خلف الامام فیما لم یجھر فی الاولیین فاتحۃ الکتاب و سورۃ ، و فی الاخریین فاتحۃ الکتاب** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ، ۱۴۷ من رخص فی القرأۃ خلف الامام، ج اول ،ص ۳۲۹، نمبر ۳۷۶۶ رمصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی ،ص ۱۳۰، نمبر ۲۷۷۴) اس اثر میں ہے کہ امام سری نماز پڑھے تو مقتدی امام کے پیچھے قرأت کرے۔

۵ عندهما لما فيه من الوعيد (۳۳۱) ويستمع وينصت وان قرأ الامام اية الترغيب والترهيب ﴾ ا لان الاستماع والانصات فرض بالنص والقراءة وسوال الجنة والتعوذمن النار كل ذلك مخلٌّ به (۳۳۲) كذلک فی الخطبة وكذلک ان صلی علی النبی ﷺ ﴾ ا لفرضية الاستماع

ترجمه: ۵ اورامام ابوحنیفہؒ اورامام ابو یوسفؒ کےنزدیک امام کے پیچھے پڑھنا مکروہ ہے اسلئے کہ اسکے بارے میں وعید ہے۔

تشریح : یہ مکروہ تنزیہی ہوگی اسلئے کہ اثر میں وعید ہے تو دوسرے آثار میں اسکا ثبوت بھی ہے۔وعید یہ ہے۔عن الاسود بن یزید أنه قال : وددت أن الذی یقرأ خلف الامام ملیء فوه ترابا ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۴۷ من کرہ القرأۃ خلف الامام، ج اول، ص ۳۳۱، نمبر ۳۷۸۹ مصنف عبدالرزاق، باب القرأۃ خلف الامام، ج ثانی، ص ۱۳۹، نمبر ۲۸۰۹) اس اثر میں ہے کہ کوئی قرأت خلف الامام کرے تو اس کے منہ میں مٹی بھر دی جائے۔

ترجمه: (۳۳۱) کان لگا کر سنے اور چپ رہے چاہے امام ترغیب یا ترہیب کی آیت پڑھتے ہوں۔

ترجمه: ا اسلئے کہ کان لگا کر سننا اور چپ رہنا نص قرآنی کی وجہ سے فرض ہے، اور پڑھنا، اور جنت کا سوال کرنا، اور جھنم سے پناہ مانگنا سننے میں مخل ہیں [اسلئے یہ سب نہ کرے]

تشریح : جب امام قرأت کر رہے ہوں تو چاہے وہ ترغیب کی آیت پڑھے پھر بھی مقتدی جنت نہ مانگے، اور ترہیب کی آیت پڑھ رہے ہوں تو جہنم سے پناہ نہ مانگے، اور نہ امام کے پیچھے قرأت کرے۔اسکی وجہ یہ ہے کہ ابھی اوپر آیت اور حدیث گزری جن سے معلوم ہوا کہ مقتدی چپ رہنا اور کان لگا کر سننا فرض ہے، اور یہ سب کرے گا تو چپ رہنے اور کان لگا کر سننے میں مخل ہوگا اسلئے یہ سب نہ کرے۔

ترجمه : (۳۳۲) اور ایسے ہی خطبے میں اور ایسے ہی اگر حضورؐ پر درود شریف کی آیت پڑھے۔

ترجمه: ا اسلئے کہ کان لگا کر سننا فرض ہے۔

تشریح : جمعہ کے خطبے کے دوران بھی چپ رہے اور حضورؐ پر درود شریف کی آیت پڑھے تب بھی چپ رہے زیادہ سے زیادہ دل دل میں درود شریف پڑھے۔

وجه :(۱) کیونکہ آیت میں ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو چپ رہو اور کان لگا کر سنو آیت یہ ہے۔واذا قرئ القرآن فاستمعوا له وانصتو لعلكم ترحمون. (آیت ۲۰۴ سورۃ الاعراف ۷) آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو اس کو کان لگا کر سنو اور چپ رہو (۲) حدیث میں ہے کہ خطبہ کے وقت کسی کو چپ رہنے کے لئے بھی کہے تو اچھا نہیں ہے۔ و قال سلیمان عن النبی ﷺ : ینصت اذا تکلم الامام .....أن ابا هریرة اخبره أن رسول الله ﷺ قال : اذا قلتَ

(۳۳۳)الا ان یقرأ الخطیب قوله تعالیٰ یاۤ یُّهَا الذین اٰمنوا صلوا علیه الاٰیة﴾ ۱؎ و اختلفوا فی النائی عن المنبر والاحوط هو السکوت اقامة لفرض الانصات، واللّٰه اعلم بالصواب

لصاحبک یوم الجمعة أنصت ُ و الامام یخطب فقد لغوتَ ۔(بخاری شریف، باب الانصات یوم الجمعۃ والامام یخطب ،ص ۱۵۰،نمبر ۹۳۴)اس حدیث میں ہے کہ خطبے کے وقت کسی کو چپ رہنے کے لئے کہنا بھی اچھا نہیں ہے اسلئے خطبے کے وقت بھی چپ رہے اور کان لگا کر سنے۔

ترجمہ: (۳۳۳)مگر یہ کہ خطیب اللہ تعالی کا قول ﴿یا ایھا الذین آمنوا صلوا علیہ ﴾ آیت پڑھے تو سننے والا دل دل میں درود شریف پڑھے۔

تشریح: خطیب۔**ان الله و ملئکته یصلون علی النبی یآیهاالذین آمنو ا صلوا علیه و سلموا تسلیماً** (آیت ۵۶،سورۃ الاحزاب ۳۳) آیت پڑھے تو اس میں حکم ہے کہ ایمان والے بھی حضورؐ پر درود شریف پڑھیں اسلئے اوپر کی آیت اور اس آیت دونوں پر عمل اس طرح کیا جائے گا کہ سننے والا دل دل میں درود شریف پڑھے گا۔

وجه : (ا)اس حدیث میں اسکا اشارہ ہے۔**عن ابی هریرة عن النبی** ﷺ **قال: من صلی صلوة ً لم یقرأ فیها بأم القرآن فهی خداج ثلاثا غیر تمام ، فقیل لابی هریرة : انا نکون وراء الامام فقال : اقرأ بها فی نفس** ۔ (مسلم شریف، باب وجوب قرأۃ الفاتحۃ فی کل رکعۃ ،ص ۱۶۹،نمبر ۸۷۸/۳۹۵)اس حدیث میں ہے کہ دل دل میں پڑھے۔

ترجمہ: ۱؎ منبر سے دور کے بارے میں اختلاف کیا۔البتہ احتیاط اسی میں ہے کہ چپ رہے، چپ رہنے کے فرض کو قائم کرنے لئے۔

تشریح : خطیب کے خطبہ دیتے وقت جو لوگ منبر سے دور ہیں اور خطبہ نہیں سن پا رہے ہیں وہ درود شریف یا آیات قرآنی پڑھیں یا نہیں، اس بارے میں اختلاف ہے۔کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ خاموش رہنا اسلئے تھا کہ اچھی طرح خطبہ سن سکے، اور جب خطبہ نہیں سن سک رہا ہے تو خاموش رہنے سے بہتر ہے کہ قرآن پڑھے۔انکا استدلال اس اثر سے ہے۔**عن سعید بن جبیر قال : اذا لم تسمع قرأة الامام فاقرأ فی نفسک ان شئتَ** ۔(مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۴۷ من رخص فی القرأۃ خلف الامام، ج اول ،ص ۳۲۸،نمبر ۳۷۶۱) اس اثر میں ہے کہ قرأت سنائی نہ دے رہا ہو تو آہستہ سے پڑھ سکتے ہیں۔

لیکن مصنفؒ کا مذھب مختار یہ ہے کہ قرأت سنائی نہ دیتی ہو پھر بھی چپ رہے کیوں کہ آیت میں ہے کہ ہر حال میں چپ رہو، پھر یہ بھی ہے کہ سنائی دے یا نہ دے کان لگائے رکھو، اسلئے چپ رہنا ہی احوط ہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

﴿باب الامامة﴾

(۳۳۴) الجماعة سنة مؤكدة ﴾ لـ لقوله عليه السلام الجماعة من سنن الهدى لايتخلف عنها الامنافق (۳۳۵) واولى الناس بالامامة اعلمهم بالسنة﴾

﴿جماعت کا بیان﴾

ترجمہ: (۳۳۴) جماعت سنت مؤکدہ ہے۔

وجہ: (ا)اس آیت میں جماعت سے نماز پڑھنے کا اشارہ ہے۔و اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ و ارکعوا مع الراکعین ۔(آیت ۴۳ سورۃ البقرۃ ۲) اس آیت میں ہے کہ رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کرو، یعنی نماز پڑھنے والے کے ساتھ نماز پڑھو، جس سے جماعت کا ثبوت ہوتا ہے۔(۲)عن ابی هریرۃ ان رسول اللہ قال والذی نفسی بیده لقد هممت ان آمر بحطب لیحطب ثم امر بالصلوۃ فیوذن لها ثم امر رجلا فیؤم الناس ثم اخالف الی رجال فاحرق علیهم بیوتهم والذی نفسی بیده لو یعلم احدهم انه یجد عرقا سمینا او مرماتین حسنتین لشهد العشاء (بخاری شریف، باب وجوب صلوۃ الجماعۃ ص ۸۹ نمبر ۶۴۴ /ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الصلوۃ ص ۸۸ نمبر ۵۴۸) آپؐ نے جماعت چھوڑنے پر گھروں کو جلا دینے کا ارادہ فرمایا جو جماعت کے وجوب کی دلیل ہے۔تاہم وہ سنت مؤکدہ ہے (۳) عن ابن عباس قال قال رسول اللہ ﷺ من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر قالوا وما العذر؟ قال خوف او مرض لم تقبل منه الصلوۃ التی صلی (ابوداؤد شریف، باب فی التشدید فی ترک الجماعۃ ص ۸۸ نمبر ۵۵۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ جماعت سنت مؤکدہ ہے۔کیونکہ بغیر عذر کے اس کے چھوڑنے سے نماز قبول نہیں ہوگی۔

ترجمہ: لـ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے: کہ جماعت سنن ھدی ہے منافق کے علاوہ اس سے کوئی پیچھے نہیں رہتا۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث قریب قریب یہ ہے۔قال عبد اللہ : لقد رأیتنا و ما یتخلف عن الصلوۃ الا منافق قد علم نفاقه، أو مریض، ان کان المریض لیمشی بین رجلین حتی یأتی الصلوۃ . و قال : ان رسول اللہ ﷺ علمنا سنن الهدیٰ، و ان من سنن الهدیٰ الصلاۃ فی المسجد الذی یوء ذن فیه ۔(مسلم شریف، باب صلوۃ الجماعۃ من سنن الھدی، ص ۲۳۴، نمبر ۶۵۴ /۱۴۸۷) اس حدیث میں ہے کہ جماعت سنن ھدی میں سے ہے۔

ترجمہ: (۳۳۵) لوگوں میں سے امامت کا زیادہ حقدار جو ان میں سے سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔

تشریح : سنت سے مراد احکام نماز ہے۔اس لئے جو موجودہ لوگوں میں سے احکام نماز اور مسائل سے زیادہ واقف ہوں ان کو امام بنایا جائے بشرطیکہ اتنی قرأت جانتا ہو جس سے نماز درست ہو جاتی ہو۔پھر اگر سبھی مسائل کے جاننے میں برابر ہوں تو جس کی

۱؎ وعن ابی یوسفؒ اقرؤ هم لان القراء ة لابدمنها والحاجة الی العلم اذا نابت نائبة

قرأت بہت اچھی ہوان کوامام بنایا جائے۔اوراگر قرأت بھی سبھی کی ہی اچھی ہوتو جو زیادہ پرہیزگار ہوان کوامام بنایا جائے۔اورسب پرہیزگار بھی برابر درجے کے ہوں تو جو عمر میں بڑے ہوں ان کوامامت کا حق ہے۔

نوٹ: یہ اسوقت ہے کہ پہلے سے امام متعین نہ ہو۔اوراگر پہلے سے امام متعین ہوتوان کوامامت کا زیادہ حق ہے۔

وجه : (۱) مسئلہ زیادہ جاننے والےکوسب سے مقدم اس لئے کریں گے کہ اس کی ضرورت زیادہ پڑتی ہے کہ کہاں سجدۂ سہو ہوگا اور کہاں نہیں ہوگا۔اسی طرح کون سارکن فرض ہے کون سا واجب اور کون سا سنت،اوراس کی رعایت کتنی کرنی چاہئے (۲) یوں بھی زیادہ جاننے والے کا رعب زیادہ پڑتا ہے۔اوراس کی وجہ سے جماعت کا معاملہ قابو میں رہتا ہے (۳) دور صحابہ میں اونچے قاری ابی بن کعبؓ تھے لیکن آپ نے آخر وقت میں اپنے مصلے پر حضرت ابو بکرؓ کوتا کید کر کے کھڑا کیا جو علم بالسنۃ تھے۔جس سے معلوم ہوا کہ اعلم بالسنۃ کوامامت کا حق زیادہ ہے۔عن ابی موسی قال مرض النبی ﷺ فاشتد مرضة فقال مروا ابا بکر فلیصل بالناس ۔(بخاری شریف،باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ ص۹۳ نمبر ۶۷۸ ر مسلم شریف،باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر ص۱۷۸ نمبر ۴۱۸/۹۳۶)(۴)عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لیلنی منکم اولوا الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثلاثا (مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتھا وفضل الاول فالاول ص۱۸۱ نمبر ۴۳۲/۹۷۴ رابوداود شریف، باب من یستحب ان یلی الامام فی الصّف وکراھیۃ التأخر،ص۱۰۵،نمبر ۶۷۴)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عقل اور سمجھ رکھنے والے کو امام کے قریب رہنا چاہئے تاکہ ضرورت پر امامت کے کام آئے۔یہ نہیں کہا کہ قاری کو حضورؐ کے قریب ہونا چاہئے (۵) حدیث میں ہے عن عقبة بن عمرو قال قال رسول اللہ ﷺ یوم الناس اقدمهم هجرة وان کانوا فی الهجرة سواء فافقههم فی الدین وان کانوا فی الدین سواء فاقرؤهم للقرآن (دار قطنی،باب من احق بالامامۃ ص۲۸۴ نمبر ۱۰۷۲ ر مستدرک للحاکم،کتاب الصلوۃ،ج اول،ص۳۷۰،نمبر ۸۸۶)اس میں بھی افقہ کوزیادہ حق امامت دیا گیا ہے۔ ۔تاہم کسی غیر افضل نے امامت کرلی تو نماز ہو جائے گی۔

فائده ترجمه: ۱؎ اورامام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ جو زیادہ قاری ہو وہ افضل ہے،کیونکہ قرأت نماز میں ضروری ہے، اور علم فقہ کی ضرورت پڑے گی جب کوئی واقعہ پیش آئے گا۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔

وجــه : (۱)وہ فرماتے ہیں کہ ہر نماز میں قرأت کی ضرورت پڑے گی ہی اسلئے اسکی ضرورت زیادہ ہے،اور فقہ کی ضرورت اس وقت پڑے گی جب کوئی واقعہ پیش آئے گا تو اس وقت دیکھنے کی ضرورت پڑے گی کہ اس وقت سنت کے اعتبار سے کیا کرنا ہوگا،اور اس قسم کا واقعہ کبھی کبھار پیش آتا ہے اسلئے فقہ کے جاننے کی ضرورت قرأت کے اعتبار سے کم ہے اسلئے امامت میں اسکی اہمیت قرأت

۲ ونحن نقول القراء ة مفتقر اليها لركن واحد والعلم لسائر الاركان (۳۳۶) فان تساووا فاقرؤهم ۱ لقوله عليه السلام يؤمُّ القوم اقرأهم لكتاب اللّٰه فان كانوا سواء فاعلمهم بالسنة

کے اعتبار سے کم ہے۔ یہ حدیث بھی ہے۔(۲) ان کی دلیل یہ حدیث ہے عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فان کانوا فی القراء ة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمهم هجرة. وفی حدیث آخر فان کانوا فی الهجرة سواء فلیؤمهم اکبرهم سنا (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳ ۱۵۳۲/۱۵۳۴/ ابوداؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۴) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو زیادہ قاری ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔(۳) حدیث میں ہے۔عن عمر و بن سلمة قال : لی أبو قلابة .....فاذا حضرت الصلوة فلیوء ذن احدکم و لیوء مکم أکثرکم قرآنا ۔(بخاری شریف، باب [باب مقام النبی ﷺ بمکۃ زمن الفتح، ص ۴۲۸، نمبر ۴۳۰۲/ ابوداود شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۵) ا اس حدیث میں ہے کہ جسکو قرآن زیادہ آتا ہو اسکو امامت کا زیادہ حق ہے۔

ترجمه : ۲ ہم کہتے ہیں کہ قرأت کی ضرورت ایک رکن کے لئے ہے، اور علم فقہ کی ضرورت تمام ارکان کے لئے ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ قرأت کی ضرورت صرف ایک رکن کو پورا کرنے کے لئے ہے اور فقہ جاننے کی ضرورت ہر رکن کے لئے ہے، کہ کس رکن کو کس طرح ادا کرنا ہے اسلئے زیادہ فقہ جاننے والے زیادہ حقدار ہے۔

ترجمه : (۳۳۶) پس اگر سبھی فقہ میں برابر ہوں تو ان میں سے زیادہ قرأت جاننے والا [امامت کا زیادہ حقدار ہے]۔

تشریح : جتنے لوگ حاضر ہیں سبھی برابر درجے کے فقہ جاننے والے ہیں۔ تو اب جو قرأت کو زیادہ جانتا ہو وہ امامت کا حقدار ہے۔

وجه : **ترجمه** : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ قوم کی امامت وہ کرے جو کتاب اللہ کو زیادہ پڑھنے والا ہو، پس اگر سبھی اس میں برابر ہوں تو جو سنت کو زیادہ جاننے والا ہو۔

تشریح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول الله ﷺ یؤم القوم اقرؤهم لکتاب الله فان کانوا فی القراء ة سواء فاعلمهم بالسنة فان کانوا فی السنة سواء فاقدمهم هجرة. (مسلم شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳ ۱۵۳۲/ ابوداؤد شریف، باب من احق بالامامۃ ص ۹۴ نمبر ۵۸۴) اس حدیث میں ہے کہ کتاب اللہ کو جو زیادہ جاننے والا ہو وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے، پھر اسکے بعد فقہ کے جاننے والے کا حق ہے۔

۲ واقرأهم كان اعلمهم لانهم كانوا يتلقونه باحكامه فقدم في الحديث ولا كذلك في زماننا فقدمنا الاعلم (۳۳۷) فان تساووا فاورعهم ﴾ ا لقوله عليه السلام من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف نبي (۳۳۸) فان تساووا فاسنهم ﴾ ا لقوله عليه السلام لابني ابي مليكة وليؤمكما اكبركما سنا

ترجمه : ۲ صحابہ کے زمانے میں جو زیادہ قاری ہوتے تھے وہ فقہ کے بھی زیادہ جاننے والے ہوتے تھے، اسلئے وہ حضرات قرآن اسکے احکام کے ساتھ حاصل کرتے تھے، اسلئے حدیث میں انکو مقدم کیا، اور ہمارے زمانے میں ایسا نہیں ہے، اسلئے ہم نے زیادہ جاننے والے کو مقدم کیا۔

تشریح : یہ حضرت امام ابو یوسفؒ کو جواب ہے، انہوں نے حدیث سے استدلال کیا تھا کہ اس میں زیادہ قاری کو امامت کا حق دیا ہے۔ تو اسکا جواب دیتے ہیں کہ صحابہ کے زمانے میں بڑے ہوکر اسلام لاتے تھے اسلئے قرآن سیکھنے کے ساتھ ساتھ اسکے احکام بھی سیکھتے جاتے تھے۔

اسلئے جو بڑا قاری ہوتا وہ سنت کو بھی زیادہ جاننے والا ہوتا، اسلئے فرمایا کہ بڑے قاری کو آگے کرو تو سنت کا بڑا جاننے والا ہی آگے ہو جائے گا، لیکن ہمارے زمانے میں بچے پہلے قرآن سیکھتے ہیں اور بڑا قاری بنتے ہیں بعد میں اسکا عالم بنتے ہیں اسلئے کوئی ضروری نہیں ہے کہ بڑا قاری ہو تو وہ سنت کو بھی زیادہ جاننے والے ہو جائے۔ اسلئے ہم نے یہ کہا کہ سنت کے زیادہ جاننے والے کو امامت کا حق دیا جائے۔ اسکے لئے حدیث اوپر گزر گئی۔

ترجمه : (۳۳۷) پس اگر قرأت میں بھی سب برابر ہوں تو ان میں سے جو زیادہ پرہیز گار ہو [وہ امامت کا زیادہ حقدار ہے۔]

ترجمه : ا حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جس نے متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی تو گویا کہ اس نے نبی کے پیچھے نماز پڑھی۔

تشریح : اس قسم کی حدیث نہیں ملی البتہ اسکے قریب قریب یہ حدیث ہے۔ عن مرثد بن ابی مرثد الغنوی و کان بدریا قال : قال رسول الله ﷺ : ان سرکم أن تقبل صلوتکم فلیوء مکم خیارکم فانهم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم عزوجل ۔ (مستدرک للحاکم، ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی، ج ثالث، ص ۲۴۶، نمبر ۴۹۸۱ رسنن بیہقی، باب اجعلوا أئمتکم خیارکم، ج ثالث، ص ۱۲۹، نمبر ۵۱۳۳) اس حدیث میں ہے کہ اپنے میں سے اچھے لوگ کو امام بناؤ تو نماز قبول ہوگی۔

ترجمه : (۳۳۸) اور اگر سب پرہیز گاری میں بھی برابر ہوں تو زیادہ عمر والے حقدار ہیں۔

ترجمه : ا ابی ملیکہ کے دو بیٹوں کو حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے ، کہ تم میں سے جو عمر میں بڑے ہوں وہ تمہاری

۲ ولان فی تقدیمه تکثیر الجماعة (۳۳۹) ویکره تقدیم العبد لانه ۱ لایتفرغ للتعلم

امامت کرے۔

تشریح : ابن ابی ملیکہ کی حدیث یہ ہے۔عن مالک بن الحویرث قال قدمنا علی النبی ﷺ ... قال ...فاذا حضرت الصلوة فلیؤذن لکم احدکم و لیؤمکم اکبرکم (بخاری شریف، باب اذا استووا فی القراءة فلیؤمھم اکبرھم ص ۹۴ نمبر ۶۸۵ رمسلم شریف، باب من احق بالامامة ،ص ۲۳۷،نمبر ۶۷۴ ر۱۵۳۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سبھی ہجرت اور قرأت میں برابر ہوں تو عمر کے اعتبار سے جو زیادہ ہو اس کو امامت کا حق ہے۔(۲)عن ابی مسعود الانصاری یقول قال لنا رسول اللہ ﷺ: یؤم القوم اقرؤھم لکتاب الله و أقدمھم قرأة فان کانت قرأتھم سواءً فلیوء مھم أقدمھم ھجرة فان کانوا فی الھجرة سواءً فلیوء مھم أکبرھم سناً (مسلم شریف،باب من احق بالامامة ص ۲۳۶ نمبر ۶۷۳ ر۱۵۳۴ رابوداؤد شریف، باب من احق بالامامة ص ۹۴ نمبر ۵۸۲)اس حدیث میں ہے کہ سب چیز میں برابر ہوں تو جو عمر میں بڑے ہوں وہ امامت کا حقدار ہیں۔

ترجمه: ۲ اور اسلئے کہ انکو آگے بڑھانے میں جماعت کی کثرت ہوگی۔

تشریح :۔یہ دلیل عقلی ہے، کہ بڑے آدمی کا احترام ہوتا ہے اسلئے اسکو آگے بڑھانے میں جماعت کی بھی کثرت ہوگی۔

لغت: سنۃ: یہاں سنت سے مراد حدیث اور فقہ اور مسائل ہے۔نابت نائبۃ: کوئی واقعہ پیش آجائے،کوئی غلطی ہوجائے۔مفتقر: محتاج ہے،فقر سے مشتق ہے۔یتلقونہ:لقی سے مشتق ہے، حاصل کرنا، لینا۔اورع: پرہیزگار۔اسن:سن سے مشتق ہے،عمر دراز ہونا۔

ترجمه :(۳۳۹) مکروہ ہے غلام کو امامت کے لئے آگے کرنا۔

ترجمه: ۱ اسلئے کہ وہ علم کے لئے فارغ نہیں ہوتے۔

تشریح : [۱]غلام[۲]دیہاتی [۳]نابینا[۴]اور ولد الزنا ان لوگوں میں عموما علم نہیں ہوتا یہ لوگ علم کے لئے فارغ نہیں ہوسکتے ،اور حدیث گزری کہ علم والے اور قرأت والے کو امامت دو اسلئے ان لوگو کی امامت مکروہ ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ ان لوگوں کو لوگ حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جس کی وجہ سے لوگ جماعت میں کم شریک ہونگے اسلئے انکی امامت مکروہ ہے۔لیکن اگر ان میں علم ہو اور لوگ انکی عزت کرتے ہوں تو اب مکروہ نہیں ہوگی۔ نابینا میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ ناپاکی سے بچ نہیں سکتا ہے۔اگر وہ ناپاکی سے بچ سکتا ہو تو مکروہ نہیں ہوگا۔

وجه :حدیث میں ہے کہ اچھے لوگوں کو امامت دو اور یہ لوگ عموما اچھے نہیں ہوتے اسلئے انکی امامت مکروہ ہے۔حدیث یہ ہے۔ عن مرثد بن ابی مرثد الغنوی و کان بدریا قال : قال رسول الله ﷺ : ان سرکم أن تقبل صلوتکم فلیوء مکم خیارکم فانھم وفدکم فیما بینکم و بین ربکم عزوجل ۔(مستدرک للحاکم ،ذکر مناقب مرثد بن ابی مرثد الغنوی،

(۳۴۰) والاعرابی﴾ ۱؎ لان الغالب فیھم الجھل (۳۴۱) والفاسق﴾ ۱؎ لانه لایھتم لامر دینه

ج ثالث،ص ۲۴۶،نمبر ۴۹۸۱رسنن بیھقی، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم، ج ثالث،ص ۱۲۹،نمبر ۵۱۳۳)اس حدیث میں ہے کہ اپنے میں سے اچھے لوگ کو امام بناؤ تو نماز قبول ہوگی۔ (۲) حدیث میں ہے۔ **عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ کان یقول ثلاثة لا یقبل اللہ منھم صلوة من تقدم قوما وھم له کارھون** (ابوداؤدشریف، باب الرجل یؤم القوم وھم لہ کارھون ص ۹۵ نمبر ۵۹۳)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قوم جن لوگوں کی امامت سے کراہیت کرے ان کی امامت مکروہ ہے۔اوراوپر کے لوگوں کی امامت سے قوم کراہیت کرتی ہے اس لئے ان کی امامت مکروہ ہے۔تاہم امامت جائز ہو جائے گی۔غلام کی امامت جائز ہونے کی دلیل یہ اثر ہے (۳) **وکانت عائشة یؤمھا عبدھا ذکوان من المصحف ۔۔عن ابن عمر قال : لما قدم المھاجرون الاولون العصبة ۔موضع بقباء۔ قبل مقدم رسول اللہ ﷺ کان یوء مھم سالم مولی ابی حذیفة ، و کان اکثرھم قرآناً** ۔(بخاری شریف، باب امامة العبد والمولی ص ۹۶ نمبر ۶۹۲) اس حدیث میں ہے کہ غلام امامت کر سکتا ہے بشرطیکہ علم ہو اور لوگ اسکو پسند کرتے ہوں۔

ترجمه: (۳۴۰) اور دیہاتی کی امامت مکروہ ہے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ عام طور پر ان میں جہالت ہوتی ہے۔

وجه : اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ **سمعت عبید ابن عمیر یقول : اجتمعت جماعة فیما حول مکة ....فقال المسوربن مخرمة : امظرنی یا امیر المو ء منین ان الرجل کان أعجمی اللسان و کان فی الحج فخشیت أن یسمع بعض الحجاج قرأته فیأخذ بعجمته ، فقال : ھنالک ذھبت بھا فقال : نعم فقال [عمر] أصبتَ.** (سنن بیھقی ، باب کراھیت امامة الأعجمی واللحان ، ج ثالث ،ص ۱۲۷،نمبر ۵۱۲۷)اس اثر میں دیہاتی کو امامت سے پیچھے ہٹایا کیونکہ اسکی قرأت اچھی نہیں تھی۔لیکن اگر اسکی قرأت اچھی ہو اور لوگ اسکو پسند کرتے ہوں تو اسکی امامت درست ہوگی۔آخر بہت سے صحابہ تو دیہات ہی کے تھے،لیکن علم حاصل کرنے کے بعد انکی امامت افضل ہوگئی۔

ترجمه: (۳۴۱) اور فاسق کی امامت مکروہ ہے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ دین کے معاملے کا اہتمام نہیں کرتا ہے۔

وجه : فاسق کہتے ہی ہیں اسکو جو خلاف شریعت کام کرتا رہتا ہو،اور جب دین کی کوئی اہمیت نہیں ہے تو نماز کے امور کی کیا اہمیت ہوگی ،اسلئے اسکے پیچھے نماز مکروہ ہے،تاہم نماز جائز ہے۔(۱) اس کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عبید اللہ بن عدی بن خیار انه دخل علی عثمان بن عفان وھو محصور فقال انک امام عامة ونزل بک ما تری و یصلی لنا امام فتنة و نتحرج فقال الصلوة احسن ما یعمل الناس فاذا احسن الناس فاحسن معھم واذا اساء فاجتنب اساتھم**

(۳۴۲) والاعمی﴾ لے لانہ لایتوقی النجاسة (۳۴۳) وولد الزناء﴾ لے لانہ لیس لہ ابٌ یشفّقُہٗ فیغلب علیہ الجھل ولان فی تقدیم ھؤلاء تنفیر الجماعة فیکرہ

(بخاری شریف، باب امامة المفتون والمبتدع ص۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے اگر چہ مکروہ ہے(۲)۔وقال الزھری لا نری ان یصلی خلف المخنث الا من ضرورة لا بد منھا .(بخاری شریف، باب امامة المفتون والمبتدع ص۹۶ نمبر ۶۹۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ ضرورت پڑنے پر فاسق کے پیچھے نماز پڑھی جا سکتی ہے(۳) عن ابی ھریرة قال: قال رسول اللہ ﷺ: الصلوة المکتوبة واجبة خلف کل مسلم براً کان أو فاجراً وان عمل الکبائر۔(ابو داود شریف، باب امامة البر والفاجر، ص۹۵، نمبر ۵۹۴)(۴)۔عن ابی ھریرة ان رسول اللہ ﷺ قال صلوا خلف کل بر و فاجر و صلوا علی کل بر و فاجر (دار قطنی، باب صفة من تجوز الصلوة معہ والصلوة علیہ، ج ثانی، ص۴۴، نمبر ۱۷۵۰/ سنن للبیھقی، باب الصلوة علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع، کتاب الجنائز، ص۲۹، نمبر ۶۸۳۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فاسق کے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۴۲) اور نابینا کی نماز مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا۔

تشریح : نابینا یہ نہیں دیکھ سکتا کہ نجاست کہاں لگی ہے اور کتنی لگی ہے، اسلئے وہ نجاست سے نہیں بچ سکتا اس لئے اسکی امامت مکروہ ہے، لیکن اگر وہ نجاست سے بچ سکتا ہو اور احتیاط کرتا ہو تو نماز مکروہ نہیں۔

وجہ : نابینا کی امامت کے بارے میں یہ حدیث ہے۔عن انس ان النبی ﷺ استخلف ابن ام مکتوم یؤم الناس وھو اعمی (ابو داؤد شریف، باب امامة الاعمی ص۹۵ نمبر ۵۹۵) اس سے معلوم ہوا کہ نابینا پاکی ناپاکی کا احتیاط رکھتا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو ان کو امام بنایا جا سکتا ہے۔مکروہ نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۴۳) اور ولد الزنا کی امامت مکروہ ہے۔

ترجمہ: لے اسلئے اسکا کوئی باپ نہیں ہے کہ اس پر مہربانی کرے اسلئے وہ عموما جاہل ہوتے ہیں۔اور اسلئے کہ اسکے آگے کرنے میں جماعت کو نفرت ہوگی اسلئے مکروہ ہے۔

تشریح : وہ بچہ جو حرامی ہے اسکا باپ نہیں ہوتا اسلئے اسکے پڑھنے لکھنے کی طرف توجہ نہیں ہوتی اور علم نہ ہو اور قرأت بھی اچھی نہ ہو تو اسکے پیچھے نماز مکروہ ہوگی، دوسری وجہ یہ ہے کہ اس سے لوگ نفرت کرتے ہیں اسلئے اسکو آگے بڑھانے میں جماعت کم ہو جائے گی اسلئے بھی مکروہ ہے۔لیکن اگر پڑھا لکھا ہو اور قوم میں باعزت ہو تو اسکی امامت مکروہ نہیں ہوگی۔

وجہ : اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن عائشةؓ أنھا قالت : ما علیہ من وزر أبویہ شیء ، قال اللہ تعالی ﴿لا تزر

(۳۴۴) وان تقدموا ﴿ ۱ جاز لقوله علیہ السلام صلوا خلف کل بر وفاجر (۳۴۵) ولا يطول الامام بهم الصلوٰة ﴿ ۱ لقوله علیہ السلام من امَّ قومًا فليصلِّ بهم صلوٰة اضعفهم فان فيهم المريض والكبير وذا الحاجة

وازرة وزر أخرى ﴾ [آیت ۱۸ سورة فاطر ۳۵]تعنی ولد الزنا . و عن الشعبی و النخعی و الزهری فی ولد الزنا أنه يئوم سنن بیھقی ، باب اجعلوا ائمتکم خیارکم وما جاء فی امامۃ ولد الزناء، ج ثالث، ص۱۲۹، نمبر ۵۱۳۶) اس اثر میں ہے کہ ولد الزنا امامت کراسکتا ہے۔

ترجمہ : (۳۴۴) اور یہ لوگ آگے بڑھ گئے تو نماز جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ، ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔

تشریح : ان لوگوں کے پیچھے نماز اس وقت مکروہ تنزیہی ہے جبکہ انکی کوئی حیثیت نہ ہو اور لوگ نفرت کرتے ہوں اور پڑھے لکھے نہ ہوں اسکے باوجود وہ نماز کے لئے کھڑے ہو گئے تو نماز ہو جائے گی ، دلیل یہ حدیث ہے، جو صاحب ھدایہ کی بھی حدیث ہے۔ عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال صلوا خلف كل بر و فاجر و صلوا على كل بر و فاجر (دار قطنی ، باب صفۃ من تجوز الصلوۃ معہ والصلوۃ علیہ، ج ثانی ،ص ۴۴، نمبر ۱۷۵۰ / سنن للبیھقی ، باب الصلوۃ علی من قتل فی نفسہ غیر مستحل لقتلھا ج رابع ، کتاب الجنائز ،ص ۲۹، نمبر ۶۸۳۲) اس حدیث میں ہے کہ ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھ لو اسلئے انکے پیچھے نماز ہو جائے گی۔

ترجمہ : (۳۴۵) امام کے لئے مناسب ہے کہ مقتدیوں کے ساتھ نماز بہت لمبی نہ کرے۔

ترجمہ: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کیوجہ سے، کہ جو کسی قوم کی امامت کرے تو انکے کمزور کی نماز پڑھائے ، اسلئے کہ ان میں بیمار ہوتے ہیں ، بوڑھے ہوتے ہیں ، اور ضرورت مند بھی ہوتے ہیں۔

وجہ : (۱) نماز بہت زیادہ لمبی کرنے میں کمزور اور بوڑھے لوگ پریشان ہونگے جو جائز نہیں ہے۔ اس لئے مستحبات سے زیادہ قرأت لمبی نہیں کرنی چاہئے۔ ہاں! اگر تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو جتنی لمبی کرنا چاہے کرسکتا ہے (۲) ھدایہ کی حدیث ہے اخبرنی ابو مسعود ان رجل قال والله يا رسول الله انی لاتأخر عن صلوة الغداة من اجل فلان مما يطيل بنا فما رأيت رسول الله ﷺ فی موعظه اشد غضبا منه يومئذ ثم قال ان منكم منفرين فايكم ما صلى بالناس فليتجوز فان فيهم الضعيف والكبير و ذا الحاجة (بخاری شریف ، باب تخفیف الامام فی القیام واتمام الرکوع والسجود ص ۹۷ نمبر ۷۰۲ / مسلم شریف ، باب أمر الائمۃ بتخفیف الصلوۃ فی تمام ،ص ۱۸۸، نمبر ۱۰۴۴/۴۶۶) اس کے آگے حدیث میں یہ جملہ بھی ہے واذا صلی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاء (بخاری شریف ، نمبر ۷۰۳ / مسلم شریف ، نمبر ۱۰۴۷/۴۶۷) اس سے معلوم ہوا کہ امام ہو تو نماز زیادہ لمبی نہ

(۳۴۶)ویکرہ النساء ان یصلین وحدھن الجماعة ﴾ ۱؎ لانھالاتخلوعن ارتکاب محرم وھوقیام الامام وسط الصف فیکرہ کالعراة

کرے۔اورا کیلا ہوتو جتنی لمبی کرنا چاہے کرسکتا ہے۔

ترجمه: (۳۴۶) عورتوں کے لئے مکروہ ہے کہ تنہا عورتیں جماعت کے ساتھ نماز پڑھیں،

تشریح : صرف عورتیں نماز پڑھیں تو الگ الگ نماز پڑھیں گیں ۔کیونکہ وہاں مرد نہیں ہے اس لئے عورت ہی کو امامت کرنی ہوگی۔اور عورت کی امامت جائز تو ہے لیکن مکروہ ہے۔

وجه :(۱)عورت کی امامت مکروہ ہونے کی وجہ یہ حدیث ہے عن ابی ھریرة قال رسول الله ﷺ خیر صفوف الرجال اولھا وشرھا آخرھا و خیر صفوف النساء آخرھا و شرھا اولھا (مسلم شریف،باب تسویة الصفوف واقامتھا وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰/۹۸۵/ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصّف الاول،ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) جب عورت کو اگلی صف میں جانا مکروہ ہے تو امامت کرنا بھی مکروہ ہوگا کیونکہ اس میں آگے جانا ہوتا ہے۔(۲)عن ام حمید امرأة ابی حمید الساعدی : أنھا جائت النبی ﷺ فقالت : یا رسول الله ﷺ انی احب الصلوة معک ؟ قال : قد علمت ُانک تحبین الصلوة معی و صلوتک فی بیتک خیر لک من صلوتک فی حجرتک ۔(مسند احمد، باب حدیث ام حمیدؓ، ج سابع ،ص ۵۱۴ نمبر ۲۷۵۵۰/سنن بیھقی ، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتھن، ج ثالث ،ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۱)اس حدیث میں ہے کہ کمرے میں نماز پڑھنا عورت کے لئے زیادہ بہتر ہے تو وہ امامت کیسے کرائے گی! (۳)عورت کی امامت مکروہ ہے اس کی دلیل یہ حدیث بھی ہے۔سمعت عائشة زوج النبی ﷺ تقول : لو أن رسول الله ﷺ رأی ما احدث النساء لمنعھن المسجد ، کما منعت نساء بنی اسرائیل قال : فقلت ُلعمرة : أنساء بنی اسرائیل منعن المسجد ؟ قالت ُ: نعم ۔(مسلم شریف،باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ الفتنة ،ص ۱۸۳، نمبر ۴۴۵/۹۹۹) اس حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کے زمانے میں وقت اتنا بدل گیا تھا کہ عورتوں کو مسجد سے روکنا چاہئے تو وہ امامت کیسے کر سکتی ہے! اس اثر میں ہے (۴)عن علیؓ قال لاتؤم المرأة (مصنف ابن ابی شیبة،۱۷۳ من کرہ ان تؤم المرأة النساء، ج اول ،ص ۴۳۰، نمبر ۴۹۵۷)اس اثر میں ہے کہ عورت عورت کی بھی امامت نہ کرے۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حرمت کے ارتکاب سے خالی نہیں ہے اور وہ صف کے درمیان میں کھڑا ہونا ہے،اسلئے ننگے لوگوں کی جماعت کی طرح مکروہ ہوگی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔کہ عورت عورتوں کی امامت کرائے گی تو لازمی طور پر صف کے درمیان میں کھڑی ہوگی، حالانکہ سنت

(۳۴۷) وان فعلن قامت الامام وسطهن﴾ ۱؎ لان عائشةؓ فعلت كذلک ۲؎ وحُمل فعلها الجماعة على ابتداء الاسلام

یہ ہے کہ صف سے آگے کھڑا ہوتو سنت چھوڑنے کا ارتکاب کرنا ہوگا اسلئے بہتر یہ ہے کہ وہ امامت نہ کرائے، جیسے ننگے لوگوں کے لئے ہے کہ وہ جماعت نہ کرائیں، اور کرنا بھی ہوتو انکا امام صف کے درمیان کھڑا ہوگا۔ ننگے لوگوں کا امام درمیان میں کھڑا ہوگا اس کی دلیل یہ اثر ہے عن قتادة قال: اذا خرج ناس من البحر عراة فامهم احدهم صلوا قعودا وكان امامهم معهم فى الصف ويومئون ايماء (مصنف عبد الرزاق، باب صلوة العريان ج ثانی ص ۵۸۳، نمبر ۴۵۶۴) اس اثر میں ہے کہ ننگے لوگ امامت کرائے تو انکا امام صف کے درمیان میں کھڑا ہوگا۔

ترجمه: (۳۴۷) اور اگر امامت کر ہی لی تو امام عورتوں کے درمیان کھڑی ہوگی۔

ترجمه: ۱؎ اسلئے کہ حضرت عائشہؓ نے ایسا ہی کیا تھا۔

تشریح: عورت کی امامت ہے تو مکروہ، لیکن کر ہی لی تو جائز ہو جائے گی، البتہ امام صف کے درمیان کھڑی ہوگی۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کا اثر یہ ہے۔ عن ريطة الحنفية قالت أمتنا عائشة فقامت بينهن فى الصلوة المكتوبة فى حديث آخر. عن حجيرة بنت حصين قالت: أمتنا ام سلمة فى صلوة العصر فقامت بيننا (دار قطنی، باب صلوة النساء جماعة وموقف امامهن، ج اول، ص ۳۸۸ نمبر ۱۴۹۲/۱۴۹۳ / مستدرک للحاکم، باب فی فضل الصلوات الخمس، ج اول، ص ۳۲۰، نمبر ۱۳۱۷) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت کی امامت جائز ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ درمیان میں کھڑی ہوگی۔ (۲) اور عورت کی امامت جائز ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن ام ورقة بنت عبد الله بن حارث, بهذ الحديث و الاول اتم، قال: و كان رسول الله ﷺ يزورها فى بيتها و جعل لها موء ذنا يوء ذن لها، و أمر ها أن تئوم أهل دارها. قال عبد الرحمن: فأنا رأيت موء ذنها شيخا كبيرا. (ابو داود شریف، باب امامة النساء، ص ۹۴، نمبر ۵۹۲) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے حضرت ام ورقہ کو اپنے گھر والوں کی امامت کی اجازت دی تھی۔

اور عورت مرد کی امامت بالکل نہ کرے اسکے لئے یہ حدیث ہے۔ عن جابر بن عبد الله قال: سمعتُ رسول الله ﷺ على منبره يقول: فذكر الحديث و فيه ألا و لا تئومن امرأة رجلا۔ (سنن بیہقی، باب لا یأتم رجل بامرأة، ج ثالث، ص ۱۲۸، نمبر ۵۱۳۱) اس حدیث میں ہے کہ عورت مرد کی امامت بالکل نہ کرے۔

ترجمه: ۲؎ اور حضرت عائشہؓ نے جو عورتوں کی امامت کی ہے اسکو ابتداء اسلام پر محمول کیا جائے گا۔

۳ ولان فی التقدم زیادة الکشف (۳۴۸) ومن صلی مع واحد اقامه عن یمینه ﴾ ا لحدیث ابن عباسؓ فانه علیہ السلام صلّی به واقامه عن یمینه (۳۴۹) ولایتأخر عن الامام﴾ ا وعن محمدؒ انه یضع اصابعه عند عقب الامام والاوّل هو الظاهر

تشریح : حضرت عائشہؓ نے جو ریطۃ الحنفیہ وغیرہ کی امامت کی ہے اسکے بارے میں تاویل کررہے ہیں کہ یہ امامت شروع اسلام میں کی ہوگی، اس پر محمول کیا جائے گا۔ لیکن یہ تاویل اتنی مضبوط اسلئے نہیں ہے کہ ریطۃ الحنفیہ تابعیہ ہیں، جسکا مطلب یہ ہوا کہ حضورؐ کے دنیا سے رخصت ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ نے امامت کی ہیں اسلئے یہ ابتداء اسلام پر کیسے محمول کیا جا سکتا ہے!۔

ترجمہ: ۳ اور اسلئے بھی کہ عورت کے آگے بڑھنے میں کشف عورت زیادہ ہے۔

تشریح : یہ دلیل عقلی اس بات کی ہے کہ عورت آگے کھڑی نہ ہو درمیان صف میں کھڑی ہو کیونکہ آگے کھڑی ہوگی عورت کا جسم لوگوں کے سامنے زیادہ ابھر کر آئے گا جو اچھا نہیں ہے اسلئے اسکو درمیان میں کھڑی ہونی چاہئے۔

لغت: العراۃ : عاری کی جمع ہے ننگے۔

ترجمہ: (۳۴۸) اور جو ایک آدمی کے ساتھ نماز پڑھے اس کو اپنی دائیں جانب کھڑا کرے۔

ترجمہ: ا حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کی وجہ سے، کہ حضور علیہ السلام نے انکو نماز پڑھائی اور انکو دائیں جانب کھڑا کیا۔

وجہ : (۱) دائیں جانب افضل ہے اس لئے ایک آدمی مقتدی ہو تو امام اس کو اپنی دائیں جانب میں کھڑا کرے (۲) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ **عن ابن عباس قال صلیت مع النبی ﷺ ذات لیلة فقمت عن یساره فاخذ رسول الله ﷺ برأسی من ورائی فجعلنی عن یمینه فصلی.** (بخاری شریف، باب اذا قام الرجل عن یسار الامام وحوله الامام خلفہ الی یمینہ تمت صلوتہ ص ۱۰۰ نمبر ۷۲۶ رمسلم شریف، باب صلوۃ النبی ﷺ ودعاۂ باللیل۔ ص ۲۶۰، نمبر ۷۶۳/ ۱۷۸۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک مقتدی ہو تو اس کو دائیں جانب کھڑا کرنا چاہئے۔ لیکن امام سے تھوڑا پیچھے کھڑا ہوگا۔

ترجمہ : (۳۴۹) اور امام سے پیچھے نہ رہے۔

تشریح : امام کے ساتھ ایک ہی مقتدی ہو تو وہ دائیں جانب کھڑا ہو اور برابر میں کھڑا ہو، تھوڑا پیچھے ہٹ کر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے۔

وجہ: اوپر کی حدیث میں حضرت ابن عباس کو دائیں جانب کھڑا کیا اور تھوڑا پیچھے نہیں کیا جس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کھڑا کرنا ضروری نہیں ہے

ترجمہ: ا اور امام محمدؒ سے روایت ہے کہ مقتدی اپنی انگلیوں کو امام کی ایڑی کے پاس رکھے۔ لیکن پہلا مسلک زیادہ ظاہر

(۳۵۰) وان صلی خلفه اوفی یساره جاز ﴾ ۱؎ وھو مسیئ لانه خالف السنة (۳۵۱) وان امّ اثنین تقدم علیھما ﴾ ۱؎ وعن ابی یوسفؒ یتوسطھما ونقل ذلک عن عبداللہ بن مسعودؓ

ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ ایک مقتدی ہو تو دائیں جانب اس طرح تھوڑا پیچھے کھڑا ہو کہ مقتدی کی انگلیاں امام کی ایڑی کے پاس ہو جائے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کا حق آگے ہونا ہے اسلئے تھوڑا سا آگے ہو جائے۔ لیکن پہلا مسلک زیادہ ظاہر اسلئے ہے کہ حضورؐ نے حضرت ابن عباس کو دائیں جانب تو کیا لیکن تھوڑا سا پیچھے نہیں کیا، جس سے معلوم ہوا کہ پیچھے کرنا مستحب نہیں ہے۔

ترجمه : (۳۵۰) اور اگر پیچھے نماز پڑھ لی یا بائیں جانب پڑھ لی تب بھی جائز ہے ۔

ترجمه : ۱؎ لیکن اچھا نہیں ہے اسلئے کہ سنت کے خلاف کیا۔

تشریح : ایک مقتدی ہو تو دائیں جانب کھڑا ہونا چاہئے، لیکن اگر دائیں جانب کے بجائے پیچھے کھڑا ہو گیا یا بائیں جانب کھڑا ہو گیا تب بھی نماز ہو جائے گی، البتہ چونکہ سنت کے خلاف کیا اسلئے اچھا نہیں ہے ۔

ترجمه : (۳۵۱) اور اگر دو آدمیوں کی امامت کی تو ان دونوں سے آگے بڑھ کر کھڑا ہو۔

وجه : صاحب ھدایہ کی یہ حدیث ہے۔ **عن انس بن مالک قال صلیت انا و یتیم فی بیتنا خلف النبی و امی خلفنا ام سلیم** (بخاری شریف، باب المرأۃ وحدھا تکون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷ رابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں انس اور یتیم دو آدمی تھے تو حضورؐ کے پیچھے کھڑے ہوئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ دو مقتدی ہوں تو امام آگے کھڑا ہوگا اور دونوں مقتدی پیچھے کھڑے ہونگے۔

ترجمه: ۱؎ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ دونوں کے درمیان میں کھڑا ہو۔ اور یہ بات نقل کی گئی ہے حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ سے۔

فائدہ: امام ابو یوسفؒ کے نزدیک امام دونوں مقتدیوں کے بیچ میں کھڑا ہوگا۔ ان کا استدلال اس اثر سے ہے۔ **عن علقمة و الاسود : أنهما دخلا علی عبد الله فقال : أصلی من خلفکم ؟ قالا : نعم . فقام بینهما ، و جعل احدهما عن یمینه و الآخر عن شماله ثم رکعنا** ۔ (مسلم شریف، باب الندب الی وضع الایدی علی الرکب فی الرکوع ونسخ التطبیق، ص ۲۰۲، نمبر ۵۳۴ / ۱۱۹۳ رابوداؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثۃ کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۳) اس حدیث میں عبداللہ بن مسعود علقمہ اور اسود کے درمیان کھڑے ہوئے ہیں۔ اس لئے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک یہ بہتر ہے۔ امام اعظم کے نزدیک یہ بھی جائز ہے لیکن آگے کھڑا

۲ ولنا انه ﷺ تقدم علىٰ انس واليتيم حين صلى بهما فهٰذا اللافضيلة والاثر دليل الاباحة
(۳۵۲) ولا يجوز للرجال ان يقتدوا بامرأة او صبى﴾

ہونا بہتر ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت انس اور حضرت یتیم پر آگے بڑھے جب آپؐ نے انکو نماز پڑھائی۔ اسلئے یہ افضل ہے، اور عبداللہ ابن مسعود کا اثر اباحت کی دلیل ہے۔

تشریح: حضورؐ نے حضرت انس اور حضرت یتیم کو نماز پڑھائی تو آپؐ آگے کھڑے ہوئے، چونکہ حدیث سے آگے کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اسلئے یہ افضل ہوگا اور صحابی کے عمل سے درمیان میں کھڑے ہونے کا ثبوت ہے اسلئے یہ بھی مباح ہوگا۔ حدیث یہ گزری۔ **عن انس بن مالک قال صليت انا و يتيم فى بيتنا خلف النبى و امى خلفنا ام سليم** (بخاری شریف، باب المرأة وحدها تكون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷/ابوداؤد شریف، باب اذا كانوا ثلثة كيف يقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث میں آپؐ آگے کھڑے ہوئے۔

ترجمہ: (۳۵۲) اور مرد کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ عورت یا بچے کی اقتداء کرے۔

تشریح: مرد مقتدی ہو اور اس کا امام عورت ہو یا بچہ ہو تو جائز نہیں ہے۔

وجہ: (۱) **عن ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها و شرها اولها** (مسلم شریف، باب تسوية الصفوف واقامتها وفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰/۹۸۵/ابوداؤد شریف، باب صف النساء والتأخر عن الصف الاول، ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸) اس حدیث میں ہے کہ عورت کی اگلی صف بری ہے اور پچھلی صف اچھی ہے۔ اور امامت کرنے کی وجہ سے وہ مرد سے بھی آگے ہوگی اس لئے مرد کے لئے اس کی امامت درست نہیں ہے۔ مسئلہ نمبر ۳۴۷ میں جو عورت کی امامت کا مسئلہ گزرا وہ یہ تھا کہ عورت عورت کی امات کر سکتی ہے نہ کہ مرد کی (۲) حدیث میں ہے **عن جابر بن عبد الله قال سمعت رسول الله على منبره يقول فذكر الحديث وفيه الا و لا تؤمن امرأة رجلا** ۔ (سنن للبیہقی، باب لا یأتم رجل بامرأة ج ثالث ص ۱۲۸، نمبر ۵۱۳۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت مرد کی امامت نہ کرے۔ (۳) **عن ام حميد امرأة ابى حميد الساعدى : أنها جائت النبى ﷺ فقالت : يا رسول الله ﷺ انى احب الصلوة معک ؟ قال : قد علمت ُانک تحبين الصلوة معى و صلوتک فى بيتک خير لک من صلوتک فى حجرتک** ۔ (مسند احمد، باب حدیث ام حمیدؓ، ج سابع ص ۵۱۴ نمبر ۲۶۵۵۰/سنن بیہقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتھن، ج ثالث، ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۱) عورت کے لئے جب اتنا ستر ہے کہ کمرے میں نماز پڑھنا زیادہ بہتر ہے تو وہ مرد کی امامت کیسے کرائے

۱ امـا الـمرأة فلقوله عليه السلام :اخّـر وهـن مـن حيث اخرهن الله فلا يجوز تقديمها ۲ واما الصبی فلانه متنفل فلا يجوز اقتداء المفترض به

گی!

نوٹ : ابوداؤدشریف میں عورتوں کی امامت کے سلسلے میں ایک حدیث نقل کی ہے عـن ام ورقة بـنـت عبد الله بن حارث بهـذا الـحـديـث قال كان رسول الله يزورها فی بيتها و جعل لها مؤذنا يؤذن لها وامرها ان تؤم اهل دارها ۔ (ابوداؤدشریف، باب امامۃ النساءص ۹۵ نمبر ۵۹۲)اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت امامت کرسکتی ہے۔لیکن اس میں اس کا ثبوت نہیں ہے کہ وہ مرد کی امامت کرتی تھی۔سنن للبیھقی اور دیگر احادیث کو ملانے سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ اپنے گھر کی عورتوں کی امامت کرتی تھی مرد کی نہیں۔

ترجمہ : ۱ بہرحال عورت کی امامت تو حضورعلیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ عورتوں کو پیچھے رکھو جس طرح اللہ نے ان کو پیچھے رکھا ہے۔اسلئے اسکو آگے کرنا جائز نہیں ہے۔

تشریح :صاحب ھدایہ کا اثر یہ۔عـن ابـن مسعود قال : كان الرجال و النساء فی بنی اسرائيل يصلون جميعا ،فكانت المرأة اذا كان لها الخليل تلبس القالبين تطول بهما لخليلها ، فالقى الله عليهن الحيض ، فكان ابن مسعود يقول : أخروهن حيث أخرهن الله ۔(طبرانی کبیر، باب عبداللہ بن مسعودالھذ لی، ج تاسع ،ص ۲۹۵،نمبر ۹۴۸۴)

اس اثر میں ہے کہ عورتوں کو موءخر کرو جس طرح اللہ نے اسکو موءخر کیا۔

عورت مرد کی امامت کرے اسکے لئے بہت سے احادیث نقل کی ہیں۔البتہ صاحب ھدایہ کی یہ حدیث مجھے بہت تلاش کے باوجود نہیں ملی، کہتے ہیں کہ مصنف عبدالرزاق میں حضرت عبداللہ ابن مسعود کا قول ہے،لیکن مجھے نہیں ملا۔نصب الرایہ میں ہے کہ طبرانی میں ہے لیکن طبرانی میرے پاس نہیں ہے۔البتہ اسکا مفہوم اس حدیث میں ہے عـن ابی هرير ةقـال قـال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم خيـر صـفـوف الرجال اولها وشرها آخرها و خير صفوف النساء آخرها و شرها اولها(مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتھاوفضل الاول الخ ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰ /۹۸۵/ابوداؤدشریف، باب صف النساء والتأخرعن الصّف الاول،ص ۱۰۶ نمبر ۶۷۸)اس حدیث میں ہے کہ عورت کا پچھلا صف زیادہ بہتر ہے۔

ترجمہ : ۲ بہرحال بچے کی امامت تو اسلئے جائز نہیں ہے کہ وہ نفل پڑھنے والا ہے اسلئے فرض پڑھنے والے کی اقتداء اسکے ساتھ جائز نہیں ہے۔

تشریح : بچہ امامت کرے اور بالغ مرد اسکی اقتداء کرے تو اس لئے جائز نہیں کہ اس کی نماز ہی نہیں ہے۔وہ نماز توڑ دے تو اس

۳؎ وفی التراویح والسنن المطلقة جوّزه مشائخ بلخ ولم یجوزه مشایخنا

پر قضانہیں ہے۔اورامام مقتدی کی نماز کا ضامن ہوتا ہے اب امام کی نماز کمزور ہے تو مضبوط نماز کی ضامن وہ کیسے بن سکتی ہے۔اس لئے بالغ مرد یا عورت کے لئے بچے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے۔

وجه : (۱) . عن الشعبی قال لایأم الغلام حتی یحتلم (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۲۲فی امامۃ الغلام قبل ان یحتلم ،ج اول، ص۳۰۶،نمبر۳۵۰۵)اس اثر میں ہے کہ بچہ امامت نہ کرے۔(۲)عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ لا یتقدم الصف الاول اعرابی ولا عجمی ولا غلام لم یحتلم(دارقطنی ،باب من یصلح ان یقوم خلف الامام۔ج اول،ص۲۸۵، نمبر۱۰۷۶) اس حدیث میں ہے کہ بچہ اگلی صف میں کھڑا نہ ہو،تو وہ امامت کیسے کرے گا؟

فائدہ: بعض ائمہ کے نزدیک سنن اورنوافل میں بچے کی اقتدا کرنا جائز قرار دیا ہے۔اورانہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے عن عمر بن سلمه کنا بحاضر ... فکنت اؤمهم وانا ابن سبع او ثمان سنین۔(ابوداؤد شریف،باب من احق بالامامۃ ص۹۳ نمبر ۵۸۵/ بخاری شریف ، باب مقام النبی ﷺ بمکۃ زمن الفتح ،ص ۷۲۸،نمبر۴۳۰۲)اس حدیث میں عمر بن سلمہ سات یا آٹھ سال کے بچے تھے۔اورانہوں نے اچھے قاری ہونے کی وجہ سے صحابہ کی امامت کرائی ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ بچے کی اقتدا جائز ہے۔جواب یہ ہے کہ اس حدیث میں حضور کو معلوم نہیں ہے کہ لوگوں نے بچوں کو امام بنالیا ہے۔کیونکہ یہ حدیث ولیلنی منکم اولو الاحلام والنهی ثم الذین یلونهم ثم الذین یلونهم . (مسلم شریف،باب تسویۃ الصفوف واقامتہا ص۱۸۱ نمبر۹۷۲/۴۳۲) کے خلاف ہے۔

ترجمہ : ۳؎ تراویح اورسنن مطلقہ میں تو بلخ کے مشائخ نے اسکو جائز قرار دیا ہے،اور ہمارے مشائخ نے اسکو جائز قرار نہیں دیا۔

تشریح : فرض کے سلسلے میں تو اوپر گزرا کہ بچہ بالغ مرد یا عورت کی امامت نہیں کرسکتا،لیکن تراویح اورنوافل کی کرسکتا ہے یا نہیں،اس بارے میں بلخ کے مشائخ نے فرمایا کہ جائز ہے،اور ہمارے ائمہ ماوراء النہر کی وہی رائے ہے کہ جائز نہیں۔جن حضرات نے جائز قرار دیا انہوں نے عمر ابن سلمہ کی حدیث سے استدلال کیا،اور جن حضرات نے جائز قرار نہیں دیا انہوں نے دوسرے احادیث سے استدلال فرمایا۔ (۲)ایک اثر یہ بھی ہے۔عن ابراهیم قال : لا بأس أن یئوم الغلام قبل أن یحتلم فی شهر رمضان . (مصنف ابن ابی شیبۃ ،۱۲۲، فی امامۃ الغلام قبل أن یحتلم ،ج اول،ص۳۰۶،نمبر۳۵۰۳)اس اثر میں ہے کہ بچہ تراویح کی امامت کرسکتا ہے۔

۴ ومنهم من حقَّقَ الخلاف فی النفل المطلق بین ابی یوسفؒ وبین محمدؒ ۵ والمختار انه لا یجوز فی الصلوات کلها لان نفل الصبی دون نفل البالغ حیث لایلزمه القضاء بالافساد بالاجماع ولایبنی القوی علی الضعیف ۶ بخلاف المظنون لانه مجتهد فیه فاعتبر العارض عدما

ترجمہ : ۴ کچھ حضرات نے مطلق نفل کے بارے میں حضرت امام ابو یوسفؒ اور حضرت امام محمدؒ کے درمیان اختلاف ثابت کیا ہے۔

تشریح : سنت موٴکدہ، جیسے فجر کی سنت، یا تراویح کی نماز اس میں تو بچے کی امامت جائز نہیں، لیکن وہ نوافل جسکی تاکید نہ ہو اور کسی وقت کے ساتھ متعین نہ ہو، جسکو نفل مطلق، کہتے ہیں اسکی امامت بچہ کرنا چاہے تو بعض حضرات نے فرمایا کہ امام ابو یوسفؒ کی رائے ہے کہ جائز ہے۔ کیوں کہ یہ نفل قوی نہیں ہے اسلئے بچے کی بھی نفل ضعیف ہوئی اور بالغ کی نفل بھی ضعیف ہوئی اسلئے اس میں بچے کی اقتداء جائز ہے۔

اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ مطلق نفل کی امامت بچہ کر سکتا ہے۔

ترجمہ : ۵ مگر مختار مذھب یہ ہے کہ کسی بھی نماز میں بچے کی امامت جائز نہیں ہے۔ اسلئے کہ بچے کی نفل بالغ آدمی کی نفل سے کمزور ہے، اسلئے کہ نفل توڑ دینے سے بالاتفاق بچے پر قضاء واجب نہیں ہوتی۔ اور قوی کی بنا کمزور پر نہیں کی جاتی۔

تشریح : صاحب ھدایہ فرماتے ہیں کہ حنفیہ کا مختار مذھب یہ ہے کہ فرض ہو یا نفل مطلق کسی بھی نماز میں بچے کی امامت جائز نہیں ہے۔ اسکی دلیل عقلی یہ دیتے ہیں کہ بچے کی نفل بھی کمزور ہے، چنانچہ وہ نفل کو فاسد کر دے تو اس پر قضا واجب نہیں اسکی تو نماز بھی ڈھیلی ڈھالی ہے، اور بالغ کی نفل قوی ہے وہ نفل توڑ دے تو اس پر اسکی قضا واجب ہے، حنفیہ کا مسلک یہ ہے کہ نفل بھی باندھ کر توڑ دے تو اسکی قضاء واجب ہوتی ہے۔ اور قاعدہ ہے کہ قوی کی بنا ضعیف پر نہیں ہو سکتی، اسلئے بالغ بچے کی اقتداء کرے یہ صحیح نہیں ہے۔

اصل تو اوپر کا اثر ہے جسکی وجہ سے بچے کی امامت صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ : ۶ بخلاف گمان کرنے والے کی نماز کے، اسلئے کہ وہ مجتہد فیہ ہے، تو ایسا اعتبار کیا گیا کہ گویا کہ عارض ہے ہی نہیں۔

تشریح : مسئلہ سمجھنے سے پہلے چند باتیں یاد رکھیں۔

نفل مظنون، کیا ہے؟ مثلا ایک آدمی ظہر کی چار رکعت پڑھ چکا تھا لیکن اسکو گمان ہوا کہ شاید دو ہی رکعت پڑھا ہوں اسلئے اور دو رکعت پڑھنا شروع کیا، چونکہ چار رکعت فرض پوری کر چکا ہے اسلئے یہ دو رکعت نفل ہیں، اس دو رکعت کو نفل مظنون، کہتے ہیں۔ ظن کا معنی ہے گمان کرنا، اس نے غلط گمان کر کے چار رکعت کے بعد دو رکعت مزید پڑھی ہے اسلئے اسکو نفل مظنون، کہتے ہیں۔

نفل مظنون اور بچے کی نفل میں فرق ۔ ایک اعتبار سے نفل مظنون اور نفل صبی متحد ہے اور تین اعتبار سے مختلف ہے ۔

[۱]مظنون اس دو رکعت کو توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں۔اس اعتبار سے یہ نفل صبی کی طرح ہے کہ بچہ نفل توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں۔

لیکن تین اعتبار سے فرق ہے [۱] ایک فرق تو یہ ہے کہ بچے پر بالاتفاق قضاء واجب نہیں کیونکہ وہ تو ابھی شریعت کا مخاطب ہی نہیں ہے۔اور مظنون کی نفل مجتھد فیہ ہے۔ کیوں کہ اس نفل کے توڑنے پر مظنون پر قضاء واجب نہیں اس میں سب ائمہ کا اتفاق نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ فرماتے ہیں کہ مظنون یہ دو رکعت نفل توڑ دے تو اس پر اسکی قضاء واجب نہیں ہے،اسلئے کہ نفل کی نیت سے اس نے ان دو رکعتوں کو شروع نہیں کیا تھا بلکہ فرض پورا کرنے کے لئے غلط گمان سے شروع کیا تھا ۔اسلئے اسکے توڑنے پر اسکی قضاء اس پر واجب نہیں ہے۔اور امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ مظنون پر اسکی قضاء بھی واجب ہے۔اسلئے مظنون کے بارے میں تمام ائمہ کا اتفاق نہیں ہوا۔

[۲] دوسرا فرق یہ ہے کہ مظنون کی نفل بہر حال بالغ کی نفل ہے جو بچے کی نفل سے قوی ہے۔

[۳] اور تیسرا فرق یہ ہے کہ مظنون کا غلط گمان وقتی ہے،تھوڑی دیر کے بعد جب یقین آئے گا تو یہ گمان ختم ہو جائے گا۔اور بچپنا بالغ ہونے تک باقی رہے گا۔ مظنون اور بچے کی نفل میں یہ تین فرق ہیں۔

یہ سب سمجھنے کے بعد اب مسئلہ سمجھیں۔

بخلاف المظنون لانہ مجتھد فیہ فاعتبر العارض عدما۔یہ عبارت ایک اشکال کا جواب ہے۔اشکال یہ ہے کہ نفل مظنون پڑھ رہا ہو اس وقت کسی دوسرے نے اسکی اقتداء کی تو اسکی اقتداء صحیح ہے،اور اس اقتداء کرنے والے نے یہ نفل توڑ دی تو اس پر اسکی قضاء واجب ہے۔اب سوال یہ ہے کہ خود مظنون نفل توڑ دے تو وہ اتنا کمزور ہے کہ مظنون پر اسکی قضاء واجب نہیں ہے پھر بھی جو اسکی اقتداء کرے اسکی اقتداء بھی صحیح ہے اور اس پر اسکی قضاء بھی واجب ہے۔اور بچے کی نفل کمزور ہے اسکے توڑنے پر اس پر قضاء واجب نہیں،تو بالغ کے لئے اسکی اقتداء درست نہیں کہتے ہیں،ایسا کیوں؟ اسکا جواب دیا کہ بچے کی نفل اور مظنون کی نفل میں تین فرق ہیں جو اوپر گزرے،اسلئے بچے کی اقتداء درست نہیں اور مظنون جب نفل پڑھ رہا ہو تو اسکی اقتداء درست ہے [۱] ایک فرق یہ ہے کہ مظنون کی نفل مجتھد فیہ ہے،امام زفرؒ کے یہاں مظنون پر قضاء واجب ہے۔اس مذھب کے اعتبار سے مظنون پر بھی قضاء واجب ہے اور اقتداء کرنے والے پر بھی قضاء واجب ہے اسلئے دونوں کی نفل متحد ہوگئی۔اسلئے اسکی اقتداء درست ہوگئی۔[۲] دوسرا فرق یہ ہے کہ مظنون بھی بالغ ہے اور اسکی اقتداء کرنے والا بھی بالغ ہے اسلئے دونوں کی نفل قوی ہے اور متحد ہے ،اسلئے بھی اقتداء کرنا درست ہوگیا ،اور بچے کی نفل تو بہت کمزور ہے اسلئے بالغ کے لئے اسکی اقتداء کرنا درست نہیں۔ [۳] اور تیسرا فرق یہ ہے کہ مظنون کا گمان وقتی ہے،اور بچے کا بچپنا دیرپا ہے اسلئے بھی اسکی اقتداء نہیں کر سکتے۔

فاعتبر العارض عدما : کا مطلب یہ ہے کہ مظنون کا گمان جو عارض ہے وہ وقتی ہے اسلئے جس نے اسکی اقتداء کی ہے اسکے حق میں

ﮯ بخلاف اقتداء الصبی بالصبی لان الصلوة متحدة ﴾ (۳۵۳) ويصف الرجال ثم الصبيان ثم النساء ﴾ ۱ لقوله عليه السلام: ليلينی منکم اولوا الاحلام والنُّهیٰ ۲ ولان المحاذاة مفسدة فيؤخرن

اس گمان کا اعتبار نہیں کیا اور اس پر قضاء واجب کر دی گئی۔

ترجمه : ﮯ بخلاف بچہ بچے کی اقتداء کرے تو نماز متحد ہے، اسلئے اقتداء درست ہے۔

تشريح : بچہ بچے کی اقتداء کرے تو جائز ہے، اسکی وجہ یہ ہے کہ دونوں کی نماز کمزور ہے، اور متحد ہے اسلئے اقتداء درست ہے۔

اصول : امام اور مقتدی دونوں کی نماز برابر درجے کی ہو، یا امام کی نماز قوی ہو تو اقتداء درست ہے، اور اگر امام کی نماز کافی کمزور ہو تو اسکی اقتداء کرنا درست نہیں۔

ترجمه: (۳۵۳) صف بنائی جائے گی مردوں کی پھر بچوں کی پھر عورتوں کی۔

تشريح : پہلے بالغ مرد کی صف ہو اسکے بعد بچوں کی صف ہو، پھر خنثی کی صف ہو، پھر عورتوں کی صف ہو۔ اس طرح صف کی ترتیب ہوگی۔

وجه : حدیث میں اسی طرح صف بنانے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ حدیث میں ہے عن انس بن مالک قال صليت انا ويتيم فی بيتنا خلف النبی ﷺ وامی ام سليم خلفنا ام سليم (بخاری شریف، باب المرأة وحدها تكون صفا ص ۱۰۱ نمبر ۷۲۷ / ابو داؤد شریف، باب اذا کانوا ثلثة کیف یقومون ص ۹۷ نمبر ۶۱۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مرد پہلے صف میں کھڑے ہونگے۔ بچے دوسری صف میں اور خنثی چونکہ مرد اور عورت کے درمیان ہے اس لئے وہ عورت سے آگے اور بچوں سے پیچھے کھڑے ہونگے۔ اور آخری صف میں عورت کھڑی ہوگی (۲) مسلم کی حدیث گزر چکی ہے عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء آخرها و شرها اولها (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف و اقامتها و فضل الاول فالاول ص ۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔

ترجمه: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ میرے قریب تم میں کا بالغ اور عقلمند ہو۔

تشريح : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ ليلنی منکم اولوا الاحلام والنهی ثم الذين يلونهم ثم الذين يلونهم (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف و اقامتها و فضل الاول فالاول ص ۱۸۱ نمبر ۴۳۲ / ۹۷۴ / ابو داود شریف، باب من یستحب ان یلی الامام فی الصّف و کراھیت التأخر ص ۱۰۵، نمبر ۶۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بالغ اور عقلمند امام کے قریب ہو، اسلئے پہلی صف میں بالغ مرد ہونا چاہئے۔

ترجمه: ۲ اور اسلئے بھی کہ عورت مرد کے قریب آ جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے اسکو پیچھے کر دیا جائے۔

(۳۵۴) وان حاذته امرأة وهما مشتركان فى صلوٰة واحدة فسدت صلاته ان نوى الامام امامتها

تشریح : عورت کو پچھلی صف میں رکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اگر عورت کو مرد کے برابر کھڑی کر دی جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اسلئے بھی عورت پچھلی صف میں کھڑی کی جائے۔مسئلہ محاذات آگے آرہا ہے۔

ترجمہ: (۳۵۴) اگر عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہو جائے اور دونوں ایک ہی نماز میں شریک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت کی ہو۔

تشریح: عورت مرد کی بغل میں کھڑی ہو جائے اس سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے۔اس لئے فاسد ہونے کے لئے چند شرطیں ہیں (۱) دونوں کی نماز ایک ہو (۲) بغیر پردہ کے عورت کھڑی ہو (۳) رکوع اور سجدہ والی نماز ہو (۴) عورت اہل شہوت ہو (۵) اور امام نے اس کی امامت کی نیت کی ہو تب مرد کی نماز فاسد ہوگی۔لیکن اگر امام نے عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

یہ شرطیں لگانے کی وجہ:۔ایک حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت سامنے ہو اور نماز میں اس پر ہاتھ لگ جائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔حدیث یہ ہے ۔عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت كنت انام بين يدى رسول الله ﷺ ورجلائى فى قبلته فاذا سجد غمزنى فقبضت رجلى فاذا قام بسطتها . (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأة ص ۷۳، نمبر ۵۱۳/ مسلم شریف، باب الاعتراض بين يدى المصلى ،ص ۱۹۷، نمبر ۵۱۲/۱۱۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔اور دوسری حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت سامنے آجائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : يقطع الصلوة المرأة ، و الحمار ، و الكلب ، و يقى ذالک مثل موء خرة الرحل ۔(مسلم شریف، باب قدر ما يستر المصلى ،ص ۱۹۶، نمبر ۵۱۱/۱۱۳۹/ابوداود شریف، باب ما يقطع الصلوة ،ص ۱۱۱، نمبر ۷۰۲)

اس حدیث سے پتہ چلتا ہے کہ عورت کے سامنے آنے سے نماز ٹوٹ جائے گی۔۔اسلئے حنفیہ نے درمیانی راستہ اختیار کیا کہ نماز میں عورت شریک ہو،اور درمیان میں کجاوے کی مثل کوئی حیلولت نہ ہو تب نماز ٹوٹے گی،اسلئے اوپر کی ساری شرطیں لگائی۔ اور اسکی تائید اس اثر سے ہوتی ہے۔ اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل وكانا فى صلوة واحدة فسدت صلوته .قال محمد و به ناخذ وهو قول ابى حنيفة ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما يقطع الصلوة ،ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر میں ہے کہ نماز متحد ہو تب فاسد ہوگی۔

وجہ: (۱) مرد کا کام تھا کہ عورت کو نصیحت کر کے اس کو پیچھے کرتے لیکن اس نے ایسا نہیں کیا اس لئے اس کی نماز فاسد ہوگی (۲) عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ خير صفوف الرجال اولها وشرها آخرها وخير صفوف النساء

ل والقياس ان لاتفسدو هو قول الشافعیؒ اعتبارا بصلاتها حيث لاتفسد

آخرها و شرها اولها. (مسلم شریف، باب تسویۃ الصفوف واقامتها وفضل الاول فالاول ص۱۸۲ نمبر ۴۴۰) اس حدیث سے بھی معلوم ہوا کہ مرد کو آگے کھڑا ہونا چاہئے اور عورتوں کو پیچھے صف میں کھڑا ہونا چاہئے۔لیکن وہ صف میں آ گئی اس لئے اس نے خلاف سنت کام کیا اس لئے نماز فاسد ہوگی۔

(۳) عن الحارث بن معاوية انه ركب الى عمر بن الخطاب يسأله عن ثلاث خلال،قال فقدم المدينة فسأله عمر ما اقدمک ؟ قال لاسئلک عن ثلاث خلال،قال وماهی قال ربما كنت والمرأة فی بناء ضيق فتحضر الصلوة فان صليت انا وهي كانت بحذائی فان صلت خلفی خرجت من البناء قال تستر بينک و بينها بثوب ثم تصلي بحذائک ان شئت (بمعناہ مصنف عبد الرزاق، باب الرجل والمرأۃ یصلیان احدھما بحذاء الآخر ج ثانی ص ۳۶، نمبر ۲۳۹۱ رمجمع الزوائد ج اول ص ۶۷ راعلاء السنن، باب فساد صلوۃ الرجال بمحاذاۃ النساء ج رابع ص ۲۳۶ نمبر ۱۲۳۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ عورت اور مرد کے درمیان پردہ ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی (۴) اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل وكانا في صلوة واحدة فسدت صلوته.قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنيفة ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ ص ۲۷، نمبر ۱۳۷) اس اثر سے معلوم ہو کہ حضرت ابراہیم کا فتوی یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں اور دونوں ایک نماز میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : ل اور قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو۔یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، وہ قیاس کرتے ہیں عورت کی نماز پر کہ اسکی نماز فاسد نہیں ہوتی تو مرد کی بھی فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح : عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہو جائے تو قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ مرد کی نماز فاسد نہ ہو، اور یہی مذہب امام شافعیؒ کا ہے۔کیونکہ مرد کا اس میں کیا قصور؟۔

فائده : امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ عورت کا مرد کے ساتھ کھڑا ہونا مکروہ تو ہے لیکن نماز فاسد نہیں ہوگی۔اس بارے میں موسوعہ امام شافعیؒ میں کوئی باب نہیں باندھا ہے۔البتہ حضرت امام شافعیؒ کا قول بیہقی نے اس طرح نقل فرمایا ہے۔ قال الشافعیؒ و اذا لم تفسد المرأة على المصلی أن تكون بين يديه فهی اذا كانت عن يمينه أو عن يساره أحرى أن لا تفسد عليه ۔ (سنن بیہقی، باب المرأۃ تخالف السنۃ فی موقفها، ج ثالث، ص ۱۵۳، نمبر ۵۲۲۸) کہ عورت سامنے ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی تو دائیں یا بائیں ہو تو بدرجہ اولی نہیں ٹوٹے گی۔(۱) حضرت امام شافعیؒ یہ دلیل دیتے ہیں کہ جس طرح عورت کے کھڑی ہونے سے عورت کی نماز فاسد نہیں ہوگی، اسی طرح مرد کی بھی نہیں ہوگی (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے ۔عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت كنت انام بين يدی رسول الله ﷺ ورجلائی فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی

۲ وجه الاستحسان ماروينا ه وانه من المشاهير وهو المخاطب به دونها فيكون هو التارك لفرض المقام فتفسد صلاته دون صلاتها كالماموم اذاتقدم على الامام (۳۵۵) وان لم ينو امامتها لم تضره ولاتجوز صلاتها﴾

فاذا قام بسطتها . (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأۃ ص۳۷،نمبر۵۱۳ر مسلم شریف، باب الاعتراض بین یدی المصلی ،ص ۱۹۷،نمبر۵۱۲/۱۱۴۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت محاذات میں آجائے تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔ کیوں کہ حضورؐ نماز کے درمیان حضرت عائشہ کو چھوتے تھے پھر بھی نماز بحال رہتی تھی۔

ترجمه : ۲ استحسان کی وجہ وہ ہے جو میں نے روایت کی۔اور وہ حدیث مشہور حدیثوں میں سے ہے،اور پیچھے کرنے کا مخاطب مرد ہے نہ کہ عورت اسلئے مرد ہی مقام کے فرض کو چھوڑ نیوالا ہے اسلئے مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی نہ کہ عورت کی، جیسے کہ مقتدی امام سے مقدم ہو جائے تو مقتدی کی نماز فاسد ہوتی ہے[اسی طرح یہاں مرد نے عورت کو پیچھے کرنے کا فرض چھوڑا تو مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی]

تشریح : قیاس کا تقاضا تو یہ تھا کہ محاذات کی وجہ سے مرد کی نماز فاسد نہ ہو لیکن مصنف نے مسئلہ نمبر ۳۵۲ میں یہ اثر پیش کیا تھا۔ عن ابن مسعود قال : كان الرجال و النساء فی بنی اسرائيل يصلون جميعا ،فكانت المرأة اذا كان لها الخليل تلبس القالبين تطول بهما لخليلها ، فالقى الله عليهن الحيض ، فكان ابن مسعود يقول : أخروهن حيث أخرهن الله ۔(طبرانی کبیر،عبداللہ بن مسعود الھذلی، باب، ج تاسع ،ص ۲۹۵،نمبر ۹۴۸۴) اس اثر میں ہے کہ عورتوں کو موءخر کرو جس طرح اللہ نے اسکو موءخر کیا۔اس اثر میں مرد کو حکم دیا ہے کہ عورت کو پیچھے رکھیں لیکن اس نے عورت کو پیچھے نہیں کیا،تو گویا کہ اس نے اپنے فرض کو چھوڑ دیا اسلئے عورت کے آگے آنے سے مرد ہی کی نماز فاسد ہوگی۔مصنف کہتے ہیں کہ یہ حدیث مشہور ہے اسلئے اسکی وجہ سے فساد کا حکم لگایا جائے گا۔جیسے مقتدی امام کے آگے آجائے تو مقتدی کی غلطی ہوئی تو مقتدی کی نماز فاسد ہوگی امام کی نہیں اسی طرح عورت کو پیچھے نہ کرنے کی وجہ سے مرد کی غلطی ہوئی اسلئے مرد کی نماز فاسد ہوگی ،عورت کی نہیں ۔(۲) حضرت ابراهیم نخعیؒ کا قول یہ ہے۔ اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل وكانا فى صلوة واحدة فسدت صلوته.قال محمد و به ناخذ وهو قول ابى حنيفة ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ،ص ۲۷،نمبر ۱۳۷)اس اثر سے معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیم کا فتوی یہ تھا کہ بغیر پردہ کے مرد اور عورت ایک ساتھ کھڑے ہو جائیں اور دونوں ایک نماز میں مشترک ہوں تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه: (۳۵۵) اور اگر عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن عورت کی نماز بھی جائز نہیں ہوگی ۔

تشریح : اس مسئلے میں تین صورتیں ہیں۔ متن میں پہلی صورت ذکر کی گئی ہے اور باقی دو صورتیں ,انما یشترط ,شرح سے ذکر کیا ہے۔

[۱] عورت امام ہی کے برابر میں کھڑی ہوگئی، تو اگر امام اس عورت کی امامت کی نیت کرے گا تو عورت کی اقتداء صحیح ہوگی، لیکن برابر میں کھڑی ہونے کی وجہ سے خود امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسلئے کہ امام نے اسکی امامت کی نیت کر کے خود فساد قبول کیا ہے۔ یہ غلطی امام کی ہے اسلئے اسی کی نماز فاسد ہوگی ۔ اور اگر امام نے اس عورت کی امامت کی نیت نہیں کی تو عورت اسکی مقتدیہ ہی نہیں بنے گی، اسلئے کہ اس صورت میں مقتدیہ بننے کے لئے شرط ہے کہ امام اسکی امامت کی نیت کرے۔ اور مقتدیہ نہیں بنی تو امام کی نماز میں شرکت نہیں ہوئی اسلئے امام کی نماز فاسد نہیں ہوگی کیوں کہ پہلے اثر گزر چکا ہے کہ نماز میں شرکت ہوگی تب مرد کی نماز فاسد ہوگی ورنہ نہیں(۱)۔ اثر یہ ہے۔ **اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابرهیم قال اذا صلت المرأة الی جانب الرجل و کانا فی صلوة واحدة فسدت صلوته. قال محمد و به ناخذ وهو قول ابی حنیفة** دوسرے اثر میں یہ ہے۔ **انما تفسد علیه اذا صلت الی جانبه و هما فی صلوة واحدة ، تأتم به أو یأتمان بغیرهما ، وهو قول ابی حنیفة** ۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ ،ص ۲۷، نمبر ۱۳۷ نمبر ۱۳۸) ان دونوں اثروں میں ہے کہ دونوں کی نماز مشترک ہو تو مرد یعنی امام کی نماز فاسد ہوگی ۔(۲) حضرت عائشہ حضورؐ کے سامنے لیٹی ہوتی تھیں لیکن حضورؐ کی نماز میں شریک نہیں ہوتیں تو حضور کی نماز فاسد نہیں ہوتی۔ حدیث یہ گزر گئی۔ **عن عائشة زوج النبی ﷺ انها قالت کنت انام بین یدی رسول الله ﷺ ورجلائی فی قبلته فاذا سجد غمزنی فقبضت رجلی فاذا قام بسطتها** . (بخاری شریف، باب التطوع خلف المرأۃ ص ۷۳، نمبر ۵۱۳ رمسلم شریف، باب الاعتراض بین یدی المصلی ،ص ۱۹۷، نمبر ۵۱۲ /۱۱۴۵) اس حدیث میں ہے کہ میں حضورؐ کے سامنے لیٹا کرتی تھی اور ضرورت پر مجھے چھو یا بھی کرتے تھے پھر بھی حضورؐ کی نماز اسلئے نہیں ٹوٹتی تھی کہ حضرت عائشہؓ حضورؐ کی نماز میں شریک نہیں تھی۔

[۲] دوسری صورت یہ ہے کہ عورت امام کے برابر میں تو کھڑی نہیں ہوئی لیکن اسکے کسی بالغ مرد مقتدی، مثلا زید کے برابر میں کھڑی ہو گئی، تو اس صورت میں بھی امام اس عورت کی امامت کی نیت کرے گا تو وہ اسکی مقتدیہ بنے گی اور نماز میں شریک ہونے کی وجہ سے مرد کی نماز ٹوٹ جائے گی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مرد نے امام کے ساتھ اقتداء کی نیت کر کے امام کو ادا، اور فساد کا ضامن بنایا، اور امام نے عورت کی امامت کی نیت کر کے مرد کی نماز فاسد کر دی، تو کچھ غلطی تو اس مرد کی ہے جس نے امام صاحب کو ادا اور فساد کا ذمہ دار بنایا۔ اور اگر امام نے اس عورت کی امامت کی نیت نہیں کی عورت اسکی مقتدیہ ہی نہیں بنے گی اور اسکی نماز میں شریک نہیں ہوگی۔ اسلئے اب مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اس صورت میں بھی امام بننے کی نیت ضروری ہے۔

[۳] تیسری صورت یہ ہے کہ عورت کسی مرد کے بغل میں نہیں کھڑی ہوئی، بلکہ بالکل پچھلے صف میں کھڑی ہوئی۔ تو ایک روایت میں

لے لان الاشتراک دونها لایثبت عندنا خلافا لزفرؒ ٢ے الاتری انه یلزمه الترتیب فی المقام فیتوقف علی التزامه کالاقتداء

ہے کہ اس عورت کی امامت کی نیت کرے گا تو عورت کی نماز صحیح ہوگی اور اسکی مقتدیہ بنے گی ، اور اسکی امامت کی نیت نہیں کرے گا تو اسکی قتداء درست نہیں ہوگی ۔ اس روایت کی وجہ یہ ہے کہ ابھی تو وہ عورت کسی مرد کے برابر میں کھڑی نہیں ہے لیکن خطرہ تو ہے کہ شرارت کر کے کسی مرد کے بغل میں کھڑی ہو جاے اور اسکی نماز فاسد کر دے ، اس لئے اس شرارت کو روکنے کے لئے احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ امامت کی نیت کی شرط لگا دے تا کہ بغیر نیت کئے ہوئے اسکی اقتداء درست نہ ہو اور وہ شرارت کر کے کسی مرد کی نماز فاسد نہ کر سکے۔

اور دوسری روایت یہ ہے کہ چونکہ وہ حدیث کے مطابق پیچھے کھڑی ہے اسلئے امام اسکی امامت کی نیت نہیں بھی کرے گا تب بھی اسکی اقتداء صحیح ہو جائے گی اور وہ مقتدیہ بن جائے گی ۔

اصول : [۱] محاذات میں آ کر نماز فاسد کرنے کے لئے امامت کی نیت ضروری ہے ۔[۲] اور پیچھے کھڑی ہو تو مقتدی بننے کے لئے امامت کی نیت ضروری نہیں ۔۔۔ اب ھدایہ کی عبارت کو ملا کر دیکھیں ۔

ترجمہ: لے اسلئے کہ ہمارے یہاں اشتراک بغیر نیت کے ثابت نہیں ہوتی ۔ خلاف امام زفرؒ کے ۔

تشریح : امام زفرؒ نے فرمایا کہ امام عورت کی امامت کی نیت نہیں بھی کرے گا تب بھی عورت مقتدی بننا چاہے تو بن سکتی ہے ۔ اور اس صورت میں جب وہ نماز میں شریک ہوگی تو محاذات کی شکل میں مرد کی نماز فاسد ہوگی ۔ اور حنفیہ کے یہاں جب تک امام عورت کی امامت کی نیت نہیں کرے گا عورت مرد کی نماز میں شریک نہیں ہو سکے گی ۔ خصوصاً جب وہ مرد کے برابر میں کھڑی ہو اور مرد کی نماز کے فاسد ہونے کا خطرہ ہو ، اسکی وجہ یہ ہے کہ امام امامت کی نیت کرے گا تو حدیث کے حکم کے مطابق وہ اسکا بھی التزام کرے گا کہ عورت کو پیچھے رہنے کا حکم دے ، اور اسکو پیچھے نہیں کیا تو اسکی خود کی غلطی ہے اسلئے اسکی نماز فاسد ہوگی ۔ اور امامت کی نیت نہیں کی تو اپنے اوپر یہ بھی لازم نہیں کیا کہ میں عورت کو پیچھے رہنے کا حکم دوں گا ، اب اگر عورت برابر میں کھڑی ہوتی ہے تو عورت کی اپنی غلطی ہے اسلئے مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

ترجمہ : ٢ے کیا نہیں دیکھتے ہیں کہ مرد کو مقام کی ترتیب لازم ہوتی ہے ، اسلئے اپنے اوپر لازم کرنے پر موقوف ہوگا ، جیسے کہ اقتداء ۔

تشریح : یہ عبارت اس بات کی دلیل ہے کہ امام نیت کرے گا تو عورت مقتدیہ بنے گی ، ورنہ نہیں ، کیونکہ امام پر پھر لازم ہو جائے گا کہ عورت کو صف کے اعتبار سے ترتیب میں رکھے ، یعنی عورت کو حکم دیکر پیچھے کھڑی کرے ۔ تو نیت کر کے یہ اپنے اوپر لازم کر ے گا تو لازم ہوگا

۳ وانما يشترط نية الامامة اذا ايتمت محاذية وان لم يكن بجنبها رجل ففيه روايتان ۴ والفرق علىٰ احدٰهما ان الفساد فى الاوّل لازم وفى الثانى متحمل

ورنہ نہیں،اورعورت کی امامت کی نیت نہیں کرے گا تو اس پر عورت کو پیچھے کھڑی کرنا لازم ہوگا،اور نہ عورت کی اقتداء صحیح ہوگی۔جیسے کوئی آدمی امام کی اقتداء کی نیت کرے گا،تو امام کی اداء سے اسکی اداء ہوگی اور اسکے فساد سے اسکی نماز فاسد ہوگی۔

ترجمہ: ۳ امامت کی نیت کی شرط اس وقت ہے جبکہ عورت نے اقتداء کی ہو برابر میں کھڑی ہو کر،اور اگر عورت کے پہلو میں کوئی مرد نہ ہو تو اس میں دو روایتیں ہیں۔

تشریح : پہلے گزر چکا ہے کہ عورت کی امامت کی شرط اس وقت ہے جبکہ عورت امام کے برابر میں کھڑی ہو یا اسکے مرد مقتدی کے برابر میں کھڑی ہو اور نماز فاسد کر رہی ہو۔لیکن اگر عورت کسی مرد کے بغل میں کھڑی نہ ہو بلکہ پچھلی صف میں کھڑی ہو پھر بھی امام اسکی امامت کی نیت کرے تب وہ مقتدیہ بنے گی،یا بغیر امامت کی نیت کئے ہوئے بھی وہ مقتدیہ بن سکتی ہے اور اقتداء کر سکتی ہے۔اس بارے میں دو روایتیں ہیں۔[۱] ایک روایت ہے کہ ابھی بھی امامت کی نیت کی ضرورت پڑے گی تب وہ مقتدیہ بنے گی۔اور [۲] دوسری روایت یہ ہے کہ اس صورت میں امامت کی نیت کی ضرورت نہیں بغیر امامت کی نیت کے بھی وہ اقتداء کر سکتی ہے اور مقتدیہ بن سکتی ہے۔۔دونوں کی وجہ اوپر گزر چکی ہے۔

ترجمہ : ۴ دو میں سے ایک روایت پر فرق یہ ہے کہ پہلی یعنی محاذات کی صورت میں نماز کی فساد یقینی ہے۔اور دوسری صورت میں یعنی پیچھے کھڑی ہونے کی صورت میں نماز فاسد کر دینے کا احتمال ہے۔

تشریح : عورت امام کے برابر کھڑی ہو یا مرد مقتدی کے برابر میں کھڑی ہو تو مرد کی نماز فاسد ہونا یقینی ہے اسلئے اس صورت میں امامت کی نیت کرنی ضروری ہے،تب ہی عورت نماز میں شریک ہوگی اور محاذات کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی۔اور دوسری شکل یعنی عورت پیچھے کھڑی ہو تو ابھی نماز فاسد نہیں ہوگی لیکن صرف احتمال ہے کہ عورت جا کر مرد کے ساتھ کھڑی ہو جائے اور نماز فاسد کر دے اس لئے امامت کی نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

نوٹ : حج کے موقع پر بیت اللہ میں زبردست بھیڑ ہوتی ہے،اور ہندوستان،پاکستان کی عورتیں کم پڑھی ہوتیں ہیں اور گم ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے اسلئے وہ شوہروں کا ہاتھ پکڑ کر منی جاتیں ہیں،عرفات جاتیں ہیں،اور طواف کرتیں ہیں،اس درمیان نماز کا وقت ہو جاتا ہے تو شوہر کے بغل میں کھڑی ہو کر نماز پڑھ لیتیں ہیں،بھیڑ میں آگے پیچھے ہو بھی نہیں سکتیں،اس مجبوری کی وجہ کچھ حضرات کا فتوی ہے کہ بیت اللہ میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔انکا مستدل یہ حدیث ہے۔**عن عبدالله بن مسعود قال : و الذى لا اله غيره ما صلت امرأة صلوة خير لها من صلوة تصليها فى بيتها الا ان تكون**

(۳۵۶)ومن شرائط المحاذاة، أن تكون الصلوة مشتركة، وأن تكون مطلقة، وان تكون المرأة من اهل الشهوة، وان لايكون بينهما حائل ﴾

مسجد الحرام أو مسجد الرسول ﷺ **الا عجوزاً فی منقلها** ۔(سنن بیھقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیتھا، ج ثالث ،ص ۱۸۸،نمبر ۵۳۶۴)اس اثر میں ہے کہ مسجد حرام کی ایک اہمیت ہے اسلئے وہاں عورتیں بھی نماز کے لئے حاضر ہو سکتیں ہیں، اسلئے وہاں کی مجبوریوں کی وجہ سے مرد کی نماز حنفیہ کے یہاں بھی فاسد نہیں ہوگی، جیسے کہ شوافع کے یہاں فاسد نہیں ہوتی۔(۲)اثر میں ہے عن طاوس قال لا یقطع الصلوۃ بمکۃ شیء، لایضرک ان تمر المرأۃ بین یدیک۔(مصنف عبد الرزاق، باب لا یقطع الصلوۃ شیء بمکۃ، ج ثانی، نمبر ۲۳۸۵)۔

ترجمہ: (۳۵۶) محاذات کی شرائط میں سے یہ ہیں کہ [۱] مرد اور عورت کی نماز مشترک ہو [۲] اور یہ کہ مطلق یعنی رکوع سجدے والی، نماز ہو [۳] عورت اهل شہوت میں سے ہو [۴] اور یہ کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

تشریح: عورت کے بغل میں کھڑی ہونے سے مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے، اسلئے جن شرطوں کے ساتھ احادیث وارد ہوئی ہیں ان شرطوں کی وضاحت کر رہے۔ وہ شرطیں چار ہیں۔

[۱] پہلی شرط یہ ہے کہ مرد اور عورت دونوں کی نماز مشترک ہو، اگر دونوں کی نماز مشترک نہیں تو محاذات سے مرد کی نماز فاسد نہیں ہو گی۔ دلیل یہ اثر ہے۔ **اخبرنا ابو حنيفة عن حماد عن ابرهيم قال اذا صلت المرأة الى جانب الرجل وكانا في صلوة واحدة فسدت صلوته.قال محمد و به ناخذ وهو قول ابي حنيفة** دوسرے اثر میں یہ ہے۔ **انما تفسد عليه اذا صلت الى جانبه و هما في صلوة واحدة، تأتم به أو يأتمان بغيرهما، وهو قول ابى حنيفة**۔(کتاب الآثار لامام محمد، باب ما یقطع الصلوۃ، ص ۲۷، نمبر ۱۳۷ نمبر ۱۳۸)ان دونوں اثروں میں ہے کہ دونوں کی نماز مشترک ہو تو مرد کی نماز فاسد ہوگی۔

[۲] دوسری شرط یہ ہے کہ مطلق نماز ہو تو فاسد ہوگی، مطلق نماز سے رکوع سجدے والی نماز ہے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ نماز جنازہ میں عورت مرد کے برابر کھڑی ہو جائے تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی کیونکہ نماز جنازہ ایک قسم کی دعاء ہے مطلق اور کامل نماز نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ اس میں رکوع اور سجدہ نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے جس حدیث یا اثر میں فساد کا حکم ہے اس میں ,صلوۃ، کا لفظ ہے جو کامل نماز پر دلالت کرتا ہے اسلئے کامل نماز ہو تب ہی محاذات سے فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔(۱)اوپر اثر میں لفظ ,صلوۃ، ہے (۲) اگلی حدیث میں بھی لفظ ,صلوۃ، آرہا ہے اسلئے اس سے کامل نماز مراد ہوگی۔

[۳] تیسری شرط یہ ہے کہ جو عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہوئی وہ بالغ ہو یا بالغ ہونے کے قریب ہو جس میں شہوت آچکی ہو، چاہے وہ عورت جوان ہو یا بوڑھی ہو، بیوی ہو یا ذی رحم محرم ہو یا اجنبیہ ہر ایک کے محاذات سے نماز ٹوٹ جائے گی۔ کیونکہ حدیث میں

ل لانهاعرفت مفسدة بالنص بخلاف القياس فيراعى جميع ماوردبه النص (۳۵۷) ويكره لهن حضور الجماعات﴾ ل يعنى الشواب منهن لما فيه من خوف الفتنة

عورت سے مراد شہوت والی عورت ہے۔اور اگر ایسی بچی ہو کہ اس میں ابھی شہوت نہیں آئی ہے تو اسکے برابر میں کھڑی ہونے سے نماز نہیں ٹوٹے گی ۔ کیونکہ حدیث میں ہے کہ بچی کو نماز میں گود میں اٹھایا تب بھی نماز نہیں ٹوٹی۔حدیث یہ ہے۔**عن ابی قتادة : أن رسول الله ﷺ كان يصلي و هو حامل أمامة بنت زينب ابنة رسول الله ﷺ فاذا سجد وضعها و اذا قام حملها** ۔(ابوداود شریف، باب العمل فی الصلوۃ،ص ۱۴۰ ،نمبر ۹۱۷)اس حدیث میں چھوٹی بچی کو اٹھانے سے بھی نماز نہیں ٹوٹی اسلئے کہ بچی اھل شہوت نہیں تھی۔

[۴] اور چوتھی شرط یہ ہے کہ دونوں کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔اور اگر عورت اور مرد کے درمیان کوئی چیز حائل ہو تو جس سے عورت تھوڑی دور ہو جاتی ہو، جیسے کجاوہ یا کجاوہ جیسی چیز درمیان میں ہو تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔اس حدیث میں اس کا ثبوت ہے۔**عن ابی هريرة قال : قال رسول الله ﷺ : يقطع الصلوة المرأة ، و الحمار ، و الكلب ، و يقى ذالک مثل موء خرة الرحل** ۔(مسلم شریف، باب قدر مایستر المصلی ،ص ۱۹۶،نمبر ۱۱۳۹/۵۱۱/ابوداود شریف، باب مایقطع الصلوۃ،ص ۱۱۱،نمبر ۷۰۲) اس حدیث میں ہے کہ موءخرۃ الرحل،یعنی کجاوہ یا کجاوے جیسی چیز درمیان میں ہو تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمه: ل اسلئے کہ محاذات سے نماز فاسد ہونا خلاف قیاس ہے اور نص کے ذریعہ سے معلوم ہوا ہے اسلئے ان تمام شرطوں کی رعایت کی جائے گی جن کے ساتھ حدیث وارد ہوئی ہے۔

تشریح : عورت مرد کے برابر میں کھڑی ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے یہ خلاف قیاس ہے،البتہ چونکہ حدیث کے ذریعہ ثابت ہے اسلئے اسکو مان لیتے ہیں تتبع اور تلاش کے بعد جن جن شرطوں کے ساتھ فساد کا حکم ہے ان تمام شرطوں کی رعایت ضروری ہے۔اور پیچھے گزرا کہ چار شرطوں کے ساتھ فساد کا حکم ہے اسلئے چاروں شرطیں پائی جائیں تو فاسد ہوگی ورنہ نہیں۔

ترجمه : (۳۵۷) عورتوں کے لئے جماعت میں حاضر ہونا مکروہ ہے۔

ترجمه: ل یعنی جوان عورتوں کے لئے ،اسلئے کہ اس کے حاضر ہونے میں فتنہ کا خوف ہے

تشریح : جوان عورتوں میں رغبت زیادہ ہوتی ہے اسلئے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک جوا عورت کو کسی بھی نماز میں مسجد جانا مکروہ ہے، اور بوڑھی عورت رات کی نماز میں جا سکتی ہے باقی دن کی نماز میں اسکے لئے بھی کراہیت سے خالی نہیں۔اور صاحبینؒ کی رائے ہے کہ بوڑھی عورت تمام نمازوں میں جا سکتی ہے،اسکے لئے کراہیت نہیں ہے۔

وجه : (۱)عورتوں کو مسجد کی جماعت میں شامل ہونا جائز ہے۔کیونکہ حضورؐ نے اجازت دی ہے۔لیکن جوان عورتوں کے لئے مکروہ

(۳۵۸) ولابأس للعجوز ان تخرج فی الفجر والمغرب والعشاء﴾ لے وھٰذا عندابی حنیفةؒ

ہے۔کیونکہ مردوں کے ساتھ اختلاط سے فتنہ کا خطرہ ہے(۲) **سمعت عائشه زوج النبی ﷺ تقول لو ان رسول الله ﷺ رأی ما احدث النساء لمنعهن المسجد کما منعت نساء بنی اسرائیل قال : فقلت لعمرة : أنساء بنی اسرائیل منعن المساجد ؟ قالت نعم** ۔(مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذ الم ترتیب علیہ فتنة ص ۱۸۳ نمبر ۹۹۹/۴۴۵ ربخاری شریف، باب انتظار الناس قیام الامام العالم ،ص ۱۱۹، نمبر ۸۶۹/ابوداؤدشریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۶۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صحابہ کی عورتوں کوحضور منع فرماتے تو آج کل کی عورتوں کو کیوں نہ روکا جائے (۳) **عن عبد الله عن النبی ﷺ قال صلوة المرأة فی بیتها افضل من صلوتها فی حجرتها وصلوتها فی مخدعها افضل من صلوتها فی بیتها** . (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المسجد ص ۹۱ نمبر ۵۷۰)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں پڑھنا جائز ہے۔لیکن گھر میں پڑھنا زیادہ بہتر ہے۔اور یہی مسجد میں جانے کے مکروہ ہونے کی دلیل ہے۔(۳)مسجد جانے کی دلیل یہ حدیث ہے۔**عن ابی هریرةؓ ان رسول الله ﷺ قال : لا تمنعوا اماء الله مساجد الله ولکن لیخرجن وهن تفلات** (ابوداؤد شریف، باب ماجاء فی خروج النساء الی المساجد،ص ۹۱، نمبر ۵۶۵/مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد اذا لم یترتب علیہ فتنة ،ص ۱۸۳، نمبر ۹۸۹/۴۴۲)اس حدیث میں ہے کہ عورت کو مسجد جانے سے مت روکو۔

ترجمه: (۳۵۸) کوئی حرج کی بات نہیں ہے کہ بوڑھی عورتیں فجر،مغرب اور عشا میں مسجد کے لئے نکلیں۔

ترجمه : لے یہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک ہے۔

وجه : (۱)بوڑھی عورتوں میں رغبت کم ہوتی ہے اور خاص طور پر فجر،مغرب اور عشا میں شریر لوگ سوئے ہوتے ہیں اس لئے بوڑھیوں کے لئے جائز ہے کہ وہ مسجد میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھنے کے لئے جائیں۔ (۲)رات میں عورتیں جماعت میں حاضر ہوں ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن ابن عمر عن النبی ﷺ قال ائذنوا للنساء باللیل الی المساجد**(بخاری شریف، باب هل علی من لایشهد الجمعة غسل من النساء والصبیان ص ۱۲۳، ابواب الجمعة نمبر ۸۹۹ رمسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص ۱۸۳ نمبر ۹۹۴/۴۴۲)اس حدیث میں ہے کہ رات میں یعنی مغرب،اور عشاء اور فجر میں عورت جماعت میں حاضر ہوسکتی ہے۔اور بوڑھی عورت نکلے اسکی دلیل یہ اثر ہے(۳)دوسرا اثر یہ ہے **عن عبد الله ابن مسعود قال والذی لا اله غیره ما صلت امرأة صلوة خیر لها من صلوة تصلیها فی بیتها الا ان یکون مسجد الحرام او مسجد الرسول ﷺ الا عجوزا فی منقلها** ۔(سنن للبیهقی، باب خیر مساجد النساء قعر بیوتهن ج ثالث ص ۱۸۸، نمبر ۵۳۶۴)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بوڑھی عورت وہ بھی بغیر عطر اور بھڑ کیلے کپڑے کے مسجد میں جاسکتی ہے۔ (۴)اور جوان عورت کے نکلنے میں کراہیت ہے اسکی دلیل اس حدیث کا اشارة النص ہے۔عن ابی هریرة قال:**قال رسول الله ﷺ ایما امرأة اصابت بخورا فلا تشهد معنا**

(۳۵۹) وقالا يخرجن فی الصلوٰة کلها ﴾ ا لانـه لافتنة لقلة الرغبة فلا یکره کما فی العید ۲ وله ان فـرط الشبـق حـامـل فتـقع الفتنة غير ان الفساق انتشارهم فی الظهر والعصر والجمعة اما فی الفجر والعشاء هم نائمون وفی المغرب بالطعام مشغولون

العشاء الآخرة . (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص۱۸۳ نمبر ۹۹۸/۴۴۴) اس حدیث میں ہے کہ جس عورت نے عطر لگایا وہ مسجد میں نہ جائے، کیونکہ اس سے رغبت ہوتی ہے اسی طرح جوان عورت میں رغبت ہوتی ہے اسلئے وہ بھی نہ جائے۔

ترجمہ: (۳۵۹) اور صاحبین نے فرمایا کہ تمام نمازوں میں بوڑھی عورتوں کا نکلنا جائز ہے۔

فائدہ : (۱) اور صاحبین فرماتے ہیں کہ بوڑھیوں میں رغبت کم ہونے کی وجہ سے تمام ہی نمازوں میں جاسکتی ہیں۔ (۲) جن حضرات نے عورتوں کو مسجد جانے کی اجازت دی وہ اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں عبد الله بن عمر قال سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تمنعوا نسائکم المساجد اذا استأذنکم الیها ....فقال بلال بن عبد الله والله لنمنعهن (مسلم شریف، باب خروج النساء الی المساجد ص۱۸۳ نمبر ۹۸۹/۴۴۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورتیں مسجد میں جانا چاہیں تو اس کو منع نہیں کرنا چاہئے، اسلئے صاحبین فرماتے ہیں کہ تمام ہی نماز میں بوڑھی عورت جاسکتی ہے۔ لیکن خود اس حدیث میں ہے کہ راوی کے بیٹے بلال نے فرمایا کہ میں تو روکونگا تا کہ وہ اس کو دھوکا کی چیز نہ بنالیں۔

ترجمہ: ا اسلئے کہ بوڑھی عورتوں میں مرد کی رغبت کم ہونے کی وجہ سے فتنہ نہیں ہے، اسلئے تمام نمازوں میں حاضر ہونا مکروہ نہیں ہے، جیسے عید میں حاضر ہونا مکروہ نہیں ہے۔

تشریح : یہ صاحبینؒ کی دلیل ہے۔ کہ بوڑھی عورت میں مرد کی رغبت کم ہوتی ہے اسلئے ہر نماز میں آنے میں فتنہ نہیں ہے اسلئے وہ تمام نماز میں آسکتی ہے، جس طرح عید کی نماز کے لئے عورت آسکتی ہے۔ عید کی نماز میں جوان عورت بھی آسکتی ہے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن أم عطية قالت : أمرنا نبینا ﷺ أن نخرج العواتق ذوات الخدور ....و یعتزلن الحیض المصلی ۔ (بخاری شریف، باب خروج النساء والحیض الی المصلی، ص۱۵۶، نمبر ۹۷۴) اس حدیث میں ہے کہ بوڑھی عورتیں اور پردے والی عورتیں عیدگاہ آئیں، اور حائضہ عورت آئیں ضرور لیکن عیدگاہ سے دور رہیں۔ جب بوڑھی عورت عید کی نماز میں جاسکتی ہے جو دن میں ہوتی ہے، تو دن کی اور نماز میں بھی حاضر ہوسکتی ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ شہوت کی شدت جماع پر ابھارنے والی ہے اسلئے فتنہ واقع ہوگا، یہ اور بات ہے کہ فاسق لوگ ظہر اور عصر اور جمعہ میں پھیلے ہوتے ہیں [اسلئے ان وقتوں میں فتنہ ہونے کا زیادہ امکان ہے] اور فجر اور عشاء میں وہ سوئے ہوتے ہیں اور مغرب میں وہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں [اسلئے اس وقت فتنہ کا امکان کم ہے]

۳؎ والجبانة متسعة فيمكنها الاعتزال عن الرجال فلا يكره (۳۶۰) قال ولا يصلی الطاهر خلف من هو فی معنی المستحاضة ولا الطاهرة خلف المستحاضة﴾

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت چاہے بوڑھی ہو اس میں کچھ نہ کچھ رغبت تو ہوتی ہے، پھر فاسق لوگ شہوت کی شدت کی وجہ سے بوڑھی اور جوان کو نہیں دیکھتے وہ فتنہ کر ہی ڈالتے ہیں، البتہ فجر اور عشاء میں یہ سوئے ہوتے ہیں اور مغرب میں یہ کھانے میں مشغول ہوتے ہیں اسلئے ان اوقات میں یہ لوگ مسجد کے راستے میں نہیں ہوتے اسلئے ان اوقات میں بوڑھی عورتیں مسجد چلی جائیں تو کوئی حرج نہیں ہے، اور ظہر، عصر اور جمعہ میں یہ لوگ راستے میں ہوتے ہیں جن سے فتنہ کا خطرہ ہوتا ہے اسلئے ظہر، عصر اور جمعہ میں بوڑھی عورت بھی مسجد نہ جائیں۔

ترجمہ: ۳؎ اور جنگل وسیع ہوتا ہے اسلئے مردوں سے عورتوں کا الگ رہنا ممکن ہے اسلئے مکروہ نہیں ہے۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ بوڑھی عورت عیدین میں جا سکتی ہے اور وہ دن میں ہے اسلئے دن کی نماز میں بھی بوڑھی عورت جا سکتی ہے۔اسکا جواب یہ دے رہے ہیں کہ فساق تو وہاں بھی ہیں لیکن عید کی نماز عموما جنگل میں ہوتی ہے اور جنگل لمبا چوڑا ہوتا ہے اسلئے عورت مرد سے دور رہ سکتی ہے اسلئے عید میں فتنہ کا اتنا خطرہ نہیں ہے اسلئے عید میں جا سکتی ہے، ظہر، عصر اور جمعہ میں نہیں۔

لغت : الرغبۃ: یہاں اس سے شہوت مراد ہے۔الشبق: بہت شہوت والا ہونا۔حامل: جماع پر ابھارنا۔الجبانۃ: جنگل۔اعتزال: الگ رہنا۔

ترجمہ: (۳۶۰) پاک آدمی اس کی اقتدا میں نماز نہ پڑھے جو مستحاضہ عورت کے درجے میں ہے، اور نہ پاک عورتیں مستحاضہ عورت کے پیچھے۔

تشریح : مستحاضہ عورت کے درجے کا مطلب یہ ہے کہ مستحاضہ عورت معذور ہے تو جو لوگ معذور ہیں انکے پیچھے غیر معذور نماز نہ پڑھے۔مثلا جسکو مسلسل پیشاب آرہا ہے، یا مسلسل پاخانہ آرہا ہے تو وہ پیشاب آنے والے کے ساتھ ہی نماز پڑھ سکتا ہے کیونکہ وہ معذور ہے اب اسکے پیچھے کوئی غیر معذور اچھا آدمی نماز پڑھنا چاہے تو نہیں پڑھ سکتا۔

وجہ : (۱) قاعدہ ہے کہ امام اعلی درجہ کا ہو، یا مقتدی سے برابر درجہ کا ہو، یا امام مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تو اقتدا جائز ہے۔اور اگر امام مقتدی سے بہت کم درجہ کا ہو تو ایسے امام کی اقتدا جائز نہیں ہے۔اب اس اصول پر بہت سے مسائل متفرع ہیں۔اب سلسل البول والا جس کو مسلسل پیشاب آتا ہو پاک آدمی سے بہت کم درجہ کا ہے۔کیونکہ سلسل البول والا معذور ہے اور پاک معذور نہیں ہے۔اس لئے پاک آدمی کے لئے سلسل البول کی اقتدا کرنا جائز نہیں ہے (۲) عن ابی ہریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن

ل لان الصحيح اقوى حالا من المعذور والشئ لايتضمن ماهو فوقه والامام ضامن بمعنى تضمن صلاته صلاة المقتدى (۳۶۱) ولا يصلى القارى خلف الامى ولا المكتسى خلف العارى ﴾ ل لقوة حالهما

والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص۵۱ نمبر ۲۰۷ رابن ماجة، باب مایجب علی الامام ،ص ۱۳۸،نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلی درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور سلسل البول یا مستحاضہ پاک آدمی سے نیچے درجے کے ہیں۔ اس لئے اقتدا جائز نہیں ہے (۳) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ عن ابراهيم قال : اذا فسدت صلوة الامام فسدت صلوة من خلفه . (کتاب الآثار لامام محمد، باب مایقطع الصلوة ،ص ۲۷،نمبر ۱۳۳) اس اثر میں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کی امام ضامن ہے۔

اصول : (۱) امام ضامن ہے (۲) امام کو اعلی یا برابر درجہ کا ہونا چاہئے

ترجمہ: ل اسلئے کہ صحیح آدمی حال کے اعتبار سے معذور سے زیادہ قوی ہے اور کوئی چیز اپنے سے اوپر والے کی ضامن نہیں ہو تی، اور امام ضامن ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ امام کی نماز مقتدی کی نماز کی ضامن ہے۔

تشریح : یہاں اوپر والی حدیث کا قاعدہ بتا رہے ہیں۔ کہ حدیث میں گزری کہ امام مقتدی کی نماز کا ضامن ہے، اسلئے امام کو مقتدی سے اعلی درجہ ہونا چاہئے ، یا کم سے کم برابر درجے کا ہونا چاہئے ، کیوں کہ کوئی کسی کا ضامن ہو تو مضبوط اور قوی ہو تب ہی ضامن بن سکتا ہے یا کم سے کم برابر ہو تب ہی ضامن بن سکتا ہے اگر بہت کمزور درجے کا ہو تو ضامن نہیں بن سکتا اور معذور آدمی صحیح آدمی سے بہت کم درجہ ہے اسلئے معذور آدمی صحیح آدمی کا امام نہیں بن سکتا۔

ترجمہ : (۳۶۱) اور نہیں جائز ہے اقتدا پڑھنے والے کی امی کے پیچھے اور نہ کپڑے پہننے والے کی ننگے کے پیچھے۔

ترجمہ: ل دونوں کی حالت کے مضبوط ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : جو آدمی اتنا قرآن شریف جانتا ہے جس سے نماز جائز ہو سکے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو کچھ بھی آیت قرآنی نہیں جانتا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔ کیونکہ امی معذور ہے اور قاری معذور نہیں ہے۔ اس لئے اصل اور صحیح کی اقتدا معذور کے پیچھے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح جس کے پاس ستر ڈھکنے کا کپڑا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا کرے جو بالکل ننگا ہے تو اس کی اقتدا درست نہیں ہے۔ کیونکہ ننگا معذور ہے اور کپڑے والا صحیح اور اصل ہے۔

اصول : مسئلہ نمبر ۳۶۰ میں گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہے۔

(۳۶۲) ويجوزان يؤم المتيمم المتوضيين ﴾ ل وهٰذا عند ابی حنفيةؒ وابی يوسف ٢ وقال محمدؒ لايـجـوز لانه طهارة ضرورية والطهارةبالماء اصلية ٣ ولهـمـا انه طهارة مطلقة ولهذا لايتقدر بقدر الحاجة

ترجمه: (۳۶۲) جائز ہے کہ تیمّم کرنے والا وضوکرنے والے کی امامت کرے۔

ترجمه: ل یہ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ہے۔

وجـــــه : (ا) تیمّم کرنے والا پانی نہ ہونے کے وقت وضوکرنے والے کے حکم میں ہے۔اس لئے دونوں برابر درجے کے ہو گئے۔اس لئے وضوکرنے والے تیمّم کرنے والے کی اقتدا کر سکتے ہیں (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے عن عمرو بن العاص قال احتملت فی ليلة باردة فی غزوة ذات السلاسل فاشفقت ان اغتسل فاهلك فتيممت ثم صليت باصحابی الصبح. (ابوداؤد شریف، باب اذا خاف الجنب البرد أيتيمم ص۵۴ نمبر ۳۳۴ ربخاری شریف، باب اذا خاف الجنب علی نفسه المرض اوالموت ص۴۹ نمبر ۳۴۵) اس حدیث میں حضرت عمرو نے جنابت کا تیمّم کر کے ساتھیوں کو نماز پڑھائی ہے۔جب کہ ساتھی وضواور غسل والے تھے۔اور آپؐ نے اس پر کچھ نہیں کہا جس کا مطلب یہ ہے کہ تیمّم کرنے والے کے پیچھے وضوکرنے والوں کی اقتدا درست ہے۔

ترجمه: ٢ اور امام محمدؒ نے فرمایا کہ تیمّم کرنے والا وضوء کرنے والے کی امامت کرے یہ جائز نہیں ہے،اسلئے کہ تیمّم مجبوری کی طہارت ہے،اور پانی سے طہارت اصلی ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے یہ ہے کہ تیمّم طہارت ضروریہ ہے یعنی پانی استعمال نہ کرنے کی مجبوری کی وجہ سے تیمّم کیا ہے اسلئے وہ معذور کے درجے میں ہوئے،اور پانی سے جو وضوء ہے وہ اصلی طہارت ہے اور قوی ہے،اسلئے معذور اصلی طہارت والے کی امامت نہیں کرسکتا۔

ترجمه: ٣ اور امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ تیمّم بھی طہارت مطلقہ ہے یہی وجہ ہے کہ ضرورت کے مطابق متعین نہیں ہے۔

تشریح :مستحاضہ عورت یا معذور آدمی کا حکم یہ ہے کہ جب وقت ہو تو وضوکر لے اور وقت ختم ہونے سے پہلے پہلے جتنی فرائض نوافل پڑھنی ہو پڑھ لے،وقت ختم ہوتے ہی وضو ختم ہو جائے گا اسلئے کہ ضرورت ختم ہوگئی،اگلے وقت میں اگلا وضوکرنا ہوگا اسلئے کہ یہ طہارت ضرورت کی بنا پر ہے اور جب ضرورت ختم ہوگئی تو طہارت بھی ختم ہو جائے گی ، کیونکہ پیشاب گرتا رہے اور وضوء باقی رہے یا پاخانہ نکلتا رہے اور وضوء باقی رہے یہ خلاف قیاس ہے لیکن ضرورت اور مجبوری کی بناء پر اسکو باقی رکھا۔لیکن تیمّم کا معاملہ ایسا نہیں

(۳٦۳) ویؤم الماسح الغاسلین﴾ ۱؎ لان الخف مانع سرایة الحدث الی القدم وماحلّ بالخف یزیله المسح

ہے، اگر تیمّم نہ ٹوٹا ہوتو ایک تیمّم سے دسیوں وقت کی نماز پڑھ سکتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ تیمّم بھی اصلی طہارت ہے اور طہارت مطلقہ ہے اسلئے تیمّم کرنے والا گویا کے وضو کرنے والے کی طرح ہے پس جب دونوں کی حالت ایک ہوئی تو تیمّم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے۔

وجہ : (۱) اس آیت کے انداز سے معلوم ہوتا ہے پانی نہ ہوتے وقت تیمّم اسکی جگہ پر اصل ہے۔ او جاء احدمنکم من الغائط او لا مستم النساء فلم تجد وا ماءً فتیمموا صعیداً طیباً۔ (آیت ۴۳، سورۃ النساء۴) اس آیت میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو تیمّم کرو جسکا مطلب یہ ہوا کہ پانی نہ ہونے کی حالت میں تیمّم اصل طہارت ہے (۲) اس حدیث سے بھی پتہ چلتا ہے تیمّم طہارت مطلقہ ہے۔ فقال ابو ذر انی اجتویتُ المدینة ....فقال رسول الله ﷺ : یا ابا ذر ان الصعید الطیب طھور وان لم تجد الماء الی عشر سنین فاذا وجدتَ الماء فأمسه جلدک ۔(ابوداود شریف، باب الجنب یتیمم ،ص ۵۳، نمبر ۳۳۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ پانی نہ ہونے کی حالت میں اسکی جگہ پر تیمّم اصلی طہارت ہے، اسی لئے تو فرمایا کہ دس سال تک تیمّم کیا جاسکتا ہے۔

ترجمہ : (۳٦۳) اور موزے پر مسح کرنے والا پاؤں کو دھونے والے کی امامت کرے۔

تشریح : موزے کے بارے میں یہ نہیں ہے کہ کوئی مجبوری ہوتب موزہ پہنے اور اس پر مسح کرے بلکہ کسی وقت بھی وضو کر کے موزہ پہن لے اور مسح کرنا شروع کردے، اسلئے موزے پر مسح پاؤں دھونے کی طرح ہی ہے اسلئے موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کرسکتا ہے، اور یوں سمجھا جائے گا کہ موزہ نے آنے والے حدث کو اندر سرایت کرنے سے روک دیا۔

وجہ :(۱) حضورؐ بغیر کسی مجبوری کے موزہ پہن کر مسح فرمایا کرتے تھے اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ عن المغیرة أن النبی ﷺ کان یمسح علی الخفین و علی ناصیته و علی عمامته ۔ دوسری حدیث میں ہے۔ سمعتُ عروۃ بن المغیرۃ بن شعبة یذکر عن ابیه قال : ....فقال لی : د ع الخفین فانی ادخلت القدمین الخفین و ھما طاھرتان ،فمسح علیھما ۔(ابوداود شریف، باب المسح الخفین ،ص ۲۳، نمبر ۱۵۰ نمبر ۱۵۱) ان دونوں حدیثوں میں ہے کہ آپؐ بغیر کسی مجبوری کے مسح خفین فرماتے تھے اسلئے وہ طہارت کاملہ ہے اسلئے طہارت کاملہ والے کی امامت کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ موزہ حدث کو قدم تک سرایت کرنے سے روکتا ہے، اور جو کچھ موزے کے اوپر حدث آیا مسح اسکو صاف کر دے گا۔

۲ بخلاف المستحاضة لان الحدث لم يعتبر زواله شرعًا مع قيامه حقيقة (۳۶۴) ويصلى القائم خلف القاعد﴾

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ جب موزہ پہن لیا تو وضوٹوٹنے کے بعد جو حدث آیا موزہ اسکو قدم کے اندر جانے نہیں دیا، اور جتنا سا حدث موزے کے اوپر آیا جب مسح کرے گا تو مسح سے وہ بھی صاف ہو جائے گا، تو گویا کہ پاؤں دھونے کی طرح ہو گیا اسلئے موزے پر مسح کرنے والا پاؤں دھونے والے کی امامت کر سکتا ہے۔

ترجمه : ۲ بخلاف مستحاضہ کے اسلئے کہ وہاں شرعا حدث کے زائل ہونے کا اعتبار نہیں کیا گیا جبکہ حقیقةً حدث قائم ہے۔

تشریح :اس عبارت میں مستحاضہ یعنی معذور اور موزے پر مسح کرنے والے میں کیا فرق ہے اسکو بتا رہے ہیں۔ کہ موزے پر مسح کر والے کا حدث مسح کرنے کی وجہ سے زائل ہو گیا اور گویا کہ دھونے کی طرح ہو گیا۔لیکن معذور کا حدث زائل نہیں ہوتا کیونکہ پیشاب تو نکلتا جا رہا ہے یا مستحاضہ کا خون نکلتا جا رہا ہے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ شرعا اسکا حدث زائل ہو گیا کیونکہ حدث تو حقیقةً موجود ہے، البتہ مجبوری کی وجہ سے پاک مان لیا گیا ہے، اور جب حقیقةً حدث موجود ہے تو اسکی امامت نہیں کر سکتا جو مکمل پاک ہے۔

اصول :یہ سب مسائل اس اصول پر ہے کہ امامت کرنے والا مقتدی سے تھوڑا سا کم ہو تب بھی امام بن سکتا ہے، لیکن اگر بہت کم ہو تو امام نہیں بن سکتا۔

ترجمه: (۳۶۴) کھڑا ہونے والا بیٹھنے والے کے پیچھے نماز پڑھے گا۔

تشریح: امام کو کوئی عذر ہو جس سے وہ بیٹھ کر نماز پڑھ رہا ہو اور مقتدی کو کوئی عذر نہ ہو اس لئے وہ کھڑا ہو کر نماز پڑھ رہا ہو تو بیٹھنے والے امام کی اقتدا کرنا جائز ہے۔ کیونکہ بیٹھنے والا کھڑا ہونے والے کے قریب قریب ہے۔لیکن مقتدی بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھے گا نہیں بلکہ کھڑا رہے گا۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے۔ یہ ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے **دخلت على عائشة فقلت الا تحدثينى عن مرض رسول الله ﷺ؟**

... فجعل ابو بكر يصلى وهو ياتمُّ بصلوة النبى ﷺ والناس بصلوة ابى بكر، والنبى قاعد (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف کی حدیث میں تصریح ہے **وقام ابو بكر وكان ابو بكر يأتم بالنبى ﷺ والناس يأتمون بابى بكر قال ابن عباس واخذ رسول الله ﷺ من القراءة من حيث كان بلغ ابو بكر** ۔(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی صلوة رسول اللہ ﷺ فی مرضہ ص ۱۷۴، نمبر ۱۲۳۵ رمسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض لہ عذر الخ ص ۱۷۸ نمبر ۴۱۸ ر ۹۳۶) ان دونوں حدیثوں سے دو باتیں معلوم ہوئیں [۱] ایک تو یہ کہ بیٹھنے والا

۱ وقال محمدؒ لايجوز وهو القياس لقوة حال القائم ۲ ونحن تركناه بالنص وهو ماروى ان النبی ﷺ صلى اٰخر صلاته قاعدا والقوم خلفه قيام

کھڑے ہونے والے کی امامت کرسکتا ہے،[۲] اور دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ بیٹھنے والے امام کے پیچھے بیٹھ کر نماز نہیں پڑھے گا بلکہ کھڑا ہو کر نماز پڑھے گا۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے فیصلہ دیا ہے کہ۔ **ثم صلى بعد ذلک النبی ﷺ جالسا والناس خلفه قيام لم يأمر هم بالقعود وانما يوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ**۔ (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس سے بھی معلوم ہوا کہ حضرت بخاریؒ فرماتے ہیں مقتدی کھڑے ہو کر نماز پڑھیں گے۔ کیونکہ قیام فرض ہے بغیر عذر کے ساقط نہیں ہوتا، اور حضور کا آخری فعل بھی یہی تھا۔

فائدہ : بعض حضرات کی رائے ہے کہ امام بیٹھ کر نماز پڑھے تو مقتدی کو بھی بیٹھ کر نماز پڑھنی چاہئے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن عائشة ام المؤمنين انها قالت رسول الله صلى الله عليه وسلم فی بيته وهو شاک فصلى جالسا وصلى ورائه قوم قياما فاشار اليهم ان اجلسوا فلما انصرف قال انما جعل الامام ليؤتم به فاذا ركع فاركعوا واذا رفع فارفعوا واذا قال سمع الله لمن حمده فقولوا ربنا ولک الحمد واذا صلى جالسا فصلوا جلوسا اجمعون**۔ (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۹ / ابوداؤد شریف، باب الامام یصلی من قعود ص ۹۶ نمبر ۶۰۱) اس حدیث میں آپؐ نے بیٹھے ہوئے امام کے پیچھے بیٹھنے کا حکم دیا ہے۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ خود بخاریؒ فرماتے ہیں کہ پہلا عمل منسوخ ہے۔

اصول : بیٹھنا قریب قریب کھڑے ہونے کی طرح ہے، اسلئے ایک دوسرے کی اقتداء جائز ہے۔

ترجمہ: ۱ امام محمدؒ نے فرمایا کہ کھڑا ہونے والے کے لئے بیٹھنے والے کی اقتداء کرنا جائز نہیں ہے، اسلئے کہ کھڑا ہونے والے کی حالت مضبوط ہے۔ قیاس کا تقاضا یہی ہے۔

تشریح : امام محمدؒ کی رائے ہے کہ چونکہ کھڑے ہونے والے کی حالت مضبوط اور قوی ہے اسلئے وہ بیٹھنے والے کی اقتداء نہ کرے اسلئے کہ وہ کمزور اور ضعیف ہے۔

ترجمہ: ۲ اور ہمنے حدیث کیوجہ سے اس بات کو چھوڑ دیا۔ وہ روایت یہ ہے کہ نبی علیہ السلام نے آخری نماز بیٹھ کر پڑھی اور قوم آپؐ کے پیچھے کھڑی تھی۔

تشریح : صاحب ہدایہ کی روایت یہ گزر چکی۔ **ثم صلى بعد ذلک النبی ﷺ جالسا والناس خلفه قيام لم يأمر هم بالقعود وانما يوخذ بالآخر فالآخر من فعل النبی ﷺ**۔ (بخاری شریف، باب انما جعل الامام لیوتم بہ ص ۹۶ نمبر ۶۸۹) اس حدیث میں ہے کہ آپؐ کی آخری نماز اس طرح تھی کہ آپؐ بیٹھ کر نماز پڑھا رہے تھے اور لوگ آپؐ کے پیچھے کھڑے

(٣٦٥) ويصلي المؤمي خلف مثله ﴾ ل لاستوائهما في الحال ٢ الا ان يؤمي المؤتم قاعدا والامام مضطجعا لان القعود معتبر فيثبت به القوة (٣٦٦) ولا يصلي الذي يركع ويسجد خلف المؤمي ﴾ ل لان حال المقتدى اقوى

تھے۔

ترجمہ : (٣٦٥) اوراشارہ کرنے والا اشارے کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ دونوں کی حالت برابر ہے۔

تشریح : ایک آدمی رکوع سجدہ نہیں کرسکتا ہے اب وہ اسکا اشارہ کر کے نماز پڑھ رہا ہے تو اپنے جیسے اشارے کرنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے، کیونکہ دونوں کی حالت ایک جیسی ہے۔اسلئے ایک دوسرے کی اقتداء کرسکتا ہے۔

ترجمہ: ٢ مگر یہ کہ مقتدی بیٹھ کر اشارہ کرے اور امام لیٹ کر اشارہ کرے تو جائز نہیں ہے، اسلئے کہ بیٹھنا کھڑے ہونے کی طرح معتبر ہے تو اس میں قوت ثابت ہوگئی۔

تشریح : رکوع اور سجدے کے اشارے کی دو صورتیں ہیں [١] ایک تو یہ کہ بیٹھنے پر قدرت ہے اسلئے بیٹھ کر رکوع سجدے کا اشارہ کررہا ہے، تو یہ قوی اور مضبوط ہے کیوں کہ بیٹھنا کھڑا ہونے کے قریب ہے، [٢] اور دوسری صورت یہ ہے کہ بیٹھنے پر قدرت نہیں ہے اسلئے لیٹ کر رکوع سجدے کا اشارہ کررہا ہے، تو یہ اشارہ معذور کا ہے اور کمزور ہے، اسلئے اگر بیٹھ کر اشارہ کرنے والا لیٹ کر اشارہ کر نے والے کی اقتداء کرے تو صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ بیٹھنے والا قوی ہے اور لیٹ کر اشارہ کرنے والا بہت کمزور ہے۔ اسکا الٹا صحیح ہو جائے گا اسلئے کہ بیٹھنے والا امام قوی ہوگا اور لیٹنے والا مقتدی کمزور ہوگا۔

لغت : یوءمی: ایماء سے مشتق ہے، اشارہ کرنے والا۔موءتم: ام سے مشتق ہے، مقتدی۔مضطجعا: اضطجع سے مشتق ہے، لیٹنے والا۔

ترجمہ: (٣٦٦) جو آدمی رکوع اور سجدہ کرتا ہو وہ اشارہ کرنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

تشریح: جو آدمی عذر کی بنا پر اشارہ کر کے نماز پڑھتا ہو، رکوع اور سجدہ نہ کرسکتا ہو وہ معذور ہے۔اس لئے اس کے پیچھے رکوع سجدہ کرنے والا جو گویا کہ تندرست ہے کا اقتدا کرنا صحیح نہیں ہے۔دلیل مسئلہ نمبر ٣٦٠ میں گزر گئی ہے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ مقتدی کا حال امام سے قوی ہے۔

تشریح : رکوع سجدہ کرنے والا معذور نہیں ہے وہ قوی ہے، اور رکوع سجدے کا اشارہ کرنے والا معذور ہے وہ کمزور ہے، اسلئے رکوع سجدہ کرنے والے کے لئے اسکے اشارے کرنے والے کی اقتداء درست نہیں ہے۔

۲؎ وفیه خلاف زفرؒ (۳۶۷) ولا یصلی المفترض خلف المتنفلؒ

ترجمه: ۲؎ اس میں امام زفرؒ کا اختلاف ہے۔

تشــــریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں اشارہ کرنے والا رکوع سجدہ کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے، اسکی وجہ یہ ہے۔ کہ رکوع اور سجدے کے بدلے میں جب اشارہ ہوگیا تو اشارہ ان دونوں کا خلیفہ ہوگیا اور جب خلیفہ موجود ہے تو گویا کہ اصل موجود ہے اور گویا کہ رکوع سجدہ ہی کرنے والا ہے، اسلئے وہ رکوع سجدہ کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے۔ جس طرح تیمّم وضو کا خلیفہ ہے تو تیمّم کرنے والا وضو کرنے والے کی امامت کرسکتا ہے۔ اس طرح یہاں بھی امامت کرسکتا ہے۔

ترجمه :(۳۶۷) فرض پڑھنے والا نفل پڑھنے والے کے پیچھے نماز نہ پڑھے۔

وجه :(۱) اس حدیث میں ہے کہ امام ضامن ہے۔ **عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن** (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص ۵۱ نمبر ۲۰۷/ ابن ماجۃ، باب مایجب علی الامام، ص ۱۳۸، نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ اس لئے ضامن کو مضبوط ہونا چاہئے اور اعلی درجہ کا ہونا چاہئے یا کم از کم برابر درجہ کا ہونا چاہئے۔ اور فرض پڑھنے والا اعلی ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی ہے اس لئے فرض پڑھنے والے کو نفل پڑھنے والے کی اقتدا کرنا درست نہیں ہے (۲) اس حدیث سے بھی اس کا اشارہ ملتا ہے **عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ قال انما جعل الامام لیوتم به فلاتختلفوا علیه** ۔(مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالامام ص ۱۷۷ نمبر ۹۳۰/۴۱۴) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔ اور یہاں اعلی کا ادنی درجہ سے اختلاف ہو جاتا ہے۔

فائده : امام شافعیؒ کے نزدیک فرض پڑھنے وا کا نفل پڑھنے والے کا اقتدا کرنا جائز ہے۔

وجــه: (۱) ان کے نزدیک امامت کا مطلب ضامن ہونا نہیں ہے بلکہ ایک جگہ مل کر نماز پڑھ لینا ہے۔ اس لئے فرض اور نفل کے اختلاف سے فرق نہیں پڑتا (۲) حدیث میں اس کا ثبوت ہے **ان معاذبن جبل کان یصلی مع رسول اللہ العشاء ثم یاتی قومه فیصلی بھم تلک الصلوۃ** ۔(ابوداؤد شریف، باب امامۃ من صلی بقوم وقد صلی تلک الصلوۃ ص ۹۵ نمبر ۵۹۹/ بخاری شریف، باب اذا طول الامام وکان للرجل حاجۃ فخرج وصلی، ص ۹۶، نمبر ۷۰۰) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ عشاء کی نماز پڑھتے تھے تو اسکا یہی مطلب ہے کہ انکے ساتھ فرض کی نیت سے پڑھتے ہونگے، اور جب قوم کو پڑھاتے ہونگے تو وہ نفل ہوگی کیونکہ ایک فرض دومرتبہ نہیں پڑھ سکتے، تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ امام کی نماز نفل ہے اور مقتدی کی نماز فرض ہے تو فرض پڑھنے والوں نے نفل پڑھنے والے کی اقتداء کی۔ (۳) اس حدیث میں تو اسکی صراحت ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ فرض پڑھتے تھے اور امامت کے وقت نفل پڑھتے تھے۔ **ان معاذا کان یصلی مع النبی ﷺ العشاء ثم ینصرف الی قومه فیصلی بھم ھی له تطوع ولھم فریضة** (دارقطنی، باب ذکر صلوۃ المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳/ سنن بیھقی،

۱؎ لان الاقتداء بناء ووصف الفرضية معدوم فی حق الامام فلا یتحقق البناء علی المعدوم

(۳۶۸) قال ولا من یصلی فرضا خلف من یصلی فرضًا آخر ۱؎ لان الاقتداء شرکة وموافقة فلا بد من الاتحاد ۲؎ وعند الشافعیؒ یصح فی جمیع ذٰلک لان الاقتداء عنده اداء علی سبیل الموافقة وعندنا معنی التضمن مراعًی

باب الفریضة خلف من یصلی النافلة، ج ثالث، ص۱۲۲، نمبر ۵۱۰۶) اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذؓ حضورؐ کے ساتھ فرض پڑھتے اور امامت نفل کی نیت کر کے کرتے۔ اس لئے نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والے کی اقتداء جائز ہے۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ اقتداء کا مطلب ہے بنا کرنا اور فرضیت کا وصف امام کے حق میں معدوم ہے، اسلئے معدوم پر بناء متحقق نہیں ہوگا۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ حنفیہ کے یہاں قاعدہ یہ ہے کہ نماز کے ساتھ اسکی اہم صفات میں بھی مقتدی امام کے ساتھ بناء کرتا ہے اسلئے امام کی نماز کی اہم صفت مقتدی کی نماز کی اہم صفت میں مختلف ہو تو امام کے ساتھ بناء نہیں ہو سکے گی اور اقتداء درست نہیں ہوگی۔ اس قاعدے کی بنیاد پر دیکھیں تو یہاں امام کی نماز میں فرض کی صفت نہیں ہے جو اہم ہے صرف نفل کی صفت ہے اور مقتدی کی نماز میں فرض کی صفت ہے اسلئے مقتدی کی بناء امام کی نماز کے ساتھ نہیں ہو سکے گی، اسلئے فرض پڑھنے والے کی نماز نفل پڑھنے والے کے پیچھے جائز نہیں۔

ترجمہ : (۳۶۸) اور نہیں جائز ہے اقتدا کرنا اس کی جو نماز پڑھتا ہو فرض، اس کے پیچھے جو دوسرے فرض پڑھتا ہو۔

تشریح : کوئی آدمی مثلا ظہر کا فرض پڑھ رہا ہے وہ ایسے آدمی کی اقتدا نہیں کر سکتا جو عصر کا فرض پڑھ رہا ہے۔

وجہ : پہلے گزر چکا ہے کہ امام ضامن ہوتا ہے۔ اس لئے دونوں کی نیت متحد ہونی چاہئے (۲) **عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال انما جعل الامام ليوتم به فلاتختلفوا عليه** ۔ (مسلم شریف، باب ائتمام الماموم بالا امام ص ۱۷۷ نمبر ۹۳۰/۴۱۴) اس حدیث میں ہے کہ امام اقتدا کرنے کے لئے ہے اس لئے اس سے اختلاف نہ کرو۔ اور یہاں امام کی نماز الگ ہے اور مقتدی کی نماز الگ ہے، اسلئے ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے والے کی اقتداء جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ اقتداء کا مطلب شرکت اور موافقت ہے اسلئے اتحاد ضروری ہے۔

تشریح : ہمارے یہاں اقتداء کا مطلب یہ ہے کہ تحریمہ اور اعمال دونوں میں شرکت ہو اسلئے نماز میں بھی اتحاد ضروری ہے۔ دلیل اوپر گزر گئی۔

ترجمہ: ۲؎ اور امام شافعیؒ کے نزدیک ان تمام صورتوں میں اقتداء صحیح ہے، اسلئے کہ اقتداء انکے نزدیک موافقت کے طور پر اداء

(۳۶۹) ويصلى المتنفل خلف المفترض﴾

کرنا ہے۔اورحنفیہ کے یہاں ضامن ہونے کی رعایت ہے۔

تشریح : ہمارے نزدیک اقتداء مطلب یہ ہے کہ امام مقتدی کا ضامن ہے اسلئے تحریمہ اور اعمال دونوں میں موافقت اور شرکت ضروری ہے۔اور امام شافعیؒ کے یہاں اقتداء کا مطلب یہ ہے کہ امام اور مقتدی ایک جگہ نماز پڑھ رہے ہیں،لیکن امام مقتدی کی نماز کا ضامن نہیں ہے،اسلئے اوپر کی تمام صورتوں میں اقتداء جائز ہے۔مثلا [۱] اشارہ کرنے والے کے پیچھے کھڑا ہونے والا نماز پڑھ سکتا ہے،[۲] نفل پڑھنے والے کے پیچھے فرض پڑھنے والا نماز پڑھ سکتا ہے [۳] ظہر کی نماز پڑھنے والے کے پیچھے عصر کی نماز پڑھنے والا نماز پڑھ سکتا ہے۔موسوعۃ میں ہے۔ قال الشافعیؒ و كل هذا جائز بالسنة ، و ما ذكرنا ثم القياس ، و نية كل مصل نية نفسه ، لا يفسدها عليه أن يخالفها نية غيره و ان أمّه ۔(موسوعۃ امام شافعیؒ،باب اختلاف نیۃ الامام و المأموم،ج ثانی،ص ۳۱۷،نمبر ۱۷۹۱)اس عبارت میں ہے کہ امام اور مقتدی کی نماز مختلف ہو تب بھی نماز جائز ہے۔

وجه : (۱)اسکی وجہ یہ حدیث ہے. عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال : يصلون لكم فان اصابو ا فلكم و لهم و ان اخطئوا فلكم و عليهم ۔(بخاری شریف،باب اذا لم یتم الامام وأتم من خلفہ،ص ۹۶،نمبر ۶۹۴)اس حدیث میں ہے کہ امام اگر غلطی کرے تو اس غلطی کا نقصان اسکو ملے گا اور تمہارے صحیح کا فائدہ تم کو ملے گا،جس سے معلوم ہوا کہ امام ضامن نہیں ہے اسلئے اوپر کی امامت درست ہے۔(۲)نفل والے کے پیچھے فرض پڑھے اسکی حدیث اوپر گزر چکی۔ان معاذا كان يصلى مع النبى ﷺ العشاء ثم ينصرف الى قومه فيصلى بهم هى له تطوع و لهم فريضة (دار قطنی،باب ذکر صلوۃ المفترض خلف المتنفل ج اول ص ۲۸۱ نمبر ۱۰۶۳ رسنن بیہقی،باب الفریضۃ خلف من یصلی النافلۃ،ج ثالث،ص ۱۲۲،نمبر ۵۱۰۶)اس حدیث میں ہے کہ حضرت معاذ کی نماز نفل ہوتی اور قوم کی نماز فرض ہوتی۔(۳)اور ظہر پڑھنے والا عصر پڑھنے والے کی اقتداء کرے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔عن ابن عائذ قال : دخل ثلاثة نفر من أصحاب رسول الله ﷺ المسجد و الناس فى صلاة العصر قد فرغوا من صلاة الظهر فصلوا مع الناس ، فلما فرغوا قال بعضهم لبعض : كيف صنعتم ؟ قال أحدهم : جعلتها الظهر ثم صليتُ العصر ، و قال الآخر : جعلتها العصر ثم صليتُ الظهر ، و قال الآخر : جعلتها للمسجد ثم صليت الظهر و العصر فلم يعب بعضهم على بعض ۔(سنن بیہقی،باب الظہر خلف من یصلی العصر،ج ثالث،ص ۱۲۳،نمبر ۵۱۱۲)اس اثر میں ہے کہ امام عصر پڑھ رہے تھے اور مقتدی نے اسکے پیچھے ظہر پڑھی،یا تحیۃ المسجد پڑھی۔

اصول : امام شافعیؒ کا اصول یہ ہے کہ امام مقتدی کا ضامن نہیں ہے۔صرف موافقت کے طور پر نماز پڑھتا ہے۔

ترجمه: (۳۶۹) نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

لے لان الحاجة فی حقه الی اصل الصّلوة وھو موجود فی حق الامام فیتحقق البناء

(۳۷۰) ومن اقتدی بامام ثم علم ان امامه محدث﴿

وجه : (۱) فرض پڑھنے والا اعلی درجہ کا ہوتا ہے اور نفل پڑھنے والا ادنی درجہ کا، اس لئے نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے (۲) حدیث میں ہے عن جابر بن یزید انه صلی مع رسول الله ﷺ وھو غلام شاب فلما صلی اذا رجلان لم یصلیا فی ناحیة المسجد فدعا بھما فجیئ بھما ترعد فرائصھما فقال ما منعکما ان تصلیا معنا؟ قالا قد صلینا فی رحالنا قال لا تفعلوا اذا صلی احدکم فی رحله ثم ادرک الامام ولم یصل فلیصل معه فانھا له نافلة ۔ (ابوداؤد شریف، باب فیمن صلی فی منزلہ ثم ادرک الجماعۃ یصلی معھم ص ۹۲ نمبر ۵۷۵ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یصلی وحدہ ثم یدرک الجماعۃ ص ۵۲ نمبر ۲۱۹) اس حدیث میں آپ نے ترغیب دیدی کہ اگر تم نے پہلے فرض پڑھ لیا ہے پھر بھی اگر فرض کی جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ ان کے ساتھ شریک ہو جاؤ۔ تاکہ یہ تمہارے لئے نفل ہو جائے۔ تو معلوم ہوا کہ نفل پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کی اقتدا کرسکتا ہے۔

نوٹ : حنفیہ کے نزدیک فجر، عصر، مغرب میں فرض پڑھ چکا ہو تو دوبارہ نفل کی نیت کر کے اقتدا نہیں کرے گا۔ کیونکہ فجر اور عصر کے بعد کوئی نفل نہیں ہے۔ اور مغرب کے بعد نفل ہے لیکن تین رکعت نفل نہیں ہے۔ اور مغرب کے فرض والوں کی اقتدا کرے گا تو تین رکعت نفل پڑھنا ہوگا۔ اس لئے ان میں فرض پڑھنے والوں کی اقتدا نہ کرے۔ البتہ ظہر اور عشا کی نماز پڑھ چکا ہو پھر فرض کی جماعت ہو رہی ہو تو دوبارہ نفل کی نیت کر کے فرض والوں کی اقتدا کرسکتا ہے۔ (۱) اس کی دلیل یہ اثر ہے ان عبد الله بن عمر کان یقول من صلی المغرب او الصبح ثم ادرکھما مع الامام فلا یعد لھما. (مؤطا امام مالک، باب العمل فی صلوۃ الجماعۃ، کتاب الصلوۃ ص ۱۱۶) اس اثر سے معلوم ہوا کہ مغرب اور صبح کی نماز پڑھ چکا ہو تو دوبارہ اس کی جماعت میں شامل نہیں ہوگا (۲) عن ابن عباس ان النبی ﷺ نھی عن الصلوة بعد الصبح حتی تشرق الشمس و بعد العصر حتی تغرب. (بخاری شریف، باب الصلوۃ بعد الفجر حتی ترفع الشمس ص ۸۲ نمبر ۵۸۱) اس سے بھی معلوم ہوا کہ صبح اور عصر کے فرض پڑھنے کے بعد ان کی جماعت ہوتی ہو تو ان میں نفل کی نیت کر کے شریک نہ ہو۔

ترجمه : لے اسلئے کہ نفل پڑھنے والے کے حق میں اصل نماز کی ضرورت ہے اور وہ امام کے حق میں موجود ہے اسلئے بناء متحقق ہو گی۔

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ نفل پڑھنے والے کو بناء کے لئے اصل نماز کی ضرورت ہے، اور فرض نماز میں اصل نماز موجود ہے اسلئے نفل نماز پڑھنے والا فرض پڑھنے والے کے پیچھے نماز پڑھ سکتا ہے۔

ترجمه : (۳۷۰) اگر کسی نے امام کی اقتدا کی پھر علم ہوا کہ وہ طہارت پر نہیں تھا تو مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔

۱ اعـاد لقوله ﷺ:مـن امَّ قـومـا ثـم ظهر انه كان محدثًا اوجنبًا اعاد صلاته واعادوا ۲ وفيه خلاف الشافعیؒ بناء علی ماتقدم

تشریح: امام نے جنابت کی حالت میں یا بغیر وضو کے نماز پڑھادی تو امام کو بھی نماز لوٹانا ہوگی۔ کیونکہ اس نے بغیر طہارت کے نماز پڑھائی۔ لیکن ساتھ میں مقتدی کو بھی نماز دہرانی ہوگی۔

وجه : (۱) کیونکہ کہ مقتدی کی نماز امام کے ساتھ اصلاح اور فساد میں متضمن ہے۔ حدیث میں ہے۔ عـن ابـی هريرة قال قال رسـول الـله ﷺ الامام ضامن والمؤذن مؤتمن (ترمذی شریف، باب ماجاء ان الامام ضامن والمؤذن مؤتمن ص۵۱ نمبر ۲۰۷/ابن ماجۃ، باب مایجب علی الامام، ص۱۳۸، نمبر ۹۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام ضامن ہے۔ اس لئے امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے مقتدی کی نماز بھی فاسد ہوگی۔ اور قابل اعادہ ہوگی (۲) حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال اقيمت الصلوة فسـوى الـنـاس صـفـوفهـم فخرج رسول الله ﷺ فتقدم وهو جنب ثم قال على مكانكم فرجع فاغتسل ثم خـرج ورأسـه يـقـطر ماء فصلى بهم (بخاری شریف، باب اذا قال الامام مکانکم حتی یرجع انتظروہ، ص۸۹ نمبر ۶۴۰) اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ امام اگر جنبی ہو تو اس کی نماز نہیں ہوگی۔ (۳) عـن سـعيد بن مسيب ان رسول الله ﷺ صلى بـالـنـاس وهـو جنب فاعاد واعادوا ۔ (دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول ص۳۵۴ نمبر ۱۳۵۴) اس حدیث مرسل سے معلوم ہوا کہ حضورؐ نے بھی نماز لوٹائی اور مقتدی نے بھی نماز لوٹائی (۴) اس اثر میں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی اس لئے انکو بھی نماز لوٹانی ہوگی ۔عـن ابراهيم قال : اذا فسدت صلوة الامام فسدت صلوة مـن خـلفـه . (کتاب الآثار لامام محمد، باب مایقطع الصلوۃ، ص۲۷، نمبر ۱۳۳) اس اثر میں ہے کہ امام کی نماز فاسد ہوگی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

اصول : [۱] امام مقتدی کی نماز کا ذمہ دار ہے۔ [۲] امام کی نماز فاسد ہونے سے مقتدی کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

ترجمه: ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ کسی نے کسی قوم کی امامت کی پھر پتہ چلا کہ امام محدث ہے یا جنبی ہے تو امام بھی نماز لوٹائے اور تمام مقتدی بھی نماز لوٹائیں۔

تشریح : یہ اثر حضرت علیؓ کا اس طرح ہے۔ عن على انه صلى بالقوم وهو جنب فاعاد ثم امرهم فاعادوا (سنن للبیھقی، باب امامۃ الجنب ج ثانی ص۵۶۰، نمبر ۴۰۷۸/دار قطنی، باب صلوۃ الامام وھو جنب او محدث ج اول ص۳۵۴ نمبر ۱۳۵۵) اس اثر سے بھی معلوم ہوا کہ مقتدی بھی نماز لوٹائیں گے۔

ترجمه: ۲ اور اس میں امام شافعیؒ کا اختلاف ہے۔ بناء کرتے ہوئے اس قاعدے پر جو پہلے گزر گیا۔

۳؎ ونحن نعتبر معنی التضمن وذٰلک فی الجواز والفساد (۳۷۱) واذا اصلی امّی بقوم یقرؤن وبقوم امیین فصلاتھم فاسدة عندابی حنیفةؒ

تشریح : امام شافعیؒ کا مسلک پہلے گزر چکا ہے کہ امام مقتدی کا ضامن نہیں ہے اسلئے اگر امام کی نماز فاسد ہو جائے تو امام اپنی نماز لوٹائے گا، لیکن مقتدی کی نماز ہو گئی انکو لوٹانے کی ضرورت نہیں

وجه : (۱) ان کی دلیل یہ حدیث ہے ۔عن البراء بن عاذب عن النبی ﷺ ایما امام سھی فصلی بالقوم وھو جنب فقد مضت صلوتھم ثم لیغتسل ھو ثم لیعد صلوته وان صلی بغیر وضوء فمثل ذلک (دار قطنی ، باب صلوا الامام وھو جنب اومحدث ص ۳۵۴ نمبر ۱۳۵۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی طہارت پر ہیں اس لئے ان کی نماز ہو جائے گی اور امام کو نماز لوٹانا ہوگی (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک جماعت کا مطلب یہ ہے کہ سب ایک ساتھ نماز پڑھ رہے ہیں ۔لیکن امام مقتدیوں کا مکمل ذمہ دار نہیں ہے ۔اس لئے امام کے فساد سے مقتدیوں کی نماز کا فساد لازم نہیں آئیگا ۔

ترجمه: ۳؎ اور ہم ضامن ہونے کے معنی کا اعتبار کرتے ہیں، اور یہ نماز کے جائز ہونے اور نماز کے فاسد ہونے میں ہے ۔

تشریح : حضرت امام شافعیؒ کے یہاں امامت کا مطلب صرف اتنا ہے کہ امام اور مقتدی ایک ساتھ کھڑے ہو کر نماز پڑھ لئے ، اور امام ابو حنیفہؒ کے یہاں امامت کا مطلب یہ ہے کہ امام نماز کے صحیح ہونے اور فاسد ہونے کا ذمہ دار ہے، اسلئے امام کی نماز فاسد ہو ئی تو مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی ۔

ترجمه :(۳۷۱) امی امام نے ایسے لوگوں کو نماز پڑھائی جو قرآن پڑھنا جانتے تھے، اور ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو امی تھے تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک سب کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

تشریح : امی، ام سے مشتق ہے، جس طرح سے ان پڑھ پیدا ہوا ہو اسی طرح ابھی بھی ان پڑھ ہو، یہاں امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ,امی، کا مطلب یہ ہے کہ اسکو ایک آیت بھی یاد نہ ہو، کیونکہ ایک آیت سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز ہو جاتی ہے، اسلئے ایک آیت جانتا ہو تو وہ قاری ہے ۔اور صاحبینؒ کے نزدیک تین چھوٹی آیتیں، یا ایک لمبی آیت بھی یاد نہ ہو تو وہ امی ہے اور اتنا یاد ہو تو وہ قاری ہے ۔

اصول : یہ مسئلہ ایک قاعدہ پر متفرع ہے، قاعدہ یہ ہے کہ، کیا دوسرے کے سہارے سے ایک بات پر قادر ہو تو اسکو قدرت سمجھی جائے گی یا نہیں؟ امام ابو حنیفہؒ کی رائے یہ ہے کہ دوسرے کے سہارے سے کسی بات پر قدرت ہو تو اسکو آدمی کی قدرت سمجھی جائے گی اور اس پر مسئلہ متفرع ہوگا ۔اور صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ دوسرے کے سہارے سے کسی بات پر قدرت ہو تو اسکو قدرت نہیں سمجھی جائے گی، بلکہ آدمی کو معذور ہی سمجھا جائے گا ۔

ل وقالا صلوٰة الامام ومن لم يقرأ تامة لانه معذور امّ قوما معذورين فصار كما اذا امَّ العارى عراة ولابسين

اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ ایک آدمی امی ہے یعنی ایک آیت بھی یاد نہیں اسلئے یہ معذور کے زمرے میں ہے یہ چند آدمیوں کی امامت کر رہا ہے جن میں کچھ قاری ہیں یعنی انکو ایک لمبی آیت یاد ہے، اور کچھ لوگ امی ہیں۔ تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک امام اور سب مقتدی کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ امی امام کے لئے یہ گنجائش تھی کہ قاری کو امام بناتے، اور قاری کی قرأت مقتدی کی بھی قرأت ہو جاتی اور سب کی نماز صحیح ہو جاتی، کیونکہ ابھی امام ابو حنیفہؒ کا قاعدہ گزرا کہ دوسرے کے سہارے سے قدرت ہوتی ہو تو اسکو بھی قدرت سمجھی جائے گی، یہاں قاری کو امام بنا کر قاری کی قرأت اپنے لئے کر سکتا تھا کیونکہ حدیث میں ہے کہ جسکا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لئے ہے۔ عن جابر قال قال رسول الله ﷺ من كان له امام فقراء ة الامام له قراء ة. (ابن ماجہ شریف، باب اذا قرء الامام فانصتوا ص ۱۲۰، نمبر ۸۵۰/ دار قطنی، باب ذکر قولہ من کان لہ امام ص ۳۲۱ نمبر ۱۲۲۰) اس حدیث میں ہے کہ جسکا امام ہو تو امام کی قرأت اسکی قرأت ہے۔۔ اب اس امی امام نے قاری کو امام نہیں بنایا تو امام کی نماز فاسد ہو گئی اور جب امام کی نماز فاسد ہو گئی تو اسکی وجہ سے تمام مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی چاہے وہ قاری ہو یا امی ہو۔

اصول : دوسرے کے سہارے سے بھی قدرت ہو سکتی ہے۔

ترجمہ: ل اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ امام کی نماز اور جو قرأت نہیں کر سکتا ہے انکی درست ہو گئی۔ اسلئے کہ امام خود بھی معذور ہے اور معذور لوگوں کی امامت کی ہے، تو ایسا ہو گیا کہ ننگے آدمی نے ننگوں کی اور کپڑا پہننے والوں کی امامت کی ہو۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ جو لوگ قرأت پر قدرت نہیں رکھتے تھے انکی نماز ہو گئی، مثال مذکور میں امام امی ہے وہ قرأت پر اپنی قدرت نہیں رکھتا ہے اسلئے اسکی نماز ہو گئی، اسی طرح مقتدی میں سے جو امی ہے اسکی نماز ہو جائے گی، کیوں کہ یہ اپنے طور پر قرأت پر قدرت نہیں رکھتے ہیں، اور قاری کی قرأت سے سہارا لیکر قرأت پر قدرت ہونا یہ غیر کے سہارے سے قدرت ہے صاحبین کے یہاں اسکا اعتبار نہیں ہے، اسلئے ان لوگوں کی نماز صحیح ہو جائے گی، اور جو مقتدی واقعۃً قاری ہیں انکی نماز نہیں ہوگی کیونکہ انکو خود قرأت پر قدرت ہونے کے باوجود قرأت نہیں کی اور امی کو امام بنایا اس نے بھی قرأت نہیں کی اسلئے ان قاریوں کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیوں کہ قرأت پر قدرت کے باوجود قرأت نہ کرے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔۔ اسکی ایک مثال پیش کرتے ہیں کہ کپڑا نہ ہونے کی وجہ سے ننگا آدمی امام بنا اور مقتدی میں سے کچھ ننگے تھے اور کچھ کپڑا پہنے ہوئے تھے تو امام کی نماز اور ننگے کی نماز ہو جائے گی، کیونکہ امام بھی معذور ہے اور ننگا مقتدی بھی معذور ہے اسلئے معذور معذور کی امامت کرے یہ درست ہے، کیونکہ دونوں ایک جیسے ہی ہیں۔ اسلئے ان لوگوں کی نماز ہو جائے گی۔ لیکن کپڑا پہننے والے کی نماز نہیں ہوگی، کیونکہ کپڑا پہننے والا معذور نہیں ہے اسلئے وہ

۲ وله ان الامام ترک فرض القراء ة مع القدرة عليها فتفسد صلاته وهٰذا لانه لواقتدى بالقارى تكون قراء ته قراء ة له ۳ بخلاف تلک المسألة وامثالها لان الموجود فى حق الامام لايكون موجودا فى حق القتدى

معذور کی اقتداء نہیں کرسکتا، [اصول پہلے گزر چکا ہے] اور یہاں صحیح نے معذور کی اقتداء کر لی اسلئے اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔۔تو جس طرح اس مثال میں کپڑا پہننے والا مقتدی کے باوجود ننگے امام اور ننگے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے اسی طرح مقتدی کے قاری ہونے کے باوجود امی امام اور امی مقتدی کی نماز ہو جائے گی۔ اور اس پر قاری مقتدی کا کوئی اثر نہیں پڑے گا، البتہ قاری کو قرأت پر قدرت ہے اسلئے اسکی نماز نہیں ہوگی۔ ۔عراۃ: عاری کا جمع ہے، ننگا۔

اصول : صاحبینؒ کے یہاں غیر کے سہارے سے قدرت شمار نہیں ہوتی۔

ترجمه : ۲ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرأت پر قدرت کے باوجود اس فرض کو چھوڑ نا نماز کو فاسد کرتی ہے، اور یہ اس طرح کہ اگر قاری کی اقتداء کرتا تو قاری کی قرأت مقتدی کی قرأت ہو جاتی۔

تشریح : یہ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل عقلی ہے، کہ اگر قاری کو امام بناتا تو قاری کی قرأت ان لوگوں کی قرأت ہو جاتی کیونکہ حدیث گزری کہ جسکا امام ہو تو امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہے ،لیکن ان لوگوں نے قاری کو امام نہیں بنایا تو گویا کہ قرأت پر قدرت ہونے کے باوجود اسکو چھوڑ دیا، اور فرض پر قدرت ہونے کے باوجود اسکو چھوڑ دے تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اور جب امام کی نماز فاسد ہوئی تو اسکی وجہ سے سب کی نماز فاسد ہوگی۔

ترجمه: ۳ بخلاف ننگے کے مسئلے کے اور اس جیسے اور جو مسئلے ہوں اسلئے کہ جو امام کے حق میں موجود ہو وہ مقتدی کے حق میں موجود نہیں ہوتا۔

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے۔ کہ قرأت کا معاملہ ایسا ہے کہ امام کی قرأت مقتدی کی قرأت ہو جائے گی، اور قاری کو امام بنانے کی وجہ سے گویا کہ مقتدی بھی قرأت پر قادر ہو گیا۔ لیکن کپڑے کا معاملہ ایسا نہیں ہے، امام اگر کپڑا پہنا ہے تو اسکی وجہ سے مقتدی کو کپڑا پہنا ہوا شمار نہیں کیا جائے گا، وہ تو ننگا ہی رہے گا، اس لئے یہاں مقتدی کے کپڑے سے امام کا کپڑا شمار نہیں ہوگا، اور دوسرے کے سہارے سے قدرت نہیں سمجھی جائے گی۔ اسلئے ننگے نے ننگوں اور کپڑے پہنے ہوئے کی امامت کی تو ننگے امام اور ننگے مقتدی کی نماز ہو جائے گی، اور کپڑا پہننے والے کی نماز فاسد ہوگی۔

لغت: امثالھا: ننگا امام ہو اور کچھ ننگے مقتدی ہوں اور کچھ کپڑا پہنے مقتدی ہوں، اسکے مثل یہ مسئلے ہیں۔ [ا] گونگے آدمی نے امامت کی اور اسکے پیچھے مقتدی کچھ گونگے تھے اور کچھ بولنے والے تھے، تو گونگے امام کی نماز ہو جائے گی اور گونگے مقتدی کی نماز ہو

(۳۷۲) ولو كان يصلى الامى وحده والقارى وحده جاز ﴾ ل وهو الصحيح لانه لم يظهر منهما رغبة في الجماعة (۳۷۳) فان قرأ الامام في الاوّليين ثم قدّم في الاخريين اميافسدت صلاتهم

جائے گی ،لیکن بولنے والے کی نماز نہیں ہوگی کیونکہ انکوقرأت پرقدرت ہے اسلئے معذور کے پیچھے صحیح کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔[۲] مرض کی وجہ سے رکوع سجدے کے اشارہ کرنے والا امام ہے اور مقتدی کچھ اشارہ کرنے والا ہے اور کچھ اصلی رکوع اور سجدہ کرنے والا ہے،تو اشارہ کرنے والا امام کی نماز ہو جائے گی اور اشارہ کرنے والا مقتدی کی نماز ہو جائے گی ، کیونکہ معذور نے معذور کی اقتداء کی ، لیکن رکوع سجدہ کرنے والے کی نماز نہیں ہوگی ، کیونکہ اسکو معذور کی اقتداء نہیں کرنی چاہئے ۔

ترجمه: (۳۷۲) اوراگر امی نے الگ نماز پڑھی اور قاری نے الگ نماز پڑھی تو جائز ہے،اور دونو کی نماز صحیح ہوگی ۔

ترجمه: ل وہ صحیح ہے،اسلئے کہ دونوں سے جماعت میں رغبت ظاہر نہیں ہوئی ۔

تشریح : قاری امی کی اقتداء کرے تو قاری اور امی کی نماز فاسد ہوگی ۔لیکن اگر قاری امی کی اقتداء نہ کرے بلکہ دونوں علیحدہ علیحدہ نماز پڑھے تو دونوں کی نماز درست ہوگی ،اور ایسا کرنا جائز ہے ۔درست تو اسلئے ہے کہ قاری نے امی کی اقتداء نہیں کی ۔اور ایسا کرنا جائز اسلئے ہے کہ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ جماعت کرنے کی رغبت نہیں کی ، جماعت کرتا اور قاری کو امام بناتا تو قرأت کے ساتھ دونوں کی نماز اعلی درجے پر مکمل ہوتی ،اور اس صورت میں امی کی نماز بغیر قرأت کے معذور کی نماز مکمل ہوئی ۔تاہم یہ بھی درست ہے ۔

ترجمه: (۳۷۳) اگر امام نے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی ،اور دوسری دو رکعتوں میں کسی امی کو امام بنایا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ جن رکعتوں میں قرأت کرنا لازم نہیں ہے امام کو ان رکعتوں میں بھی قرأت پر قدرت ہونا ضروری ہے، کیونکہ وہ رکعت بھی مستقل نماز ہے ۔

اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ مثلا عشاء کی چار رکعت فرض پڑھ رہے تھے ،اور پہلی دو رکعتوں میں امام قاری تھا اسلئے پہلی دو رکعتوں میں قرأت کی پھر اسکو حدث پیش آ گیا جسکی وجہ سے وہ پیچھے چلا گیا اور کسی امی کو آگے بڑھا کر امام بنا دیا،تو فرماتے ہیں کہ امام اور مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ ہر رکعت الگ الگ نماز ہے اسلئے پہلی دو رکعتوں میں ظاہری اور حقیقی طور پر قرأت کرنا فرض ہے اور دوسری دو رکعتوں میں ظاہری طور پر قرأت کرنا مسنون ہے،لیکن تقدیری قرأت اس میں بھی ضروری ہے،یعنی قرأت پر کم سے کم قدرت ہو، اور امی آدمی امام بنا تو اسکو قرأت پر قدرت ہی نہیں ہے، اسلئے تقدیری قرأت بھی نہیں ہو سکتی ۔اور یہ جس طرح اور لوگوں کا امام ہے

۱؎ وقال زفرؒ لا تفسد لتأدی فرض القراء ة ۲؎ ولنا ان کل رکعة صلوٰة فلا تخلی عن القراء ة اما تحقیقااو تقدیرا و لا تقدیر فی حق الامی لانعدام الاهلیة ۳؎ و کذلک علی هٰذا الوقدمه فی التشهد، والله تعالیٰ اعلم بالصواب.

اسی طرح جس امام کو حدث پیش آیا اسکا بھی امام ہے، اور وہ قاری ہے، تو گویا کہ یہ امی قاری کا امام بن گیا، اور پہلے گزر گیا کہ امی قاری کا امام بن جائے تو امام کی نماز فاسد ہو جائے گی اور جب امام کی نماز فاسد ہوگی تو تمام مقتدی کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اسلئے یہاں پرانا امام، نیا امام اور تمام مقتدی سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه: ۱؎ امام زفرؒ نے فرمایا کہ نماز فاسد نہیں ہوگی اسلئے کہ قرأت کا فرض ادا ہو چکا ہے۔

تشریح : امام زفرؒ فرماتے ہیں کہ پہلی دو رکعتوں میں قرأت فرض ہے تو اسکو سابق امام نے ادا کر دیا ہے، اب دوسری دو رکعتوں میں قرأت کرنے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ دوسری دو رکعتوں میں حنفیہ کے یہاں قرأت مسنون ہے اسلئے اب قرأت کی ضرورت نہیں ہے اسلئے امی آدمی کو امام بنایا تو چونکہ اب قرأت کی ضرورت نہیں ہے اسلئے بغیر قرأت کے بھی سب کی نماز ہو جائے گی۔

ترجمه: ۲؎ اور ہماری دلیل یہ ہے کہ ہر رکعت الگ الگ نماز ہے اسلئے قرأت سے خالی نہیں ہونی چاہئے، یا تو حقیقۃً قرأت ہو، یا تقدیراً قرأت ہو، اور امی کے حق میں تقدیرا بھی قرأت نہیں ہے اسلئے کہ اس میں قرأت کرنے کی اہلیت ہی نہیں ہے۔

تشریح : یہ نماز فاسد ہونے کی دلیل عقلی ہے۔ کہ ہر رکعت مستقل نماز ہے اسلئے یا تو تحقیقی طور پر قرأت ہونی چاہئے، جیسا کہ پہلی دو رکعتوں میں حقیقی طور پر قرأت کرتے ہیں جو فرض ہے اور دوسری دو رکعتوں میں حقیقی طور پر قرأت کرنا سنت ہے، لیکن پہلی دو رکعتوں کی قرأت دوسری دو رکعتوں کے لئے بھی ہے اسلئے گویا کہ تقدیراً وہاں بھی قرأت ہے۔ اور امی میں قرأت کی اہلیت ہی نہیں ہے اسلئے تقدیراً بھی قرأت نہیں ہوئی اسلئے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : ۳؎ اور ایسے ہی اس قاعدے پر یہ نماز فاسد ہو جائے گی اگر امی آدمی کو تشہد میں امام بنا دیا۔

تشریح : اس مسئلے کا مدار اس اصول پر ہے کہ قاری آدمی کا امام پوری نماز میں قرأت پر قدرت رکھتا ہو تب امامت درست ہوگی، اگر نماز کے ایک جز میں بھی امی قاری کا امام بن گیا تو قاری کا امام بننے کی وجہ سے سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ قاری امام نے قرأت کر کے ساری نماز پڑھا دی البتہ تشہد سے پہلے حدث ہو گیا جسکی وجہ سے تشہد میں امام نے امی آدمی کو امام بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت نہیں ہے پھر بھی امام کو قرأت پر قدرت ہونی چاہئے، اور یہاں امی امام کو قرأت پر قدرت نہیں ہے اور وہ قاری آدمی کا امام بن گیا جو نہیں بننا چاہئے اسلئے اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ : یہ مسائل اصول پر ہیں ،تلاش کے باوجود حدیث یا قول صحابی نہیں مل سکے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

﴿باب الحدث فی الصلوة﴾

(۳۷۴) ومن سبقه الحدث فی الصلوٰة انصرف فان کان اماما استخلف وتوضأ وبنی ﴾ ۱؎ والقیاس ان یستقبل وهو قول الشافعیؒ لان الحدث ینافیها والمشی والانحراف یفسد انها فاشبه الحدث العمد

﴿باب الحدث فی الصلوٰۃ﴾

ترجمہ: (۳۷۴) اگر خود بخود حدث ہو جائے تو واپس لوٹے گا اور وضو کرے گا پس اگر امام ہو تو خلیفہ بنائے، اور وضو کرے اور بناء کرے۔

تشریح : کسی کو خود بخود حدث ہو گیا ہو تو واپس جا کر وضو کرے گا اور واپس آ کر پہلی نماز پر بنا کرے گا۔ اگر پہلے مثلا ظہر کی دو رکعت پڑھ چکا ہے تو وضو سے واپس آ کر دو رکعت اور پڑھ کر چار رکعت پوری کرے گا۔ لیکن اس کے لئے چار شرطیں ہیں [۱] اس درمیان دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو [۲] بات نہ کی ہو [۳] نماز توٹنے کا اور کوئی کام نہ کیا ہو [۴] اور ضرورت سے زیادہ نہ ٹھہرا ہو۔ تو بنا کر سکتا ہے۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک کام کر لیا تو شروع سے نماز پڑھے گا۔ اور یہ جو آیا گیا، قبلہ سے سینہ پھرا یہ معاف ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے اس لئے خلاف قیاس اس کو جائز قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو حدث بار بار ہو سکتا ہے اسی میں بناء کر سکتا ہے۔ لیکن جو حدث کبھی کبھار ہوتا ہے جیسے احتلام ہوتا تو اس میں بناء نہیں کرے گا بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

وجہ: (۱) عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته وهو فی ذلک لا یتکلم۔ (ابن ماجہ شریف، باب ما جاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱، نمبر ۱۲۲۱ / دار قطنی، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ، ج اول، ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بناء کر سکتا ہے۔ لیکن شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے۔ کیونکہ یہ مسئلہ خلاف قیاس ہے۔

ترجمہ: ۱؎ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے، اس لئے کہ حدث نماز کے منافی ہے، اور چلنا اور قبلے سے پھر جانا نماز کو فاسد کرتا ہے، تو ایسا ہو گیا کہ جان کر حدث کیا ہو۔

تشریح : قیاس کا تقاضا ہے کہ نماز کو پہلی نماز پر بناء نہ کرے بلکہ شروع سے نماز پڑھے، [۱] کیونکہ حدث ہونا خود نماز کے خلاف ہے [۲] پھر وضو کرنے کے لئے جائے گا تو چلے گا یہ بھی نماز کو توڑنے والی چیز ہے [۳] پھر جب وضو کرنے جائے گا تو سینہ قبلے سے پھرے گا یہ بھی نماز کو توڑنے والی چیز ہے، تو یہ تمام باتیں نماز کو توڑنے والی ہیں اسلئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز ٹوٹ گئی اور نماز کو شروع سے پڑھے۔ کیونکہ یہ ایسا ہو گیا کہ جان کر حدث کیا ہو، اور جان کر حدث کیا ہو تو شروع سے نماز پڑھنی پڑھتی ہے تو یہاں بھی

۲ ولنا قوله عليه السلام من قاء اورعف اوامذى فى صلاته فلينصرف وليتوضا وليبن علىٰ صلاته مالم يتكلم ۳ وقال عليه السلام اذا صلى احدكم فقاء اورعف فليضع يده علىٰ فمه وليقدم من لم يسبق بشئ

شروع سے نماز پڑھنی چاہئے۔ چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک ہے کہ نماز ٹوٹ گئی اور شروع سے نماز پڑھے ۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔فان رعف الرجل الداخل فى صلوة الامام بعد ما يكبر مع الامام ، فخرج يسترعف فأحب الاقاويل الى فيه انه قاطع للصلوة و يسترعف ويتكلم ۔(موسوعۃ للشافعیؒ باب الرجل یرعف یوم الجمعۃ ،ج ثالث ،ص ۱۱۶،نمبر ۲۲۱۳) اس عبارت میں ہے کہ حدث ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔اس لئے شروع سے نماز پڑھے۔

وجہ : حدیث میں ہے کہ نماز شروع سے پڑھے۔حدیث یہ ہے(۱) حدیث میں ہے عن على بن طلق قال قال رسول الله ﷺ اذا فساء احدكم فى الصلوة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلوة . (ابوداؤد شریف، باب اذا احدث فی الصلوۃ،ص ۱۵۱نمبر ۲۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔

ترجمہ: ۲اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول ہے کہ جس نے قی کی یا نکسیر پھوٹی، یا نماز میں مذی نکل گئی تو وہ پھر جائے اور وضو کرے اور اپنی نماز پر بناء کرے جب تک کہ بات نہ کی ہو۔

تشریح : صاحب ہدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: من اصابه قىء او رعاف او قلس او مذى فلينصرف فليتوضأ ثم ليبن على صلوته وهو فى ذلك لا يتكلم ۔(ابن ماجہ شریف، باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱،نمبر ۱۲۲۱ر دار قطنی ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ، ج اول ،ص ۱۶۰نمبر ۵۵۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب تک بات نہ کی ہو یا دوبارہ جان کر حدث نہ کیا ہو تو بنا کر سکتا ہے۔

ترجمہ: ۳ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی نماز پڑھے اور قی ہو جائے یا نکسیر پھوٹ جائے تو اپنے ہاتھ کو منہ پر رکھے، اور ایسے آدمی کو امام بنائے جسکی کوئی رکعت نہ چھوٹی ہو۔

تشریح :اس حدیث میں ہے کہ کسی کی نکسیر پھوٹ جائے تو منہ پر ہاتھ یا کپڑا رکھ کر باہر جائے تا کہ خون مصلی پر نہ گرے اور ایسے آدمی کو امام بنانا بہتر ہے جسکی کوئی رکعت نہ گئی ہو، اسلئے کہ جسکی کوئی رکعت گئی ہوگی وہ مقتدیوں کے ساتھ سلام نہیں پھیر سکے گا، بلکہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد کسی دوسرے کو امام بنائے گا تا کہ وہ مقتدی کے ساتھ سلام پھیرے اور خود اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا، تو چونکہ اس مسبوق کو دوبارہ امام بنانا پڑے گا، اسلئے بہتر یہ ہے کہ ایسے آدمی کو امام بنائے جسکی رکعت چھوٹی نہ ہو۔اور اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلا کہ پچھلی نماز ٹوٹی نہیں بلکہ وہ ابھی باقی ہے اس پر بنا ہو سکتی ہے۔صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث تو نہ مل سکی

۴ والبلوی فیما یسبق دون ما یتعمده فلا یلحق به(۳۷۵) والاستیناف افضل ۱

۱ تحرزا عن شبهة الخلاف

البتہ حضرت علیؓ کا اثر یہ ہے۔ عن علیؓ قال : اذا أم الرجل القوم فوجد فی بطنه رزءاً أو رعافا أو قیئاً فلیضع ثوبه علی أنفه ، و لیأخذ بید رجل من القوم فلیقدمه ۔(دارقطنی ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف والقیء، ج اول، ص ۱۶۲، نمبر ۵۶۶ رمصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی، ص ۳۵۳، نمبر ۳۶۷۱) اس اثر میں ہے کہ کسی کی نکسیر پھوٹ گئی ہو تو ناک پر کپڑا رکھکر باہر جائے اور دوسرے کو امام بنائے۔

امام بنانے کی دلیل یہ بھی ہے (۱) امام ہے تو ظاہر ہے کہ اس کو اپنا خلیفہ بنانا پڑے گا تا کہ خلیفہ مقتدیوں کو نماز پڑھائے۔ اور اصلی امام وضو کر کے نماز پر بنا کرے گا۔ (۲) خلیفہ بنانے کے لئے یہ حدیث ہے دخلت علی عائشة فقلت لها الا تحدثینی عن مرض رسول الله ﷺ ... وكان ابو بكر يصلي وهو قائم بصلوة النبي ﷺ والناس يصلون بصلوة ابی بكر. (مسلم شریف، باب استخلاف الامام اذا عرض له عذر ص ۱۷۷ نمبر ۴۱۸ ر نمبر ۹۳۶ ربخاری شریف، باب انما جعل الامام لیؤتم بہ ص ۹۵ نمبر ۶۸۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے موقع پر امام خلیفہ بنائے گا۔ کیونکہ ابو بکرؓ کی جگہ پر حضورؐ نے نماز پڑھائی۔

ترجمہ : ۴ اور عموم بلوی اس صورت میں ہے جب کہ حدث خود نکل جائے اس صورت میں نہیں ہے جب جان بوجھ کر حدث کرے، اسلئے خود بخود حدث ہونے کو جان بوجھ کر حدث ہونے کے ساتھ نہ ملایا جائے۔

تشریح : یہ امام شافعیؒ کو جواب ہے، انہوں نے فرمایا تھا کہ خود بخود حدث نکل جانا ایسا ہے جیسے جان کر حدث کرنا، اسکا جواب دیا جا رہا ہے کہ جان کر حدث کرنا کبھی کبھار ہوتا ہے اور اس میں اسکی شرارت ہے، جان کر حدث کرنے میں مجبور نہیں ہے، اور خود بخود حدث ہو جانا عام طور پر ہوتا ہے، اور اس میں آدمی مجبور بھی ہے۔ اسلئے جان کر حدث ہونے میں اور خود بخود حدث ہونے میں فرق ہے اسلئے ایک کو دوسرے پر قیاس نہیں کیا جا سکتا، اور دوسری بات یہ ہے کہ مجبوری کی شکل میں شریعت کی جانب سے آدمی کو بنا کرنے کی سہولت ملے گی، اور شرارت کر کے حدث کرنے میں بنا کرنے کی سہولت نہیں ملے گی، بلکہ شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

لغت : سبق: خود بخود نکل جائے، آگے بڑھ جائے۔ بنی: کسی چیز پر بنا کرنا۔ یستقبل: شروع سے کرے۔ رعف: ناک سے خون بہنا، نکسیر پھوٹنا۔ امذی: مذی نکل جائے۔ مرد کے عضو تناسل سے خاص قسم کا پانی نکلتا ہے اسکو مذی کہتے ہیں۔ ولیبن: اور پہلی نماز پر بنا کرے۔ والبلوی: عموم بلوی اسکو کہتے ہیں کہ کوئی بات بار بار کرنے کی ضرورت پیش آجائے، یا کسی کام کے کرنے میں مجبوری ہو۔

ترجمہ : (۳۷۵) اور شروع سے نماز پڑھنا افضل ہے۔

ترجمہ : ۱ اختلاف کے شبہ سے بچنے کے لئے۔

۲؎ وقيل المنفرد يستقبل والامام والمقتدی يبنی صيانة لفضيلة الجماعة. (۳۷۶) والمنفرد ان شاء اتم فی منزله وان شاء عاد الیٰ مكانه (۳۷۷) والمقتدی يعود الیٰ مكانه الا ان يكون امامه قد فرغ

تشریح : جسکونماز کے درمیان میں حدث ہوگیا ہو وہ شروع سے نماز پڑھے تو افضل ہے، تا کہ کسی امام کے اختلاف کا شبہ ہی نہ رہے۔

وجه : (۱) اور یوں بھی حدیث کا اشارہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے، حدیث یہ ہے۔ عن علی بن طلق قال قال رسول الله ﷺ اذا فساء احدكم فی الصلوة فلينصرف فليتوضأ وليعد الصلوة . (ابوداؤد شریف، باب اذا احدث فی الصلوۃ، ص ۱۵۱ نمبر ۲۰۵) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز شروع سے پڑھنی چاہئے۔ (۲) اس اثر میں بھی ہے کہ شروع سے نماز پڑھنا افضل ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن ابن سيرين قال : أجمعوا على أنه اذا تكلم استأنف و أنا أحب أن يتكلم و يستأنف الصلوة ۔ (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۴۹ من کان یحب أن یستقبل، ج ثانی، ص ۱۴، نمبر ۵۹۱۷) اس اثر میں ہے کہ شروع سے نماز پڑھے تو اچھا ہے۔

ترجمه : ۲؎ اور بعض حضرات نے فرمایا کہ منفرد شروع سے نماز پڑھے، اور امام اور مقتدی پہلی نماز پر بنا کرے جماعت کی فضیلت کو بچانے کے لئے۔

تشریح : بعض حضرات نے یہ فرمایا ہے۔ کہ منفرد چونکہ تنہا نماز پڑھ رہا ہے جماعت کے ساتھ نہیں ہے اسلئے وہ شروع سے نماز پڑھے تو بہتر ہے، اور امام ہے یا مقتدی ہے تو پہلی نماز پر بنا کرے تو بہتر ہے تا کہ جماعت باقی رہ جائے اور جماعت کی فضیلت باقی رہے، کیونکہ شروع سے نماز پڑھے گا تو جماعت کی فضیلت ختم ہو جائے گی۔ اسلئے بنا کرے تو بہتر ہے۔

ترجمه : (۳۷۶) اور منفرد اگر چاہے تو اپنے گھر میں نماز پوری کرے، اور چاہے تو اپنے پہلے مکان کی طرف واپس لوٹے۔

تشریح : جو آدمی تنہا نماز پڑھ رہا ہو تو حدث ہونے کے بعد جب وضو کے لئے جائے گا اور دوبارہ نماز شروع کرے گا تو یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ پہلی جگہ پر آ کر ہی نماز پڑھے بلکہ کسی دوسری جگہ پر بھی نماز پوری کر سکتا ہے، بلکہ وضو کرنے کی جگہ سے جو زیادہ قریب ہو اس جگہ نماز پڑھے کیونکہ وہ جماعت کے ساتھ نماز نہیں پڑھ رہا تھا کہ واپس جماعت کی جگہ پر آنا پڑے۔

ترجمه : (۳۷۷) اور مقتدی اپنی جگہ پر واپس لوٹے، مگر یہ کہ اسکا امام فارغ ہو چکا ہو، یا امام اور مقتدی کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو [تو وہاں نماز پڑھ سکتا ہے۔

تشریح : مقتدی وضو کرنے گیا اس درمیان جماعت ختم نہیں ہوئی ہے تو مقتدی کو چاہئے کہ پہلی جگہ پر آ کر نماز پوری کرے تا کہ جماعت میں دوبارہ شرکت ہو جائے۔ اور اگر جماعت ختم ہو چکی ہے اور امام نماز سے فارغ ہو چکے ہیں تو اسکے لئے گنجائش ہے

اولا یکون بینھما حائل﴾(۳۷۸) ومن ظن انہ احدث فخرج من المسجد ثم علم انہ لم یحدث استقبل الصلوٰۃ وان لم یکن خرج من المسجد یصلی مابقی﴾

کہ پہلی جگہ پر نہ آئے بلکہ وضو کرنے کی جگہ سے جو قریب ہو وہاں نماز پڑھے، کیونکہ جماعت تو ختم ہو چکی ہے اسلئے پہلی جگہ پر آنے کی کیا ضرورت ہے!، اور اگر جماعت ختم نہیں ہوئی ہے تو وہ پہلی جگہ پر آ کر جماعت میں شریک ہو جائے، یا جہاں سے اقتداء کرنا ممکن ہو وہاں نماز کی نیت باندھ کر جماعت میں شریک ہو جائے ، البتہ ایسی جگہ کھڑا نہ ہو جہاں سے اقتداء کرنا اور جماعت میں شریک ہونا ممکن نہ ہو، مثلا امام اور اس آدمی کے درمیان کوئی چیز حائل ہو جس سے جماعت میں شریک ہونا ناممکن ہو تو وہاں نیت نہ باندھے کیونکہ وہاں سے جماعت میں شریک نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ جماعت میں دوبارہ شریک ہونا اچھا ہے تاکہ جماعت کا ثواب مل جائے۔

لا یکون بینھما حائل : کی دلیل یہ اثر ہے۔ **حدثنا مالک عن الثقة عنده أن الناس کانوا یدخلون حجر ازواج النبی ﷺ بعد وفاة النبی ﷺ فیصلون فیھا الجمعة قال : و کان المسجد یضیق علی اھله فیتوسعون بھا و حجر أزواج النبی ﷺ لیست من المسجد و لکن أبوابھا شارعة فی المسجد .** (سنن بیھقی، باب المأموم یصلی خارج المسجد بصلوۃ الامام فی المسجد ولیس بینھما حائل، ج ثالث، ص ۱۵۸، نمبر ۵۲۵۰) اس اثر میں ہے کہ صحابہ ازواج مطہرات کے کمروں میں جمعہ کی نماز پڑھتے تھے اور ان کمروں کا دروازہ کھلا ہوتا تھا، جس سے معلوم ہوا کہ حیلولت ہو تو اقتداء جائز نہیں ہے اور نہ ہو تو جائز ہے۔

ترجمہ: (۳۷۸) کسی نے گمان کیا کہ حدث ہو گیا جسکی وجہ سے وہ مسجد سے نکل گیا، پھر علم ہوا کہ حدث نہیں ہوا ہے تو شروع سے نماز پڑھے، اور اگر مسجد سے نہیں نکلا تو جتنی رکعت باقی رہ گئی ہے وہ نماز پڑھے۔

تشریح : یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ نماز کی اصلاح کی غرض سے قبلہ رخ سے پھر گیا تو نماز فاسد نہیں ہوگی دوسرا قاعدہ یہ ہے کہ مجلس ایک ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی، اور مجلس بدل جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔ مسجد کو ایک مجلس مانا گیا ہے اسلئے مسجد کے اندر رہے تو ایک مجلس ہے اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی اور مسجد سے باہر ہو گیا تو مجلس بدل گئی اسلئے نماز فاسد ہوگی۔ اصلاح کا مطلب یہاں یہ ہے کہ حدث ہو گیا ہے اسلئے وضو کر کے دوبارہ پچھلی نماز پر بناء کر لوں گا۔

چنانچہ مسئلے کی صورت یہ ہے کہ کسی کو گمان ہوا کہ حدث ہو گیا ہے لیکن حقیقت میں حدث نہیں ہوا تھا صرف گمان ہوا تھا کہ حدث ہو گیا ہے اور مسجد سے باہر نکل گیا اور قبلے سے رخ پھیر لیا تو نماز ٹوٹ گئی اب شروع سے نماز پڑھے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ حقیقت میں حدث نہیں ہوا ہے صرف گمان ہے اور قبلے سے رخ پھیر چکا ہے، اور مجلس بھی بدل چکی ہے کیونکہ مسجد سے باہر نکل چکا ہے اسلئے

۱؎ والقیاس فیھما الاستقبال وھو روایۃ عن محمدؒ لوجود الانصراف من غیر عذر ۲؎ وجہ الاستحسان انہ انصرف علی قصد الاصلاح الاتری انہ لو تحقق ماتوھمہ بنی علیٰ صلاتہ فالحق قصد الاصلاح بحقیقتہ مالم یختلف المکان بالخروج(۳۷۹) وان کان استخلف فسدت ﴾ ۱؎ لانہ عمل کثیر من غیر عذر

نماز فاسد ہوجائے گی اور شروع سے نماز پڑھے بنا کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اگر مسجد سے باہر نہیں نکلا تو چونکہ مجلس ایک ہے اسلئے بقیہ نماز درست ہے اسلئے اس پر بنا کرسکتا ہے۔

اصول : اصلاح کی غرض سے قبلہ رخ سے منہ پھیرا ہو اور مجلس ایک ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ ۱؎ دونوں صورتوں میں قیاس یہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے، اور یہی امام محمدؒ کی روایت ہے۔ کیونکہ بغیر عذر کے پھرنا پایا گیا۔

تشریح : چونکہ قبلے سے رخ پھر چکا ہے اور حقیقت میں حدث بھی نہیں ہوا ہے اسلئے قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے اور شروع سے نماز پڑھے، چنانچہ امام محمدؒ کی روایت یہی ہے کہ شروع سے نماز پڑھے۔

ترجمہ: ۲؎ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ اصلاح کے ارادے سے پھرا ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جو اسکا گمان تھا وہ متحقق ہوجاتا تو وہ اپنی نماز پر بنا کرتا اسلئے اصلاح کے ارادے کو حقیقت کے ساتھ ملحق کردیا گیا جب تک کہ باہر نکلنے کی وجہ سے مکان نہ مختلف ہوجائے۔

قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ بنا نہ کرے لیکن استحسان کی وجہ سے ماقبل کی نماز پر بنا کرنے کی گنجایش ہوئی۔ اور استحسان کی وجہ یہ ہے کہ وہ حدث کے گمان سے نماز کی اصلاح کے لئے پھرا ہے، چنانچہ حقیقت میں حدث ہوتا تو وہ پچھلی نماز پر بنا کرسکتا تھا اسلئے جب نماز کی اصلاح کے ارادے سے پھرا تو جب تک مسجد سے باہر نہیں نکلا اور مجلس نہیں بدلی تو وہ بنا کرسکتا ہے۔ البتہ اگر مسجد سے باہر نکل جاتا اور مجلس بدل جاتی تو اب بنا نہیں کرسکتا کیوں کہ مجلس بدلنے کی وجہ سے خامیاں زیادہ ہوگئیں۔

ترجمہ: (۳۷۹) اور اگر خلیفہ بنایا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ: ۱؎ اسلئے کہ یہ بغیر عذر کے عمل کثیر ہے۔

تشریح : گمان ہوا کہ حدث ہو چکا ہے اسلئے وہ قبلے سے چہرے کو پھیرلیا اور وہ امام تھا اسلئے دوسرے کو اشارے سے خلیفہ بھی بنایا تو چاہے مسجد سے باہر نہ بھی نکلا ہو پھر بھی اسکی نماز فاسد ہوگئی، اب وہ پہلی نماز پر بنا نہیں کرسکتا شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

وجہ : کیونکہ بعد میں ظاہر ہوا کہ حدث نہیں ہوا تھا اسلئے بغیر عذر کے خلیفہ بنایا اور خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے اسلئے نماز فاسد ہوجائے گی

۲ وهـذا بـخـلاف مـا اذا ظن انه افتتح علیٰ غير وضوء فانصرف ثم علم انه علیٰ وضوء حيث تفسد وان لـم يـخـرج لان الانـصـراف عـلـى سبيل الرفض الاترى انه لوتحقق ما توهمه يستقبله فهذا هو الحرف ۳ ومكان الصفوف فى الصحراء له حكم المسجد

ترجمہ: ۲ یہ بخلاف اگر گمان کیا کہ نماز کو بغیر وضو کے شروع کی اور قبلہ سے پھر گیا پھر علم ہوا کہ وضو پر ہے تو نماز فاسد ہو جائے گی چاہے مسجد سے باہر نہ نکلا ہو، اسلئے کہ یہ پھرنا نماز کو چھوڑنے کے لئے ہے۔ کیا آپ نہیں دیکھتے ہیں کہ جو اس نے گمان کیا وہ متحقق ہو جاتا تو شروع سے نماز پڑھتا، بس یہ اصل قاعدہ ہے۔

تشریح: ایک آدمی نماز پڑھ رہا تھا کہ اسکو یہ گمان ہوا کہ اس نے بغیر وضو ہی کے نماز شروع کی تھی، اور چہرہ قبلے سے پھیر دیا، بعد میں معلوم ہوا کہ وضو تھا، تو چاہے ابھی مسجد کے اندر ہو پھر بھی نماز فاسد ہو گئی اب بنا نہیں کر سکتا۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اگر شروع ہی سے وضو نہ ہو تو شروع ہی سے نماز نہیں ہوگی۔ اسلئے یہ آدمی جو قبلے سے پھرا ہے یہ وضو کر کے پہلی نماز پر بناء کرنے کے لئے قبلہ سے نہیں پھرا ہے جسکو نماز کی اصلاح کہتے ہیں، بلکہ وضو کر کے شروع سے نماز پڑھنے کے لئے پھرا ہے جسکو رفض اور چھوڑنا کہتے ہیں۔ کیونکہ اسکا گمان تو یہ ہے کہ شروع سے وضو ہی نہیں ہے اسلئے شروع سے نماز ہی نہیں ہے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جو نماز کو چھوڑنے کے لئے قبلے سے پھرا ہو وہ بنا نہیں کر سکتا، جس طرح سے حقیقت میں شروع سے وضو نہ ہو تو وہ بنا نہیں کر سکتا۔ اسلئے وضو نہ ہونے کے گمان سے قبلے سے پھرا ہو تو وہ بنا نہیں کر سکتا۔

اصول: [ا] گمان کو حقیقت کی صورت پر محمول کیا جائے گا۔ [۲] نماز کو چھوڑنے کے لئے قبلہ سے پھرا ہو تو بنا نہیں کر سکتا۔

لغت: فهذا هو الحرف: اس جملے سے اوپر کے مسئلے اور اس مسئلے میں فرق بتانا چاہتے ہیں کہ نماز کے درمیان میں حدث کے گمان سے قبلے سے رخ پھیرا تو مسجد سے باہر نکلنے سے پہلے بنا کر سکتا ہے۔ اسلئے کہ اس صورت میں وضو کر کے پہلی نماز پر بنا کرنے کی نیت سے قبلے سے رخ پھیرا ہے۔ اور شروع سے وضو نہیں ہے تو قبلے سے رخ پھیرنے کی نیت یہ ہے کہ وضو کر کے شروع سے نماز پڑھوں گا، دونوں صورتوں میں یہ فرق ہے۔ اسی فرق کو هذا هو الحرف، سے بیان فرما رہے ہیں۔

ترجمہ: ۳ صحراء میں صفوں کی جگہ مسجد کا حکم ہے۔

تشریح: یہاں سے یہ بتا رہے ہیں کہ مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو تو مسجد سے باہر نکلے تو بناء نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صحراء اور میدان میں نماز پڑھ رہا ہو تو محدث کس مقام تک جائے تو بناء نہیں کر سکتا، اسکی تفصیل بیان کر رہے ہیں۔ کہ صحراء میں جہاں تک صف ہے وہاں تک مسجد کا حکم ہے، مثلا پیچھے پانچ صفیں کھڑی ہیں تو محدث پانچوں صفوں کو پار کر جائے گا تب وہ بناء نہیں کر سکتا، کیونکہ پانچوں صفوں تک مسجد کا حکم ہے لیکن اگر ابھی صف کے اندر اندر تھا اور خیال آ گیا کہ حدث نہیں ہوا ہے تو بناء کر سکتا ہے کیونکہ گویا کہ وہ مسجد کے

۴ ولو تقدم قدّامه فالحد السترة وان لم تكن فمقدار الصفوف خلفه ۵ وان كان منفردا فموضع سجوده من كل جانب (۳۸۰)وان جن اونام فاحتلم اواغمى عليه استقبل ﴾

اندر ہے ۔اسی طرح دائیں جانب جہاں تک صف میں آدمی کھڑے ہیں وہاں تک مسجد کا حکم ہے۔اور بائیں جانب بھی جہاں تک صف میں آدمی کھڑے ہیں وہاں تک مسجد کا حکم ہے،یعنی اگر محدث صف سے آخیر تک چلا جائے تب بھی بناء کرسکتا ہے لیکن اگر صف سے باہر نکل جائے تو اب بناء نہیں کرسکتا۔

وجه : صحراء میں مسجد کی دیوار تو ہے نہیں اور صحراء بہت لمبا چوڑا ہے،اسلئے صف کی مقدار کو ہی مسجد کا حکم دے دیا گیا۔

ترجمه: ۴ اوراگر صف سے آگے کی جانب بڑھا تو تو حد سترہ ہے اور اگر سترہ موجود نہ ہو تو پیچھے جتنی صفیں ہیں اسکی مقدار۔

تشریح : محدث صف سے نکل کر آگے بڑھا تو آگے جو سترہ ہے وہاں تک مسجد کا حکم ہوگا ۔اوراگر سترہ نہیں ہے تو جتنی صفیں پیچھے ہیں اتنی ہی آگے تک مسجد کا حکم ہوگا،مثلا پانچ صفیں پیچھے ہیں تو پانچ صف آگے تک مسجد کا حکم ہوگا،یعنی اگر آگے پانچ صف تک چلا گیا تب بھی پہلی رکعتوں پر بناء کرسکتا ہے۔اوراگر اس سے بھی آگے گیا تو اب بناء نہیں کرسکتا۔

ترجمه: ۵ اوراگر منفرد ہے تو ہر جانب سجدے کی جگہ تک مسجد کا حکم ہے۔

تشریح : منفرد کی کوئی صف نہیں ہے اسلئے پاؤں رکھنے کی جگہ سے لیکر سجدے کی جگہ تک جو جگہ ہے [جو تقریبا چار فٹ،یا سوا میٹر ہوتا ہے] وہ مسجد کے حکم میں ہوگی،اور چاروں طرف اتنی اتنی ہی جگہ مسجد کے حکم ہوگی اسلئے اگر دائیں جانب یا بائیں جانب یا پیچھے سوا سوا میٹر یا چار چار فٹ سے زیادہ نکل گیا تو محدث اب پہلی نماز پر بناء نہیں کرسکتا،اوراگر اس سے کم نکلا تو بناء کرسکتا ہے۔

وجه : اسکی وجہ یہ ہے کہ یہاں کوئی صف تو ہے نہیں اسلئے منفرد کی جو اپنی جگہ استعمال میں ہے اتنی ہی جگہ مسجد کے حکم میں ہوگی۔

ترجمه: (۳۸۰)اوراگر جنون طاری ہوئی،یا سویا اور احتلام ہوگیا،یا اس پر بیہوشی طاری ہوگئی تو شروع سے نماز پڑھے گا۔

تشریح : جنون طاری ہوگئی،یا احتلام ہوگیا،یا بیہوشی طاری ہوگئی تو ایسی صورت میں نماز مکمل ٹوٹ گئی اب اس پر بنا نہیں کرسکتا بلکہ شروع سے نماز پڑھے۔

وجه : (۱)اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مسئلہ خود خلاف قیاس ہے،اور حدیث کا رجحان یہ ہے کہ شروع سے نماز پڑھے لیکن اوپر کی حدیث کی وجہ سے بنا کرنے کی گنجائش دی اور اوپر کی حدیث کے اشارے سے پتہ چلتا ہے کہ جو حدث خود ہو جاتے ہیں اور بار بار ہوتے ہیں انہیں میں یہ گنجائش ہے،لیکن جو حدث کبھی کبھار ہوتے ہیں اس میں یہ گنجائش نہیں اس میں تو شروع سے ہی پڑھے۔حدیث کے الفاظ یہ ہیں۔عن عائشة قالت قال رسول الله ﷺ: من اصابه قیء او رعاف او قلس او مذی فلینصرف فلیتوضأ ثم لیبن علی صلوته وهو فی ذلک لا یتکلم۔(ابن ماجہ شریف،باب ماجاء فی البناء علی الصلوۃ ص ۱۷۱،نمبر ۱۲۲۱

لے لانـه يـنـدر وجـود هٰذه العوارض فلم يكن في معنى ماورد به النص(۳۸۱) وكـذلـك اذا قهقه ﴿ لے لانه بمنزلة الكلام وهو قاطع

ر دار قطنی ، باب فی الوضوء من الخارج من البدن کالرعاف الخ ، ج اول ، ص ۱۶۰ نمبر ۵۵۵) اس حدیث میں قی ، نکسیر کا پھوٹنا ، مذی جیسے روزمرہ اور بار بار ہونے والے حدثوں سے بنا کرنے کے لئے کہا ہے ، اسکا مطلب یہ نکلا کہ جو حدث کبھی کبھار ہوتے ہیں مثلا جنون ، احتلام ، بیہوشی ان میں شروع سے ہی پڑھے ۔ (۲) اس اثر میں ہے ۔ عـن ابـراهـيـم فـي صاحب القيء و الرعاف و القبلة : ينصرف فيتوضأ فان لم يتكلم بنى على ما بقى و ان تكلم استأنف و كان يقول في صاحب الغائط و البول : ينصرف فيتوضأ و يستقبل الصلوة ۔ (مصنف ابن ابی شیبة ، ۴۴۸ ، فی الذی یقیء أو یرعف فی الصلوۃ ، ج ثانی ، ص ۱۲ ، نمبر ۵۹۱۰) اس اثر میں ہے کہ پیشاب اور پاخانہ جیسے حدث جو کبھی کبھار ہوتے ہیں ان میں شروع سے نماز پڑھے

ترجمہ : لے اسلئے کہ ان عوارض یعنی حدثوں کا وجود کبھی کبھار ہوتا ہے اسلئے اس درجے میں نہیں ہوا جس کے بارے میں حدیث وارد ہوئی ۔

تشریح : اوپر حدیث میں جن حدثوں کے بارے میں یہ وارد ہوئی کہ پہلی رکعتوں پر بنا کر سکتا ہے وہ بار بار ہونے والے حدث تھے اور جنون احتلام اور بیہوشی کبھی کبھار ہونے والے حدث ہیں اسلئے یہ حدث حدیث کے مفہوم میں نہیں آتے اسلئے ان میں بناء کی گنجائش نہیں ہوگی ۔

ترجمہ: (۳۸۱) ایسے ہی اگر قہقہ لگایا تو [تو شروع سے نماز پڑھے گا]

ترجمہ : لے اسلئے کہ یہ بات کرنے کے درجے میں ہے اور بات کرنا نماز کو توڑتا ہے ۔

تشریح : کسی نے نماز میں قہقہ لگایا جسکی وجہ سے وضوٹوٹ گیا تو وضو کرنے کے بعد پہلی نماز پر بناء نہیں کر سکتا ۔

وجہ : (۱) اسکی ایک وجہ تو یہ ہے کہ ان حدثوں میں بناء کر سکتا ہے جو خود بخود ہوئے ہوں اور قہقہ تو جان کر کیا ہے اسلئے اس میں بناء نہیں کر سکتا ۔ (۲) دوسری وجہ یہ ہے کہ قہقہ ایسا ہے کہ اس نے بات کی اور بات کرنے سے نماز بالکل ختم ہو جاتی ہے اسی طرح قہقہ لگانے سے بھی نماز بالکل ختم ہو جائے گی اسلئے پہلی نماز پر بناء نہیں کر سکتا ۔ حدیث کا ٹکڑا یہ گزرا ۔ وهـو فـي ذلك لا يتكلم ۔ (ابن ماجہ شریف ، ، نمبر ۱۲۲۱ / دار قطنی ، نمبر ۵۵۵) اس حدیث میں ہے کہ بات نہ کی ہو تب بنا کر سکتا ہے اور قہقہ بات کے درجے میں ہے اسلئے بنا نہیں کر سکتا ۔

لغت : جن : جنون ہونا ۔ اغمی : بے ہوشی طاری ہونا ۔ یندر : کبھی کبھار ہوتا ہو ۔ قہقہ : زور زور سے ہنسنا ۔

نوٹ: سویا اور احتلام ہوا کی قید اس لئے لگائی کہ تھوڑا سویا اور احتلام ہوا تو شروع سے پڑھے گا اور اگر بہت سویا تو خود سونا بھی

(۳۸۲)وان حصر الامام عن القراۃ فقدم غیرہ اجزاهم عند ابی حنیفةؒ وقالا لا یجزیهم ﴿ ١ لانه یندر وجوده فاشبه الجنابة ٢ وله ان الاستخلاف بعلة العجز وهو هنا الزم ٣ والعجز عن القراءۃ

ناقض وضو ہے۔

ترجمہ: (۳۸۲)اگر امام قرأت سے رک گیا جسکی وجہ سے دوسرے کو آگے بڑھایا تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک لوگوں کو یہ کافی ہے ،اور صاحبین نے فرمایا کہ لوگوں کو یہ کافی نہیں ہے۔

تشریح : امام کو قرآن یاد تھا لیکن نماز میں کھڑا ہوا تو بہت کوشش کے باوجود اب ایک آیت بھی نہیں پڑھ سکا، اگر ایک لمبی آیت یا تین چھوٹی آیت پڑھ لیتا تو نماز ہو جاتی اسلئے اب خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں، لیکن اتنا بھی نہ پڑھ سکا تو اب خلیفہ بنانا جائز ہوگا

وجہ : اسکی وجہ یہ ہے کہ اس قسم کا واقعہ بار بار پیش آتا ہے اسلئے یہ حدث کے درجے میں ہو گیا اور حدث ہو گیا ہو تو خلیفہ بنانا جائز ہے اسی طرح قرأت سے رک گیا تو خلیفہ بنانا جائز ہے۔

ترجمہ: ١ اسلئے کہ قرأت سے رکنے کا وجود نادر ہے اسلئے وہ جنابت کی طرح ہو گیا۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ پہلے قرأت یاد ہو نماز میں کھڑے ہونے کے بعد اچانک کوئی بھی آیت یاد نہ آئے اور ایک آیت پڑھنے سے بھی عاجز ہو جائے ایسا بہت کم ہوتا ہے اور اوپر گزر چکا کہ جو حدث نادر ہوتا ہے اس میں بناء کرنے کی بھی گنجائش نہیں اور خلیفہ بنانا بھی صحیح نہیں جس طرح احتلام ہو جائے جسکو جنابت کہتے ہیں ،تو نماز ٹوٹ جاتی ہے اس میں خلیفہ بنانا جائز نہیں اسی طرح قرأت سے رکنا بھی نادر ہے اسلئے اس میں بھی خلیفہ بنانا جائز نہیں ہے۔

ترجمہ: ٢ حضرت امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ خلیفہ بنانا عاجز ہونے کی وجہ سے ہے اور یہاں تو خلیفہ بنانے کی زیادہ ہی ضرورت ہے۔

تشریح : امام ابوحنیفہ کی دلیل یہ ہے کہ حدث ہونے کی صورت میں خلیفہ بنانا اسلئے جائز ہے کہ اب وہ نماز پڑھانے سے عاجز ہے۔اور یہی علت یہاں بھی ہے کہ ایک آیت بھی نہ پڑھ سکا اسلئے خلیفہ بنانے کی یہاں زیادہ ضرورت ہے۔ اس صورت میں خلیفہ بنانے کی زیادہ ضرورت اسلئے ہے کہ حدث کی صورت میں ایسا ہو سکتا ہے کہ پانی مسجد ہی میں ہو اسلئے کسی کو خلیفہ نہ بنائے اور جلدی سے وضو کر کے واپس آئے اور امام بن جائے ،اسلئے وہاں خلیفہ بنانے کی اتنی ضرورت نہیں۔اور قرأت سے رک جانے کی صورت میں تو خلیفہ بنائے کوئی اور صورت نہیں ہے اسلئے قرأت سے رکنے کی صورت میں خلیفہ بنانا زیادہ ضروری ہے۔وھو ھنا الزم : کا یہی مطلب ہے۔

ترجمہ: ٣ اور قرأت سے عاجز ہونا نادر نہیں ہے اسلئے جنابت کے ساتھ اسکو نہ ملایا جائے۔

غیر نادر فلا یلحق بالجنابۃ (۳۸۳) ولو قرأ مقدار ماتجوز بہ الصلوٰۃ لا یجوز بالاجماع ﴾ ۱ لعدم الحاجۃ الی الاستخلاف. (۳۸۴) وان سبقہ الحدث بعد التشھد توضأ وسلم ﴾ ۱ لان التسلیم واجب فلا بد من التوضی لیأتی بہ (۳۸۵) وان تعمد الحدث فی ھذہ الحالۃ اوتکلم اوعمل عملا ینافی الصلوٰۃ تمت صلاتہ ﴾

تشریح : یہ صاحبین کو جواب ہے۔ کہ قرأت سے رکنا نادر نہیں ہے بار ہا ایسا موقع پیش آتا ہے اسلئے اسکو جنابت کے ساتھ نہ ملایا جائے، اور اس میں خلیفہ بنانا ممنوع قرار نہ دیا جائے۔ بلکہ خلیفہ بنانا جائز ہو۔

اصول : جو حدث بار بار ہوتے ہوں ان میں بناء کرنا بھی جائز ہے اور خلیفہ بنانا بھی جائز ہے، اور جو حدث کبھی کبھار پیش آتے ہوں ان میں نہ بناء کرنا جائز اور نہ خلیفہ بنانا جائز۔

ترجمہ: (۳۸۳) اور اگر اتنی آیتیں پڑھ لی جن سے نماز جائز ہو جاتی ہے تو خلیفہ بنانا بالاتفاق جائز نہیں۔

ترجمہ: ۱ اسلئے کہ اب خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں۔

تشریح : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک ایک آیت اور صاحبینؒ کے نزدیک چھوٹی تین آیتیں، یا بڑی ایک آیت پڑھ چکا ہے اسکے بعد امام قرأت سے رک گیا تو اب تینوں اماموں کے نزدیک خلیفہ بنانا درست نہیں ہے، اسلئے کہ جتنی قرأت میں نماز جائز ہوتی اتنی قرأت کر چکا ہے اسلئے خلیفہ بنانے کی ضرورت نہیں ہے، یوں بھی خلیفہ بنانا عمل کثیر ہے اسلئے بغیر ضرورت کے اسکو نہیں کرنا چاہئے۔

ترجمہ: (۳۸۴) اور اگر حدث لاحق ہو گیا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد تو وضو کرے گا اور سلام کرے گا۔

وجہ: (۱) تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو تشہد کی مقدار بیٹھنا آخری فرض تھا جو پورا ہو گیا لیکن ابھی سلام کرنا جو واجب ہے وہ باقی ہے اس لئے اس کو دوبارہ وضو کر کے نماز پر بناء کرنا چاہئے اور سلام کرنا چاہئے۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ سلام واجب ہے اسلئے وضو کرنا ضروری ہے تا کہ سلام پھیر سکے۔

تشریح : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خود بخود حدث ہو گیا تو نماز ابھی منقطع نہیں ہوئی ہے اسلئے اس پر بناء کر سکتا ہے، اور سلام جو واجب ہے وہ باقی ہے اسلئے وضو کر کے بناء کرے اور سلام پھیرے۔

ترجمہ: (۳۸۵) اور اگر جان بوجھ کر حدث کیا اس حالت میں یا بات کی یا ایسا عمل کیا جو نماز کے منافی ہے تو اس کی نماز پوری ہو گئی۔

تشریح : اوپر اور اس مسئلے میں فرق یہ ہے کہ اوپر خود بخود حدث ہوا تھا اسلئے پہلی نماز پر بناء کر سکتا تھا اسلئے وضو کر کے بناء کرے گا اور سلام پھیرے گا۔ اور اس مسئلے میں یہ ہے کہ جان کر حدث کیا ہے اسلئے نماز ٹوٹ گئی اسلئے اب بناء نہیں کر سکتا اور سلام نہیں پھیر سکتا،

اور چونکہ صرف سلام واجب باقی ہے اسلئے یوں کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہوگئی۔

اصـــــول : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سلام تو فرض نہیں ہے لیکن خروج بصنعہ ،فرض ہے خروج بصنعہ کا مطلب یہ ہے کہ اپنے ارادے سے کوئی ایسی حرکت کرے جس کی وجہ سے نماز سے نکل جائے ۔۔ چونکہ اس نے جان بوجھ کر حدث کیا ہے، یا بات کی ہے، یا نماز کے منافی عمل کیا ہے۔اسلئے خروج بصنعہ پایا گیا جو فرض ہے تو گویا کہ آخری فرض بھی پورا کر دیا اسلئے نقص کے ساتھ نماز پوری ہو جائے گی۔اور اوپر کے مسئلہ نمبر ۳۸۴ میں حدث جان کر نہیں کیا بلکہ خود ہو گیا اسلئے خروج بصنعہ نہیں پایا گیا اسلئے ایک فرض رہ گیا اسلئے اوپر کی صورت میں نماز پوری نہیں ہوئی وضو کر کے سلام کرے اور گویا کہ خروج بصنعہ فرض کو بجالائے۔

وجه: (۱) تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد جان بوجھ کر حدث کرنے سے اس کے ذمہ کوئی فرض باقی نہیں رہا تھا صرف سلام کرنا واجب باقی رہا تھا۔اس لئے نماز ایک حیثیت سے پوری ہوگئی تھی لیکن سلام چھوڑا اس لئے اچھا نہیں کیا تھا اور بنا اس لئے نہیں کرسکتا کہ جان بوجھ کر قاطع اور مانع لے آیا اس لئے نماز پر بنا بھی نہیں کرسکتا۔اس لئے یہی کہا جائے گا کہ نماز پوری ہوگئی لیکن واجب کی کمی کے ساتھ (۲) نماز پوری ہونے کی دلیل حدیث میں ہے **۔عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة**۔(ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ رترمذی شریف، باب ماجاء فی الرجل یحدث بعد التشھد ،ص ۹۲، نمبر ۴۰۸ ردارقطنی ، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی۔ بلکہ کوئی آدمی امام کے پیچھے ہو اور امام کے سلام کرنے سے پہلے اس نے جان بوجھ کر حدث کر دیا تو اس آدمی کی نماز پوری ہو جائے گی۔اور اگر چہ اس پر سلام کا واجب باقی رہا۔حدیث میں ہے **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا جلس الامام فی آخر ركعة ثم احدث رجل من خلفه قبل ان يسلم الامام فقد تمت صلوته**۔(دارقطنی ، باب من احدث قبل التسلیم ،ج اول ،ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مقتدی بھی مقدار تشہد بیٹھنے کے بعد حدث کر دے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔

فائده : امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو چونکہ فرض باقی رہ گیا اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی۔ان کی دلیل یہ حدیث ہے **عن علی عن النبی ﷺ قال مفتاح الصلوة الطهور وتحريمها التكبير وتحليلها التسليم** . (ترمذی شریف، باب ماجاء مفتاح الصلوۃ الطھور ص ۵ نمبر ۳ رابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد ما یرفع رأسہ من آخر رکعۃ ص ۹۸ نمبر ۶۱۸) اس حدیث کی وجہ سے جس طرح طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہیں اسی طرح ان کے یہاں سلام بھی فرض ہے۔ہم کہتے ہیں کہ طہارت اور تکبیر تحریمہ فرض ہونے کی وجہ دوسری آیتیں ہیں صرف یہ حدیث نہیں ہے۔

لے لانـه تعذر البناء لوجود القاطع لكن لا اعادة عليه لانه لم يبق عليه شئ من الاركان(٣٨٦) فان رأى المتيمم الماء فى صلاته بطلت ﴾ لے وقد مر من قبل (٣٨٧) [ا] فان راٰه بعد ما قعد قدر التشهد﴾

ترجمه : لے اس لئے کہ نماز کو قطع کرنے والی چیز کے پائے جانے کی وجہ سے بناء کرنا متعذر رہو گیا۔لیکن نماز کو دوبارہ پڑھنا بھی ضروری نہیں ہے اسلئے کہ فرض میں سے کوئی چیز اس پر باقی نہیں رہی۔

تشریح : جان کر حدث کیا تو نماز فاسد ہوگئی اس لئے اس پر بناء نہیں کر سکتا،اور فرائض میں سے کوئی چیز باقی نہیں رہی اسلئے دوبارہ پڑھنے کے لئے بھی نہیں کہا جائے گا،اسلئے یہی کہا جائے گا کہ نقص کے ساتھ نماز پوری ہوگئی۔

ترجمه :(٣٨٦)اگر تیمّم کرنے والے نے نماز کے درمیان پانی دیکھا تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی۔

وجه: (١) تیمّم کرنے سے پہلے اس نے جان کر حدث کیا تھا پھر تیمّم کرنا حدث کے لئے چھپانے کی چیز بن گئی لیکن تشہد سے پہلے پانی پر قدرت ہوئی تو جان کر حدث کیا ہوا واپس آ گیا۔کیونکہ خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی اور ابھی فرض باقی ہے اس لئے نماز فاسد ہو جائے گی شروع سے نماز پڑھے۔(٢)اثر میں ہے عن الحسن انه قال فى متيمم مر بماء غير محتاج الى الوضوء فجاوزه فحضرت الصلوة وليس معه ماء قال يعيد التيمم لان قدرته على الماء تنقض تيممه الاول (مصنف بن ابی شیبۃ،٢٣٢ فی متیمم مر بماء جاوزہ،ج اول،ص ١٤٦،نمبر ٢٠٢٦)وضو کر کے بنا اس لئے نہیں کر سکتا ہے کہ(١) تیمّم سے پہلے جان کر حدث کیا تھا اور پہلے گزر چکا ہے کہ جان کر حدث کرے گا تو بنا نہیں کر سکے گا۔کیونکہ قاطع اور مانع درمیان میں آ گیا۔بنا اس لئے بھی نہیں کر سکتا کہ یہ معاملہ کبھی کبھار پیش آتا ہے۔

ترجمه : لے یہ مسئلہ پہلے گزر چکا ہے۔

تشریح :یہ مسئلہ باب التیمم مسئلہ نمبر ٩٤ میں گزر چکا ہے اسکا حاصل یہ ہے کہ آیت میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تب تیمّم کرو،اور اس نے نماز کے درمیان ہی پانی پالیا تو چونکہ اصل پر قدرت ہوگئی اسلئے تیمّم ٹوٹ جائے گا،اور اسکی وجہ سے نماز بھی ٹوٹ جائے گی اسلئے پہلی نماز پر بناء نہیں کر سکتا،آیت یہ ہے ۔ فلم تجدوا ماء فتيمموا صعيدا طيبا.(آیت ٤٣،سورۃ النساء ٤) . کہ پانی نہ ہو تو تیمّم کرو ۔اور اس نے پانی پالیا اسلئے تیمّم ٹوٹ جائیگا۔اور نماز بھی ٹوٹ جائے گی اس لئے اس پر بناء نہیں کر سکتا۔

ترجمه: (٣٨٧)[ا]اور اگر تیمّم کرنے والے نے پانی دیکھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد (تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک نماز باطل ہوگئی اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہوگئی) ۔

تشریح : یہ بارہ مسئلے ہیں جو اس قاعدے پر متفرع ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد یہ اعذار پیش آئے تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ابھی تین کام باقی ہیں [ا] درود شریف پڑھنا [٢] دعاء پڑھنا [٣] سلام پھیرنا ، اسلئے گو یا کہ ابھی نماز باقی ہے اسلئے

اگر درمیان نماز میں یہ اعذار پیش آتے تو نماز باطل ہو جاتی اور پہلی نماز پر بناء نہ کر سکتے اسی طرح تشہد کے بعد پیش آئے تو بھی نماز باطل ہو جائے گی اور پہلی نماز پر بناء نہیں کر سکے گا۔اور صاحبین فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھ چکا ہے اسلئے تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اب صرف درود اور دعاء باقی ہیں جو سنت ہیں، اور سلام باقی ہے جو واجب ہے، چونکہ فرض باقی نہیں رہا اسلئے نماز نقص کے ساتھ پوری ہوگئی دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ تیمّم کر کے نماز پڑھ رہا تھا تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس نے پانی دیکھا تو تیمّم ٹوٹ گیا اور نماز بھی ٹوٹ گئی، اب اس پر بناء بھی نہیں کر سکتا، اب امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک تین کام، درود، دعاء اور سلام باقی ہیں اسلئے انکو پوری کرنے کے لئے دوبارہ نماز پڑھے۔

تشہد کی مقدار بیٹھنا فرض ہے اسکی دلیل یہ اثر ہے۔**عن عمرؓ بن الخطاب قال : لا تجزی ء صلاۃ الا بتشھد .**
(مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی، ص ۳۵۶، نمبر ۳۶۸۵ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۷، من قال: لا یجزیہ حتی یتشھد او یجلس، ج ثانی، ص ۲۳۵، نمبر ۸۴۷۹)اس اثر میں ہے کہ تشہد کے بغیر نماز ہی نہیں ہوگی، اسلئے تشہد فرض ہے۔

وجہ: (۱)امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو فرائض اگر چہ پورے ہو چکے ہیں لیکن ابھی بھی تین کام باقی ہیں، درود شریف، دعا اور سلام تو گویا کہ نماز باقی ہے اس لئے درمیان نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا اور اصل کی بنا کمزور پر نہیں ہو سکتی اس لئے نماز باطل ہو جائے گی اور شروع سے نماز پڑھنا ہوگا۔(۲)اس اثر میں اسکا اشارہ ہے۔ و **قال ابن سیرین : حتی یسلم فان صلوتہ لم تتم .** (مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی، ص ۳۵۴، نمبر ۳۶۷۹ر مصنف ابن ابی شیبۃ، ۱۷۷، من قال: لا یجزیہ حتی یتشھد او یجلس، ج ثانی، ص ۲۳۵، نمبر ۸۴۷۷) اس اثر میں ہے کہ سلام پھیرے گا تب نماز پوری ہوگی اور اس نے ابھی تک سلام نہیں پھیرا ہے اسلئے اسکو دوبارہ نماز پڑھنی چاہئے۔

وجہ: صاحبین فرماتے ہیں کہ فرائض تو سارے پورے ہو چکے ہیں اب صرف واجب یا سنن باقی ہیں۔اور پہلے یہ حدیث گزر چکی ہے۔**عن عبد اللہ بن عمر ان رسول اللہ ﷺ قال اذا قضی الامام الصلوۃ وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلوتہ ومن کان خلفہ ممن اتم الصلوۃ** ۔(ابو داؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ر ترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یحدث بعد التشھد، ص ۹۲، نمبر ۴۰۸ر دار قطنی، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہوگئی اس لئے اسکی نماز نقص کے ساتھ پوری ہوگئی اسلئے دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

(۲)۔عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں ہے کہ تشہد فرض ہے اور تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو فرض پورا ہو گیا اب چاہے تو بیٹھ کر درود شریف اور دعاء پڑھے اور سلام کرے، اور چاہے تو کھڑا ہو جائے۔حدیث یہ ہے۔**انّ رسول اللہ ﷺ اخذ بید عبد اللہ فعلمہ**

[۲] اوکان ما سحافا نقضت مدة مسحه [۳] اوخلع خفية بعمل يسير[۴]ا وکان اميافتعلم سورة [۵] اوعريانا فوجد ثوبًا.

التشهد فی الصلوة فذکر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتک ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد ۔(ابوداؤدشریف، باب التشہد ص۱۴۶،نمبر۹۷۰)اس حدیث میں فرمایا گیا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے یا پڑھنے کے بعد نماز پوری ہوگئی۔اب چاہے تو بیٹھے رہے اور دعا پڑھے اور سلام کرے اور چاہے تو کھڑا ہوجائے۔اس لئے تشہد کے بعد پانی پر قدرت ہوئی تو اس سے پہلے نماز پوری ہوچکی ہے۔اس لئے تشہد کے بعد پانی دیکھنے سے تیمّم کرنے والے کی نماز پوری ہوجائے گی۔

نوٹ: یہی قاعدہ اور اصول اور اختلاف اگلے گیارہ مسئلوں میں ہیں۔

اصول: امام ابوحنیفہ: سلام کرنے سے پہلے نماز میں خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو نماز فاسد ہوجائے گی کیونکہ ابھی نماز باقی ہے۔

اصول: صاحبین: تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد خلیفہ کے بجائے اصل پر قدرت ہوگئی تو چونکہ تمام فرائض پورے ہو چکے ہیں اس لئے نماز پوری ہوگئی کمی کے ساتھ۔

[۲] یا موزے پر مسح کرنے والا تھا اور موزے کی مدت ختم ہوگئی۔

تشریح : [۲] موزے پر مسح کرنے والا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد مسح کی مدت ختم ہوگئی اور گویا کہ وضو ٹوٹ گیا۔

[۳] یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے

تشریح : [۳] یا دونوں موزے عمل قلیل سے کھل گئے۔کیونکہ عمل کثیر سے کھلے تو خود عمل کثیر سے نماز فاسد ہوجائے گی۔موزہ کھلنے کی بات تو بعد کی ہے۔اس لئے عمل قلیل سے کھلنے کی قید لگائی تا کہ یہ مسئلہ بن سکے کہ موزہ کھلنے کی وجہ سے اس کا وضو تشہد کے بعد ٹوٹ گیا۔

[۴] یا امی تھا سورة سیکھ لی۔

تشریح : [۴] یا ایک آیت بھی یاد نہیں تھی کہ قرأت کی وجہ سے نماز ہو سکے۔تشہد کے بعد اس نے تین آیتیں سیکھ لی اور اصل پر قدرت ہوگئی۔

[۵] یا ننگا تھا اور کپڑا پالیا۔

تشریح : [۵] یا ننگا تھا اور تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اتنا کپڑا مل گیا جس سے نماز جائز ہوسکتی تھی

[۶] او مؤميا فقدر على الركوع والسجود [۷] اوتذكر فائتة عليه قبل هٰذه [۸] اواحدث الامام القارى فاستخلف اميا [۹] اوطلعت الشمس فى الفجر

[۶] یا اشارہ کرنے والا تھا اور رکوع سجدہ پر قدرت ہوگئی

تشریح : [۶] مرض کی وجہ سے رکوع سجدے کا اشارہ کر کے نماز پڑھ رہا تھا، اور تشہد کے بعد وہ رکوع سجدے پر قادر ہو گیا۔ ان سب مسئلوں میں یہ ہے کہ عذر کی وجہ سے فرع پر عمل کر رہا تھا اور تشہد کے بعد اصل پر قادر ہو گیا تو امام اعظمؒ کے نزدیک پچھلے دلائل کی وجہ سے نماز باطل ہوگی اسلئے دوبارہ نماز پڑھے۔ اور صاحبین کے نزدیک ان تمام صورتوں میں نماز پوری ہو جائے گی۔

لغت : خلع: موزہ کھل گیا۔ امی: جو پڑھنا نہ جانتا ہو، ایک آیت بھی یاد نہ ہو۔ عریانا: ننگا۔ موءمیا: ایماء سے مشتق ہے، اشارہ کرنے والا۔

[۷] یا یاد آ گئی کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا تھی۔

تشریح: [۷] آدمی صاحب ترتیب تھا اور اس پر پانچ نمازوں سے کم قضا تھی اور وقت میں گنجائش بھی تھی اور تشہد کے بعد اس کو یاد آ گیا کہ اس پر اس سے پہلے کی نماز قضا ہے تو یہ صاحب ترتیب ہے اسلئے یہ نماز فاسد ہو جائے گی کیونکہ اسکو ترتیب کی رعایت کرنی چاہئے اور فوت شدہ نماز پہلے پڑھنی چاہئے بعد میں وقتیہ نماز پڑھنی چاہئے، لیکن اس نے وقتیہ نماز پہلے پڑھی اسلئے وقتیہ نماز فاسد ہو جائے گی۔ اب تشہد کے بعد نماز فاسد ہوئی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک گویا کہ درمیان نماز میں فاسد ہوئی اسلئے دوبارہ نماز پڑھے اور صاحبینؒ کے نزدیک تشہد کے بعد نماز پوری ہو چکی ہے اسلئے دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

[۸] یا قاری امام نے حدث کیا اور امی کو خلیفہ بنایا۔

تشریح : [۸] امام کو اتنی آیتیں یاد تھیں جس سے نماز جائز ہو سکے تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد اس کو حدث ہوا اور امی کو خلیفہ بنایا تو چونکہ امی قرأت پر قادر نہیں ہے تو گویا کہ عاجز کو خلیفہ بنایا ہے اس لئے نماز فاسد ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے یہاں نماز پوری ہو جائے گی۔

نوٹ: فخر الاسلامؒ نے فرمایا کہ تشہد کے وقت قرأت کی ضرورت ہی نہیں ہے اس لئے امی کو خلیفہ بنانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس لئے اکثر کی رائے یہ ہے کہ اس وقت امی کو خلیفہ بنانے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

[۹] یا فجر کی نماز میں سورج طلوع ہو گیا۔

تشریح : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد سورج طلوع ہوا تو امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔ اور صاحبین کے نزدیک نماز پوری ہوگی۔

[۱۰] اودخل وقت العصر وهو فی الجمعة[۱۱] او کان ماسحا علی الجبيرة فسقطت عن برء[۱۲] او کان صاحب عذر فانقطع عذره کالمستحاضة ومن بمعناها بطلت الصلوة ﴾

وجه :حدیث میں ہے عن ابی هريرة قال نهی رسول الله ﷺ عن صلوتين بعد الفجر حتی تطلع الشمس وبعد العصر حتی تغرب الشمس. (بخاری شریف، باب لاتحری الصلوۃ قبل غروب الشمس ص۸۳نمبر۵۸۸رمسلم شریف، باب الاوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها ص۲۷۵نمبر۸۲۵)(۲)ابو سعيد الخدری يقول سمعت رسول الله ﷺ يقول لا صلوة بعد الصبح حتی ترتفع الشمس ولا صلوة بعد العصر حتی تغيب الشمس (بخاری شریف، باب لا تحری الصلوۃ قبل الغروب ص۸۲نمبر۵۸۶رمسلم شریف، باب الاوقات التی نهی عن الصلوۃ فیها ص ۲۷۵ نمبر ۸۲۷) ان دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ طلوع آفتاب کے وقت نماز نہیں پڑھنی چاہئے اس لئے اگر تشہد کے بعد آفتاب نکل گیا تو امام اعظمؒ کی رائے ہے کہ نماز فاسد ہوجائے گی۔

[۱۰] یا عصر کا وقت جمعہ میں داخل ہوگیا۔

تشریح: [۱۰] جمعہ پڑھ رہا تھا۔تشہد کی مقدار بیٹھا تھا کہ عصر کا وقت داخل ہوگیا۔

وجه: چونکہ عصر کا وقت داخل ہونے سے جمعہ کا وقت نکل گیا اسلئے جمعہ کی نماز فاسد ہوگی۔اس لئے قضا کی بنا ادا پر ہوئی۔اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز فاسد ہوگی۔

[۱۱] یا کھپچی پر مسح کرنے والا تھا وہ ٹھیک ہوکر گر گئی۔

تشریح: [۱۱]ایک آدمی نے زخم پر پٹی باندھی تھی اور وہ اسی پر مسح کر کے نماز پڑھ رہا تھا۔تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد زخم مکمل ٹھیک ہوکر پٹی گر گئی۔چونکہ زخم ٹھیک ہوکر پٹی گری ہے اس لئے وضو ٹوٹ گیا۔کیونکہ وہ مسح جو نقل ہے اس کے بجائے اصل پر قادر ہوگیا۔اس لئے امام اعظم کے نزدیک نماز باطل ہوگئی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز پوری ہوگئی

لغت :الجبیرۃ : زخم پر بندھی ہوئی پٹی، کھپچی، برء : زخم اچھا ہونا۔

[۱۲] یا عذر والا تھا اور اسکا عذر ختم ہوگیا، جیسے کہ مستحاضہ ہو، یا جو بھی اس جیسی ہو تو نماز باطل ہوجائے گی۔

۱ امام ابوحنیفہؒ کے قول میں۔

تشریح: [۱۲]۔کوئی عذر والا تھا جیسے مستحاضہ عورت کا خون بہہ رہا تھا اور وہ اسی حال میں معذور ہوکر نماز پڑھ رہی تھی، یا سلسل البول کی بیماری تھی اور مسلسل پیشاب کا قطرہ آرہا تھا اسی حال میں نماز پڑھ رہا تھا،لیکن تشہد کے بعد اسکا عذر جاتا رہا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز باطل ہوجائے گی کیونکہ نماز کے درمیان وہ اصل پر قادر ہوگیا۔اور صاحبینؒ کے نزدیک نماز پوری ہوجائے گی۔

۱؎ فی قول ابی حنیفۃؒ ۲؎ وقالا تمت صلاته ۳؎ وقیل الاصل فیه ان الخروج عن الصلوۃ بصنع المصلی فرض عند ابی حنیفۃؒ ولیس بفرض عندهما فاعتراض هٰذه العوارض عنده فی هذا الحالة کاعتراضها فی خلال الصلوٰۃ ۴؎ وعندهما کاعتراضها بعد التسلیم لهما مارویناه من حدیث ابن

وجه: دلیل گزر گئی ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی فرض باقی نہیں رہا صرف درود اور دعا سنت ہیں اور سلام واجب ہے جو باقی رہیں۔ اور احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد کوئی حدث پیش آئے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اس لئے ان بارہ مسئلوں میں سب کی نماز پوری ہو جائے گی۔ اور امام ابو حنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر چہ سنن اور واجب ہی باقی ہیں لیکن نماز ابھی بحال ہے۔ اور نماز کے دوران خلیفہ کے بجائے اصل پر قادر ہو گیا جس کی وجہ سے ماقبل پر بنا نہیں کر سکتے۔ اس لئے نماز فاسد ہوگی۔ امام ابو حنیفہ ان مسائل میں احتیاط کی طرف گئے ہیں۔ کیونکہ ان مسائل میں اقوی کی بناء اضعف پر ہے (۲) امام شافعیؒ کے نزدیک سلام فرض ہے اس لئے ان کی بھی رعایت کی گئی ہے (۳) پہلی نماز پر بناء کا حکم خلاف قیاس حدیث کی بنا پر کیا گیا ہے۔ اس لئے جو حدث بار بار پیش آتے ہیں اور حدیث میں بھی ان کی تصریح ہے تو ان کے بارے میں حکم ہوگا کہ اس پر بنا کر لیا جائے۔ لیکن جو حدث بار بار پیش نہیں آتے اور حدیث میں بھی ان کی تصریح نہیں ہے ان میں احتیاط کا تقاضا یہی ہے کہ نماز فاسد کر دی جائے اور شروع سے دوبارہ نماز پڑھے۔ اور صاحبین اس بات کی طرف گئے ہیں کہ حدیث کی بنا پر جب نماز پوری ہو گئی تو دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے۔

ترجمه : ۲؎ اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسکی نماز پوری ہو گئی۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

ترجمه : ۳؎ کہا گیا ہے کہ اس میں اصل قاعدہ یہ ہے کہ نمازی اپنے فعل سے نماز سے نکلے یہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فرض ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک فرض نہیں، اسلئے ان حالتوں میں ان عوارض کا پیش آنا امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز کے درمیان میں پیش آنا ہے۔

تشریح: علماء فرماتے ہیں کہ یہ بارہ مسائل اس اصول پر ہے کہ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک خروج بصنعہ، فرض ہے خروج بصنعہ کا مطلب یہ ہے کہ نمازی اپنی حرکت سے نماز سے باہر آئے یہ فرض ہے، یہ حرکت اگر سلام پھیرنا ہے تو نماز اچھے طریقے سے پوری ہوگی اور اگر حدث وغیرہ کر کے خروج بصنعہ کیا تو نماز تو پوری ہو جائے گی لیکن ایسا کرنا اچھا نہیں ہے۔ اب اوپر کے بارہ مسئلوں میں خروج بصنعہ جو فرض تھا نہیں کیا بلکہ خود بخود تشہد کے بعد عذر پیش آ گئے، تو چونکہ ایک فرض چھوڑ دیا اسلئے نماز باطل ہو جائے گی، اور ایسا سمجھا جائے گا کہ تشہد سے پہلے ہی یہ اعذار پیش آ گئے۔

ترجمه: ۴؎ اور صاحبینؒ کے نزدیک ان اعذار کا پیش آنا گویا کہ سلام کے بعد ہے۔ ان دونوں کی دلیل حضرت عبد اللہ ابن

مسعودؓ ۵؎ ولـه انـه لايـمـكـنـه اداء صلوٰة اخرٰى الا بالخروج من هٰذه ومالا يتوصل الى الفرض الا به يكون فرضًا ٦؎ ومعنى قوله تمت قاربت التمام

مسعودؓ کی وہ حدیث ہے جو ہمنے پہلے روایت کی۔

تشریح : اورصاحبینؒ کے یہاں خروج بصنعہ فرض نہیں ہے اسلئے تشہد پڑھ لیا تو تمام فرائض پورے ہو گئے اب درود شریف اور دعاء باقی رہے جو سنت ہیں اور سلام پھیرنا باقی رہا جو واجب ہے، اور یہ اعذار تشہد کے بعد پیش آئے ہیں اسلئے نماز پوری ہو گئی۔ اور ایسا سمجھا جائے گا کہ سلام پھیرنے کے بعد یہ اعذار پیش آئے۔

وجہ : (ا) انکی دلیل حضرت عبداللہ ابن مسعود والی یہ حدیث ہے۔ **انّ رسول الله ﷺ اخذ بيد عبد الله فعلمه التشهد فى الصلوة فذكر مثل دعاء حديث الاعمش اذا قلت هذا او قضيت هذا فقد قضيت صلوتك ان شئت ان تقوم فقم وان شئت ان تقعد فاقعد** ۔ (ابوداؤد شریف، باب التشہد ص ۱۴۶، نمبر ۹۷۰) اس حدیث میں ہے کہ تشہد پڑھ لیا یا تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہو گئی۔ (۲) دوسری حدیث میں ہے کہ تشہد کی مقدار بیٹھ گیا پھر حدث ہوا تو نماز پوری ہو گئی، حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن عمر ان رسول الله ﷺ قال اذا قضى الامام الصلوة وقعد فاحدث قبل ان يتكلم فقد تمت صلوته ومن كان خلفه ممن اتم الصلوة** ۔ (ابوداؤد شریف، باب الامام یحدث بعد یا یرفع رأسہ ص ۹۸ نمبر ۶۱۷ رترمذی شریف، باب ما جاء فی الرجل یحدث بعد التشھد ،ص ۹۲ ،نمبر ۴۰۸ ردار قطنی ، باب من احدث قبل التسلیم فی آخر صلوتہ او احدث قبل تسلیم الامام فقد تمت صلوتہ ص ۳۶۸ نمبر ۱۴۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد حدث کر دیا تو نماز پوری ہو گئی۔

ترجمہ: ۵؎ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ دوسری نماز کو ادا کرنا ممکن نہیں جب تک کہ اس نماز سے نہ نکلے اور جس چیز کے ذریعہ فرض تک پہنچنا ممکن ہو تو وہ بھی فرض ہوتی ہے [اور پہلی نماز سے نکلنے کے ذریعہ سے دوسری نماز تک پہونچے گا اسلئے نکلنا بھی فرض ہو گا۔ جسکو خروج بصنعہ، کہتے ہیں۔

تشریح : خروج بصنعہ فرض ہونے کے لئے امام ابوحنیفہؒ کی یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ دوسری فرض نماز، مثلا ظہر کے بعد عصر کو ادا کرنا ہو تو پہلی نماز سے نکلنا ہو گا، اسکے بغیر عصر کی نماز ادا نہیں کر سکتے۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ جس واسطے سے فرض تک پہنچ رہا ہو وہ واسطہ بھی فرض ہوتا ہے، یہاں نکلنے کے ذریعہ دوسرے فرض تک پہنچ سکتا ہے اسلئے نکلنا یعنی خروج بصنعہ بھی فرض ہو گا۔ اور پچھلے بارہ مسئلوں میں خروج بصنعہ نہیں پایا گیا اسلئے ان تمام میں نماز فاسد ہو گئی۔

ترجمہ: ٦؎ اور حدیث میں حضورؐ کا قول تمت صلوتہ، کا ترجمہ ہے نماز پوری ہونے کے قریب ہو گئی۔

ے والاستخلاف لیس بمفسد حتی یجوز فی حق القاری وانما الفساد ضرورة حکم شرعی وهو عدم صلاحیة الامامة (۳۸۸) ومن اقتدی بالامام بعد ما صلی رکعة فاحدث الامام فقدمه اجزاه ﴿ الوجود المشارکة فی التحریمة

تشریح : اوپر عبداللہ بن عمر کی حدیث میں تھا تشہد کی مقدار بیٹھ گیا تو نماز پوری ہوگئی۔ حدیث یہ تھی۔ فقد تمت صلوته ومن کان خلفه ممن اتم الصلوة ۔ (ابوداؤد شریف، نمبر ۶۱۷ رترمذی شریف، نمبر ۴۰۸) اس حدیث میں ہے تمت صلوتہ، کہ اسکی نماز پوری ہوگئی، اسکا جواب دے رہے ہیں کہ نماز پوری ہونے کا مطلب یہاں یہ ہے کہ پوری ہونے کے قریب ہوگئی، البتہ ایک فرض خروج بصنعہ ابھی باقی ہے۔

ترجمہ: ے اور خلیفہ بنانا نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے، یہی وجہ ہے کہ قاری کے حق میں جائز ہے، فاسد ہونا تو ایک شرعی حکم کی ضرورت کی وجہ سے ہے، اور وہ یہ ہے کہ امی آدمی میں امامت کی صلاحیت نہیں ہے۔

تشریح : یہ جزیہ نمبر ۸ کی وضاحت ہے۔ جزیہ نمبر ۸ میں کہا تھا، کہ قاری امام کو تشہد کے بعد حدث ہوا تو اس نے ایک آیت بھی نہ جاننے والے امی آدمی کو امام بنا دیا تو سب کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس مسئلے کے بارے میں وضاحت فرماتے ہیں کہ امام بنانا اور خلیفہ بنانا نماز کو فاسد نہیں کرتا وہ تو جائز ہے، یہی وجہ ہے کہ کسی قاری یعنی کم سے کم ایک آیت جاننے والے کو امام بناتو کسی کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اسی طرح امی کو صرف امیوں کا امام بناتا تو نماز فاسد نہیں ہوتی لیکن یہاں امی کو قاری کا امام بنانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوئی ہے چاہے وہ تشہد کے بعد ہی کیوں نہ ہو کیونکہ امی میں کسی حال میں قاری کے امام بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔ ۔ پوری تفصیل مسئلہ نمبر ۳۷۱ میں دیکھیں۔

ترجمہ: (۳۸۸) امام کے ایک رکعت پڑھ لینے کے بعد کسی نے امام کی اقتداء کی پس امام کو حدث پیش آیا تو اسی مسبوق کو آگے کر دیا تو کافی ہے۔

ترجمہ : لے تحریمہ میں شرکت کے پائے جانے کی وجہ سے۔

لغت : مدرک: کا ترجمہ ہے پانے والا، یہاں مدرک کا مطلب یہ ہے کہ امام کے ساتھ شروع سے نماز میں شریک ہوا اور تمام رکعتیں پایا ہو۔ مسبوق: سبق سے مشتق ہے، جس سے کوئی چیز آگے بڑھ گئی ہو، یہاں مسبوق کا مطلب یہ ہے شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک نہ ہو، اس سے کچھ رکعت چھوٹ گئی ہو۔ لاحق: لحق سے مشتق ہے، ملنا، یہاں لاحق کا مطلب یہ ہے کہ شروع نماز میں امام کے ساتھ شریک ہوا بعد میں حدث پیش آنے کی وجہ سے امام کو چھوڑ کر چلا گیا جس کی وجہ سے درمیان کی کچھ رکعت چھوٹ گئی ، اور آخیر میں امام کے ساتھ مل گیا۔

۲؎ والاولی للامام ان یقدِّم مدرکا لانه اقدر علیٰ اتمام صلاته ۳؎ وینبغی لھٰذا المسبوق ان لایتقدم لعجزه عن التسلیم (۳۸۹) فلو تقدم یبتدی من حیث انتھیٰ الیه الامام ﴾ ۱؎ لقیامة مقامه

تشریح : ایک آدمی کی مثلا ایک رکعت چھوٹ چکی تھی جسکی وجہ سے وہ مسبوق تھا، امام کو حدث ہوا تو اسی مسبوق کو ہی آگے بڑھا دیا اور امام بنا دیا تو جائز ہے، کیونکہ یہ امام کا مقتدی تو ہے اور دونوں کا تحریمہ ایک ہے، اور دونوں ایک ہی تحریمے میں شریک ہیں۔
البتہ یہ اولی نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ مسبوق امام بنے گا تو پہلے سابق امام کی نماز پوری کرے گا سلام پھیرنے کا وقت آئے گا تو کسی مدرک کو پھر امام بنائے گا تا کہ وہ قوم کے ساتھ سلام پھیرے اور یہ مسبوق اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرے گا، تو چونکہ دوبارہ مدرک کو امام بنانا پڑے گا اسلئے اس مصیبت سے بچنے کے لئے پہلے ہی سے مدرک کو امام بنائے تو بہتر ہے۔

ترجمه : ۲؎ اور امام کے لئے زیادہ بہتر یہ ہے کہ تمام رکعتوں کو پانے والے مدرک کو آگے بڑھائے اسلئے کہ وہ امام کی نماز کو پورا کرنے پر زیادہ قادر ہے۔

تشریح : امام کے لئے بہتر یہ ہے کہ جو آدمی شروع سے امام کے ساتھ نماز میں شریک ہے جسکو مدرک کہتے ہیں اسکو آگے بڑھائے کیونکہ وہ امام کی نماز کو پوری کرنے پر زیادہ قادر ہے، یعنی امام کی نماز پوری ہوگی تو اسکی بھی نماز پوری ہو جائے گی اسلئے قوم کے ساتھ یہ سلام پھیر سکے گا اور مسبوق کی طرح کسی دوسرے کو دوبارہ امام بنانے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔

ترجمه ۳؎ اور اس مسبوق کے لئے مناسب یہ ہے کہ خود آگے نہ بڑھے سلام سے عاجز ہونے کی وجہ سے۔

تشریح : مسبوق کو امام آگے بڑھائے تو آگے بڑھنے کی گنجائش ہے، لیکن اپنے سے آگے نہ بڑھے تو اچھا ہے۔ اسلئے کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام کی نماز پوری کرنے کے بعد یہ سلام نہیں پھیر سکے گا، وہ ابھی سلام پھیرنے سے عاجز ہے کسی اور کو آگے بڑھانا ہوگا، کیونکہ اسکو اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنی ہے۔

ترجمه: (۳۸۹) پس اگر مسبوق آگے بڑھ گیا تو جہاں سے امام نے چھوڑا ہے وہاں سے نماز شروع کرے۔

ترجمه ۱؎ اسلئے کہ یہ امام کے قائم مقام ہے۔

وجه :(۱) حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے وہاں سے نماز شروع کی جہاں سے حضرت ابو بکرؓ نے چھوڑا تھا۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ فذهب ابو بکرؓ یتأخر ، فأشار الیه بیده مکانک فاستفتح النبی ﷺ من حیث انتهی ابو بکر من القرآن۔ (سنن بیھقی، باب ما روی فی صلوۃ الاماموم قائما، الخ، ج ثالث، ص ۱۱۵، نمبر ۵۰۷۸ مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۷، فی الرجل قدم الرجل یبدأ بالقرأۃ أو یقرأ من حیث انتھی، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۸۹۵) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابو بکرؓ نے چھوڑا تھا۔ (۲) اثر میں ہے کہ مسبوق امام پہلے سابق امام کی نماز پوری کرے گا بعد میں اپنی

(۳۹۰)واذا انتهٰى الى السلام يقدم مدر كايسلم بهم (۳۹۱)فلوانه حين اتم صلوٰة الامام قهقه او احدث متعمدا اوتكلم اوخرج من المسجد فسدت صلاته وصلاة القوم تامة

لـ لان المفسدفي حقه وجد في خلال الصلوٰة وفي حقهم بعدتمام اركانها

نماز پوری کرے گا، اثر یہ ہے۔ عن ابراهيم في رجل صلى ركعة فأحدث فأخذ بيد رجل فقدمه و قد فاتته تلك الركعة قال : يصلي بهم بقية صلاتهم فاذا أتم أخذ بيد رجل ممن شهد تلك الركعة فقدمه فسلم بهم ثم قام فقضى تلك الركعة (مصنف ابن ابی شیبة ، ۴۴۶ سبق بر کعۃ فقدمہ الامام، ج ثانی ،ص ۱۲، نمبر ۵۸۹۴) اس اثر میں ہے کہ پہلے امام کی نماز پوری کرے پھر اپنی نماز پوری کرے۔

(۳) تیسری دلیل عقلی صاحب ھدایہ نے دی ہے، کہ یہ مسبوق پہلے امام کے قائم مقام ہے اسلئے پہلے امام ہی کی نماز پوری کرے گا۔

ترجمہ: (۳۹۰) اور جب مسبوق امام سلام تک پہنچے تو کسی مدرک امام کو آگے بڑھا دے جو قوم کے ساتھ سلام پھیرے۔

تشریح: اوپر اثر گزر چکا ہے کہ مسبوق کو امام بنایا تو وہ پہلے امام کی نماز پوری کرے اور جب سلام پھیرنے کا وقت آئے تو چونکہ اسکو اپنی چھوٹی ہوئی نماز پوری کرنی ہے اسلئے کسی مدرک کو آگے بڑھائے چونکہ اسکی نماز پوری ہو چکی ہے اسلئے وہ اور نمازیوں کے ساتھ سلام پھیر دے گا۔

ترجمہ: (۳۹۱) پس جس وقت مسبوق نے امام کی نماز پوری کی تو قہقہہ لگایا، یا جان کر حدث کیا، یا بات کی، یا مسجد سے نکل گیا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوگئی اور قوم کی نماز پوری ہوگئی۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ تشہد کے بعد جان کر حدث کیا تو چونکہ اب کوئی فرض باقی نہیں رہا اسلئے اسکی نماز پوری ہو جائے گی، اور اگر حدث تشہد سے پہلے کر دیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔۔ مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ مسبوق امام نے سابق امام کی نماز پوری کی جب سلام کا وقت آیا تو سلام سے پہلے جان کر حدث کر دیا، یا قہقہہ لگایا، یا بات کی، یا مسجد سے باہر نکل گیا، یا کوئی ایسا کام کیا جس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ تو قوم اور مقتدی کی نماز پوری ہوگئی، اسلئے کہ انکے تمام فرائض پورے ہو گئے، لیکن خود اس مسبوق امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ اسکی ابھی ایک رکعت باقی ہے، اسلئے اسکے لئے یہ حدث نماز کے درمیان میں واقع ہو گیا، اور درمیان میں فساد واقع ہو جائے تو بنا بھی نہیں کر سکتا، بلکہ شروع سے نماز پڑھے گا۔

ترجمہ: لـ اسلئے کہ نماز کو فاسد کرنے والی چیز مسبوق امام کے حق میں نماز کے درمیان پائی گئی اور مقتدی کے حق میں تمام ارکان کے پورے ہونے کے بعد پائی گئی۔

(۳۹۲) والامام الاوّل ان کان فرغ لاتفسد صلاته وان لم یفرغ تفسد ﴿۱﴾ وهو الاصح (۳۹۳) فان لم یحدث الامام الاول وقعد قدر التشهد ثم قهقه او احدث متعمدا فسدت صلوة الذی لم یدرک اول صلاته ﴿۱﴾ عند ابی حنیفة وقالا لا تفسد

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے کہ۔مقتدی کی نماز اسلئے پوری ہوگئی کہ امام کا حدث تمام فرائض کے اداء ہونے کے بعد ہوا ہے۔اور مسبوق امام کی نماز اسلئے فاسد ہوگئی کہ اسکا حدث نماز کے درمیان ہو گیا۔

ترجمہ: (۳۹۲) اور امام اول اگر نماز سے فارغ ہو چکا ہے تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی، اور اگر فارغ نہیں ہوا ہے تو فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۱ صحیح یہی ہے

تشریح : مسبوق نے سابق امام کی نماز پوری کرنے کے بعد حدث کیا تو اگر سابق امام کی نماز پوری ہو چکی تھی اور وہ بھی تشہد سے فارغ ہو چکے تھے تو اسکی نماز بھی پوری ہو چکی تھی، اسلئے کہ اسکی نماز پوری ہونے کے بعد مسبوق امام نے حدث کیا، اور اگر اسکی نماز ابھی باقی تھی تو نماز کے درمیان حدث ہونے کی وجہ سے اسکی نماز بھی فاسد ہو جائے گی ۔صحیح بات یہی ہے۔البتہ امام ابوحفص نے فرمایا کہ چونکہ امام اول شروع نماز سے شریک ہیں اسلئے چاہے اسکی رکعت باقی ہو پھر بھی اسکی نماز پوری ہو جائے گی اور فاسد نہیں ہوگی۔لیکن یہ روایت اتنی صحیح نہیں ہے۔

ترجمہ: (۳۹۳) پس اگر اصل امام نے پہلے حدث نہیں کیا اور تشہد کی مقدار بیٹھا پھر قہقہہ مارا، یا جان کر حدث کیا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی جس نے پہلی رکعت نہیں پایا۔

ترجمہ : ۱ امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک، اور صاحبینؒ نے فرمایا کہ اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

لغت : الامام الاول: اس عبارت میں اول کا لفظ صحیح نہیں ہے، اسلئے کہ دوسرا امام نہیں ہے شروع سے ایک ہی امام چل رہا ہے۔لم یدرک اول صلوتہ: اول صلوۃ کا مطلب یہ ہے کہ جو آدمی شروع سے نماز میں شریک نہ ہوا اسکو مسبوق کہتے ہیں۔

تشریح : تشہد کی مقدار بیٹھنے کے بعد امام نے قہقہہ مارا، یا جان کر حدث کیا تو امام کی نماز اور مدرک کی نماز پوری ہوگئی کیونکہ انکے لئے کوئی فرض باقی نہیں رہا۔لیکن جو شروع نماز سے ساتھ نہیں تھا جسکو مسبوق کہتے ہیں اسکی نماز امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک فاسد ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ امام نے جب حدث کیا تو امام کی نماز بھی فاسد ہوگئی تھی لیکن تمام فرائض پورے ہو گئے تھے اسلئے دوبارہ بناء کرنے کی ضرورت نہیں رہی، اسلئے نقص کے ساتھ نماز پوری سمجھ لی گئی۔لیکن مسبوق کی نماز ابھی باقی ہے اور اسکے فرائض بھی باقی ہیں اور اسکے درمیان ہی میں امام نے حدث کر دیا تو حقیقت میں امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے اس مسبوق کی نماز بھی فاسد ہو

۲؎ وان تکلم او خرج من المسجد لم تفسد فی قولھم جمیعا

جائے گی۔(۲) اس حدیث کے اشارے سے بھی پتہ چلتا ہے کہ جس نے اول نماز نہیں پائی اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔حدیث یہ ہے۔عن عبد اللہ بن عمر و قال : قال رسول اللہ ﷺ : اذا أحدث الامام بعد ما یرفع رأسہ من آخر سجدۃ و استوی جالساً تمت صلوتہ ، و صلوۃ من خلفہ ممن ائتم بہ ممن أدرک أول الصلوۃ ۔(دار قطنی ، باب من أحدث قبل التسلیم ، ج اول ، ص ۳۶۸ ، نمبر ۱۴۰۹) اس حدیث میں ہے کہ جو شروع نماز سے ہے اسکی نماز بھی پوری ہو جائے گی۔اسکا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس نے شروع نماز نہیں پائی اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔۔حدث سے نماز فاسد ہو جائے اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن علی بن طلق قال قال رسول اللہ ﷺ اذا فساء احدکم فی الصلوۃ فلینصرف فلیتوضأ ولیعد الصلوۃ . (ابوداؤد شریف ، باب اذا احدث فی الصلوۃ ، ص ۱۵۱ نمبر ۲۰۵) اس حدیث میں ہے کہ نماز میں حدث ہو جائے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔اور قہقہ مارنے سے نماز ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا اسکے لئے حدیث یہ ہے۔عن عمران بن حصین قال : سمعت رسول اللہ ﷺ یقول : من ضحک فی الصلوۃ قرقرۃ فلیعد الوضوء و الصلوۃ ۔(دار قطنی ، باب أحادیث القھقھۃ فی الصلوۃ وعللھا ، ج اول ، ص ۱۷۲ ، نمبر ۶۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قہقہ مار کر ہنسے گا تو نماز بھی ٹوٹے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

فائدہ : صاحبین فرماتے ہیں کہ امام مقتدی کی نماز کے صحیح ہونے میں اور نماز کے فاسد ہونے میں ذمہ دار ہے ، اور اس صورت میں امام کی نماز فاسد نہیں ہوئی اسلئے مسبوق مقتدی کی بھی نماز فاسد نہیں ہوگی۔جس طرح امام تشہد کے بعد بات کر لے یا مسجد سے نکل جائے تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔ امام ابو حنیفہؒ کا جواب یہ ہے کہ امام کی نماز بھی فاسد تو ہوگئی تھی لیکن چونکہ تشہد کے بعد حدث کیا تھا اسلئے دوبارہ بناء کرنے کی ضرورت نہیں ہوئی کیونکہ تمام فرائض پورے ہو گئے تھے۔لیکن حقیقت میں امام کی نماز فاسد ہو چکی تھی اسلئے مسبوق کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ۲؎ اور اگر امام نے تشہد کے بعد بات کی ، یا مسجد سے نکل گیا بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہوگی۔

تشریح : امام تشہد کی مقدار بیٹھا پھر سلام کر کے نکلنے کے بجائے بات کر لی ، یا مسجد سے نکل گیا جسکی وجہ سے امام اور مدرک کی نماز پوری ہوگئی ، اور ساتھ ہی مسبوق کی نماز بھی تینوں اماموں کے نزدیک پوری ہوگی فاسد نہیں ہوگی۔اسکی وجہ یہ ہے کہ بات کرنا اور مسجد سے نکلنا اتنی بڑی بدتمیزی نہیں ہے جتنی نماز میں جان کر حدث کرنا اور نماز میں قہقہہ مار کر ہنسنا۔اسلئے امام کے جان کر حدث کرنے سے اور قہقہہ مار کر ہنسنے سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی اور بات کرنے سے اور مسجد سے باہر نکلنے سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک بھی مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور صاحبینؒ کے نزدیک تو امام کے حدث اور قہقہہ سے بھی مسبوق کی

۳ لهما ان صلوٰة المقتدی بناء علیٰ صلوٰة الامام جواز اوفساد اولم تفسد صلوٰة الامام فکذا صلاته وصار کالسلام والکلام ۴ وله ان القهقهة مفسدة للجزء الذی یلاقیه من صلوٰة الامام فیفسد مثلهٔ من صلوة المقتدی غیران الامام لایحتاج الی البناء والمسبوق محتاج الیه والبناء علی الفاسد فاسد

نماز فاسد نہیں ہوئی تھی تو بات کرنے اور مسجد سے نکلنے سے فاسد کیسے ہوگی!

اصول : مسبوق کے درمیان نماز میں امام کی بدتمیزی بڑی ہو مثلا جان کر حدث کیا یا قہقہہ مار کر ہنسا تو مسبوق کی نماز فاسد ہوگی اور بدتمیزی کم ہو ہوتو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۳ صاحبینؒ کی دلیل یہ ہے کہ نماز کے جائز ہونے میں اور نماز کے فاسد ہونے میں مقتدی کی نماز کی بناء امام کی نماز پر ہوتی ہے ،اوراس صورت میں امام کی نماز فاسد نہیں ہوئی تو ایسے ہی مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی ، جیسے امام کے تشہد کے وقت امام کے سلام اور کلام سے مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔

تشریح : صاحبینؒ نے فرمایا تھا کہ تشہد کے وقت امام نے حدث کر دیا یا قہقہہ مار کر ہنس دیا تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی ، اسکی دلیل دے رہے ہیں [۱] کہ نماز کے جائز ہونے میں اور نماز کے فاسد ہونے میں مقتدی کی نماز امام کی نماز کے ساتھ بناء ہے ، اور امام کی نماز اس صورت میں فاسد نہیں ہوئی اسلئے کہ تمام فرائض کے پورے ہونے کے بعد کیا ہے ، اسلئے مسبوق مقتدی کی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔[۲] جس طرح اگر امام تشہد کے وقت بات کرتا ، یا سلام کرتا تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی اسی طرح جان کر اسکے حدث کرنے اور قہقہہ لگانے سے بھی مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: ۴ امام ابوحنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قہقہہ نماز کے جس حصے میں بھی واقع ہوا امام کے اس حصے کو فاسد کرتا ہے ، اسلئے اس حصے میں مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی ، یہ اور بات ہے کہ فرائض پورے ہونے کی وجہ سے امام کو بناء کی ضرورت نہیں ہے ، اور مسبوق کو بناء کی ضرورت ہے اور فاسد نماز پر بناء کرے گا تو اسکی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : امام ابوحنیفہؒ کی یہ دلیل عقلی ہے ، اور صاحبینؒ کو جواب بھی ہے۔انہوں نے فرمایا تھا کہ تشہد کے بعد امام نے جان کر حدث کیا یا قہقہہ لگایا تو مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔اسکی دلیل دے رہے ہیں کہ تشہد کے بعد امام نے جان کر حدث کیا یا قہقہہ لگایا تو اس نے تشہد کے بعد والی نماز کو فاسد کر دیا ، اور جب امام کی نماز فاسد ہوئی تو مسبوق مقتدی کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔البتہ یہ اور بات ہے کہ امام کے اور مدرک کے تمام فرائض پورے ہو گئے تھے اسلئے انکو دوبارہ نماز پڑھنے کی ضرورت نہیں اور نہ وضو کر کے اس پر بناء کرنے کی ضرورت ہے ، اور مسبوق کی ابھی پچھلی رکعت باقی ہے اسلئے اسکو بناء کرنے کی ضرورت ہے ، لیکن جب امام کی نماز فاسد ہونے کی وجہ سے اسکی بھی نماز فاسد ہو گئی ہے تو اب بناء کیسے کرے گا! ، کیونکہ فاسد پر بناء کرے گا تو اگلی نماز بھی فاسد ہو جائے

۵ بخلاف السلام لانه مُنهٍ والکلام فی معناه. ۶ وینتقض وضوء الامام لوجود القهقة فی حرمة الصلوة(۳۹۴) ومن احدث فی رکوعه اوسجوده توضأ وبنی ولا یعتد بالتی احدث فیها

گی اسلئے اسکی نماز فاسد ہوگئی۔

ترجمہ: ۵ بخلاف سلام کے اسلئے کہ وہ نماز کو پورا کرنے والا ہے، اور کلام بھی سلام ہی کے معنی میں ہے۔

تشریح: یہ صاحبین کے استدلال کا جواب ہے۔ انہوں نے فرمایا تھا کہ جس طرح امام تشہد کے بعد سلام کرے اور بات کرے تو مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوتی، اسی طرح حدث اور قہقہہ لگائے گا تو فاسد نہیں ہوگی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ جان کر حدث کرنے میں اور سلام اور کلام کرنے میں فرق ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ تشہد کے بعد امام سلام کرے گا تو نماز سنت کے طریقے پر پوری ہو جائے گی، خود امام کی نماز اس سے فاسد نہیں ہوگی، سلام تو نماز کو پورا کرنے والا ہے، اسلئے مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ منہ: کا ترجمہ ہے پورا کرنے والا۔ اور تشہد کے بعد امام نے کلام اور بات کی جس سے اسکی نماز ختم ہوئی تو کلام بھی ایک گونہ سلام کی طرح ہے، کیونکہ سلام، السلام علیکم، میں قوم کو خطاب ہے، اور بات میں بھی قوم کو خطاب ہے اسلئے کلام ایک گونہ سلام کے درجے میں ہے اسلئے تشہد کے بعد امام کے کلام کرنے سے مسبوق کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور جان کر حدث اور قہقہہ سلام کے درجے میں نہیں ہیں، ان میں تو بڑی بد تمیزی ہے اس لئے ان سے مسبوق کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ: ۶ قہقہہ کی وجہ سے امام کا وضو ٹوٹ جائے گا قہقہہ حرمت نماز میں پائے جانے کی وجہ سے۔

تشریح: نماز اللہ کے حضور میں سجدہ ریز ہونا ہے اسلئے اسکی حرمت ہے عزت اور احترام ہے۔ ایسی حرمت وعزت کے دوران قہقہہ جیسی بدتمیزی کرے گا تو امام کی نماز ٹوٹ جائے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گے۔ اسکے لئے حدیث یہ ہے ۔عن عمران بن حصین قال : سمعت رسول الله ﷺ یقول : من ضحک فی الصلوة قرقرة فلیعد الوضوء و الصلوة ۔(دار قطنی، باب أحادیث القھقھة فی الصلوۃ وعللھا، ج اول، ص۱۷۲، نمبر۶۰۲) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قہقہ مار کر ہنسے گا تو نماز بھی ٹوٹے گی اور وضو بھی ٹوٹ جائے گا۔

اصول: یہ مسائل اس اصول پر ہیں کہ کسی کے درمیان نماز میں حدث کر دے تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور تشہد کے بعد حدث واقع ہو تو نقص کے ساتھ نماز پوری ہو جائے گی۔

ترجمہ: (۳۹۴) کسی کو اسکے رکوع میں یا اسکے سجدے میں حدث ہوا تو وضو کرے گا اور بناء کرے گا، اور وہ رکوع یا سجدہ شمار نہیں کیا جائے گا جس میں حدث ہوا۔

ل لان اتمام الرکن بالانتقال ومع الحدث لایتحقق فلا بدمن الاعادة (۳۹۵) و لو کان اماماً فقدم غیره دام المقدم علی الرکوع ﴾

ترجمه : ل اسلئے کہ رکن منتقل ہونے سے پورا ہوتا اور حدث کی وجہ سے یہ متحقق نہیں ہوا اسلئے اس رکن کولوٹانا ضروری ہے۔

تشریح : کسی کو رکوع، یا جس سجدے میں حدث پیش آیا تو وہ وضو کرے گا اور اس پر بناء کرے گا، اور جس رکوع میں یا جس سجدے میں حدث پیش آیا تو وہ رکوع یا وہ سجدہ ادا نہیں ہوا اسکو دوبارہ ادا کرے اور وہیں سے بناء کرے۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ کوئی رکن اس وقت پورا ہوتا ہے جب اس سے منتقل ہوجائے اور یہاں اس سے منتقل ہونے کا موقع نہیں ملا کیونکہ اس میں حدث پیش آگیا، اسلئے وہ رکن شمار نہیں کیا جائے گا اسکو دوبارہ ادا کرے۔ (۲) اس اثر میں اسکا اشارہ ہے۔ عن سلمان قال : اذا أحدث أحدکم فی الصلوة فلینصرف غیر داع لصنعه فلیتوضأ ثم لیعد فی آیته التی کان یقرأ . (مصنف ابن ابی شیبة، ۴۴۸، فی الذی یقی ءأو یرعف فی الصلوة، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۹۰۲) اس اثر میں ہے کہ اس آیت سے دوبارہ شروع کرے جسکو وہ پڑھتا تھا جس کے اشارے سے معلوم ہوا کہ وہ قیام شمار نہیں ہوا جس میں اسکو حدث پیش آیا اسلئے وہ آیت بھی دوبارہ پڑھے اور قیام بھی دوبارہ کرے۔ اسی پر قیاس کرتے ہوئے وہ رکوع اور سجدہ بھی شمار نہیں کیا جائے گا جس میں حدث پیش آیا ہے۔

ترجمه : (۳۹۵) اگر امام ہے اور حدث ہونے کے بعد دوسرے کو آگے بڑھایا تو آگے بڑھنے والا رکوع پر ہی دوام کرے۔

تشریح : امام کو مثلا رکوع میں حدث ہوا اور رکوع ہی میں کسی کو خلیفہ بنایا تو خلیفہ شروع سے رکوع نہ کرے بلکہ جھکے جھکے رکوع ہی میں جائے اور رکوع کی مقدار مثلا تین تسبیح کے برابر رکوع میں رہے اور رکوع پورا کر کے آگے کے اعمال کرے، اسی کو ,استدامت علی الرکوع، کہتے ہیں۔ یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ امام کو جس رکن میں حدث ہوا ہے اسی رکن سے خلیفہ شروع کرے۔ اس سے پہلے سے بھی شروع نہ کرے اور بعد سے بھی نہ کرے۔

وجه : (۱) اس رکن سے پہلے سے شروع کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں ہے کہ وہ رکن تو امام ہی ادا کر چکا ہے۔ اور حدث والے رکن کے بعد سے اسلئے شروع نہ کرے کہ خود حدث والا رکن ابھی ادا نہیں ہوا ہے، اسلئے جس رکن میں حدث ہوا ہے اسی رکن پر استدامت کر کے اسی رکن سے شروع کرے۔ (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے وہیں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابوبکرؓ نے چھوڑا تھا، حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ فذهب ابو بکرؓ یتأخر ، فأشار الیه بیده مکانک فاستفتح النبی ﷺ من حیث انتهی ابو بکر من القرآن ۔ (سنن بیہقی، باب ماروی فی صلوۃ الاماموم قائما، الخ، ج ثالث، ص ۱۱۵، نمبر ۵۰۷۸ / مصنف ابن ابی شیبة، ۴۴۷، فی الرجل قدم الرجل یبدأ بالقرأة أو یقرأ من حیث انتهی، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۸۹۵) اس حدیث

ل لانہ یمکنہ الاتمام بالاستدامة (۳۹۶) ولو تذکر وهو راکع او ساجد ان علیه سجدة فانحطّ من رکوعه لها اورفع رأسه من سجوده فسجدها یعیدالرکوع والسجود ﴾ ل وهذا بیان الاولیٰ لتقع الافعال مرتبة بالقدر الممکن وان لم یعد اجزاه ﴾

میں ہے کہ حضورؐ نے وہاں سے قرأت شروع کی جہاں سے حضرت ابوبکرؓ نے چھوڑا تھا، اسلئے اسی رکن پر استدامت کرے جس رکن میں امام کو حدث پیش آیا ہے۔ (۳) یہ اثر بھی گزرا کہ اسی آیت سے شروع کرے جہاں حدث پیش آیا ہے۔ اثر یہ ہے۔ عن سلمان قال : اذا أحدث أحدكم فى الصلوة فلينصرف غير داع لصنعه فليتوضأ ثم ليعد فى آيته التى كان يقرأ. (مصنف ابن ابی شیبۃ، ۴۴۸، فی الذی یقیء أو یرعف فی الصلوۃ، ج ثانی، ص ۱۲، نمبر ۵۹۰۲) اس اثر میں ہے کہ اس آیت سے دوبارہ شروع کرے جسکو وہ پڑھتا تھا۔

ترجمه : ل اسلئے کہ اس رکوع کو دوام کے ساتھ پورا کرنا ممکن ہے۔

تشريح : یہ دلیل عقلی ہے، کہ مثلا رکوع پر دوام کیا جا سکتا ہے، اور امام نے رکوع میں خلیفہ بنایا تو رکوع ہی سے رکن شروع کیا جا سکتا ہے اسلئے رکوع ہی سے شروع کرے اور اسی پر استدامت کرے۔

ترجمه : (۳۹۶) رکوع میں کسی کو یاد آیا، یا سجدہ میں یاد آیا کہ اس پر کوئی اور سجدہ ہے، پس رکوع ہی سے وہ سجدے کے لئے جھک گیا، یا سجدے سے سر اٹھایا اور اس سجدے کو کر لیا تو رکوع اور سجدے کو لوٹائے گا۔

ترجمه : ل یہ افضل کا بیان ہے تا کہ ممکن مقدار تک افعال مرتب واقع ہو جائے۔ اور اگر رکوع سجدے کو نہ لوٹائے تب بھی کافی ہو جائے گا۔

تشريح : امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک یہ مسئلہ اس قاعدے پر ہے کہ طہارت کے ساتھ کسی رکن کو ادا کر کے اس سے منتقل ہو گیا تو وہ رکن ادا ہو گیا، اب دوبارہ اس رکن کو ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ البتہ ارکان کے درمیان ترتیب باقی رکھنے کے لئے دوبارہ اس رکن کو ادا کر لے تو بہتر ہے۔ اب مسئلے کی تشریح یہ ہے کہ ایک آدمی رکوع میں تھا کہ اسکو یاد آ گیا کہ اس نے سجدہ تلاوت کیا تھا اسکا سجدہ باقی تھا، اب رکوع سے کھڑا نہیں ہوا اور رکوع میں جھکا ہوا تھا کہ اس سے سر نہیں اٹھایا بلکہ جھکے ہوئے سے ہی نیچے سجدے میں چلا گیا اور تلاوت کا سجدہ ادا کر لیا، تو اس رکوع کو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے۔

وجه : کیونکہ طہارت کے ساتھ اس رکوع سے منتقل ہو چکا تھا اسلئے وہ رکوع ادا ہو گیا، اسلئے اس کو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، پہلا رکوع ہی کافی ہے۔ البتہ دوبارہ رکوع ادا کرے اور جو نماز پڑھ رہا تھا اس رکوع کے بعد اسکا سجدہ ادا کرے تو بہتر ہے، تا کہ رکوع کے بعد ترتیب کے ساتھ سجدہ ادا ہو جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ آدمی نماز کے سجدے میں تھا کہ اسکو یاد آیا کہ مجھپر سجدہ تلاوت باقی

۱ لان الترتیب فی افعال الصلوٰۃ لیس بشرط ۲ ولان الانتقال مع الطھارۃ شرط وقدوجد ۳ وعن ابی یوسفؒ انه یلزمهٗ اعادۃ الرکوع لان القومۃ فرض عنده

ہے، اس سجدے سے سر اٹھایا اور سجدہ تلاوت کرلیا، تو چونکہ نماز کے سجدے سے سر اٹھا کر اس سجدے کو پورا کرلیا ہے اسکے بعد تلاوت کا سجدہ کیا ہے اسلئے نماز کے سجدے کو دوبارہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ طہارت کے ساتھ سجدے سے منتقل ہو گیا تو وہ سجدہ ادا ہو گیا اسکو دوبارہ ادا کرنا لازم نہیں ہے، البتہ نماز کے سجدوں کے درمیان ترتیب باقی رکھنے کے لئے دوبارہ سجدہ کرلے تو بہتر ہے۔۔ نماز کے افعال کے درمیان ترتیب شرط نہیں ہے اسکی کھلی مثال یہ ہے کہ مسبوق امام کے ساتھ ملتا ہے تو پہلے آخیر کی رکعت پڑھتا ہے اور شروع کی رکعت امام سے فارغ ہونے کے بعد پڑھتا ہے، جس سے معلوم ہوا کہ نماز کے افعال کے درمیان ترتیب شرط نہیں ہے۔

اصول : طہارت کے ساتھ کسی رکن سے منتقل ہو گیا تو وہ رکن ادا ہو گیا ۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ نماز کے افعال میں ترتیب شرط نہیں ہے۔ تفصیل ابھی ایک سطر اوپر گزر گئی۔

ترجمہ : ۲ اور اسلئے کہ طہارت کے ساتھ رکن سے منتقل ہونا شرط ہے، اور وہ پایا گیا۔

تشریح : کوئی رکن مثلا رکوع ادا کر رہا ہو اور طہارت کے ساتھ اس سے منتقل ہو گیا اور دوسرے رکن کی طرف چلا گیا، اور اس رکن کے اندر حدث نہیں کیا تو وہ رکن ادا ہو گیا، اوپر کے مسئلے میں رکوع سے منتقل ہو گیا ہے اور سجدے سے منتقل ہو گیا ہے اسلئے وہ دونوں ادا ہو گئے۔

ترجمہ : ۳ اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ رکوع کا لوٹانا اسکو لازم ہوگا، اسلئے کہ قومہ انکے نزدیک فرض ہے۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کی ایک روایت ہے کہ نمازی رکوع میں جھکے جھکے تلاوت کے سجدے میں چلا گیا تو وہ رکوع ادا نہیں ہوا اسکو دوبارہ ادا کرنا چاہئے، اسکی وجہ یہ ہے کہ رکوع کے بعد کھڑا ہونا جسکو قومہ کہتے ہیں انکے نزدیک فرض ہے، اور اس فرض کو ادا نہیں کیا کیونکہ جھکے جھکے وہ سجدے میں چلا گیا تھا، اسلئے رکوع ادا نہیں ہوا اس لئے اس رکوع کو دوبارہ ادا کرنا چاہئے۔ انکے نزدیک قومہ فرض ہے اسکی تفصیل باب صفۃ الصلوۃ، مسئلہ نمبر ۲۸۱ میں گزر چکا ہے، انکے یہاں قومہ فرض ہونے کی دلیل یہ حدیث ہے ۔ **عن ابی مسعود الانصاری قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجزئ صلوۃ لا یقیم الرجل فیھا صلبه فی الرکوع و فی السجود** (ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبه فی الرکوع ولا السجود ص ۶۱ نمبر ۲۶۵ / ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبه فی الرکوع والسجود ص ۱۳۱ نمبر ۸۵۵ / بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعه بالاعادۃ ص ۱۰۹ نمبر ۷۹۳) ان احادیث سے امام ابو یوسفؒ کے نزدیک تعدیل الارکان کو فرض قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ اس کے بغیر نماز کافی نہیں

(۳۹۷) ومن امّ رجلاواحد افاحدث وخرج من المسجد فالماموم امام نوی اولم ینو ﴾ ١ لما فيه من صيانة الصلوٰة وتعيين الاول لقطع المزاحمة ولا مزاحمة

ہوگی۔(۲)عن ابی هريرة عن النبی ﷺ دخل المسجد فدخل رجل فصلی ثم جاء فسلم علی النبی ﷺ فرد النبی ﷺ علیه السلام فقال: ارجع فصل فانک لم تصل ....ثم ارکع حتی تطمئن راکعا ثم ارفع حتی تعتدل قائما ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ثم ارفع حتی تطمئن جالساً ، ثم اسجد حتی تطمئن ساجدا ، ثم افعل ذالک فی صلاتک کلها ۔ (بخاری شریف، باب امر النبی ﷺ الذی لا یتم رکوعہ بالاعادۃ ص۱۰۹ نمبر ۷۹۳؍ ترمذی شریف، باب ماجاء فی من لا یقیم صلبہ فی الرکوع ولا السجود ص۶۱ نمبر ۲۶۵)ابوداود شریف میں اس حدیث کے آخر میں یہ بھی زیادہ ہے۔ و قال فی آخره : اذا فعلت هذا فقد تمت صلاتک ، و ما انتقصت مَن هذا شيئاً فانما انتقصته من صلاتک . (ابوداؤد شریف، باب صلوۃ من لا یقیم صلبہ فی الرکوع والسجود ص۱۳۱ نمبر ۸۵۵؍)اس حدیث میں تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔اس حدیث سے حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام شافعیؒ ثابت کرتے ہیں کہ تعدیل ارکان فرض ہے۔کیونکہ تعدیل ارکان نہ کرنے کی وجہ سے حضورؐ نے نماز لوٹانے کا حکم دیا۔

ترجمه: (۳۹۷) کسی نے ایک ہی مرد کی امامت کی پھر حدث ہوگیا اور مسجد سے نکل گیا تو مقتدی خود ہی امام بن جائیگا امام نے اسکو امام بنانے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔

تشریح: امام کا ایک ہی مرد مقتدی تھا اور امام کو حدث ہوگیا اور اس مرد کو امام بنائے بغیر مسجد سے نکل گیا تو یہ مقتدی خود ہی اپنا امام بن جائے گا۔

وجه : (۱) کسی کو باضابطہ امام بنانے کی ضرورت اس وقت پڑتی ہے جب کہ کئی آدمی مقتدی ہو تو ان میں سے ایک کو متعین کیا جائے ،لیکن اگر ایک ہی ہو تو اس وقت تعین کی ضرورت نہیں ہے خود ہی وہ امام اپنا متعین ہوجائے گا۔(۲) اثر میں اسکا ثبوت ہے۔عن الزهری أن معاوية صلی بالناس فركع ، ثم طعن و هو ساجد أو راكع ، فسلم ثم قال :أتموا صلوتكم فصلی كل رجل لنفسه ، و لم يقدم احداً ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی، ص۳۵۶، نمبر ۳۶۸۷؍ سنن بیہقی باب الامام یخرج ولا یستخلف، ج ثالث، ص۱۶۲، نمبر ۵۲۵۹)اس اثر میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود بخود ہر ایک اپنا اپنا امام بن گئے۔

ترجمه: ١ اسلئے کہ اس میں اپنی نماز کو بچانا ہے۔ اور ایک کو متعین کرنا مزاحمت کو منقطع کرنے کے لئے ہے اور ایک آدمی میں کوئی مزاحمت نہیں ہے۔

(۳۹۸)ویتم الاول صلاته مقتدیا بالثانی ﴾ لِ کما اذا استخلفه حقیقة (۳۹۹) ولو لم یکن خلفه الا صبی او امرأة قیل تفسد صلاته ﴾ لِ لاستخلاف من لایصلح للامامة (۴۰۰) وقیل لا تفسد ﴾ لِ لانه لم یوجد الاستخلاف قصدا وهو لایصلح للامامة والله اعلم.

تشریح : یہ دلیل عقلی ہے۔ کہ امام کو حدث ہو گیا تو اب کوئی امام نہیں رہا، اور اس مقتدی کو اپنی نماز بچانا ہے اسلئے یہ اپنی نماز کو بچانے کے لئے خود امام بن جائے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ کئی آدمی ہو تو بھیڑ ہے اسلئے بھیڑ کو ختم کرنے لئے ایک کو امام متعین کرنا پڑتا تھا، اور یہاں ایک ہی آدمی ہے اسلئے کوئی بھیڑ نہیں ہے اسلئے یہ خود بخود امام بن جائے گا ۔

ترجمه: (۳۹۸) اور پہلا امام دوسرے کا مقتدی بن کر نماز پوری کرے گا۔

ترجمه : لِ جیسے کہ حقیقت میں اسکو خلیفہ بناتا۔

تشریح : ایک مقتدی خود امام بن گیا تو پہلا امام جب وضو کر کے آئے گا تو اس امام کا مقتدی بن جائے گا، اور اسکی اقتداء میں اپنی نماز پوری کرے گا، جیسے کہ حقیقت میں اسکو امام بناتا تو اسکی اقتداء میں اپنی نماز پوری کرتا، کیونکہ یہ آدمی بہر حال ابھی امام ہے۔

ترجمه: (۳۹۹) اور اگر امام کے پیچھے صرف بچہ، یا صرف عورت ہو تو بعض حضرات نے فرمایا کہ اس امام کی نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : لِ اسلئے کہ ایسے کو امام بنایا جو امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔

تشریح: امام کے پیچھے صرف بچہ تھا، یا صرف عورت تھی جو اس مرد کا امام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی ہے، اور امام کو حدث ہونے کی وجہ سے بچہ خود امام بن گیا، اور ظاہر ہے کہ یہ سابق امام جو مرد تھا اسکا بھی امام بن گیا، اور پہلے گزر چکا ہے کہ بچے کو مرد کا امام بنایا تو مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی، اسلئے اس مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی۔ کیونکہ ایسے آدمی کو امام بنایا جو مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے۔۔ یہی حال ہے کہ اگر مرد امام کے پیچھے صرف عورت تھی اور مرد کو حدث پیش آیا تو یہ عورت خود امام بن گئی، اور اس مرد کی بھی امام بنی اسلئے مرد کی نماز فاسد ہو جائے گی اب شروع سے نماز پڑھے۔ کیونکہ عورت مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ترجمه: (۴۰۰) اور بعض حضرات نے فرمایا کہ مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه : لِ اسلئے کہ قصداً خلیفہ بنانا نہیں پایا گیا، اور خود یہ لوگ مرد کی امامت کی صلاحیت نہیں رکھتے۔

تشریح : بعض حضرات نے فرمایا کہ مرد کی نماز فاسد نہیں ہوگی۔ اور اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ بچہ اور عورت خود امام بنے ہیں، سابق امام نے انکو امام بنایا نہیں ہے۔ اور ان لوگوں میں مرد کی امامت کی صلاحیت بھی نہیں ہے اسلئے یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ اشارہ کے طور پر انکو امام بنایا، اسلئے یہ لوگ صرف اپنا امام بنیں گے اور اپنی نماز پوری کریں گے، مرد کا امام نہیں بن سکیں گے، اور جب مرد کا امام نہیں

بنے تو اسکی نماز بھی فاسد نہیں ہوگی۔

وجه : اس اثر میں ہے کہ امام نے کسی کو امام نہیں بنایا تو ہر آدمی اپنا اپنا امام بنے گا دوسرے کا نہیں .عن الزهری أن معاوية صلی بالناس فرکع ، ثم طعن و هو ساجد أو راکع ، فسلم ثم قال :أتموا صلوتكم فصلی کل رجل لنفسه ، و لم يقدم احداً ۔(مصنف عبد الرزاق، باب الامام یحدث فی صلوتہ، ج ثانی،ص ۳۵۶،نمبر ۳۶۸۷/سنن بیھقی باب الامام یخرج ولا یستخلف، ج ثالث،ص ۱۶۲،نمبر ۵۲۵۹) اس اثر میں ہے کہ حضرت معاویہؓ نے کسی کو خلیفہ نہیں بنایا بلکہ خود بخود ہر ایک اپنا اپنا امام بن گئے۔

اصول : امام بننے کی صلاحیت ہو تو خود سابق امام کا امام بن جائے گا۔اور امام بننے کی صلاحیت نہ ہو تو سابق امام کا امام نہیں بن سکے گا۔

﴿باب مايفسد الصلوٰة وما يكره فيها﴾

(۴۰۱) ومن تكلم فى صلاته عامدا اوساهيا بطلت صلاته ﴾ ل خلافا للشافعيؒ فى الخطأ والنسيان ومفزعه الحديث المعروف.

﴿باب مايفسد الصلوة﴾

ترجمه: (۴۰۱) اگرنماز میں بھول کربات کی یاجان کربات کی تونماز باطل ہوجائے گی۔

تشـــريح: نماز میں بھول کربات کی یاجان کربات کی دونوں صورتوں میں نماز باطل ہوجائے گی اب اس پر بناء بھی نہیں کرسکتا دوبارہ شروع سے نماز پڑھنی ہوگی۔

وجه: (۱) حدیث میں ہے عن زيد بن ارقم قال كنا نتكلم فى الصلوة ،يكلم الرجل صاحبه وهوالى جنبه فى الصلوة حتى نزلت ﴿وقوموا لله قانتين ﴾(آیت ۲۳۸، سورة البقرة ۲) فامرنا بالسكوت ونهينا عن الكلام (مسلم شریف، باب تحريم الكلام فى الصلوة ونسخ ما كان من اباحته ص۲۰۴ نمبر ۵۳۹/۱۲۰۳/ابوداؤد شریف، باب النهى عن الكلام فى الصلوة ص۱۴۴ نمبر ۹۴۹/ترمذی شریف، باب فى نسخ الكلام فى الصلوة ص۹۲ نمبر ۴۰۵)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز میں کلام کرنا جائز نہیں ہے۔(۲)اور چونکہ نماز کی حالت نماز کو یاد کرنے کی حالت ہے اس لئے اس میں بھول کر کلام کرنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔ چنانچہ دوسری حدیث میں اس کا اشارہ موجود ہے۔ یہ صاحب ھدایہ کی پیش کردہ حدیث بھی ہے۔ عن معاوية بن حكم السلمى قال بينا انا اصلى مع رسول الله ﷺ ... ثم قال ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شىء من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراءة القرآن (مسلم شریف، باب تحريم الكلام فى الصلوة ونسخ ما كان من اباحته ص۲۰۳ نمبر ۵۳۷/۱۱۹۹)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔اس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بولنا بھی نماز کو فاسد کرے گا۔(۳)عن عبد الله بن مسعود ، و هذا حديث القاسم قال : كنت آتياً النبى ﷺ ....فقال : ان الله عز و جل يعنى احدث فى الصلوة أن لا تكلموا الا بذكر الله ، و ما ينبغى لكم ، و أن تقوموا لله قانتين . (نسائی شریف، باب الكلام فى الصلوة، ص۱۷۰، نمبر ۱۲۲۱)اس حدیث میں ہے کہ اللہ کے ذکر کے علاوہ کوئی بات نہ کرے۔اسلئے جان کر اور بھول کر دونوں قسم کی باتوں سے نماز فاسد ہوجائے گی۔(۴)اثر میں ہے. عن الحسن و قتادة و حماد قالوا فى رجل سها فى صلوته فتكلم قالوا : يعيد صلوته ۔(مصنف عبدالرزاق، باب الكلام فى الصلوة، ج ثانی، ص۳۳۱، نمبر ۳۵۷۳)اس اثر سے معلوم ہوا کہ بھول کر بھی بولے گا تو نماز باطل ہوجائے گی دوبارہ نماز پڑھے۔

ترجمه: ل خلاف امام شافعیؒ کے خطاء اور بھول کے اندر، اور انکی دلیل مشہور حدیث ہے۔

تشریح : جان کر نماز میں بات کرے تو انکے یہاں بھی نماز باطل ہوتی ہے لیکن اگر بھول کر یا غلطی سے نماز میں بات کر لے تو انکے یہاں نماز فاسد نہیں ہوتی۔موسوعۃ میں عبارت یہ ہے۔قال الشافعیؒ : فبھذا کله نأخذ، فنقول : ان حتماً أن لا یعمد أحد للکلام فی الصلوة و هو ذاکر لانه فیها فان فعل انتقضت صلوته ، و کان علیه أن یستأنف صلاۃ غیرها . (موسوعۃ نمبر۱۴۹۰)قال الشافعیؒ : و من تکلم فی الصلوة و هو یری أنه قد اکملها أو نسی أنه فی الصلوة فتکلم فیها بنی علی صلوته و سجد للسهو ۔(موسوعۃ للشافعیؒ، باب الکلام فی الصلوۃ، ج ثانی،ص ۲۰۸،نمبر ۱۴۹۱)اس عبارت میں ہے کہ جان کر نماز میں بات کی تو فاسد ہوگی اور اگر اسے یاد نہیں ہے کہ میں نماز میں ہوں اور بات کر لی تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجه: امام شافعیؒ کے نزدیک بھول کر کلام کرنے سے اور امام مالکؒ کے نزدیک اصلاح نماز کے لئے کلام کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔اسکی وجہ یہ حدیث ہے جسکی طرف صاحب ھدایہ نے اشارہ کیا ہے ۔(۱) عن ابی ذر الغفاری قال قال رسول الله ﷺ ان الله تجاوز لی عن امتی الخطأ ، و النسیان،و ما استکرهوا علیه ۔(ابن ماجہ شریف، باب طلاق المکرہ والناسی، ص۲۹۳،نمبر ۲۰۴۳)اس حدیث میں ہے کہ میری امت سے غلطی سے اور بھول سے کوئی بات ہوگئی ہو تو اسکو معاف کر دئے ہیں اسلئے غلطی سے بات کی ہو یا بھول سے بات کی ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔(۲)عن ابی هریرة أن رسول الله ﷺ انصرف من اثنتین ، فقال له ذو الیدین : أقصرت الصلوة أم نسیتَ یا رسول الله ؟ فقال رسول الله ﷺ : أصدق ذو الیدین ؟ فقال الناس : نعم ، فقام رسول الله ﷺ فصلی اثنتین أخریین ، ثم سلم ، ثم کبر ، فسجد مثل سجوده أو اطول ۔(بخاری شریف، باب ھل یأخذ الامام اذا شک بقول الناس؟ ص۹۹،نمبر۷۱۴/ابوداود شریف، باب السهو فی السجدتین، ص۱۵۳،نمبر ۱۰۰۸)اس حدیث میں ہے کہ بات کرنے کے بعد دو رکعتیں پڑھی جس سے معلوم ہوا کہ بھول کر بات کرنے سے یا اصلاح کے لئے بات کرنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی ہے۔(۳)ان کی دلیل یہ لمبی حدیث ہے جس کا ایک ٹکڑا یہاں نقل کرتا ہوں۔عن عبد الله قال صلی رسول الله ﷺ فزاد او نقص قال ابراهیم الوهم منی فقیل یا رسول الله انه ازید فی الصلو ة شیء ؟ فقال انما انا بشر مثلکم انسی کما تنسون فاذا نسی احدکم فلیسجد سجدتین و هو جالس ثم تحول رسول الله فسجد سجدتین (مسلم شریف، فصل من صلی خمسا اونحوه فلیسجد سجدتین وکلام الناس للصلوۃ والذی یظن انه لیس فیها لا یبطلها ص ۲۱۳ نمبر ۱۲۸۵/۵۷۲/ترمذی شریف، باب ما جاء فی سجدتی السهو بعد السلام والکلام ص۹۰ نمبر ۳۹۳)اس حدیث میں اصلاح نماز کے لئے یا بھول کر آپ نے کلام کیا ہے پھر سجدۂ سہو کر کے نماز پوری کی ہے اس لئے امام شافعی فرماتے ہیں کہ بھول کر یا اصلاح نماز کے لئے کلام کیا ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ھمارا جواب : ہم کہتے ہیں کہ خود ترمذی اور مسلم نے باب باندھ کر بتایا ہے کہ کلام کرنا اب منسوخ ہو چکا ہے چاہے جیسا بھی

۲ ولنا قوله عليه السلام ان صلاتنا هٰذه لايصلح فيها شئ من كلام الناس وانما هى التسبيح والتهليل وقراء ة القراٰن ۳ وما رواه محمول علىٰ رفع الاثم ۴ بخلاف السلام ساهيا لانه من الاذكار فيعتبر ذكرا فى حالة النسيان وكلامًا فى حالة التعمد لما فيه ,كاف، الخطاب

ہو۔اشارے سے سلام کا جواب دینے کی ممانعت اس حدیث میں ہے۔ عن جابر بن سمرة قال كنا اذا صلينا مع رسول الله ﷺ قلنا السلام عليكم ورحمة الله ،السلام عليكم ورحمة الله واشار بيده الى الجانبين فقال رسول الله ﷺ علام تؤمون بايديكم كانها اذناب خيل شمس انما يكفى احدكم اى يضع يده على فخذه ثم يسلم على اخيه من على يمينه و شماله ۔(مسلم شریف، باب الامر بالسکون فی الصلوۃ والنہی عن الاشارۃ بیدہ الخ ص۱۸۱ نمبر ۴۳۱ /۹۷۰ /ابوداؤد شریف، باب رد السلام فی الصلوۃ ص۱۴۰ نمبر ۹۲۳) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہاتھ کے اشارے سے بھی سلام کا جواب نہیں دینا چاہئے ۔

ترجمه: ۲ اور ہماری دلیل حضور علیہ السلام کا قول: کہ ہماری یہ نماز انسان کے کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی ،نماز صرف تسبیح ،تھلیل ،اور قرأت قرآن کا نام ہے۔۔یہ حدیث اوپر گزر گئی ۔عن معاوية بن حكم السلمى قال بينا انا اصلى مع رسول الله ﷺ ... ثم قال ان هذه الصلوة لا يصلح فيها شىء من كلام الناس انما هو التسبيح والتكبير وقراء ة القرآنَ (مسلم شریف، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص۲۰۳ نمبر ۵۳۷/ ۱۱۹۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نماز لوگوں کے کلام کی کچھ بھی صلاحیت نہیں رکھتی۔

ترجمه: ۳ اور جو امام شافعیؒ نے حدیث پیش کی اسکا مطلب یہ ہے کہ وہ گناہ کے نہ ہونے پر محمول ہے۔

تشـــريح : حضرت امام شافعیؒ نے حدیث پیش کی تھی جس میں تھا کہ میری امت سے خطاء اور نسیان اٹھالی گئی ہے۔اسکا جواب دے رہے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ آخرت میں خطاء اور نسیان کی سزا نہیں ہوگی اور اسکا گناہ نہیں ہوگا ،لیکن دنیا میں اسکا اثر ہوگا ،اور غلطی سے کسی نے نماز میں بات کی یا بھول کر کسی نے بات کی تو نماز ٹوٹ جائے گی ، کیونکہ حدیث میں یہی ہے۔

ترجمه: ۴ بخلاف بھول کر سلام کے اسلئے کہ وہ ذکر میں سے ہے ،اسلئے بھول کی حالت میں سلام کو ذکر سمجھا جائے گا اور جان کر سلام کرنے کی حالت میں اسکو کلام سمجھا جائے گا ،اسلئے کہ ،اسلام علیکم، میں ،کم ،خطاب کا صیغہ ہے۔

تشريح : یہ ایک مسئلے کی وضاحت ہے۔مسئلہ نمبر ۳۹۳ میں گزرا کہ سلام سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔مسئلہ یہ ہے کہ نماز کے درمیان السلام علیکم ، جان کر کہے تو نماز فاسد ہوگی اور اگر بھول کر ،السلام علیکم ، کہے تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔ پس اگر یہ کلام ہے تو جان کر اور بھول کر دونوں صورتوں میں نماز فاسد ہونی چاہئے ،اور اگر ذکر ہے تو جان کر بولنے سے بھی نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے ۔اسلئے اسکی

(۴۰۲) فان اَنَّ فيها اوتاوّه اوبكى فارتفع بكاؤه فان كان من ذكر الجنة اوالنار لم يقطعها ﴾ لانه يدل علىٰ زيادة الخشوع وان كان من وجع اومصيبة قطعها ﴾

وضاحت فرماتے ہیں کہ السلام علیک ایھا النبی ،التحیات میں ہے اسلئے یہ ذکر ہے،اسلئے بھول کرنماز میں بولے گا تو نماز فاسد نہیں ہوگی۔اوراس میں ،کم ،کا صیغہ بھی ہے جو انسان سے خطاب ہے اسلئے جانکر بولے گا تو نماز فاسد ہو جائے گی ،اس وقت یہ انسانی کلام کے مشابہ ہو جائے گا۔

وجه : حدیث میں یہ بھی ہے کہ نماز میں سلام کرنے سے منع فرمایا،حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال : لا غرار فی الصلوة و لا تسليم . (ابوداود شریف،باب ردالسلام فی الصلوۃ،ص۱۴۱،نمبر ۹۲۸)اس حدیث میں ہے کہ نماز میں سلام نہیں ہے،اس حدیث کی وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر جان کر سلام کیا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔اورحدیث میں یہ بھی ہے کہ آپ نماز ہی میں سلام کا جواب دیا کرتے تھے۔حدیث یہ ہے۔عن صهيب انه قال : مررت برسول الله ﷺ و هو يصلى فسلمتُ عليه ، فرد اشارة ، قال : و لا أعلمه الا قال اشارة باصبعه ، و هذا لفظ حديث قتيبة ۔(ابوداود شریف، باب ردالسلام فی الصلوۃ،ص۱۴۱،نمبر ۹۲۸)اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ اشارے سے سلام کا جواب دیتے تھے،اس حدیث سے استدلال کرتے ہیں کہ بھول کر سلام کر دیا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔سلام کے بارے میں حنفیہ نے دونوں حدیثوں پر عمل فرمایا۔

لغت: تکلم: کلام سے مشتق ہے،جس آواز میں حرف ہو اور اس سے کوئی مراد سمجھ میں آتی ہو تو اسکو کلام کہتے ہیں۔بعض مرتبہ ایک حرف کا بھی کلام ہو جاتا ہے جیسے ،ق،بچو،اس سے بچنے کا مفہوم سمجھ میں آتا ہے اسلئے یہ بھی کلام ہے۔عامداً: جان کر۔ساھیاً:سہو سے مشتق ہے، بھول کر کلام کرنا خطاء: غلطی سے ،نسیان : بھول کر۔مفزعہ: فزع سے مشتق ہے ، پناہ لینے کی جگہ، یہاں مراد ہے استدلال کرنے کی چیز۔اثم: گناہ۔

ترجمه: (۴۰۲)اگر نماز میں کوئی کراہا، یا آہ کیا، یارو دیا اور اسکا رونا بلند ہوا،پس اگر یہ جنت یا جہنم کے ذکر سے ہوا تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اسلئے کہ یہ خشوع کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے۔اوراگر کسی درد یا مصیبت کی وجہ سے ہوا تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

تشریح : نماز میں کراہنا، یا آہ،آہ کرنا، یارونا اگر آہستہ سے ہے جس میں آواز نہ نکلے اور حروف پیدا نہ ہو تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔کیونکہ بات کرنے سے اور حروف پیدا ہونے سے نماز ٹوٹتی ہے اس سے پہلے نہیں۔اسکی دلیل مسئلہ نمبر ۴۰۱ میں گزر چکی ہے ۔اوراگر ایسی آواز نکلی جس میں حروف بھی پیدا ہو گئے۔پس اگر رونے کی وجہ سے یہ آواز جنت یا جہنم کی یاد کی وجہ سے ہوئی ہے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی ، کیونکہ اس سے تو پتہ چلتا ہے کہ نماز میں خشوع اور خضوع بہت زیادہ ہوا جسکی وجہ سے آدمی رو پڑا ، اور نماز میں خشوع خضوع مطلوب ہے اسلئے نماز نہیں ٹوٹے گی۔اوراگر درد اور مصیبت کی وجہ سے رویا اور آواز اور حروف نکل گئے تو نماز ٹوٹ

ل لان فيه اظهار الجزع والتاسف فكان من كلام الناس

جائے گی۔

وجہ : (ا) آیت میں ہے کہ مومن کے سامنے رحمٰن کی آیتیں پڑھی جاتیں ہیں تو وہ سجدہ کرتے ہوئے روپڑتے ہیں، جس سے معلوم ہوا کہ سجدے میں خشوع سے روپڑے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔ آیت یہ ہے۔ **اذا تتلی علیهم آیات الرحمن خروا سجداً و بکیاً** ۔ (آیت نمبر ۵۸، سورۃ مریم ۱۹) (۲) حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نماز میں رویا کرتے تھے۔ حدیث یہ ہے۔ **عن مطرف عن ابیه قال رأیتُ رسول الله ﷺ یصلی و فی صدره أزیر کأزیر الرحی من البکاء ﷺ** . (ابو داود شریف، باب البکاء فی الصلوۃ، ص ۱۳۸، نمبر ۹۰۴) اس حدیث میں ہے کہ حضور نماز میں رویا کرتے تھے اور یہ جنت یا جہنم کی یاد سے رونا ہوتا تھا اسلئے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی تھی۔ (۳) حضرت ابو بکرؓ کے بارے میں حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ وہ نماز میں اتنا روئیں گے کے لوگ اسکی قرأت بھی نہ سن سکیں گے۔ حدیث کا ٹکڑا یہ ہے۔ **عن عائشة ام المؤمنین ....قالت عائشة : قلتُ ان ابا بکر اذا قام فی مقامک لم یسمع الناس من البکاء فمر عمر فلیصل** . (بخاری شریف، ما یکرہ من التعمق والتنازع فی العلم والغلو فی الدین والبدع، ص ۱۲۵۵، نمبر ۷۳۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضرت ابو بکر اتنے روئیں گے کے لوگ انکی قرأت بھی نہ سن پائیں گے، اور یہ خشوع کی وجہ سے تھا اسلئے نماز نہیں ٹوٹے گی (۵) اس حدیث میں ہے کہ نماز کسوف میں خوف خدا سے اُف اُف نکل گیا پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی۔ حدیث یہ ہے۔ **عن عبد الله بن عمر قال : انکسفت الشمس علی عهد رسول الله ﷺ فقام رسول الله ﷺ لم یکد یرکع ....ثم نفخ فی آخر سجوده فقال ((أف أف))** (ابوداود شریف، باب من قال یرکع رکعتین [فی صلوۃ الکسوف] ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۹۴) اس حدیث میں ہے کہ اُف اُف کہا لیکن چونکہ یہ آواز خوف خدا کی وجہ سے تھی اسلئے اس سے نماز نہیں ٹوٹی۔

اور درد یا مصیبت کی وجہ سے رویا اور آواز نکل گئی اور حروف بھی نکل گئے تو یہ بات اور کلام کے درجے میں ہے اس لئے اس سے نماز ٹوٹ جائے گی، کیونکہ پہلے گزر چکا ہے کہ نماز میں بات کرنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ اس میں گھبراہٹ اور افسوس کا اظہار کرنا ہے تو یہ کلام الناس میں سے ہو گیا۔ [اسلئے اس سے نماز ٹوٹ جائے گی]

تشریح : یعنی اگر درد یا مصیبت کی وجہ سے رویا اور آواز نکل گئی اور اس میں حروف بھی نکل گئے تو اس سے نماز ٹوٹ جائے گی اب دوبارہ شروع سے نماز پڑھے۔ اس لئے کہ یہ انسانی کلام ہو گیا۔ اور پہلے گزر چکا ہے کہ انسانی کلام سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔

۲ وعن ابی یوسفؒ ان قوله اٰه لم یفسد فی الحالین واوه یفسد وقیل الاصل عنده ان الکلمة اذا اشتملت علیٰ حرفین وهما زائدتان او احدٰهما لاتفسدوان کانتا اصلیتین تفسد ۳ وحروف الزوائد جمعوها فی قولهم, الیوم تنساه، ۴ وهذا لایقوی لان کلام الناس فی متفاهم العرف یتبع وجود حروف الهجاء وافهام المعنی ویتحقق ذٰلک فی حروف کلها زوائد

ترجمہ: ۲ حضرت امام ابو یوسفؒ سے منقول ہے کہ آدمی کا قول,اٰہ، سے دونوں حالتوں [یعنی خشوع کی حالت اور مصیبت کی حالت] میں نماز نہیں ٹوٹے گی ۔اور,اوہ، سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔ کہا گیا ہے کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں اصل قاعدہ یہ ہے کہ جملہ اگر دو حروف کا ہو اور دونوں حروف زوائد ہوں، یا دونوں میں سے ایک حرف زائد ہو اور ایک حرف صحیح ہو تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔اور اگر جملہ کا دونوں حروف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ کے یہاں یہ قاعدہ بیان کیا جاتا ہے کہ [۱] اگر جملہ دو حروف کا ہو اور دونوں حروف زائد ہوں [۲] یا ایک حرف زائد ہو اور ایک حرف اصلی ہو تو نماز میں اس جملے کے نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی [۳] اور جملے کے دونوں حروف اصلی ہوں تو نماز فاسد ہو جائے گی [۴] اور اگر جملہ تین حروف کا ہو چاہے وہ اصلی ہو یا زائد ہو تو اس کے نکلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔اسکی دلیل یہ بتاتے ہیں کہ ۔کلام عرب میں تین حروف سے جملہ بنتا ہے، اسلئے تین حروف زائد ہوں یا اصلی اس سے جملہ بن جائے گا اور نماز میں اسکے نکلنے سے نماز ٹوٹ جائے گی ۔اور دو حروف اصلی ہوں تو بھی تین حروف کے درجے میں ہیں اسلئے انکے نکلنے سے بھی نماز ٹوٹ جائے گی ۔اور دونوں حروف زائد ہوں یا ایک حرف زائد اور ایک حرف اصلی ہو تو چونکہ زائد کا اعتبار نہیں ہے اسلئے جملہ نہیں بنا اسلئے اسکے نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔اس قاعدے کے اعتبار سے ,اٰہ، میں دو حروف ہیں اور دونوں حروف زائد ہیں اسلئے جملہ نہیں بنا اسلئے اسکے نکلنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی ،اور ,اوہ، میں تین حروف ہیں اگر چہ وہ تینوں حروف زائد ہیں مگر ان سے جملہ بن گیا اسلئے اسکے نکلنے سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔

ترجمہ : ۳ حروف زوائد کو جمع کیا لوگوں کا قول ,الیوم تنساہ ، میں ۔

تشریح : جن حروف سے کلام عرب کے جملے بنتے ہیں ان حروف میں سے دس حرفوں کو زوائد کہتے ہیں، اور باقی حروف اصلی ہیں، ان دس حرفوں کو اوپر کا جملہ , الیوم تنساہ، میں جمع کر دیا گیا ہے وہ حروف یہ ہیں اَ، ل، ی، و، م، ت، ن، س، ا، ہ ۔ان دس حرفوں کو حروف زوائد کہتے ہیں ۔

ترجمہ: ۴ لیکن یہ قاعدہ کوئی مضبوط نہیں ہے، اسلئے کہ لوگوں کا کلام عرف میں تابع ہے حروف ھجاء کے پائے جانے میں اور معنی کے سمجھنے میں، اور یہ تمام حروف زوائد ہوں تب بھی متحقق ہو جائے گا ۔

(۴۰۳) وان تنحنح بغير عذر ﴿بان لم يكن مدفوعًا اليه وحصل به الحروف ينبغي ان يفسد عندهما وان كان بعذر فهو عفو كالعطاس والجشاء﴾ اذا حصل به حروف

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ نے جو قاعدہ بیان فرمایا اسکے بارے میں فرماتے ہیں کہ یہ قاعدہ مضبوط نہیں ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ کلام الناس دو باتوں سے بنتا ہے [۱] ایک تو یہ کہ ہجے والے حروف ہوں یعنی الف، ب، ت، وغیرہ حروف ہوں اور [۲] دوسری بات یہ ہے کہ اس سے کوئی مفہوم سمجھ میں آتا ہو تب اسکو کلام الناس کہیں گے چاہے تمام حروف حروف زوائد ہوں یا زوائد نہ ہوں ، چنانچہ کسی نے نماز میں **الیوم تنساہ** ، کہا، اب اس میں تمام حروف زوائد ہیں لیکن اس میں مبتداء اور خبر ہے اور پورا جملہ ہے اور اسکا معنی بھی سمجھ میں آتا ہے اسلئے یہ کلام الناس ہو جائیگا اور نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

صاحب نہایہ نے فرمایا کہ حضرت امام ابو یوسفؒ نے یہ فرمایا ہے کہ جملہ دو حروف سے زائد کا ہو تو تمام حروف زوائد ہوں تب بھی جملہ پورا ہو جاتا ہے اور اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ، اور الیوم تنساہ ، میں تو تین حروف سے زائد ہیں اسلئے اس سے بدرجہ اولی جملہ پورا ہو جائے گا اسلئے صاحب ھدایہ کا اعتراض صحیح نہیں ہے۔

لغت : انّ: انین سے مشتق ہے، رونا۔ تاوّہ: اوہ، اوہ، کرنا۔ وجع: درد۔ الیوم تنساہ: آج تم اسکو بھول چکے ہو۔ حروف الھجاء: ا، ب، ت، ث، وغیرہ تمام حروف کو حروف ھجاء کہتے ہیں، جن سے جملے بنتے ہیں۔

ترجمہ: (۴۰۳) اگر بغیر عذر کے کھنکھارا۔ حالانکہ اسکو کھنکھارنے کی مجبوری نہیں تھی، اور اس سے حروف پیدا ہو گئے تو مناسب یہ ہے کہ امام محمد اور امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے۔ اور اگر عذر کی وجہ سے ہو تو وہ معاف ہے۔ جیسے چھینکنے اور ڈکار سے حروف پیدا ہو جائے تو معاف ہے۔

تشریح : عذر کی وجہ سے کھنکھارا تو تینوں اماموں کے نزدیک اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ، وہ معاف ہے، جس طرح چھینک آجائے اور اس سے حروف پیدا ہو جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی ، یا ڈکار آجائے اور اس سے آواز پیدا ہو جائے تو اس سے نماز نہیں ٹوٹے گی۔ اور اگر کھنکھارنے کی مجبوری نہیں تھی ، اور نہ اسکی ضرورت تھی پھر بھی کھنکھار لیا اور آواز پیدا ہو گئی تو امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز فاسد ہو جائے۔

وجہ : (۱) مجبوری کی وجہ سے نماز فاسد نہیں ہو گی اسکی دلیل یہ حدیث ہے۔ **عن عبد الله بن عمر قال : انكسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فقام رسول الله ﷺ لم يكد يركع .... ثم نفخ في آخر سجوده فقال ((أف أف))** (ابو داود شریف ، باب من قال یرکع رکعتین [فی صلوۃ الکسوف] ص ۱۷۸، نمبر ۱۱۹۴) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے نماز میں پھونک ماری لیکن یہ مجبوری کی وجہ سے تھی اسلئے نماز فاسد نہیں ہوئی اسی پر قیاس کرتے ہوئے مجبوری کے درجے

(۴۰۴) ومن عطس فقال لهٗ اٰخر یرحمک اللّٰہ وھو فی الصلوٰۃ فسدت صلاتہ﴾ ۱؎ لانہ یجری فی مخاطبات الناس فکان من کلامھم بخلاف ما اذا قال العاطس او السامع الحمدللہ علی ماقالوا لانہ لم یتعارف جوابًا

میں کھنکھارا تو نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

اور بغیر مجبوری کے ہو تو یہ بات اور کلام کے درجے میں ہے اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔ اثر یہ ہے ۔ **سمع ابن عباس یقول : من نفخ فی الصلوۃ فقد تکلم** ۔ (مصنف عبد الرزاق ، باب النفخ فی الصلوۃ ، ج ثانی ، ص ۱۸۹ ، نمبر ۳۰۱۷ / سنن بیہقی ، باب ما جاء فی النفخ فی موضع السجود ، ج ثانی ، ص ۳۵۸ ، نمبر ۳۳۶۴) اس اثر میں ہے کہ نماز میں پھونک مارنا کلام کرنے کی طرح ہے یعنی جس طرح کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح پھونک مارنے سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی ، اور کھنکھارنا بھی پھونک مارنے کی طرح ہے اسلئے اگر بغیر مجبوری کے کھنکھارنے سے بھی حروف اور آواز نکل جائے جس سے کوئی بات سمجھ میں آتی ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی ، کیونکہ بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے ۔

لغت : تنحنح : کھنکھارنا ۔ عطاس : عطس سے مشتق ہے ، چھینکنا ، یا چھینکنے کا جواب دینا ۔ جثاء : ڈکار مارنا ۔

ترجمہ : (۴۰۴) کسی کو چھینک آئی تو دوسرے نے اسکو یرحمک اللہ ، کہا ، اور وہ نماز میں تھا تو اسکی نماز فاسد ہو جائے گی ۔

تشریح : ۔ کسی کو چھینک آئی تو دوسرے نے مخاطب کے صیغے کے ساتھ ، یرحمک اللہ ، کہا تو چونکہ اس میں خطاب کا صیغہ ہے اسلئے یہ جواب ہو گیا یہ ذکر نہیں رہا بلکہ کلام الناس ہو گیا اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی ۔ اور اگر ک ، خطاب کا صیغہ نہیں ہوتا بلکہ صرف الحمد للہ ہوتا تو چونکہ وہ خطاب کا صیغہ نہیں ہے اور کلام الناس نہیں ہے اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

وجہ : (۱) **عن معاویۃ بن حکم السلمی قال بینا انا اصلی مع رسول اللہ ﷺ اذ عطش رجل من القوم ، فقلت : یرحمک اللہ ! فرمانی القوم بأبصارھم ... قال ان ھذہ الصلوۃ لا یصلح فیھا شیء من کلام الناس انما ھو التسبیح والتکبیر وقراءۃ القرآن** ۔ (مسلم شریف ، باب تحریم الکلام فی الصلوۃ ونسخ ما کان من اباحتہ ص ۲۰۳ نمبر ۵۳۷ / ۱۱۹۹ / ابو داود شریف ، باب تشمیت العاطش فی الصلوۃ ص ۱۴۲ ، نمبر ۹۳۰) اس حدیث میں یرحمک اللہ ، ک ، خطاب کے ذریعہ سے چھینک کا جواب دیا تو صحابہ نے اسکا انکار کیا اور گھور کر دیکھنے لگے ، اور حضور ؐ نے اسکو کلام شمار کرتے ہوئے فرمایا کہ نماز کلام کی صلاحیت نہیں رکھتی بلکہ ذکر کی چیز ہے ، اس سے معلوم ہوا کہ خطاب کے ساتھ چھینک کا جواب دیا تو نماز فاسد ہوگی ، اور ک ، خطاب کے ساتھ جواب نہیں دیا تو اس جملے کو ذکر پر محمول کر کے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ خطاب کا جملہ ہو تو وہ لوگوں کے مخاطبات میں جاری ہوتا ہے ۔ بخلاف جبکہ چھینک کے جواب دینے والے

(۴۰۵) وان استفتح ففتح علیه فی صلاته﴾ لے تفسد ومعناه ان يفتح المصلی علیٰ غیر امامه لانه تعليم وتعلم فكان من كلام الناس

مصلی نے، یا سننے والے مصلی نے صرف الحمدللہ، کہا تو مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ جواب کے طور پر متعارف نہیں ہے [اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی]

تشریح : یرحمک اللہ، ک، خطاب کے ساتھ کہا تو یہ لوگوں کے ساتھ گفتگو ہے اسلئے یہ کلام الناس ہو گیا اسلئے نماز میں کہنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اور اگر بغیر ک، خطاب کے کہا تو یہ لوگوں میں جواب کے طور پر متعارف نہیں ہے اسلئے یہ ذکر ہو گیا، کلام الناس نہیں ہوا اسلئے نماز میں کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه : (۴۰۵) اگر اپنے امام کے علاوہ نے لقمہ مانگا اور اسکو اسکی نماز میں لقمہ دیا تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

تشریح : کوئی آدمی نماز میں قرأت بھول گیا اور بار بار دہرانے سے بھی آیت یاد نہیں آرہی ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ چاہ رہا ہے کہ کوئی آدمی مجھے یہ آیت بتلائے، جسکو لقمہ مانگنا کہتے ہیں، اب دوسرا آدمی جو اسکا مقتدی نہیں تھا اسکو لقمہ دے دیا، تو جس نے لقمہ دیا اسکی بھی نماز فاسد ہو جائے گی، اور جس نے لقمہ قبول کیا اسکی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ لقمہ دینا تعلیم اور تعلم ہے، اور کلام کے درجے میں ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ نماز میں کلام کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسلئے لقمہ دینے اور لقمہ لینے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز اسلئے فاسد نہیں ہوگی کہ اگر لقمہ نہیں دیگا تو خود مقتدی کی نماز خراب ہوگی اب اپنی نماز کو خرابی سے بچانے کے لئے لقمہ دینے کی گنجائش دی گئی ہے وہ بھی مجبوری کے درجے میں (۲)۔ عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ : يا علی ! لا تفتح علی الامام فی الصلوة۔ (ابوداود شریف، باب النھی عن التلقین، ص ۱۳۹، نمبر ۹۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت نہ ہو تو لقمہ نہیں دینا چاہئے۔ (۳) أن علیا قال : لا تفتح علی الامام قوم و هو يقرأ فانه كلام۔ (مصنف عبد الرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی، ص ۱۴۱، نمبر ۲۸۲۱) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقمہ دینا کلام کرنے کے درجے میں ہے اسلئے بلا ضرورت لقمہ نہیں دینا چاہئے۔ اسی طرح اگر اپنا امام نہ ہو تب بھی لقمہ نہیں دینا چاہئے، کیونکہ دوسرے امام سے بات کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

ترجمه : لے اس عبارت کا معنی یہ ہے کہ نمازی اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دے [تو نماز فاسد ہوگی] اسلئے کہ یہ تعلیم لینا اور تعلیم دینا ہے تو یہ لوگوں کا کلام ہو گیا [اسلئے نماز فاسد ہوگی]

تشریح : چونکہ آگے کی عبارت میں آرہا ہے کہ اپنے امام کو لقمہ دینا جائز ہے، اسلئے متن کی مطلق عبارت کو مقید کر دیا کہ اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دینے میں نماز فاسد ہوگی۔ اسلئے کہ وہ کلام کے درجے میں ہے اور تعلیم دینا اور آیت کا تعلیم لینا ہے۔

۲ ثم شرط التکرار فی الاصل لانه لیس من اعمال الصلوٰة فیعفی القلیل منه ولم یشترط فی الجامع الصغیر لان الکلام بنفسهٖ قاطع وان قلّ (۴۰٦) وان فتح علیٰ امامهٖ لم یکن کلامًا استحسانا

۱ لانه مضطر الیٰ اصلاح صلوته فکان هٰذا من اعمال صلاته معنی

ترجمہ : ۲ پھر مبسوط میں تکرار کی شرط ہے، اسلئے کہ نماز کے اعمال میں سے ہے اسلئے تھوڑا معاف ہوگا۔ اور جامع صغیر میں تکرار کی شرط نہیں ہے، اسلئے کہ کلام خود نماز کو توڑنے والا ہے چاہے کم ہی کیوں نہ ہو ۔

تشریح : یہاں سے امام محمدؒ کی کتاب مبسوط اور جامع صغیر کی عبارت میں فرق بیان کررہے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ مبسوط میں فرمایا کہ لقمہ دینے والا ایک بار لقمہ دے گا تو اسکی نماز فاسد نہیں ہوگی، بلکہ کئی بار دے گا تب نماز فاسد ہوگی، اسکی وجہ یہ ہے کہ لقمہ دینا ایک عمل ہے جو عمل

صلوۃ میں سے نہیں ہے، اور فعل اور عمل کا قاعدہ یہ ہے کہ اسکا تکرار ہوگا تب جا کر عمل کثیر ہوگا اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہوگی، اور ایک مرتبہ لقمہ دینے سے عمل کثیر نہیں ہوا اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ تھوڑے عمل کو معاف قرار دیا گیا ہے۔

اور جامع صغیر میں تکرار کی شرط نہیں ہے۔ اسکی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ بھی اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دے گا تو نماز فاسد ہوجائے گی۔ جامع صغیر کی عبارت یہ ہے۔ أو استفتح ففتح علیه فی صلوته أو اجاب رجلا فی الصلاة بلا اله الا الله فهذا کلام ۔ (جامع صغیر، باب ما یفسد الصلوۃ، وما لا یفسدہ، ص ۹۳) اس عبارت میں ہے کہ ایک مرتبہ بھی لقمہ دیا تو وہ کلام کے درجے میں ہے اور تھوڑے کلام سے نماز فاسد ہوجاتی ہے اسلئے ایک مرتبہ بھی اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ دیا تو نماز فاسد ہوجائے گی، اور اگر اس نے اس لقمہ کو قبول کیا تو اسکی بھی نماز فاسد ہوجائے گی۔ ۔ حاصل یہ ہے کہ لقمہ دینا مبسوط میں عمل کے درجے میں ہے اور جامع صغیر میں کلام کے درجے میں ہے۔

لغت : استفتح: لقمہ مانگا۔ فتح: ۔ لقمہ دیا، آیت یاد دلایا۔

ترجمہ : (۴۰٦) اور اگر اپنے امام کو لقمہ دیا تو استحسان کے طور پر یہ کلام نہیں ہوگا۔

ترجمہ : ۱ اسلئے کہ اپنی نماز کی اصلاح کرنے میں مجبور ہے، اسلئے یہ معنوی طور پر اپنی ہی نماز کا عمل ہے۔

تشریح : اگر اپنے امام کو لقمہ دیا تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ قیاس کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نماز فاسد ہوجائے کیونکہ لقمہ دینا کلام کے درجے میں ہے، لیکن استحسان کے طور پر نماز فاسد نہیں ہوگی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ امام کو لقمہ دے کر نماز درست کرائے گا تو خود مقتدی کی بھی نماز درست ہوجائے گی ورنہ تو اسکی نماز بھی خراب ہوگی اسلئے لقمہ دینا گویا کہ اپنی نماز کو ٹھیک رکھنا ہے اسلئے اپنی ہی نماز کی اصلاح ہوئی جسکے لئے یہ مجبور ہے اسلئے کلام ہونے کے

(۴۰۷) وينوى الفتح علىٰ امامه دون القراء ة ﴾ ل هو الصحيح لانه مرخص فيه وقراء ته ممنوع عنها (۴۰۸) ولو كان الامام انتقل الىٰ اٰية اخرىٰ تفسد صلوٰة الفاتح وتفسد صلوٰة الامام لو اخذ ﴾ ل بقوله لوجود التلقين والتلقُنِ من غير ضرورة

باوجود نماز نہیں ٹوٹے گی۔(۲) حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن المسور بن يزيد المالكي أن رسول الله ﷺ قال يحى ــ و ربما قال: شهدت رسول الله ﷺ يقرأ في الصلوة فترک شيئاً لم يقرأه ، فقال له رجل : يا رسول الله! تركت آية كذا و كذا فقال رسول الله ﷺ :هلا ذكرتنيها ۔(ابوداود شریف، باب الفتح علی الامام فی الصلوۃ،ص ۱۳۹،نمبر ۹۰۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اپنا امام بھول جائے تو اسکو لقمہ دیا جا سکتا ہے۔(۳) اثر میں ہے کہ لقمہ مانگے تو لقمہ دے۔ عن ابى عبد الرحمن السلمى قال : اذا استطعمكم فأطعموه ، يقول اذا تعايا فردوا عليه. (مصنف عبد الرزاق ، باب تلقینۃ الامام ، ج ثانی ،ص ۱۴۱ ،نمبر ۲۸۲۱ رسنن بیہقی ، باب اذا حصر الامام لقن ، ج ثالث ،ص ۳۰۰،نمبر ۵۷۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ لقمہ مانگے تو لقمہ دے ورنہ نہیں کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے اسلئے بلا ضرورت اسکا ارتکاب نہ کرے۔یہ اپنی نماز کی اصلاح کے لئے اتنی بھی گنجائش دے دی گئی ہے۔

ترجمہ: (۴۰۷) اور اپنے امام کو لقمہ دینے کی نیت کرے قرأت کی نیت نہ کرے۔

ترجمہ : ل یہی صحیح ہے،اسلئے کہ لقمہ دینے کی رخصت ہے اور قرأت تو ممنوع ہے۔

تشریح : لقمہ دینے والا لقمہ دینے کی نیت کرے اسلئے کہ حدیث میں لقمہ دینے کی اجازت ہے،قرأت کرنے کی نیت نہ کرے کیونکہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت نہیں ہے۔تفصیل قرأت خلف الامام کی بحث میں گزر گئی۔

ترجمہ: (۴۰۸) اور اگر امام دوسری آیت کی طرف منتقل ہو گیا تو لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی،اور اگر امام نے لقمہ دینے والے کی آیت کو لی تو امام کی نماز بھی فاسد ہو جائے گی۔

ترجمہ : ل بغیر ضرورت کے مقتدی کے تلقین کرنے اور امام کے تلقین لینے کی وجہ سے۔

تشریح : امام آیت پڑھنے میں اٹک گیا لیکن لقمہ دینے سے پہلے دوسری آیت شروع کر دی، یا رکوع میں جانے لگا،اسکے بعد کسی نے لقمہ دیا تو اب لقمہ دینے والے کی نماز فاسد ہو جائے گی۔اور اگر اب امام نے لقمہ والی آیت کو لے لیا تو امام کی بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ لقمہ دینا حقیقت میں بات کرنا ہے لیکن اپنی نماز کی اصلاح کے لئے ضرورت کے موقع پر اسکی اجازت دی گئی تھی،لیکن جب دوسری آیت شروع کر دی تو اب لقمہ کی ضرورت نہیں،اسلئے اب لقمہ دینا کلام ہوگا اور تعلیم اور تعلم ہوگا اسلئے اب

۲ وینبغی للمقتدی ان لایعجّل بالفتح ۳ ولـلامام ان لایلجئھم الیه بل یرکع اذا جاء اوانه اوینتقل الی اٰیة اخری (۴۰۹) فلو اجاب فی الصلوٰۃ رجلا بلا الٰه الا اللہ فھٰذا کلام مفسد عند ابی حنفیة ومحمدؒ وقال ابویوسفؒ لایکون مفسدا﴾

اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔اور دوسری آیت کی طرف منتقل ہونے سے امام کو بھی لقمہ لینے کی ضرورت نہیں رہی اسلئے اب لقمہ لینے سے اسکی نماز فاسد ہو جائے گی۔(۲) اثر میں ہے . عن ابن مسعود قال : اذا تعای الامام فلا تردد علیه فانه کلام .(مصنف عبد الرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی، ص۱۴۲، نمبر ۲۸۲۳) اس اثر میں ہے کہ امام آیت پڑھنے سے رک جائے تو اسکو گھما پھرا کر لقمہ دینے کی کوشش مت کرو اسلئے کہ وہ کلام کے درجے میں ہے اور کلام سے نماز فاسد ہوتی ہے اسلئے اس سے بھی نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ : دوسری روایت یہ ہے کہ دوسری آیت کی طرف چلا گیا ہو پھر بھی اپنے امام کو لقمہ دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔البتہ اب لقمہ دینا مکروہ ہے۔اثر یہ ہے۔عن ابراھیم قال : کانوا یکرھون أن یفتحوا علی الامام قال و قال مغیرة عن ابراھیم : اذا ترددت فی الآیة فجاوزھا الی غیرھا . (مصنف عبد الرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی، ص۱۴۲، نمبر ۲۸۲۴) اس آیت میں ہے کہ دوسری آیت کی طرف چلا گیا ہو تو اب لقمہ دینا مکروہ سمجھتے تھے۔

ترجمہ : ۲ مقتدی کے لئے مناسب ہے کہ لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے۔

تشریح : امام بھول جائے تو لقمہ دینے میں جلدی نہ کرے بلکہ ضرورت پڑنے پر لقمہ مانگے تب لقمہ دے۔اوپر گزر چکا ہے کہ لقمہ مانگے تب لقمہ دے ۔عن ابی عبد الرحمن السلمی قال : اذا استطعمکم فأطعموه ، یقول اذا تعایا فردوا علیه. (مصنف عبد الرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی، ص۱۴۱، نمبر ۲۸۲۱ رسنن بیہقی، باب اذا حصر الامام لقن، ج ثالث، ص۳۰۰، نمبر ۵۷۹۲ مصنف ابن ابی شیبۃ، نمبر ۴۷۹۴) اس اثر میں ہے کہ لقمہ مانگے تب لقمہ دو، اسلئے لقمہ دینے میں جلدی نہ کرو۔

ترجمہ : ۳ اور امام کے لئے مناسب یہ ہے کہ لوگوں کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے بلکہ اگر وقت ہو گیا ہو [یعنی فرض قرأت کی مقدار پڑھ لیا ہو تو] رکوع کر لے، یا دوسری آیت کی طرف منتقل ہو جائے۔

تشریح : اگر فرض قرأت یعنی تین چھوٹی آیتیں، یا ایک بڑی آیت پڑھ چکا ہو تو اب رکوع کا وقت آگیا ہے اسلئے رکوع میں چلا جائے اور مقتدی کو لقمہ دینے پر مجبور نہ کرے، یا دوسری آیت شروع کر دے تاکہ لقمہ دینے کی ضرورت ہی نہ پڑے۔

ترجمہ : (۴۰۹) کسی آدمی نے نماز میں ,لا الہ الا اللہ، کے ذریعہ جواب دیا تو امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک یہ نماز کو توڑنے والا کلام ہے۔اور امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ یہ جملہ نماز کو فاسد کرنے والا نہیں ہے۔

۱؎ وهذا الخلاف فيما اذا اراد به جوابه. ۲؎ لـه انه ثناء بصيغته فلا يتغير بعزيمته ۳؎ ولهما انه اخرج الكلام مخرج الجواب وهو يحتمله فيجعل جوابًا كالتشميت والاسترجاع على الخلاف في الصحيح

ترجمه : ۱؎ یہ اختلاف اس صورت میں ہے کہ اس جملے سے جواب کی نیت ہو۔

تشریح : یہ مسئلہ اس اصول پر ہے کہ اللہ کا ذکر جواب کے طور پر کہا تو ذکر ہی شمار کیا جائے گا اور نماز فاسد نہیں ہوگی، یا جواب اور کلام الناس شمار کیا جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ اب، لا الہ الا اللہ، ذکر کے طور پر ہو تو کسی کے یہاں بھی اس کے کہنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، لیکن کسی نے پوچھا کہ کیا اللہ کے علاوہ کوئی معبود ہے؟ تو اسکے جواب میں ,لا الہ الا اللہ، کہا تو یہ سوال کے جواب کے طور پر ہے تو اس بارے میں اختلاف ہے، امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ یہ جملہ اگر چہ ذکر ہے لیکن جواب کا بھی احتمال ہے، اور جواب ہی کی نیت سے بولا ہے اسلئے جواب پر محمول کیا جائے گا، اسلئے یہ کلام الناس ہو گیا اسلئے اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجه : (۱) جس طرح آیت قرآنی لقمہ دینے کے لئے نہ پڑھے بلکہ جب لقمہ کی ضرورت نہ ہو تب پڑھے تو کلام الناس کی وجہ سے اور تعلیم اور تعلم کی وجہ سے نماز فاسد ہو جاتی ہے اسی طرح ذکر جواب کے طور پر کرے تو کلام الناس ہونے کی وجہ سے نماز فاسد ہو جائے گی۔

ترجمه : ۲؎ امام ابو یوسفؒ کی دلیل یہ ہے کہ یہ جملہ صیغے کے اعتبار سے اللہ کی تعریف ہے اسلئے مصلی کے ارادے کی وجہ سے اسکی حقیقت نہیں بدلے گی۔

تشریح : حضرت امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ ,لا الہ الا اللہ، صیغے کے اعتبار سے اللہ کی تعریف ہے اسلئے صرف نیت کی وجہ سے اسکی حقیقت نہیں بدلے گی، وہ ذکر ہی رہے گا اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه : ۳؎ امام ابو حنیفہؒ اور امام محمدؒ کی دلیل یہ ہے کہ ,لا الہ الا اللہ، کلام ہے اسلئے کہ وہ جواب کی جگہ پر دیا ہے، اور جواب کا احتمال بھی رکھتا ہے اسلئے جواب ہی کر دیا جائے گا [اور نماز فاسد ہو جائے گی] جیسے کہ چھینک کے جواب دینے سے اور انا للہ وانا الیہ راجعون، کے کہنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اس بارے میں بھی صحیح بات یہ ہے کہ اختلاف ہے۔

تشریح : طرفین کی دلیل یہ ہے کہ ,لا الـه الا الله ، یہاں جواب کے طور پر واقع ہوا ہے اور جواب بننے کی صلاحیت بھی ہے اسلئے اسکو جواب ہی شمار کیا جائے گا اور نماز فاسد ہو جائے گی۔ جس طرح چھینک کے جواب میں ,یرحمک اللہ، کہہ دے تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ اور کسی نے کہا کہ فلاں مر گیا تو اسکے جواب میں نماز ہی میں کہا ,انا لله و انا اليه راجعون ,تو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے کیوں کہ یہ بھی جواب کے طور پر ہے۔۔ صحیح بات یہ ہے کہ اس بارے میں بھی اختلاف ہے اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ان

(۴۱۰) وان ارادبه اعلامه انه فی الصلوة لم تفسد بالاجماع ﴾ ل لقوله عليه السلام اذا نابت احدكم نائبة فی الصلوة فليسبّح (۴۱۱) ومن صلّى ركعة من الظهر ثم افتتح العصر او التطوع فقد نقض الظهر﴾ ل لانه صح شروعه فی غيره فيخرج عنه

جملوں کو بھی جواب کے طور پر کہا تو نماز فاسد نہیں ہوگی بلکہ ذکر ہی شمار کیا جائے گا۔

ترجمه: (۴۱۰) اور اگر ان ذکروں کے کہنے سے اس بات کی اطلاع مقصود ہو کہ مصلی نماز میں ہے تو بالاتفاق نماز فاسد نہیں ہو گی۔

ترجمه : ل حضور ﷺ کے قول کی وجہ سے کہ جب تمکو نماز میں کوئی واقعہ پیش آئے تو تسبیح پڑھ کر اطلاع دو۔

تشريح : لا الہ الا اللہ، یا کوئی ذکر اس لئے زور سے بولا کہ سامنے والے کو بتائے کہ میں نماز میں ہوں تو اس سے نماز فاسد نہیں ہو گی۔

وجه : (۱) اسکی وجہ یہ ہے کہ اس صورت میں انسان سے خطاب نہیں ہے، اور کسی کا جواب بھی نہیں ہے بلکہ صرف اس بات کی اطلاع ہے کہ میں ابھی نماز میں ہوں، اسلئے یہ اصل کے اعتبار سے ذکر پر ہی رہے گا اور اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔ (۲) حدیث میں ہے کہ اگر نماز میں کوئی واقعہ پیش آ جائے تو تسبیح پڑھ کر اطلاع دو کہ میں نماز میں ہوں۔ حدیث یہ ہے۔ صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن سهل ابن سعد الساعدی : أن رسول الله ﷺ ذهب الى بنی عمرو بن عوف ليصلح بينهم .....من رابه شیء فی صلوته فليسبح فانه اذا سبح التفت اليه و انما التصفيق للنساء . (بخاری شریف، باب من دخل لیؤم الناس الخ، ص ۹۵، نمبر ۶۸۴ رمسلم شریف، باب تقدیم الجماعۃ من یصلی بھم، ص ۱۷۹، نمبر ۴۲۱ر۹۴۹) اس حدیث میں ہے کہ تسبیح پڑھ کر اطلاع دے کہ میں نماز میں ہوں اسلئے تسبیح پڑھ کر اطلاع دینے سے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمه: (۴۱۱) کسی نے مثلا ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر عصر شروع کر دی، یا نفل شروع کر دی تو ظہر کی نماز ٹوٹ گئی

ترجمه : ل اسلئے کہ جب دوسرے کو شروع کرنا صحیح ہوا تو پہلی نماز سے نکل گیا۔

تشريح : کسی نے مثلا ظہر کی نماز شروع کی، ایک رکعت پڑھی تھی اسکے بعد اسکو چھوڑ کر عصر کی نماز شروع کر لی تو جب عصر کی نماز میں داخل ہو گیا تو ظہر کی ایک رکعت باطل ہو جائے گی۔

وجه : (۱) کیونکہ اسکو چھوڑ کر دوسری نماز شروع کر دی تو دوسری نماز میں داخل ہونا اس وقت شمار کیا جائے گا جب پہلی نماز سے نکل جائے، اسلئے پہلی نماز باطل ہو جائے گی۔ (۲) اس حدیث میں اسکا اشارہ موجود ہے۔ كان معاذ يصلی مع النبی ﷺ ثم يرجع فيؤمنا ....ثم جاء يؤم قومه فقرأ البقرة ، فاعتزل رجل من القوم فصلى ، فقيل نافقت يا فلان ! ۔(ابوداود

(۴۱۲) ولو افتتح الظهر بعد ماصلی منها فهی هی ويجتزئی بتلک الرکعة ﴾ ل لانه نوی الشروع فی عين ما هو فيه فلغت نيته وبقی المنوی علیٰ حاله (۴۱۳) واذا قرأ الامام من المصحف فسدت صلاته عند ابی حنيفة﴾

شریف، باب تخفیف الصلوۃ، ص۱۲۳، نمبر۷۰۹) اس حدیث میں ایک صحابی نماز سے نکل گئے، جس سے معلوم ہوا کہ آدمی نماز سے بالکل نکل جائے تو وہ نماز باطل ہو جاتی ہے۔

ترجمہ: (۴۱۲) کسی نے ظہر کی ایک رکعت شروع کرنے کے بعد پھر ظہر ہی کو شروع کیا تو وہ پہلی ہی ظہر ہے، اور وہ رکعت شمار کی جائے گی۔

تشریح: کسی نے مثلا ظہر کی ایک رکعت پڑھی پھر دوبارہ اسی ظہر کو شروع کیا اور درمیان میں نماز توڑنے والی حرکت نہیں کی تو پہلی نماز باطل نہیں ہوگی اور جو ایک رکعت پڑھی ہے وہ باقی رہے گی اب اسی پر بناء کر کے تین رکعت اور پڑھ لے، اور درمیان میں جو اگلی نماز کی نیت کی ہے وہ بیکار ہوگی اسکا کوئی اعتبار نہیں ہوگا۔

وجہ: (۱) اسلئے کہ جب پہلی ہی نماز دوبارہ شروع کی تو پہلی ہی نماز ہوئی اسلئے پہلی نماز باقی رہے گی۔ اور درمیان کی نیت بیکار ہو گی۔ (۲) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے (۲) عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ انصرف من اثنتين، فقال له ذو اليدين: أقصرت الصلوة أم نسيتَ يا رسول الله؟ فقال رسول الله ﷺ: أصدق ذو اليدين؟ فقال الناس: نعم، فقام رسول الله ﷺ فصلى اثنتين أخريين، ثم سلم، ثم كبر، فسجد مثل سجوده أو اطول۔ (بخاری شریف، باب ھل یأخذ الامام اذا شک بقول الناس؟ ص۹۹، نمبر۷۱۴ / ابو داود شریف، باب السھو فی السجدتین، ص۱۵۳، نمبر۱۰۰۸) اس حدیث میں اسی نماز کو دوبارہ شروع فرمایا تو پہلی نماز باقی رہی۔ ۔ درمیان نماز میں بات کی اس سے نماز ٹوٹی یا نہیں اسکی بحث پہلے گزر چکی ہے۔

ترجمہ: ل اسلئے کہ اسی کو شروع کیا جس میں پہلے تھا اسلئے اسکی نیت بیکار جائے گی، اور جو پہلے نیت کی وہ باقی رہے گی۔

تشریح: جس نماز کو پہلے شروع کیا تھا اسی نماز کو دوبارہ شروع کیا اسلئے پہلی نماز باقی رہے گی۔ اور درمیان کی نیت لغو ہوگی۔

ترجمہ: (۴۱۳) امام نے قرآن سے دیکھ کر پڑھا تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی، اور صاحبین نے فرمایا کہ نماز پوری ہو گئی۔

تشریح: امام نے قرآن دیکھ کر قرأت کی تو امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جائے گی۔

وجہ: اسکی دو وجہ بیان فرماتے ہیں (۱) ایک وجہ یہ ہے کہ قرآن سے پڑھنا اس سے تلقین کرنا ہے، یعنی اس سے لقمہ لینا ہے اور اس

(۴۱۴) ﴿وقالا هی تامة﴾

سے تعلیم اور تعلم کرنا ہے، اور پہلے گزر چکا ہے کہ اپنے مقتدی کے علاوہ سے لقمہ لینا صحیح نہیں ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن علیؓ قال قال رسول الله ﷺ : یا علی ! لا تفتح علی الامام فی الصلوۃ ۔ (ابو داود شریف، باب النهی عن التلقین ص ۱۳۹، نمبر ۹۰۸) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ضرورت نہ ہو تو لقمہ نہیں دینا چاہئے۔ (۲) أن علیا قال : لا تفتح علی الامام قوم و هو یقرأ فانه کلام۔ (مصنف عبد الرزاق، باب تلقینۃ الامام، ج ثانی ص ۱۴۱، نمبر ۲۸۲۱) اس اثر میں ہے کہ اپنے امام کے علاوہ کو لقمہ نہ دے کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے، اور کلام سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، اسلئے قرآن کو دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس صورت میں قرآن ہاتھ میں اٹھا کر پڑھے تب بھی نماز فاسد ہوگی، اور قرآن میز پر کھلا ہوا ہو اور پڑھ رہا ہو تب بھی نماز فاسد ہوگی، چاہے عمل کثیر ہو یا نہ ہو۔

(۲) دوسری وجہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ قرآن میں نظر کرنا اور اسکے ورقوں کو پلٹنا یہ عمل کثیر ہے، اسلئے عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جائے گی۔ اس صورت میں اگر قرآن میز پر سامنے رکھا ہوا ہو اور انکے ورقوں کو پلٹنا نہ ہو صرف اسکو دیکھ کر قرأت کرے تو نماز فاسد نہیں ہونی چاہئے۔ (۳) عن رفاعة بن رافع أن رسول الله ﷺ بینما هو جالس فی المسجد یوماً ....فان کان معک قرآن فاقرأ ، و الا فاحمد الله و کبره و هلله . (ترمذی شریف، باب ماجاء فی وصف الصلوۃ، ص ۶۶، نمبر ۳۰۲) (۴) عن عبد الله بن ابی أوفی قال : جاء رجل الی النبی ﷺ فقال : انی لا أستطیع أن أخذمن القرآن شیئاً فعلمنی ما یجزئنی منه فقال : قل سبحان الله و الحمد لله ۔ (ابو داود شریف، باب ما یجزی الامی والاعجمی من القرأۃ، ص ۱۲۸، نمبر ۸۳۲) ان دونوں حدیثوں میں ہے۔

کہ قرآن زبانی یاد نہ ہو تو الحمد للہ پڑھو اور تکبیر وغیرہ کہہ کر نماز پوری کرو۔ یہاں آیت یاد نہ ہونے کی شکل میں تکبیر وغیرہ کہنے کے لئے کہا یہ نہیں کہا کہ قرآن دیکھ کر پڑھو جس سے معلوم ہوا قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز نہیں ہے (۵) پھر قرآن کو دیکھ کر پڑھنا اهل کتاب کی مشابہت ہے، کیونکہ وہ اپنی کتاب یاد نہیں کرتے بلکہ کتاب کو دیکھ کر اپنی نماز میں پڑھتے ہیں۔ چنانچہ اثر میں اسکا تذکرہ ہے۔ عن ابراهیم قال : کانوا یکرهون أن یؤمهم و هو یقرأ فی المصحف ، فیشتبهون بأهل الکتاب . (مصنف عبد الرزاق، باب الامام یقرأ فی المصحف، ج ثانی، ص ۴۱۹، نمبر ۳۹۲۷) اس اثر سے معلوم ہوا قرآن دیکھکر قرأت پڑھنا اهل کتاب کے مشابہ ہے اور مکروہ ہے۔ (۶) ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اگر قرآن دیکھ کر پڑھنے کی اجازت دے دی جائے تو کوئی بھی قرآن یاد نہیں کرے گا اور کوئی بھی حافظ نہیں بنے گا، اور قرآن کے ضائع ہونے کا خطرہ ہے، اسلئے اس خطرے سے بچانے کے لئے یہی مناسب ہے کہ قرآن کو دیکھ کر قرأت کرنے کی اجازت نہ دی جائے۔

ترجمہ : (۴۱۴) اور صاحبین نے فرمایا کہ نماز پوری ہو جائے گی۔

۱؎ لانہ عبادۃ انضافت الیٰ عبادۃ الا انہ یکرہ ﴾ ۱؎ یشبہ بصنع اھل الکتاب ۲؎ ولابی حنیفۃؒ ان حمل المصحف والنظر فیہ وتقلیب الاوراق عمل کثیر ۳؎ ولانہ تلقن من المصحف فصار کما اذا تلقن من غیرہ ۴؎ وعلیٰ ھٰذا لافرق بین المحمول والموضوع ۵؎ وعلی الاول یفترقان.

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ قرآن میں نظر کرنا عبادت ہے اور قرأت جیسی عبادت سے مل گئی [اسلئے نماز پوری ہوجائے گی] مگر یہ کہ مکروہ ہے اسلئے کہ اھل کتاب کے مشابہ ہے۔

تشریح : صاحبینؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کو دیکھ کر پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوگی، البتہ یہ طریقہ اھل کتاب کا ہے اسلئے مکروہ ہے۔

وجہ : (۱) وہ فرماتے ہیں کہ قرأت کرنا عبادت ہے اور قرآن میں نظر کرنا بھی عبادت ہے اسلئے دو عبادت جمع ہونے سے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲) اثر میں ہے کہ حضرت عائشہؓ کا غلام ذکوان دیکھ کر امامت کرواتے تھے اسلئے نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا جائز ہے۔ اثر یہ ہے۔ و کانت عائشۃ یؤمھا عبدھا ذکوان من المصحف ۔ (بخاری شریف، باب امامۃ العبد والمولی، ص ۹۶، نمبر ۶۹۲) اس اثر سے معلوم ہوا کہ قرآن دیکھ کر قرأت کرنا جائز ہے۔ اس سے نماز فاسد نہیں ہوتی۔

ترجمہ : ۲؎ امام ابو حنیفہؒ کی دلیل یہ ہے کہ قرآن کو اٹھانا، اور اس میں نظر کرنا اور اوراق کو الٹنا پلٹنا عمل کثیر ہے۔ [اس لئے اس سے نماز فاسد ہوگی]

تشریح : امام ابو حنیفہ کے یہاں قرآن کو دیکھ کر قرأت کرنے سے نماز فاسد ہوگی، اسکی ایک دلیل یہ ہے کہ قرآن کو اٹھائے گا اور اس میں نظر کرے گا، اور اسکے ورقوں کو الٹے پلٹے گا تو یہ سب عمل کثیر ہے جس سے نماز فاسد ہوجاتی ہے۔ اسلئے اس سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۳؎ اور اسلئے کہ قرآن سے تلقین حاصل کرنا ہوگا، تو ایسا ہوگیا کہ اپنے مقتدی کے علاوہ سے تلقین حاصل کی۔

تشریح : دوسری دلیل یہ دی کہ قرآن سے پڑھنا گویا کہ اپنے مقتدی کے علاوہ سے لقمہ لینا ہے کیونکہ قرآن اسکا مقتدی نہیں ہے، اور اپنے مقتدی کے علاوہ سے لقمہ لینے سے نماز فاسد ہوجاتی ہے، کیونکہ وہ کلام کے درجے میں ہے۔

ترجمہ : ۴؎ اس صورت میں قرآن ہاتھ میں اٹھایا ہوا ہو یا قرآن میز پر رکھا ہوا ہو دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

تشریح : قرآن میں نظر کرنے سے نماز فاسد ہو تو چاہے عمل کثیر کا صدور ہو یا نہ ہو قرآن کو ہاتھ میں اٹھانا ہو یا نہ ہو، اسکے اوراق کو الٹنا پلٹنا ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں صرف قرآن میں نظر کرنے سے نماز فاسد ہوجائے گی۔

ترجمہ : ۵؎ اور اول صورت میں دونوں میں فرق ہوگا۔

(۴۱۵) ولو نظر الی مکتوب وفھمه فالصحیح انه لاتفسد صلاته بالاجماع ﴿۱﴾ بخلاف ماذا حلف لایقرأ کتاب فلانٍ حیث یحنث بالفھم عند محمدؒ لانه المقصود ھنالک الفھم

تشریح :اول صورت کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کو اٹھانے ،اسکے اوراق کو پلٹنے اوراس میں نظر کرنے سے نماز فاسد ہوتی ہو،جسکو عمل کثیر کہتے ہیں تو اس صورت میں یہ فرق ہوگا کہ قرآن میز پر رکھا ہوا ہو اور اوراق پلٹنے اور قرآن اٹھانے کی ضرورت نہ پڑے اور صرف قرآن میں نظر کر کے قرأت کرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔اور قرآن کو اٹھائے گا اور عمل کثیر ہوگا تب نماز فاسد ہوگی ۔ اور قرآن کے اٹھانے اور نہ اٹھانے کے حکم میں فرق ہو جائے گا۔

ترجمه: (۴۱۵)اگر لکھے ہوئے حروف کو دیکھا اور اسکو سمجھ بھی لیا تو صحیح مسلک یہ ہے کہ بالا جماع اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

تشریح :۔نمازی کے سامنے کوئی بات لکھی ہوئی تھی ،نمازی نے اسکو سمجھ لیا اور اسکو زبان سے نہیں نکالا تو اس سے بالا جماع نماز فاسد نہیں ہوگی ۔

وجه : (۱)صرف سمجھ لینے میں تعلیم اور تعلم نہیں ہے اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی (۲)اس صورت میں عمل کثیر بھی نہیں ہے کہ نماز فاسد ہو۔(۳)حضورؐ نے ایک صلح کے موقع پر حضرت ابوبکرؓ کو اشارہ فرمایا کہ نماز کو جاری رکھیں اور حضرت ابوبکرؓ نے اس اشارے کو سمجھا بھی پھر بھی انکی نماز فاسد نہیں ہوئی ،اسی پر قیاس کرتے ہوئے اگر لکھے ہوئے سے کوئی بات سمجھ لے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی ۔لمبی حدیث کا ٹکڑا یہ ہے ۔ عن سھل بن سعدؓ قال بلغ رسول الله ﷺ أن بنی عمرو بن عوف بقباء کان بینھم شیء فخرج یصلح ....فلما اکثر الناس التفت فاذا رسول الله ﷺ فأشار الیه یأمره أن یصلی فرفع أبو بکرؓ یده فحمد الله ، ثم رجع القھقری وراء ه ۔(بخاری شریف ،باب رفع الایدی فی الصلوۃ لأمر ینزل به ،ص۱۹۴، نمبر ۱۲۱۸)اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ نے اشارہ کیا اور حضرت ابوبکرؓ نے اسکو سمجھا پھر بھی نماز نہیں ٹوٹی ۔(۴)اور عمل قلیل سے نماز فاسد نہیں ہوتی اسکی دلیل یہ حدیث ہے ۔ عن ابی قتادۃ أن رسول الله ﷺ کان یصلی و ھو حامل أمامة بنت زینب بنت رسول الله ﷺ و لابی العاص بن الربیع ، فاذا قام حملھا و اذا سجدو ضعھا ؟ قال یحی : قال مالک : نعم ۔(مسلم شریف ،باب جواز حمل الصبیان فی الصلوۃ ۔وان الفعل القلیل لا یبطل الصلوۃ ،ص۲۰۵ ،نمبر۱۲۱۲/۵۴۳)اس حدیث میں ہے کہ تھوڑے بہت عمل سے حضرت امامہ کو اٹھاتے تھے ،اسلئے اس سے نماز فاسد نہیں ہوئی ،لیکن عمل کثیر ہو تو نماز فاسد ہو جائے گی ۔

ترجمه : ﴿۱﴾ بخلاف جبکہ قسم کھائی کہ فلاں کا خط نہیں پڑھے گا تو امام محمدؒ کے نزدیک صرف سمجھنے سے حانث ہو جائے گا اسلئے کہ یہاں مقصود سمجھنا ہے ۔

۲ اما فساد الصلوة فبالعمل الكثير ولم يوجد (۴۱۶) وان مرّت امرأة بين يدى المصلى لم يقطع الصلوة ﴾ ل لقوله عليه السلام لايقطع الصلوٰة مرورشیء (۴۱۷) الا ان المارّاثم ل لقوله عليه السلام لوعلم المارُّبين يدى المصلى ماذا عليه من الوزرلوقف اربعين.

تشریح : یہاں سے ایک فرق بیان کر رہے ہیں۔کہ کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں کا خط نہیں پڑھونگا،اوراس نے اسکو زبان سے نہیں پڑھا بلکہ دیکھ کرصرف سمجھ لیا تو اس سے بھی امام محمدؒ کے نزدیک حانث ہو جائے گا،اسکی وجہ یہ ہے کہ قسم کا مطلب یہ ہے کہ اسکے خط کو پڑھ کر اسکی راز کی بات معلوم نہیں کرے گا۔اور سمجھنے کی وجہ سے راز کی بات معلوم ہوگئی اسلئے حانث ہو جائے گا۔

ترجمہ : ۲ بہر حال نماز کا فاسد ہونا تو وہ عمل کثیر کی وجہ سے ہوتا ہے،اور یہاں یہ نہیں پایا گیا۔

تشریح : امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ نماز میں قرآن پڑھنے کی شکل میں پڑھنے سے نماز فاسد نہیں ہوتی بلکہ اوراق پلٹنے اور قرآن اٹھانے کی وجہ سے نماز فاسد ہوگی جو عمل کثیر ہے،اور یہاں عمل کثیر نہیں پایا گیا اسلئے نماز فاسد نہیں ہوگی۔

ترجمہ: (۴۱۶) اگر کوئی عورت نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ : ل اسلئے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ کسی چیز کے گزرنے سے نماز نہیں ٹوٹتی۔

وجہ : (۱) کوئی آدمی نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو خود نماز میں کوئی خلل واقع نہیں ہوئی اسلئے نماز نہیں ٹوٹے گی،البتہ اس سے خشوع خضوع میں کمی واقع ہو سکتی ہے اسلئے گزرنا اچھا نہیں ہے،اور نمازی کو بھی چاہئے کہ اپنے سامنے سترہ رکھ لے۔(۲) اسکے لئے صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی سعید قال قال رسول الله ﷺ : لا يقطع الصلوة شیء ، و ادرؤوا ما استطعتم فانما هو شيطان ۔(ابوداود شریف،باب من قال لایقطع الصلوة شیء،ص ۱۱۳،نمبر ۷۱۹/دارقطنی ،باب صفة السهو فی الصلوة وأحکامه، ج اول،ص ۳۵۷،نمبر ۱۳۶۷)اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی چیز نمازی کے سامنے سے گزرے تو اس سے نماز فاسد نہیں ہوگی البتہ سامنے سے گزرنا مکروہ ہے۔(۳)عن عائشة ذكر عندها ما يقطع الصلوة الكلب و الحمار ، و المرأة ، فقالت عائشة : شبهتمونا بالحمر و الكلاب ، و الله لقد رأيتُ النبي ﷺ يصلي و انی على السرير بينه و بين القبلة مضطجعة فتبدو لي الحاجة فأكره ان أجلس فأذى النبي ﷺ فأنسل من عند رجليه ۔(بخاری شریف،باب من قال لایقطع الصلوة شیء،۷۳،نمبر ۵۱۴/ابوداود شریف،باب من قال المرأة لایقطع الصلوة،ص ۱۱۱،نمبر ۷۱۰)اس حدیث میں ہے کہ عورت سامنے سے گزر جائے تب بھی نماز نہیں ٹوٹے گی۔

ترجمہ : (۴۱۷) مگر یہ کہ گزرنے والا گنہگار ہوگا۔

ترجمہ ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ نمازی کے سامنے سے گزرنے والا جان لے کہ اس پر کتنا گناہ ہے تو وہ چالیس

۲ وانما يأثم اذا مرّفی موضع سجوده علی ماقيل ولايكون بينهما حائل

تک ٹھہرا رہے۔

تشریح :نمازی کے سامنے سے گزر جائے تو اس سے نماز تو نہیں ٹوٹے گی ،البتہ گزرنے والے کو گناہ ہوگا۔

وجه :(۱)اسلئے کہ نمازی کے خشوع خضوع میں خلل واقع ہوا۔(۲)صاحب ھدایہ کی اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔عن بسر بن سعيد أن زيد بن خالد أرسله الی ابی جهيم يسأله : ماذا سمع من رسول الله ﷺ فی المار بين يدی المصلی ، فقال ابو جهيم قال رسول الله ﷺ : ((لو يعلم المار بين يدی المصلی ما ذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرا ً له من أن يمر بين يديه)) قال أبو النضر : لا أدری قال أربعين يو ما أو شهرا أو سنة ۔(بخاری شریف ، باب اثم المار بين يدی المصلی ،ص ۸۳، نمبر ۵۱۰/ابو داود شریف ، باب ما ينهی عنه من المرور بين يدی المصلی ،ص ۱۱۱،نمبر ۷۰۱) اس حدیث میں ہے کہ نمازی کے سامنے سے گزرے تو اس سے اس پر اتنا گناہ ہے کہ اسکو جان لے تو نمازی کے سامنے ہی چالیس دن یا چالیس مہینے ، یا چالیس سال تک ٹھہرا رہے وہ آسان ہے لیکن نمازی کے سامنے سے گزرنا اسکے لئے آسان نہیں ۔ حدیث میں چالیس سے مراد چالیس سال ہے کیونکہ ابن ماجہ شریف میں ایک سو سال کی حدیث ہے۔عن ابی هريرة قال قال النبی ﷺ : لو يعلم أحدكم ما له فی أن يمر بين يدی أخيه معترضاً فی الصلوة كان لأن يقيم مائة عام خير له من الخطوة التی خطاها ۔(ابن ماجہ شریف ، باب المرور بين يدی المصلی ،۱۳۴،نمبر ۹۴۶)اس حدیث میں ہے کہ سو سال ٹھہرا رہے اس سے معلوم ہوا کہ بخاری والی حدیث میں چالیس سال مراد ہے۔

ترجمه: ۲ گنہگار اس وقت ہوگا جبکہ سجدے کی جگہ پر گزرے ،جیسا کہ کہا گیا ،اور نمازی اور گزرنے والے کے درمیان کوئی چیز حائل نہ ہو۔

تشریح : اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ نمازی کی جہاں تک سجدے کی جگہ ہے اسکے اندر اندر گزرے گا تو گزرنے والا گنہگار ہوگا ،اور اگر اس سے تھوڑا دور ہوکر گزرے گا تو گنہگار نہیں ہوگا ،اور گنہگار ہونے کے لئے دوسری شرط یہ ہے کہ گزرنے والا اور نمازی کے درمیان کوئی چیز مثلا دیوار یا لکڑی وغیرہ حائل نہ ہو تب گنہگار ہوگا اور اگر سترہ یا کوئی چیز حائل ہو اور سترہ کے پیچھے سے گزرے تو گنہگار نہیں ہوگا۔

وجه :(۱)عن بسر بن سعيد أن زيد بن خالد أرسله الی ابی جهيم يسأله : ماذا سمع من رسول الله ﷺ فی المار بين يدی المصلی ، فقال ابو جهيم قال رسول الله ﷺ : ((لو يعلم المار بين يدی المصلی ما ذا عليه لكان أن يقف أربعين خيرا ً له من أن يمر بين يديه)) قال أبو النضر : لا أدری قال أربعين يو ما أو شهرا

٣ ويحاذی اعضاء المارّ اعضاءَ ہ لو کان یصلی علی الدکان (٤١٨) وینبغی لمن یصلی فی الصحراء ان یتخذ امامه سترة ﴿ ١ لقوله علیه السلام اذا صلی احدکم فی الصحراء فلیجعل بین یدیه سترة

أو سنة ۔(بخاری شریف، باب اثم المار بین یدی المصلی ،ص٣٧، نمبر٥١٠/ابوداود شریف، باب ما نهی عنه من المرور بین یدی المصلی ،ص١١١، نمبر٧٠١) اس حدیث میں ہے (لو یعلم المار بین یدی المصلی) کہ نمازی کے بالکل سامنے سجدے کی جگہ سے گزرے تو گنہگار ہوگا، اس لئے دور سے گزرے تو گنہگار نہیں ہوگا۔ اور سترہ ہو تو گنہگار نہیں ہوگا اسکی دلیل آگے آرہی ہے۔(١) اس اثر سے اسکی تائید ہوتی ہے۔ عن عطاء قال : یقال أدنی ما یکفیک فیما بینک و بین الساریة ثلاثة أذرع . (مصنف عبدالرزاق، باب کم یکون بین الرجل وبین سترته، ج ثانی ،ص١٦، نمبر٢٣٠٨) اس اثر میں ہے کہ سترہ سے تین ہاتھ، یعنی ساڑھے چار فٹ، کے درمیان نماز پڑھے تو چل جائے گا،

اور نمازی کے پاؤں رکھنے کی جگہ سے سجدے کی جگہ تک تقریبا چار فٹ ہوتا ہے اسلئے ساڑھے چار فٹ وہی سجدے کی جگہ ہوئی، اسلئے اسکے درمیان گزرے گا تو گنہگار ہوگا۔

ترجمہ: ٣ اور گزرنے والے کے اعضاء نمازی کے اعضاء کے بالمقابل ہوجائے اگر چبوترے پر نماز پڑھ رہا ہو۔

تشریح : کوئی نمازی اونچائی پر نماز پڑھ رہا ہے تو اسکے سامنے سے گزرنے سے اس وقت گنہگار ہوگا جب گزرنے والے کا عضو نمازی کے عضو کے بالمقابل ہوجائے، لیکن اگر نمازی کی جگہ گزرنے والے کے قد سے بھی اونچی ہے تو اب گزرنے والا نیچے سے گزر رہا ہے اسلئے گنہگار نہیں ہوگا۔ اور یہ اونچائی اسکے لئے سترہ بن جائے گی۔

وجه : اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ عن ابراهیم قال : اذا کنت فی الصلوة فوق سطح یمر علیک الناس ، فکنت حیث لا یری الناس اذا مروا ،قال سفیان فیکون الذی یمنعک من أن تراهم الذی یسترک ۔(مصنف عبدالرزاق، باب کم یکون بین الرجل وبین سترته، ج ثانی ،ص١٧، نمبر٢٣١٢) اس اثر میں ہے کہ اونچائی پر نماز پڑھو تو اتنا اونچا ہو کہ وہ نظر نہ آئے یعنی قد تک تو یہ اونچائی سترہ بنے گی۔

لغت : المار: مر سے مشتق ہے گزرنے والا۔ وقف: ٹھہر جائے۔ اثم: گنہگار ہونا۔ حائل: پردہ، حیلولت سے مشتق ہے۔ یحاذی: محاذات سے مشتق ہے، آمنے سامنے ہونا۔ الدکان: اونچی جگہ۔

ترجمہ : (٤١٨) وہ شخص جو صحرا میں نماز پڑھ رہا ہو اسکے لئے مناسب یہ ہے کہ اپنے سامنے سترہ بنالے۔

ترجمہ : ١ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ اگر تم صحراء میں نماز پڑھو تو اپنے سامنے سترہ بنالو۔

(۴۱۹) ومقدارها ذراع فصاعدا﴾ لـقوله عليه السلام ايعجز احدكم اذا صلى فى الصحراء ان يكون امامه مثل مؤخرة الرحل (۴۲۰) وقيل ينبغي ان يكون فى غلظ الاصبع ﴾ لان مادونه لايبدو للناظرين من بعيد فلا يحصل المقصود

تشريح : مسجد میں لوگ آتے ہی ہیں نماز کے لئے اسلئے اسکی حرکت دیکھ کر سمجھ جائیں گے یہ نماز پڑھ رہے ہیں، لیکن صحراء اور میدان میں یہ پتہ نہیں چلتا کہ نماز پڑھ رہا ہے یا نہیں اسلئے فرمایا کہ صحراء میں سترہ بنالے، تاکہ نمازی کو خلل نہ ہو۔

وجه: (۱) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔عن ابی هريرة أن رسول الله ﷺ قال : اذا صلى احدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئاً فان لم يجد فلينصب عصا ، فان لم يكن معه عصا فليخطط خطا ثم لا يضر ما مر أمامه ۔(ابو داود شریف، باب الخط اذا لم یجد عصا ،ص ۱۰۷، نمبر ۶۸۹/ابن ماجة شریف، باب مایستر المصلی ،ص ۱۳۳، نمبر ۹۴۳) اس اثر میں ہے کہ نماز پڑھے تو اپنے سامنے سترہ کے طور پر رکھ لے، اور وہ نہ ہو تو لکڑی کو بچھا کر رکھے اور وہ بھی نہ ہو تو خط کھینچ دے۔

ترجمه : (۴۱۹) اور سترے کی اونچائی کی مقدار ایک ہاتھ ہو یا اس سے اونچا ہو۔

ترجمه : ۱ حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ کیا تم اس سے بھی عاجز ہو کہ جب تم صحراء میں نماز پڑھو تو کجاوے کے پچھلے حصے کے برابر کوئی چیز سامنے ہو۔

وجه : (۱) ایک ہاتھ اونچا سترہ ہوگا تو دور سے آدمی کو نظر آئے گا تو نمازی سے دور ہو کر چلے گا، اور اسکے سامنے سے نہیں گزرے گا۔(۲) اس حدیث میں ہے کہ کجاوے کی مانند سترہ اونچا ہو۔حدیث یہ ہے۔عن ابی ذر قال قال رسول الله ﷺ اذا قام احدكم يصلى فانه يستره اذا كان بين يديه مثل آخرة الرحل ، فاذا لم يكن بين يديه مثل آخرة الرحل فانه يقطع صلاته الحمار ، و المرأة و الكلب الاسود ۔(مسلم شریف، باب قدر مایستر المصلی ،ص ۲۰۹، نمبر ۵۱۰/۱۱۳۷/ابو داود شریف، باب مایستر المصلی ،ص ۱۰۸، نمبر ۶۸۵) اس حدیث میں ہے کہ کجاوے کی طرح کوئی چیز سامنے ہو تو وہ سترہ بن جائے گا ۔اور اونٹ پر جو کجاوہ رکھا جاتا ہے اسکی اونچائی تقریبا ایک ہاتھ ہوتی ہے اس سے پتہ چلا کہ سترے کی اونچائی ایک ہاتھ ہو۔اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھنے کے لئے ایک لکڑی رکھتے ہیں اسکو کجاوہ کہا جاتا ہے۔(۲) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے۔ كان ابن عمر لا يصلى الا الى السترة قال : كان قدر مؤخرة رحله، ذراع ۔(مصنف عبد الرزاق ،باب قدر مایستر المصلی ، ج ثانی ،ص ۹، نمبر ۲۲۷۳) اس اثر میں ہے کہ حضرت ابن عمرؓ کا سترہ ایک ہاتھ لمبا ہوتا تھا۔

ترجمه : (۴۲۰) اور کہا گیا ہے کہ سترہ ایک انگلی موٹا ہو۔

ترجمه : ۱ اسلئے کہ اس سے کم ہو تو دور سے دیکھنے والے کو نظر نہیں آئے گا، اسلئے مقصود حاصل نہیں ہوگا

(٤٢١) و یقرب من السترة ﴾ ل لقوله علیه السلام من صلی الیٰ سترة فلیدن منها (٤٢٢) ویجعل السترة علیٰ حاجبه الایمن اوعلی الایسر ﴾ ل به ورد الاثر .

وجــه : ۔(١) ایک انگلی سے کم موٹا ہوتو دور سے نظر نہیں آئے گا اسلئے ایک انگلی موٹا سترہ ہونا چاہئے ۔(٢) اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے عن ابی جحیفة قال : خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی بالبطحاء الظهر و العصر رکعتین و نصب بین یدیه عنزة و توضأ . (بخاری شریف، باب السترۃ بمکۃ وغیرھا،ص ٧٢، نمبر ٥٠١ر مسلم شریف، باب سترۃ المصلی و الندب الی الصلوۃ الی سترۃ،ص ١٩٥،نمبر ٥٠٣/١١٢٢) اس حدیث میں ہے کہ سترے کے طور پر آپکے سامنے ڈنڈا گاڑا جس سے معلوم ہوا کہ ڈنڈا کے برابر موٹا ہوتو سترہ ہو جائے گا ،اور ڈنڈا عموما ایک انگلی موٹا ہوتا ہے ،جس سے معلوم ہوا کہ سترہ ایک انگلی موٹا ہو۔ (٣) اس اثر میں اسکا ثبوت ہے ۔أن اباھریرۃ قال :مثل مؤخرۃ الرحل فی جلۃ السوط یعنی السترۃ ۔(مصنف عبد الرزاق ،باب قدر مایستر المصلی ،ج ثانی ،ص ١٣،نمبر ٢٢٩١) اس اثر میں ہے کہ سترہ کوڑے کے برابر موٹا ہو۔

ترجمه: (٤٢١) اور سترہ سے قریب ہو۔

ترجمه : ل حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے کہ جو سترے کی طرف نماز پڑھے اسکو سترے سے قریب ہونا چاہئے ۔

وجه : صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔عن سهل بن ابی حثمة یبلغ به النبی ﷺ قال اذا صلی أحدکم الی سترة فلیدن منها ، لا یقطع الشیطاعلیه صلاته . (ابوداؤد شریف، باب الدنو من السترۃ،ص ١٠٨،نمبر ٦٩٥) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سترہ سے قریب ہونا چاہئے ،اور پہلی حدیث سے معلوم ہوا کہ دونوں کے ہاتھ کے قریب یعنی سجدے کے قریب ہونا چاہئے ۔

ترجمه: (٤٢٢) اور سترہ اپنے دائیں بھوؤں ،یا بائیں بھوؤں کی طرف رکھے ۔

ترجمه : ل حدیث اسی طرح وارد ہوئی ہے ۔

تشریح: سترہ ناک کے سامنے نہ رکھے بلکہ دائیں ،یا بائیں جانب رکھے ۔

وجه : (١) صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے ۔عن ضباعة بنت المقداد بن الاسود عن ابیها قال ما رأیت رسول الله ﷺ یصلی الی عود و لا عمود و لا شجرة الا جعله علی حاجبه الایمن أو الأیسر و لا یصمد له صمدا ۔(ابوداؤد شریف، باب اذا صلی الی ساریۃ أو نحوھا أین یجعلها منه،ص ١٠٧،نمبر ٦٩٣) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سترہ بالکل سامنے نہ ہو بلکہ دائیں جانب یا بائیں جانب ہو ،اور دائیں جانب کی فضیلت ہے اسلئے دائیں جانب ہو تو بہتر ہے ۔(٢) اسکی ایک وجہ یہ بھی

۲؎ ولابأس بترک السترة اذا امن المرورَولم یواجه الطریق (۴۲۳) وسترة الامام سترة للقوم ﴾ ۱؎ لانه علیه السلام صلی ببطحاء مکة الی عنزة ولم یکن للقوم سترة (۴۲۴) ویعتبر الغرز دون الالقاء و الخط ﴾ ۱؎ لان المقصود لایحصل به.

ہے کہ اگر بالکل سترہ کے سامنے نماز پڑھے گا تو کسی کو شک ہوگا کہ اسی سجدہ کر رہا ہے اسلئے دائیں یا بائیں کر دے۔

ترجمہ : ۲؎ اور کوئی حرج کی بات نہیں ہے سترہ چھوڑنے میں اگر گزرنے والوں، اور راستے کے سامنے نہ ہو۔

تشریح : ایسی جگہ نماز پڑھ رہا ہے کہ عام طور پر وہاں سے لوگ نہیں گزرتے ہیں، لوگوں کے گزرنے سے امن ہے، اور راستے کے سامنے بھی نہیں ہے کہ کسی کے گزرنے کا خطرہ ہو تو ایسی جگہ سترہ نہ بھی رکھے تو حرج کی بات نہیں ہے۔

وجہ : حدیث میں اسکا ثبوت ہے۔ عن الفضل بن عباس قال : أتانا رسول الله ﷺ و نحن فی بادیة لنا و معه عباس فصلی فی صحراء لیس بین یدیه سترة و حمارة لنا و کلبة تعبان بین یدیه فما بالی ذالک۔ (ابوداود شریف، باب من قال الکلب لایقطع الصلوة، ص ۱۱۲، نمبر ۷۱۸) اس حدیث میں ہے کہ آپ ؐ کے سامنے سترہ نہیں تھا اسلئے کہ وہاں انسان کے گزرنے کا خطرہ نہیں تھا، اور جانور چونکہ مکلّف نہیں ہے اسلئے اسکے آگے آنے سے کوئی حرج کی بات نہیں ہے۔

ترجمہ : (۴۲۳) اور امام کا سترہ مقتدی کا بھی سترہ ہوگا۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ حضور علیہ السلام بطحاء مکہ میں ڈنڈے کی طرف نماز پڑھ رہے تھے اور مقتدی کا سترہ نہیں تھا۔

تشریح : جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو تو امام کے سامنے سترہ ہو تو مقتدی کے لئے بھی کافی ہے، مقتدی کو سترے کی ضرورت نہیں ہے۔

وجہ : اس حدیث میں اسکا ثبوت ہے اور صاحب ھدایہ کی بھی یہی حدیث ہے۔ عن ابی جحیفة قال : خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلی بالبطحاء الظهر و العصر رکعتین و نصب بین یدیه عنزة و توضأ . (بخاری شریف، باب السترة بمکة وغیرھا، ص ۷۲، نمبر ۵۰۱ / مسلم شریف، باب سترة المصلی والندب الی الصلوة الی سترة، ص ۱۹۵، نمبر ۱۱۲۲/۵۰۳) اس حدیث میں حضورؐ کے پاس سترہ ہے اور مقتدی کے پاس سترہ نہیں ہے۔ اسلئے کہ امام کا سترہ مقتدی کے لئے بھی کافی ہے۔

ترجمہ : (۴۲۴) اور اعتبار کیا جائے گا گاڑنے کا نہ کہ سترہ ڈال دینے کا، اور نہ خط کھینچنے کا۔

ترجمہ : ۱؎ اسلئے کہ مقصود اس سے حاصل نہیں ہوگا۔

تشریح : ڈنڈا، یا لکڑی موجود ہو تو اسکو نیچے لٹا کر رکھ دینے سے کافی نہیں ہوگا بلکہ اسکو گاڑنے سے سترہ بنے گا۔ اسی طرح ڈنڈا نہ ہو تو سامنے خط کھینچ دینے سے سترہ کا کام نہیں دے گا اور سترہ کے لئے وہ کافی نہیں ہوگا۔

(۴۲۵) ﴿ویدرأ المار اذا لم یکن بین یدیه سترة اومرَّ بینه وبین السترة﴾ لے لقوله علیه السلام: فادرؤا ما استطعتم.

وجــــه : (۱) سترہ کا مقصد یہ ہے کہ لوگ دور سے دیکھ کر اسکے اندر سے پار نہ ہو، اور ڈنڈا کو لٹا دیا جائے تو دور سے دیکھنا نہیں ہوگا، اسلئے لٹانے سے کوئی فائدہ نہیں، البتہ کجاوے یا بکس کی طرح کوئی موٹی اور اونچی چیز ہو اسکو سامنے رکھ دی جائے تو وہ سترہ بن جائے گی۔ اسی طرح سامنے خط کھینچنے سے بھی دور سے نظر نہیں آئے گا اسلئے خط کھینچا بھی سترہ کے لئے کافی نہیں ہوگا۔ (۲) حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑا ہے۔ حدیث یہ ہے۔ عن ابی جحیفة قال : خرج رسول الله ﷺ بالهاجرة فصلى بالبطحاء الظهر و العصر ركعتين و نصب بين يديه عنزة و توضأ . (بخاری شریف، باب السترۃ بمکۃ وغیرھا، ص۷۲، نمبر ۵۰۱/ مسلم شریف، باب سترۃ المصلی والندب الی الصلوۃ الی سترۃ ص۱۹۵، نمبر ۱۱۲۲/۵۰۳) اس حدیث میں ہے کہ حضورؐ کے سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑا ہے (۳) عن ابی هریرة أن رسول الله ﷺ قال : اذا صلى احدكم فليجعل تلقاء وجهه شيئاً فان لم يجد فلينصب عصا ، فان لم يكن معه عصا فليخطط خطا ثم لا يضر ما مر أمامه۔ (ابوداود شریف، باب الخط اذا لم یجد عصا ص۱۰۷، نمبر ۶۸۹/ ابن ماجۃ شریف، باب ما یستر المصلی ص۱۳۳، نمبر ۹۴۳) اس حدیث میں ہے کہ سامنے رکھنے کے لئے کوئی چیز نہ ہو تو عصا یعنی ڈنڈا گاڑ دو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سترہ کے لئے ڈنڈا گاڑنا چاہئے۔

فــائـده : بعض حضرات کی رائے ہے کہ اگر ڈنڈا نہ ہو یا ہو لیکن سخت زمین ہونے کی وجہ سے گاڑ نہ سکتا ہو تو خط کھینچنے کی وجہ سے بھی سترے کا کام ہو جائے گا۔ انکی دلیل اوپر والی ابوداود شریف کی حدیث ہے جس میں ہے کہ۔ فان لم يكن معه عصا فليخطط خطا ثم لا يضر ما مر أمامه ۔ (ابوداود شریف، نمبر ۶۸۹/ ابن ماجۃ شریف، نمبر ۹۴۳) اگر ڈنڈا نہ ہو تو خط کھینچ دے یہ سترہ کے لئے کافی ہو جائے گا۔

تـرجـمـه: (۴۲۵) اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو تو سامنے سے گزرنے والے کو دفع کرے، یا نمازی اور سترہ کے درمیان سے گزرے تو دفع کرے۔

تشــريـح : اگر نمازی کے سامنے سترہ نہ ہو اور کوئی آدمی اسکے سجدے کی جگہ سے گزرے تو نمازی اسکو سجدہ کی جگہ پر گزرنے سے ہاتھ کے اشارے سے روکے ، یا سترہ تو ہو لیکن آدمی سترہ اور نمازی کے درمیان سے گزرے تو اسکو درمیان سے گزرنے سے روکے۔

وجه : لے حضور علیہ السلام کے قول کی وجہ سے، کہ جتنا ہو سکے گزرنے والے کو روکو۔

صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ابی سعيد قال قال رسول الله ﷺ : لا يقطع الصلوة شيء ، و ادرؤوا ما استطعتم فانما هو شيطان ۔ (ابوداود شریف، باب من قال لا یقطع الصلوۃ شیء، ص۱۱۳، نمبر ۷۱۹/ دار قطنی ، باب صفۃ السھو فی

(۴۲۶) ویدرأ بالاشارة ﴿۱﴾ کما فعل رسول اللّٰہ بولدی ام سلمة (۴۲۷)اویدفع بالتسبیح ﴿۱﴾ لما روینا من قبل

الصلوۃ وأحکامہ، ج اول،ص ۳۵۷،نمبر ۱۳۶۷)اس حدیث میں ہے کہ گزرنے والے کو جتنا ہو سکے روکو۔(۲)أن ابا سعید قال قال النبی ﷺ .... اذا صلی أحدکم الی شیء یسترہ من الناس فأراد أحد أن یجتاز بین یدیه ، فلیدفعه فان ابی فلیقاتله فانما هو شیطان ۔(بخاری شریف، باب یرد المصلی من مر بین یدیہ،ص ۷۳،نمبر ۵۰۹) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کوئی نمازی اور اسکے سترہ کے درمیان سے گزرنا چاہئے تو اسکو دور کرنے کی کوشش کرے، اور نہ مانے تو تھوڑی سختی سے بھی نمٹے۔

ترجمه: (۴۲۶) اوراشارہ سے روکے۔

ترجمه: ۱ جیسا کہ حضورؐ نے ام سلمہؓ کے دو بچوں کے ساتھ کیا۔

تشریح : سامنے سے گزرنے والے کو دھکا نہ دے، بلکہ اشارہ سے بتائے کہ میں نماز پڑھ رہا ہوں اسلئے میرے سامنے سے دائیں سے بائیں، یا بائیں سے دائیں نہ گزرو البتہ قبلہ کی طرف سے پیچھے کی طرف جانا چاہے تو کنارے کنارے سے جا سکتا ہے۔

وجه : آپ ﷺ کی بیوی حضرت ام سلمہؓ کے بچے سامنے سے گزرے تو آپؐ نے انکو اشارہ سے منع فرمایا تھا۔صاحب ھدایہ کی حدیث یہ ہے۔ عن ام سلمة قالت : کان النبی ﷺ یصلی فی حجرة أم سلمة فمر بین یدیه عبد الله ، او عمر بن أبی سلمة فقال بیده فرجع فمرت زینب بنت ام سلمة فقال بیده هکذا فمضت ، فلما صلی رسول الله ﷺ قال : هن أغلب ۔(ابن ماجۃ شریف، باب ما یقطع الصلوۃ،ص ۱۳۴،نمبر ۹۴۸ رمصنف ابن ابی شیبۃ ۶۲، من کان یکرہ أن یمر الرجل بین یدی الرجل وھو یصلی ، ج اول،ص ۲۵۳،نمبر ۲۹۱۸)اس حدیث میں ہے کہ آپؐ نے ہاتھ سے اشارہ کر کے گزرنے والے بچے کو روکا۔

ترجمه : (۴۲۷) یا تسبیح کر کے گزرنے والے کو روکے۔

ترجمه: ۱ اسکے لئے حدیث اس سے پہلے روایت کر دی ہے۔

وجه: اگر ہاتھ کے اشارے سے نہ روکے تو زور سے تسبیح پڑھے جس سے گزرنے والے کو پتہ چل جائے کہ یہ آدمی نماز میں ہے جسکی وجہ سے وہ سامنے سے نہ گزرے۔اسکے ثبوت کے لئے یہ حدیث گزر چکی ہے۔عن سهل ابن سعد الساعدی : أن رسول الله ﷺ ذهب الی بنی عمرو بن عوف لیصلح بینهم .....من رابه شیء فی صلوته فلیسبح فانه اذا سبح التفت الیه و انما التصفیق للنساء . (بخاری شریف، باب من دخل لیؤم الناس الخ،ص ۹۵،نمبر ۶۸۴ رمسلم شریف،

(۴۲۸) ويكره الجمع بينهما ﴾ ١ لان باحدهما كفاية.

باب تقديم الجماعة من يصلي بهم ،ص ۱۷۹،نمبر۹۴۹/۴۲۱) اس حدیث میں ہے کہ کوئی معاملہ پیش آ جائے تو تسبیح پڑھ کر اسکو حل کرو، اسلئے گزرنے والے کو تسبیح پڑھ کر روکے گا۔

ترجمه : (۴۲۸) اور تسبیح اور اشارہ دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔

ترجمه : ١ اسلئے کہ دونوں میں سے ایک کافی ہے۔

تشریح : گزرنے والے کو روکنے کے لئے اشارہ بھی کرے اور تسبیح بھی پڑھے یہ جائز تو ہے لیکن اچھا نہیں ہے، اسلئے کہ دونوں میں سے ایک سے کام چل جاتا ہے تو دوسرے کو کرنے کی ضرورت کیا ہے! اسلئے دونوں کو جمع کرنا مکروہ ہے۔